فتاویٰ اہلحدیث

من

مجتہد العصر حافظ عبداللہ محدث روپڑی

ترتیب

الشیخ ابو عبدالسلام محمد صدیق

جلد دوم

ادارۃ احیاء السنۃ النبویۃ

ڈی بلاک سیٹلائٹ ٹاؤن سرگودھا

(پاکستان)

فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون

فتاویٰ اہلحدیث

جلد دوم

از

مجتہد العصر حافظ عبد اللہ محدث روپڑی

ترتیب و تدوین

ابو السلام محمد صدیق تلمیذ محدث روپڑی رح

فہرست مضامین فتاویٰ اہلحدیث جلد دوم

جمعہ کا بیان

سورج گرہن چاند گرہن کی نماز کا بیان

نماز عیدین کا بیان

صدقہ فطر

زکوٰۃ کا بیان

اعلام

نام کتاب ـــــــ فتاوی اہل حدیث جلد دوم

ترتیب تدوین ـــــــ تلمیذ محدث روپڑی رح مولانا محمد صدیق بن عبدالعزیز رح سرگودھا

ـــــــ

تعداد ـــــــ

قیمت مجلد ـــــــ روپے

زیر اہتمام ـــــــ ادارہ احیاء السنۃ النبویہ ڈی بلاک سیٹلائٹ ٹاؤن سرگودھا

پریس ـــــــ

عرض مرتب

فتاویٰ اہلحدیث کی یہ تیسری اور آخری جلد ہے اس مجموعہ ہائے فتاویٰ کی ترتیب و تدوین کے اس اہم کام کا ۲۵/ ذی قعدہ ۱۳۹۲ھ کو خدائے وحدہٗ لاشریک کے بھروسہ پر آغاز کیا گیا تھا۔ چنانچہ بحمد اللہ آج مورخہ ۲۰/ رجب ۱۳۹۷ھ کو اسی کے فضل و کرم اور تائید و توفیق سے پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ وما توفیقی الا باللہ

این سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

حضرت محدث روپڑی رح کے علمی مرتبہ سے جو لوگ آشنا ہیں وہ میری اس حقیر محنت کی ضرورت و اہمیت کا صحیح اندازہ کر سکتے ہیں کیونکہ حضرت محدث رح کے گرانقدر علمی خزانوں کو اگر طاقِ نسیاں کی نذر رکھا جاتا تو یہ مرحوم و مغفور کے ساتھ اور ان کی عمر بھر کی علمی کاوشوں اور علمی گوہر ہائے گراں مایہ کے ساتھ بے رخی اور بے اعتنائی کا باعث ہوتی اور فیضان دین کے اس سلسلہ کو سخت نقصان پہنچتا۔

ان مفید اور اہم مجموعہ ہائے فتاویٰ کی ترتیب و تدوین میں کم و بیش پونے پانچ برس کا عرصہ صرف ہوا اس تاخیر کی وجوہات میں مادی و مالی مشکلات و ناہمواریوں کو بڑا دخل ہے، بہر حال اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ گشاں گشاں یہ مقدس فریضہ سر انجام پایا۔ والحمد للہ علی ذالك۔

اُمید ہے قارئین کرام حضرت محدث روپڑی رح اور مرتب پُرتقصیر کو اپنی نیک دعاؤں میں یاد رکھیں گے۔

محمد صدیق بن عبد العزیز رح

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جمعہ کا بیان

جمعہ اور ظہر کیا یہ الگ الگ دو ہیں یا ایک

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء غیر مقلدین و مانع ظہر بعد الجمعہ اس مسئلہ میں کہ :-

۱- نماز جمعہ عین ظہر ہے یا غیر ظہر اگر عین ظہر ہے تو اس میں تخالف کیوں ہے مثلاً

(۱) غلام - مسافر - قیدی عورت - نابینا - لنگڑا - بیمار - بیمار کی خدمت کرنے والا - جنازہ کرنے والا - بوقت بارش دیہاتی صحرائی پر جمعہ فرض نہیں مگر ظہر ان سب پر فرض ہے (۲) جمعہ بلا شرط خطبہ ادا نہیں ہوتا مگر ظہر بلا خطبہ ادا ہوتی (۳) جمعہ بلا جماعت نہیں مگر ظہر اکیلے بھی درست ہے (۴) جمعہ بلا شاہ اسلام نہیں مگر ظہر بغیر اس کے فرض ہے

(۵) جمعہ اپنے وقت سے باہر فرض نہیں مگر ظہر اپنے وقت اور خارج از وقت برابر فرض ہے۔

(۶) جمعہ بغیر عذر کے ترک ہو جائے تو ایک دینار دینے سے معاف ہو جاتا ہے مگر ظہر کے لئے یہ شرط نہیں۔

(۷) جمعہ دو رکعت اور ظہر چار رکعت - ظہر میں قراءت آہستہ اور جمعہ میں بلند پھر اس پر حکم ظہر؟

(۸) نماز پنجگانہ روزانہ ہر مومن و مومنات پر فرض ہے یا نہیں - اگر فرض ہے تو کتنی رکعت؟

(۹) پانچ نمازیں پہلے فرض ہوئیں یا جمعہ - اگر پنجگانہ پہلے فرض ہوئیں تو بروز جمعہ ترک ظہر کے لئے کونسی دلیل ہے؟

(۱۰) اگر جمعہ پہلے فرض ہوا ہے تو قبل از فرضیت صلوٰۃ خمسہ حضور صلعم کہاں پر جمعہ ادا فرماتے تھے - اکیلے اکیلے یا جماعت کے ساتھ

(۱۱) بروز جمعہ ظہر فرض ہے یا جمعہ - اگر ظہر فرض ہے تو کتنے رکعت - اگر جمعہ فرض ہے تو کتنے رکعت - اگر جمعہ فرض ہے تو جس کو جمعہ نہ ملے تو وہ جمعہ پڑھے یا ظہر اگر جمعہ پڑھے تو اس کی دلیل تحریر ہو - اگر ظہر پڑھے تو کیوں؟ اس روز تو بقول آپ کے اس پر جمعہ ہی فرض نہ تھا - نہ ظہر فرض تھی -

(۱۲) ہر نماز میں قبلہ کی طرف منہ کرنا شرط ہے - اگر بقول آپ کے خطبہ دو رکعت کے قائم مقام ہے تو اس میں توجہ قبلہ کیوں نہیں، اگر نماز مشرق کی طرف منہ کر کے پڑھیں تو کیا نماز ادا ہو جائے گی -

(۱۳) اگر کسی کا نصف خطبہ ترک ہو جائے تو بعد سلام امام یا مقتدی ایک رکعت اٹھ کر ادا کرے یا نہیں -

(۱۴) جمعہ کی ایک رکعت پانے والا بعد سلام امام مقتدی تین رکعت ادا کرے یا نہیں -

(۱۵) جماعت ظہر میں ایک رکعت پانے والا بعد سلام امام مقتدی تین رکعت ادا کرے گا یا نہیں -

(۱۶) جمعہ مشروط با شرائط ادا ہے یا نہیں اگر ہے تو کیا ایک شرط کے فوت ہونے سے جمعہ ادا ہو جائے گا - یعنی فرض وقتی سے بری الذمہ ہو جائے گا - اگر مشروط نہیں تو اکیلے جہاں چاہے آبادی ہو یا جنگل سواری ریل ہو یا کشتی جمعہ پڑھ سکتا ہے یا نہیں -

(۱۷) جس مسجد میں جمعہ ہو چکا ہو۔ وہاں ایک دو نمازی بعد میں آئیں تو ظہر پڑھیں یا جمعہ۔ اگر جمعہ پڑھیں تو اذان و اقامت سے ادا کریں یا نہیں۔

یہ تمام سوالات ایک حنفی مقلد نے کئے ہیں۔

راقم محمد از کھیپانوالی ڈاکخانہ مکتسر ضلع فیروزپور مورخہ ۲ شوال ۱۳۵۰ھ

جواب۔ جمعہ کے عین ظہر ہونے سے کیا مراد ہے۔ اگر یہ مراد ہے کہ احکام میں فرق نہیں تو اس معنیٰ سے عین ظہر نہیں بلکہ غیر ظہر ہے۔ کیونکہ ظہر اور جمعہ میں کئی احکام میں فرق ہے۔ چنانچہ سوال میں ذکر ہے اگرچہ سوال میں بعض ایسے احکام بھی ذکر ہیں جو صحیح نہیں جیسے بادشاہ کی شرط کرنا یا بلا عذر ترک کی صورت میں بغیر توبہ کے ایک دینار سے معاف ہو جانا لیکن بعض کی صحت میں کوئی شبہ نہیں جیسے خطبہ جماعت وغیرہ۔

اگر عین ظہر ہونے سے یہ مراد ہے کہ اس سے ظہر ساقط ہو جاتی ہے تو بے شک صحیح ہے۔ دلیل اس کی قرآن و حدیث ہے۔ قرآن مجید میں ہے وَاِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ۔ اس آیت میں نماز سے مراد بالاتفاق جمعہ کی نماز مراد ہے۔ شانِ نزول بھی جمعہ کی نماز میں ہے۔ اس کے بعد فرمایا۔

فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوۃُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ

یعنی جب نماز جمعہ سے فراغت ہو جائے تو زمین میں روزی کی تلاش کے لئے پھیل جاؤ۔

اس سے معلوم ہوا کہ جمعہ کے دن نماز ظہر نہیں۔ مشکوٰۃ وغیرہ میں بکثرت احادیث موجود ہیں کہ رات دن میں پانچ نمازیں فرض ہیں۔ اور یہ بھی آیا ہے کہ جو شخص تین جمعہ متواتر چھوڑ دے اُس کے دل پر مہر ہو جاتی ہے۔ نیز اُوپر کی آیت بھی دلالت کرتی ہے کہ جمعہ کے دن نماز ضروری ہے۔ سب کاروبار چھوڑ کر نماز جمعہ کو حاضر ہونا چاہیے۔ پس جمعہ کے دن نماز ضروری ہوئی تو اب ظہر کا حکم نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس سے لازم آتا ہے کہ چھ نمازیں فرض ہوں معاذ اللہ خدا ایسا نہیں کہ پچاس نمازوں کی پانچ کر کے چھ کر دے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کی طرف سے ندا آئی۔

امضیت فریضتی وخففت عن عبادی متفق علیہ (مشکوٰۃ باب المعراج)

یعنی میں نے اپنا فرض جاری کر دیا اور اپنے بندوں پر تخفیف کر دی۔

اور بعض روایتوں میں مَا یُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَیَّ بھی آیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا اب یہ بات میرے نزدیک بدلی نہیں جائے گی۔ پانچ نمازوں سے کم ہوں گی اور نہ زیادہ۔

اس تمہید کے بعد اب ہر سوال کا جواب نمبر وار سنئے۔

احکام میں فرق ہونے کی وجہ سے جمعہ غیر ظہر ہے۔ اور ظہر ساقط ہونے کی وجہ سے نمازِ جمعہ عین ظہر ہے۔ سنّتِ موکدہ سے تحیۃ المسجد ادا ہو جاتا ہے۔ اور حنفیہ کے نزدیک رکوع سے سجدۂ تلاوت ادا ہو جاتا ہے تو ظہر اور جمعہ میں تو اتنا فرق نہیں۔ اِس کا جُمعہ سے ساقط ہونا معمولی بات ہے۔ ظہر کے ساقط ہونے کی دلیل یہ ہے کہ رات دن میں صرف پانچ نمازیں فرض ہیں چھ نہیں۔ چنانچہ اُوپر تفصیل ہو چکی ہے۔ نیز وہ حدیث بھی دلیل ہے جو جواب نمبر ۱۱ میں آئی ہے۔

۱۔ روزانہ پانچ ہی نمازیں فرض ہیں۔ جمعہ کے دن پندرہ رکعتیں فرض ہیں اور باقی دنوں میں سترہ۔ کیونکہ جب جمعہ سے ظہر ساقط ہوگئی تو ضرور ہے کہ جمعہ کے دن پندرہ رکعتیں فرض ہوں۔ ۹۔ ۱۰ حدیث میں ہے کہ پہلے نماز۔ دو، دو رکعت فرض ہُوئی۔ پھر ہجرت کے بعد چار رکعت ہوگئی اور سفر کی نماز اِسی حالت پر رہی۔ اور خوف کی نماز ایک رکعت ہوگئی۔ بلوغ المرام میں ہے مغرب کی نماز چار رکعت نہیں ہوئی اِس لئے کہ وہ دن کے وتر ہیں۔ اور فجر کی نماز بھی چار رکعت نہیں ہوئی۔ کیونکہ اس میں قرأت لمبی ہے۔ نیز ہجرت سے پہلے وضو کے فرض ہونے کی کوئی دلیل نہیں جس آیت سے وضوء کی فرضیت ثابت ہوتی ہے وہ مدنی ہے۔ اِس طرح سے آہستہ آہستہ نمازوں کے احکام میں فرق پڑتا رہا۔ اِس فرق سے بعض نمازوں کے نام میں بھی فرق پڑ گیا۔ مثلاً نمازِ سفر۔ نمازِ خوف۔ نمازِ جُمعہ وغیرہ۔

اب سوال میں نمازِ جمعہ کو نمازِ پنجگانہ سے الگ کر کے یوں سوال کرنا کہ نمازِ پنجگانہ پہلے فرض ہوئی یا جمعہ اس سے کیا مُراد ہے۔ اگر یہ مُراد ہے کہ نمازِ جمعہ نمازِ پنجگانہ سے الگ ہے تو یہ بالکل غلط ہے۔ اِس سے لازم آتا ہے کہ نمازِ خوف وغیرہ بھی الگ ہو کیونکہ معراج کی رات یہ قسمیں نہ تھیں۔ اور اگر یہ مُراد ہے کہ نمازِ جمعہ پانچ نمازوں میں داخل ہے۔ لیکن ظہر میں جُمعہ کے دن کچھ تفصیل آنے کی وجہ سے جمعہ کے دن کی ظہر کو نمازِ جمعہ نام رکھ دیا تو یہ بالکل صحیح ہے لیکن اِس صورت میں پہلے پچھلے کا سوال فضول ہے۔ اگر پیچھے ہو اور حقیقت میں ہے بھی پیچھے کیونکہ آیت جمعہ پیچھے اُتری ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ عموماً عبادات میں ایسا فرق پڑتا رہا۔ دیکھئے زکوٰۃ مکہ میں فرض ہوئی لیکن سونا، چاندی۔ اُونٹ۔ بکری کی تفصیل سے اور ہر ایک کا الگ نصاب یہ سب کچھ مدینہ میں ہوا۔ پہلے محرم کا روزہ تھا۔ پھر رمضان اُترا۔ جس میں روزہ کی جگہ فدیہ (ایک مسکین کو کھانا دینے) کا بھی اختیار تھا۔ پھر اس کے بعد روزہ رکھنا لازم ہوگیا۔ اس طرح سے بہت سے احکام بدلتے رہے۔ ٹھیک اس طرح ظہر میں کچھ کمی بیشی کر کے نمازِ جمعہ ہوگئی زید کا اگر ہاتھ کٹ جائے یا کوئی جگہ اس کی سُوج جائے یا بچہ سے جوان یا بوڑھا ہو جائے تو کیا وہ کوئی اور شخص ہو جایا کرتا ہے۔ یہ کیسا فضول سوال ہے جس کا نہ سر ہے نہ پیر ہے۔

۱۱۔ جمعہ کے دن جمعہ ہی فرض ہے لیکن اگر جمعہ نہ ملے تو ظہر پڑھے۔ مشکوٰۃ باب الخطبۃ والصلوٰۃ

میں حدیث ہے ۔ جو جمعہ کی ایک رکعت پالے وہ دوسری ساتھ ملالے اور جس سے دونوں رکعتیں فوت ہوگئیں وہ چار پڑھے یا فرمایا ظہر پڑھے ۔ اس کی موید اور روایتیں بھی ہیں ۔ ملاحظہ ہو نیل الاوطار وغیرہ ۔

۱۲ ۔ یہ ہم نہیں کہتے حضرت عمرؓ ، حضرت عائشہؓ سے مصنف ابن ابی شیبہ میں روایت ہے کہ خطبہ دو رکعت کے قائم مقام کیا گیا ہے لیکن اس کے بعض احکام میں فرق کر دیا گیا ہے جیسے ظہر جمعہ میں فرق ہے کیونکہ دو رکعتیں ظہر کی کم کر کے ان کی جگہ خطبہ رکھنا ۔ اس سے مقصد یہ ہے کہ سامعین کو وعظ ہو ۔ اور وعظ کی اصل صورت یہ ہے کہ سامعین کی طرف منہ ہو ۔ اس لئے قبلہ رخ ہونے کی شرط اڑا دی ۔ جیسے صلوٰۃ خوف کی بعض صورتوں میں جس طرف منہ ہو ۔ اسی طرف درست ہے ۔ اس طرح سفر میں وتر اور نفل سواری پر جس طرف منہ ہو درست ہیں ۔ اس طرح فجر کی نماز میں لمبی قرأت دو رکعت کے قائم مقام ہے لیکن لمبی قرأت ضروری نہیں ۔ اس طرح صدقہ فطر روزہ کی کمی اور نقصان کو پورا کرتا ہے مگر احکام الگ ہیں ۔ اور صدقہ فطر کے الگ اور نماز میں بھول کر پانچ رکعت پڑھی جائیں تو سجدہ سہو ایک رکعت کے قائم مقام ہو جاتا ہے ۔ اسی طرح سورہ بقر کی آخری دو آیتیں رات میں پڑھے تو قیام لیل کا کام دے سکتی ہیں ۔ اسی طرح سورہ آل عمران کا آخری رکوع ، حالانکہ قرآن مجید میں قبلہ رخ ہونا شرط نہیں ۔ غرض یہاں رائے قیاس کو کوئی دخل نہیں حکم کی تعمیل ہے ۔ جس طرح وارد ہوا اسی طرح کرتے جانا چاہیے ۔ مومن کا کام آمنا و صدقنا ہے نہ چون و چرا ۔ اور اگر آپ ضرور کرید ہی کرنا چاہتے ہیں تو اس کی مثال آپ یوں سمجھئے کہ تھانیدار کی عدم موجودگی میں تھانیدار کا کام منشی کرتا ہے حالانکہ ویسے ان میں بڑا فرق ہے

(۱۳ ۔ ۱۴ ۔ ۱۵) ان تینوں نمبروں کا جواب نمبر ۱۱ میں آچکا ہے ۔

(۱۶) جو شرائط قرآن و حدیث میں آچکے ہیں وہ بسر و چشم منظور ہیں اور ان کے فوت ہونے سے جمعہ نہیں ہوگا جیسے جماعت ۔ ہاں کسی شرط کی بابت حدیث میں آجائے کہ اس کے نہ پانے کی صورت میں بھی جمعہ ہو جائے گا تو اس صورت میں جمعہ ہو جائے گا جیسے نمبر ۱۱ میں گزر چکا ہے کہ ایک شخص نے صرف ایک رکعت پائی نہ خطبہ پایا نہ پہلی رکعت میں شامل ہوا تو وہ ایک رکعت اور ملالے گویا خطبہ فوت ہونے سے اس کے جمعہ میں فرق نہیں آیا ۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے شافعیہ کہتے ہیں ۔ رکوع میں رکعت ہو جاتی ہے حالانکہ ان کے نزدیک فاتحہ فرض ہے اور حنفیہ کے نزدیک بھی رکوع میں رکعت ہو جاتی ہے حالانکہ ان کے نزدیک قیام فرض رہ جاتا ہے ۔ اگر وہ کہیں کہ ہم تکبیر کہہ کر قیام کر کے امام کے ساتھ ملتے ہیں تو یہ حدیث کے خلاف ہے کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ امام کو جس حالت میں پاؤ اس کے ساتھ شامل ہو جاؤ ۔ اس لئے اگر امام سجدہ میں ہو تو کوئی شخص رکوع کر کے سجدہ میں امام

سے جا ملے تو اس کا نہ شافعیہ اعتبار کرتے ہیں نہ حنفیہ۔

(۷) نمبر ۱ میں اس سوال کا جواب آچکا ہے کیونکہ نمبر ۱ میں جو حدیث گزری ہے وہ عام ہے۔ ایک کو بھی شامل ہے زیادہ کو بھی۔ چنانچہ اس کے اصل الفاظ یہ ہیں۔

مَنْ اَدْرَكَ مِنَ الْجُمُعَةِ فَلْيُصَلِّ اِلَيْهَا اُخْرٰى وَمَنْ فَاتَتْهُ الرَّكْعَتَانِ فَلْيُصَلِّ اَرْبَعًا اَوْ قَالَ الظُّهْرَ۔

یعنی جو جمعہ کی ایک رکعت پائے وہ ساتھ دوسری ملائے اور جس سے دونوں رکعتیں فوت ہو جائیں تو وہ چار پڑھے یا فرمایا ظہر پڑھے۔

اس حدیث میں کلمہ مَن ہے جس میں ایک بھی داخل ہے اور زیادہ بھی داخل ہیں۔ جیسے قرآن مجید میں ہے۔

ومن الناس من يقول امنا بالله وباليوم الاخر وما هم بمومنين۔

یعنی بعض لوگ کہتے ہیں ہم ایمان لائے اللہ پر اور دن آخرت پر لیکن حقیقت میں سب، وہ ایمان والے نہیں

نوٹ:۔ جمعہ اور ظہر اور دیہات میں جمعہ کی زیادہ تحقیق منظور ہو تو ہمارا رسالہ اطفاء الشمعہ ملاحظہ کریں۔

عبداللہ امرتسری مقیم روپڑ

۲۴ مارچ ۱۹۳۳ء ۲۶ ذی قعدہ ۱۳۵۱ھ

عورت الگ جمعہ پڑھا سکتی ہے

سوال:۔ عورتیں علیحدہ کسی کے گھر کسی عورت کی امامت میں جمعہ پڑھ سکتی ہیں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت عائشہؓ کے زمانہ میں یا بعد کسی زمانہ میں عورتوں نے عورت کی امامت میں الگ جمعہ پڑھا ہو۔

جواب:۔ جمعہ کے متعلق خاص واقعہ ملنا تو بہت مشکل ہے۔ ہاں پانچوقتی نماز سے استدلال ہو سکتا ہے کیونکہ جب ایک نماز میں ایک چیز ثابت ہو جائے تو سب نمازیں اس میں یکساں ہوتی ہیں جب تک کوئی مانع نہ ہو مثلاً پانچوقتی نماز جوتہ کے ساتھ پڑھنے کا ذکر آجائے تو یہی جمعہ۔ عیدین۔ نماز کسوف وغیرہ کے لئے کافی ہے۔ اس کے لئے الگ واقعہ تلاش کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ متفقہ مسئلہ ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو بہت گڑبڑ ہوگی مثلاً رفعیدین آمین وغیرہ۔ ایک نماز میں ثابت ہو جائے تو یہ سب میں جاری ہوگا۔ نماز جمعہ وغیرہ میں ہمیں الگ دلیل

تلاش کرنے کی ضرورت نہیں یہ کم علم لوگوں کا کام ہے کہ بحثوں میں پڑجاتے ہیں۔ خاص کر جمعہ تو پانچوقتی نماز میں شامل ہے کیونکہ ظہر کے قائم مقام ہے تو اس میں عورت کی امامت بدعت نہیں ہوسکتی۔

عبداللہ امرتسری روپڑی حال لاہور ماڈل ٹاؤن سی بلاک کوٹھی ع ۱۱۹

۱۱ ربیع الاخر ۱۳۷۸ھ ۲۶ اکتوبر ۱۹۵۸ء

کیا اکیلے کا جمعہ ہو جاتا ہے

سوال :۔ زید کہتا ہے کہ آدمی جنگل میں یا کھیت میں سخت ضرورت کے سبب گاؤں میں حاضر نہ ہو سکتا ہو تو اپنے کھیت میں اکیلا جمعہ پڑھ لے تو فرض ادا ہو جائے گا۔ اس کے دلائل حسب ذیل ہیں۔

اوّل۔ عبداللہ بن عباس کا قول ہے۔ امام شوکانی رحمہ کشف الغمہ میں لکھتے ہیں کہ ایک آدمی کا جمعہ ہو جاتا ہے ابن عباس رضی سے کسی نے سوال کیا کہ اگر کوئی آدمی اکیلا اپنے کھیت میں جمعہ پڑھ لے تو کیا حکم ہے آپ نے فرمایا لا حرج ابن زبیر کے زمانہ میں عید و جمعہ اکٹھے آئے تو ابن زبیر جمعہ کو نہ آئے اکیلے پڑھ لیا۔

ابوداؤد و بخاری میں ہے کہ جمعہ کے دن بارش ہوئی تو ابن عباس رضی نے موذن کو کہا کہ الصلوۃ فی بیوتکم کہو شاید انہوں نے اپنے گھروں میں ہی جمعہ پڑھا ہو۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ وہ بکریوں والا جو پہاڑی پر رہتا تھا ہو سکتا ہے کہ وہ جمعہ اکیلا پڑھ لیتا ہو۔

واختلفوا فی مصداق لفظ الجماعۃ قال الحافظ فی فتح الباری شرح البخاری فیہ خمسۃ عشر مذھبا احدھا تصح من الواحد نقلہ ابن حزم والیہ نذھب القاشانی والحسن بن صالح۔ الخ دلیل آیت شریفہ کفرتم بعد ایمانکم ان نعف عن طائفۃ منکم نعذب طائفۃ بانھم کانوا مجرمین۔

اس آیت میں ایک آدمی کو اللہ تعالیٰ نے جماعت فرمایا ہے۔ زید یہ دلیل پیش کرتا ہے۔ اگر کوئی شخص اشد ضرورت والا اپنے کھیت میں یا اکیلا آدمی ہے۔ اس کے گاؤں میں بالکل جمعہ ہوتا ہی نہیں اور دوسری جگہ جا نہیں سکتا تو ایسی ضرورت میں اکیلا جمعہ کی تکبیر بلند کہہ کر بطور جماعت کے پڑھ لے تو جمعہ ادا ہو جائے گا۔

عمرو کہتا ہے کہ ایک آدمی کو مطلقاً ہرگز ہرگز جمعہ جائز نہیں۔ تمام اہل اسلام کے برخلاف ہے۔ اجماع کے برخلاف ہے۔ آں حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بھی برخلاف ہے کیونکہ حدیث میں جماعت کا لفظ آیا ہے۔ دو ہوں تو جمعہ ہو

سکتا ہے اکیلا ہرگز نہیں پڑھ سکتا۔ فقط

سوال یہ ہے کہ زید و عمرو دونوں سے حق پر کون ہے۔ اکیلا جمعہ پڑھ لیوے تو جمعہ ادا ہو جاتا ہے یا نہیں۔

صدر الدین قریشی چشتی

جواب۔ مشکوٰۃ میں ہے۔

عن طارق بن شهاب رض قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم الجمعة حق واجب علی کل مسلم فی جماعة الا علی اربعة عبد مملوك او امرأة او صبی او مریض رواہ ابو داؤد و فی شرح السنة بلفظ المصابیح عن رجل من بنی وائل۔ (مشکوٰۃ باب وجوبها)

یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چار کے سوا ہر مسلمان پر جماعت میں جمعہ حق واجب ہے صرف غلام عورت۔ لڑکا۔ بیمار اس حکم سے خارج ہیں۔

اِس حدیث سے معلوم ہوا کہ جماعت ضروری ہے۔

امام شوکانی رح نیل الاوطار میں لکھتے ہیں۔

لا مستند لصحتها من الواحد المنفرد واما من قال انها تصح باثنین فاستدل بان العدد واجب بالحدیث والاجماع ورای انه لم یثبت دلیل علی اشتراط عدد مخصوص وقد صحت الجماعة فی سائر الصلوات باثنین ولا فرق بینها وبین الجماعة ولم یات نص من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بان الجمعة لا تنعقد الا بکذا وهذا القول هو الراجح عندی (نیل الاوطار جلد ۳ صفحہ ۱)

یعنی اکیلے کے جمعہ ہونے کی کوئی دلیل نہیں اور جو کہتے ہیں کم از کم دو کے ساتھ جمعہ ہو جاتا ہے انہوں نے (اوپر کی) حدیث اور اجماع سے استدلال کیا ہے۔ حدیث اور اجماع دونوں سے جماعت کا وجوب ثابت ہوتا ہے اور کسی حدیث میں عدد کی تعیین نہیں آئی۔ اور باقی نمازوں میں دو کی جماعت ہو جاتی ہے تو جمعہ میں بھی ادنیٰ درجہ سے جماعت ہو جائے گی۔ اور میرے نزدیک یہی قول راجح ہے۔

نیز امام شوکانی دراری المضیہ شرح درر البہیہ میں اور نواب صدیق الحسن روضۃ الندیہ شرح درر البہیہ میں لکھتے ہیں۔

لولا حديث طارق بن شهاب المذكور قريبا من تقييد الوجوب على كل مسلم بكونه

فی جماعة ومن عدم اقامتها صلى الله عليه وسلم فی زمنه فی غير جماعة لكان

نعلها فرادى مجزئاً كغيرها من الصواب (ص۸۹)

یعنی اگر طارق بن شہاب کی حدیث نہ ہوتی جس کو جمعہ کو جماعت میں واجب کہا ہے نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمیشہ پڑھنے کا ذکر نہ ہوتا تو جیسے اور نمازیں اکیلے اکیلے ہو جاتی ہیں۔ جمعہ بھی اکیلے اکیلے جائز ہوتا مگر حدیث مذکور اور آپ کا ہمیشہ جماعت میں پڑھنا اکیلے کے جمعہ صحیح ہونے سے مانع ہے

زید نے اپنے دعوے کے جتنے دلائل دئے ہیں۔ ان سے ایک بھی اس بارہ میں صریح نہیں کہ اکیلے کا جمعہ ہو جاتا ہے۔ عید جمعہ کے اکٹھا ہونے کے دن ابن زبیرؓ کے جمعہ پڑھنے کا کہیں ذکر نہیں۔ پھر صحابی کا قول فعل حدیث کے مقابلہ میں حجت نہیں۔ اِسی طرح بارش کی روایت میں اور پہاڑی پر رہنے والے کی حدیث میں جمعہ پڑھنے کا کوئی ذکر نہیں پھر گھروں میں کئی آدمی ہوتے ہیں اکیلے ہونے کی کوئی دلیل نہیں۔

رہا ابن عباس کا قول جو کشف الغمہ کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے امام شوکانیؒ کے نزدیک صحت کو نہیں پہنچا۔ ورنہ نیل الاوطار کی عبارت میں جماعت کی شرط پر اجماع ذکر نہ کرتے۔ پھر یہ حدیث کے خلاف ہے اس لئے بھی اس کا اعتبار نہیں۔ اِس کے علاوہ کشف الغمہ میں جو ابن عباس کا قول نقل کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اکیلے کا حقیقت میں جمعہ نہیں بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک جو جمعہ نہ پائے وہ دو رکعت بھی پڑھ سکتا ہے اور چار بھی پڑھ سکتا ہے۔ گویا ان کے نزدیک جس کو جمعہ نہ ملے اس پر چار رکعت ضروری نہیں۔ چنانچہ اصل عبارت یہ ہے۔

سئل ابن عباس عن رجل صلى الجمعة فی بستانه فرادى فقال لا حرج

اذا قام شعار الجمعة بغيره[1] (کشف الغمہ ص۱۳۳)

یعنی ابن عباسؓ سے ایک شخص کی بابت سوال ہوا جو اکیلا اپنے باغ میں جمعہ پڑھے تو فرمایا کوئی حرج نہیں لیکن شرط یہ ہے کہ اس کے بغیر جمعہ کا شعار قائم ہو۔ جمعہ کا شعار قائم ہونے کا مطلب یہ کہ با جماعت خطبہ کے ساتھ اس کے بغیر وہاں جمعہ ہوتا ہو تو اس صورت میں دلوجہ دوری کے باغ میں اکیلا پڑھ لے تو کوئی حرج نہیں۔

[1] یہ لفظ کتاب میں یا کے ساتھ لکھا گیا ہے لیکن یہ غلط ہے صحیح با کے ساتھ ہے۔

اس عبارت کا مطلب صاف ہے کہ اس کی دو رکعت حقیقت میں جمعہ نہیں ورنہ اس کے بغیر جمعہ کے شعار قائم ہونے کی شرط قائم نہ کرتے۔ ابن عباس رضؓ نے یہ شرط اس لئے کی ہے کہ اس کے اکیلے خطبہ پڑھنے کا تو کچھ معنیٰ ہی نہیں۔ کیونکہ خطبہ خطاب سے ہے۔ جو مخاطب کو چاہتا ہے تو صرف دو رکعت بغیر جماعت کے ہوئیں پس جب یہ دو رکعت حقیقت میں جمعہ نہ ہوئیں تو یہ کہنا کہ ابن عباس کا مذہب ہے کہ اکیلے کا جمعہ ہو جاتا ہے یہ صحیح نہ ہوا بلکہ اس کا مآل اس طرف ہوا کہ جو جمعہ نہ پا سکے وہ جمعہ کے دن کتنی رکعت پڑھے۔ ابن عباس رضؓ کا مذہب ہے کہ دو پڑھنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔ اور اکثر علماء کہتے ہیں۔ چار پڑھے اور حدیث کی رو سے یہی صحیح ہے ملاحظہ ہو (مشکوۃ باب الخطبہ)

اور زید کا یہ کہنا کہ جماعت کا استعمال ایک میں بھی ہوتا ہے یہ درست نہیں۔ جس کی کئی وجہیں ہیں۔ ایک یہ کہ ابن ماجہ وغیرہ میں حدیث ہے اثنان فما فوقھما جماعۃ۔ یعنی دو۔ پس دو سے زیادہ جماعت ہیں اور بخاریؒ نے اس پر باب باندھا ہے۔

(دوم) جماعت کا لفظ اجتماع کو چاہتا ہے۔ ایک شے کے اجتماع کا کچھ معنیٰ نہیں۔ اور آیت مذکورہ میں طائفہ کا لفظ اجتماع کو نہیں چاہتا۔ اِس لئے اس کا استعمال ایک میں بھی ہو سکتا ہے کیونکہ اس کے اصل معنیٰ ٹکڑے کے ہیں خواہ ایک شخص ہو یا زیادہ ہوں۔

(سوم) طارق بن شہاب رضؓ کی حدیث میں جماعت کی شرط کرنا فضول جاتا ہے۔ اگر ایک کا جمعہ ہو جاتا، تو جماعت کے لفظ کی ضرورت نہ تھی۔

(چہارم) طارق بن شہاب کی حدیث میں کلمہ فی ہے جس کے معنیٰ اندر کے ہیں۔ اور اندر تبھی ہو گا جب کم سے کم دو ہوں۔ گویا ایک یہ ہوا اور ایک دوسرا ہو تو دونوں کے مجموعہ سے جماعت بن گئی۔ اب ہر ایک کو اِس جماعت کے اندر کہہ سکتے ہیں۔ جیسے نحوی کہتے ہیں۔ الکلام ما تضمن کلمتین۔ یعنی کلام وہ ہے جس کے اندر دو کلمے ہوں، حالانکہ کلام اصل میں دو کلموں سے بنتی ہے تو یہاں اندر کہنے کی وجہ یہی ہے کہ اکیلا اکیلا کلمہ دو کے مجموعے کے اندر ہے۔ پس اسی طرح اِس حدیث میں سمجھنا چاہیئے۔ اگر کوئی صاحب کہیں کہ فرشتے اور جن شریک ہو جاتے ہیں۔ اِس سے جماعت کا حکم اُدا ہو جاتا ہے جیسے بعض روایتوں میں اس شخص کی نسبت اللہ کے لشکر فرشتوں، جنّوں کے شامل ہونے کا ذکر آیا ہے جو جنگل میں اذان دے کر نماز پڑھے۔ ملاحظہ ہو ترغیب منذری (باب الصلوۃ فی الفلاۃ) تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے مراد ثواب جماعت ہے جیسے حدیث میں آتا ہے کہ

رمضان میں عمرہ حج کے برابر ہے یعنی حج کا ثواب مل جاتا ہے نہ یہ کہ حج کا فرض اس کے ذمہ سے اُتر گیا۔ ٹھیک اسی طرح فرشتوں کے ملنے کا مطلب یہ ہے کہ جماعت کا ثواب مل جاتا ہے نیز فرشتوں جنّوں کا شریک ہونا یہ ایک باطنی معاملہ ہے ظاہری احکام کا تعلّق اس سے نہیں ہوسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ اگر امام کے ساتھ ایک شخص ہو تو وہ امام کی دائیں جانب کھڑا ہوگا۔ اِس خیال سے پیچھے کھڑا نہیں ہوسکتا کہ فرشتے اور جنّ آملیں گے۔ اِسی طرح کوئی شخص اکیلا صف کے پیچھے کھڑا نہیں ہوسکتا۔ اور یہی وجہ ہے کہ جماعت سے فراغت کے بعد ایک شخص مسجد میں آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم سے کوئی ہے جو ثواب حاصل کرے۔ یعنی اس کے ساتھ شامل ہوکر جماعت کرا دے تو حضرت ابوبکر رضؓ کھڑے ہوکر شامل ہوگئے (منتقی مع نیل الاوطار جلد ۳ صفہ ۲۹)

اسی طرح اگر ہمارے احکام فرشتوں، جنّوں سے تعلق رکھتے تو حضرت یا کسی اور کے ساتھ شامل ہونے کی ضرورت نہ ہوتی۔ اور یہی وجہ ہے کہ ابن عباسؓ نے شرط کی ہے کہ شعار جمعہ کسی اور سے قائم ہو۔ اگر فرشتوں اور جنّوں سے جماعت کا حکم پورا ہوجاتا تو اس شرط کی ضرورت کیا تھی؟ اور حدیث میں بھی جماعت کے شرط کرنے کی ضرورت نہ ہوتی۔ کیونکہ جب جنّ فرشتے شامل ہوجاتے ہیں۔ اور ان کے شامل ہونے سے جماعت کا حکم پورا ہوجاتا ہے تو آپ کا یہ فرمانا فضول ہے کہ ہر مسلمان پر جماعت میں جمعہ واجب ہے۔ غرض جنّوں، فرشتوں کا شامل ہونا ایک باطنی معاملہ ہے۔ ظاہری احکام کی بنا اس پر نہیں رکھی جاسکتی۔ اِس کا مطلب صرف اتنا ہی ہے کہ کوئی شخص جنگل میں اذان دے کر نماز پڑھے تو اس کی حرص کی وجہ سے فرشتوں، جنّوں کا شامل ہونا اس کے لئے جماعت کے ثواب کا سبب بن جاتا ہے۔ جیسے رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم فرماتے ہیں۔ مَیں صبح کی نماز سے آفتاب نکلنے تک ذکرِ الٰہی کرنے والوں کے ساتھ بیٹھوں تو یہ میرے نزدیک اَولادِ اسماعیل سے چار غلام آزاد کرنے سے بہتر ہے۔ اِسی طرح عصر سے مغرب تک فرمایا

(مشکوٰۃ باب الذکر بعد الصلوٰۃ)

حالانکہ کسی کے ذمّہ غلام کا کفارہ ہو تو وہ اس ذکر سے ادا نہیں ہوسکتا۔ ٹھیک اسی طرح فرشتوں، جنّوں کے شریک ہونے سے جماعت کا ثواب مل جاتا ہے جماعت کا حکم ادا نہیں ہوتا۔

عبداللہ امرتسری از روپڑ ضلع انبالہ ۲۶ محرم الحرام ۱۳۵۲ھ ۲۲ مئی ۱۹۳۳ء

گاؤں میں جوازِ جمعہ کے متعلّق سوالات اور ان کے جوابات

سوال :۔ گاؤں میں جمعہ جائز ہے یا نہیں اگر جائز ہے تو ان پر اعتراضات ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ اگر جمعہ فرض ہے تو جمعہ مکہ میں فرض ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے قباء میں کیوں جمعہ نہیں پڑھا۔ آپ نے ترکِ فرض کیوں کی۔

۲۔ آپ نے بوقتِ ہجرت قباء میں چند یوم قیام کیا۔ جمعہ وہاں نہیں پڑھا بلکہ مدینہ منورہ آکر پڑھا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جمعہ کے لئے دارالسّلام یا خلیفۃ المسلمین کا ہونا ضروری ہے۔

۳۔ اگر جمعہ فرض ہے تو بارش کے دن ترک کی رخصت کیوں فرمائی۔ نیز جب عید کے دن جمعہ آجائے اُس دن ترکِ جمعہ کی کیوں رُخصت ہے۔

۴۔ جس جگہ محدّثین تمام صحاح ستہ میں جمعہ کا باب باندھتے ہیں تو وہاں بجائے فرضیّت جمعہ کے وجوب جمعہ باب کیوں باندھتے ہیں۔ اور لفظ فرض سے کیوں گریز کرتے ہیں۔ یہ مشعر ہے کہ جمعہ فرض نہیں۔

۵۔ حدیث میں آتا ہے الجمعۃ علی من آواہ اللیل اس کے بدون جمعہ نہیں۔ نیز ایک حدیث میں ہے لا جمعۃ ولا تشریق الا فی مصر جامع اور ایک حدیث میں ہے الجمعۃ علی من سمع النداء اگر گاؤں میں بھی آواز نہ آئے تو جمعہ ساقط ہے۔

۶۔ اگر گاؤں میں جمعہ فرض ہوتا تو حدیث شریف میں آیا ہے الناس ینتناوبون یوم الجمعۃ اوکما قال پھر مدینہ میں جمعہ کے واسطے آنے کی کیا ضرورت تھی۔ لوگ اپنے اپنے گاؤں میں جمعہ ادا کر لیتے اور حضور علیہ السّلام نے ان کو کبھی حکم نہیں فرمایا کہ تم گاؤں میں جمعہ ادا کر لیا کرو۔ یہاں آکر جمعہ پڑھنے کی تکلیف نہ اُٹھائیں۔

۷۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے حجۃ الوداع اور فتح مکہ کے وقت مکّہ معظمہ میں قریباً اٹھارہ دن قیام کیا نہ آپ نے جمعہ پڑھا نہ لوگوں کو حکم دیا۔ اس کی کیا وجہ۔

جواب:۔ (۱) یہ شبہ جس روایت سے پیدا ہُوا ہے اُس روایت کو حافظ ابن حجرؒ نے تلخیص الجبیر میں نقل کیا ہے۔ اس کے دو جواب ہیں۔ ایک تو اِسی روایت میں مذکور ہے کہ نبی علیہ السّلام بوجہ عدمِ استطاعت ادا نہ فرما سکے۔ کیونکہ مکہ میں کفار کا زور تھا۔ اور اہلِ اسلام کمزور تھے۔ دُوسرا جواب یہ ہے کہ مکہ میں جمعہ فرض ہونے کی روایت ضعیف ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔

واختلف فی فرضیتھا فالاکثر علی انھا فرضت بالمدینۃ ومقتضی ما تقدم ان فرضیتھا بالآیۃ المذکورۃ وھی مدنیۃ وقال الشیخ ابوحامد فرضت مکۃ وھو غریب۔ (فتح الباری جلد ۲ صـ۲۶۳)

یعنی صحیح یہی ہے کہ جمعہ مدینہ منورہ میں فرض ہوا۔ اور جو شیخ ابو حامد نے کہا ہے مکہ میں فرض ہوا۔ یہ غریب اور شاذ ہے۔

۲۔ آپ نے قبا میں قیام کیا لیکن جمعہ ادا نہیں کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جمعہ فرض ہی نہیں ہوا تھا۔ دوسرا یہ کہ نبی علیہ السّلام پیر کے روز رونق افزاء قبا میں ہوئے اور جمعہ کے دن وہاں سے چل پڑے۔ اگر قریب کے جمعہ کو روانہ ہوئے تو چار دن ہوتے ہیں۔ اور حنفیہ کے نزدیک اگر مسافر پندرہ دن سے کم ٹھہرنے کا ارادہ کرے تو وہ مسافر ہی ہوتا ہے۔ اور مسافر پر جمعہ فرض نہیں۔ اور اہل حدیث کے نزدیک بھی آج کل کا ارادہ ہو تو مسافر ہی ہے۔ اگرچہ ایک ماہ یا زیادہ کیوں نہ گذر جائے۔ اس لئے نبی علیہ السّلام نے اپنے کو مسافر سمجھا اور جمعہ ادا نہیں کیا۔ خصوصاً جب کہ ایک ضروری شغل میں مشغول تھے یعنی مسجد کی بنا میں۔

۳۔ کسی سبب کی وجہ سے رخصت عدم فرضیت پر دلیل نہیں۔ دیکھئے نماز ظہر۔ عصر۔ عشاء کی چار رکعت فرض ہے۔ اور سفر میں آسانی کے لئے دو رکعت فرض۔ تو کیا حضر میں بھی دو رکعت ہی فرض ہوگی۔ بارش و عیدین میں جمعہ کی رخصت بوجہ آسانی ہے نہ یہ کہ رخصت عدم فرضیت پر دلیل ہے۔

۴۔ محدثین کے نزدیک فرض واجب میں کوئی فرق نہیں حتیٰ کہ اصولیوں کے ہاں فرض واجب بسا اوقات ایک ہی ہے۔ ملاحظہ ہو تلویح حاشیہ توضیح۔ ثم المراد بالواجب ما اشتمل الفرض ایضا لان استعماله بهذا المعنیٰ شائع عندهم ص۲۸ مطبوعہ دارالاشاعت دیوبند) اس کے علاوہ محدثین کے سرتاج اپنی صحیح میں یوں تبویب فرماتے ہیں۔ باب فرض الجمعہ اور صاحب ابن ماجہ نے بھی اس طرح باب باندھا ہے۔

۵۔ حدیث الجمعة علی من آواہ اللیل اور الجمعة علی من سمع الندا۶ یہ دونوں حقیقت ہیں۔ اور لا جمعة ولا تشریق الا فی مصر جامع حضرت علیؓ کا قول یعنی موقوف ہے جو مرفوع کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

۶۔ ایک نسخہ میں یتنابون یوم الجمعة ایک نسخہ میں الناس یتنابون الخ ہے۔ اور یہی راجح ہے اور مطلب اس کا یہ ہے کہ لوگ پے در پے جمعہ کے دن آتے تھے یعنی کچھ اب آئے کچھ تھوڑی دیر بعد آ گئے۔ لیکن آتے سب تھے۔ اور نبی علیہ السّلام نے اُن کو اپنے اپنے گاؤں میں جمعہ ادا فرمانے کا حکم اس واسطے نہیں فرمایا کہ ایک مسائل دینی کی طرف اُن کا شوق زیادہ رہے گا۔ دوسرا یہ کہ تعلیم کا زمانہ تھا تو ایک نعمت عظمیٰ تھی اس واسطے لوگ جوق در جوق پے در پے جمعہ کو آتے اور اپنے قلوب انوار دینیہ سے منور کر کے واپس لوٹ آتے تھے۔

۷۔ حجۃ الوداع اور فتح مکہ میں جو آپ نے جمعہ ادا نہیں فرمایا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ مسافر تھے اور مسافر پر جمعہ فرض نہیں۔ حکام اور احناف کے نزدیک رعیت امام کے تابع ہے اور اہل حدیث کے نزدیک بارہ میل مسافت پر قصر جائز ہے۔ اس لئے لوگوں کو بھی حکم نہیں دیا۔ ھذا مختصراً اگر تفصیل مطلوب ہو تو ہماری کتاب اطفاء الشمعہ ملاحظہ فرمائیں۔

عبداللہ امرتسری روپڑ

۱۶ ربیع الثانی ۱۳۵۲ھ ۹ اگست ۱۹۳۳ء

ایک شہر میں یا قریب کے دیہات میں متعدد جمعے

سوال :۔ قریہ واحد میں متعدد جگہ جمعہ پڑھنا اور خطبہ جمعہ میں بجائے تذکیر بالقرآن والحدیث محض سورۃ قرانیہ و اشعار پنجابیہ جن میں مسائل ضعیفہ موضوعہ بطرز شاعر ہوتے ہیں۔ پڑھ کر اکتفاء کرنا اور جامع مسجد جو اکبر المساجد ہے اس میں حاضر ہو کر ذکر اللہ نہ سننا یہ طریق جائز و درست ہے یا نہیں۔

اس سوال کے جواب میں مولوی عبدالقادر حصاری نے تعدد جمعہ کے عدم جواز کی جو دلیل بیان کی ہے۔ وہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء کے زمانہ میں جمعہ ایک جگہ ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ اہل عوالی بھی جمعہ آپ کے ساتھ پڑھتے تھے۔ لہٰذا ایک شہر میں یا قریب قریب دیہات میں الگ الگ جمعہ پڑھنا جائز نہیں۔ اس سے پہلے یہ لکھا ہے کہ تعامل قرون ثلاثہ کا اس امر کی تصریح ہے کہ جہاں اقامتِ جمعہ ہو وہاں سب کے سب مسلمانوں کی جماعت یکجا ہو کر جمعہ پڑھے جہاں دو ہوں وہاں دو پڑھیں کیونکہ الاثنان فما فوقھا جماعۃ۔ یعنی دو یا دو سے زیادہ جماعت ہیں۔ جہاں دو سے زیادہ تین یا پانچ حتیٰ کہ پچاس یا سو یا دو سو یا ہزار تک ہوں گے۔ اس جماعت پر بحالت مجموعی جمعہ فرض ہوگا۔ فرداً گروہ ہو کر اپنے گھروں اور محلّوں میں پڑھنا ناجائز ہوگا۔ بلکہ سب جماعت اسلامی کو جمعہ کی مسجد دوسری مسجدوں سے ممتاز اور ایک جدا معین کرنی پڑے گی جس میں مسلمانوں کو ایک نماز پڑھنے سے پانچ سو نمازوں کا ثواب ملے گا۔ یہ نہیں کہ ہر محلہ میں جامع مسجد ہوگی کیونکہ جامع مسجد کا عطف عبادت حدیث میں محلہ کی مسجد پر ڈالا گیا ہے جو غیریت کو چاہتا ہے اور مفہوم ہوتا ہے کہ جمعہ ایک جامعین ہونا مشروع ہے اور جمعہ کے معنیٰ بھی جمع ہونے کے ہیں کہ اس روز اہل اسلام کا اجتماع خاص ہوتا ہے۔ یعنی سب یکجا جمع ہوتے ہیں نہ مثل پنجگانہ کی کہ وہ اجتماع خاص نہیں ہے (ملخص)

جواب :۔ محدث روپڑی فرماتے ہیں کہ بڑی دلیل تعدد جمعہ کے عدم جواز کی جو آپ نے پیش کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء کے زمانہ میں جمعہ ایک جگہ ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ اہل عوالی بھی جمعہ آپ کے ساتھ پڑھتے تھے۔ سو یہ دلیل اس صورت میں مکمل ہو سکتی ہے کہ فعل سے شرط ہونا ثابت ہو جائے مگر ظاہر ہے کہ فعل شرط ہونے پر دلالت نہیں کرتا۔ اگر شرط ہونے پر دلالت کرتا تو حضرت علی رضہ کمزوروں کو مسجد میں الگ عید پڑھانے کے لئے کسی کو مقرر نہ کرتے کیونکہ اس سے پہلے کمزوروں کی رعایت سے عید دو جگہ نہیں ہوتی مگر حضرت علیؓ نے دو جگہ کر دی۔ پس ثابت ہوا کہ ایک جگہ ہونا شرط نہیں۔ جس کی وجہ یہی ہے کہ فعل شرط پر دلالت نہیں کرتا۔ ذی الحلیفہ مدینہ سے سات میل ہے اور بعض عوالی آٹھ میل ہیں اور چار میل تک تو کثرت سے ہیں چنانچہ عون المعبود وغیرہ میں اس کی تفصیل ہے تو اب تین صورتیں ہیں کہ اتنی دُور سے جمعہ کو آنا یا تو اس لئے ہے کہ گاؤں میں جمعہ جائز نہیں یا اس لئے کہ آٹھ میل تک تعدد جمعہ جائز نہیں یا وہ لوگ جمعہ پڑھنے فضیلت کے لئے آتے تھے۔ پہلی صورت صحیح نہیں کیونکہ گاؤں میں جمعہ صحیح ہے۔ اور دوسری بھی صحیح نہیں کیونکہ حدیث میں آیا ہے۔

الجمعة علی کل من سمع النداء (ابوداؤد)

یعنی جمعہ ہر اس شخص پر ہے جو اذان سُنے

اور قرآن مجید میں ہے۔

یا ایھا الذین امنوا اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعة فاسعوا الی ذکر اللہ و ذروا البیع

یعنی اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن اذان دی جائے تو ذکر الٰہی کی طرف دوڑو۔ اور خرید و فروخت چھوڑ دو۔

اِس آیت سے جمعہ کو آنا اُس وقت لازم ہوتا ہے جب اذان ہو جائے۔ اگر سات آٹھ کوس سے جمعہ کو آنا ضروری ہو تو پھر صبح سے چلنا ہوگا۔ حالانکہ یہ آیت کے خلاف ہے۔ ملاحظہ ہو فتح الباری جزء ۴ صفحہ ۴۸۸

پس جب پہلی دو صورتیں صحیح نہ ہوئیں تو تیسری صورت متعین ہو گئی کہ فضیلت کے لئے آتے تھے۔ پس ثابت ہوا کہ تعدد جمعہ جائز ہے۔

نیز مسلم میں حدیث ہے۔

كان الناس يتنابون الجمعة من منازلهم ومن العوالى (مسلم ص۲۸۰)

یعنی لوگ اپنے گھروں سے اور عوالی سے یکے بعد دیگرے جمعہ کو آتے تھے۔

اس حدیث میں عوالی سے آنے کا الگ ذکر ہے اور گھروں سے آنے کا الگ ذکر ہے۔ گھروں سے آنے والوں میں اہل مدینہ بھی شامل ہیں۔ جب اہل عوالی کا محض فضیلت کے لئے آنا ثابت ہوا تو تمام اہل مدینہ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے آکر جمعہ پڑھنا بھی محض فضیلت کے لئے ہوا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک شہر میں بھی تعدد جمعہ جائز ہے۔ اس کے علاوہ یہ کہنا کہ خلفاء راشدین کے زمانہ میں دو جگہ جمعہ نہیں ہوا یہ ٹھیک نہیں کیونکہ حضرت علیؓ سے تعدد جمعہ ثابت ہے۔

رسائل الارکان میں ہے۔

ولنا ما صح عن امير المومنين على رضى الله تعالىٰ عنه امر بتعدد الجمعة و هذا الاثر صحيح صححه ابن تيمية فى منهاج السنة (رسائل الاركان ص۱۱)

یعنی امیر المومنین حضرت علیؓ نے تعدد جمعہ کا امر فرمایا۔ یہ روایت صحیح ہے۔ ابن تیمیہ نے اس کو منہاج السنۃ میں صحیح کہا ہے۔

نواب صاحب السراج والوہاج شرح ملخص صحیح مسلم میں لکھتے ہیں۔

فاما تعدد الجمعات فى مصر واحد فهذه المسئلة قد اشتهرت بين اهل المذاهب وتكلموا فيها وصنف فيها من صنف وهى مبنية على غير اساس وليس عليها اثارة من علم قط وما ظنه بعض المتكلمين فيها من كونه دليلا عليها هو بمعزل عن الدلالة وما اوقعهم فى هذه الاقوال الفاسدة الاما زعموه من الشروط التى اشترطوها بلا دليل ولا شبهة دليل فالحاصل ان صلوة الجماعة صلوة من الصلوات يجوز ان تقام فى وقت واحد جمع متعددة فى مصر واحد كما تقام جماعات سائر الصلوات فى المصر الواحد ولو كانت المساجد متلاصقة ومن زعم خلاف هذا كان مستند زعمه مجرد الراى فليس ذالك حجة على احد وان كان مستند زعمه الرواية فلا رواية هذا ما افاد العلامة الشوكانى فى كتاب النيل

الجرار رحمۃ اللہ (السراج الوھاج ص۲۹۸)

یعنی ایک شہر میں تعدد جمعہ کا مسئلہ اہل مذاہب میں بہت مشہور ہے۔ اس میں انہوں نے بحث کی ہے۔ اور کتابیں لکھی ہیں اور یہ مسئلہ کسی بنیاد پر قائم نہیں نہ اس پر کوئی دلیل ہے اور جس کو بعض نے دلیل خیال کیا ہے وہ دلیل ہونے سے دُور ہے اور اس قسم کے فاسد اقوال کے وہ صرف اس لئے قائل ہوئے ہیں کہ اُنہوں نے حسب زعم جمعہ کو کئی شرطوں سے مشروط کر رکھا ہے۔ حالانکہ اس پر کوئی دلیل نہیں بلکہ دلیل کا شائبہ بھی نہیں۔ خلاصہ یہ کہ جمعہ نمازوں سے ایک نماز ہے۔ اس کے جواز تعدد میں کوئی شبہ نہیں۔ جیسے باقی نمازوں کی متعدد جماعتیں جائز ہیں۔ اگرچہ مسجدیں قریب قریب ہوں اور جس نے اس کے خلاف خیال کیا۔ اگر اس کا اعتماد صرف رائے پر ہو تو یہ کسی پر حجت نہیں۔ اور اگر کسی روایت پر اعتماد ہو تو ایسی کوئی روایت نہیں جو تعدد کو منع کرے۔ علامہ شوکانیؒ نے السیل الجرار میں اس طرح لکھا ہے۔

نواب صاحب اور علامہ شوکانیؒ کے لکھنے کا مطلب یہ نہیں کہ سب کا مل کر جمعہ پڑھنا کوئی فضیلت نہیں رکھتا۔ اگر یہ بات ہوتی تو اہل عوالی کو مدینہ آکر جمعہ پڑھنے کی تکلیف اُٹھانے کی کیا ضرورت تھی۔ خیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تو کہہ سکتے ہیں کہ نبی علیہ السلام سے براہ راست وعظ سنتے اور احکام سیکھنے کے لئے آتے تھے۔ بعد کے زمانہ میں تو بڑی وجہ فضیلت ہی بنتی ہے۔ پس نواب صاحب اور علامہ شوکانی فضیلت کی نفی نہیں کر سکتے بلکہ ان کا مطلب صرف یہ ہے کہ ایک جگہ پڑھنا شرط نہیں جیسے دوسری نمازوں میں یہ شرط نہیں۔ اگر کہا جائے کہ پانچ نمازوں کا ایک جگہ ہونا یہ بھی فضیلت ہے تو پھر اہل عوالی اور مدینہ کی دوسری مسجدوں والے پانچوں نمازیں ایک جگہ کیوں نہیں پڑھتے تھے؟ تو اس کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ دُور دُور سے ہفتہ میں ایک دفعہ اکٹھے ہونا تو معمولی بات ہے۔ روزمرہ اور وہ بھی پانچ وقت اس طرح اکٹھے ہونا مشکل ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ حدیث میں آیا ہے اپنی نمازوں سے کچھ گھروں میں کرو (مشکوٰۃ باب المساجد) یعنی فرض مسجدوں میں پڑھو۔ اور نفل گھروں میں۔ اس طرح خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ محلہ محلہ بھی اذان ہو اور جماعتیں قائم ہوں چنانچہ حدیث میں ہے۔

امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ببناء المسجد فی الدور وان ینظف وان یطیب (مشکوٰۃ باب المساجد)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محلوں میں مسجدیں بنانے اور ان کو صاف رکھنے اور خوشبو لگانے

کا ارشاد فرمایا۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ جمعہ کا ایک ہونا اگرچہ شرط نہیں لیکن وعظ وغیرہ کے اہتمام کے لئے سب کا ایک جگہ جمعہ پڑھنا ایک اہم امر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پانچوقتی نماز کی جماعت نہ ملے تو اکیلے کی بھی ہوجاتی ہے۔ لیکن جمعہ اکیلے کا نہیں ہوتا۔ پس جب جمعہ میں وعظ وغیرہ کی خاطر جماعت کا اہتمام زیادہ ہو تو اس میں اکٹھ کی اہمیت زیادہ ہوئی۔ اِس لئے اہل عوالی اور مدینے والے دُور دُور سے آکر شریک ہوتے۔ اور حضرت عمرؓ نے بھی اسی اہتمام کی وجہ سے ابُو موسیٰ رضہ وغیرہ کو لکھا کہ جمعہ کے دن اکٹھے ہوجایا کرو۔ اور اہل قباء کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مسجد نبوی میں آنے کا ارشاد فرمانا اگر صحیح ثابت ہوجائے تو اس کی وجہ بھی یہی زیادت اہتمام ہے۔

خلاصہ یہ کہ جمعہ کا ایک جگہ ہونا ایک اہم اَمر ہے اور اُس کی فضیلت بڑی ہے لیکن شرط نہیں۔ راجح مذہب یہی ہے ہاں کوئی احتیاط کرے تو الگ چیز ہے۔ واللہ الموفق

عبداللہ امرتسری از روپڑ

۱۲ شعبان سنہ ۱۳۵۳ھ ۲۹ نومبر سنہ ۱۹۳۴ء

کیا خطبہ جمعہ نماز سے چھوٹا ہونا چاہیئے

سوال:۔ ایک صحابی جمعہ کا خطبہ پڑھتے ہیں تو دوسرے صحابی رضہ فرماتے ہیں کہ آج کا تمہارا خطبہ نہایت فصیح و بلیغ تھا مگر مختصراً۔ اگر میں ہوتا تو اس کو بہت طول کرتا۔ اس کے جواب میں خطیب صحابی نے فرمایا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ خطبہ جمعہ کو مختصر کرو۔ اور نماز کو طول کرو۔ اور یہ کہ خطبہ کو مختصر کرنا خطیب کی دانائی کی علامت ہے۔ لہذا جواباً تحریر فرمائیں کہ مقدار وقت کے لحاظ سے صحیح طور سے خطبہ کس قدر ہونا چاہیئے۔ اور نمازِ جمعہ روزانہ ظہر کی نماز کے اوقات میں ہونی چاہیے یا اس سے پہلے یا اگر دیر میں ہو تو یہ سب سنّت کے مطابق نماز ہوگی۔ اور خطبہ مختصر کے ساتھ ہی نماز کو طول کرنے کے بیان کی کیا ضرورت تھی۔ کیا اس سے یہ مطلب ہے کہ اگر نماز بیس پچیس منٹ کی ہو تو خطبہ اس سے دو چار منٹ چھوٹا ہونا چاہیئے یا اس کے سوا کوئی اور مطلب ہوسکتا ہے۔ آج کل اکثر جگہ اہل حدیث میں یہ طریق رائج ہے کہ جمعہ کا خطبہ قریب قریب ایک گھنٹہ کے ہوتا ہے اور نماز آٹھ، یا دس منٹ میں ہوجاتی ہے۔ کیا اس قسم کا خطبہ سنّت کے مطابق ہوگا۔ اس مسئلہ کو وضاحت سے

بیان فرمائیں ۔اس سوال کا جواب مولوی عبدالرحمٰن مبارکپوری ؒ نے جو دیا وہ حسب ذیل ہے۔

جواب : احادیث صحیحہ صریحہ سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم جمعہ کا خطبہ مختصر پڑھتے تھے اور کسی حدیث صحیح وصریح سے خطبہ جمعہ کا طویل پڑھنا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم سے ثابت نہیں ہوتا بلکہ اس کی نفی ثابت ہوتی ہے ۔ سنن ابی داؤد میں ہے ۔

عن جابر بن سمرة عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ کان لا یطیل الموعظة یوم الجمعة انما ھی کلمات یسیرات ۔

یعنی جابر بن سمرہ رضؓ سے روایت ہے کہ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم جمعہ کے روز خطبہ کو طویل نہیں کرتے تھے ۔ اور آپ کا خطبہ جمعہ صرف چند کلمات سہل اور آسان ہوتے تھے ۔

صحیح مسلم میں ہے۔

قال ابو وائل خطبنا عمار فاوجز وابلغ فلما نزل قلنا یا ابا الیقظان لقد ابلغت واوجزت فلو کنت تنفست فقال انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم یقول ان طول صلوة الرجل وقصر خطبتہ مئنة من فقھہ فاطیلوا الصلوة واقصروا الخطبة ۔

یعنی ابو وائلؓ نے کہا کہ حضرت عمارؓ نے ہم کو خطبہ دیا جو مختصر اور بلیغ تھا ۔جب وہ ممبر سے اُترے تو ہم نے کہا کہ اے ابو الیقظان آپ نے خطبہ نہایت بلیغ بیان فرمایا ۔ مگر مختصر، پس اگر آپ خطبہ کو طول کئے ہوتے تو خوب ہوتا ۔ تو حضرت عمارؓ نے فرمایا ۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ آدمی کا نماز کو طویل کرنا اور خطبہ کو مختصر کرنا اس کی دانائی کی علامت ہے ۔ پس نماز کو طویل کیا کرو ۔ اور خطبہ کو مختصر ۔

یہ حدیث اگرچہ مطلق خطبہ کے بارہ میں ہے اور اس میں جمعہ کے خطبہ کی قید نہیں ہے لیکن یہ حدیث کے اطلاق سے خطبہ جمعہ کا بھی مختصر ہونا ثابت ہوتا ہے ۔ اور سائل نے جو اس حدیث کے ترجمہ میں خطبہ جمعہ کی قید لگائی ہے وہ صحیح نہیں ہے ۔ اور واضح رہے کہ حضرت عمار رضؓ کی اس حدیث مرفوع میں مطلق خطبہ اور وعظ کا مختصر کرنا اور مطلق نماز طویل کرنے کا ذکر ہے ۔ اور مطلب یہ ہے کہ خطیب کو مطلق خطبہ جمعہ کا ہو یا غیر جمعہ کا مختصر دینا چاہیئے ۔ اور مطلق نماز جمعہ کی ہو یا غیر جمعہ کی ، طویل کرنی چاہیئے ۔ میرے نزدیک اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ

نماز جمعہ کو بہ نسبت خطبہ جمعہ کے طویل کرنا چاہیئے اور خطبہ جمعہ کو بہ نسبت نماز جمعہ کے مختصر کرنا چاہیئے۔ نیز واضح رہے کہ اس حدیث میں اگرچہ مطلق خطبہ کے مختصر دینے کا حکم ہے مگر خاص ضرورت کے وقت طویل خطبہ دینا بھی غیر نماز جمعہ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم سے ثابت ہے اور جب جماعت میں بوڑھے۔ ضعیف۔ بیمار لوگ موجود ہوں تو امام کو نماز میں تخفیف کرنے کا حکم ہے۔ الحاصل خطبہ جمعہ کا طویل پڑھنا حدیث سے ثابت نہیں ہوتا بلکہ اس کی نفی ثابت ہے۔ ہاں جابر بن سمرہ کی حدیث سے مطلق خطبہ کا متوسط ہونا بھی ثابت ہوتا ہے۔

صحیح مسلم میں ہے۔

عن جابر بن سمرة قال كنت اصلى مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فكانت صلوته قصدا وخطبته قصدا۔

یعنی جابر بن سمرہ رضؓ فرماتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی نماز متوسط ہوتی تھی یعنی نہ بہت مختصر نہ بہت طویل آپ کا خطبہ بھی متوسط ہوتا تھا یعنی نہ بہت مختصر نہ بہت طویل۔

پس جابر بن سمرہ رضؓ کی اس حدیث کے اطلاق سے خطبہ جمعہ کا بھی متوسط ہونا ثابت ہوتا ہے جو کچھ احادیث صحیحہ وصریحہ سے ثابت ہے۔ وہ یہی ہے کہ زوال آفتاب کے بعد خطبہ شروع کرنا چاہیئے۔ اور مختصر یا متوسط خطبہ پڑھ کر نماز جمعہ پڑھنی چاہیئے۔

عبد الرحمٰن مبارکپوری

محدّث روپڑیؒ

محدث روپڑیؒ نے فرمایا کہ مولوی عبد الرحمٰن صاحب نے جواب میں بہت تفصیل کی ہے۔ اور تبلایا ہے کہ خطبہ چھوٹا ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ خطبہ نماز سے چھوٹا ہو بلکہ مطلب یہ ہے کہ عام وعظوں کی نسبت چھوٹا ہونا چاہیئے۔ یہ بالکل ٹھیک ہے کیونکہ ہفتہ کے بعد ایک دن اسی خاطر مقرر کیا گیا ہے۔ اگر آٹھ دس منٹ پر اکتفاء کی جائے تو بہت لوگ خطبہ سے محروم رہ جائیں گے۔ کسی کے وضو کرتے کرتے خطبہ ہو جائے گا۔ کسی کے دو رکعت پڑھتے پڑھتے خطیب فارغ ہو جائے گا۔

مسلم میں حدیث ہے کہ جب خطبہ کی حالت میں کوئی آئے دو رکعت ہلکی پڑھ لے اگر خطبہ دو رکعت سے لمبا نہ ہو۔ تو اس حکم کی تعمیل مشکل ہے۔ نیز خطبہ کے دو حصے کر کے درمیان میں بیٹھنا یہ بھی چاہتا ہے کہ خطبہ نماز سے چھوٹا مراد نہیں کیونکہ یہ بیٹھنا راحت کا ہے۔

نیز مشکوٰۃ باب الخطبہ میں حدیث ہے کہ خطبہ کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں سرخ ہو جاتیں اور آواز بلند ہو جاتی۔ اور بہت جوش میں آجاتے اور ظاہر ہے کہ ایسا جوش آٹھ دس منٹ میں پیدا ہونا مشکل ہے

نیز مسلم میں حدیث ہے۔ ابو رفاعہ کہتے ہیں، میں نے خطبہ میں سوال کیا کہ میں دین سے ناواقف ہوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم خطبہ چھوڑ کر میرے پاس آئے۔ آپ کے لئے کرسی لائی گئی۔ آپ نے اس پر بیٹھ کر مجھے کچھ باتیں سکھائیں جو خدا نے آپ کو سکھائی تھیں پھر واپس آکر خطبہ پورا کیا۔ اس حدیث سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ خطبہ کچھ لمبا ہوتا ہے اگر آٹھ دس منٹ ہوتا تو فارغ ہو کر ابو رفاعہ رضؓ کی حاجت روائی کرتے خطبہ توڑنے کی ضرورت نہ تھی۔

نیز مشکوٰۃ باب التنظیف میں حدیث ہے جب جمعہ کے دن نیند آئے تو اپنی جگہ بدل دے" اس سے بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ خطبہ میں کچھ طول دے کیونکہ نیند عموماً زیادہ دیر تک بیٹھنے سے آتی ہے۔ اس کے علاوہ اس کی مؤید دارمی کی ایک حدیث اس بارہ میں صریح آئی ہے جو مع سند مندرج ذیل ہے۔

اخبرنا محمد بن حمید ثنا تمیم بن عبد المومن ثنا صالح بن حیان حدثنی ابن بریدۃ عن ابیہ قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلّم اذا خطب قام فاطال القیام فکان یشق علیہ قیامہ فاتی بجذع نخلۃ فحفر لہ واقیم الی جنبہ قائما للنبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا خطب فطال القیام علیہ استند الیہ فاتکأ علیہ فبصر بہ رجل کان ورد المدینۃ فرآہ قائما الی جنب ذالک الجذع فقال لمن یلیہ من الناس لو اعلم ان محمدا یحمدنی فی شی یرفق بہ لصنعت لہ مجلسا یقوم علیہ فان شاء جلس ما شاء وان شاء قام فبلغ ذالک النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال ائتونی بہ فاتوہ بہ فامر ان یصنع لہ ھذہ المراقی الثلث او الاربع ھی الان فی ممبر المدینۃ فوجد النبی صلی اللہ علیہ وسلّم فی ذالک راحۃ فلما فارق النبی صلی اللہ علیہ وسلّم الجزع وعمد الی ھذہ التی صنعت لہ جزع الجذع فحن کما تحن الناقۃ حین فارقہ النبیّ صلی اللہ علیہ وسلّم فزعم ابن بریدۃ عن ابیہ ان النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم حین سمع حنین الجذع رجع الیہ فوضع

یدہ علیہ وقال اختر ان اغرسك فی المکان الذی کنت فیه فتکون کما کنت وان شئت ان اغرسك فی الجنة فتشرب من انهارها وعیونها فیحسن نبتك وتثمر فیاکل اولیاء الله من ثمرتك ونخلك فعلت فزعم انه سمع من النبی صلی الله علیه وسلم وهو یقول له نعم قد فعلت مرتین فسال النبی صلی الله علیه وسلم فقال اختار ان اغرسه فی الجنة ۔

(باب اکرم النبی صلی اللہ علیہ وسلم بجنین المنبر)

یعنی ابن بریدہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ پڑھتے تو بہت دیر کھڑے کھڑے رہتے ۔ اوراس سے مشقت پاتے ۔ آپ کے لئے ایک تنہ کھجور کا لایا گیا اور گڑھا کھود کر ایک طرف کھڑا کیا گیا ۔ جب آپ خطبہ پڑھتے اور دیر تک کھڑے رہتے تو اس سے ٹیک لگا لیتے ۔ ایک شخص مدینہ میں آیا ۔ اس نے یہ حال دیکھ کر اپنے پاس کے لوگوں کو کہا کہ اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آرام کی شے کو پسند کریں گے تو میں آپ کے لئے ممبر تیار کر دوں ۔ جتنی دیر چاہیں اس پر بیٹھیں اگر چاہیں کھڑے ہوں ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر پہنچی تو اس کو بلا کر ممبر بنانے کو کہہ دیا ۔ جب ممبر تیار ہو کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تکلیف دور ہو گئی ۔ اور آپ ممبر پر بیٹھے تو تنہ آپ کی جدائی میں رویا جیسے اونٹنی درد سے آواز نکالتی ہے ۔ آپ ممبر سے اتر کر تنہ کے پاس آئے اور اس پر اپنا ہاتھ رکھا ۔ اور فرمایا دو باتوں سے ایک بات پسند کر لے ۔ اگر تو چاہے تو میں تجھے وہیں گاڑ دوں گا ۔ جہاں پہلے تھا اور پہلے کی طرح کھجور کا درخت ہو جائے گا اور اگر تو چاہے تو میں تجھ کو جنت میں لگا دوں ۔ اور جنت کی نہروں اور چشموں سے پانی پئے گا اور بہت عمدہ اُگے گا اور پھلدار ہو جائے گا اور تیرے پھل اور کھجور سے اولیاء اللہ کھائیں گے راوی بریدہ رض کہتے ہیں تنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات سن کر دو مرتبہ کہا مجھے منظور ہے راوی نے حضورؐ سے اس کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا تنہ نے اس بات کو پسند کیا ہے کہ میں اس کو جنت میں لگا دوں ۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ بہت دیر تک قیام کرتے اور خطبہ میں طول دیتے ۔ پس خطبہ کے چھوٹا ہونے کا یہ معنیٰ لینا کہ خطبہ نماز سے چھوٹا ہو یہ کسی صورت صحیح نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ عام وعظوں کی نسبت خطبہ چھوٹا ہونا چاہیئے ۔

عبداللہ امرتسری روپڑ ضلع انبالہ ۵ رمضان ۱۳۵۳ھ

کیا جمعہ فرض نہیں ہے

سوال :۔ ایک مولوی صاحب نے سوال کیا ہے کہ اگر جمعہ فرض ہوتا تو اس کی عدم ادائیگی پر قضاء لازم آتی۔ یعنی کسی آدمی کا جمعہ رہ جاتا تو وہ جمعہ کی قضا بھی کرتا۔ حالانکہ ایسا کوئی نہیں کرتا۔ ظہر پڑھتا ہے معلوم ہوا کہ جمعہ فرض نہیں۔

میں نے جواب دیا کہ اس کی فرضیت کتاب اللہ و سنّت رسول اللہ و اجماع اُمّت سے ہو چکی ہے۔ جو تمہارے ہی گھر کی کتابیں ثابت کر رہی ہیں۔ دوسرا اس کی فرضیت کے لئے جماعت شرط ہے جیسا کہ حدیث طارق بن شہاب رضہ الجمعة حق واجب علی کل مسلم فی جماعة موجود ہے یعنی ہر مسلمان پر جماعت میں حق و واجب ہے اور شرط و مشروط لازم و ملزوم ہوا کرتی ہیں۔ جہاں شرط وہاں مشروط۔ جیسا کہ وضو نماز کے واسطے شرط ہے۔ بلا وضو نماز نہیں ہوتی۔ اسی طرح ایک نفر کا جمعہ نہیں ہوتا کیونکہ جماعت کی شرط موجود ہے یہ جواب ٹھیک ہے یا نہیں؟

جواب :۔ قضاء جمعہ کے متعلق جو کچھ آپ نے جواب دیا ہے نہایت موزوں ہے۔ ایک جواب یہ ہے کہ قضا اس شے کی ہوتی ہے جس کا بدل نہ ہو مثلاً ظہار میں روزے نہ رکھ سکے تو اس کے عوض ساٹھ مسکینوں کو کھانا دینے کا حکم ہے گویا کھانا روزوں کے قائم مقام ہے۔ ٹھیک اسی طرح جس کا جمعہ رہ جائے اس کو ظہر کا حکم ہے کیونکہ ظہر اس کا بدل ہے۔ اب قضاء کی ضرورت نہیں۔ دواؤں میں بھی اگر ایک دوا نہ ملے تو بہت دفعہ اس کا بدل دوسری دوا کام دے جاتی ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑ

۱۰ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ ۱۲ جولائی ۱۹۳۵ء

مسئلہ جمعہ قبل از زوال

سوال :۔ جمعہ قبل از زوال درست ہے یا نہیں؟

جواب :۔ اس مسئلہ میں ائمہ دین میں سے امام احمدؒ اور امام اسحاق اور ان کے بعض اتباع بدلیل مفہوم احادیث صحیحہ و منطوق آثار صحابہ رضہ جواز کی طرف گئے ہیں۔ چنانچہ سید عبدالقادر جیلانی جمعہ کی نماز کا

قبل از زوال صحیح یا درست ہونا بدیں الفاظ ارشاد فرماتے ہیں۔

و وقتھا قبل الزوال فی الوقت الذی تقام فیہ صلوٰۃ العید (غنیہ)

یعنی وقت جمعہ کا زوال سے پہلے وہی وقت ہے جس میں عید کی نماز ادا کی جاتی ہے۔

علماء اہل حدیث میں سے شیخ محی الدین مولف البلاغ المبین بحوالہ دراری المضیہ مجتہد یمانی امام شوکانیؒ سے نقل کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں۔ اور تحقیق وارد ہوئی وہ چیز کہ دلالت کرتی ہے اس بات پر کہ تحقیق جمعہ پڑھنا کفایت کرتا ہے قبل زوال کے جیسا کہ بخاری میں روایت ہے۔ انس بن مالک سے اور مثل اس کی حدیث سہل بن سعد کی ہے صحیحین میں اور ثابت ہوا بیچ صحیح کے تشریح ہے کہ تحقیق صحابہؓ نماز پڑھتے تھے جمعہ کی قبل ڈھلنے سورج کے۔ پس تحقیق گئے ہیں طرف اس بات کی احمد بن حنبل اور حق یہی ہے (البلاغ المبین صفحہ ۲۹)

سید علامہ نواب صدیق حسن خان مسک الختام میں فرماتے ہیں کہ حدیث جابر رضہ بروایت مسلم دلیل واضح ہے۔ امام احمد کے مذہب پر اور مولانا وحید الزمان صاحب محدث حیدر آبادی شارح صحاح سبعہ تیسیر الباری شرح صحیح بخاری میں حدیث انسؓ اور حدیث سہل بن سعد رضہ کی دو دو توجیہیں بیان کرتے ہیں۔ ایک موافق مذہب امام احمدؒ کے دوسری موافق جمہور کے باب وقت الجمعہ کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ ہمارے امام احمد بن حنبل رح کا یہ قول ہے کہ جمعہ زوال کے پہلے بھی درست ہے۔ عبداللہ بن مسعود رضہ اور ابوبکر صدیق رضہ اور کئی صحابہ اور سلف سے ایسا منقول ہے اور حدیث حین تمیل الشمس کی تشریح لکھتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس سے یہ نکلتا ہے کہ آں حضرتؐ اکثر ایسا کیا کرتے مگر یہ نہیں ثابت ہوتا کہ زوال سے پہلے جمعہ درست نہیں

انوار اللغۃ حصہ دوم صفحہ ۱۴ میں لکھتے ہیں کہ حنابلہ اور بعض اہل حدیث کے نزدیک جمعہ کی نماز زوال سے پہلے بھی درست ہے اور خلفاء راشدین سے بھی ایسا ہی منقول ہے۔ اور حصہ پنجم صفحہ ۵ میں تحریر فرماتے ہیں کہ محققین اہل حدیث نے اس کو جائز رکھا ہے خصوصاً جب گرمی کی شدت ہو یا کوئی عذر ہو۔

زبدۃ المرام ترجمہ عمدۃ الاحکام میں جس کی تصدیق حافظ عبدالمنان صاحب محدث وزیر آبادی نے فرمائی ہے حدیث سلمہ بن اکوع رضہ کی تحت میں لکھا ہے کہ قبل از زوال جمعہ ادا کرنا بھی بعض کا مذہب ہے۔ امام احمد رح اور امام اسحاقؒ بھی اس طرف گئے ہیں۔ الی قولہ حدیث میں غور کرنے سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ بعض جمعہ مثلاً ہر دو خطبہ یا ایک یا بعض اس کا ضرور قبل زوال ہوتا تھا (صفحہ ۷۶ کتاب مذکور)

مولوی سید محمد حسین شاہ صاحب مرحوم سرگروہ اہل حدیث کشمیر اپنی کتاب صلوٰۃ المحدثین میں لکھتے ہیں

کہ اے نمازی تجھے اختیار ہے کہ جمعہ چاہے زوال سے پیچھے پڑھ لے یا پہلے۔ اور نواب صاحب موعظۃ الحسنہ میں قبل از زوال نماز جمعہ کا ثبوت فرماتے ہیں۔ اور شوکانی صاحب نیل الاوطار میں اور ابن قیم رح ہدی میں خوب وضاحت فرماتے ہیں۔ پس انہی جیسے بزرگوں کی شہادت پر اعتماد کر کے میرے والد ماجد سلمہ اللہ نے اس کو جائز مان لیا اور اس پر عمل بھی کیا۔ اب اتنے بزرگوں کو العیاذ باللہ بے عقلی یا نادانی کی طرف منسوب کرنا اہل علم و عقل سے بمراحل بعید ہے اور خلاف جمہور کا الزام دینے والا مسئول ہونے کے وقت بیسیوں مسائل میں خود ملزم ثابت ہو جائے گا (ابو البشیر عبد الغنی الشوبیانی)

محدث روپڑی رح

مولوی عبد الغنی صاحب نے جو کچھ لکھا ہے کہ امام احمد رح وغیرہ قبل از زوال جمعہ کے قائل ہیں اور بعض اہلحدیث بھی اس طرف گئے ہیں۔ یہ بالکل ٹھیک ہے اور دلیل ان کی وہی روایات ہیں جن کی طرف اوپر اشارہ ہو چکا ہے اس لئے اگر کوئی قبل از زوال جمعہ پڑھ لے تو اس پر طعن نہ کرنا چاہیئے۔ کیونکہ یہ اختلاف سلف کی حدود میں ہے ہاں احتیاط اسی میں ہے کہ بعد از زوال پڑھا جائے کیونکہ جمعہ فرض ہے اور فرض کا معاملہ نازک ہے اور جن احادیث سے امام احمد رح وغیرہ استدلال کرتے ہیں۔ ان میں بعد از زوال کا بھی احتمال ہے اور جمہور کا مذہب بھی یہی ہے۔ اور امام احمدؒ وغیرہ اگرچہ قبل از زوال کے قائل ہیں لیکن بعد از زوال کے بھی قائل ہیں تو گویا بعد از زوال متفقہ وقت ہے اور قبل از زوال اختلافی ہے اس لئے احتیاط بعد از زوال ہی میں ہے تاکہ فرض کی ادائیگی میں کوئی کھٹکا نہ رہے۔ عبد اللہ امرتسری روپڑ ضلع انبالہ ۱۲ شوال ۱۳۵۴ھ ۱۷ جنوری ۱۹۳۶ء

جمعہ کے متعلق حنفیہ کے بارہ سوالات اور ان کے جوابات

سوال :۔ (۱) کیا نماز جمعہ ظہر ہے یا ظہر کا بدل

جواب :۔ جمعہ ایک لحاظ سے ظہر ہے ایک لحاظ سے ظہر کا بدل ہے۔ اگر یہ لحاظ کریں کہ جمعہ میں اور باقی دنوں کی ظہر میں فرق ہے تو اس کو بدل کہہ سکتے ہیں۔ اور اگر یہ لحاظ کریں کہ بعض باتوں کے بدلنے سے اصل حکم نہیں بدلتا تو اس کو ظہر کہہ سکتے ہیں۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے سب نمازیں پہلے دو دو رکعت فرض ہوئی تھیں مدینہ میں آکر کئی چار رکعت ہو گئیں۔ اور پہلے نمازیں کلام جائز تھی پھر حرام ہو گئی۔ اسی طرح اور بہت سی باتوں میں فرق پڑ گیا۔ مگر یہ نہیں کہا جاتا کہ معراج کی رات جو پانچ نمازیں فرض ہوئی تھیں وہ نہیں رہیں بلکہ ان کی جگہ پانچ نئی فرض ہو گئیں۔ ٹھیک اسی طرح جمعہ کو سمجھ لینا چاہیئے۔ البتہ باقی دنوں میں ظہر فرض ہے۔

سوال (۲) کیا نماز جمعہ صلوٰۃ خمسہ فرلضیہ میں سے ہے یا علیحدہ مستقل نماز۔ اس کی وجہ کسی حدیث صحیح سے ثابت کرو۔

جواب:۔ مشکوٰۃ میں حدیث ہے کہ رات دن میں پانچ ہی نمازیں فرض ہیں۔ اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ جمعہ پانچ نمازوں میں سے ایک ہے ورنہ لازم آئے گا کہ جمعہ کے دن چھ نمازیں فرض ہوں۔

سوال (۳) نماز جمعہ فرض مطلق ہے یا مقید اس کی تعریف کسی دلیل شرعیہ سے کرو؟

جواب:۔ اگر مقید سے یہ مراد ہے کہ اس میں کوئی قید یا استثناء ہو تو سب نمازیں ایسی ہی ہیں مثلاً اللہ تعالےٰ فرماتا ہے واقیموا الصلوٰۃ۔ اس سے نفاس والی مستثنیٰ ہے یا یوں کہو کہ قُوْمُوْا لِلّٰہِ قَانِتِیْنَ سے بیمار مستثنیٰ ہے کیونکہ اس کو قیام معاف ہے۔ اور اگر مقید سے یہ مُراد ہو کہ باقی نمازوں کی قیود اور مشروط کے علاوہ کچھ اور بھی ہوں تو اس لحاظ سے جمعہ بھی مقید نہیں۔ کیونکہ جمعہ میں دو رکعت ہی پڑھی جاتی ہیں۔ اور ظہر وغیرہ میں چار۔ اور اگر یہ مراد ہو کہ جمعہ کی شروط گنتی میں باقی نمازوں سے زیادہ ہوں تو یہ سائل کی غلطی ہے کیونکہ اس کو مطلق مقید نہیں کہتے اس لئے کہ مطلق مقید میں داخل ہوتا ہے۔

سوال (۴) جس شخص کو نماز جمعہ باجماعت نہ مل سکے تو وہ کیا کرے۔ چار رکعت پڑھے یا دو۔ اس کی وجہ کسی حدیث صحیح سے ثابت کرو؟

جواب۔ چار پڑھے۔ کیونکہ کفایہ شرح ہدایہ اور ازالۃ الخفاء میں نقلاً من مصنف ابن ابی شیبہ حضرت عمر رضؓ اور حضرت عائشہ رضؓ سے روایت کیا ہے کہ خطبہ جمعہ قائم مقام دو رکعت ظہر کے ہے۔ پس ضرور ہوا کہ جس کا جمعہ رہ جائے وہ چار پڑھے۔

سوال (۵) نماز جمعہ کا اجراء مکہ مکرمہ میں ہوا یا مدینہ منورہ میں فرض ہوا ہے اور اس نماز کا حکم باقی نمازہائے فرلضیہ کے ساتھ ہوا یا بعد میں۔ اگر بعد میں ہوا تو اس کی وجہ کسی حدیث صحیح سے ثابت کرو کہ یہ حکم بعد میں کس بنا پر صادر ہوا۔

جواب:۔ جس کو عرف میں جمعہ کہا جاتا ہے وہ مدینہ منورہ میں فرض ہوا ہے کیونکہ اس کے سب دلائل مدنی ہیں۔ آیت بھی اور احادیث بھی۔ ہاں اصل ظہر مکہ مکرمہ ہی میں فرض ہو چکی تھی کیونکہ معراج کی رات پانچ نمازیں

فرض ہوئی تھیں جن میں ظہر بھی داخل ہے اس کی دو رکعت کم ہو کر جمعہ بن گیا۔

سوال (۶) اگر فرض مطلق ہے تو اس سے عورت اور صبی (بچہ) اور مریض اور مسافر اور معذور کیوں مستثنیٰ ہے باوجودیکہ یہ نماز صرف دو رکعت ہے اور جو نمازیں کہ چار چار رکعت ہیں۔ اور ہر روز پانچ دفعہ پیش آتی ہیں۔ ان میں ان کی کیوں رعایت نہیں کی گئی۔ اگر فرض مقید ہے تو اس کی تشریح اس آیت سے کی جائے جس سے اس کی فرضیت ثابت ہوتی ہے۔

جواب :۔ جواب نمبر ۳ میں گزر چکا ہے کہ مقید سے کیا مراد ہے۔ جب مقید کا معنیٰ متعین نہ ہوا تو مطلق جو اس کے مقابل ہے اس کا معنیٰ بھی متعین نہ ہوا۔ پس یہ سوال قابل جواب نہیں۔ ہاں اتنا ہم کہہ سکتے ہیں کہ جمعہ کی قیود گنتی میں باقی نمازوں سے زیادہ ہیں۔ اور اس کے پڑھنے میں وقت زیادہ صرف ہوتا ہے خصوصاً جب کہ سب بستی کے لوگ ایک جگہ اکٹھے ہوں۔ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے زمانہ میں ہوتے تھے تو اس حالت میں مشقت کے علاوہ بہت وقت صرف ہوتا ہے۔ اس لئے حدیث میں ضعفاء کو اور ضرورت والوں کو مستثنیٰ کر دیا جن کا سوال میں ذکر ہے۔

سوال (۷) جمعہ کی فرضیت سورۃ جمعہ سے بیان ہوتی ہے لیکن مطابق تعریف لاشبہ فیہ کے چند شبہات اس میں ظاہر ہیں۔

شبہ نمبر (۱) یاایھا الذین اٰمنوا میں حکم عام ہے تو اس حکم سے مذکورہ اشخاص عورت وغیرہ کیوں مستثنیٰ ہے؟

شبہ نمبر (۲) اذا نودی للصّلوٰۃ من یوم الجمعۃ میں من ظہر الجمعۃ نہیں آیا۔ ظہر کی خصوصیت اس سے ثابت نہیں ہوتی۔ یوم سے مراد سالم دن ہوتا ہے۔

شبہ نمبر (۳) فاسعوا الی ذکر اللہ سے مراد خدا کو یاد کرنا ہے۔ یعنی ذکر بمعنیٰ یاد کرنے کے ہے۔ چاہیئے تھا کہ فاسعوا الی صلوٰۃ الجمعہ درج ہوتا۔

شبہ نمبر (۴) وذروا البیع کا لفظ صاف ثابت کرتا ہے کہ یہ حکم صرف ان ہی نمازیوں کے واسطے تھا جو اس وقت بیع شراء کے خیال سے خدا کے ذکر کو چھوڑ کر مسجد سے نکل گئے تھے جو کہ مدینہ منورہ کے رہنے والے تھے تو اب ان شبہات سے معلوم ہوا کہ مطابق تعریف فرض کے یہ فرض مطلق نہ ہوا کیونکہ ہر ایک شے اپنی علامات سے پہچانی جاتی ہے۔

جواب (۷) پہلے شبہ کا جواب یہ ہے کہ اہل حدیث کے نزدیک حدیث سے کتاب اللہ کی تخصیص ہو

سکتی ہے۔ اس لئے عورت وغیرہ کی حدیث نے تخصیص کر دی۔ اور حنفیہ کہتے ہیں کہ اہل بادیہ بالاجماع مخصوص ہیں تو یہ آیت عام مخصوص منہ البعض ہو گئی جو ظنی ہے پس حدیث سے تخصیص ہو گئی۔

دوسرے شبہ کا جواب بھی یہی ہے کہ حدیثوں میں ظہر کا وقت آگیا ہے۔

تیسرے شبہ کا جواب یہ ہے کہ فاسعوا الی ذکر اللہ میں صلوٰۃ کے لفظ کی ضرورت نہیں کیونکہ نودی للصلوٰۃ میں صلوٰۃ کا لفظ آچکا ہے۔

چوتھے شبہ کا جواب یہ ہے کہ خصوص مورد کا اعتبار نہیں، عموم لفظ کا اعتبار ہے۔ یہ اصولی مسئلہ ہے جس کو سائل نے سمجھا نہیں۔

رہی یہ بات کہ بیع سے کیا مراد ہے۔ سو اس کا سائل نے سوال نہیں کیا لیکن ہم جواب دے دیتے ہیں۔ وہ یہ کہ ابن ماجہ وغیرہ میں روایت ہے کہ شاید کہ ایک تمہارا بکریاں لے کر مدینہ سے ایک دو میل کے فاصلہ پر جا رہے پس گھاس مشکل سے ملے، پھر ذرا اور دور چلا جائے۔ پس جمعہ کو حاضر نہ ہو پھر جمعہ آئے تو حاضر نہ ہو۔ یہاں تک کہ اللہ اس کے دل پر مہر کر دے۔

اس حدیث سے اور اس جیسی اور احادیث سے معلوم ہوا کہ بیع سے عام کاروبار مراد ہے صرف شانِ نزول کے لحاظ سے بیع کا لفظ بولا گیا ہے جیسے ولا تکرھوا فتیاتکم علی البغاء ان اردن تحصنا میں شانِ نزول کے لحاظ سے تحصن کی شرط ذکر کر دی ہے۔

سوال (۸) اگر ایسے حکم سے جمعہ کی فرضیت ثابت ہے تو اور بہت سے احکام قرآن مجید میں موجود ہیں جن پر عملدرآمد نہیں کیا جاتا۔ ہم وہ جملہ احکام مفصل بیان کر سکتے ہیں۔ بشرطیکہ معترض کو ان کے ماننے میں کوئی عذر نہ ہو۔

جواب:۔ اگر ایسے احکام ہوتے تو سائل ڈر کر پردہ نہ ڈالتا بلکہ ان کی تصریح کرتا۔

سوال (۹) اگر فرض مطلق ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد چند دفعہ چند مقامات پر جمعہ کیوں نہیں پڑھا۔ معاذ اللہ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فریضہ نماز کو ترک کر دیتے ہرگز نہیں۔

جواب:۔ جب مطلق مقید کی مراد ہی معین نہیں تو سوال فضول ہے پھر جن شروط کے ساتھ فرض ہے۔ اگر چھوڑا ہوگا تو ان ہی میں سے کسی شرط کے نہ پائے جانے کی صورت میں چھوڑا ہوگا جیسا کہ حجۃ الوداع میں سفر کی وجہ سے ترک کیا تھا۔

سوال (۱۰) بالفرض اگر اس ملک میں نمازِ جمعہ ادا کی جائے تو اس کے بعد نماز جمعہ کیوں نہ پڑھی جائے۔ کیونکہ جمعہ نماز ظہر کا مسقط کسی طرح نہیں بن سکتا جمعہ اور ظہر میں اختلاف بہت ہے۔

اوّل یہ کہ جمعہ دو رکعت ہے اور ظہر چار رکعت۔

دوم۔ جمعہ میں تین اذان شرط ہیں۔ اور ظہر میں دو اذان۔

سوم۔ جمعہ معذوروں کو معاف ہے اور ظہر معاف نہیں۔

چہارم۔ جمعہ میں خطبہ شرط ہے اور ظہر میں نہیں۔

پنجم۔ جمعہ قبل از زوال بھی جائز ہے۔ اور ظہر جائز نہیں۔

ششم۔ جمعہ صلوٰۃ خمسہ میں سے بروئے حدیث ایک علیحدہ نماز ہے اور ظہر علیحدہ نہیں۔

جواب:۔ بعض باتوں میں فرق ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ بالکل غیر ہو جائے۔ چنانچہ نمبر اوّل میں گزر چکا ہے۔ پھر حدیث میں ہے کہ دن رات میں پانچ نمازیں فرض ہیں۔ اگر جمعہ مسقط ظہر نہ ہو تو نمازیں چھ ہو جائیں گی۔ اور اس حدیث سے مخالفت لازم آئے گی۔

سوال (۱۱) جب کہ جمعہ کی فرضیت میں شک ہے تو مشکوک نماز فرض عین کا مسقط ہرگز نہیں ہو سکتی۔

جواب:۔ جب فرضیت قرآن و حدیث سے ثابت ہے تو مشکوک چہ معنی دارد۔

سوال (۱۲) آیت شریف کا مبین اگر حدیث شریف بیان کریں۔ تو اس قسم کی چند آیات مع حدیث کے ہم آپ کو بتلا سکتے ہیں جن پر آپ کا کوئی عملدرآمد نہیں۔ اگر آپ جمعہ ادا کریں گے تو باقی احکام کی تعمیل بھی آپ پر فرض ہوگی۔

جواب۔ اگر ایسی آیات مع احادیث ہوتیں تو آپ بیان کرتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ سائل ایسے فقروں سے محض مفروضہ رعب ڈالنا چاہتا ہے۔ ہاتھ پلے کچھ نہیں۔ خیر اللہ معرفت دے اور ضد و عناد سے دور رکھے آمین۔

عبداللہ امرتسری مقیم روپڑ ضلع انبالہ

۹ ربیع صفر ۱۳۵۵ھ ۔ یکم مئی ۱۹۳۶ء

خطبہ کے وقت السّلام علیکم

سوال:۔ خطیب خطبہ کر رہا ہو۔ اس حالت میں السّلام علیکم کہنا جائز ہے یا نہ؟

جواب:۔ خطبہ میں السلام علیکم کہہ دے تو کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ اس کے جواب سے خطبہ کا سماع فوت نہیں ہوتا۔ پھر اشارہ سے بھی جواب ہو سکتا ہے۔ حالتِ وضوء میں بات چیت کا بھی یہی حکم ہے کیونکہ کسی حدیث میں ممانعت نہیں آئی۔ ہاں فضول باتوں سے پرہیز چاہیئے۔

عبداللہ امرتسری روپڑ ۴ صفر ۱۳۵۶ھ ۱۶ اپریل ۱۹۳۷ء

فرضیّت جمعہ پر ایک شبہ اور اُس کا جواب

سوال:۔ عن ابن مسعود ان النبیّ صلی اللہ علیہ وسلّم قال لقوم یتخلفون عن الجمعۃ لقد ھممت ان امر رجلا یصلی بالناس ثم احرق علی رجال یتخلفون عن الجمعۃ بیوتھم (رواہ مسلم مشکوٰۃ) یعنی میں نے ارادہ کیا کہ اپنی جگہ کسی دُوسرے شخص کو نماز پڑھانے کے لئے حکم کروں اور خود جا کر ان لوگوں کے گھروں کو آگ لگا دوں جو جمعہ سے پیچھے رہ جاتے ہیں۔

اِس طرح کی حدیث جماعت کے بارہ میں بھی آئی ہے، وہاں کہہ دیتے ہیں کہ جماعت فرض نہیں۔ اَب حدیث سے یہ بھی ماننا پڑے گا کہ جمعہ فرض نہیں۔ اس کا جواب تسلّی بخش لکھیں۔

ابو اسحٰق ویرووال افغانان ڈاکخانہ خاص ضلع امرتسر

جواب:۔ یتخلفون عن الجمعۃ والی حدیث مسلم باب فضل الجماعۃ میں موجُود ہے۔ اور ہمارے نزدیک جمعہ جماعت دونوں فرض ہیں مگر اہم کام کے لئے فرض کا چھوڑنا جائز ہے۔ خاص کر جب اس سے مقصُود اسی فرض کی تکمیل ہو۔

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ایک شخص کو پہرے پر مقرر کیا۔ وہ صرف پہرے کی وجہ سے فجر کی نماز میں شامل نہیں ہوا بلکہ بغیر سخت مجبُوری کے گھوڑے کی پیٹھ پر سے نہیں اُترا۔ جب رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم فجر کی نماز سے فارغ ہوئے تو وہ آیا۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اُس کو خوشخبری دی کہ اس کے بعد اگر تو عمل نہ کرے تو ضرر نہیں۔ اس طرح نماز میں سکون فرض ہے لیکن بچہ کے رونے سے تشویش قلب کا خطرہ ہو تو بچّہ کو اٹھا کر نماز پڑھ سکتا ہے بلکہ پڑھا سکتا ہے۔ جیسے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنی نواسی امامہ کو لے کر امامت کرائی۔ اِس طرح تعلیم کے لئے آپ نے ممبر پر نماز پڑھائی۔ اور سجدہ ممبر سے نیچے اُتر کر کیا۔ اسی طرح ایک صحابی کے ہاتھ میں گھوڑا تھا مگر نماز پڑھی حالانکہ گھوڑا ان کو کھینچے لے جا رہا تھا۔ عبداللہ امرتسری روپڑ

کیا عورتیں الگ جمعہ پڑھ سکتی ہیں؟

سوال :۔ عہد نبوی میں صحابہ کرام و تبع تابعین و ائمہ دین کے زمانہ میں عورتیں مردوں سے علیحدہ ہو کر آپس میں جمعہ یا دونوں عیدوں کی نماز پڑھا کرتی تھیں یا نہیں۔ تو اب جو عورتیں مردوں سے علیحدہ ہو کر آپس میں جمعہ یا دونوں عیدوں کی نماز مردوں کی طرح خطبہ پڑھ کر پڑھتی پڑھاتی ہیں۔ ان کا یہ کام سنّت کے مطابق ہے یا نہیں ؟ (دین محمد موضع سنانہ ضلع انبالہ)

جواب :۔ جمعہ کی نماز چونکہ پانچوقتی نمازوں میں داخل ہے اس لئے اس کا حکم پانچ نمازوں کا ہوگا۔ سوا ان باتوں کے جن کی خصوصیت حدیث نے کردی ہے۔ جیسے جمعہ کے لئے ضروری ہے۔ پانچوقتی نمازیں اگر جماعت نہ ملے تو اکیلا بھی پڑھ سکتا ہے۔ اس طرح جن جن باتوں کا ذکر احادیث میں آگیا ہے۔ ان میں نمازِ جمعہ باقی نمازوں سے ممتاز ہوگی۔ ان کے علاوہ سب باتوں میں نماز جمعہ کا حکم وہی ہوگا جو پانچ نمازوں کا ہے۔ اب پانچ نمازیں عورتوں کے لئے گھر میں بہتر ہیں۔ اگر دوسری جگہ پڑھیں تو جائز ہے خواہ کسی مرد کے ساتھ پڑھیں یا عورت کے ساتھ کیونکہ عورتوں کی امامت آپس میں صحیح ہے۔

رہا عید کا حکم تو اس کی تائید حدیث میں بہت آئی ہے تو اس لئے گھر میں نہیں پڑھنی چاہیئے بلکہ جہاں سب جاتے ہیں وہاں چلے جانا چاہیئے۔ عبداللہ امرتسری روپڑ ۸ ربیع الاخر ۱۳۵۶ھ - ۱۸ جون ۱۹۳۷ء

منبر محراب کے کس طرف رکھا جائے

سوال :۔ جس وقت امام خطبہ پڑھے اُس وقت منبر کو کونسی جگہ پر رکھا جائے۔ محراب کے عین درمیان میں یا دائیں جانب؟

جواب :۔ مسجد نبویؐ میں منبر کی جگہ دائیں طرف ہے۔ اور منبر سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھجور کے تنہ سے ٹیک لگا کر خطبہ پڑھتے تھے جس کا مقام قریباً محراب کے سامنے پڑتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حسبِ ضرورت اِدھر اُدھر ہونے میں کوئی حرج نہیں۔ عبداللہ امرتسری روپڑ ۸ محرم ۱۳۵۷ھ

ایک گاؤں میں تعدد جمعہ

سوال :۔ ایک گاؤں میں تین جگہ جمعہ پڑھنا جائز ہے۔؟

جواب :۔ گاؤں اگر اچھا قصبہ ہے اور مساجد فاصلہ پر ہیں تو تعدد کی گنجائش ہے۔ چنانچہ حضرت علی رض

سے مروی ہے۔ اور اگر چھوٹا گاؤں ہے تو پھر ضد لگانے، نفسانیت کا معاملہ ہے۔ ضد سے تعدد ٹھیک نہیں۔ بلکہ تعدد کی رخصت صرف ضرورت کی بنا پر ہے۔ مثلاً مساجد ذرا فاصلہ پر ہوں۔ ایک مسجد میں سب کی گنجائش نہ ہو کمزوروں کو وہاں پہنچنا تکلیف دہ ہو وغیرہ وغیرہ۔ ویسے تعدد اور نفسانیت کی وجہ سے اچھا نہیں۔ عبداللہ امرتسری روپڑی

دیہات میں جمعہ

سوال:۔ مفتی خیر المدارس ملتان کی طرف سے ایک فتویٰ موصول ہوا ہے جو حسب ذیل ہے۔

"صورت مسئولہ میں چونکہ یہ گاؤں قریہ کبیرہ یا شہر نہیں" نماز با جماعت ادا کرنا ضروری ہے۔ لہٰذا اس میں ادائیگی جمعہ جائز نہیں۔ تبلیغ کی یہ صورت کر لی جائے لیکن نماز دو رکعت جمعہ کی بجائے چار رکعت ظہر ادا کر لی جایا کرے یا روزانہ صبح کو درس قرآن شریف کر دیا جائے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۲۸/۲

الجواب صحیح۔ عبداللہ عفی عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

مہر - مدرسہ عربی خیر المدارس ملتان

یہ فتوےٰ آپ کی خدمت میں ارسال ہے مکمل حوالجات سے جواب تحریر فرمائیں۔

(مہر خدا بخش اہل حدیث لونڈہ سید)

جواب:۔ گاؤں میں جمعہ پڑھنے کے متعلق اس قسم کا ایک سوال موضع کنگوئی تحصیل قصور ضلع لاہور کی طرف سے بھی آیا ہے۔ افسوس ہے کہ دیوبندی حضرات نے دیہات میں جمعہ بند کرنے کی مہم چلا رکھی ہے۔ ہمارے مقلد بھائیوں پر تقلید کا اثر غالب ہے۔ اس لئے مفتی خیر المدارس نے بلا دلیل ہی جواب لکھ دیا ہے تاکہ لوگ تقلید پر ہی جمے رہیں۔ لیکن ان کو معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ روشنی کا زمانہ ہے اور ہر زمانہ کم و بیش روشنی کا ہوتا ہے۔ اس لئے بغیر دلیل کے جواب لکھنا علماء کی نشان کے خلاف ہے۔ ساتھ ہی ایک اور بدعت کا اضافہ کر دیا کہ ظہر بھی پڑھی جائے اور خطبہ بھی ہو جیسے آج کل شہروں میں یہ بدعت جاری ہے کہ دو خطبے پڑھتے ہیں۔ ایک پہلی اذان کے بعد اور دوسرا دوسری اذان کے بعد عربی میں۔

اللہ تعالیٰ بدعات سے بچائے اور سنت پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

اب گاؤں میں جمعہ پڑھنے کے جواز کے دلائل ذیل میں پڑھیئے۔

دلیل اول۔ سورہ جمعہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کے لئے

اذان دی جائے توذکر الٰہی کی طرف دوڑو۔ اور خرید و فروخت چھوڑ دو۔ سورہ جمعہ پارہ ۲۸

یہ آیت ہر ایمان والے کو شامل ہے۔ خواہ وہ شہر میں ہو یا گاؤں میں اور خرید و فروخت سے مراد ہر قسم کا کاروبار ہے۔ کیونکہ اگر خاص خرید و فروخت ہی مُراد ہو تو لازم آئے گا کہ جمعہ صرف خرید و فروخت کرنے والوں پر ہو۔ اور باقی کاروبار کرنے والے خواہ شہر میں ہوں یا گاؤں میں جیسے لوہار۔ بڑھئی۔ راج۔ مزدور کپڑا وغیرہ بننے والے کھیتی باڑی کرنے والے، باغات کے مالی وغیرہ یہ سب جمعہ سے سبکدوش ہوں۔

علاوہ ازیں قرآن مجید پارہ ۱۸ رکوع ۱۱ میں پانچ نمازوں اور زکوٰۃ وغیرہ کے ساتھ تجارت اور فروخت کا بھی ذکر ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ

یعنی اللہ تعالیٰ کے بندوں کو تجارت اور خرید و فروخت ذکر الٰہی نماز اور زکوٰۃ سے غافل نہیں کرتی۔

اب غور فرمائیے۔ کیا باقی نمازیں اور زکوٰۃ وغیرہ صرف شہر والوں کے لئے مخصوص ہیں۔ ہرگز نہیں۔ بس اسی طرح نمازِ جمعہ کو سمجھ لیں۔

دلیل دوم

ابوداؤد میں ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔

الجمعة حق واجب علی کل مسلم فی جماعة الا علی اربعة عبد مملوك اوامرأة اوصبی اومریض۔

یعنی ہر مسلمان پر (خواہ وہ شہر میں ہو یا قریہ میں) جمعہ واجب ہے جماعت میں مگر چار پر واجب نہیں،

۱۔ غلام (۲) عورت (۳) لڑکا (۴) بیمار

دوسری حدیث میں مسافر کا بھی ذکر ہے کہ اس پر بھی جمعہ نہیں۔

دلیل سوم

نسائی شریف میں ہے۔

رواح الجمعة واجب علی کل محتلم

یعنی ہر بالغ پر جمعہ کے لئے جانا واجب ہے۔

دلیل چہارم ۔ بخاری اور ابوداؤد میں ہے۔ ابن عباس رضہ فرماتے ہیں کہ پہلا جمعہ مسجد نبوی کے بعد جواثا

میں پڑھا گیا ہے جو بحرین کے دیہات سے ایک گاؤں ہے۔

حافظ ابن حجرؒ فتح الباری میں لکھتے ہیں۔ ابن تین نے ابوالحسن اللخمیؒ سے روایت کیا ہے کہ جواثا شہر ہے۔ اگر جو نفس حدیث میں آگیا ہے وہ مقدم ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی احتمال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جواثا گاؤں ہو۔ اور ابوالحسن اللخمیؒ کے زمانہ میں اس کی آبادی بڑھ جانے سے یہ شہر ہو گیا ہو۔

نیز حافظ ابن حجرؒ فتح الباری میں لکھتے ہیں۔ جوہریؒ۔ زمخشریؒ اور ابن اثیرؒ نے نقل کیا ہے کہ جواثا قلعہ کا نام ہے لیکن یہ گاؤں ہونے کے منافی نہیں (کیونکہ عرب میں اُس وقت کوئی مستقل حکومت تو تھی ہی نہیں۔ جو لوگ زیادہ محفوظ تھے اُن کے گاؤں بھی قلعوں کی شکل کے تھے۔

دلیل پنجم

بخاری شریف میں ہے کہ زریقؒ اپنی زمین میں رہتے تھے اور وہاں حبشیوں وغیرہ کی ایک جماعت بھی رہتی تھی زریقؒ نے جو شہر ایلہ کے حاکم تھے ابن شہاب زہریؒ کو جو اُس وقت وادی القریٰ میں تھے لکھ کر مسئلہ دریافت کیا کہ میں اپنی زمین میں جُمعہ پڑھوں۔ ابن شہاب زہریؒ نے اُن کو جمعہ پڑھنے کا حکم دیا اور ساتھ ہی یہ حدیث لکھی۔

کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ

یعنی تم سب راعی ہو اور اپنی اپنی رعیت سے پُوچھے جاؤ گے

مطلب ابن شہابؒ کا یہ تھا کہ تو اس وقت امیر ہے۔ رعیت کی ہر قسم کی دینی و دنیوی ذمہ داری تجھ پر ہے جس سے جمعہ بھی ہے پس جُمعہ پڑھنا چاہیئے۔

دلیل ششم

فتح الباری شرح بخاری میں ہے عبدالرزاق نے صحیح سند سے روایت کیا ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ مکہ مدینہ کے درمیان پانی پر اُترے ہُوئے لوگوں کو جمعہ پڑھتے دیکھتے اور اُن پر اعتراض نہ کرتے۔

دلیل ہفتم

حافظ ابن حجرؒ تلخیص الجبیر میں لکھتے ہیں کہ ابُو رافع سے روایت ہے۔ ابُوہریرہؓ نے حضرت عمرؓ کو لکھا اور وہ بحرین میں تھے پس حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ جَمِّعُوا حَیْثُ کُنْتُمْ۔ یعنی جہاں ہو جمعہ پڑھو۔ یعنی جمعہ کی کسی جگہ کے ساتھ خصُوصیت نہیں شہر ہو یا گاؤں سب جگہ جمعہ پڑھو جیسے قرآن مجید میں ہے۔

حیثما کنتم فولوا وجوھکم شطر المسجد الحرام

یعنی تم جہاں ہو (نماز کے وقت) قبلہ رُخ منہ کرو۔

ابن خزیمہؒ نے اس کو روایت کیا ہے اور ابن ابی شیبہؒ نے اس کو صحیح کہا ہے۔ اور بیہقی نے بھی اس کو روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ روایت اچھی سند والی ہے۔

دلیل ہشتم

بیہقی میں ہے۔ ولید بن مسلم کہتے ہیں میں نے لیث بن سعدؒ سے (گاؤں میں جمعہ کی بابت) سوال کیا تو فرمایا ہر شہر یا گاؤں میں جس جگہ جماعت ہو جمعہ پڑھنے کا حکم دئے گئے ہیں۔ کیونکہ اہل مصر اور گرد و نواح کے لوگ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں جمعہ پڑھتے تھے۔ اور ان میں کئی صحابہؓ بھی تھے۔ لیث بن سعدؒ نے اگرچہ صحابہؓ کا زمانہ نہیں پایا۔ کیونکہ تبع تابعی ہیں مگر جن لوگوں میں جمعہ ہوتا تھا۔ ان کو ملے ہیں۔ مصر کے رہنے والے ہیں نیز حنفیہ کے نزدیک مرسل تبع تابعی (جس میں تابعی اور صحابی کا ذکر نہ ہو) معتبر ہے (نور الانوار وغیرہ) اور اس میں صرف تابعی رح کا ذکر نہیں۔ پس یہ بطریق اولیٰ معتبر ہوگی۔ اس کے علاوہ رد المختار وغیرہ میں ہے کہ مجتہد جب کسی حدیث سے استدلال کرے تو یہ حدیث کی تصحیح ہے۔ پس لیث بن سعدؒ کے استدلال کرنے سے اس حدیث کی صحت ثابت ہوگئی۔ نیز یہ روایت باقی دلائل کی تائید ہے اور تائید میں تو تبع تابعی کا اپنا قول بھی معتبر ہے چہ جائیکہ اس کو صحابہؓ کی طرف نسبت کرے۔

دلیل نہم

گاؤں میں جمعہ پڑھنے کے دلائل کتب حنفیہ میں بھی بہت ہیں۔ بطورِ نمونہ ایک حوالہ پڑھیئے۔ کبیری شرح منیہ میں ہے کہ یہ بات صحت کو پہنچ گئی ہے کہ ربذہ میں (جو مدینہ کے قریب ایک جگہ ہے) حضرت عثمان کے ایک غلام امیر تھے ان کے پیچھے دس صحابہ رضؓ جمعہ وغیرہ پڑھا کرتے تھے۔ ابن حزمؒ نے محلی میں اس کا ذکر کیا ہے۔

اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہم نے انہی دلائل پر اکتفاء کی ہے ورنہ دلائل اور بھی بہت ہیں جیسے بنی سالم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جمعہ پڑھنا اور حرہ بنی بیاضہ میں صحابہ رضؓ کا جمعہ پڑھنا اور یہ دونوں گاؤں مدینہ سے ایک ایک کوس (سوا میل) کے فاصلہ پر ہیں۔ پہلی روایت مولوی محمود الحسن صاحب دیوبندی نے احسن القریٰ ص۳ میں بحوالہ اہل سیر ذکر کی ہے۔ اور دوسری روایت مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی نے اوثق القریٰ کے ص۶ میں بحوالہ ابوداؤد اور مولوی ظہیر الحسن نیموی رح نے جامع الآثار کے صفحہ ۱۲ میں بحوالہ ابن ماجہ ذکر کی ہے اسی طرح عمر بن عبد العزیز رح نے جنگل میں جمعہ پڑھا ہے اور انس رضؓ نے زاویہ میں نماز عید پڑھی اور زاویہ

بصرہ سے چھ میل دُور ہے۔ اور عید وجمعہ کا حنفیہ کے نزدیک ایک ہی حکم ہے۔

غرض اس قسم کے دلائل بہت سے ہیں جن کی تفصیل ہماری کتاب اطفاء الشمعہ میں ہے۔

واخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العلمین

عبداللہ امرتسری روپڑی ۲۲ ذی الحجہ ۱۳۸۲ھ، ۱۶ مئی ۱۹۶۳ء

غیر عربی میں خطبہ کا ثبوت

سوال نمبر۱: خطبہ جمعہ کی نسبت امام نووی اذکار ص۸ میں لکھتے ہیں ویشترط کونہا بالعربیۃ ھکذا فی منہاج الطالبین ص۱۹) اور شیخ الاسلام زکریا انصاری متن المنہج ص۱۹ میں لکھتے ہیں وشرط کونہا عربتین اور اُن کے سوا اور علمائے شافعیہ فرماتے ہیں اور حنابلہ نے ایسا ہی لکھا ہے۔ اور جناب شاہ ولی اللہ صاحب محدّث دہلوی مصفی ص۱۵۳ میں تحریر فرماتے ہیں کہ اس کا رواج عربی میں ہمیشہ سے ہے چنانچہ آپ تحریر فرماتے ہیں

"وعربی بودن نیز بجہۃ عمل مستمر مسلمین در مشارق ومغارب باوجود آنکہ در بسیارے از اقالیم مخاطبان عجمی بودند۔"

اب سوال یہ ہے کہ ان عبارات سے غیر لسان عرب میں خطبہ جمعہ پڑھنا ایک فعل محدث ثابت ہوتا ہے یا نہیں۔

نمبر۲۔ بہتیرے اُمورِ محدث کہے جاتے ہیں وہ اِسی وجہ سے کہ وہ ازمنہ مشہود لہا بالخیر سے متوارث نہیں پس خطبہ جمعہ غیر لسان عرب میں جو ازمنہ مشہود لہا بالخیر سے متوارث نہیں اس کو کیوں محدث نہیں کہا جا سکتا

نمبر۳۔ یہ اُردو خطبہ کس وقت سے جاری ہوا۔ اور کون اس کا موجد ہے۔

نمبر۴۔ یہ عربی خطبہ جو ہمیشہ سے جاری ہے۔ جس کو عوام نہیں سمجھتے ہیں شرعاً ادا ہو سکتا ہے یا نہیں۔

نمبر۵۔ نماز میں علاوہ دعاء ماثورہ اگر کوئی شخص اپنی زبان اُردو یا فارسی میں کوئی دعا پڑھے تو یہ جائز ہے یا نہیں۔ دونوں شقوں کا جواب مدلّل مطلوب ہے۔

جواب (۱): ہر محدث کام بدعت نہیں ہوتا بلکہ اس کے لئے کچھ شرائط ہیں۔ ایک یہ کہ وہ دین میں داخل ہو۔ اگر دین میں داخل نہ ہو تو وہ بدعت نہیں۔ جیسے علم معانی۔ بیان۔ عروض وغیرہ۔ دوسری شرط یہ

ہے کہ شریعت میں اس کا ثبوت نہ ہو۔ اگر شریعت میں اس کا ثبوت ہو تو وہ بھی بدعت نہیں۔ جیسے حضرت عمرؓ نے تراویح کی بابت فرمایا۔ نعمت البدعة هذہ۔ یعنی یہ اچھی بدعت ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے تین روز پڑھ کر فرضیت کے خوف سے ترک کردی تھیں۔ اسی طرح تعدد جمعہ (یعنی شہر میں کئی جگہ جمعہ پڑھنے) کی بابت صحیح مسلک یہی ہے کہ درست ہے۔ اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے زمانہ میں، اور حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں اور حضرت عمرؓ کے زمانہ میں اور حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں ایک ہی جگہ ہوتا رہا متعدد جگہ نہیں ہوا۔ اسی طرح خطبہ جمعہ کو سمجھ لینا چاہیئے۔ اگر کہا جائے کہ حضرت علیؓ سے تعدد جمعہ کی بابت مروی ہے کہ انہوں نے تعدد جمعہ کا حکم کیا۔ چنانچہ ابن تیمیہ علیہ الرحمہ نے منہاج السنہ میں ذکر کیا ہے۔ اِس لئے یہ محدث نہ رہا۔ بخلاف خطبہ کے غیر عربی ہونے کی کونسی روایت ہے تو جواباً عرض ہے کہ خطبہ جمعہ غیر عربی میں ہونے کی بابت ارشادِ نبویؐ موجود ہے۔ مسلم وغیرہ میں حدیث خطبہ جمعہ میں ہے۔

یقراء القرآن ویذکر الناس (منتقی)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم لوگوں کو وعظ کرتے

اور ظاہر ہے کہ افہام (سمجھانا) نہ ہو تو وعظ ہی نہیں۔

اِس کے علاوہ مسلم اور ابن ماجہ میں حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم جب خطبہ کرتے تو آنکھیں سُرخ ہو جاتیں، غصہ سخت ہو جاتا۔ اور آواز بلند ہو جاتی۔ گویا کہ آپ فوج دشمن سے ڈرانے والے ہیں۔ جو کہتا ہے صبح کو لُوٹا تمہیں شام کو لوٹا تمہیں۔

اسی بنا پر نواب صاحب روضۃ الندیہ کے صفہ ۹ میں لکھتے ہیں۔

ثم اعلم ان الخطبة المشروعة هی ما کان یعتادہ رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم من ترغیب الناس وترهیبهم فهذا فی الحقیقة روح الخطبة الذی لاجله شرعت واما اشتراط الحمد للہ او الصلوة علی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم او قراءة شئ من القران فجمیعه خارج عن معظم المقصود من شرعیة الخطبة۔ انتهی۔

یعنی مشروع خطبہ وہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی عادت مبارک تھی کہ لوگوں کو رغبت دیتے اور ڈراتے۔ پس یہ درحقیقت خطبہ کی جان ہے جس کی خاطر خطبہ کا حکم ہوا۔ اور خدا کی تعریف

کی شرط اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود کی شرط اور قرآن مجید پڑھنے کی شرط اصل مقصود خطبہ سے خارج ہے جب اصل مقصود ہی لوگوں کو وعظ ہے تو مخاطب لوگوں کی زبان کا لحاظ ضروری ہوا بلکہ خود خطبہ کا لفظ بھی اسی کو چاہتا ہے۔ کیونکہ مخاطب سمجھتا نہ ہو تو اس کو مخاطب کرنے کے کچھ معنے ہی نہیں بعض لوگ جو خطبہ کو نماز پر قیاس کرتے ہیں۔ اور دلیل اس کی حضرت عمرؓ اور حضرت عائشہؓ کی روایت پیش کرتے ہیں جو مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے کہ۔ انما جعل الخطبۃ مکان الرکعتین یعنی خطبہ دو رکعت کے قائم مقام ہے، تو یہ ان کی غلطی ہے۔ کیونکہ ایک شے کا دوسرے کے قائم مقام ہونا۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہر طرح اس کے حکم میں ہو جائے مثلاً بلوغ المرام میں حدیث ہے کہ نماز پہلے دو دو رکعت فرض ہوئی تھی۔ جب آپ نے ہجرت کی تو چار رکعت ہو گئی مگر سفر کی بدستور دو رکعت ہی رہی اور مغرب کی تین رکعت رہی کیونکہ وہ دن کے وتر ہیں اور فجر کی دو رہی کیونکہ اس میں قرأت لمبی ہے دیکھئے اس حدیث میں لمبی قراءۃ کو دو رکعت کے قائم مقام قرار دیا ہے حالانکہ دو رکعت جو زیادہ ہوئی ہیں وہ فرض ہیں اور فجر میں کسی کے نزدیک بھی فرض نہیں بلکہ خود حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی نماز قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس کیساتھ پڑھائی ہے ٹھیک اسی طرح خطبہ کو سمجھ لینا چاہیئے کہ ہر حکم میں دو رکعت کے قائم مقام نہیں بلکہ بعض باتوں میں ہے۔ مثلاً ضروری ہونے میں نماز کی طرح ہے۔ یعنی خطبہ کے بغیر نماز جمعہ نہیں ہو سکتی یا جیسے نماز میں دوسرے سے بات چیت منع ہے اور کوئی فضول حرکت جائز نہیں اسی طرح خطبہ سننے کے وقت کسی سے کوئی بات چیت نہیں کر سکتا نہ کوئی اور فضول حرکت کر سکتا ہے یا جیسے نماز میں وضو ضروری ہے اسی طرح خطبہ میں باوضو بیٹھنا چاہیئے تاکہ امام کے فارغ ہونے کے بعد وضو کرتے کراتے جمعہ نہ رہ جائے یا یہ مطلب کہ دو رکعت سے لمبا نہ ہو یا یہ مطلب کہ ثواب میں خطبہ دو رکعت کے قائم مقام ہے یعنی ظہر کی نسبت جو دو رکعت کی کمی ہو گئی ہے ان کا ثواب خطبہ سے حاصل ہو جاتا ہے۔ غرض ساری باتوں میں خطبہ دو رکعت کے قائم مقام نہیں اگر ایسا ہوتا تو جو شخص خطبے میں شامل نہیں ہوا بلکہ نماز میں آکر ملا اس کا جمعہ نہ ہونا چاہیئے بلکہ چار پڑھے کیونکہ اس کا خطبہ جو دو رکعت کے قائم مقام ہے رہ گیا ہے۔ حالانکہ سب کا اس پر اتفاق ہے کہ جو شخص جمعہ کی پہلی رکعت میں مل جائے اس کا جمعہ ہو جاتا ہے بلکہ دوسری رکعت پوری پالے تو بھی ایک ہی اور اٹھ کر پڑھے گا نہ تین۔ پس معلوم ہوا کہ خطبہ ساری باتوں میں دو رکعت کے قائم مقام نہیں نیز اگر ایسا ہوتا تو خطبے کے ساتھ کسی کو یا خطیب کو کسی کے ساتھ بات چیت جائز نہ ہوتی حالانکہ یہ صریح احادیث کے خلاف ہے

۱۔ بخاری مسلم وغیرہ میں حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ پڑھ رہے تھے ایک اعرابی آیا

اس نے کہا یارسولؐ اللہ (قحط سالی سے مال ہلاک ہو گئے۔ رستے بند ہو گئے۔ بارش کی دعا کیجئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اور مسلمانوں نے ہاتھ اٹھائے اور بارش کی دعا کی۔ ایک ہفتہ تک برابر بارش ہوتی رہی دوسرے جمعہ پھر وہی یا دوسرا اعرابی آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم خطبہ پڑھ رہے تھے کہا یارسول اللہ م (کثرت بارش سے) مال ہلاک ہو گئے اور رستے بند ہو گئے۔ دعا کیجئے اللہ تعالےٰ بارش بند کر دے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی کہ اے اللہ اردگرد برسا ہم پر نہ برسا اور ساتھ ساتھ ہاتھ سے اشارہ کرتے جدھر جدھر اشارہ کرتے بادل پھٹتا جاتا یہاں تک کہ مدینہ ایسا ہو گیا جیسے تاج میں ہوتا ہے یعنی مدینہ خالی تھا اور اِردگرد بادل تھا۔

(ب) نیز بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت عمرؓ خطبہ پڑھ رہے تھے اس حال میں ایک صاحب (حضرت عثمانؓ) آئے۔ حضرت عمرؓ نے کہا یہ کونسی گھڑی ہے یعنی اتنی دیر کر کے کیوں آئے۔ عثمانؓ نے کہا کہ میں ایک کام میں تھا اور اس سے فارغ ہو کر گھر میں نہیں پہنچا کہ اذان سُنی۔ پس وضو کے سوا کوئی کام نہ کیا۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ یہ دوسرا قصور ہے کہ وضو پر کفایت کی۔

(ج) ترمذی۔ نسائی اور ابوداؤد وغیرہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم خطبہ پڑھ رہے تھے۔ حسن حسین رضی اللہ عنہما آئے۔ ان پر سُرخ کرتے تھے۔ چلتے اور ٹھوکریں کھاتے۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے منبر سے اُتر کر ان کو اٹھا کر اپنے آگے رکھ لیا۔ پھر کہا اللہ تعالےٰ نے سچ فرمایا انما اموالکم واولادکم فتنۃ (ترجمہ) یعنی تمہارے مال اور اولاد تمہارے لئے فتنہ ہیں۔ میں ان دونوں کو ٹھوکریں کھاتا دیکھ کر صبر نہیں کر سکا یہاں تک کہ میں نے اپنی بات درمیان میں چھوڑ کر ان کو اٹھا لیا۔

(د) مسلم وغیرہ میں ہے ابورفاعہ کہتے ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے پاس آیا اور آپ خطبہ پڑھ رہے تھے۔ میں نے اپنی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا یارسول اللہ (صلعم) ایک شخص مسافر ہے اپنے دین کے متعلق سوال کرتا ہے وہ نہیں جانتا کہ اس کا دین کیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم خطبہ چھوڑ کر میرے پاس آئے۔ پھر ایک کرسی لائی گئی مجھے یاد پڑتا ہے کہ اس کے پائے لوہے کے تھے۔ آپ اس پر بیٹھ کر مجھے ان باتوں سے سکھاتے رہے جو آپ کو اللہ تعالےٰ نے سکھائی تھیں۔ پھر (مجھ سے فارغ ہو کر) واپس آکر اپنا خطبہ پورا کیا۔

تلخیص الحبیر کے صفحہ ۱۳۵ میں ہے۔

البیهقی من طریق عبد الرحمان بن کعب ان الرهط الذین بعثهم النبی صلی الله علیه وسلم الی ابی الحقیق بخیبر لیقتلوه فقتلوه فقدموا علی رسول الله صلی الله علیه وسلم وهو قائم علی المنبر یوم الجمعة فقال لهم حین راٰهم افلحت الوجوه فقالوا افلح وجهك یا رسول الله قال اقتلوه قالوا نعم فدعا بالسیف الذی قتل به وهو قائم علی المنبر فسلم فقال اجل هذا طعامه فی ذباب سیفه الحدیث قال البیهقی مرسل جید وروی عن عروة نحوه ثم رواه من طریق ابن عبد الله ابن انیس عن ابیه قال بعثنی رسول الله صلی الله علیه وسلم الی ابن ابی الحقیق نحوه انتهٰی

یعنی بیہقی نے عبد الرحمان بن کعب کے طریق سے روایت کیا ہے کہ جس جماعت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر میں ابن ابی الحقیق (یہودی) کے قتل کے لئے بھیجا تھا اس جماعت نے اس کو قتل کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ جمعہ کے دن منبر پر آئے جب آپ نے ان کو دیکھا تو فرمایا چہرے کامیاب ہوگئے۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ آپ کا چہرہ کامیاب ہو۔ پس فرمایا کیا تم نے اس کو قتل کر دیا؟ کہا ہاں۔ پس منبر پر کھڑے تلوار، پھر تلوار میان سے نکال کر فرمایا ہاں تم نے اس کو قتل کر دیا تلوار کی دھار پر اس کا کھانا لگا ہوا ہے۔ بیہقی نے کہا یہ حدیث مرسل ہے کھری ہے۔ اور عروہ سے بھی اسی طرح روایت کی ہے پھر عبد اللہ بن انیس سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ابن ابی الحقیق کی طرف بھیجا۔

(و) بخاری ومسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص (سلیک غطفانی) جمعہ کے دن آیا اور آپ خطبہ پڑھ رہے تھے۔ وہ بیٹھ گیا۔ آپ نے فرمایا کھڑا ہو اور دو رکعت ہلکی پڑھ۔

(ح) ابوداؤد ونسائی ومسند احمد میں ہے کہ ایک شخص لوگوں کی گردنوں پر سے گذرتا ہوا آگے آرہا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ پڑھ رہے تھے۔ آپ نے فرمایا بیٹھ جا تو نے ایذا دی۔ اور مسند احمد میں ہے تو نے ایذا دی اور دیر کی (منتقی)

(ز) بخاری ومسلم وغیرہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن عید گاہ کی طرف نکلتے پہلے نماز پڑھتے پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے اور لوگ اپنی اپنی جگہ پر ہوتے پس ان کو وعظ کرتے اور

وصیت کرتے اور حکم دیتے اگر کسی لشکر بھیجنے کا ارادہ کرتے یا کسی اور شئے کا حکم دینا ہوتا تو فرما دیتے پھر لوٹ جاتے یہ سات روایتیں ہیں اس قسم کی اور بھی بہت ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ خطبہ کا حکم نماز کا نہیں بلکہ عام وعظوں کی طرح ایک وعظ ہے جو ہر زبان میں درست ہے۔ اس میں ہر قسم کی بات چیت ہو سکتی ہے اس کو درمیان چھوڑ کر کوئی دوسرا کام کر کے پھر پورا کر سکتے ہیں۔ ابو رفاعہ کو آپ نے خطبہ چھوڑ کر دین سکھایا۔ حسن۔ حسین رضی اللہ عنہما منبر سے اُترے اور لاکر آگے بٹھا لیا۔ صرف اتنی بات ہے کہ خطبہ جمعہ کی بابت تاکید بہت آئی ہے کہ سامعین توجہ سے سنیں اور کوئی فضول حرکت نہ کریں تاکہ کم از کم ہفتہ میں ایک مرتبہ کان میں وعظ کی آواز پڑھے جس سے دل نرم رہیں اگر ایسا نہ ہو تو دل مُردہ ہو جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ خطبہ عیدین کے لئے اتنی تاکید نہیں آئی پس جب خطبہ عام وعظوں کی طرح ایک وعظ ہے۔ صرف خطبہ جمعہ میں ایک خاص وجہ سے سُننے کی تاکید ہے اور خطبہ عیدین میں یہ بھی نہیں تو پھر اس کو نماز پر قیاس کرنا کیوں کر صحیح ہوگا۔ اس کے علاوہ یہ بھی ایک بات ہے کہ جب لشکر وغیرہ بھیجنے کا کام خطبہ میں درست ہے تو یہ مخاطب لوگوں کی زبان میں ہی ہو سکتا ہے۔ پھر یہ کہا جا سکتا ہے کہ عربی زبان کی پابندی ضروری ہے۔ غرض نماز پر خطبہ کا قیاس بالکل صحیح نہیں کیونکہ خطبہ خطاب ہے اور خطاب پر پابندی زبان کی اصل مقصود کو فوت کرتی ہے جو خطاب سے مقصود ہوتا ہے یعنی سامعین کو اپنی بات پہنچانا۔ برخلاف نماز کے کہ وہ خطاب نہیں بلکہ مقصود اس سے خدا کا ذکر اور قراءۃ قرآن پاک ہے۔ چنانچہ مسلم وغیرہ میں حدیث ہے۔

ان ھذہ الصلوٰۃ لا یصلح فیھا شئ من کلام الناس انما ھی التسبیح والتکبیر وقراءۃ القرآن۔

یعنی نماز میں بات چیت درست نہیں (یہاں تک کہ چھینک لینے والے کے جواب میں یرحمک اللہ کہنا بھی جائز نہیں)

کیونکہ نماز صرف تسبیح تکبیر قراءۃ قرآن ہے یعنی اصل مقصود یہ ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نماز میں جو قرآن مجید پڑھا جاتا ہے تو اس حیثیت سے نہیں پڑھا جاتا کہ وہ مقتدیوں کو خطاب ہے بلکہ اس طرح سے پڑھا جاتا ہے کہ جیسے کسی کو محبوب کا کلام پیارا معلوم ہوتا ہے تو اس کا ورد کرتا ہے یا جیسے پڑھنے والے سے خدا باتیں کرتا ہے اور وہ اپنے کو ان کا مصداق سمجھتا ہے جس سے اس کے دل میں رقّت اور نرمی پیدا ہوتی ہے بعض احادیث میں جو بعض نمازوں کی بابت خاص خاص سورتوں کے پڑھنے کا ذکر آیا

ہے جیسے جمعہ کے دن فجر کی نماز میں سورۃ سجدہ اور سورۃ دہر اور جمعہ کی نماز میں سورہ ھل اتاك یا سورہ جمعہ اور سورہ منافقون اور عیدین کی نماز میں سورۃ قٓ اور سورہ اقتربت اور سورہ اعلیٰ اور سورہ ھل اتاك اور جمعرات کو مغرب کی نماز میں قل یاایھا الکافرون اور قل ھواللہ احد تو اس کی وجہ بھی یہی معلوم ہوتی ہے کہ ان کے پڑھنے سے پڑھنے والے کے اعتقاد کی اصلاح ہے یا اس کو رقت اور نرمی زیادہ پیدا ہوتی ہے اور اس کے دل پر ایک خاص اثر ہوتا ہے اور اس سے مقتدیوں پر بھی خاص اثر پڑتا ہے اور نماز میں بھی خشوع خضوع بڑھتا ہے اور دل زیادہ لگتا ہے بلکہ اگر کوئی شخص نماز سے باہر امام کی قرأت سن لے تو اس کی بھی یہی حالت ہوگی۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ نماز سے اصلی مقصود کیا ہے دوسرے کو وعظ ہے یا اپنی حالت کی اصلاح ظاہر ہے کہ اپنی حالت کی اصلاح ہے برخلاف خطبہ کے کہ اس میں دوسرے کو وعظ خطاب مقصود ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض احادیث میں بعض سرّی نمازوں کی بابت اور بعض نوافل کی بابت بھی خاص سورتوں آیتوں کا ذکر آیا ہے حالانکہ وہاں دوسرے سے تعلق نہیں جیسے مشکوٰۃ باب القراءۃ میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر میں سورۃ واللیل اذا یغشی پڑھا کرتے تھے۔ اور ایک روایت میں ہے سورۃ سبح اسم ربك الاعلیٰ آتی ہے اور فجر کی سنتوں میں آیت قولوا اٰمنّا باللہ وما انزل الینا اور آیت قل یا اھل الکتاب تعالوا پڑھا کرتے تھے تو گویا یہ ایسا ہو گیا جیسے نماز کے علاوہ خاص خاص وقتوں میں اپنی اصلاح کے لئے خاص خاص آیتوں اور خاص خاص سورتوں کے پڑھنے کا ذکر آیا ہے جیسے سوتے وقت آیۃ الکرسی اور سورہ سجدہ، سورہ ملک اور وہ سورتیں جن کے شروع میں سبحٰ یا یسبّح ہے اور جمعہ کے دن سورۃ کہف سورۃ ہود اور سورۃ آل عمران وغیرہ اور ہر روز شروع دن میں سورہ یٰسٓ اور ہر رات آخر رکوع آل عمران اور سورۃ واقعہ وغیرہ وغیرہ۔ پس نماز اور خطبہ کی اصل غرض دیکھتے ہوئے کوئی شخص خطبے کو نماز کا حکم نہیں دے سکتا۔ اور نہ نماز کو خطبے کا حکم دے سکتا ہے بلکہ نماز کی ہیئت ہی وعظ کی ہیئت کے خلاف ہے۔ چنانچہ گذر چکا ہے کہ خطبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں سرخ ہو جاتیں اور بہت جوش اور بہت غصہ میں آجاتے اور آواز بلند ہو جاتی جیسے کوئی دشمن کی فوج سے ڈراتا ہے کہ تمہیں صبح کو لوٹ لیا یا شام کو لوٹ لیا۔ نماز کی حالت ایسی نہیں بلکہ وہ عاجزی اور انکساری کی حالت ہے۔ چنانچہ مشکوٰۃ میں عبداللہ بن شخیر سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا۔ آپ نماز پڑھ رہے تھے۔ آپ کے پیٹ میں ہنڈیا کے پکنے کی آواز تھی اور ایک روایت میں ہے میں نے آپ کو نماز پڑھتے دیکھا آپ کے سینہ کی آواز چکی کی آواز تھی۔ اور یہی وجہ ہے کہ ادھر اُدھر گردن

موڑنا دیکھنا منع ہے نیز نماز کی ہیئت قیام اور نیچے اوپر ہونا اور مقتدیوں کا اس میں امام کی تابعداری کرنا یہ بھی وعظ کے خلاف ہے کیونکہ خطبہ اور دیگر وعظ کلام میں سامعین کی ایسی حالت ہوتی جیسے کسی کے سر پر پرندہ بیٹھا ہوا ہے اور وہ اس کو پکڑنا چاہتا ہو چنانچہ مشکوٰۃ میں براء بن عاوب سے روایت ہے

جلسنا حولہ کان علی رؤسنا الطیر

یعنی ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد بیٹھ گئے گویا کہ ہمارے سر پر پرندے ہیں پھر عذاب قبر کا حال سنایا۔

خلاصہ یہ کہ خطبہ عام وعظوں کی طرح ایک وعظ ہے خواہ جمعہ کا ہو یا عیدین کا ہو خطیب کو اس میں کلام وغیرہ جائز ہے۔ زبان کی پابندی اس میں ضروری نہیں کیونکہ خطبہ کی غرض کے خلاف بلکہ خطبہ کے لفظ کے خلاف ہے کیونکہ خطبہ خطاب ہے جو سامعین کی زبان میں ہوتا ہے۔ نماز پر اس کو قیاس کرنا غلط ہے۔ کیونکہ نماز مناجات ہے خطبہ مناجات نہیں۔ خطبہ کی ہیئت عام وعظوں کی ہے نماز کی اس طرح نہیں۔ خطبہ میں کلام وغیرہ جائز ہے۔ نماز میں جائز نہیں۔ صرف خطبہ جمعہ کے سننے کی تاکید آئی ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ دل کی کھیتی کو پانی ملتا رہے تاکہ خشک نہ ہو جائے۔

اعتراض

اگر کہا جاوے کہ غیر عربی میں خطبہ پڑھنا خیر قرون کے خلاف ہے چنانچہ سائل نے شاہ ولی اللہ صاحب سے نقل کیا ہے کہ ہمیشہ سب جگہ خطبہ عربی میں ہوتا رہا اور جو بات خیر قرون کے خلاف ہو اس کے بدعت ہونے میں کیا شبہ ہے تو جواب اس کا یہ ہے کہ خیر قرون کے خلاف اس وقت ہوتا جب خیر قرون سے کسی کا اس پر فتوٰے نہ ہوتا۔ جب خیر قرون سے بعض اس طرف گئے ہیں کہ خطبہ غیر عربی درست ہے چنانچہ امام ابو حنیفہ رح صاحب کا یہی مذہب ہے اور امام شافعی رح کے مذہب میں دو وجہیں ہیں۔ ایک جائز ہونے کی اور ایک ناجائز ہونے کی تو اس کو خیر قرون کے خلاف نہیں کہہ سکتے بلکہ اس کو خیر قرون کے اختلافی مسائل سے سمجھ کر دلائل سے راجح مرجوح کا فیصلہ کریں گے سو دلائل کی رو سے راجح یہی ہے کہ غیر عربی میں درست ہے۔ علامہ زبیدی شرح احیاء العلوم میں لکھتے ہیں۔

وھل یشترط کون الخطبۃ کلھا بالعربیۃ وجھان الصحیح اشتراطہ فان لم یکن من یحسن العربیۃ خطب بغیرھا ویجب علیھم التعلیم

والاعصوا ولا جمعة (شرح احیاء العلوم صـ۲۲۶ جلد ۳)

یعنی خطبہ کے عربی ہونے کی بابت دو وجہیں ہیں (ایک یہ کہ عربی میں ہونا شرط ہے دوسری یہ کہ شرط نہیں) صحیح یہ ہے کہ شرط ہے پس اگر کوئی اچھی طرح عربی نہ جانے تو غیر عربی میں خطبہ پڑھے اور لوگوں پر عربی کا سیکھنا واجب ہے ورنہ گنہگار ہو جائیں گے اور ان کا جمعہ نہیں۔

شرح احیاء العلوم کے دوسرے مقام میں ہے۔

قال الرافعی وهل یشترط ان تکون الخطبة کلها بالعربیة وجهان والصحیح اشتراطه فان لم یکن فیهم من یحسن العربیة خطب بغیرها وقال اصحابنا ان الخطبة بالفارسیة وهو یحسن العربیة لا یجزیه (شرح احیاء العلوم جلد ۳ صـ۲۳)

یعنی رافع کہتے ہیں کہ خطبے کے عربی ہونے میں دو وجہیں ہیں (ایک یہ کہ عربی میں شرط ہے دوسری یہ کہ شرط نہیں) صحیح یہ ہے کہ شرط ہے پس اگر کوئی ٹھیک عربی نہ جانتا ہو تو وہ غیر عربی میں خطبہ دے اور ہمارے اصحاب نے کہا ہے کہ خطبہ فارسی میں کافی نہیں جبکہ عربی اچھی طرح جانتا ہو۔

ان دونوں عبارتوں میں امام شافعیؒ کے مذہب میں دو وجہیں بتلائی ہیں (ایک عربی میں ضروری ہونے کی اور ایک غیر ضروری ہونے کی) مذہب میں وجہ سے فقہاء کی مراد یہ ہوتی ہے کہ صریح قول امام کا اس بارے میں کوئی نہیں (امام کے اقوال سے یہ بات سمجھی جاتی ہے (کبھی امام کے اقوال سے دو باتیں سمجھی جاتی ہیں تو وہ مذہب میں دو وجہیں ہو جاتی ہیں) جیسے خطبہ کے عربی ہونے اور نہ ہونے کی بابت دو وجہیں ہیں۔ شرح احیاء العلوم میں اگرچہ عربی میں ضروری ہونے کی وجہ کو صحیح کہا ہے لیکن درحقیقت صحیح دوسری ہے چنانچہ اوپر دلائل سے ہم ثابت کر چکے ہیں کہ خطبہ غیر عربی میں درست ہے پس جب امام شافعیؒ کے مذہب میں یہ ایک وجہ ہوئی تو اس کو خیر قرون کے خلاف نہیں کہہ سکتے کیونکہ امام شافعی تبع تابعین سے ہیں اور تبع تابعین خیر قرون سے ہیں۔

رد المختار میں ہے۔

لم یقید الخطبة بکونها بالعربیة اکتفاء بما قدمه فی باب صفة الصلوٰة من انها غیر شرط ولو مع القدرة علی العربیة عنده خلافا لهما حیث شرطاها الا عند العجز کالخلاف فی الشروع فی الصلوٰة (رد المختار جلد اول صـ۵۹۶)

یعنی مصنف نے خطبہ کے عربی میں ہونے کی قید نہیں لگائی کیونکہ باب صفۃ الصلوٰۃ میں گذر چکا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ شرط نہیں خواہ عربی پر قادر ہی ہو۔ برخلاف صاحبین کے کیونکہ ان کے نزدیک

عربی میں ہونا شرط ہے مگر عربی سے عاجز ہو تو پھر صاحبین کے نزدیک بھی غیر عربی میں جائز ہے۔ جیسے شروعِ نماز (تکبیر تحریمہ) میں امام ابوحنیفہ صاحبؒ اور ان کے شاگردوں کا اختلاف ہے کہ عربی میں جائز ہے یا نہیں (ایسے ہی یہ اختلاف ہے)

امام ابوحنیفہ صاحبؒ کی بابت بعض کا خیال تو تابعی ہونے کا ہے لیکن تبع تابعین سے ہونے میں تو کوئی شبہ نہیں تو جب ان کا فتوائے خطبہ کے غیر عربی ہونے کی بابت موجود ہے تو اس کو خیر قرون کے خلاف کس طرح کہہ سکتے ہیں۔ پس یہ سلف کے اختلافی مسائل سے ہوا جس کا فیصلہ دلائل کے رُو سے یہ ہی ہے کہ خطبہ غیر عربی میں درست ہے چنانچہ اُوپر تفصیل ہو چکی اور جو لوگ کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ صاحبؒ کے نزدیک درست تو ہے لیکن مکروہ ہے۔ تو یہ غلط ہے کیونکہ وہ صرف اس بناء پر کہتے ہیں کہ خیر قرون سے کسی نے غیر عربی میں پڑھا نہیں۔ ورنہ امام ابوحنیفہ سے کراہت کی تصریح منقول نہیں۔ پھر یہ کہنا کہ خیر قرون میں غیر عربی میں کسی نے پڑھا نہیں اس میں بھی شبہ ہے کیونکہ جب فتوائے دیا گیا ہے تو قرین قیاس یہ ہی ہے کہ کسی نے عمل کے لئے سوال کیا ہوگا کیونکہ خیر قرون میں تکلف نہیں تھا کہ فرضی صورتیں گھڑا کریں اور نہ ان کی یہ شان تھی بلکہ واقعات پیش آنے کی صورت میں بھی بہت ان سے ایسے تھے کہ احتیاط کرتے اور مسئلہ نہ بتاتے اور ایک دوسرے کا سہارا لیتے۔ یعنی یہ چاہتے کہ کوئی دوسرا مسئلہ بتلا دے چنانچہ اعلام الموقعین وغیرہ میں اس قسم کی روائتیں بہت ہیں۔ پس صرف صراحۃً نقل نہ ہونے سے عمل کی نفی سمجھ لینا اور جو بات قرین قیاس ہو اس کو نظر انداز کر

ؔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ساری نماز ہی فارسی (وغیرہ) میں جائز ہے چنانچہ ہدایہ وغیرہ میں ہے لیکن آپ جانتے ہیں کہ نماز میں قرآن پڑھنے کا حکم ہے۔ فارسی وغیرہ میں ترجمہ قرآن نہیں کیونکہ قرآن عربی ہے نہ فارسی وغیرہ اس لئے امام ابوحنیفہ کا یہ قول قابل تسلیم نہیں اس لئے صاحبِ ہدایہ نے اس قول سے امام ابوحنیفہ صاحب کا رجوع صاحبین کے قول کی طرف نقل کر کے لکھا ہے وعلیہ الاعتماد یعنی اس امر پر اعتماد ہے لیکن رجوع کی روایت چونکہ صحت کو نہیں پہنچی اس لئے صیغہ تمریض (ضعف) کے ساتھ ذکر کی ہے چنانچہ لکھا ہے ویروی رجوعہ یعنی امام ابوحنیفہ صاحب کا رجوع روایت کیا جاتا ہے۔ اور اعتماد اس پر اس لئے ظاہر کیا ہے کہ پہلا قول دلیل کی رو سے قابل تسلیم نہیں اسی طرح باقی اذکار نماز کی بابت امام ابوحنیفہ کا قول قابل تسلیم نہیں کیونکہ خطبہ کے غیر عربی ہونے کی بابت تو حدیث ویذکر الناس وغیرہ آئی ہے بلکہ خود خطبہ کا لفظ اسی کو چاہتا ہے نماز کی بابت کوئی حدیث نہیں آئی نہ اس کا لفظ اس کو چاہتا ہے۔

دینا یہ مناسب نہیں۔ اس کے علاوہ جب ایک بات کی بابت خیر قرون میں فتوے ہو گیا اور فتوے میں کراہت کا ذکر نہ آیا تو صرف عمل نہ ہونے سے کراہت سمجھنا ڈبل غلطی ہے۔ دیکھئے تراویح باجماعت پر حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت میں عمل نہیں ہوا پھر حضرت عمرؓ کی شروع خلافت میں بھی عمل نہیں ہوا۔ اس کے بعد ہوا۔ اسی لئے حضرت عمرؓ نے اس کو بدعت کہا۔ چنانچہ گذر چکا ہے اور تعدد جمعہ پر حضرت علیؓ کی خلافت تک عمل نہیں ہوا۔ چنانچہ یہ بھی گذر چکا ہے۔ اور علاوہ خطبہ جمعہ اور خطبہ عیدین کے بھی غیر عربی میں وعظ پر عمل خیر قرون میں صحیح سند سے مروی نہیں ہوا۔ اسی طرح خیر قرون میں کسی نے کوئی تصنیف غیر عربی میں نہیں کی۔ نہ کسی نے تفسیر غیر عربی میں لکھی نہ کوئی اور دینیات کی کتاب غیر عربی میں لکھی بلکہ خیر قرون کے بعد بھی مدت تک غیر عربی میں تصنیف کرنے کا ثبوت نہیں ملتا جس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ عربی کا اس وقت زور تھا کیونکہ سلطنت اسلامی تھی۔ دین و دنیا سب کچھ عربی میں تھا۔ زور اور کثرت میل جول سے اتنا اثر ضرور ہو گیا تھا کہ اگر غیر عرب عربی بولنے پر قادر نہ تھے تو اکثر کچھ کچھ سمجھ لیتے تھے اس لئے غیر عربی میں تصنیف کی طرف کسی نے توجہ نہ کی۔ پس یہی وجہ بعینہ خطبہ وغیرہ کی ہو سکتی ہے۔ اور ممکن ہے یہ وجہ ہو کہ امام جمعہ اور عیدین عموماً اس وقت امیر ہوتے تھے تو ان کے خیال میں خطبہ عربی میں بہتر یا ضروری ہو تو اس وجہ سے وہ عربی میں پڑھتے رہے۔ اور جن کے نزدیک مخاطب کا لحاظ رکھنا مناسب تھا ان کو امیر بننے کا اتفاق نہ ہوا یا یہ وجہ ہو کہ عربی زبان کی اس وقت ابھی پوری حفاظت نہیں ہوئی تھی اس لئے حتی الوسع وہ غیر عربی سے دور رہتے تھے تاکہ عربی کا زور ہو کر اس کی پوری حفاظت ہو جائے اور اس کے ہر قسم کے قواعد بن جائیں چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اگر ان کی توجہ ملکی زبانوں کی طرف رہتی تو آج ہمیں عربی زبان کے قواعد اور اس کی حفاظت کا یہ نظارہ نصیب نہ ہوتا جو دیکھ رہے ہیں کہ خدا کے فضل سے کوئی زبان قواعد میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی بلکہ جو کچھ تھوڑے بہت قواعد دوسری زبانوں کے تیار ہوئے اس کی خوشہ چینی میں ہوئے غرض اس قسم کے بہتیرے وجوہ اس وقت خطبہ کے عربی میں پڑھنے کے ہو سکتے ہیں جو اس وقت نہیں پس غیر عربی میں اس وقت کسی نے خطبہ نہیں پڑھا تو کوئی حرج نہیں عمل کا اصل جو ہمارے ہاتھ میں موجود ہے یعنی فتوے اس سے سب عقدے حل ہو سکتے ہیں۔

دوسرا ثبوت یا تائید

جو لوگ خطبہ کے غیر عربی میں ہونے کے قائل نہیں عاجز ہونے کے وقت وہ بھی قائل ہیں یعنی اگر عربی میں قائل نہ ہو تو غیر عربی میں پڑھ سکتا ہے چنانچہ کچھ عبارتیں اوپر گذر چکی ہیں کچھ اور ملاحظہ ہوں۔

کشاف القناع میں ہے۔

(ولا تصح الخطبة بغير العربية مع القدرة) عليها بالعربية (كقراءة) فانها لا تجزئ بغير العربية وتقدر (وتصح) الخطبة بغير العربية (مع العجز) عنها بالعربية لان المقصود بها الوعظ والتذكير وحمد الله والصلوٰة على رسول الله صلى الله عليه وسلم بخلاف لفظ القرآن فانه دليل النبوة وعلامة الرسالة ولا يحصل بالعجمية (غير القراءة) فلا تجزئ بغير العربية لما تقدم (فان عجز عنها) اى عن القراءة (وجب بدلها) قياسا على الصلوٰة (كشاف القناع عن متن الاقناع للشيخ منصور بن ادریس الحنبلی جلد اول صفحہ ۳۴۸)

یعنی باوجود قدرت کے خطبہ غیر عربی میں صحیح نہیں جیسے قراءۃ القرآن (خطبہ میں) غیر عربی میں صحیح نہیں اور عربی سے عاجز ہونے کی صورت میں خطبہ غیر عربی میں صحیح ہے کیونکہ خطبہ سے مقصود وعظ و نصیحت کرنا اللہ کی تعریف کرنا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا ہے۔ بخلاف قرآن کے کہ وہ غیر عربی میں درست نہیں کیونکہ لفظ قرآن کے نبوت کی دلیل ہیں اور رسالت کی علامت ہیں۔ اور عربی زبان سے یہ بات حاصل نہیں ہوتی۔ پس قراءۃ غیر عربی میں کفائت نہیں کرے گی۔ پس اگر قرأت سے عاجز ہوجائے تو اس کے عوض ذکر واجب ہوگا جیسے نماز میں قرأت سے عاجز ہوجائے تو اس کے عوض میں ذکر واجب ہوتا ہے۔

شرح منتہی الاراوات میں ہے۔

(وهى) اى الخطبة (بغير العربية) مع القدرة (كقراءة) فلا يجوز وتصح مع العجز غير القراءة فان عجز عنها وجب بدلها ذكر (شرح منتهى الارادات صفحہ ۳۵۰ للشيخ منصور بن يونس بهوتى الحنبلى جلد ۱)

یعنی عربی میں قدرت ہونے کی صورت میں غیر عربی میں خطبہ جائز نہیں جیسے قرأت جائز نہیں اور عربی سے عاجز ہونے کی صورت میں خطبہ غیر عربی میں جائز ہے قرأت جائز نہیں۔ قرأت کے عوض ذکر واجب ہوگا۔

ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ خطیب جب عربی پر قادر نہ ہو تو خطبہ غیر عربی میں پڑھ سکتا ہے۔ اور

اس میں شُبہ نہیں کہ آج کل عموماً خطیبوں کو اتنی لیاقت نہیں کہ عربی میں تقریر یا تحریر کر سکیں پس غیر عربی میں جائز ہوگا۔ اگر کہا جائے کہ کسی کا بنا ہُوا خطبہ یاد کرلیں یا دیکھ کر پڑھ لیں تو اس کی بابت عرض ہے کہ اگر کسی کا بنا ہوا یاد کرکے پڑھ لینا یا دیکھ کر پڑھ لینا درست ہے تو غیر عربی میں بطریق اولیٰ درست ہے کیونکہ دُوسرے کا یاد کرکے سنانا یا دیکھ کر سنانا اس کی بابت تو خیر قرون میں نہ کسی کا عمل ثابت ہے نہ فتویٰ۔ اور غیر عربی میں پڑھنے کی بابت اگر عمل صراحۃً منقول نہیں ہوا تو فتویٰ تو ہے۔ اِس کے علاوہ یہ بات ظاہر ہے کہ قرآن مجید کافی وعظ ہے لیکن اُوپر کی عبارتیں دلالت کرتی ہیں کہ عربی پر قادر نہ ہونے کی صورت میں قرآن کے علاوہ باقی خطبہ غیر عربی میں جائز ہے۔ تو اس باقی خطبہ سے عام وعظ مراد نہیں ہو سکتا کیونکہ قرآن خود عام وعظ ہے تو قرآن کے علاوہ غیر عربی میں جائز کہنے کی کوئی ضرورت نہ تھی پس اس سے مُراد خاص وعظ ہوگا یعنی جہاں کوئی رہتا ہے اُن لوگوں میں جیسی کوئی خرابی دیکھتا ہے اُس کے موافق خطبہ کرتا ہے تاکہ اُن کی اصلاح ہو کر وہ خرابی دُور ہو جائے۔ اور ایسی خرابیاں بے شمار ہوتی ہیں اور حسبِ موقعہ اُن کی اصلاح کے مختلف طریقے اختیار کئے جاتے ہیں۔ اس کے لئے لوگوں کے بارہ ماہ کے بنے ہُوئے خطبے یا صرف قرآن پڑھنا کافی نہیں ہو سکتا پس جب قرآن کے علاوہ خطبہ میں خاص وعظ مراد ہے تو وہ عموماً خطیب ملکی زبان ہی میں کر سکتے ہیں تو غیر عربی میں خطبے سے انکار کی کوئی وجہ نہیں۔ امام نووی شرح مسلم میں حدیث یقرأ القران ویذکر الناس میں لکھتے ہیں۔

فیہ دلیل للشافعی فی انہ یشترط فی الخطبۃ الوعظ والقراءۃ قال الشافعی لا یصح الخطبتان الا بحمد اللہ تعالےٰ والصلوٰۃ علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والوعظ وھذہ الثلاثۃ واجبات فی الخطبتین و تجب قراءۃ اٰیۃ من القران فی احدیھما علی الاصح ویجب الدعا للمؤمنین فی الثانیۃ علی الاصح (نووی شرح مسلم طبع مصر جلد ۲ ص ۲۸۱)

یعنی اس حدیث میں امام شافعی کی دلیل ہے کہ خطبہ میں وعظ اور قراءۃ قرآن شرط ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ دونوں خطبے الحمد للہ اور درود اور وعظ کے بغیر صحیح نہیں ہوتے اور یہ تینوں اشیاء دونوں خطبوں میں واجب ہیں اور ایک آیت دونوں خطبوں سے ایک میں واجب ہے (خواہ پہلے خطبہ میں پڑھ لے یعنی بیٹھنے سے پہلے یا دوسرے میں یعنی بیٹھ کر کھڑا ہونے کے بعد) امام شافعی کے اس قول سے بھی اس بات کی تائید ہوگئی کہ خطبہ میں وعظ الگ ہے قرآن مجید الگ ہے پس حسبِ موقعہ وعظ مراد ہوگا جو

ملکی زبان ہی میں ہو سکتا ہے۔

تیسرا ثبوت یا تائید

یہ بات ظاہر ہے کہ خطبہ کا تعلق جیسے خطیب سے ہے ویسے ہی سامعین سے ہے۔ اگر بالفرض کوئی سننے والا نہ ہو تو خطبہ نہیں ہوگا۔ اِس پر سب کا اتفاق ہے کسی کو اس پر اختلاف نہیں جو عربی میں پڑھنے کے قابل ہیں وہ بھی یہی کہتے ہیں۔ چنانچہ ان ہی کتابوں میں اس کی تصریح موجود ہے جن کی عبارتیں اُوپر گذر چکی ہیں تمثیلاً ہم نے ایک دو کتابوں کی عبارت[1] حاشیہ میں نقل کردی ہے۔ پس جب خطیب عربی نہ جاننے کی صورت میں غیر عربی میں پڑھ سکتا ہے تو سامعین کے ناواقف ہونے کی صورت میں بھی غیر عربی میں جائز ہونا چاہیئے مثلاً دو چار پائے سامنے بٹھا کر کوئی شخص خطبہ پڑھے تو یہ خطبہ نہیں کیونکہ چارپاؤں کے کانوں تک صرف آواز پہنچتی ہے سمجھتے نہیں۔ ٹھیک اسی طرح اس خطبہ کو سمجھ لینا چاہیئے جو بالکل عربی سے ناواقف لوگوں کے سامنے پڑھا جاتا ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑ

۳ ذیقعدہ سنہ ۱۳۵۰ھ ۱۱ مارچ سنہ ۱۹۳۲ء

دو سوال اور اُن کا جواب

مولوی محمد علی صاحب ابوالمکارم ساکن متونا تھ بھجن ضلع اعظم گڑھ نے دو شبہ اور پیش کئے ہیں۔ ایک شبہ

---

[1] کشاف القناع میں تیسری شرط جمعہ میں ہے الثالث حضور اربعین فاکثر من اھل القریۃ بالامام ولو کان بعضھم خرسا او صما لانھم من اھل الوجوب (ولا) تصح (ان کان الکل کذالک) ای خرسا او صما اما اذا کانوا کلھم خرسا مع الخطیب فلفوات الخطبۃ صورۃ ومعنی فیصلون ظھرا وان کانوا صما فلفوات المقصود من سماع الخطبۃ وعلم من ذالک انھم ان کانوا خرسا الا الخطیب او کانوا صما الا واحدا یسمع صحت جمعتھم (کشاف القناع جلد اول صفحہ ۳۴۵)

شرح منتہی الارادات میں ہے (الثالث حضورھم) ای الاربعین من اھل وجوبھا الخطبۃ والصلوٰۃ (ولو کان فیھم خرسا) والخطیب ناطق (او) کان فیھم (صم) لوجود الشروط (لا کلھم) ای ان کانوا کلھم خرسا حتی الخطیب او کانوا کلھم صما لم تصح جمعتھم لفوات الخطبۃ صورۃ فی الاولیٰ و فوات المقصود منھا فی الثانیۃ۔ شرح منتہی الارادات جلد اول صفحہ ۲۸۱۔

یہ ہے انہوں نے لکھا ہے کہ مذکورہ بالا فتوٰی سے میری تشفّی نہیں ہوئی۔ میری تشفی کی صورت یہ ہے کہ جو فتوٰی خود میں نے لکھ کر بذریعہ رجسٹری آپ کے پاس بھیجا ہے اس پر بحث کر کے بھیج دیں۔ اور ایک صورت تشفی کی یہ ہے کہ آپ سابقین اہل حدیث سے اُردو خطبہ کا جواز ثابت فرمائیں۔ آخر جماعت اہل حدیث تو ایک زمانہ سے چلی آتی ہے لہٰذا آپ اس جماعت کے چند اشخاص کے نام تحریر فرماویں اور ان سے اس مسئلہ کو ثابت فرمائیں۔ اگر سابقین اہل حدیث سے غیر عربی میں پڑھنا ثابت نہیں تو کیوں اُن کا قول قابلِ عمل نہیں۔ کیا اتباعِ سلف وخلف کوئی چیز نہیں۔

خاکسار ۱۲۹۸ھ سے لے کر ۱۲۹۹ھ تک کامل ڈیڑھ برس تک جناب میاں صاحب کی خدمت میں رہا۔ آپ کے صاحبزادے مولوی شریف حسین ہمیشہ خطبہ عربی میں پڑھا کرتے تھے اور اُس وقت تک کوئی جھگڑا اور اختلاف اس مسئلہ میں نہ تھا۔ خدا جانے کون اس کا موجد ہے۔ دہلی کے بزرگانِ دین جیسے جناب شاہ ولی اللہؒ ومولانا عبدالعزیز۔ مولانا محمد اسماعیل وغیرہم سے بھی غیر عربی میں پڑھنا ثابت نہیں بلکہ مصفّٰے میں تو شاہ صاحب نے صاف تحریر فرما دیا ہے کہ اس کا پڑھنا عربی میں ہمیشہ سے مروّج ہے۔ اور ایسا ہی جناب نواب سیّد محمد صدیق نے بدور الاہلہ میں تحریر فرمایا ہے۔

سوال دوم۔ امام نووی اذکار صفحہ ۲۱۷ میں لکھتے ہیں:۔

باب نہی العالم وغیرہ ان یحدث الناس بما لا یفھمونہ قال اللہ تعالٰے وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومہ لیبین لھم۔

اور خطبہ جمعہ کی نسبت کتاب مذکور کے صفحہ ۸۷ میں لکھتے ہیں۔

ویشترط کونھا بالعربیۃ۔

امام نوویؒ کے ان قولوں میں مطابقت کی کیا صورت ہے۔

جواب نمبر اوّل

عالمانہ اور منصفانہ بات تو یہ ہے کہ جس بات کی بابت سلف میں اختلاف ہو اُس کی بابت دلیل سے فیصلہ کیا جائے جو جانب دلیل کی رو سے راجح وہ پہلے خواہ ائمہ مجتہدین سے کسی کا مذہب اس مسئلہ کی نسبت معلوم ہو یا نہ اہل حدیث کا اصل مذہب یہی ہے چنانچہ حافظ ابن حجر فتح الباری میں جمعہ فی القرے کی

بابت لکھتے ہیں

قلما اختلف الصحابۃ وجب الرجوع الی المرفوع

یعنی جب صحابہ کا اختلاف ہوا تو مرفوع کی طرف رجوع واجب ہوا

مگر آپ باوجود اس کے مصر ہیں کہ کسی اہل حدیث کا مذہب بتلائیں۔ سو لیجئے امام شافعی سرکردہ اہلحدیث ہیں ان کے مذہب میں ایک وجہ جواز غیر عربی کی بھی ہے اور میں نے اس فتویٰ میں لکھا تھا کہ دلیل کی رو سے راجح یہی ہے تو سامعین اہل حدیث سے بھی ثبوت بھی ہو گیا پھر تردّد کے کیا معنی؟

رہے امام مالکؒ۔ امام احمدؒ۔ امام بخاریؒ اور دیگر محدثین تو اُن سے نہ جواز کا قول منقول ہے نہ عدم جواز کا بلکہ سکوت محض ہے پس غیر عربی میں پڑھنے کو اُن کے مخالفین کہہ سکتے ہیں یہ تو متقدمین اہل حدیث کا ذکر ہوا۔ اب متاخرین اہل حدیث لیجئے۔ جن کا زمانہ ہم سے زیادہ قریب ہے۔ امام شوکانی رحؒ پھر نواب صدیق حسنؒ یہ دونوں بزرگ خطبہ ہی کو جمعہ کے لئے شرط نہیں کہتے چہ جائیکہ عربی ہونا شرط ہو ملاحظہ ہو دراری المضیئہ اور روضۃ الندیہ۔ حضرات مولانا نذیر حسین رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے کا اُن کی زندگی میں خطبہ عربی میں پڑھنا تو اُس وقت ذکر کرتے جب کوئی یہ کہتا کہ کسی نے عربی میں پڑھا ہی نہیں اور شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ سے جو آپ نے عمل مستمر نقل کیا ہے تو اوّل تو اس کی بابت اطمینان نہیں کیونکہ سلف میں جب اس کی بابت فتویٰ ہو چکا ہے تو قرین قیاس یہی ہے کہ کسی نے عمل کی غرض سے فتویٰ پوچھا ہے چنانچہ اس کی تفصیل پہلے فتویٰ میں ہم نے کردی ہے۔ دوسرے اگر عمل نہ ہوا ہو تو بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ اس کے نظائر موجود ہیں۔ اور اس کے وجوہات بھی معقول ہیں چنانچہ ان کا ذکر بھی فتویٰ میں کر دیا گیا ہے۔

جواب نمبر دوم

اس بات پر سب متفق ہیں کہ اگر سماع نہ ہو تو خطبہ نہیں مثلاً سارے بہرے ہوں تو اُس کو خطبہ نہیں کہہ سکتے جو عربی ہونے کی شرط کرتے ہیں وہ بھی اس کے قائل ہیں چنانچہ بعض عبارتیں ہم فتویٰ میں نقل کر چکے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ سماع سے مقصود فہم ہے اگر فہم نہ ہو تو بھی خطبہ نہیں کہہ سکتے چنانچہ اس کا بیان یہی فتویٰ میں ہو چکا ہے۔ پس اب یہ تو بعید ہے کہ امام نوویؒ کے نزدیک خطبہ جمعہ میں فہم شرط نہ ہو۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ امام نوویؒ کے خیال میں ایک آدھ کا فہم کافی ہو اور عموماً ایسے مجمع ایک آدھ سے خالی نہیں ہوتے۔ خاص کر

امام نوویؒ کے زمانہ میں کیونکہ اُس وقت علم کا زور تھا۔ اس بنا پر امام نوویؒ نے خیر قرون کی عملی حالت سے متاثر ہوتے ہوئے خطبہ جمعہ کے عربی ہونے کی شرط کر دی لیکن ہم نے اپنے فتویٰ میں لکھ دیا ہے کہ خیر قرون کی عملی حالت میں شبہ ہو کیونکہ جب فتویٰ ہو چکا ہے تو قرین قیاس یہی ہے کہ فتویٰ عمل کی غرض سے پوچھا گیا ہے چنانچہ فتویٰ میں اس کی تفصیل ہو چکی ہے۔ دوسرے اس عمل کے کئی ایک وجوہات بھی ہیں اور اس کے نظائر بھی ہیں پس ایسی حالت میں عمل سے شرطیت پر استدلال صحیح نہیں اس کی بھی بقدر ضرورت فتویٰ میں تفصیل ہو چکی ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑ

خطبہ جمعہ کی اذان کی جگہ

سوال:۔ کیا خطبہ جمعہ کی اذان خطیب کے سامنے کہنی چاہیئے۔

جواب:۔ اذان سے مقصود اعلان ہے خواہ پہلی ہو یا خطبہ کی پس جو جگہ اعلان کے لئے زیادہ مناسب ہے وہاں ہونی چاہیے۔ اگر امام کے سامنے موزوں جگہ ہو تو سامنے وہی جائے ورنہ کوئی اور جگہ موزوں دیکھ لی جائے خواہ مسجد کے اندر ہو یا باہر خواہ دائیں طرف ہو یا بائیں طرف۔ مسجد نبوی میں سامنے موزوں جگہ تھی۔ اس لئے سامنے ہوتی تھی جگہ کی تعیین کو اذان میں داخل کرنا اذان کی منشاء کے خلاف ہے۔ اس طرح کوئی کہنے والا کہہ دیگا کہ تم نے امام کے سامنے ہونے کی شرط کی ہے ہم یہ شرط کرتے ہیں کہ مسجد کے دروازہ پر ہو۔ کیونکہ حدیث شریف میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکرؓ اور عمرؓ کے زمانہ میں مسجد کے دروازے پر ہوتی تھی۔ اگر مسجد کا دروازہ سامنے نہ ہو تو اس صورت میں مشکل پڑے گی۔ ایک اور اُٹھے گا اور کہے گا کہ منارہ پر ہونی چاہیئے کیونکہ امام مالکؒ سے روایت ہے۔

انه فی زمنه صلی اللہ علیه وسلم لم یکن بین یدیه بل علی المنارۃ۔

یعنی آپ کے زمانہ میں اذان آپ کے سامنے نہ تھی بلکہ منارہ پر تھی۔

امام مالک کی مراد سامنے کی نفی کرنے سے یہ ہے کہ مسجد کے اندر نہ تھی جو عام طور پر نماز پڑھنے کی جگہ ہے اور نہ دوسری روایتوں میں سامنے ہونے کی تصریح ہے تو حاصل یہ ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد کا دروازہ سامنے تھا۔ اور وہیں منار تھا۔ اس پر اذان ہوتی تھی تو اب کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ اذان کے لئے یہ تینوں شرائط ضروری ہیں سامنے بھی ہو۔ دروازہ پر بھی اور منار پر بھی ہو۔ ایک اور اُٹھے گا وہ اس سے بھی زیادہ

تنگی کرتا ہوا کہہ دے گا کہ ان باتوں کے ساتھ یہ بھی ایک شرط ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں منبر سے جتنے فاصلے پر اذان ہوتی تھی اتنے ہی فاصلہ پر اب ہونی چاہیئے۔ مثلاً منبر ایسی جگہ بچھایا جائے کہ فاصلہ اس سے کم و بیش نہ ہو بلکہ کوئی منار کی بلندی کے اندازہ کی بھی پابندی کرنے لگ جائے گا۔

غرض اس طرح سے خصوصیتیں پیدا کرنی شروع کردیں تو احکام میں بہت تنگی ہو جائے گی بلکہ ان پر عمل بھی ناممکن ہو جائے گا۔ اس لئے ضروری ہے کہ ہر حکم کے حسب حال کوئی خصوصیت ہو۔ اذان سے مقصود جب اعلان ہے تو خصوصیت کی جگہ کس طرح سمجھ لی جائے۔ ہاں سجدہ کے متعلقات جگہ میں ہونی ضروری ہے تاکہ لوگ اس طرف آئیں۔ اور اونچی جگہ بھی اس کے حسب حال ہے کیونکہ آواز دور ہو جاتی ہے اسی بنا پر امام ابن الحاج مکیؒ مدخل میں لکھتے ہیں۔

ان السنة فی اذان الجمعة اذا صعد الامام علی المنبران یکون الموذن علی المنار۔

یعنی مسنون طریق اذان جمعہ میں یہ ہے کہ جب امام منبر پر چڑھے تو موذن منار پر ہو۔

اس عبارت میں دو خصوصیتیں ذکر کی ہیں۔ ایک منار پر ہونا ایک امام کے منبر کے چڑھنے کے وقت ہونا اس طرح موذن کا بلند آواز ہونا یا خوش آواز ہونا وغیرہ۔ اس قسم کی تمام خصوصیات اذان کے حسب حال ہیں۔ اگرچہ واجبات نہیں مگر کسی نہ کسی طریق سے اذان کے لئے مفید شئے ہیں لیکن امام کے سامنے ہونا اور دروازہ پر ہونا یا دائیں بائیں ہونا یا اتنے فاصلہ پر ہونا یا اندر ہونا یہ تو کوئی ایسی اشیاء نہیں جو اذان کے حسب حال ہوں تو پھر کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ یہ شرع میں معتبر نہیں۔ دیکھئے حج خاص کر مواضع سے تعلق رکھتا ہے کیونکہ اس میں ہوتا ہی یہ ہے کہ کسی جگہ گذرنا اور کسی جگہ ٹھہرنا۔ کسی جگہ دوڑنا۔ کسی جگہ چکر کاٹنا کسی جگہ کچھ پڑھنا وغیرہ۔ اس میں اپنے وطن کو واپسی کے وقت محصب[ل] وغیرہ کے نزول میں صحابہؓ کا اختلاف ہے تو اذان وغیرہ جس کو جگہ سے تعلق نہیں کسی طرح فیصلہ ہو سکتا ہے کہ اندر ہے یا باہر آگے ہے یا دائیں بائیں وغیرہ بسا اوقات عمارت کی رو سے ایک جگہ موزوں ہوتی ہے دوسری جگہ میں دوسری۔ پس صرف مسجد نبویؐ میں سامنے ہونے سے یہ مراد

ل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع سے واپسی کے وقت منیٰ کے پاس مقام محصب (جس کو ابطح وغیرہ بھی کہتے ہیں) میں اترے تھے حضرت عائشہ رضؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ کو مدینہ کی طرف لوٹنے میں آسانی تھی اس لئے وہاں اترے تھے۔ ابن عمرؓ کہتے ہیں اس میں اترنا سنت ہے (مشکوٰۃ باب الخطبہ یوم النحر)

لیناکہ سب جگہ ایسا ہی چاہیئے ڈبل غلطی ہے اور اسرارِ حکمِ شرعیہ سے کوسوں دُور ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

۱۹ جمادی الثانی ۱۳۸۰ھ ۹ دسمبر ۱۹۶۰ء

علماء کی تقاریر ٹیپ ریکارڈ کرنا

سوال:۔ آج کل ایک مشین کے ذریعہ علماء کرام کی تقاریر ٹیپ ریکارڈ کی جاتی ہیں۔ پھر یہ ٹیپ شدہ تقاریر علماء کی موجودگی میں یا بعد وفات عام کو سنائی جاتی ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں یہ ناجائز بلکہ شرک ہے اور گانے بجانے کے مشابہ ہے۔ سوال یہ ہے کہ تقریر کو ٹیپ ریکارڈ کرنا اور پھر آگے لوگوں کو سنانا شرعًا جائز ہے یا نہیں۔؟

جواب:۔ شرک کفر والی اس میں کوئی چیز نہیں پائی جاتی۔ رہا جواز عدم جواز اس میں بھی قطعی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا کہ یہ ناجائز ہے کیونکہ نیک چیز کا کسی آلہ کے ذریعہ ٹیپ ریکارڈ کر کے آگے پہنچانا بظاہر یہ اچھی چیز ہے اگر اس آلہ کو نیکی میں استعمال کیا جائے تو پھر اس کے جواز میں کوئی شبہ نہیں مگر چونکہ وہ آلہ برے ریکارڈ کا بھی ذریعہ بنتا ہے۔ اس لئے اس کے متعلق کچھ تردّد رہتا ہے۔ ہاں قرآن وسنّت کے مطابق تقریر کو ٹیپ ریکارڈ کر کے لوگوں کو سنانا مفید اور اچھا ہے۔ اس کو منع کرنے کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔ سردست اس مسئلہ پر اس سے زیادہ کچھ نہیں لکھا جا سکتا۔ حالات کے تحت تفصیل پھر کسی موقع پر خدا کو منظور ہوا تو ہو جائے گی۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

سجدہ تلاوت

سوال:۔ سجدہ تلاوت اللہ اکبر کہہ کر کرنا چاہیئے۔ نیز سجدہ کے بعد سلام پھیرنا چاہیئے یا نہیں؟

جواب:۔ اسی باب میں ہے کہ سجدہ جاتے وقت اللہ اکبر کہنے کا ذکر ہے لیکن اُٹھتے وقت اللہ اکبر کہہ کر سر اٹھانا مجھے کسی روایت میں یاد نہیں مگر جاتے وقت اللہ اکبر کہنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُٹھتے وقت بھی کہنا چاہیئے۔ کیونکہ نماز کے سجدہ میں اس طرح ہے۔ باقی سلام پھیرنا کسی روایت میں نہیں آیا۔

جو لوگ (حنفیہ وغیرہ) سجدہ کو نماز کا بڑا رکن سمجھ کر اس کا حکم نماز کا سمجھتے ہیں۔ جیسے سجدہ تلاوت با وضو ہو کر

کرنا۔ قبلہ رُخ ہونا تو اُن کے نزدیک سلام بھی پھیرنا چاہیئے۔
لیکن میرے نزدیک احتیاط اسی میں ہے کہ سلام پھیر لیا جائے تو اچھا ہے اور وضو کر لینا بھی بہتر ہے تا کہ اختلاف سے نکل جائے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی ۳ اگست ۱۹۶۲ء

سوال:۔ سجدہ تلاوت میں کونسی دعا پڑھی جائے؟
محمد الیاس موضع دھونی والا تحصیل اوکاڑہ ضلع منٹگمری

جواب:۔ سجدہ تلاوت کی دعا
(۱) سَجَدَ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ خَلَقَهٗ وَشَقَّ سَمْعَهٗ وَبَصَرَهٗ بِحَوْلِهٖ وَقُوَّتِهٖ
یعنی میرے چہرہ نے اُس ذات کے لئے سجدہ کیا جس نے اس کو پیدا کیا اور اس میں کان۔ آنکھ اپنی قدرت اور تصرف سے پیدا کئے۔
(۲) اَللّٰهُمَّ اكْتُبْ لِيْ بِهَا اَجْرًا وَحُطَّ تَحْتِيْ بِهَا وِزْرًا وَاجْعَلْهَا عِنْدَكَ ذُخْرًا وَ تَقَبَّلْهَا مِنِّيْ كَمَا تَقَبَّلْتَهَا مِنْ عَبْدِكَ دَاوٗدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ
یعنی اے اللہ میرے لئے اس کے عوض اجر لکھ اور اس کے سبب میرے گناہ معاف کر دے اور اس کو مجھ سے قبول کر جیسا کہ تو نے اس کو داؤد علیہ السلام سے قبول فرمایا۔
اس کے علاوہ جو عام سجدہ میں دعائیں، تسبیحات وغیرہ پڑھی جاتی ہیں وہ بھی پڑھ سکتے ہیں۔
عبداللہ امرتسری روپڑی ۳ اگست ۱۹۶۲ء

سورج گرہن، چاند گرہن کی نماز کا بیان

گرہن کس طرح لگتا ہے

سوال:۔ چاند کو جو گرہن لگتا ہے۔ اکثر کہتے ہیں کہ برج کی آڑ میں آجاتا ہے اور جو چیز آڑ میں آجاتی ہے وہ نظر نہیں آتی۔ چاند یا سورج اگر آڑ میں آجاتا ہے نظر آتا رہتا ہے اس کے متعلق کیا تحقیقات ہے؟

صدر الدین امام مسجد بھگیاڑھی ڈاکخانہ منڈی واربرٹن ضلع شیخوپورہ

جواب: قدیم فلاسفہ کا یہی خیال ہے کہ ایک ستارہ دوسرے ستارہ کے سامنے آنے سے گرہن لگتا ہے اور بُرج بھی ایک قسم کا ستارہ ہے چونکہ صاف شفاف ہوتا ہے اِس لئے سامنے آنے سے نور میں فرق پڑتا ہے۔ نشان بدستور نظر آتا ہے۔ یہ قدیم فلاسفہ کا خیال ہے۔ اور ان کا یہ بھی خیال ہے کہ اس کے لئے ایک حساب اور اندازہ مقرر ہے۔ حقیقتِ حال خدا کو معلوم ہے۔

وفاء الوفاء الی دار المصطفیٰ میں ہے کہ حضرت معاویہؓ نے جب منبر نبوی شام میں لے جانا چاہا تو سورج کو گرہن لگ گیا۔ اِس لئے رُک گئے۔

اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ حساب کے ساتھ ضروری نہیں بلکہ آگے پیچھے بھی ہو جاتا ہے۔ حدیث میں صرف اتنا آیا ہے کہ سُورج، چاند خدا کی نشانیوں سے دو نشانیاں ہیں۔ کسی کی حیات و موت سے گرہن نہیں ہوتیں۔ لیکن خدا اپنے بندوں کو ان کے ساتھ ڈراتا ہے۔ سو ہمیں اتنا ہی ایمان رکھنا چاہیئے اگر فلاسفہ کا خیال صحیح ہو تو یہ نشانی ہونے کے منافی نہیں کیونکہ جو ظاہری اسباب کے تحت علم طبعی یا سائنس کے موافق ہو رہا ہے وہ بھی قدرتِ الٰہی کے نشانات ہیں۔ مثلاً رات اور دن۔ سورج چاند۔ آسمان و زمین وغیرہ جو کچھ ہے نشانات ہیں۔ حیات جو خوشی کا باعث ہے۔ اور موت جو ڈر کی شے ہے یہ بھی نشانات ہیں ؎

وفی کل شئ لہ ایۃ تدل علی انہ واحد

یعنی ہر ایک چیز میں نشانی ہے جو توحید الٰہی کی دلیل ہے

عبداللہ امرتسری مقیم روپڑ

۲۲ جمادی الثانی ۱۳۵۴ھ ۲۳ اگست ۱۹۳۵ء

صلوٰۃ کسوف میں رکوع کی تعداد

سوال: صلوٰۃ کسوف (گرہن کی نماز) کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک میں ایک ہی دفعہ اتفاق پڑا۔ مگر اس کے متعلق احادیث مختلف ہیں۔ کسی میں چار رکوع کسی میں دو کسی میں تین رکوع آتے ہیں۔ ان کی تطبیق کیسے ہو سکتی ہے۔

(ابواسحٰق دیرو وال افغانان ضلع امرتسر)

جواب :۔ کسوف کی بابت تین طرح سے موافقت کرتے ہیں۔
۱۔ ایک یہ کہ کسوف کئی دفعہ ہوا ہے ۔چنانچہ ان روایتوں سے معلوم ہوتا ہے۔
۲۔ دُوسری صورت ترجیح کی ہے۔یعنی متفق علیہ روایت پر عمل کیا جائے۔کیونکہ مقابلہ کے وقت متفق علیہ روایت کو ترجیح ہوتی ہے۔ جیسے حافظ ابن حجرؒ نے شرح نخبہ میں لکھا ہے۔متفق علیہ روایت میں دو رکوع کا بیان ہے۔
۳۔تیسری صورت یہ ہے کہ نیا واقعہ تھا لوگ سُن سُن کر یکے بعد دیگرے آتے رہے ۔جس نے دو رکوع پائے اُس نے دو ذکر دیئے ۔جس نے تین پائے اُس نے تین ذکر کر دئے جو ابتداء میں شامل ہوا۔ اُس نے پانچ رکوُع ذکر کئے ایک رکوع صراحتہً کسی نے ذکر نہیں کیا۔ یا تو ایک رکوع پانے کا اتفاق نہیں ہوا یا ہوا لیکن اس سے آگے روایت کا اتفاق نہیں ہُوا۔

عبداللہ امرتسری روپڑی ۱۱ صفر ۱۳۵۶ھ ۲۳ اپریل ۱۹۳۷ء

صلوٰۃ تسبیح

سوال :۔ کیا صلوٰۃ تسبیح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے یا خیر قرون سے کوئی اثر ملتا ہے اگر کوئی با جماعت ادا کرتا ہے تو وہ بدعتی ہے ؟ اور جو با جماعت جواز کے قائل ہیں ان کے دلائل کو بھی ملحوظ رکھ کر فیصلہ فرمائیں۔

حافظ عبدالغفور

مدرس مدرسہ دارالحدیث جامع اہل حدیث جہلم

جواب :۔ صلوٰۃ تسبیح کے متعلق مشکوٰۃ وغیرہ میں ضعیف حدیث آئی ہے ۔اور ضعیف حدیث کے متعلق محدثین امام احمدؒ وغیرہ کا فیصلہ ہے کہ فضائل اعمال میں ضعیف حدیث معتبر ہے ۔حلال وحرام میں اس کا اعتبار نہیں چونکہ تسبیح نماز کچھ فضائل اعمال کی قسم سے ہے ۔اس لئے اس پر عمل جائز ہے لیکن اس کا اہتمام کرنا یہاں تک کہ جماعت سے ادا کرنا اور جماعت کی طرف دعوت دینا یہ بدعت ہے جو عمل جس حالت پر آئے تو اس سے اس کا مرتبہ بڑھانا نہیں چاہیئے ۔اس کے علاوہ جو تسبیحات پڑھی جاتی ہیں ان کی گنتی تنہا پڑھنے میں ہوتی ہے ۔جماعت کے ساتھ پڑھنے میں کمی بیشی ہونے کا ہر وقت کھٹکا رہتا ہے ۔مسنون طریقہ تسبیحات کا آہستہ کہنا ہے ۔چنانچہ ہر نماز میں آہستہ کہی جاتی ہیں ۔اس صورت میں امام کو کیا پتہ کہ میری تسبیحات

کے ساتھ مقتدیوں کی تسبیحات پوری ہوگئی ہیں۔ اور پھر مقتدیوں میں بھی کوئی جلدی پڑھنے والا ہوتا ہے۔ کوئی آہستہ کسی کی زبان موٹی ہوتی ہے۔ وہ بہت دیر میں پوری کرتا ہے بلکہ اس صورت میں جہر ہو تب بھی حساب پورا ہونا مشکل ہے۔ خاص کر جو لوگ امام سے دور ہیں۔ جہاں آواز پہنچنی مشکل ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ نماز تسبیح میں جماعت کا لحاظ نہیں رکھا گیا۔ فقط

عبداللہ امرتسری روپڑی ۳۰ صفر ۱۳۸۳ھ ۲۲ جولائی ۱۹۶۳ء

نمازِ عیدین کا بیان

عورتوں کا عیدگاہ میں جانا

سوال:۔ کیا عورتوں کا عیدگاہ میں جانا ضروری ہے؟

جواب:۔ اُم عطیہ فرماتی ہیں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حکم دیا گیا کہ حیض والیوں، پردہ والیوں کو بھی عیدین میں نکالیں تاکہ مسلمانوں کی دعاء اور جماعت میں شامل ہو جائیں۔ لیکن حائضہ عورت نماز کی جگہ سے الگ رہے۔ ایک عورت نے کہا یا رسول اللہ البعض وفعہم سے کسی کے پاس چادر نہیں ہوتی تو فرمایا اس کی سہیلی اپنی چادر سے اُس کو پہنا دے (مشکوٰۃ)

اِس سے ظاہر ہے کہ عورتیں ضرور عیدین میں پردے کے ساتھ شامل ہوں لیکن خوشبو وغیرہ نہ لگائیں۔ اور زینت بھی ظاہر نہ کریں۔ یہ سنّت بھی متروک ہے اس پر عمل کرنا چاہیئے۔

نماز کا خطبہ سے پہلے ہونا اور منبر کا عیدگاہ میں نہ ہونا

سوال:۔ خطبہ سے پہلے نماز پڑھنی چاہیئے یا خطبہ کے بعد اور عیدگاہ میں منبر لے جانا کیسا ہے۔؟

جواب:۔ ابو سعیدؓ خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید اضحیٰ اور عید فطر میں نکلتے۔ پہلے نماز پڑھتے پھر لوگوں کی طرف متوجّہ ہوتے اور لوگ اپنی اپنی نماز کی جگہ بیٹھے ہوتے۔ اگر کسی لشکر بھیجنے کی ضرورت ہوتی تو بھیج دیتے یا کوئی اور حاجت ہوتی تو اس کا حکم دیتے اور کہتے صدقہ کرو۔ صدقہ کرو۔ صدقہ کرو

زیادہ صدقہ کرنے والی عورتیں ہوتیں۔ پھر فارغ ہو جاتے۔ مروان کے زمانہ تک یہی حال رہا۔ جب مروان برسرِ اقتدار آیا تو میں مروان کے ساتھ نکلا۔ یہاں تک کہ ہم عیدگاہ میں پہنچے۔ کثیر بن الصلت نے مٹی اور اینٹ سے منبر بنایا ہوا تھا۔ مروان نے مجھ سے ہاتھ چھڑا کر منبر کی طرف جانا چاہا۔ میں نے اس کو نماز کی طرف کھینچا۔ اور میں نے کہا نماز شروع کرنے کا حکم کہاں گیا ہے۔ مروان نے کہا اے ابوسعید! جو باتیں تو جانتا ہے وہ چھوڑی گئیں میں نے کہا جو میں جانتا ہوں اس سے بہتر تم نہیں لا سکتے پھر ابوسعید چلے گئے (مشکوٰۃ)

اس حدیث سے کئی مسائل معلوم ہوئے۔ ایک یہ کہ نماز خطبہ سے پہلے ہے۔ دوسرا یہ کہ عیدگاہ میں منبر خلافِ سنّت ہے۔ تیسرا یہ کہ مجمعوں میں چندہ وغیرہ کی تحریک جائز ہے۔ چوتھا یہ کہ خطبہ میں وقتی ضروریات لشکر وغیرہ کے بھیجنے کا پروگرام بھی مرتب ہو سکتا ہے۔ پانچواں یہ کہ خواہ کتنا بڑا شخص ہو۔ اگر وہ خلاف سنّت کرے تو اس پر انکار کرنا ضروری ہے۔ چھٹا یہ کہ نماز عید باہر کسی میدان میں پڑھنی چاہیئے۔ ہاں اگر بارش وغیرہ کا عذر ہو تو مسجد میں بھی پڑھنی جائز ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

تعاقب

حضرت محدّث روپڑی رحؒ نے لکھا ہے کہ عیدگاہ میں منبر سنت کے خلاف ہے۔ اس استدلال پر مولوی سفیرالدین نے حسب ذیل تعاقب کیا ہے۔

آپ نے مذکورہ بالا ابوسعید خدری رضؓ کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ عیدگاہ میں منبر خلافِ سنّت ہے اس کے متعلّق خیال یہ ہے کہ عیدگاہ میں منبر لے جانا مسنون طریقہ ہے۔ چنانچہ بروایت ابی داؤد شرح عون المعبود جلد ثالث صہ ۵۶ میں ہے۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ شَهِدْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْاَضْحٰى وَالْمُصَلّٰى فَلَمَّا قَضٰى خُطْبَتَهٗ نَزَلَ مِنْ مِنْبَرِهٖ۔

اِس حدیث کی شرح میں مولانا شمس الحق صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

فِيْهِ ثُبُوْتُ وُجُوْدِ الْمِنْبَرِ فِي الْمُصَلّٰى وَاَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَخْطُبُ عَلَيْهِ۔

یعنی اس حدیث سے عیدگاہ میں منبر کا ثبوت ملتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر خطبہ دیتے تھے

جواب

یہ حدیث جس میں منبر کا ذکر ہے ضعیف ہے کیونکہ اس میں ایک راوی مطلب ہے جو جابرؓ سے روایت کرتا ہے۔ اُس نے جابرؓ سے سنا نہیں (عون المعبود جلد ۱ صفحہ ۵) پس یہ روایت منقطع ہوئی جو ضعیف کی قسم ہے اور ممکن ہے منبر سے مراد سیاں اونچی جگہ ہو۔ چنانچہ ابوداؤد وغیرہ کی ایک حدیث میں حرف نزل ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اترے اس پر عون المعبود میں لکھا ہے وَیَدُلُّ عَلٰی اَنَّ خُطْبَتَہٗ کَانَتْ عَلٰی شَیْءٍ عَالٍ (عون المعبود جلد اول صفحہ ۴۴۱) یعنی یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ آپ کا خطبہ کسی بلند شے پر تھا اس طرح سے سب احادیث میں تطبیق ہو جائیگی۔ اگر منبر نکالنا مسنون ہوتا تو مروان پر صحابہ کے عام مجمع میں انکار نہ ہوتا۔

عبداللہ امرتسری روپڑ

نمازِ عید کا مسجد میں ادا کرنا

سوال:۔ نمازِ عید مسجد میں پڑھنی جائز ہے۔؟

جواب:۔ حضرت ابوہریرہ رضؓ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ بارش ہوگئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ عید مسجد میں پڑھائی۔ (مشکوٰۃ) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عید کی نماز میدان میں پڑھنی چاہیئے۔ البتہ اگر بارش وغیرہ کا عذر ہو تو عید کی نماز مسجد میں پڑھنی جائز ہے۔ عبداللہ امرتسری روپڑ ۸ ذی الحجہ ۱۳۵۰ھ ۱۵ اپریل ۱۹۳۲ء

نماز سے پہلے خطبہ

سوال:۔ آج کل بعض مولوی نمازِ عید سے پہلے خطبہ بیان کرتے ہیں۔ کیا نمازِ عید سے پہلے تلاوتِ قرآن۔ کوئی وعظ۔ خطبہ اور نعت وغیرہ پڑھنا جائز ہے؟

جواب:۔ نمازِ عید سے پہلے خطبہ خلافِ سنّت ہے۔ حدیث میں خطبہ نماز عید کے بعد آیا ہے۔ پہلے خطبہ پڑھنا مروان نے جاری کیا تھا۔ جس پر ابوسعید خدری رضؓ نے سخت انکار کیا۔ ملاحظہ ہو مشکوٰۃ باب صلوٰۃ العیدین نعت یا تلاوت قرآن مجید یا پھر وعظ یہ سب خطبہ میں شامل ہیں۔

عبداللہ امرتسری ۱۰ ذی الحجہ ۱۳۸۰ھ ۲۶ مئی ۱۹۶۱ء

عید اور جمعہ کا اجتماع باعثِ رحمت ہے یا زحمت

سوال:۔ عید اور جمعہ ایک دن آجائیں تو اُس کو بدشگونی کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ عام لوگوں میں

مشہور ہے کہ دو خطبوں کا ایک دن اکٹھے ہونا زحمت اور مصیبت کا باعث ہوتا ہے اور یہ دن بڑا بھاری ہوتا ہے خصوصًا حاکمِ وقت پر اس کا بہت زیادہ بوجھ ہوتا ہے؛ لوگوں کا یہ خیال کہاں تک درست ہے۔؟

محمد ابراہیم خطیب جامع اہل حدیث موضع انکلا ضلع گوجرانوالہ

جواب:۔ اس خیال کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں۔ ایسا خیال کرنے والوں نے شاید یہ سمجھا ہو کہ عید اور جمعہ ایک دن آجائیں تو دونوں کا پڑھنا ضروری ہے۔ اس سے عید کی خوشی میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے اور حاکمِ وقت کو عید اور جمعہ دونوں کا باقاعدہ انتظام کرنا ہوتا ہے اور یہ زحمت کا باعث ہے۔ لیکن اصل یہ ہے کہ اس لحاظ سے عید اور جمعہ کا اجتماع بے برکتی کا نہیں بلکہ زیادہ اجر و ثواب کا موجب ہے۔ عید کے دن جمعہ کی معافی شریعت نے صرف اس لئے دی ہے کہ جمعہ نہ پڑھنے والا گنہگار نہ ہو ورنہ دونوں کی ادائیگی یقینًا زیادتی اجر کا باعث ہے۔ اگر زحمت سے مراد یہ ہو کہ عید اور جمعہ کا اکٹھا ہونا ہی بے برکتی کا باعث ہے تو یہ خیال بھی شرعی لحاظ سے نہ صرف بے اصل اور بے ثبوت ہے بلکہ احادیثِ نبویؐ کے صریح خلاف ہے حدیث میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے عہد مبارک میں عید اور جمعہ ایک ہی دن اکٹھے آگئے تو آپ نے صحابہ رضؓ سے فرمایا۔

اِجتَمَعَ عِیدَانِ فِی یَومِکُم ھٰذَا (ابن ماجہ)

تمہارے لئے آج کے دن دو عیدیں اکٹھی ہوگئی ہیں

عید خوشی کے دن کو کہتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے ارشاد کا یہ مطلب تھا کہ آج تمہارے لئے دو خوشیاں ہیں۔ عید اور جمعہ۔

اس حدیث سے ثابت ہُوا۔ عید اور جمعہ کا ایک دن میں اجتماع زیادہ برکت اور خوشی کا باعث ہے نہ کہ نحوست اور بے برکتی کا دَور اس زمانہ میں حاکمِ وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی ذاتِ عالی تھی تو کیا (معاذ اللہ) نبی علیہ السلام کے لئے یہ چیز نحوست اور بے برکتی کا باعث ہوسکتی ہے۔ ایسا خیال بالکل غلط اور وہم فاسد ہے۔

اس قسم کے بیہودہ خیالات لوگ زمانہ جاہلیت میں رکھتے تھے چنانچہ مشکوٰۃ باب اعلان النکاح فصل اول میں حضرت عائشہ رضؓ سے حدیث ہے جس کا خلاصہ مطلب یہ ہے۔

لوگ ماہ شوال کو اچھا نہیں سمجھتے حالانکہ میرا نکاح اور میری رخصتی دونوں کام ماہ شوال میں ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک مجھ سے بڑھ کر خوش نصیب کون تھی؟ اس بنا پر عائشہ صدیقہ رضہ اپنی قریبی عورتوں کی رخصتی ماہ شوال میں کیا کرتی تھی تاکہ لوگوں کے دلوں سے یہ خیال فاسد ختم ہوجائے۔

آج کل بعض لوگ ماہ محرم میں کوئی خوشی کا کام نہیں کرتے۔ یہ خیال بھی ایسا ہے جیسے ماہ شوال کی نسبت زمانہ جاہلیت کا خیال تھا۔ ایسی توہم پرستی شریعت محمدیہؐ میں جائز نہیں۔ اہل اسلام کو ایسے خیالات سے پرہیز چاہیئے۔ رہی یہ بات کہ شرعی اعتبار سے کوئی دن یا کوئی وقت نحوست اور بے برکتی کا باعث ہو سکتا ہے یا نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ فی نفسہ کوئی دن یا کوئی وقت ایسا نہیں۔ ہاں کسی قوم کے لحاظ سے جو خدا تعالےٰ کی طرف سے عذاب میں آجائیں۔ وہ دن منحوس ہوتا ہے جس میں وہ ہلاک ہوں جیسے قرآن مجید میں قوم عاد کی بابت ارشاد ہے۔

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْٓ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيْقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (سورہ حم سجدہ ۱۷)

یعنی ہم نے قوم عاد پر نحوست کے دنوں میں ہوا بھیجی تاکہ ہم ان کو زندگی میں ذلت کا عذاب چکھائیں اس آیت سے معلوم ہوا کہ یہ چیز عام نہیں بلکہ صرف اس قوم کے لئے ہے جو عذاب الہیٰ سے اس دن عذاب میں ہلاک ہوا اس کو عام لوگوں کے لئے منحوس سمجھنا شریعت میں اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ اگر یہ چیز عام ہوتی تو اللہ تعالےٰ منحوس دنوں کا ہمارے لئے تعین فرما دیتا تاکہ ہم ان سے پرہیز رکھتے۔ کسی دن کا یقین نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ فی نفسہٖ کوئی دن یا کوئی وقت نحوست کا باعث نہیں بلکہ اس آیت سے کسی دن کو منحوس سمجھنے کی تردید ہوتی ہے کیونکہ سورہ الحاقہ میں ہے۔

سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ

یعنی قوم عاد پر عذاب الہیٰ کی ہوا سات راتیں اور آٹھ دن مسلسل چلتی رہی

اگر یہ دن سب کے لئے منحوس ہوتے تو پھر ہفتہ میں خیر و برکت کا کوئی دن باقی نہ رہتا کیونکہ ہفتہ کے کل سات دن ہی ہوتے ہیں۔

عبد اللہ امرتسری روپڑی

۱۰ ذی الحجہ ۱۳۸۰ھ - ۲۶ مئی ۱۹۶۱ء

عورت عید کی نماز پڑھا سکتی ہے

سوال :۔ عیدین کی نماز علیحدہ ہو کر کسی عورت کی امامت میں پڑھ سکتی ہیں یا نہیں اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ثابت نہیں تو کیا آپ کے بعد کسی زمانہ میں ثابت ہے کہ عورتوں نے عیدین کی نماز علیحدہ پڑھی ہو۔

محمد اسماعیل ولد حاجی علی محمد چک 85/5.R ہارون آباد (بہاولپور)

جواب :۔ عورتوں کی علیحدہ امامت کا مسئلہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ اس لئے اس کے متعلق کوئی واقعہ نہ ملے تو اس سے اس کا عدم جواز یا بدعت ہونا لازم نہیں آتا۔ دیکھئے پانچ وقتی نمازیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت اُم ورقہ رضی اللہ عنہا کو علیحدہ امامت کی اجازت دی تھی۔ چنانچہ ابوداؤد میں ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی رمضان میں امامت کراتی تھی۔ چنانچہ فتح القدیر شرح ہدایہ میں اس کی تفصیل ہے مگر اس چیز کا عام رواج نہیں ہوا۔ اسی بناء پر حنفیہ کا خیال ہے کہ یہ منسوخ ہے۔ مگر اصلیت یہ ہے کہ یہ منسوخ نہیں کیونکہ اس کی کوئی دلیل نہیں۔ چنانچہ صاحب فتح القدیر نے باوجود حنفی ہونے کے اس کی تردید کی ہے۔ پس جب پانچوقتی نماز یا تراویح کا یہ حال ہے کہ عام رواج نہیں ہوا تو اس بناء پر عیدین کے متعلق خاص واقعہ ملنا تو بہت مشکل ہے۔ ہاں پانچوقتی نماز سے استدلال ہو سکتا ہے۔ کیونکہ جب ایک نماز میں ایک چیز ثابت ہو جائے تو سب نمازیں اس میں یکساں ہوتی ہیں جب تک کوئی مانع نہ ہو۔ مثلاً پانچوقتی نماز جوتہ کے ساتھ پڑھنے کا ذکر آجائے تو یہی نماز عیدین، جمعہ، نماز کسوف کے لئے کافی ہے۔ اس کے لئے الگ واقعہ تلاش کرنے کی ضرورت نہیں۔

عبداللہ امرتسری روپڑی حال لاہور ماڈل ٹاؤن

سی بلاک کوٹھی نمبر ۱۱۹ - ۱۱ ربیع الآخر ۱۳۷۸ھ ۲۶ اکتوبر ۱۹۵۸ء

نماز عیدین کی تکبیرات

سوال :۔ نماز عیدین میں کتنی تکبیرات کہی جاتی ہیں اور ان کا محل کیا ہے۔

جواب :۔ (۱) کثیر بن عبداللہ اپنے باپ سے وہ اس کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے عیدین میں پہلی رکعت میں قرأت سے پہلے سات تکبیریں کہیں اور دوسری میں قرأت سے پہلے پانچ کہیں (مشکوٰۃ)

۲۔ جعفر بن محمدؒ سے مرسل روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ابوبکر رضؓ۔ عمرؓ نے عیدین میں اور نماز استسقاء میں پہلی رکعت میں سات دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں کہیں اور خطبہ سے پہلے نماز پڑھی اور قرأت بلند آواز سے پڑھی (مشکوٰۃ)

اس میں اختلاف ہے کہ پہلی رکعت میں سات تکبیریں تکبیر تحریمہ کے ساتھ مراد ہیں یا تکبیر تحریمہ کے بغیر لیکن ظاہر حدیث سے دوسری صورت ظاہر ہوتی ہے۔ ہاں حضرت عائشہ رضؓ سے دارقطنی میں حدیث ہے سوی تکبیرۃ الافتتاح یعنی رکوع کی تکبیروں کے سوا۔ لیکن اس کی اسناد ضعیف ہے۔

چونکہ صریح صحیح دلیل کسی طرف نہیں۔ اس لئے اس میں تشدد نہ کرنا چاہیئے۔ کوئی تکبیر تحریمہ اور تکبیر رکوع کے سوا سات پانچ کہے یا اس کے ساتھ ابن عبدالبر کہتے ہیں۔ پہلا امام شافعی رحؒ کا مذہب ہے دوسرا امام مالکؒ کا۔ تحفۃ الاحوذی صـ ۳۳۶ ۔ سعید بن عاصؓ کہتے ہیں۔ میں نے ابوموسیٰ رضؓ اور حذیفہ رضؓ سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید اضحیٰ اور فطر میں کس طرح کہتے تھے۔ ابوموسیٰ رضؓ نے کہا جیسے جنازہ پر چار تکبیریں کہتے ہیں۔ اس طرح چار کہتے تھے حذیفہ رضؓ نے تصدیق کی کہ ابوموسیٰ رضؓ نے سچ کہا۔

مگر اس حدیث کی اسناد میں عبدالرحمٰن بن ثوبان راوی ضعیف ہے۔ اور دوسرا راوی ابوعائشہ ہے وہ مجہول ہے۔ سات پانچ والی روایت کی کئی سندیں ہیں۔ وہ حسن کے درجہ سے کم نہیں۔ اس لئے راجح یہی ہے کہ پہلی رکعت میں سات تکبیریں کہے اور دوسری میں پانچ کہے اور کہے بھی قرأت سے پہلے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

نماز عید سے پہلے کچھ کھانا

سوال :۔ نماز عید سے پہلے کچھ کھانا چاہیے یا بغیر کچھ کھائے نماز عید کے لئے جانا چاہیئے۔

جواب :۔ بریدہ رضؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر میں کھائے بغیر نہیں نکلتے تھے حضرت انسؓ کی روایت میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر کے دن چند کھجوریں کھائے بغیر نہیں نکلتے تھے اور عید الاضحیٰ میں پڑھنے سے پیشتر نہیں کھاتے تھے (مشکوٰۃ)

عید فطر کے دن نماز سے پہلے کھجوریں کھانے میں یہ حکمت ہے کہ روزے کا شبہ نہ ہو کیونکہ پہلے سارا مہینہ

روزوں کا گذرا ہے۔ نیز خالی پیٹ میٹھی شے معدہ اور نظر کو طاقت دیتی ہے۔ خاص کر کھجوروں میں اور بہت سی خصوصیات ہیں، جن سے بعض احادیث میں بھی آتی ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو شخص مدینہ کی عجوہ قسم کھجوریں سات عدد ہر روز صبح کھائے تو اس کو زہر اور جادو نقصان نہیں دیگا۔ اور طاق کھانے میں حکمت یہ ہے کہ خدا یاد آجائے، حدیث میں ہے ان اللہ وتر یحب الوتر۔ اللہ تعالےٰ طاق ہے اور طاق کو دوست رکھتا ہے۔

عیدالاضحیٰ میں بعد کھانے میں یہ حکمت ہے کہ کھانے پینے کے شغل میں نماز کی تاخیر ہو کر کہیں قربانی میں زیادہ دیر نہ ہو جائے، کیونکہ قربانی نماز کے بعد ہوتی ہے۔ بعض علماء نے یہ حکمت بھی بیان کی ہے کہ قربانی کا گوشت برکت والی شئے ہے اس لئے یہ پیٹ میں پہلے جانا چاہیئے اور قربانی چونکہ نماز کے بعد ہے۔ اس لئے کھانا بھی بعد کو مسنون ہے۔ یہی وجہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز عیدالاضحیٰ بہت جلد پڑھتے تھے یعنی تھوڑا سورج اُوپر آتا تو پڑھ لیتے۔

مسند احمد میں حدیث ہے۔

ولا یاکل یوم الاضحیٰ حتی یرجع فیاکل من اضحیته (منتقی)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید اضحیٰ میں نہ کھاتے یہاں تک کہ لوٹیں۔ نماز سے فارغ ہو کر قربانی کا گوشت کھاتے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

۸ ذی الحجہ ۱۳۵۰ھ ۱۵ اپریل ۱۹۳۲ء

عید کے دو خطبے

سوال:۔ عید میں ایک ہی خطبہ ہے یا جمعہ کی طرح دو خطبے پڑھے جائیں۔

جواب:۔ کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کی طرح عید کے بھی دو خطبے پڑھے ہوں، البتہ ابن ماجہ میں حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدالفطر یا عیدالاضحیٰ میں نکلے پس آپ نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا، پھر بیٹھ گئے پھر اُٹھے۔ لیکن یہ حدیث ضعیف ہے اس میں اسماعیل بن مسلم راوی ہے اس کے ضعیف ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔ نیز اس میں ابو البحر راوی ہے وہ بھی ضعیف ہے۔

بزار بن سعد بن ابی وقاص رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کی نماز بغیر اذان اور اقامت کے پڑھی اور دو خطبے دیئے اور دونوں کے درمیان بیٹھ کر فصل کیا۔ ہیثمیؒ نے کہا ہے کہ اس کی سند میں مجہول الحال راوی ہیں۔

ابن مسعود سے مروی ہے کہ سنّت طریقہ یہ ہے کہ عیدین کے دو خطبے پڑھے جائیں اور دونوں کے درمیان بیٹھا جائے۔ لیکن نوویؒ نے خلاصہ میں کہا ہے کہ یہ قول بھی ضعیف اور غیر متصل ہے۔

دو خطبہ کی روایتیں اگرچہ ضعیف ہیں مگر جمعہ پر قیاس سے اس مسئلہ کی تائید ہوتی ہے کہ عیدین کے جمعہ کی طرح دو خطبے پڑھے جائیں۔

تکبیرات کا محل

سوال: تکبیرات عیدین پہلی رکعت میں الحمد شروع کرنے سے پہلے اور سبحانک اللھم پڑھنے سے بعد ادا کرنی چاہیں یا سبحانک اللھم پڑھنے سے پہلے تکبیر اولیٰ کے ساتھ ادا کرنی چاہئیں اس کا جواب صحیح حدیث سے تحریر فرمائیں۔

جواب: حدیث میں عیدین کی تکبیریں قرأت سے پہلے کہنے کا ذکر آیا ہے۔ بظاہر اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عیدین کی تکبیریں سبحانک اللّٰھم کے بعد ہیں۔ ورنہ قرأت سے پہلے کی بجائے سبحانک اللھم سے پہلے کا ذکر ہوتا۔ لیکن اگر کوئی پہلے کہہ لے تو بھی حرج نہیں۔ کیونکہ حدیث میں صراحت کسی جانب نہیں آتی۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

کیا حاجی مکہ معظمہ میں نماز عید پڑھے

سوال: کیا مکہ میں حاجیوں کے لئے عید پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: حضرت جابر رضؓ کی لمبی حدیث میں ہے۔

اتی الجمرۃ التی عند الشجرۃ فرماھا بسبع حصیات یکبر مع کل حصاۃ منھا مثل حصی الخذف رمی من بطن الوادی ثم انصرف الی المنحر فنحر ثلثا وستین بدنۃ بیدہ (مشکوٰۃ باب قصۃ حج الوداع صہ ۲۱۶)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس جمرہ کے پاس آئے جو درخت کے قریب ہے۔ اس کو چھوٹے سات کنکر مارے جو دو انگلیوں سے مارے جاتے ہیں۔ پھر قربان گاہ کی طرف لوٹے پس تریسٹھ اونٹ اپنے ہاتھ سے قربان کئے۔

اِس حدیث سے معلوم ہوا کہ حاجی پر نمازِ عید نہیں۔ اگر نمازِ عید ہوتی تو آپ جمروں سے فارغ ہو کر نمازِ عید پڑھ کر قربانی کرتے کیونکہ قربانی نمازِ عید کے بعد ہوتی ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

تکبیراتِ عیدین و تکبیراتِ جنازہ کے ساتھ رفع الیدین

سوال: ۔ ہمارا معمول ہے کہ ہم اہلحدیث نمازِ عیدین کی تکبیروں کے ساتھ رفع یدین کرتے ہیں۔ لیکن اس سال نمازِ عید الفطر کے موقع پر ایک مولوی صاحب نے خطبہ میں بیان کیا کہ تکبیرات عیدین میں رفع الیدین کرنے اور نہ کرنے کا کوئی ثبوت نہیں۔ اس کی وضاحت فرمائیں نیز تکبیرات کے درمیان کوئی ذکر کرنا بھی ثابت ہے یا نہیں۔

محمد ابراہیم بوریوالہ ضلع ملتان

جواب: ۔ مغنی ابن قدامہ میں ہے۔

روی ان النبیّ صلّی اللہ علیہ وسلّم کان یرفع یدیہ مع التکبیر قال احمد اما فاری ان ھذا الحدیث یدخل فیہ ھذا کلا وروی عن عمر رضی اللہ عنہ انہ کان یرفع فی کل تکبیرۃ فی الجنازۃ وفی العید رواہ الاثرم ولا یعرف لہ مخالف فی الصحابۃ انتھی۔

یعنی روایت کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر کے ساتھ ہاتھ اٹھاتے تھے۔ امام احمد بن حنبل رح فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ہر نماز کی تکبیر کو شامل ہے اور حضرت عمر فاروق رض سے روایت ہے کہ وہ جنازے میں اور عیدین میں ہر تکبیر کے ساتھ ہاتھ اٹھاتے تھے۔ اس کو اثرم نے روایت کیا ہے اور صحابہ کرام رض سے اس مسئلہ میں حضرت عمر رض کا خلاف کرنے والا کوئی معلوم نہیں۔

حضرت عمر رض کے اس عمل کو بیہقی نے بھی جلد ۳ صفحہ ۲۹۳ میں روایت کیا ہے۔ لیکن اس میں ایک راوی

ابن لہیعہ ضعیف ہے۔
نیز ابوداؤد۔ دارقطنی۔ بیہقی میں بقیہ کے واسطے سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کی طرف کھڑے ہوتے تو ہر تکبیر میں رکوع سے پہلے ہاتھ اٹھاتے یہانتک کہ نماز پوری ہو جاتی۔
حافظ ابن حجرؒ تلخیص الحبیر میں لکھتے ہیں کہ امام ابن المنذر اور امام بیہقی نے اس حدیث سے تکبیرات عیدین میں ہاتھ اٹھانے پر استدلال کیا ہے کیونکہ یہ حدیث عام ہے اور بقیہ کی موافقت ابن اخی الزہری نے بھی کی ہے۔ بقیہ راوی ضعیف ہے لیکن ابن اخی الزہری کی موافقت سے اس کی تلافی ہو گئی۔ (دارقطنی ص۱۱۰)
عیدین کی تکبیروں کے درمیان ذکر کرنے کے متعلق صرف حضرت جابرؓ کی ایک روایت ہے۔ جس کے الفاظ یہ ہیں۔

عن جابر قال مضت السنة ان یکبر والصلوۃ فی العیدین سبعا وخمسا یذکر اللہ مابین کل تکبیرتین (اخرجہ البیہقی جلد۳ ص۲۹۲)

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ اس بارہ میں سنّت گذر چکی ہے کہ عیدین میں سات اور پانچ تکبیریں ہیں۔ اور ہر دو تکبیروں کے ساتھ اللہ تعالےٰ کا ذکر ہے۔ اس کو بیہقی نے روایت کیا ہے۔
اس روایت کی سند میں بعض راویوں کے حالات معلوم نہیں۔ اگرچہ یہ روایت ضعیف ہے لیکن علماء کا یہ مسلّمہ اصول ہے کہ ہلکے درجہ کی ضعیف روایت پر فضائل اعمال میں عمل درست ہے جب کہ اس کے خلاف کوئی صحیح روایت نہ ہو۔ اور ذکر کوئی معین نہیں۔
سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر پڑھے یا کوئی اور ذکر کرے سب صحیح ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

نماز عید مسجد میں پڑھنی چاہیئے یا میدان میں

سوال:۔ ہمارے یہاں یہ مسئلہ زیر بحث ہے کہ عید کی نماز مسجد میں پڑھنی چاہیئے یا میدان میں فریقین نے اپنے دلائل بیان کئے جو حسب ذیل ہیں۔
زید کے دلائل۔ کھلے میدان میں نماز عید ادا کرنی مسنون ہے۔ کسی عذر یا خوف بارش وغیرہ کے بغیر

مسقف مسجد میں عید پڑھنا درست نہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ کھلے میدان میں عید پڑھتے رہے۔ لہٰذا میدان میں نماز عید پڑھنی مسنون وافضل ہے۔

بکر کے دلائل

میدان میں بعض وقت نجاست بھی ہوتی ہے۔ جب مسجد (جو مسقف ہو یا غیر مسقف) کافی سے زیادہ جگہ کی گنجائش ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ میدان میں نمازیں پڑھی جائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کا میدان میں نماز عید گزارنا صرف اس وجہ سے تھا کہ مسجد نبوی میں جگہ کی تنگی تھی۔ اور قرب وجوار کے لوگوں کا اجتماع صلوۃ عیدین کے لئے کثیر ہوتا تھا۔ اس لئے حضورؐ نے میدان میں نمازِ عید ادا کی۔ ورنہ جس مسجد میں ایک رکعت پر پچاس ہزار رکعتوں اور دو رکعتوں پر ایک لاکھ رکعتوں کا ثواب ملتا ہو۔ حضورؐ اپنے صحابہ کو اتنے کثیر ثواب سے ہرگز محروم نہ فرماتے۔ اگر صلوٰۃ عیدین میدان ہی میں پڑھنا افضل ہوتا تو وہ اہلِ مکہ کو حکم فرماتے کہ مسجد حرام میں نمازِ عید نہ پڑھا کرو۔ بلکہ بیرون شہر میدان میں جایا کرو۔ نہ خلافتِ راشدہ میں ممانعت ہوئی۔ نہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے نوسالہ عہد خلافت میں ایسا حکم ہوا۔ آج تک مسجد حرام میں صلوۃ عیدین برابر ادا کی جارہی ہیں۔

محاکمہ بین الفریقین

جواب:۔ امام شافعیؒ، امام مالکؒ وغیرہ کے مابین اس میں اختلاف ہے۔

امام شافعیؒ کہتے ہیں ———— مسجد فراخ ہو تو مسجد بہتر ہے۔ دلیل یہی دیتے ہیں جو بکر نے دی ہے۔ یعنی مکہ شریف کے لوگ باہر نہیں نکلتے ———— اور امام مالکؒ وغیرہ کہتے ہیں۔ میدان افضل ہے۔ اور اس پر دو دلیلیں دیتے ہیں۔

۱۔ ایک یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ہمیشہ عید کی نماز میدان میں پڑھی ہے۔ اور جس کام پر رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم ہمیشگی کریں وہ مقام افضلیت سے نہیں اُتر سکتا۔

۲۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ حضرت علیؓ میدان کی طرف نکلے اور فرمایا۔

لَوْلَا اَنَّهُ السُّنَّةُ لَصَلَّيْتُ فِي الْمَسْجِدِ (سبل السلام ص۱۶)

یعنی اگر میدان کی طرف نکلنا مسنون نہ ہوتا تو میں نماز مسجد میں پڑھتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے ہمیشہ باہر پڑھنے کی وجہ یہ بیان کرنا کہ مسجد نبوی تنگ تھی یہ کسی روایت میں نہیں آیا۔ صرف مکہ کی حالت دیکھ کر یہ خیال کیا جاتا ہے حالانکہ مکہ کے باہر نزدیک کوئی فراخ میدان نہیں یہ اہل مکہ کے لئے معقول عذر ہے۔ اِس لئے اہلِ مکہ کی حالت دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے باہر نماز پڑھنے کی وجہ مسجد کی تنگی بیان کرنا درست نہیں۔

اس کے علاوہ جمعہ میں ہجوم کم نہیں ہوتا تھا مگر باوجود اس کے جمعہ آپ مسجد ہی میں پڑھتے رہے۔ رہا بکر کا یہ کہنا کہ مسجد نبوی میں پچاس ہزار نماز کا ثواب ہے اگر مسجد کی تنگی کی وجہ نہ ہوتی تو اتنے بڑے ثواب سے کیوں محروم رہتے ؟

اس کی بابت عرض ہے کہ بعض دفعہ اور وجوہات پیدا ہو جاتی ہیں جن سے غیر بہتر عمل بہتر ہو جاتا ہے مثلاً مسجد سب جگہوں سے بہتر ہے مگر نفل نماز گھر میں افضل ہے جس میں اہلِ مدینہ بلکہ اہل مکہ بھی داخل ہیں۔ پھر حضرت علی کا ارشاد مذکور اس بارہ میں صاف ہے اور اس کے مقابلہ میں کوئی تسلّی بخش دلیل نہیں جس کی بنا پر ہم صحابی رضؓ سے آگے بڑھیں۔ پس ترجیح اسی کو ہے کہ عید کی نماز باہر پڑھی جائے۔ ہاں اگر کوئی عارضہ ہو جیسے سوال میں ذکر ہے کہ میدان میں نجاست ہے تو پھر کوئی حرج نہیں۔ مسجد میں پڑھ لی جائے مگر نجاست ایسی ہو کہ صاف نہ ہو سکے۔ اگر صاف ہو سکے تو میدان بہتر ہے۔ ہاں زید کا یہ کہنا کہ مسجد میں درست نہیں یہ بے دلیل ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے فعل سے حضرت علی رضؓ نے افضلیّت ہی سمجھی ہے۔ چنانچہ ”لولا انه السنة لصليت في المسجد“ کے لفظ سے واضح ہے۔ نیز سبل السلام میں مذکورہ بالا عبارت کے بعد ہے واستخلف من يصلي بضعفة الناس في المسجد۔ یعنی حضرت علی کمزور یعنی عورتوں اور بوڑھوں وغیرہ کے لئے ایک خلیفہ مقرر کیا جو ان کو مسجد میں نماز پڑھائے۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے زمانہ میں یہ سب باہر جاتے تھے۔ نیز یہ کسی کا مذہب نہیں جو زید نے اختیار کیا ہے۔ صرف افضلیّت اور غیر افضلیت میں اختلاف ہے۔ جواز عدم جواز میں کوئی اختلاف نہیں۔ پس زید کا مذہب سلف کے بالکل خلاف ہے۔ البتہ باوجود عذر نہ ہونے کے نماز عید ہمیشہ مسجد میں پڑھنا، اس میں مکروہ کی صورت ضرور پائی جاتی ہے۔ کیونکہ اس میں بلاوجہ افضلیت کا ہمیشہ ترک کرنا ہے۔

چنانچہ شاہ جیلانی رہ کا ارشاد ہے۔

وَالْاَوْلٰی اَنْ تُقَامَ فِي الصَّحْرَاءِ وَتُکْرَہُ فِي الْجَامِعِ اِلَّا لِعُذْرٍ (غنیہ)

یعنی عید کی نماز جنگل میں پڑھنی چاہیئے اور جامع مسجد میں بلا عذر عید پڑھنی مکروہ ہے

عبداللہ امرتسری روپڑی ۱۹ مارچ ۱۹۶۲ء

عید اور جمعہ اکٹھے آجائیں تو نماز ظہر کا حکم

سوال :۔ عید کے دن جمعہ کی رخصت ہے تو کیا نماز ظہر بھی معاف ہے یا صرف جمعہ کی رخصت ہے ہمارے ہاں دو صاحبِ علم بزرگوں کے ارشادات اس سلسلہ میں جُداگانہ ہیں۔

ایک صاحب فرماتے ہیں۔

عید کے دن صرف جمعہ کی رخصت ہے نماز ظہر پڑھنی ضروری ہے۔

دوسرے صاحب فرماتے ہیں۔

جمعہ ظہر کے قائم مقام ہے جب عید کے دن جمعہ معاف ہے تو نماز ظہر بھی معاف ہونی چاہیئے۔

اس مسئلہ میں صحیح راہنمائی فرمائی جائے۔

(محمد سعید لیپوری)

جواب :۔ عبداللہ بن زبیرؓ کے زمانہ میں عید اور جمعہ اکٹھے آگئے۔ عبداللہ بن زبیرؓ نے عید پڑھائی اس کے بعد عصر تک گھر سے نہیں نکلے۔

اس واقعہ سے بعض نے استدلال کیا ہے کہ عبداللہ بن زبیرؓ نے عید کے دن نماز ظہر بھی نہیں پڑھی۔ لیکن یہ ایک خاص واقعہ ہے۔ اور یہ اُصولِ مسلمہ ہے کہ وقائع الاعیان لا یحتج بھا علی العموم یعنی خاص واقعہ سے عام استدلال نہیں ہوسکتا۔ اس میں احتمال ہے کہ شاید گھر میں اکیلے یا باجماعت نماز پڑھ لی ہو اور مسجد میں آکر نمازیوں کے ساتھ باجماعت نماز اس لئے نہ پڑھی ہو کہ عام طور پر جو لوگ پیچھے آتے ہیں اور خطبہ نہیں پاتے ان کو اشتباہ نہ پڑے کہ جمعہ پڑھا گیا ہے۔ یا ممکن ہے گھر سے نہ نکلنے کی کوئی اور وجہ ہے۔ اس قسم کے بعض استدلال اور بھی ہیں جو تسلی بخش نہیں۔ اور معاملہ فرض کا ہے اس لئے احتیاطاً نماز ظہر پڑھنی چاہیئے۔

رہی یہ بات کہ جمعہ ظہر کے قائم مقام ہے جب جمعہ معاف ہے تو نماز ظہر بھی معاف ہونی چاہیئے۔ یہ اُلٹا استدلال ہے کیونکہ قائم مقام کے جانے سے اصل آجاتا ہے۔ حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ چنانچہ مشکوٰۃ میں حدیث ہے جو شخص جمعہ کی ایک رکعت پائے وہ دوسری ساتھ ملائے۔ اور جس کو ایک رکعت

بھی نہ ملے وہ ظہر پڑھے۔

اس بنا پر جن لوگوں پر جمعہ فرض نہیں جیسے عورت، مسافر، غلام وغیرہ ان کو نماز ظہر پڑھنے کا حکم ہے پس معلوم ہوا کہ قائم مقام یعنی جمعہ کے جانے سے نماز ظہر کی نفی نہیں ہوتی۔ پس عید اور جمعہ ایک دن اکھٹے آجائیں تو ایسی صورت میں جمعہ کی رخصت ہے پڑھے یا نہ لیکن اگر جمعہ نہ پڑھے تو ظہر ضرور پڑھنی چاہیئے۔ بہتر جمعہ پڑھنا ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کی رخصت دیتے ہوئے یہ بھی فرمایا۔

وانا مجمعون انشاء اللہ۔

یعنی ہم جمعہ پڑھیں گے۔ انشاء اللہ

نوٹ: اس مسئلہ میں دو فریق اور ہیں۔ ایک فریق کہتا ہے جمعہ کے دن اصل جمعہ فرض ہے۔ اور ظہر اس کا بدل ہے۔ اس لئے اگر جمعہ معاف ہوا تو ظہر بھی معاف ہے۔ لیکن مشکوٰۃ کی مذکورہ بالا حدیث اس کی تردید کرتی ہے۔ اس میں جمعہ نہ ملے تو ظہر پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ جن پر جمعہ فرض نہیں اُن کو ظہر پڑھنے کا حکم ہے۔ اس کے علاوہ حضرت عمرؓ اور حضرت عائشہؓ صدیقہ سے روایت ہے کہ ظہر کی دو رکعت کم کر کے اُن کے قائم مقام خطبہ کر دیا گیا ہے یہ صاف دلیل ہے کہ نماز ظہر اصل ہے اور جمعہ اس کا بدل ہے۔

ظہر احتیاطی

دوسرا فریق کہتا ہے کہ جمعہ کے دن دو فرض ہیں، جمعہ اور ظہر اس بنا پر وہ جمعہ کے بعد ظہر بھی پڑھتے ہیں۔ اس کا نام احتیاطی رکھتے ہیں، یہ مذہب بھی غلط ہے کیونکہ قرآن مجید میں نماز جمعہ ہونے کے بعد کاروبار کے لئے جانے کی رخصت دی ہے، چنانچہ ارشاد ہے فاذا قضیت الصلوٰۃ فانتشروا فی الارض۔

اس کے علاوہ تعامل خیر القرون بھی اس کے خلاف ہے۔ اس میں سے کسی سے بھی جمعہ کے بعد نماز ظہر پڑھنا ثابت نہیں۔

خلاصہ یہ کہ پہلے مذہب کو بہر صورت ترجیح ہے۔ یعنی جمعہ قائم مقام ظہر ہے۔ اگر کسی وجہ سے جمعہ نہ پڑھے تو نماز ظہر ضرور پڑھنی چاہیئے۔

خلاصہ یہ کہ عید کے بعد جمعہ کے لئے بھی حاضری ضروری ہوتی تو عید کی خوشی میں رکاوٹ اور بے لطفی سی پیدا ہو جاتی۔

عبد اللہ امرتسری روپڑی

۳ ذی الحجہ ۱۳۸۰ھ ۔ ۱۹ مئی ۱۹۶۱ء

صدقہ فطر

صاع نبویؐ

سوال :۔ صاع نبویؐ کے متعلق زید کہتا ہے کہ وہ پانچ رطل اور ثلث (تہائی) رطل کا ہے انگریزی حساب کے وزن سے ایک رطل نصف سیر ہے۔ اس حساب سے صاع کا وزن دو سیر ساڑھے گیارہ چھٹانک ہے لیکن مولوی عبدالغنی خانپوری ہوشیارپوری فرماتے ہیں کہ مولوی احمداللہ صاحب دہلوی نے جو صاع مدینہ منورہ سے حاصل کیا ہے وہ سوا دو سیر کا ہے۔ نیز وہ مدینہ سے ایک مُد جو صاع کا چوتھائی ہے ساتھ لائے ہیں جن سے لائے ہیں وہ صاحب سند بھی لکھ دیتے ہیں۔ لہٰذا وہ صاع بالکل ٹھیک ہے۔ اس بارہ میں پوری تحقیق سے فیصلہ فرمائیں۔

مولوی عبدالرحیم فیروزپوری بحکم مولوی عبدالغنی
مہتمم مدرسہ خانپور۔ ۲۴ رمضان ۱۳۵۶ھ

جواب :۔ یہی مُد جو مولوی احمداللہ صاحب لائے ہیں، مولانا عبدالجبار صاحب غزنوی مرحوم کے وقت میں ایک صاحب لائے تھے۔ جو باسند تھا۔ پانی سے اس کا اندازہ کیا گیا۔ قریباً سوا دو سیر ہوا۔ اس وجہ سے مولانا عبدالجبار صاحب مرحوم بھی سوا دو سیر ہی کے قائل تھے۔ میرا اُس وقت طالب علمی کا زمانہ تھا اس لئے میرا بھی یہی اعتقاد ہوگیا۔ لیکن بعد کو جب علم پر حاوی ہوا تو یہ خیال تبدیل ہوگیا۔ جس کی دو وجہیں ہیں۔ ایک یہ کہ علوم الحدیث مقدمہ ابن صلاح جو اُصولِ حدیث میں اصل الاصول کتاب ہے اس کے صفحہ ۷ میں لکھا ہے کہ ائمہ محدثین کے بعد اسناد کے سلسلہ کا اعتبار نہیں۔ کیونکہ بُعد زمانہ کی وجہ سے روات میں شرائط صحت کا علم مشکل ہے اور ابن صلاح ۵۷۷ھ میں پیدا ہوئے اور ۶۴۳ھ میں وفات پائی ہے۔ جب چھٹی ساتویں صدی میں سلسلہ اسناد کا یہ حال ہے تو اب چودھویں صدی میں اس سے دوگنا بُعد ہوگیا ہے۔ اس وقت سلسلہ اسناد کے اعتماد پر مُد کا ہم کیا فیصلہ کرسکتے ہیں۔

دوسری وجہ یہ کہ امام شافعی رح دوسری صدی کے امام ہیں جو بالکل سلف کے قریب زمانہ میں ہوئے ہیں وہ صاع مدنی کا اندازہ پانچ رطل اور تہائی رطل بتاتے ہیں۔ کیا ان کا اعتبار کریں یا آج کل کے اہل مدینہ کا؟ اس کے

علاوہ صاع کا اندازہ اگر پانی سے کیا جائے تو اس کا وزن اور ہے۔ اگر جَو سے کیا جائے تو اور ہے۔ گندم سے کیا جائے تو اور ہے۔ کھجور سے کیا جائے تو اور ہے بلکہ کھجور کا آپس میں ایک وزن نہیں۔ کیونکہ کھجوریں مختلف اقسام کی ہوتی ہیں۔ کوئی وزنی کوئی ہلکی۔ کوئی بڑی کوئی چھوٹی۔ اس طرح اور جنسوں کا بھی فرق پڑ جاتا ہے۔ اس لئے امام شافعیؒ کے بتائے ہوئے وزن پر اعتماد کرنا عین احتیاط ہے۔ کیونکہ وہ بہت قریب کے زمانہ میں ہوئے ہیں اس وقت سلف کے دستور العمل میں چنداں تغیر نہیں آیا تھا جو بعد میں آگیا۔ پس قرین قیاس یہی ہے کہ انہوں نے صاع کا اندازہ اسی شئے سے کیا جس سے سلف کے زمانہ میں عام طور پر دستور تھا۔ پس احتیاط اسی میں ہے کہ صاع کا اندازہ پانچ رطل اور تہائی رطل قرار دیا جائے۔

عبداللہ امرتسری روپڑ

۲۰ رجب ۱۳۵۶ھ ۔ ۲۰ ستمبر ۱۹۳۷ء

انگریزی حساب سے صاع کا اندازہ

سوال:۔ صاع میں بہت اختلاف رہتا ہے۔ عراقی حجازی کے علاوہ صرف حجازی کے قول میں اہلحدیث علماء کا مختلف خیال ہے جو رسالوں، اخباروں، کتابوں میں مذکور ہے۔ کوئی سوا دو سیر۔ کوئی اڑھائی سیر۔ کوئی دو سیر گیارہ چھٹانک بتاتا ہے۔ ایک وزن قائم نہیں کیا گیا۔ اس بارہ میں فیصلہ فرمائیں۔

جواب:۔ صاع مدینہ کا معتبر ہے اور اس کا صحیح اندازہ پانچ رطل اور تہائی رطل ہے۔ اور رطل کا مشہور اندازہ آدھ سیر ہے۔ اس حساب سے صاع دو سیر پختہ انگریزی دس چھٹانک تین تولہ چار ماشے ہوتا ہے اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ صاع کا اندازہ مختلف چیزوں سے لگایا گیا ہے صرف کھجوروں سے اگر صاع کے وزن کا اندازہ کیا جائے تو بھی ایک وزن قائم نہیں رہتا۔ کیونکہ کھجوریں بعض ہلکی ہوتی ہیں۔ بعض وزنی اور بعض بڑی ہوتی ہیں۔ بعض چھوٹی۔ اس وجہ سے وزن میں فرق پڑ جاتا ہے۔ پانچ رطل اور تہائی رطل یہ امام شافعیؒ کا اندازہ ہے جو سلف سے زمانہ قریب میں ہے۔ اس لئے یہی قول راجح ہے۔ رہا صاع عراقی وغیرہ جو امام ابوحنیفہؒ وغیرہم کا قول ہے سو وہ صحیح نہیں۔ کیونکہ احادیث سے ثابت ہے کہ صاع مدینہ کا اور وزن اہل مکہ کا معتبر ہے یہی وجہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ کے شاگرد امام ابو یوسفؒ نے بھی امام شافعیؒ کے قول کی طرف رجوع کیا ہے اس سے زیادہ اس بارہ میں کہا جا سکتا ہے۔ اس کی تفصیل مولوی عبدالرحیم کے مندرجہ استفتاء میں بھی ہو چکی ہے۔ عبداللہ امرتسری روپڑ

صدقہ فطر نقدی کی صورت میں

سوال :۔ صدقہ فطر میں نقد قیمت دینا درست ہے یا نہیں۔ اگر درست ہے تو آپ کے پاس اس کی دلیل کیا ہے۔؟

جواب :۔ صدقہ فطر میں قیمت دینے کا کوئی حرج نہیں، بخاری شریف باب العرض فی الزکوٰۃ میں ہے

قال معاذ لاهل اليمن ائتونی بعرض ثياب خميص اولبيس فی الصدقة مكان الشعير والذرة اهون عليكم وخير لاصحاب النبی صلی الله عليه وسلم

یعنی حضرت معاذؓ نے اہل یمن کو کہا کہ بجائے جَو اور جوار کے باریک کپڑے اور عام پہننے کے کپڑے صدقہ میں ادا کرو۔ یہ تمہارے لئے آسان ہے اور اصحاب رسول کے لئے زیادہ فائدہ مند۔

اِس روایت میں اگرچہ انقطاع ہے لیکن امام بخاریؒ جیسے محدّث کا اس سے استدلال کرنا اس کو تقویت دیتا ہے۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ صدقات میں مصرف کی حاجت کو مدِّنظر رکھتے ہوئے قیمت ادا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اگرچہ یہ روایت زکوٰۃ کے بارہ میں ہے۔ لیکن جیسے صدقہ فطر میں آیا ہے کہ فلاں فلاں شئے کا صاع دو۔ اِس طرح زکوٰۃ میں ہے۔ فلاں فلاں شئے سے فلاں فلاں شئے دو۔ پس زکوٰۃ میں قیمت کی طرف عدول جائز ہوا۔ تو صدقہ فطر میں بھی جائز ہوا۔ فرق کی کوئی وجہ نہیں۔ نیز صدقہ فطر کی غرض حدیث میں یہ آئی ہے کہ اَغْنُوْهُمْ فِیْ هٰذَا الْيَوْمِ (دار قطنی) یعنی عید کے دن غرباء کو بے پرواہ کرو۔

اِس سے بھی معلوم ہوا کہ غرباء کی ضروریات کو مدِنظر رکھ کر غلّہ کے حساب سے نقدی قیمت دی جا سکتی ہے۔ اِس کے علاوہ حضرت معاویہؓ نے نصف صاع گندم کو دُوسری اشیاء کے صاع کے برابر قرار دیا اور ظاہر ہے کہ نصف صاع وزن میں تو باقی اشیاء کے صاع کے برابر نہیں۔ لہٰذا مراد قیمت ہوگی۔ اِس سے یہ مسئلہ ثابت ہوا کہ غلہ کے حساب سے نقد دینا بھی جائز ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

گندم کا نصف صاع کا تقرر

سوال :۔ صدقہ فطر گندم کا جو نصف صاع مقرر ہوا۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے زمانہ میں ہوا

یا بعد میں بیان فرمائیں۔

جواب:۔ بعض حدیثوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نصف صاع کا ذکر آیا ہے (ملاحظہ ہو مشکوٰۃ باب صدقۃ الفطر) مگر ان میں کچھ کلام ہے۔ پوری تسلّی بخش نہیں۔ اور بخاری وغیرہ حدیثوں میں تصریح ہے کہ نصف صاع معاویہؓ کی رائے تھی۔ اس وقت سے لوگوں نے اس پر عمل شروع کر دیا۔ ابوسعید خدریؓ اور عبداللہ بن عمرؓ وغیرہم اس کے خلاف رہے۔ پس احتیاط اسی میں ہے کہ گیہوں کا بھی پورا صاع دے تاکہ اختلاف سے نکل جائے۔ ہاں کوئی زیادہ تنگ دست ہو تو شاید خدا اس کا نصف صاع ہی قبول کر لے مگر پوری تسلّی نہیں۔ نیز گیہوں کھانے والے کی تنگی کا بھی شبہ ہے کیونکہ جس کو تنگی ہو وہ سستی جنس کی باجرا وغیرہ پر گذارا کرتا ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

عید کا چاند دیکھنے سے پہلے صدقہ فطر ادا کرنا

سوال:۔ صدقہ فطر عید الفطر یعنی شوال کا چاند دیکھ کر ادا کرنا چاہیئے یا چاند دیکھنے سے پہلے بھی ادا ہو سکتا ہے۔

جواب۔ مشکوٰۃ کتاب فضائل القرآن میں بخاری کی حدیث ہے جس میں ذکر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ فطر پر حضرت ابوہریرہ رضؓ کو پہرہ دار مقرر کیا تھا۔ دو روز چور آتا رہا۔ ابوہریرہ رضؓ اس کو گرفتار کرتے مگر اُس پر ترس کھا کر چھوڑ دیتے۔ تیسرے روز پھر آیا۔ اس سے ابوہریرہؓ نے سختی کی اور کہا میں تجھے ضرور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے جاؤں گا۔ آخر چور نے یہ وظیفہ بتایا کہ رات کو آیۃ الکرسی پڑھ لیا کر شیطان قریب نہیں آئے گا۔ اس پر ابوہریرہؓ نے اس کو چھوڑ دیا۔

صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوہریرہؓ کو کہا کہ تجھے معلوم ہے تین راتوں سے تیری بات کس سے ہو رہی ہے۔ یہ شیطان تھا اور وہ جھوٹا ہے لیکن وظیفہ اُس نے ٹھیک بتایا ہے۔

یہ حدیث کا خلاصہ ہے۔ اِس سے معلوم ہوا کہ صدقہ فطر جمع ہوئے کو تین دن یا زیادہ ہو گئے تھے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ جمع ہونا عید سے پہلے تھا کیونکہ صدقہ فطر کی غرض حدیث میں یہ آئی ہے کہ مساکین کو عید کے دن دربدر پھرنے سے مستغنی کر دیا جائے۔ اِس لئے حکم ہے کہ صدقہ فطر عید سے پہلے ادا کر دیا جائے۔ تاکہ

مساکین بھی اپنی عید کی تیاری کر کے عید پڑھنے جائیں۔ پس ثابت ہوا کہ چاند دیکھنے سے پہلے صدقہ فطر ادا ہو سکتا ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

نادار اور غریب روزہ دار پر صدقہ فطر کا حکم

سوال:۔ ایک شخص اتنا غریب ہے کہ صدقہ فطر ادا کرنے کی بالکل طاقت نہیں رکھتا۔ اس کے متعلق کیا حکم ہے۔؟

عبدالرحمٰن حصاری

جواب:۔ حدیث میں ہے کہ غنی بھی صدقہ فطر ادا کرے اور غریب بھی ادا کرے۔ غنی کے متعلق فرمایا اللہ تعالےٰ اس کو گناہ سے پاک کر دے گا۔ اور غریب کے متعلق فرمایا کہ گناہ سے پاک ہونے کے علاوہ اللہ تعالیٰ اس کا صدقہ اس سے زیادہ لوٹائے گا جتنا اس نے دیا (مشکوٰۃ باب صدقۃ الفطر) یعنی کسی کے دل میں ڈال دے گا جو اس کو دے جائے گا۔

پس اس حدیث کی رو سے غریب پہلے ہی سے کوشش کرے تا کہ موقع پر ادا کر سکے۔ جس کی بہتر صورت یہ ہے کہ اپنی خوراک سے تھوڑا تھوڑا جمع کرتا رہے اور اگر کوئی بالکل ایسا غریب ہو کہ وہ اپنی خوراک میں فاقہ کشی کرتا ہے تو آیت کریمہ لا یکلف اللہ نفسًا الا وسعہا کے تحت وہ معذور ہے اور فقہاء نے جو شرط کی ہے کہ صدقہ فطر اس پر ہے جو نصاب زکوٰۃ کا مالک ہو۔ یہ اس حدیث کے خلاف ہے۔ کیونکہ نصاب کا مالک فقیر نہیں، اور اس حدیث میں فقیر کو بھی صدقہ فطر ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

منقول اخبار تنظیم یکم مارچ ۱۹۶۳ء

مسجد کے خادم پر صدقہ فطر صرف ہو سکتا ہے

سوال:۔ مسجد میں خادم مقرر کئے جاتے ہیں۔ ان کی پانی ڈالنے۔ میت نہلانے۔ مسجد کی صفائی کی ڈیوٹی ہوتی ہے۔ اس پر ان کو اجرت ملتی ہے۔ شادی۔ موت یا فصل کے موقع پر کچھ اناج اور گھروں میں سے دو وقت روٹی ملتی ہے۔ بعض لوگ عید کے موقع پر ان کو صدقہ فطر دیتے ہیں۔ کیا ان کو صدقہ فطر دینا جائز ہے؟۔

جواب:۔ اُجرت پر میت کو نہلانے کا جو رواج پڑ گیا ہے یہ حدیث کے خلاف ہے۔ حدیث میں ہے کہ زیادہ قریبی آدمی نہلائے۔ اب لوگوں نے بعض ایسے آدمی مقرر کر دیئے ہیں۔ جن کا کام سوائے مردہ نہلانے کے اور کچھ نہیں۔ اناللہ۔ رہی مسجد کی خدمت پانی وغیرہ اُجرت پر بھرنا تو اس کا کوئی حرج نہیں۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے قربانی پر قصاب کی اجرت اور قرآن مجید کی طباعت وکتابت پر اُجرت۔ ابن عباس رضؓ سے کتابت قرآن کی بابت اجرت کا سوال ہوا تو فرمایا کوئی حرج نہیں۔ وہ نقوش کا عوض لیتے ہیں۔ مشکوۃ باب الکسب وطلب الحلال

لیکن صدقہ فطر ان کو اس کے عوض دینا جائز نہیں کیونکہ وہ زکوٰۃ کی طرح الگ فرض ہے۔ کسی شے کی اُجرت نہیں بنتا جو لوگ ان کو صدقہ فطر اس کے عوض دیتے ہیں۔ وہ صدقہ فطر نہیں لگتا۔

عبداللہ امرتسری روپڑ

۲۰ رجب ۱۳۵۷ھ۔ ۲۰ ستمبر ۱۹۳۸ء

فطرانہ کا مصرف کونسا بہتر ہے
گاؤں کے لوگ یا اسلامی مدرسہ

سوال:۔ ایک شخص کہتا ہے کہ فطرانہ کے دانے اسلامی مدرسہ کو دینا بہتر ہے۔ دوسرا کہتا ہے کہ گاؤں میں غریبوں کو دینا بہتر ہے۔ پہلا دلیل یہ دیتا ہے کہ گاؤں کے غریبوں کے پاس ایک یا دو یا دس بیگہ زمین ہے۔ مدرسہ کے پاس کوئی زمین نہیں۔ اس کا ثواب زیادہ ہے۔ دوسرا یہ دلیل دیتا ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ذوی القربیٰ والیتامیٰ والمساکین۔ جواب قرآن وحدیث سے دیں کہ کس کو دینے میں ثواب زیادہ ہے۔

جواب:۔ اس بارہ میں کئی باتیں دیکھنی چاہئیں۔ ایک یہ کہ گاؤں کے مسکین اگر ایسے غریب ہوں کہ مدرسہ سے بھی غربت میں بڑھ کر ہیں یہاں تک کہ بھوکے رہتے ہیں تو پھر وہ زیادہ حقدار ہیں۔ ورنہ مدرسہ زیادہ حقدار ہے۔

دوم یہ کہ گاؤں کے مسکینوں کی دینداری کیسی ہے اگر پورے پابند شریعت ہوں تو پھر ان کو کچھ دینا چاہیئے ورنہ نہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ لوگ عشر نہیں دیتے۔ اس لئے مدرسہ غریب رہتا ہے ورنہ مدرسہ بھی امیر ہو جائے

اور گاؤں کے لوگوں کی بھی ضرورتیں پوری ہوجائیں خدا توفیق دے۔ آمین

عبداللہ امرتسری روپڑ ۱۲ نومبر ۱۹۴۰ء

بچہ کی طرف سے صدقہ ادا کرنے میں کیا حکمت ہے؟

سوال :۔ اسلام میں بچہ کی طرف سے صدقۃ الفطر کیوں فرض ہوا۔ جب کہ بچہ عملاً صیام کا مکلف نہیں۔

جواب :۔ حدیث میں صدقہ فطر کی دو وجہیں آئی ہیں۔ روزوں کی طہارت۔ طعمہ مسکین۔ دوسری وجہ بچہ کے صدقہ فطر میں جاری ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

۷ جمادی الاول ۱۳۵۹ھ ۔ ۱۴ جون ۱۹۴۰ء

صدقہ فطر مسجد یا اس کے متعلقات پر صرف ہوسکتا ہے

سوال :۔ کیا صدقہ فطر مسجد کے غسل خانوں اور وضو والی سبیل پر خرچ ہوسکتا ہے۔

نواب دین ولد احمد دین ساکن لدھے والا ورکاں ضلع شیخوپورہ

جواب :۔ صدقہ غرباء اور مساکین کا حق ہے اور وقف سے امیر غریب سب فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اس لئے صدقہ فطر مسجد اور اس کے غسل خانوں یا وضو والی سبیل پر صرف نہیں ہوسکتا۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

۱۴ شوال ۱۳۸۳ھ ۔ ۲۸ فروری ۱۹۶۴ء

عید کے دن پیدا ہونے والے بچہ کا صدقہ فطر

سوال :۔ جو بچہ رمضان میں یا عید کے دن پیدا ہو یا مسافر جو کسی کے گھر آیا ہو ان کا صدقہ دیا جائے یا نہیں؟

جواب :۔ جو بچہ عید کا چاند چڑھنے سے پہلے پیدا ہو۔ اس کا صدقہ فطر ادا کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ حدیث میں صاف الفاظ ہیں کہ غلام۔ آزاد۔ مرد۔ عورت۔ چھوٹا۔ بڑا جو مسلمان ہو سب کی طرف سے صدقہ فطر ضروری ہے

اور دوسری حدیث میں اس کی وجہ یہ بیان فرمائی۔

زکوۃ الفطر طہرۃ للصائم من اللغو والرفث وطعمۃ للمساکین

یعنی صدقہ فطر روزے کے لئے لغو اور بے ہودہ باتوں سے طہارت اور مساکین کے لئے کھانا

بچہ کی طرف سے صدقہ فطر کی ایک وجہ ہے مساکین کے لئے کھانا۔ اور بڑے کی طرف سے صدقہ فطر کی دو وجہیں ہیں۔ ایک روزے کی طہارت، دوسرے مساکین کے لئے کھانا۔ اور جو بچہ عید کے دن پیدا ہو۔ اس پر صدقہ فطر نہیں۔ کیونکہ فطر کے معنیٰ افطاری کے ہیں وہ افطاری کے بعد پیدا ہوا ہے۔ صدقہ فطر اس کی طرف سے ضروری ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔

امام احمدؒ کے مذہب کے مطابق ادا کر دیا جائے تو مستحب ہے۔ واجب نہیں ہے۔ جو بچہ پیٹ میں ہو امام احمد رح اس کی طرف سے بھی صدقہ فطر ادا کرنے کو مستحب کہتے ہیں۔ (نیل الاوطار)

رہا مسافر کا صدقہ فطر تو وہ خود ادا کرے۔ میزبان پر اس کا صدقہ فطر نہیں۔ بعض لوگوں کو حدیث ادوا صدقۃ الفطر عمن تعولون سے شبہ پڑتا ہے کہ مہمان یا مسافر کا صدقہ بھی گھر والوں (میزبانوں) کے ذمہ ہے کیونکہ اس حدیث کا معنیٰ ہے صدقہ فطر اس کی طرف سے ادا کرو جس کی تم سرپرستی کرتے ہو۔ سرپرستی میں مہمان اور مسافر بھی آجاتا ہے کیونکہ ان کا کھانا گھر والوں کے ذمہ ہے لیکن یہ استدلال صحیح نہیں۔ اول تو یہ حدیث ضعیف ہے۔ چنانچہ نیل الاوطار جلد ۲ میں اس کی تصریح ہے۔ دوسرے سرپرستی سے مراد یہ ہے کہ اس کا عیال ہو۔ چنانچہ دوسری روایت میں اس کی جگہ عمن تعول کا لفظ ہے یعنی ان کی طرف سے صدقہ فطر ہے جو عیال ہوں۔ (دارقطنی)

عبداللہ امرتسری روپڑی ۲۹ رمضان المبارک ۱۳۸۳ھ

قربانی کا بیان

قرض یا ادھار لے کر قربانی کرنا

سوال :۔ قربانی کا جانور ادھار لے کر قربانی کریں تو جائز ہے یا نہیں۔ منیر الدین احمد

جواب :۔ ادھار قربانی کا کوئی حرج نہیں ۔ جیسے اور ضرورتیں انسان ادھار سے پوری کرتا ہے اسی طرح یہ بھی ایک ضرورت ہے ۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے بڑے بڑے دینی کام ادھار سے کئے ہیں ۔
مشکوٰۃ باب الافلاس میں ہے کہ ایک دفعہ آپ نے چالیس ہزار قرض اٹھایا ہ اور مشکوٰۃ باب الربا میں ہے کہ آپ کو ایک مرتبہ اُونٹوں کی ضرورت ہُوئی تو ایک ایک اونٹ دو دو کے عوض لیا ۔ اور حضرت عمرؓ دینی ہی ضرورتوں کی وجہ سے بڑے مقروض ہوگئے تھے ۔ چنانچہ فتح الباری میں ان کی شہادت کے واقعہ میں مذکور ہے قربانی تو ایک معمولی اُدھار ہے اس میں کیا حرج ہے ۔ ہاں اگر اُدھار لینے کے بعد اپنے قرضخواہ کو تنگ کرے اور وقت مقررہ پر ادا کرنے میں سُستی کرے تو اس سے عبادت کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے ۔ اِس لئے جو قرض نیک کام کے لئے لیا جائے اُس کی ادائیگی میں خصوصیّت سے احتیاط چاہیئے ۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

۲۸ ذیلقعدہ ۱۳۵۷ھ ۔ ۲۰ جنوری ۱۹۳۹ء

عیدالاضحیٰ کی نماز سے قبل ناخن کتروانا یا حجامت بنوانا

سوال :۔ اگر کوئی شخص قبل عیدالاضحیٰ کے صبح سورج نکلتے ناخن کتروالے یا حجامت بنوائے تو جائز ہے یا نہیں ۔ ؟

جواب :۔ حجامت قربانی کے بعد مسنون ہے ۔ کیونکہ قرآن مجید میں ہے ۔

ولاتحلقوا روسکم حتی یبلغ الھدی محلہ ۔

یعنی قربانی حلال ہونے سے پہلے سر نہ مونڈو ۔

دوسری جگہ قربانی کا ذکر کرکے فرمایا ۔

ثم لیقضوا تفثھم ۔ یعنی قربانی کے بعد میل کچیل پوری کریں ۔

مشکوٰۃ باب فی الاضحیہ میں حدیث ہے کہ آپ نماز عید پڑھ کر فارغ ہوئے تو قربانیوں کا گوشت دیکھا جو نماز سے فارغ ہونے سے پہلے ذبح کی گئی تھیں ۔ فرمایا جس نے نماز سے پہلے ذبح کیا وہ اس کی جگہ اور ذبح کرے ـــــــــ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غیر حاجیوں سے تقدیم و تاخیر ہو جائے تو معاف نہیں ہاں معاملہ طاقت سے باہر ہو جائے تو بحکم لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا معاف ہوسکتا ہے جیسے مکمل

حجامت بنوانے کے بعد قربانی یاد آئی تو اب دوبارہ حجامت بس کی بات نہیں۔ اس لئے جس حالت میں ہے قربانی کردے۔ خدا قبول کرنے والا ہے مگر یہ اس صورت میں ہے کہ قربانی سے پہلے حجامت حرام ہو۔ اگر حرام نہ ہو تو پھر حجامت کے بعد قربانی کرنے میں مستحب کا خلاف ہے قربانی میں کوئی خلل نہیں لیکن نیل الاوطار جلد ۴ صفحہ ۳۴۴ میں حرمت کو ترجیح دی ہے۔ اس لئے حتی الوسع قربانی سے پہلے حجامت بنوانے میں احتیاط چاہیئے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی ۱۴ ذی الحجہ ۱۳۵۳ھ

ذی الحجہ کا چاند چڑھنے کے بعد قربانی کے جانور کی اُون اُتارنا یا دُودھ دھونے کا مسئلہ

سوال:۔ قربانی کا جانور جو خاص قربانی کے واسطے خریدا جائے اور ذی الحجہ کے چاند میں اس کی اُون بالکل صاف کی جائے یعنی مُنڈی جائے تو جائز ہے یا نہیں۔ پشم اتارنے میں کوئی حرج ہے یا نہیں۔

صدرالدین امام مسجد بھگیاڑی ضلع شیخوپورہ

جواب:۔ ترغیب وترہیب میں ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا عَمِلَ اٰدَمِیٌّ مِنْ عَمَلٍ یَوْمَ النَّحْرِ اَحَبَّ اِلَى اللّٰهِ مِنْ اِهْرَاقِ الدَّمِ وَاِنَّهَا لَتَاْتِیْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ بِقُرُوْنِهَا وَاَشْعَارِهَا وَاَظْلَافِهَا وَاِنَّ الدَّمَ لَیَقَعُ مِنَ اللّٰهِ بِمَكَانٍ قَبْلَ اَنْ یَّقَعَ مِنَ الْاَرْضِ فَطِیْبُوْا بِهَا نَفْسًا۔

یعنی حضرت عائشہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بقرعید کے دن آدم کے بیٹے نے کوئی عمل نہیں کیا کہ قربانی سے زیادہ اللہ تعالےٰ کو پیارا ہو۔ اور قربانی قیامت کے دن سینگوں بالوں کھروں سمیت آئے گی۔ اور خون زمین پر پڑنے سے پہلے خدا کے پاس قبولیت کے مقام میں پہنچتا ہے پس قربانیوں کے ساتھ دل سے خوش رہو۔

اِس حدیث سے معلوم ہوا کہ قربانی کے بال نہیں کٹانے چاہیئں۔ جیسے سینگ وغیرہ۔ کیونکہ قیامت کے دن قربانی ان اشیاء کے ساتھ آئے گی۔ ہاں اگر قربانی کا جانور بہت مدت پہلے کا خریدا ہوا ہو۔ اور اون اتنی بڑی ہوگئی ہو کہ جانور کو تکلیف ہو تو پھر کاٹنے میں کوئی حرج نہیں مگر بقرعید کے دن سے اتنی پہلے کاٹے کہ

بقرعید کے دن تک کافی بڑھ جائے تاکہ اس حدیث کے مطابق ہو جائے۔ اِس صورت میں کاٹنے سے اِس حدیث کی مخالفت نہیں ہوگی۔ اور قربانی کا جانور تکلیف سے بھی محفوظ رہے گا۔ اور جو اُون اتار ہی جائے وہ صدقہ کر دینی چاہیئے کیونکہ قربانی کے ذبح ہونے سے پہلے قربانی کی کوئی شے استعمال کرنا شبہ سے خالی نہیں جو قربانی مکہ شریف میں بھیجی جاتی ہے۔ اس کی بابت حدیث میں آیا ہے کہ اگر رستہ میں رہ جائے تو اس کو ذبح کر دو۔ اور لوگوں کے لئے چھوڑ دو۔ تم اور تمہارے ساتھیوں سے کوئی نہ کھائے۔ (مشکوٰۃ باب الہدی)

اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شے للہ ہو جائے وہ وقت سے پہلے استعمال نہ کرنی چاہیئے۔ ہاں لاچاری کی حالت میں سواری کی اجازت ہے۔ چنانچہ مشکوٰۃ کے اِسی باب میں ہے۔

اِرْکَبْهَا بِالْمَعْرُوْفِ اِذَا اُلْجِئْتَ اِلَيْهَا حَتّٰى تَجِدَ ظَهْرًا۔

یعنی قربانی کے جانور پر سواری کے لئے مجبور ہو جائے تو سواری کرے حتیٰ کہ اور سواری مل جائے۔

قربانی کا دودھ

اِسی بنا پر امام مالک رحہ وغیرہم قربانی کے دودھ کی اجازت بھی نہیں دیتے۔

نیل الاوطار جلد ۴ میں ہے۔

واختلفوا ايضا فى اللبن اذا احتلب منه شيئا فعند العترة والشافعية والحنفية يتصدق به فان اكله تصدق بثمنه وقال مالك لا يشرب من لبنه فان شرب لم يغرم۔

یعنی قربانی کے دودھ میں بھی علماء کا اختلاف ہے۔ اہل بیت۔ شافعیہ۔ حنفیہ کہتے ہیں۔ جب کچھ دودھ دھوئے تو صدقہ کر دے۔ اگر کہیں پی ہو گیا تو اس کی قیمت صدقہ کرے۔ اور امام مالکؒ کہتے ہیں کہ پینے کی اجازت نہیں۔ لیکن اگر کوئی شخص پی لے تو اُس پر کچھ تاوان نہیں۔

خلاصہ یہ کہ ذبح سے پہلے قربانی کی کوئی شے اپنے استعمال میں نہ لائے۔ ذبح کے بعد استعمال میں لا سکتا ہے۔ گوشت کھا سکتا ہے۔ چمڑا استعمال کر سکتا ہے اور اُون وغیرہ چمڑے سے علیحدہ کر کے کوئی شے بنانی چاہیئے تو بنا سکتا ہے لیکن اُن میں کسی شے کو فروخت کر کے پیسے کھانے کی اجازت نہیں۔ چنانچہ حدیث میں چمڑوں وغیرہ کے فروخت کرنے سے صراحۃً منع فرمایا ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی ۲۴ صفر سنہ ۱۳۵۳ھ، ۷ جون سنہ ۱۹۳۴ء

قربانی کے جانور کی عمر

سوال:۔ صحیح مسلم کی حدیث لَا تَذْبَحُوْا اِلَّا مُسِنَّۃً میں لفظ مُسِنّہ کے لغوی اور شرعی معنیٰ کیا ہیں۔ بعض عالم کہتے ہیں کہ مسنہ کے معنیٰ دو دانت والا جانور ہے۔ برس دو برس کی کوئی قید نہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ دو برس کا ہو کر جو تیسرے سال میں لگا ہو۔ علاوہ ازیں کہ دانت ہوں یا دانت نہ ہوں۔ ان دونوں میں سے کونسا قول اَز رُوئے تحقیق صحیح وقابلِ قبول ہے۔

جواب:۔ مجمع البحار میں ہے۔

والمسنة تقع على البقرة والشاة اذا ثنيا ويثنيان فى السنة الثالثة وليس معنى اسنانها كبرها كالرجل المسن ولكن معناه طلوع سنها فى السنة الثالثة (جلد ۳ صفحہ ۱۴۸)

یعنی مسنہ کا لفظ گائے بکری دونوں پر بولا جاتا ہے جب کہ دانت نکالیں۔ اور گائے بکری دونوں تیسرے سال میں دانت نکالتی ہیں اور اُن کے مسنّہ ہونے سے عمر کا بڑا ہونا مراد نہیں۔ جیسے کہتے ہیں فلاں آدمی مُسن ہے یعنی بڑی عمر کا ہے بلکہ گائے بکری کے مسنّہ ہونے کے یہ معنیٰ ہیں کہ تیسرے سال میں اُن کے دانت نکلیں۔

نہایہ میں ہے۔

البقرة والشاة يقع عليهما اسم المسن ويثنيان فى السنة الثالثة وليس معنى اسنانها كبرها كالرجل المسن ولكن معناه طلوع سنها فى السنة الثالثة (جلد ۲ صفحہ ۲۰۰)

اِس عبارت کا ترجمہ اور مطلب بھی وہی ہے جو اُوپر مجمع البحار کی عبارت کا گزرا ہے۔

صحاح جوہری میں ہے۔

الثنى الذى يلقى ثنيه ويكون ذالك فى الظلف والحافر فى السنة الثالثة وفى الخف فى السنة السادسة وفى المحكم الثنى من الابل الذى القى ثنيه وذالك فى السادسة ومن الغنم الداخل فى السنة الثانية تيسا كان اوكبشا وفى التهذيب البعير اذا استكمل الخامسة وطعن فى السادسة فهو ثنى وهو ادنى مايجوز فى سن الابل فى الاضاحى وكذالك من البقر والمعزى فاما الضان فيجوز منها

الجذع فی الاضاحی وانما سمی البعیر ثنیا لانه القی ثنیته۔

(تاج العروس جلد ۱۰ صٓ۶۲)

ثنی اس کو کہتے ہیں جو اپنے دانت ڈال دے۔ بکری اور گھوڑا تیسرے سال میں ہوتا ہے۔ اونٹ چھٹے سال میں ہوتا ہے۔ اور محکم میں ہے۔ ثنی اونٹوں سے اس کو کہتے ہیں جو سامنے کے دانت ڈال دے اور جو چھٹے سال میں ہوتا ہے اور بکری میں دوسرے سال میں ہوتا ہے بکرا ہو یا دنبہ اور تہذیب میں ہے اونٹ جب پانچ سال ختم کر کے چھٹے سال میں قدم رکھتا ہے تو وہ ثنی ہے اور اس سے کم عمر کا اونٹ قربانی میں جائز نہیں۔ ہاں دنبہ جائز ہے خواہ وہ جذع ہو یعنی ثنی نہ ہوا ہو اور اونٹ وغیرہ کو ثنی اس لئے کہتے ہیں کہ اُس نے سامنے کے دانت ڈال دئے۔

فتح الباری میں ہے۔

وحکی ابن التین عن الداؤدی ان المسنة التی سقطت اسنانها للبدل قال اهل اللغة المسن الثنی الذی یلقی ویکون فی ذات الخف فی السنة السادسة وفی ذات الظلف والحافر فی السنة الثالثة وقال ابن فارس اذا دخل ولد الشاة فی السنة فهو ثنی ومُسِنّ (جز ۳ صٓ۳۲۸)

ابن التین نے داؤدی سے نقل کیا ہے کہ مسنہ وہ ہے جس کے سامنے کے دانت دوسرے دانت اُگنے کی خاطر گر جائیں۔ اہل لغت کہتے ہیں جو اپنے سامنے کے دانت ڈال دے اور یہ اونٹ میں چھٹے سال میں ہوتا ہے۔ اور بکری گائے میں تیسرے سال۔ اور ابن فارس کہتے ہیں جب بکری کا بچہ سال میں داخل ہو جائے جس کو ثنی بھی کہتے ہیں اور مسنہ بھی۔

ثنی وہ ہے جو سامنے کے دانت ڈال دے اور بکری۔ دنبہ گائے میں تیسرے سال ہوتا ہے اور اونٹ میں چھٹے سال۔

محکم میں ہے ثنی اُونٹوں سے وہ ہے جو سامنے کے دانت ڈال دے اور یہ چھٹے سال میں ہوتا ہے اور بکری دنبہ سے دوسرے سال میں ہوتا ہے اور تہذیب میں ہے کہ اونٹ جب پانچ سال پورے کر کے چھٹے میں داخل ہو تو ہوتا ہے۔

ان عبارتوں سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک یہ کہ مسنہ (ثنی) اُس کو کہتے ہیں جس کے دانت نکلیں۔

بغیر دانت نکلے مسنہ یا ثنی کہنا صحیح نہیں۔

دوسرے یہ کہ سالوں کی تعیین ملکوں کے لحاظ سے ہے۔ کیونکہ ان عبارتوں میں کہیں کہا ہے۔ گائے بکری تیسرے سال دانت نکالتی ہیں۔ کہیں کہا ہے۔ گائے بکری دوسرے سال دانت نکالتی ہے۔ چنانچہ ہمارے ملک میں بکری کے دانت دوسرے سال میں نکل آتے ہیں۔ اور اسی بنا پر امام احمدؒ وغیرہ نے دوسرے سال میں مسنہ یا ثنی کہا ہے اور امام شافعی رح وغیرہم نے تیسرے سال (عون المعبود جلد ۳)

پس اصل یہی ہے کہ دو دانت نکلے بغیر قربانی نہ کیا جائے۔ خواہ جانور سال سے اُوپر ہو اور خواہ کتنا موٹا تازہ ہو۔ ورنہ قربانی شکی ہوگی۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

۶ ذی الحجہ ۱۳۵۶ھ - ۲۲ مارچ ۱۹۳۴ء

قربانی میں شرکت

سوال :۔ گائے یا اونٹ کا ایک حصہ گھر کے تمام افراد کی طرف سے کافی ہوگا یا نہیں ؟ اس بارہ میں کوئی نص صریح ہے تو بیان فرمائیں۔

حافظ محمد علیؔ

جواب :۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رض اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَتَاہُ رَجُلٌ فَقَالَ اِنَّ عَلَیَّ بَدَنَۃً وَاَنَا مُوْسِرٌ وَلَا اَجِدُھَا فَاَشْتَرِیْھَا فَاَمَرَہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنْ یَّبْتَاعَ سَبْعَ شِیَاہٍ فَیَذْبَحُھُنَّ (رواہ احمد و ابن ماجۃ، منتقی)

یعنی ابن عباس رض سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا۔ اس نے کہا میرے ذمہ ایک بدنہ (اونٹ یا گائے کی قربانی) ہے اور میں صاحب وسعت ہوں۔ لیکن بدنہ میسر نہیں جو خرید لوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سات بکریاں خرید کر ذبح کر دے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک گائے یا اُونٹ سات بکریوں کے قائم مقام ہے۔ اور اس حدیث میں اگرچہ ضعف ہے۔ کیونکہ اس میں عطاء خراسانی راوی ہے جو ابن عباس رض سے روایت کرتا ہے۔ اس کی ابن عباس رض سے ملاقات نہیں لیکن ابن عباس رض کا فتوی اس حدیث کے موافق ہے۔ اس لئے یہ حدیث قوی ہوگئی۔

مسند احمد میں شعبہؒ سے روایت ہے۔

قال سمعت اباجمرۃ الضبعی قال تمتعت فنھانی ناس عن ذالک فاتیت ابن عباسؓ فسالته عن ذالک فامرنی بھا قال ثم انطلقت الی البیت فنمت فاتانی آت فی منامی فقال عمرۃ متقبلة وحج مبرور قال فاتیت ابن عباس فاخبرته بالذی رایت فقال اللہ اکبر اللہ اکبر سنّة ابی القاسم صلی اللہ علیه وسلّم و قال فی الهدی جزور اوبقرۃ اوشاۃ اوشرک فی دم (جلد اول ص۲۴۱)

یعنی شعبہؒ کہتے ہیں۔ میں نے اباجمرہ سے سنا۔ اس نے کہا میں نے حج تمتع کیا۔ یعنی عمرہ کر کے حلال ہو کر پھر حج کا احرام باندھا۔ لوگوں نے مجھے اس سے منع کیا۔ میں ابن عباس رضؓ کے پاس آیا اور پوچھا تو انہوں نے مجھے اس کا امر فرمایا۔ میں بیت اللہ میں پہنچا۔ وہاں مجھے نیند آگئی۔ خواب میں دیکھتا ہوں۔ ایک شخص مجھے کہتا ہے عمرہ مقبول ہے اور حج اخلاص والا ہے۔ میں ابن عباسؓ کے پاس آیا اور ان کو یہ خواب سنایا تو انہوں نے خوشی میں یا تعجب کے طور پر دو دفعہ اللہ اکبر کہا اور پھر کہا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی سنّت ہے اور قربانی کے بارہ میں فرمایا۔ ایک اونٹ ہے یا گائے یا بکری ہے یا اونٹ گائے میں حصہ ہے۔

اونٹ میں شرکت

ابن عباس رضؓ کے اس فتویٰ میں ایک حصہ کو بکری کے قائم مقام ذکر کیا ہے۔ اس کے علاوہ یہ جمہور کا مذہب ہے کہ اونٹ۔ گائے سات بکری کے قائم مقام ہے۔ صرف اختلاف اس میں ہے کہ اونٹ دس کی طرف سے بھی ہو سکتا ہے یا نہیں۔ امام اسحٰق بن راہویہ وغیرہ فرماتے ہیں۔ ہو سکتا ہے۔ دوسرے کہتے ہیں نہیں ہو سکتا۔ نیل الاوطار میں ہے۔

استدل به من قال عدل البدنة سبع شیاہ وھو قول الجمھور وادعی الطحاوی وابن رشد انه اجماع ویجاب عنھما بان الخلاف فی ذالک مشھور حکاہ الترمذی فی سننه عن اسحٰق بن راھویه وکذا فی الفتح وقال ھو احدی الروایتین عن سعید بن المسیب والیه ذھب ابن خزیمة (جلد ۴ ص۳۳۱)

جو اونٹ گائے کو سات بکریوں کے برابر کہتے ہیں۔ وہ ابن عباس رضؓ کی حدیث مذکور سے استدلال

کرتے ہیں۔ اور جمہور کا قول یہی ہے۔ اور طحاوی اور ابن رشد نے اس پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے لیکن یہ صحیح نہیں۔ کیونکہ اونٹ میں اختلاف مشہور ہے۔ ترمذی نے سنن میں اسحٰق بن راہویہ سے اس کو نقل کیا ہے کہ اونٹ دس کی طرف سے کافی ہے) فتح الباری میں بھی اس طرح ہے۔ نیز فتح الباری میں ہے کہ سعید بن مسیب سے بھی ایک روایت دس کی ہے اور ابن خزیمہ بھی اس طرف گئے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ اس میں شبہ نہیں کہ اونٹ اور گائے کا ایک حصّہ ایک بکری کا قائم مقام ہے۔ اب بکری کا حکم سُنیئے۔

عن عطاء بن یسار قال سالت ابا ایوب الانصاری کیف کانت الضحایا فیکم علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم قال کان الرجل فی عهد النبیّ صلی الله علیه وسلم یضحی بالشاة عنه وعن اهل بیته فیاکلون ویطعمون حتی تباهی الناس فصار کما تری۔ رواه ابن ماجة والترمذی وصححه۔

وعن الشعبی عن ابی سریحة حملنی اهلی علی الجفاء وبعد ما علمت من السنة کان اهل البیت یضحون بالشاة والشاتین والان یبخلون جیراننا رواه ابن ماجة (منتقی)

علی بن یسار کہتے ہیں۔ میں نے ابوایوب انصاری سے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے زمانہ میں تم میں قربانیاں کس طرح ہوتی تھیں۔ فرمایا آپؐ کے زمانہ میں ایک بکری ایک شخص سے اور اس کے اہل بیت سے کافی ہوتی تھی۔ خود کھاتے اور کھلاتے یہاں تک کہ لوگ فخر کرتے۔ مگر اب یہ حالت ہے جو تو دیکھتا ہے۔ اور شعبیؒ ابی سریحہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ سنت مان لینے کے بعد میرے اہل نے مجھے بے وقوفی پر آمادہ کیا۔ ایک گھر والے ایک (کبھی) دو بکریاں قربانی کرتے۔ اب ہمارے ہمسائے ہمیں بخیل بتاتے ہیں۔

ان روایتوں سے معلوم ہوا کہ ایک بکری ایک گھر کی طرف سے کافی ہے اور ایک حصہ بھی ایک بکری کے قائم مقام ہے۔ پس وہ بھی ایک گھر کی طرف سے کافی ہوگا۔ اس کے علاوہ ترمذی وغیرہ میں حدیث ہے۔ علی کل اهل بیت فی کل عام اضحیة۔ یعنی ہر گھر والوں پر سال میں ایک قربانی ہے۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ اونٹ گائے کا ایک حصہ ایک قربانی ہے۔ پس وہ ایک گھر والوں

کی طرف سے کافی ہوگا۔

نیز مشکوٰۃ وغیرہ میں ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ہم سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ تھے عیدالاضحیٰ آگئی۔ ہم سات گائے میں شریک ہوئے اور دس اونٹ میں۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ سفر میں ایک گھر کے سات سات آدمی بعید ہیں۔ اور یہ کسی روایت میں نہیں کہ انہوں نے گھر والوں کی طرف سے الگ قربانی کی۔ بلکہ اگر الگ کر سکتے تو شرکت کی ضرورت نہ تھی۔ پس اس سے بھی ثابت ہوا کہ اونٹ۔ گائے کا ایک حصہ ایک بکری کا حکم رکھتا ہے اور بکری کی طرح ایک گھر والوں کے لئے کافی ہے۔

مشکوٰۃ وغیرہ میں جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔ گائے بھی سات کی طرف سے ہے اور اُونٹ بھی سات کی طرف سے ہے۔ یہ ارشاد آپؐ کا عام ہے۔ اس میں ایک گھر کے سات آدمی کی شرط نہیں۔ پس جیسے یہ عام ہے ویسے عام ہی رہنا چاہئیے۔

نیز مشکوٰۃ وغیرہ میں جابرؓ سے روایت ہے کہ حج میں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ہمیں امر فرمایا کہ اونٹ گائے میں سات سات شریک ہوں۔ نیز جابر کہتے ہیں کہ عمرہ حدیبیہ میں ہم نے ستّر قربانیاں کیں ہر ایک میں سات سات شریک تھے۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ مختلف گھروں کے سات سات شریک ہوئے کیونکہ ستر گھر اور ہر گھر کے ذمہ وار سات سات آدمی حضر میں بھی بعید ہیں۔ سفر میں کس طرح تسلیم کئے جا سکتے ہیں۔

پس ثابت ہوا کہ اُونٹ گائے کا ایک حصہ ایک بکری کے قائم مقام ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

۲۱ ذی الحجہ ۱۳۵۳ھ ۲۷ مارچ ۱۹۳۵ء

قربانی میں سب حصّہ داروں کا اہل توحید ہونا

سوال :۔ گائے اور اونٹ کی قربانی میں جب سات آدمی شریک ہوں تو ان سب شرکاء کا مسلمان ہونا ضروری ہے یا نہیں ؟ اگر ساتوں کا مسلمان ہونا ضروری ہے تو اگر ایک کافر مشرک۔ قبر پرست وغیرہ چھ مسلمانوں کے ساتھ قربانی میں شامل ہو جائے تو قربانی قبول ہو جائے گی یا نہیں۔

عبدالقادر حصاری خطیب جامع اہلحدیث چک ۲۵۱ ای۔ بی ضلع منٹگمری

جواب:۔ جان ایک ہے چاہیئے تھا کہ ایک گائے ایک ہی کی طرف سے قربانی ہو۔ کیونکہ قربانی خون بہانے کا نام ہے۔ گوشت کے حصول کا نام قربانی نہیں۔ وہ تو انسان خود ہی کھالیتا ہے اور جان بکری دنبہ۔ گائے۔ اُونٹ کی ایک ہے۔ پس سات کے قائم مقام ہونا اللہ تعالےٰ کی مہربانی ہے۔ اِس لئے شریک بھی ایک ہی قسم کے ہونے چاہئیں یعنی سب مسلمان ہوں مشرک نہ ہوں۔ اور سب کی نیت قربانی کی ہو۔ ان میں سے کسی کی نذر کی یا عقیقہ وغیرہ کی۔ اِس لئے عقیقہ کے سات حِصّے ہونے میں شُبہ ہے۔ کیونکہ عقیقہ کے متعلق حدیث میں صراحت نہیں آئی۔ اور قربانی کے متعلق صراحت آگئی ہے کہ سات کی طرف سے ہو سکتی ہے

خلاصہ یہ کہ جو بات شریعت میں قیاس کے خلاف ہو وہ اسی مقام پر بند رہتی ہے کیونکہ جب علت معلوم نہیں تو اس کا حکم دوسری جگہ کس طرح جاری ہو سکتا ہے

عبداللہ امرتسری روپڑی

۲۲ صفر ۱۳۸۴ھ ۔ ۳ جولائی ۱۹۶۴ء

گائے اونٹ میں بغیر سفر کے حضر میں شرکت کا مسئلہ

سوال:۔ گائے اونٹ میں بغیر سفر کے حضر میں سات شخصوں کا اشتراک کس دلیل سے ثابت ہے۔

عبدالقادر حصاری

جواب:۔ منتقیٰ باب" ان البدنۃ من الابل والبقر عن سبع شیاہ و بالعکس" میں یہ حدیث ملاحظہ فرمائیں۔

عن ابن عباس ان النبیّ صلّی اللہ علیہ وسلّم اتاہ رجل فقال ان علی بدنۃ وانا موسر ولا اجدھا فاشتریھا فامرہ صلّی اللہ علیہ وسلّم ان یبتاع سبع شیاہ فیذبحھن۔ رواہ احمد وابن ماجۃ۔

یعنی ابن عباس رضؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے پاس آیا اُس نے کہا میرے ذمہ بدنہ یعنی قربانی ہے اور میں غنی ہوں اور بدنہ نہیں ملتی کہ میں اس کو خرید لوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ سات بکریاں خرید کر ذبح کرو۔ اس کو احمد اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔

اِس حدیث میں سفر کی کوئی شرط نہیں مطلق ہے۔ امام شوکانی رحؒ اس پر لکھتے ہیں کہ ابن ماجہ کی اسناد منقطع ہے۔ فرماتے ہیں۔ ولیشھد لصحتہ ما فی صحیح مسلم من حدیث جابر قال نحرنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عام الحدیبیۃ البدنۃ عن سبعۃ والبقرۃ عن سبعۃ۔

اور اس کی صحت کی شاہد جابرؓ کی وہ حدیث ہے جو صحیح مسلم میں ہے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حدیبیہ کے سال اونٹنی سات کی طرف سے ذبح کی اور گائے بھی سات کی طرف سے ذبح کی۔

اِس حدیث میں اگرچہ حدیبیہ کے سال کا ذکر ہے مگر امام شوکانی نے اس قید کا لحاظ نہیں کیا۔ اور اس کو ابن عباسؓ کی حدیث کا شاہد قرار دیا۔ اور نہ کسی اور نے سفر کی شرط لگائی ہے کیونکہ فعل سے شرط ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ یہ صرف جدّت پسند لوگوں کا اختراع ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی ۱۵ صفر ۱۳۸۴ھ، ۲۶ جون ۱۹۶۴ء

بھینسے کی قربانی کا مسئلہ

سوال:۔ کیا بھینسا (کٹا) قربانی کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ قرآن مجید پارہ ۸ رکوع ۴ میں ہے بھیمۃ الانعام کی چار قسمیں بیان کی گئی ہیں۔ دنبہ۔ بکری۔ اونٹ۔ گائے۔ بھینس۔ ان چار میں نہیں۔ اور قربانی کے متعلق حکم ہے بھیمۃ الانعام سے ہو۔ اس بنا پر بھینس کی قربانی جائز نہیں۔ ہاں زکوٰۃ کے مسئلہ میں بھینس کا حکم گائے والا ہے جیسے گائے تیس راس ہو جائیں اور وہ باہر چرتی ہوں اُن کا چارہ قیمتاً نہ ہو اُن میں ایک سال کا بچھڑا یا بچھڑی۔ اس طرح بھینس میں جب ان کی گنتی تیس ہو وہ باہر چرتی ہوں اُن کا چارہ قیمتاً نہ ہو تو ایک سال بچہ یا بچی زکوٰۃ ہے۔

(مؤطاء امام مالک باب ما جاء فی صدقۃ البقرۃ)

یاد رہے کہ بعض مسائل احتیاط کے لحاظ سے دو جہتوں والے ہوتے ہیں اور عمل احتیاط پر کرنا پڑتا ہے اُمّ المومنین سودہ رضؓ کے والد زمعہ کی لونڈی سے زمانہ جاہلیت میں عتبہ بن ابی وقاص نے زنا کیا۔ لڑکا پیدا ہوا جو اپنی والدہ کے پاس پرورش پاتا رہا۔ زانی مر گیا۔ اور اپنے بھائی سعد بن ابی وقاص کو وصیت کر گیا کہ زمعہ کی لونڈی کا لڑکا میرا ہے اس کو اپنے قبضہ میں کر لینا۔ فتح مکہ کے موقع پر سعد بن ابی وقاص نے اس لڑکے کو پکڑ لیا اور کہا یہ میرا بھتیجا ہے۔

زمعہ کے بیٹے نے کہا یہ میرے باپ کا بیٹا ہے۔ لہٰذا میرا بھائی ہے۔ اس کو میں لوں گا۔
مقدمہ دربارِ نبوی میں پیش ہوا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔

الولد للفراش وللعاهر الحجر (مشکوٰۃ باب اللعان فصل اول)

یعنی اولاد بیوی والے کی ہے اور زانی کے لئے پتھر ہیں (یعنی وہ ناکام ہے اور اس کا حکم سنگسار کیا جانا ہے۔

بچہ سودہ کے بھائی کے حوالہ کر دیا جو حضرت سودہ رضؓ کا بھی بھائی بن گیا۔ لیکن سودہؓ کو حکم فرمایا اس سے پردہ کرے۔ کیونکہ اس کی شکل وصورت زانی سے ملتی جلتی تھی جس سے شبہ ہوتا تھا کہ یہ زانی کے نطفہ سے ہے اس مسئلہ میں شکل وصورت کے لحاظ سے تو پردہ کا حکم ہوا اور جس کے گھر میں پیدا ہوا۔ اس کے لحاظ سے اس کا بیٹا بنا دیا۔ گویا احتیاط کی جانب کو ملحوظ رکھا۔ ایسا ہی بھینس کا معاملہ ہے اس میں بھی دونوں جہتوں میں احتیاط پر عمل ہوگا۔ زکوٰۃ ادا کرنے میں احتیاط ہے اور قربانی نہ کرنے میں احتیاط ہے اس بنا پر بھینسے کی قربانی جائز نہیں اور بعض نے جو یہ لکھا ہے کہ الجاموس نوع من البقر یعنی بھینس گائے کی قسم ہے یہ بھی اسی زکوٰۃ کے لحاظ سے صحیح ہو سکتا ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ بھینس دوسری جنس ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی
۴ ذی الحجہ ۱۳۸۳ھ - ۱۷ اپریل ۱۹۶۴ء

قربانی سے پہلے جانور کی اُون اتاری جائے تو اس کے استعمال کی صورت

سوال :۔ قربانی کے جانور کی اُون اتار کر اپنے استعمال میں لا سکتا ہے یا اس کا خیرات کرنا ضروری ہے

مولوی عبدالرحمٰن چک ۳۰ ڈاکخانہ جمیس آباد ضلع تھرپارکر (سندھ)

جواب :۔ قربانی کی کوئی چیز قربانی سے پہلے استعمال نہیں کر سکتا۔ اُون اوّلاً تو پہلے اتارنی نہیں چاہیئے اگر کسی مجبوری کی بنا پر اتاری جائے تو خیرات کر دے۔ کیونکہ حدیث میں ہے کہ جو قربانی مکہ نہ پہنچ سکے اور راستہ میں رہ جائے تو اس کو ذبح کر کے مسکینوں کے حوالہ کر دے نہ خود کھائے اور نہ اس کے ساتھی کھائیں۔
اس حدیث سے معلوم ہوا قربانی وقت سے پہلے قربانی کی کوئی چیز ذاتی ضرورت میں استعمال نہیں کر سکتا۔

عبداللہ امرتسری روپڑی ۴ ذی الحجہ ۱۳۸۳ھ ۱۷ اپریل ۱۹۶۴ء

قربانی کا جانور خرید کر خریدار کا اس میں اپنا حصہ رکھنا

سوال :۔ ایک شخص بیس روپے سے قربانی کے لئے جانور خرید کر لایا۔ اس میں ایک حصہ اپنا رکھ لیا اور باقی چھ حصہ بقیمت تیس روپے باقی چھ حصہ داران کے پاس فروخت کر دیئے۔ اپنی قربانی بھی کر لی۔ اور فائدہ دنیاوی بھی اٹھا لیا یہ جائز ہے یا نہیں۔

جواب :۔ قربانی نام ہے اللہ تعالےٰ کے لئے خون بہانے اور جان دینے کا اور یہ شے واحد ہے اس کے حصے نہیں ہو سکتے۔ اس لئے علماء نے لکھا ہے کہ ایک شخص کی نیّت گوشت کی ہو اور چھ شخصوں کی نیّت قربانی کی ہو تو کسی کی قربانی نہیں ہوگی۔ کیوں کہ خون بہانے اور جان دینے کی تقسیم نہیں ہو سکتی محض اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے خلاف قیاس ایک شئے کو سات کے قائم مقام کر دیا ہے۔ اور جو بات خلاف قیاس ہوتی ہے وہ اپنے محل پر بند رہتی ہے۔ اب جو شخص قربانی کا جانور خریدتا ہے اگر خریدنے کے وقت اس کی نیّت اس میں حصہ رکھنے کی نہ تھی بلکہ خیال تھا کہ یہ سارا جانور منافع پر فروخت کر دوں گا پھر اس کی قیمت پڑ گئی مثلاً بیس روپیہ کو خریدا تھا۔ تیس روپیہ قیمت پڑی چھ یا سات حصے پورے ہو گئے۔ ابھی مجلس سے جدا نہیں ہوئے کہ اس کا خیال ہوا کہ ایک حصہ میں رکھ لوں یہ تو ایسا ہی ہے جیسے سات شخص ایک جانور خرید کر قربانی کریں یا ایک شخص کے گھر کا جانور تھا اس میں ایک حصہ اپنا رکھ لیا اور اگر خریدنے کے وقت یا خریدنے کے بعد سودا ہونے سے پہلے اس کی نیت اس جانور میں حصہ رکھنے کی ہو گئی تو اس کے حصہ پر منافع نہ ہوا۔ اور چھ حصوں پر منافع ہوا تو یہ تقسیم کی صورت پیدا ہو گئی اس لئے یہ درست نہ ہوگی۔

اس کے علاوہ اللہ تعالےٰ خالص عمل کو قبول کرتا ہے۔ اس شخص کی نیّت میں خلوص نہیں کیونکہ پہلے سے اس کو یہ خیال ہوتا ہے کہ میرے حصے کے ٹکے مجھ پر نہ پڑیں دوسروں سے وصول کروں۔ گویا ظاہر باقی حصوں پر منافع لگاتا ہے اور درحقیقت اپنا فروخت کرتا ہے۔ پس ایسے شخص کے عمل میں خلل آگیا۔ اس لئے ناجائز ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

یکم ربیع الاول سنہ ۱۳۵۳ھ۔ ۱۴ جون سنہ ۱۹۳۴ء

امام سے پہلے قربانی کرنا

سوال :۔ مصفیٰ شرح موطاء میں ہے لایضحی قبل انصراف الامام۔ یعنی امام کے لوٹنے سے پہلے قربانی نہ کرو۔ اس میں حدیث ہے کہ ابا بردہ رضؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قربانی سے پہلے اپنی قربانی کردی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دوبارہ قربانی کرنے کا حکم دیا۔ عون المعبود میں ہے کہ اس میں اختلاف ہے کہ امام کی قربانی سے پہلے قربانی کی جائے تو ہوتی ہے یا نہیں۔ فیض الباری میں ہے کہ امام مالکؒ کا قول ہے کہ امام سے پہلے قربانی نہیں ہوتی۔ اور باقی اُمت کا اجماع ہے کہ اگر عید کے بعد قربانی کی جائے تو منظور ہو جاتی ہے۔ امام نے قربانی کی ہو یا نہ کی ہو۔ غرض یہ ہے کہ جب یہ حدیث موجود ہے تو پھر یہ اختلاف کیوں ہوا۔ اور اس میں سے معتبر کونسی بات ہے۔

جواب :۔ ابو ہریرہ والی روایت کئی کتابوں میں آئی ہے اس کے اکثر الفاظ اسی طرح نقل کئے ہیں کہ اُس نے نماز عید سے پہلے قربانی کرلی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو نماز عید کے بعد اور قربانی کرنے کی ہدایت فرمائی۔ اور پہلی کی بابت فرمایا کہ یہ گوشت کی بکری ہے قربانی نہیں لیکن چونکہ نماز عید امام کے ساتھ ہوتی ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز عید کے بعد متصل مصلی عید ہی میں قربانی کر دیا کرتے تھے (خواہ تعلیم کے لئے کی ہو یا مصلی عید میں کرنی سنّت ہو) اس بنا پر بعض روایتوں نے ابو بردہ رضؓ کے نماز سے پہلے قربانی کرنے کو یوں بیان کر دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے قربانی کی۔ اور اس سے بعض علماء کو دھوکا ہو گیا کہ امام سے پہلے قربانی نہ کرنی چاہیئے۔ ورنہ ابو بردہ رضؓ کی سب روایتوں ملا کر مطلب بنایا جائے تو کوئی اختلاف نہیں رہتا اور مطلب صاف ہے کہ نماز سے پہلے قربانی نہیں ہوتی بعد کرنی چاہیئے۔

عبد اللہ امرتسری روپڑ

یکم ربیع الاوّل ۱۳۵۳ھ۔ ۱۴ جون ۱۹۳۴ء

قربانی کے جانور کی ٹانگ ٹوٹ گئی، اُس کی قربانی کا مسئلہ

سوال :۔ ایک شخص نے قربانی کا جانور خرید رکھا ہے۔ سال بھر پہلے اس کی تقدیراً ٹانگ ٹوٹ گئی۔ اس کی قربانی جائز ہے نہیں ؟

جواب:۔ لنگڑے کی قربانی سے حدیث میں ممانعت آئی ہے۔اس لئے جائز نہیں۔ ہاں قربانی کے وقت کو پہنچ کر لنگڑا ہو جائے تو کوئی حرج نہیں۔ قرآن مجید میں ہے۔ ولا تحلقوا رؤسکم حتی یبلغ الهدی محله یعنی اپنے سر نہ منڈاؤ یہاں تک کہ قربانی اپنے حلال ہونے کی جگہ یا حلال ہونے کے وقت کو پہنچ جائے۔

اِس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ قربانی جب حلال ہونے کے وقت کو پہنچ جائے تو وہ ایسی ہو جاتی ہے کہ گویا وہ ہو ہی گئی۔ اگرچہ دیدہ دانستہ قربانی ذبح ہونے سے پہلے سر منڈانا جائز نہیں لیکن کوئی غلطی سے منڈا لے تو قربانی میں خلل نہیں آتا۔ چنانچہ مشکوٰۃ باب الحلق صفحہ ۲۳۲ میں صراحۃً آیا ہے جس کی وجہ یہی ہے کہ قربانی وقت کو پہنچ کر کی ہوئی کے شمار میں ہے۔ پس ایسی حالت میں اس میں کوئی عیب پیدا ہو جائے تو اس کا کوئی حرج نہیں مثلاً عید پڑھنے کے بعد سینگ یا ٹانگ ٹوٹ جائے یا آنکھ پھوٹ جائے تو یہ قربانی کو مضر نہیں۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے ذبح کے وقت گرانے سے یا دبانے سے کوئی نقصان پہنچ جائے۔

بعض کا خیال ہے کہ جب جانور قربانی کے لئے نامزد ہو جائے تو پھر عیب پیدا ہونے کا کوئی حرج نہیں۔ لیکن اول تو اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ دوم لازم آتا ہے کہ زیادہ بیمار ہو کر ذبح تک نوبت پہنچ جائے تو قربانی ہو جائے حالانکہ وقت سے پہلے قربانی کا کوئی بھی قائل نہیں نیز جو لوگ حج کو قربانیاں ساتھ لے جاتے ہیں اگر کوئی قربانی رستہ میں رہ جائے تو اس کو ذبح کر کے لوگوں کے لئے یعنی مساکین کے لئے چھوڑ دے اور یہ اس کے رفقاء سے کوئی نہ کھائے۔

اس سے معلوم ہوا کہ وقت سے پہلے قربانی نہیں بلکہ صدقہ ہے اگر قربانی ہوتی تو نہ مساکین کے لئے خاص ہوتی اور نہ اس کو اور اس کے رفقاء کو رکاوٹ ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ اگر ضروری قربانی ہو تو اس کے عوض اس کو اور کرنی پڑتی ہے۔ اگر نفلی ہو تو پھر وہی کافی ہے۔ چنانچہ ترمذی میں ہے۔ کیونکہ نفلی محض زیادہ ثواب حاصل کرنے کی خاطر کی جاتی ہے۔ سو ثواب خدا تعالیٰ دے دیتا ہے جیسے رمضان میں عمرہ کرنے سے حج کا ثواب مل جاتا ہے مگر حج کا فرض ادا نہیں ہوتا۔ اس طرح وقت سے پہلے قربانی کا ثواب مل جاتا ہے قربانی نہیں ہوتی۔

نیز بہت لوگ چھوٹی عمر کا جانور لے کر قربانی کے لئے نامزد کر دیتے ہیں تو کیا باوجود چھوٹی عمر کے وہ قربانی سمجھ لیا جائے گا؟ ہرگز نہیں۔ پس صحیح یہ ہے کہ وقت سے پہلے قربانی نہیں ہوتی اور جب قربانی نہ ہوئی تو اس میں جو عیب پیدا ہوا وہ قربانی بننے سے پہلے پیدا ہوا۔ پس وہ ایسا ہو گیا جیسے قربانی خریدنے سے پہلے عیب ہو۔

اگر کہا جائے کہ جانور قربانی کے لئے نامزد کرنے سے قربانی نہیں بنتا تو پھر نامزد کرنے کے بعد اپنے کسی

اور مصرف میں اس کا استعمال جائز ہونا چاہیئے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ نامزد کرنے کے بعد یہ جانور معلق ہو جاتا ہے۔ اگر قربانی تک پہنچ گیا تو قربانی بن گیا۔ اگر ورے اس کے دن پورے ہو گئے تو صدقہ بن گیا جیسے ابھی حدیث سے معلوم ہوا۔ اس لئے اس کو اپنے کسی اور مصرف میں نہیں لا سکتا۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

۱۰ ذی الحجہ ۱۳۵۴ھ ۴ مارچ ۱۹۳۶ء

قربانی کے جانور میں کان اور سینگ کی شرط

سوال:۔ حدیث میں ہے قربانی کے جانور کے کان، سینگ صحیح سالم ہوں لیکن بعض علماء کہتے ہیں کان آدھے سے کم کٹا ہو یا سینگ آدھے سے کم ٹوٹا ہو تو قربانی میں کوئی حرج نہیں۔ کیا یہ کہنا صحیح ہے۔

شیخ محمد یعقوب نیو کلاتھ مارکیٹ لائل پور

جواب:۔ ہاں صحیح ہے۔ حضرت علیؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعضب القرن والاذن۔ جانور قربانی کرنے سے منع فرمایا ہے۔ حضرت قتادہ رضؓ فرماتے ہیں۔ میں نے سعید بن مسیبؒ سے اس کا ذکر کیا۔ تو انہوں نے فرمایا اعضب سے مراد نصف یا نصف سے زیادہ کان کٹا یا سینگ ٹوٹا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب جانور کا آدھا یا آدھے سے زیادہ سینگ ٹوٹا یا کان کٹا ہو وہ قربانی کرنا منع ہے۔ آدھے سے کم ہو تو پھر گنجائش ہے لیکن حکم کٹے ہوئے کان کا ہے اگر کان چرا ہوا ہو یا اس میں سوراخ ہو تو پھر کان کے خواہ کسی حصہ میں ہو۔ ایسا جانور ذبح کرنا شبہ سے خالی نہیں۔ اس لئے اس میں احتیاط چاہیئے۔ بہتر یہی ہے کہ بالکل صحیح سالم اور باشرائط ہو تاکہ قربانی ایسا عمل شک وشبہ سے بالاتر ہو۔ تھن مرا دم کٹی۔ دانت ٹوٹا یا پیٹھ ایک طرف جھکی ہو تو کوئی حرج نہیں۔

نوٹ:۔ سینگ کا خول (ٹوپی) اُتر جائے تو جائز نہیں۔ کیونکہ ٹوپی سینگ پر ہوتی ہے۔ لہٰذا وہ ٹوٹے ہوئے کے حکم میں ہوگا۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

۱۸ ذی الحجہ ۱۳۸۳ھ۔ یکم مئی ۱۹۶۴ء

قربانی کے دنوں میں عورت کنگھی کر سکتی ہے

سوال :۔ قربانی کے دنوں میں عورت کنگھی کرے یا نہ ؟

جواب :۔ حدیث میں ہے کہ جس شخص کی نیت قربانی کی ہو وہ حجامت نہ کرائے (خواہ مرد ہو یا عورت)
اور ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص قربانی نہ کر سکے وہ بھی حجامت نہ کرائے اس کو بھی قربانی کا ثواب ملے گا۔ کنگھی
کا کوئی ذکر نہیں۔ ہاں کنگھی میں تھوڑے بہت بال اکھڑتے ہیں۔ اس لئے احتیاط بہتر ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی ۹ محرم ۱۳۶۰ھ ۶ فروری ۱۹۴۱ء

قربانی کا جانور عید سے پہلے مر جائے یا ذبح کیا جائے تو اُس کا کیا حکم ہے؟

سوال :۔ اگر قربانی کا جانور یوم النحر سے ایک دن پہلے بقضاء الٰہی مر جائے یا مرتے ہُوئے کو ذبح کر لیا
جائے تو اس کا کیا حکم ہے ؟

جواب :۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے مکہ شریف قربانیاں بھیجیں۔ اور جس کے ساتھ بھیجیں اس کو کہا
کہ جو ان سے رہ جائے اُسے ذبح کر کے چھوڑ دے۔ تُو اور تیرے ساتھیوں سے کوئی نہ کھائے (مشکوٰۃ باب الہدی)
اس حدیث کی شرح میں علماء نے لکھا ہے کہ یہ صدقہ ہے اس لئے اس کو اور اس کے ساتھیوں کو منع کیا ہے
مطلب آپؐ کا یہ تھا کہ اس کو مساکین کے حوالہ کر دو۔
اس سے معلوم ہوا کہ قربانی کا جانور وقت سے پہلے مساکین کا حق ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے۔ کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے نمازِ عید سے فارغ ہوتے ہی قربانیوں کا گوشت دیکھا تو فرمایا۔ جس نے نمازِ
عید سے پہلے ذبح کیا ہے وہ اُس کی جگہ دوسری قربانی کرے (مشکوٰۃ)
اس سے معلوم ہوا کہ جس کا قربانی کا جانور عید سے پہلے مر جائے یا مرتے وقت ذبح کر لیا جائے اس کو
نئی قربانی کرنی پڑے گی۔ کیونکہ قربانی عید کے بعد ہوتی ہے پہلے نہیں ہوتی۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

۱۴ صفر ۱۳۵۷ھ ۱۵ اپریل ۱۹۳۸ء

قربانی پہلے دن افضل ہے یا سارے دن برابر ہیں

سوال :۔ قربانی پہلے دن کرنی افضل ہے لیکن اگر قربانی موجود ہو تو اس خیال سے دوسرے تیسرے یا چوتھے دن قربانی کرے کہ اگر میں نے آج ہی قربانی کر دی تو گوشت خراب ہو جائے گا کیونکہ پہلے دن بہت لوگ قربانی کرتے ہیں۔ گوشت لینے کوئی نہیں آتا۔ قربانی باری باری کریں تاکہ گوشت کام آجائے مثال کے طور پر ایک گاؤں میں اٹھارہ قربانیاں ہیں اور ایک ہی دن قربانی کریں تو لوگوں سے گوشت کھایا نہیں جاسکتا۔ اگر روزانہ چار چار پانچ پانچ کرتے رہیں تو گوشت کئی دن کھایا جاسکتا ہے۔ اب جو گوشت کی نیت سے دوسرے تیسرے یا چوتھے روز قربانی کرے گا کیا اس کو افضلیت کا درجہ ملے گا یا نہیں یا قربانی پہلے ہی دن افضل ہے گوشت خراب ہو یا نہ۔ مولوی محمد ادریس چک ۲۸۱ خلیل پورہ براستہ پکانانا

جواب :۔ قربانی پہلے دن افضل ہے باقی دنوں میں جائز ہے۔ اگر جواز کے ساتھ کوئی اور چیز مل جائے تو باقی دنوں میں بھی افضل ہو سکتی ہے۔ مثلاً یہ نیت ہو کہ گوشت غریبوں میں تقسیم کیا جائے تاکہ ان کی کئی دن گذر اوقات ہو جائے یا تیرہ تاریخ کو قربانی اس نیت سے کرے کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ تیرہ تاریخ کو بھی قربانی صحیح ہے تو ہو سکتا ہے کہ دوسرے دنوں میں بھی وہی فضیلت ہو جو پہلے دن میں ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جائز پر عمل کرنے میں بھی فرض واجب کا ثواب ملتا تھا۔ کیونکہ آپؐ کے ذمہ تبلیغ ہے جو قول سے بھی ہوتی ہے اور فعل سے بھی ہوتی ہے۔ تبلیغ کی فضیلت مل کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ثواب فرض واجب کے برابر ہو جاتا تھا۔ اس اصول سے قربانی کے باقی دن پہلے دن کے برابر ہو سکتے ہیں پس صورت مسئولہ کو اس طرح سمجھ لیں۔ اور اگر محض اپنا ہی مفاد پیش نظر ہو تو انما الاعمال بالنیات کی بنا پر باقی دنوں میں قربانی جائز تو ہو سکتی ہے مگر افضل نہیں۔

عبداللہ امرتسری روپڑی جامعہ اہلحدیث چوک دالگراں لاہور ۴ ذی الحجہ ۱۳۸۳ھ۔ ۱۷ اپریل ۱۹۶۴ء

قربانی کے دن

سوال :۔ کتنے دن قربانی ہو سکتی ہے۔ با دلائل بیان فرمائیں۔

جواب :۔ قربانی دس۔ گیارہ۔ بارہ۔ تیرہ چار دن ہیں۔ منتقیٰ میں ہے

عن سلیمان بن موسیٰ عن جبیر بن مطعم عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم

کل ایام التشریق ذبح رواہ احمد وھو للدارقطنی من حدیث سلیمان بن موسیٰ عن عمرو بن دینار وعن نافع بن جبیر عن جبیر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم نحوہ۔

یعنی سلیمان بن موسیٰ نے جبیر بن مطعمؓ سے روایت کی ہے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا۔ آپ نے فرمایا کہ تمام کے تمام تشریق کے دن قربانی کے ہیں۔ اور یہ حدیث دارقطنی میں سلیمان بن موسیٰ نے عمرو بن دینار سے اور نافع بن جبیر سے انہوں نے جبیر سے۔ اور اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح کی حدیث بیان کی ہے۔

اِس حدیث سے ظاہر ہے کہ ایامِ تشریق قربانی کے دن ہیں۔ اور عید کے دن کے علاوہ گیارہ۔ بارہ۔ تیرہ تین دن ہیں تو گویا قربانی تیرہ تاریخ تک جائز ہے۔ اس حدیث کے متعلق خیر المدارس کے مفتی نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے کہ یہ حدیث منقطع ہے۔ اور اس کے ثبوت میں بحوالہ نیل الاوطار علامہ ابن قیم کی عبارت نقل کی ہے۔ لا یثبت وصلہ۔ یعنی اس حدیث کا موصول ہونا ثابت نہیں۔ مگر مفتی صاحب نے یہاں خیانت کی ہے۔ ابن قیم کی جرح تو نقل کر دی مگر اس کا جواب نقل نہیں کیا امام شوکانی نے لکھا ہے

ویجاب عنہ بان ابن حبان وصلہ وذکرفی صحیحہ کما سلف

اس کا جواب یہ ہے کہ ابن حبان نے اس حدیث کو موصول ذکر کیا ہے اور اپنی صحیح میں اس کو روایت کیا ہے اس کے علاوہ ابن القیم نے زاد المعاد جلد اول میں تیرھویں تاریخ کو قربانی کے جواز کی ایک وجہ یہ لکھی ہے کہ حدیث ادخار (جس میں تین دن سے گوشت کا ذخیرہ کرنا منع تھا) سے تیرھویں تاریخ کو ذخیرہ کرنا ثابت ہو گیا تو تیرھویں کو قربانی کی ممانعت بھی نہ رہی۔

حضرت علی رضؓ کا یہ قول بھی اس کا موید ہے کہ قربانی کے دن عید کا دن ہے اور تین دن اس کے بعد ہیں حسن بصری رحؒ، عطاء بن ابی رباح۔ امام اوزاعی۔ امام شافعی رحؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔

خلاصہ یہ کہ جبیر بن مطعم کی حدیث قابلِ عمل ہے۔ خاص کر جب اس کے راوی ابن جریج بھی ہیں جو نہایت ثقہ ہیں۔ اور ابن قیم نے لکھا ہے کہ منیٰ کے دنوں میں قربانی کا مسئلہ دو مختلف سندوں سے مروی ہے۔ جو ایک دوسری کو تقویت دیتی ہیں۔ ایک جبیر بن مطعم کی روایت ہے اور دوسری اسامہ بن زید کی روایت ہے جو بواسطۂ عطاء جابر سے روایت کرتے ہیں تو گویا جبیر بن مطعم کی حدیث کو جابر رضؓ کی حدیث سے بھی تقویت پہنچ گئی پس یہ مسئلہ

پختہ ہوگیا کہ تیرھویں تک قربانی جائز ہے۔ عبداللہ امرتسری روپڑی ۲۶ ذیقعدہ ۱۳۸۳ھ ۱۰ اپریل ۱۹۶۴ء

چرم قربانی مساجد کی تعمیر اور فرش میں لگ سکتے ہیں

سوال :۔ چرم قربانی کی قیمت اگر مساجد کی تعمیر و فرش وغیرہ میں لگائی جائے تو یہ درست ہے یا نہیں۔

عبدالحمید جلالی دارالعلوم عربیہ شکراوہ ڈاکخانہ ننگواں ضلع گوڑ گانواں

جواب :۔ قربانی کے چمڑے مساجد کی تعمیر وغیرہ میں نہیں لگ سکتے کیونکہ قربانی کے چمڑے قربانی کے گوشت کا حکم رکھتے ہیں۔ اور ایک حدیث میں ہے۔ من باع جلد اضحیتہ فلا اضحیۃ لہ (ترغیب ترہیب ۱۸۹) جس نے قربانی کا چمڑہ فروخت کیا اُس کی قربانی نہیں۔ پس جیسے گوشت فروخت کر کے اُس کی قیمت مسجد وغیرہ میں نہیں لگ سکتی۔ یہی حکم قربانی کے چمڑے کا ہے۔ ہاں قربانی کا گوشت اور اُس کا چمڑہ صدقہ کرنا ثابت ہے چنانچہ مشکوٰۃ وغیرہ میں حدیث ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضہ کو گوشت اور چمڑے جھولیں وغیرہ کے صدقہ کرنے کا امر فرمایا۔ اب جس پر صدقہ کیا ہے وہ جو مرضی ہو کرے۔ خود کھائے۔ بیچے یا کسی اور استعمال میں لائے۔ اگر یہ فروخت کر کے قیمت مسجد میں دینا چاہے تو اس کا کوئی حرج نہیں کیونکہ جس پر صدقہ ہو وہ اس میں ہر طرح کا تصرف کر سکتا ہے اور اس کا حکم پہلا نہیں رہتا بلکہ بدل جاتا ہے۔ چنانچہ مشکوٰۃ میں بریدہؓ کی حدیث ہے کہ جو گوشت بریرہ رضہ پر صدقہ ہوا تھا اُس کی نسبت آپؐ نے فرمایا کہ یہ بریرہؓ پر صدقہ ہے اور ہمارے لئے ہدیہ ہے گویا جس پر صدقہ ہوا۔ اس کی ملک میں آنے کے بعد اس کا حکم صدقہ کا نہیں رہتا۔ ٹھیک اس طرح قربانی کو سمجھ لینا چاہیئے قربانی وہیں تک قربانی ہے جب تک صدقہ نہیں کی۔ جب صدقہ کر دی تو اب اس کا حکم وہی صدقہ والا ہے۔ یعنی جیسے صدقہ مسکین کی ملک میں ہو جاتا ہے۔ اور وہ جس طرح چاہے اس میں تصرف کر سکتا ہے خواہ کھائے یا بیچے صدقہ کی طرح قربانی کا حکم ہے۔ ——— خلاصہ یہ کہ صاحب قربانی کو فروخت کرنے کی اجازت نہیں مسکین جو مرضی ہے کرے اگر اتفاقیہ صاحب قربانی نے قربانی کا چمڑہ فروخت کر لیا ہو تو اس کی قیمت اس کو کھانی جائز نہیں۔ جیسے قربانی کا گوشت فروخت کر کے پیسے کھانے جائز نہیں۔ کیونکہ اس میں قربانی کی بے حرمتی ہے اور اس صورت میں قربانی قربانی نہیں رہتی بلکہ قصائی کی بکری کی طرح گوشت کی بکری بن جاتی ہے۔ اور نہ یہ پیسے مسجد پر لگ سکتے ہیں۔ کیونکہ مسجد میں بھی اس کا حق برابر کا ہے تو گویا وہ پیسے پھر اس کے استعمال میں آئے۔ پس سوا اس کے کوئی صورت نہیں کہ ان کو صدقہ کرے ہاں اگر چمڑا قربانی فروخت کئے بغیر مسجد میں استعمال کر لیا جائے جیسے مسجد کے کوئیں کا ڈول بنا لیا جائے یا نماز

کے لئے مصلی بنا لے تو اس کا کوئی حرج معلوم نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہ ایسا ہی ہے۔ جیسے گوشت خود کھاتا ہے اور کھلاتا ہے۔ عبداللہ امرتسری روپڑی ۲۳ جمادی الاول ۱۳۵۷ھ ۲۲ جولائی ۱۹۳۸ء

قربانی کا جانور بلا وجہ فروخت کرنا

سوال:۔ دو بکریاں قربانی کی نیت سے لائی جائیں۔ ایک قربانی کردی جائے۔ اور دوسری بلا کسی عیب کے ارادۃً واپس کردی جائے۔ اس کی قربانی نہ کی جائے کیا ایسا کرنا جائز ہے؟ یا اگر اس جانور کی قیمت کے برابر رقم کسی مدرسہ، مسجد، یتیم خانہ وغیرہ کار خیر میں دے دی جائے تو کیا قربانی کے حق سے سبکدوش ہو سکتے ہیں۔ اور اس کا ثواب قربانی کے ثواب کے برابر ہو سکتا ہے؟ (منشی یوسف اینڈ سنز برہان پور سی پی)

جواب:۔ حدیث میں ہے۔

عن حکیم بن حزام ان رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم بعث معه بدینار لیشتری له به اضحیة فاشتری کبشا بدینار و باعه بدینارین فرجع فاشتری اضحیة بدینار فجاء بها و بالدینار الذی استفضل من الاخری فتصدق رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم بالدینار فدعا له ان یبارك له فی تجارته۔ رواہ الترمذی و ابوداؤد (مشکوٰۃ باب الشرکة)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے حکیم بن حزام کو قربانی خریدنے کے لئے ایک دینار دے کر بھیجا۔ اس نے ایک دینار سے ایک دنبہ خرید کر اُس کو دو دینار سے فروخت کر دیا پھر ایک دینار سے ایک دنبہ خرید لیا۔ پس رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک دینار اور ایک دنبہ لے کر آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دینار صدقہ کر دیا اور اس کے لئے تجارت میں برکت کی دعا کی۔

منافع کا یہ دینار آپ نے اس لئے صدقہ کر دیا کہ یہ اُس قربانی کے دینار سے حاصل ہوا تھا۔ جس کے قربانی میں صرف کرنے کی نیت کر چکے تھے۔

پس اس سے معلوم ہوا کہ جس شئے کی نیت للہ ہو جائے وہ گھر میں صرف نہیں ہو سکتی۔ قربانی کا وقت چونکہ گذر گیا اب ویسے صدقہ کر دے اور اپنی کوتاہی کی بابت خدا سے معافی مانگے۔ مشکوٰۃ باب الهدی میں حدیث ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے سولہ قربانیاں دے کر ایک شخص کو مکہ معظّمہ بھیجا۔ اس شخص نے کہا یا رسول اللہ جو جانور راستہ میں رہ جائے اُس کو کیا کروں؟ فرمایا ذبح کر کے اس کی نعلین خون میں رنگ کر اسکے۔ منہ کے

ایک طرف ڈال دے (تاکہ لوگ قربانی سمجھ کر کھالیں) تو اور تیرے ساتھیوں سے کوئی نہ کھائے۔ چونکہ یہ جانور قربانی کے لئے متعین ہو چکا تھا۔ اس لئے یہ نہیں کہا کہ فروخت ہو سکے تو فروخت کر دے ورنہ ذبح کر و پس جو جانور قربانی کے لئے متعین ہو جائے وہ فروخت نہ کرنا چاہیئے اور یہ بات ظاہر ہے کہ قربانی سے پہلا وقت اور بعد کا وقت اس بات میں یکساں ہے کہ دونوں قربانی کے وقت نہیں۔ پس جیسے قربانی کے وقت سے پہلے جانور کو ذبح کر کے لوگوں کے لئے چھوڑ دینے کا حکم ہے خود یا اس کے ساتھی نہیں کھا سکتے۔ اسی طرح بعد کو کرنا چاہیئے جانور ذبح کر کے لوگوں میں تقسیم کر دے۔ نہ خود کھائے۔ نہ اپنے دوستوں کو کھلائے۔ اگر قربانی کا جانور غلطی سے فروخت کر لیا ہے تو اس کے پیسے صدقہ کر دے۔ عبداللہ امرتسری مقیم روپڑ ضلع انبالہ ۱۲ محرم ۱۳۵۲ھ

باپ کو قربانی کی کھال دینا

سوال:۔ ایک شخص کا باپ محتاج و غریب ہے۔ وہ شخص قربانی کی کھال اپنے باپ کو دیتا ہے۔ کیا یہ درست ہے؟

جواب:۔ باپ کو صدقہ کے طور پر تو نہیں دے سکتا۔ کیونکہ باپ اگر تنگ ہے تو اس کا خرچ بیٹے کے ذمہ ہے۔ ہاں ہدیہ کے طور پر باپ کو دے سکتا ہے۔ اور اس کے لئے غریب ہونے کی شرط نہیں

عبداللہ امرتسری روپڑی

غیر مذاہب والے کو قربانی کا گوشت دینا

سوال:۔ قربانی کا گوشت غیر مذہب کے فقیر لوگ مانگنے آتے ہیں۔ ان کو قربانی کا گوشت دینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ قربانی کا گوشت غیر مذاہب والے کو سوال کی صورت میں دے سکتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے واما السائل فلا تنھر (سائل کو نہ جھڑک) اگر سوال نہ کرے تو ویسا دینا اچھا نہیں۔ حدیث میں ہے لا یا کل طعامك الا تقی (مشکوۃ) یعنی تیرا کھانا پرہیزگار ہی کھائے۔ عبداللہ امرتسری روپڑی

۱۹ ربیع الاول ۱۳۵۷ھ ۲۰ مئی ۱۹۳۸ء

امام مسجد کو قربانی کی کھالیں دینا

سوال:۔ امام مسجد کو قربانی کی کھالیں دینا جائز ہے یا نہیں۔ باقر جھوک دادو طور چک ۲۷۸

جواب:- امام اگر مسکین ہو تو اس حیثیت سے چمڑہ قربانی ، عشر وغیرہ اس کو لگ سکتا ہے اگر عوض سمجھ کر دیا جائے تو نہیں لگ سکتا ۔ مثلاً دوسری جگہ دینے سے اُس کے امامت چھوڑ دینے کا خطرہ ہو ۔ اگر اس وجہ سے اُس کو دیا جائے تو وہ امامت کا عوض ہے ۔ پس اس امامت میں نہ دینا چاہیئے ۔ خواہ مسکین ہی ہو کیونکہ چمڑے قربانی کا فروخت کرنا یا کسی شے کے عوض دینا منع ہے ۔

ابوہریرہ رضؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ۔

من باع جلد الاضحیۃ فلا اضحیۃ لہ رواہ البیھقی (رحمۃ المھداۃ فصل دبع مشکوۃ باب الھدی)

یعنی جو قربانی کا چمڑہ فروخت کرے اس کی قربانی نہیں ہوتی ۔

اور مشکوۃ کے اس باب میں ہے ۔ حضرت علی رضؓ فرماتے ہیں ۔

- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ میں قربانیوں کے گوشت ان کے چمڑے جھولیں سب صدقہ کردوں ۔ اور قصاب کو ان میں سے کچھ نہ دوں ۔ فرمایا ہم ان کو اپنے پاس سے دیں گے ۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قربانی کا گوشت چمڑہ کسی شے کی اُجرت میں نہ دینا چاہیئے اور امامت کے عوض تو کوئی اَور شے بھی لینی دینی جائز نہیں تو قربانی کے چمڑے وغیرہ امامت کے عوض لینے دینے دو وجہوں سے نا جائز ہوئے ۔

ایک اس وجہ سے کہ امامت کے عوض کچھ لینا دینا درست نہیں ۔ دوم قربانی کے چمڑے وغیرہ ۔ کسی چیز کا عوض بننے کی صلاحیت نہیں رکھتے ۔ پس اب امام کو چمڑے وغیرہ دینے کی صرف یہی صورت باقی رہ گئی کہ جیسے عام مسکینوں کو دئے جاتے ہیں اس طرح اس کو دے سکتے ہیں ۔ اس کی کوئی خصوصیت نہیں ہونی چاہیئے ۔ مثلاً اگر وہ امام ہو تو اس کو دیا جائے اگر امام نہ ہو تو اس کو نہ دیا جائے ۔ اس قسم کا دینا عوض شمار ہوتا ہے ۔ اس طرح اگر یہ خیال ہو کہ نہ دیا تو امامت چھوڑ دے گا یا ناراض ہو جائے گا ۔ تو اس حالت میں دینا بھی عوض ہے ۔ غرض حتی الوسع اس معاملہ میں احتیاط برتنی چاہیئے ۔ ایسا نہ ہو کہ قربانی ہی ضائع ہو جائے ہاں ایک صورت جواز کی نکل سکتی ہے وہ یہ کہ امام بچے بھی پڑھائے اور گاؤں میں بیت المال ہو ۔ جس میں عشر ۔ زکوٰۃ چمڑے قربانی کے اور دیگر صدقات و خیرات جمع ہوتے ہوں اور اس بیت المال سے تعلیم پر نہ امامت پر اس کی کچھ تنخواہ مقرر کردی جائے تو اس طریق سے لینا شرعاً درست ہے کیونکہ یہ اُجرتِ تعلیم ہے

نہ کہ اُجرت امامت۔

عبد اللہ امرتسری از روپڑ ضلع انبالہ
۱۴ ربیع الاول ۱۳۵۸ھ ۵ مئی ۱۹۳۹ء

قربانی کے گوشت کی تقسیم

سوال :۔ قربانی کے گوشت کی تقسیم کا کیا حکم ہے چونکہ ہماری طرف یہ رواج ہے کہ گوشت کے تین حصے کر کے دو حصے صاحب قربانی کو دیا جاتا ہے اور ایک حصہ سردار اپنے پاس رکھتا ہے۔ بایں کیف جب کل بستی والے کا جمع ہو جاتا ہے، تب سردار جمع شدہ گوشت کو بستی کے امراء و غرباء پر برابر تقسیم کرتا ہے اب ایک شخص کہتا ہے کہ یہ تقسیم کی صورت جائز نہیں کیونکہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے فکلوا منھا واطعموا البائس الفقیر اور حدیث کلوا و تصدقوا وادخروا یعنی کھاؤ صدقہ کرو اور جمع کرو سے تین حصے کرنا ثابت ہوا، مگر صورتِ مذکورہ اس کے خلاف ہے کیونکہ جمع شدہ حصہ کو اگر تم نے صدقہ کیا تو پھر واپس کیوں کیا۔ اگر صدقہ نہیں کیا تو حدیث کے خلاف ہے۔

جواب :۔ اس طرح تقسیم کرنے کا کوئی ثبوت نہیں اس کو ہمیشہ کے لئے مقرر کر لینا جیسے ایک شرعی حکم ہوتا ہے۔ بدعت ہے اور اپنا دیا ہوا واپس لینا صدقہ کی صورت میں حرام ہے، اور بقیہ صدقہ کے سردار کو کوئی حق نہیں کہ لے۔ کیونکہ وہ بیت المال کے متولی ہونے کی حیثیت سے لیتا ہے اور بیت المال اس مجموعہ کا نام ہے جو شرعی طور پر لیا جائے۔

عبد اللہ امرتسری روپڑی
۱۲ محرم ۱۳۵۶ھ ۔ ۲۶ مارچ ۱۹۳۷ء

قربانی کے چمڑے صدقہ کرنا

سوال :۔ قربانی کے چمڑے صدقہ کئے جائیں یا فروخت کئے جائیں۔؟

جواب :۔ منتقیٰ میں حضرت عائشہ سے حدیث ہے وہ فرماتی ہیں۔ عید الاضحیٰ کے موقع پر کچھ لوگ باہر سے آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو فرمایا۔ تین دن سے زیادہ قربانیوں کا گوشت ذخیرہ نہ کرو۔ تین دن کے بعد باقی صدقہ کر دو۔ جب دوسرا سال آیا تو لوگوں نے کہا۔ یا رسول اللہ ہم قربانیوں کی کھالوں

سے مشکیں بناتے، ان میں چربی پگھلا کر ڈالتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ اس کہنے سے تمہارا کیا مطلب ہے؟ لوگوں نے کہا، آپ نے تین دن سے زیادہ قربانیوں کا گوشت کھانے کی ممانعت کر دی ہے۔ فرمایا لوگ باہر سے آئے تھے۔ ان کی خاطر میں نے یہ حکم دیا تھا۔ اب بے شک تین دن سے زیادہ کھاؤ۔ ذخیرہ کرو اور صدقہ کرو۔

نیز منتقی میں قتادہ بن نعمان سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کھڑے ہوئے اور فرمایا میں نے تمہیں حکم دیا تھا کہ تین دن سے زیادہ قربانیوں کا گوشت نہ کھاؤ تاکہ تم سب کو پہنچ جائے اور اب میں تمہارے لئے تین دن سے زیادہ حلال کرتا ہوں پس جب تک چاہو کھاؤ اور صدقہ کرو اور ان کے چمڑوں سے فائدہ اٹھاؤ، اور فروخت نہ کرو۔ اور اگر دوسرا کوئی تمہیں قربانی کا گوشت کھلائے تو جیسے چاہو کھاؤ کم یا زیادہ ہر طرح سے اجازت ہے۔

پہلی حدیث سے معلوم ہوا کہ قربانی کے گوشت اور چمڑے کا ایک ہی حکم ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے تین دن سے زیادہ گوشت قربانی سے منع فرمایا تو صحابہؓ نے چمڑوں کی مشکیں بنانی بھی ترک کر دیں اگر قربانی کا چمڑہ گوشت کا حکم نہ رکھتا تو وہ مشکیں بنانی ترک نہ کرتے جیسے گوشت سے نہی ہے۔ چمڑے سے نہی ہے۔ اس طرح گوشت کے صدقہ کا ارشاد چمڑے کے صدقہ کا ارشاد ہے۔ اگر یہ شبہ ہو کہ جس کو صدقہ دیا ہے وہ فروخت کرے گا تو جواب یہ ہے کہ کوئی حرج نہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے حجۃ الوداع میں جو ہدی (قربانیاں) دی تھیں ان کے چمڑے وغیرہ صدقہ کر دیئے تھے چنانچہ دوسری حدیث میں ہے۔ کہ چمڑوں سے فائدہ اٹھاؤ، اور ان کو فروخت نہ کرو۔ اور چونکہ چمڑے عموماً دینے کی شے ہیں، گھر رکھنے کی شے نہیں۔ کیونکہ اگر کوئی گھر فائدہ اٹھاتا ہے تو رنگ کر اٹھاتا ہے اور رنگنا ہر شخص جانتا نہیں۔ پھر رنگنے کی محنت بھی کافی ہے۔ اس سے خیال ہو سکتا تھا کہ شاید چمڑوں کو فروخت کر کے فائدہ اٹھانا ناجائز ہو اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے چمڑوں کی بابت خصوصیت کے ساتھ فرمایا کہ ان سے ویسے فائدہ اٹھاؤ فروخت نہ کرو۔ ورنہ اس فرمانے کی ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ جب گوشت کے فروخت کرنے سے نہی کر دی تو اس سے چمڑوں کا فروخت کرنا بھی منع ہو گیا۔ چنانچہ صحابہؓ نے تین دن سے زیادہ گوشت رکھنے کی نہی میں چمڑوں کو بھی داخل سمجھا اور اس لئے ان کی مشکیں بنانی ترک کر دیں۔ نیز گوشت کے فروخت کرنے سے اس لئے منع فرمایا کہ قربانی کی بے حرمتی ہو کر قصاب کی بکری کی طرح نہ ہو جائے۔ سو یہی وجہ چمڑے کی ممانعت کے لئے کافی ہے۔ پھر کیا ضرورت ہوئی کہ چمڑے کی بابت آپ نے الگ نہی فرمائی۔ یہی کہ چمڑے عموماً دینے

کی شے ہے۔ اس سے فروخت کے جواز کا شبہ ہوتا تھا۔ پس ثابت ہوا چمڑوں سے فائدہ اٹھانے کا ارشاد اور فروخت سے ممانعت اس بناء پر نہیں کہ ان کو صدقہ نہ کرنا چاہیئے یا ان کا حکم حج عمرہ کی قربانی کا نہیں بلکہ مقصود صرف مذکورہ شبہ کا دفعیہ ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

۶ ذی الحجہ ۱۳۵۲ھ ۔ ۲۲ مارچ ۱۹۳۴ء

قربانی کے چمڑے آہستہ آہستہ مساکین پر خرچ کرنا

سوال :- کیا جماعت قربانی کے چمڑے سال بھر آہستہ آہستہ مساکین پر خرچ کر سکتی ہے ؟

جواب :- انفرادی طور پر تھوڑا تھوڑا خرچ کرنا درست نہیں۔ جماعتی بیت المال میں جمع کروا دیا جائے تو پھر جماعت کو اختیار ہے جس طرح چاہے خرچ کرے کیونکہ چمڑا فروخت کر دیا جائے تو اس کی قیمت قربانی کرنے والا گھر نہیں رکھ سکتا۔ اگر تھوڑا تھوڑا خرچ کرنے کی صورت میں خدانخواستہ پہلے مر گیا تو اس کے ذمہ بوجھ رہ گیا۔ اس لئے ضروری ہے کہ یک لخت دے خواہ بیت المال میں دے یا کسی مسکین کو دے۔ بہر حال اپنے قبضہ سے نکال دے چنانچہ زکوٰۃ کی بابت بھی یہی مسئلہ ہے کہ اس کو اپنے پاس نہیں رکھ سکتا۔ عبداللہ امرتسری روپڑی

قربانی کے چمڑوں سے مبلغین و مدرسین کو تنخواہ دینا

سوال :- کیا انجمن اسلامیہ بوجہ غربت مدرس مدرسہ اسلامیہ کی تنخواہ یا غریب اور نادار طلبا کی کتب اور خوراک وغیرہ یا جلسہ ہائے علماء میں قربانی کے چمڑوں کو خرچ کرنے کا شرعاً مجاز رکھتی ہے۔ اور مبلغین کو بطور ہدیہ کے چمڑے ہائے قربانی دیئے جا سکتے ہیں ؟

سائل محمد عبدالرحمٰن

سیکرٹری انجمن اہلحدیث امین والہ ڈاکخانہ دھرمکوٹ ۔ ضلع فیروزپور

جواب ۔ لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا الآیۃ اس آیت سے پہلے صدقات کا ذکر ہے۔ پھر فرمایا کہ یہ صدقات ان فقیروں کے لئے ہیں جو خدا کے راستہ میں بند ہیں۔ زمین میں سفر نہیں کر سکتے۔ یعنی تجارت وغیرہ نہیں کر سکتے کیونکہ سفر کرنے سے دین کا کام بند ہو جاتا ہے۔ حدیث میں قربانی کے چمڑوں کی بابت صدقہ کرنے کا حکم آیا ہے اور اس آیت میں صدقات کے مستحق

یہ لوگ بتائے ہیں جو فی سبیل اللہ محصور ہیں۔ ان میں طالب علم۔ مدرسین۔ مبلّغین بھی شامل ہیں۔ سوال کی صورت میں جن لوگوں کا ذکر ہے اُن پر قربانی کے چمڑے لگ سکتے ہیں۔

عبداللہ امرتسری مقیم روپڑ ضلع انبالہ ۶ جون ۱۹۳۶ء

جنازہ کا بیان

تلقین میّت[1]

سوال :۔ کیا مردہ کو دفن کے بعد قبر پر کھڑے ہوکر تلقین کرنی درست ہے؟ امام شوکانی نے جو اس کو بدعت کہا ہے۔ اور مطلقاً احادیث ضعیفہ کو متروک العمل قرار دینا محدّثین میں سے یہ کس کا مذہب ہے۔ حالانکہ محدّثین صحاح ستّہ کئی جگہ احادیث ضعیفہ پر باب باندھتے ہیں اور ان سے استدلال کرتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض اوقات حدیث مردود المعانی ہوتی ہے، اور مقبول المعانی ہوتی ہے۔

جواب :۔ حدیث تلقین کی بابت صاحب سبل السلام لکھتے ہیں۔

ویتحصل من کلام ائمة التحقیق انه حدیث ضعیف والعمل به بدعة ولا یغتر بکثرة من یفعله (سبل السّلام ص۲۰۳)

یعنی ائمہ محققین کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے اور اس پر عمل کرنا بدعت ہے اور بہت لوگوں کے فعل سے دھوکا نہ کھانا چاہیئے۔ کیونکہ اکثر دنیا بھیڑ چال ہے۔

امام عراقی کہتے ہیں۔ الفاظ جرح کے پانچ درجے ہیں۔

پہلا درجہ یہ ہے کہ راوی مطعون کے حق میں کہا جائے کذّاب یہ راوی بہت جھوٹا ہے یا کہا جائے وضّاع یعنی اپنی طرف سے حدیثیں بنا کر رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی طرف منسوب کر دیتا ہے۔

دوسرا درجہ یہ ہے کہ راوی کو کہا جائے متہم بالکذب۔ اس راوی کو کذب کی تہمت لگی ہے یا یوں کہیں

---

[1] یعنی میت کو دفن کرکے اس کی قبر پر کھڑے ہو کر اس کو منکر نکیر کے جوابات کی تلقین کرنا (یاد دہانی کرانا)

متہم بالوضع اس راوی کو حدیثیں وضع کرنے کی تہمت لگی ہے یا یوں کہیں ھالک۔ یا یوں کہیں متروک یا یوں کہیں ساقط۔

تیسرا درجہ یہ ہے کہ راوی کو کہیں مردود الحدیث یا کہیں ضعیفا جدا یا یہ کہیں واہ۔ ان قسموں سے نہ تو احتجاج کیا جاتا ہے اور نہ ہی استشہاد و اعتبار (تائید) میں ان کی حدیث لی جاتی ہے۔

چوتھا درجہ یہ ہے کہ راوی کو کہا جائے ضعیف الحدیث یا یُوں کہا جائے منکر الحدیث یا اس طرح کہا جائے مضطرب الحدیث۔

پانچواں درجہ یہ ہے کہ راوی کو کہا جائے وفیہ ضعف یا اسی طرح کہا جائے وھو سَیّئُ الحفظ یا یوں کہا جائے لیس بالقوی یا یوں کہا جائے ھولین یا اس کو ایسا کہیں فیہ اَدْنیٰ مقال ان پچھلے دو درجوں کی حدیث اخذ بھی کی جاتی ہے اور اعتبار و استشہاد کے واسطے اس میں نظر بھی کی جاتی ہے۔

شیخ ابن الہمام تحریر فرماتے ہیں جو حدیث راوی کے فسق کے سبب ضعیف ہو وہ متعدد سندوں سے قبل احتجاج نہیں ہو سکتی (حاشیہ شرح نخبہ)

حدیث تلقین چونکہ اخیر کے دو درجوں سے نہیں اس لئے اس پر عمل بدعت ہے۔ اگر یہ کچھ قابلِ عمل ہوتی تو خیر قرون میں اس پر کیوں عمل نہیں ہُوا۔ کیا اس وقت حاجت نہ تھی یا کوئی مردہ دفن نہ ہوتا تھا یا ان کو اس پر عمل کا شوق نہ تھا۔ جب یہ سب باتیں مفقود ہیں تو اس حدیث کی حقیقت واضح ہے کہ یہ بالکل ساقط ہے قابل عمل نہیں۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

۲۴ ربیع الاول ۱۳۵۹ھ ۔ ۳ مئی ۱۹۳۹ء

خاوند اور بیوی کا ایک دوسرے کو غسل دینا

سوال:۔ ایک عورت مرگئی۔ اس کو اس کے خاوند نے غسل دیا۔ باوجودیکہ اس کی قریبی عورتیں اس مجمع میں موجود تھیں۔ ایسی موجودہ صورت میں اس کے خاوند کا اس عورت کو غسل دینا شرعاً جائز ہے یا نہیں۔؟

جواب:۔ خاوند بیوی کو غسل دے سکتا ہے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو حضرت علیؓ نے غسل دیا تھا۔

منتقی میں ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ رض قَالَتْ رَجَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ جَنَازَةٍ بِالْبَقِيْعِ وَاَنَا اَجِدُ صُدَاعًا فِيْ رَاْسِيْ وَاَقُوْلُ وَارَاْسَاهُ فَقَالَ بَلْ اَنَا وَارَاْسَاهُ مَا ضَرَّكِ لَوْ مُتِّ قَبْلِيْ لَغَسَّلْتُكِ وَكَفَّنْتُكِ ثُمَّ صَلَّيْتُ عَلَيْكِ وَدَفَنْتُكِ رواه اَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَةَ وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا كَانَتْ تَقُوْلُ لَوِ اسْتَقْبَلْتُ مِنَ الْاَمْرِ مَا اسْتَدْبَرْتُ مَا غَسَّلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَّا نِسَاءُهُ رواه احمد وابوداؤد وابن ماجة وَقَدْ ذَكَرْنَا اَنَّ الصِّدِّيْقَ اَوْصٰى اَسْمَاءَ زَوْجَتَهُ اَنْ تَغْسِلَهُ فَغَسَّلَتْهُ۔ (باب ما جاء فی غسل احد الزوجین للآخر)

یعنی عائشہ رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص کے جنازہ سے لوٹے اور میرے سر میں درد ہو رہا تھا۔ اور میں ہائے ہائے کر رہی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بلکہ میرے سر میں درد ہوتا ہے۔ اگر تو مجھ سے پہلے مرجاتی تو میں تجھے غسل دیتا اور کفن دیتا۔ پھر تجھ پر نماز جنازہ پڑھتا اور تجھے دفن کرتا۔

نیز عائشہ رضؓ سے روایت ہے فرماتی تھیں۔ اگر ہمیں پہلے خیال آتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی بیویوں کے سوا کوئی غسل نہ دیتا۔ اور حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے وفات کے وقت اپنی بیوی اسماء کو وصیت کی کہ وہ غسل دے۔ پس اس نے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کو غسل دیا۔

نیل الاوطار میں ہے۔

فِيْهِ دَلِيْلٌ عَلٰى اَنَّ الْمَرْاَةَ يَغْسِلُهَا زَوْجُهَا اِذَا مَاتَتْ وَهِيَ تَغْسِلُهُ قِيَاسًا وَبِغُسْلِ اَسْمَاءَ لِاَبِيْ بَكْرٍ كَمَا تَقَدَّمَ وَعَلِيٍّ لِفَاطِمَةَ كَمَا اَخْرَجَهُ الشَّافِعِيُّ وَالدَّارَقُطْنِيُّ وَاَبُوْ نُعَيْمٍ وَالْبَيْهَقِيُّ بِاِسْنَادٍ حَسَنٍ وَلَمْ يَقَعْ مِنْ سَائِرِ الصَّحَابَةِ اِنْكَارٌ عَلٰى عَلِيٍّ وَاَسْمَاءَ فَكَانَ اِجْمَاعًا (جلد ۳ ص۲۵)

یعنی اس میں دلیل ہے کہ مرد اپنی عورت کو غسل دے سکتا ہے اور عورت بھی اسی دلیل سے خاوند کو غسل دے سکتی ہے کیونکہ خاوند بیوی کا ایک پردہ ہے۔ جیسے مرد عورت کو دیکھ سکتا ہے۔ عورت مرد کو دیکھ سکتی ہے۔ نیز اسماء حضرت ابوبکر رضؓ کی بیوی نے حضرت ابوبکر رضؓ کو غسل دیا اور حضرت علی رضؓ

نے حضرت فاطمہ رض کو غسل دیا۔ اور صحابہ رض سے کسی نے اس پر انکار نہیں کیا۔ پس اس پر صحابہ رض کا اجماع ہوگیا کہ خاوند بیوی ایک دوسرے کو غسل دے سکتے ہیں۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

بیٹا ماں کو غسل دے سکتا ہے؟

سوال: والدہ کی میت کو اس کے بیٹے نے غسل دیا۔ باوجودیکہ اس کے بیٹے کی بیوی موجود تھی۔ ایسی صورت میں بیٹے کا ماں کو غسل دینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

جواب: سبل السلام میں ہے۔

واما فی الاجانب فانہ اخرج ابوداؤد فی المراسیل من حدیث ابی بکر بن عیاش عن محمد بن ابی سھل عن مکحول قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا ماتت المرأۃ مع الرجال لیس فیھم امراۃ غیرھا والرجل مع النساء لیس معھن رجل غیرہ فانھما ییممان و یدفنان وھما بمنزلۃ من لا یجد الماء انتھیٰ محمد بن ابی سھل ھذا ذکرہ ابن حبان فی الثقات وقال البخاری لا یتابع علی حدیثہ وعن علی علیہ السلام قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تبرز فخذک ولا تنظر الی فخذ حیی ولا میت رواہ ابوداؤد وابن ماجۃ وفی اسنادہ اختلاف (ص ۱۹۳)

یعنی مکحول کہتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب عورت مر جائے اور کوئی دوسری عورت وہاں نہ ہو یا مرد مر جائے اور کوئی دوسرا مرد وہاں نہ ہو تو تیمم کر کے دفن کر دئے جائیں۔ اور حضرت علی رض کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اپنی ران ننگی نہ کر اور کسی کی ران کی طرف نہ دیکھ خواہ زندہ ہو یا مردہ۔

اس سے معلوم ہوا کہ خاوند بیوی کے سوا کوئی مرد عورت کو اور کوئی عورت مرد کو غسل نہ دے۔ جس شخص نے ماں کو غسل دیا ہے۔ اس نے بہت برا کیا

عبداللہ امرتسری از روپڑ ضلع انبالہ

۲۸ محرم سنہ ۱۳۵۳ھ - ۵ مئی سنہ ۱۹۳۴ء

شیعہ واہلِ بدعت کا جنازہ

سوال :۔ شیعہ اور دیگر اہل بدعت کا جنازہ جائز ہے یا نہیں۔؟

جواب :۔ شیعہ کے کئی فرقے ہیں۔ایک زیدی کہلاتے ہیں۔ وہ حضرت ابوبکرؓ و دیگر صحابہؓ کو گالی نہیں دیتے۔ نہ ان کو منافق کہتے ہیں بلکہ صرف حضرت علیؓ کو حضرت ابوبکرؓ و دیگر صحابہؓ پر فضیلت دیتے ہیں۔ تو ایسے شیعہ کافر نہیں۔ اُن کا جنازہ اگر کوئی پڑھ لے تو کوئی حرج نہیں لیکن پڑھنا اچھا نہیں کیونکہ لوگوں کے دلوں میں ان کی نفرت نہیں رہتی بلکہ ان کو اچھا سمجھنے لگ جاتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم تنبیہ کے لئے مقروض کا جنازہ نہیں پڑھتے تھے۔ زیدی شیعہ تو اس سے کئی درجہ بُرے ہیں۔ ان کا جنازہ بطریق اولیٰ نہ پڑھنا چاہیئے۔ اور جو شیعہ حضرت ابوبکرؓ وغیرہ کو گالی دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں ان کا ایمان منافقانہ تھا تو ایسے شیعہ کافر ہیں۔ اور کافروں کی بابت قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَھُمَا عَلَی الْکَافِرِیْنَ (المص رکوع ۶)

یعنی کافروں پر اللہ تعالےٰ نے جنت حرام کر دی ہے

اِسی طرح مشرک کی بابت فرمایا ہے۔

اِنَّہٗ مَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰہِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ الْجَنَّۃَ (سورہ مائدہ رکوع ۲)

یعنی جو شرک کرے اس پر اللہ تعالےٰ نے جنت حرام کر دی۔

جب جنت حرام ہے تو نماز جنازہ کاہے کے لئے ہوگی۔

دوسری آیت میں ہے۔

مَاکَانَ لِلنَّبِیِّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَنْ یَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِکِیْنَ وَلَوْ کَانُوْا اُولِیْ قُرْبٰی مِنْ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَھُمْ اَنَّھُمْ اَصْحَابُ الْجَحِیْمِ ہ (پارہ ۱۱ رکوع ۳)

یعنی نبی کے لئے اور ایمان والوں کے لئے لائق نہیں کہ مشرکوں کی بابت بخشش مانگیں۔ خواہ ان کے رشتہ دار ہوں جب ان کو معلوم ہو گیا کہ وہ دوزخی ہیں۔

اس آیت میں مشرکوں کے لئے بخشش نہ مانگنے کی وجہ یہ بتائی ہے کہ وہ دوزخی ہیں۔ یعنی ان کو دوزخ سے کسی وقت نجات نہیں۔ پس جس شخص کی کسی وقت نجات کی اُمید نہ ہو اس کے لئے بخشش کی دعا کرنی

منع ہے۔ اور شیعہ مذکور چونکہ کافر ہے اس لئے اس کی نجات کی بھی اُمید نہیں۔ پس اس کی بابت بھی بخشش کی دعا منع ہے۔

حدیث میں ہے۔

اَلْقَدَرِیَّۃُ مَجُوْسُ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ اِنْ مَرِضُوْا فَلَا تَعُوْدُوْھُمْ وَاِنْ مَاتُوْا فَلَا تَشْھَدُوْھُمْ۔ رواہ احمد و ابوداؤد (مشکوۃ باب الایمان بالقدر)

یعنی تقدیر سے انکار کرنے والے اس اُمّت کے مجوسی ہیں۔ اگر بیمار ہو جائیں تو ان کی بیمار پرسی نہ کرو۔ اگر مر جائیں تو ان کے کفن دفن اور جنازہ میں حاضر نہ ہو۔

جیسے تقدیر کے منکروں کو اس حدیث میں اس اُمّت کے مجوس قرار دیا ہے۔ اس طرح شیعہ کو ایک اور حدیث میں اس اُمّت کے نصاریٰ قرار دیا ہے۔ مشکوٰۃ باب مناقب علی رضہ میں حدیث ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت علی رضہ کو فرمایا۔ تیری عیسٰی علیہ السّلام کی مثال ہے۔ یہود نے اس سے بغض رکھا یہاں تک کہ اُن کی ماں پر بہتان باندھا۔ اور نصاریٰ نے ان سے محبت کی یہاں تک کہ ان کو اس مرتبہ تک پہنچا دیا جو اس کے لائق نہ تھا۔ یعنی ایک بغض میں ہلاک ہو گئے ایک محبّت میں۔ حضرت علی رضہ نے فرمایا مجھ سے محبّت میں افراط کرنے والا بھی ہلاک ہو جائے گا اور مجھ سے بغض رکھنے والا بھی ہلاک ہو جائے گا۔ جس کو میرا بغض بہتان پر آمادہ کرتا ہے۔ سو یہ پیشگوئی پوری ہو گئی۔ خارجی حضرت علی رضہ سے بغض رکھتے ہیں گویا کہ وہ اس اُمّت کے یہود ہیں۔ اور شیعہ محبّت میں افراط کرتے ہیں یہاں تک کہ ان کی محبّت کی وجہ سے حضرت ابوبکر رضہ سے بغض رکھتے ہیں تو گویا کہ اس اُمت کے نصاریٰ ہوئے۔ پس جیسے قدریہ کا جنازہ جائز نہیں کیونکہ وہ اس اُمت کے مجوس ہیں۔ اس طرح شیعہ اور خارجیہ کا بھی جنازہ جائز نہیں۔ کیونکہ وہ اس اُمّت کے یہود و نصاریٰ ہیں۔ جس امام نے جنازہ پڑھا ہے اُس کو امامت سے معزول کر دینا چاہیئے۔ اس لئے کہ اس نے ایک کافر کا جنازہ پڑھ دیا۔

عبداللہ امرتسری ازروپڑ ضلع انبالہ

۲۱ محرم سنہ ۱۳۵۲ ھ

بے نماز اور اس کی اولاد کا جنازہ

سوال ۔ کیا بے نماز اور اس کی اولاد کا جنازہ جائز ہے؟

جواب :۔ اس باب کی وضاحت نماز کے بیان میں ہو چکی ہے۔

خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ

سوال :۔ ایک حاجی پانچوقت کا نمازی ہے۔ جماعت کا پابند۔ شکل وصورت میں پورا مذہبی انسان اُس نے خودکشی کے خیال سے لٹک کر جان دے دی۔ کیا اُس کی نماز جنازہ پڑھی جا سکتی ہے؟

جواب :۔ اس کے متعلق چند احادیث درج ہیں۔

مسلم میں ہے۔

(۱) عَنْ جَابِرِبْنِ سَمُرَةَ قَالَ اُتِیَ النَّبِیُّ بِرَجُلٍ قَتَلَ نَفْسَهٗ بِمَشَاقِصَ فَلَمْ یُصَلِّ عَلَیْهِ (فصل رابع مشکوۃ باب المشی بالجنازہ)

جابر بن سمرۃؓ کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے پاس ایک شخص کا جنازہ لایا گیا۔ جس نے تیر کے پھل سے یا چاقو سے خودکشی کر لی۔ آپؐ نے اس کا جنازہ نہیں پڑھا۔

(۲) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَرَدّٰی مِنْ جَبَلٍ فَقَتَلَ نَفْسَهٗ فَهُوَ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ یَتَرَدّٰی فِیْهَا خَالِدًا مُخَلَّدًا فِیْهَا اَبَدًا وَمَنْ تَحَسّٰی سَمًّا فَقَتَلَ نَفْسَهٗ فَسَمُّهٗ فِیْ یَدِهٖ یَتَحَسَّاهُ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا فِیْهَا اَبَدًا وَمَنْ قَتَلَ نَفْسَهٗ بِحَدِیْدَةٍ فَحَدِیْدَتُهٗ فِیْ یَدِهٖ یَتَوَجَّاُ بِهَا فِیْ بَطْنِهٖ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا فِیْهَا اَبَدًا۔ متفق علیہ (مشکوۃ کتاب القصاص)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا جو پہاڑ سے گر کر خودکشی کرے وہ ہمیشہ کے لئے جہنّم میں (پہاڑ) سے گرے گا۔ جو زہر پی کر خودکشی کرے اُس کا زہر اُس کے ہاتھ میں ہوگا۔ ہمیشہ جہنم میں اس کو گھونٹ گھونٹ پیئے گا۔ اور جو شخص کسی ہتھیار سے خودکشی کرے وہ ہتھیار اس کے ہاتھ میں ہوگا ہمیشہ جہنّم میں اپنے پیٹ میں گھونپے گا۔

(۳) وعنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلَّذِیْ یَخْنُقُ نَفْسَهٗ یَخْنُقُهَا فِی النَّارِ وَالَّذِیْ یَطْعَنُهَا یَطْعَنُهَا فِی النَّارِ (حوالہ مذکور)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا جو اپنا گلا گھونٹ کر خودکشی کرے وہ جہنم میں اپنا گلا گھونٹے گا

اور جو برچھی وغیرہ گھونپ کر خودکشی کرے وہ جہنم میں برچھی وغیرہ گھونپے گا۔

(۴) وعن جندب بن عبد اللہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان فیمن کان قبلکم رجل بہ جرح فجزع فاخذ سکینا فحز بھا یدہ فما رقاء الدم حتی مات قال اللہ بادرنی عبدی بنفسہ فحرمت علیہ الجنۃ۔ متفق علیہ۔ (حوالہ مذکور)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گذشتہ لوگوں سے ایک شخص کے زخم تھا۔ اس سے بیقرار ہوگیا، چاقو لے کر اپنا ہاتھ کاٹ دیا۔ خون بند نہ ہوا یہاں تک کہ وہ مرگیا۔ خدا تعالےٰ نے فرمایا میرے بندے نے اپنی جان تلف کرنے میں مجھ سے جلدی کی۔ پس میں نے اس پر جنت حرام کردی۔

(۵) وعن جابر ان الطفیل بن عمرو الدوسی لما ھاجر النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی المدینۃ ھاجر الیہ وھاجر معہ رجل من قومہ فمرض فجزع فاخذ مشاقص لہ فقطع بھا براجمہ فشخبت یداہ حتی مات فراٰہ الطفیل بن عمرو فی منامہ وھیئتہ حسنۃ وراٰہ مغطیا یدیہ فقال ما صنع بک ربک فقال غفرلی بھجرتی الی نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال مالی اراک مغطیا یدیک قال قیل لی لن نصلح منک ما افسدت فقصھا الطفیل علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللھم ولیدیہ فاغفر رواہ مسلم حوالہ مذکور۔

جابر رض فرماتے ہیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو طفیل بن عمرو دوسی رض نے اور اُس کے ساتھ ایک اور شخص نے بھی ہجرت کی وہ بیمار ہو کر بے چین ہوگیا۔ چاقو لے کر اپنی انگلیاں جوڑوں سے کاٹ دیں۔ خون نے جوش مارا۔ یہاں تک کہ وہ مرگیا۔ طفیل بن عمرو رض نے اس کو خواب میں اچھی ہیئت میں دیکھا۔ پوچھا خدا نے تیرے ساتھ کیا کیا۔ کہا میری ہجرت کی برکت سے خدا نے معافی دے دی۔ طفیل بن عمرو نے کہا تو نے اپنے ہاتھ کیوں ڈھانپے ہوئے ہیں۔ کہا خدا کی طرف سے مجھے کہا گیا ہے کہ جو تو نے خود بگاڑا ہے اُس کو ہم ٹھیک نہیں کریں گے

طفیل نے یہ خواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیان کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے اللہ! اس کے ہاتھوں کو بھی بخش دے۔

یہ پانچ احادیث ہیں۔ پہلی چار سے تو ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے لئے بخشش نہیں۔ نہ اس کا جنازہ پڑھنا چاہیئے۔ پانچویں حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی معافی ہو سکتی ہے۔ اس بناء پر اس کی نماز جنازہ بھی درست ہے۔ کیونکہ نماز جنازہ میں میت کے لئے معافی وغیرہ ہی کی درخواست ہوتی ہے۔ ہاں اس میں شبہ نہیں کہ گناہ بہت بڑا ہے جس کی سزا یہی ہے کہ ہمیشہ جہنم میں اس، عذاب میں مبتلا رہے جس سے اس نے اپنی جان تلف کی ہے۔ اللہ تعالےٰ کسی عمل کی برکت سے معافی دے دے تو علیحدہ بات ہے ورنہ سزا یہی ہے۔ اور اسی تنبیہ کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھی۔ چنانچہ پہلی حدیث میں ذکر ہے حالانکہ وہ مسلمان ہے۔ اسلام سے خارج نہیں۔ اور مسلمان پر نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے مگر تنبیہ کے لئے آپ نے نہیں پڑھی۔ اس طرح جس مقروض نے ادائیگی قرض کے لئے مال نہ چھوڑا ہو جس سے اس کا قرض ادا نہ ہو سکے اس کی بھی نماز جنازہ نہیں پڑھی۔ حالانکہ وہ بھی بالاتفاق مسلمان ہے۔ پس شخص مذکور فی السوال پر بڑا آدمی پرہیزگار متقی۔ عالم فاضل جس کے نماز جنازہ نہ پڑھنے سے تنبیہ ہو جائے نماز جنازہ نہ پڑھے اور باقی لوگ پڑھ لیں یا کوئی بھی نہ پڑھے تاکہ زیادہ تنبیہ ہو جائے۔ اس طرح مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ کرنا یہ بھی نماز جنازہ کی طرح بطور تنبیہ ہو تو کوئی حرج نہیں کیونکہ آخر مسلمان ہے۔ چنانچہ اُوپر معلوم ہو چکا ہے۔

عبداللہ امرتسری مدیر تنظیم اہلحدیث روپڑ ضلع انبالہ

۲۲ شعبان ۱۳۵۷ھ

بچہ کو غسل اور اُس کی نماز جنازہ اور شہید کو نہ غسل اور نہ نمازِ جنازہ

سوال: ۔ بچہ بھی قبل بلوغ معصوم ہوتا ہے۔ اور شہید بھی گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے۔ بچہ کو غسل دیا جاتا ہے اور اُس کا جنازہ بھی پڑھا جاتا ہے مگر شہید کو نہ غسل دیا جاتا ہے اور نہ اُس پر نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے۔ اس کا سبب اور اس میں فرق کیوں ہے؟

(حافظ جان محمد برنالہ ریاست پٹیالہ)

جواب:۔ شہید نے چونکہ اپنے عمل سے یہ درجہ پایا ہے۔ اِس لئے اُس کی بزرگی و عظمت ظاہر کرنے کے لئے اس کا جنازہ نہیں پڑھا جاتا۔ بچہ نے اپنے عمل سے کچھ حاصل نہیں کیا۔ بلکہ خدا نے اپنے فضل سے اس سے قلم اٹھایا ہُوا ہے کہ اُس کے گناہ نہیں لکھے جاتے اِس لئے اس کا جنازہ پڑھتے ہیں۔

عبداللہ امرتسری روپڑ ضلع انبالہ ۵ محرم ۱۳۵۶ھ

خسرے کے جنازہ کا حکم

سوال:۔ اگر میت خسرہ ہو۔ اُس کی نماز جنازہ پڑھنی جائز ہے یا ناجائز۔ کیا امام نماز جنازہ پڑھائے یا نہ۔ اگر پڑھائے تو امام کیا دعا پڑھے؟

جواب:۔ خسرہ دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک پیدائشی اور ایک بناوٹی۔ بناوٹی اگر اپنے پیشے سے توبہ کرے تو اس کے نمازِ جنازہ میں کوئی شبہ نہیں کیونکہ وہ حقیقت میں مرد ہوتا ہے۔ جس نے عورت کی شکل بنا کر سوال کا پیشہ اختیار کر لیا ہے۔ اگر بغیر توبہ مر گیا تو دیکھا جائے اور معلوم کیا جائے کہ نماز کا پابند تھا تو اس صورت میں بھی نماز جنازہ ہو جاتی ہے لیکن تنبیہ کے طور پر نہ پڑھی جائے۔ تو مناسب ہے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقروض کی اور خودکشی کرنے والے کی اور ماعز کی جس نے زنا کیا تھا نماز جنازہ نہیں پڑھی۔

اور اگر بناوٹی خسرہ نماز نہیں پڑھتا تھا تو پھر بالکل نماز جنازہ نہ پڑھنی چاہیئے کیونکہ بے نماز کافر ہے۔

اگر خسرہ پیدائشی ہے تو اس کی حالت دیکھی جائے کہ مرد سے زیادہ مشابہ ہے یا عورت سے جس سے زیادہ مشابہ ہو اس کا حکم رکھتا ہے۔ اگر مرد سے زیادہ مشابہ ہو تو مرد والی دعائیں پڑھی جائیں۔ اور جنازہ پڑھانے کے وقت امام اس کے سر کے برابر کھڑا ہو یا اس کے درمیان میں اگر خسرہ عورت سے زیادہ مشابہ ہو تو عورت والی دُعائیں اور جنازہ پڑھنے کے وقت امام اُس کے درمیان میں کھڑا ہو یا سرین کے برابر۔ کیونکہ جدھر کو ترجیح ہو۔ اُدھر ہی کا حکم ہونا چاہیئے۔ اگر مرد عورت والی علامتیں برابر ہوں تو پھر اختیار ہے۔ امام جونسی دُعائیں چاہے پڑھے کیونکہ دونوں طرف برابر ہیں۔ ہاں وراثت کے مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے کہ مرد سمجھا جائے یا عورت۔ راجح مذہب یہی ہے کہ آدھا حصہ اس کو مرد کا دیا جائے اور آدھا عورت کا چنانچہ کتب وراثت میں اس کی تفصیل ہے۔

عبداللہ امرتسری از روپڑ ضلع انبالہ

۳ ذیقعدہ ۱۳۵۳ھ۔ ۸ فروری ۱۹۳۵ء

ولد الحرام کے جنازہ کا حکم

سوال:۔ ایک آدمی کے گھر دو عورتیں بے نکاح ہیں۔ ان دونوں میں سے ایک کے گھر زنا کا لڑکا پیدا ہوا ہے۔ چار پانچ ماہ کی عمر پاکر مرگیا۔ امام مسجد کو جنازہ کے لئے بلایا گیا۔ امام مسجد نے جواب دیا کہ میں اس کا جنازہ نہیں پڑھتا تاکہ اس کو کچھ عبرت حاصل ہو۔ لوگ امام مسجد کو ملامت کرتے ہیں کہ پاک جان کا جنازہ نہیں پڑھا۔ اب سوال یہ ہے کہ امام لائق ملامت ہے یا نہیں؟

صدر دین امام مسجد بگھیاڑی۔ ڈاکخانہ منڈی واربٹن ضلع شیخوپورہ

جواب:۔ بچہ معصوم ہے۔ معصوم کا جنازہ پڑھنا چاہیئے تھا۔ کیونکہ قصور ماں باپ کا ہے۔ ماں باپ کو تنبیہ کرنے کی صورت یہ ہے کہ ان کا بھانڈا پھیک دیا جائے مگر اب امام کو بھی ملامت نہ کرنی چاہیئے۔ کیونکہ اس کی نیت بھی نیک تھی لیکن آیندہ کے لئے آگاہ رہنا چاہیئے کہ ظلم کسی کا ہو اور زیادتی کسی پر ہو۔ یہ مناسب نہیں۔

عبداللہ امرتسری ازروپڑ ضلع انبالہ

۲۲ جمادی الثانی ۱۳۵۴ھ ۔ ۲۳ اگست ۱۹۳۵ء

مردہ بچہ کے جنازہ کا حکم

سوال:۔ بچہ مرا ہوا پیدا ہوا تو اس بچہ کی نماز جنازہ پڑھنی جائز ہے یا نہیں۔ ایسے بچہ کو کفن دینا۔ غسل دینا چاہیئے یا نہیں۔ ایسے بچہ کو قبرستان میں دفن کرنا چاہیئے یا قبرستان سے باہر دفن کرنا چاہیئے۔

(اے۔ ای۔ پٹیل افریقہ)

جواب:۔ مشکوٰۃ میں ہے۔

عَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الرَّاكِبُ يَسِيْرُ خَلْفَ الْجَنَازَةِ وَالْمَاشِيْ يَمْشِيْ خَلْفَهَا وَاَمَامَهَا وَعَنْ يَمِيْنِهَا وَعَنْ يَسَارِهَا قَرِيْبًا مِنْهَا وَالسِّقْطُ يُصَلّٰى عَلَيْهِ وَيُدْعٰى لِوَالِدَيْهِ بِالْمَغْفِرَةِ وَالرَّحْمَةِ ۔ رواہ ابوداؤد وَفِيْ رِوَايَةِ اَحْمَدَ وَالتِّرْمَذِيِّ وَالنَّسَائِيِّ وَابْنِ مَاجَةَ قَالَ الرَّاكِبُ خَلْفَ الْجَنَازَةِ وَالْمَاشِيْ حَيْثُ شَاءَ مِنْهَا وَالطِّفْلُ يُصَلّٰى عَلَيْهِ وَفِيْ

الْمَصَابِيحُ عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ زِيَادٍ (مشکوٰۃ باب المشی بالجنازۃ الخ صفحہ ۱۳۸)
یعنی مغیرہ بن شعبہ سے روایت ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا، سوار جنازے کے پیچھے چلے اور پیادہ کو اختیار ہے خواہ پیچھے چلے یا آگے یا دائیں بائیں، نزدیک اور کچہ بچہ جو پورے دنوں سے پہلے گر جائے اس پر نماز پڑھی جائے۔ اور اُس کے والدین کے لئے بخشش و رحمت کی دعا کی جائے۔ ابوداؤد نے اس کو روایت کیا ہے۔ اور مسند احمد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ کی ایک روایت میں ہے کہ سوار جنازے کے پیچھے چلے اور پیادہ جہاں چاہے اور لڑکے پر نماز جنازہ پڑھی جائے۔"

یہ حدیث بظاہر عام معلوم ہوتی ہے کہ بچہ خواہ زندہ پیدا ہو یا مرا ہوا ہر صورت میں اُس پر نماز پڑھی جائے لیکن دوسری حدیث میں شرط آئی ہے کہ آواز کرے تو نماز جنازہ پڑھی جائے۔ چنانچہ مشکوٰۃ کے اسی باب صفحہ ۱۴۱ میں ہے۔

عَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الطِّفْلُ لَا يُصَلّٰى عَلَيْهِ وَلَا يَرِثُ وَلَا يُوْرَثُ حَتّٰى يَسْتَهِلَّ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ اِلَّا اَنَّهٗ لَمْ يَذْكُرْ وَلَا يُوْرَثُ۔

جابرؓ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔ لڑکا جب تک آواز نہ کرے، نہ اُس پر نماز جنازہ پڑھی جائے نہ وہ کسی کا وارث ہوگا نہ اُس کا کوئی وارث ہوگا۔"

نیل الاوطار میں ہے۔

وَيَدُلُّ عَلَى اعْتِبَارِ الْاِسْتِهْلَالِ حَدِيْثُ جَابِرٍ عِنْدَ التِّرْمِذِيِّ وَالنَّسَائِيِّ وَابْنِ مَاجَةَ وَالْبَيْهَقِيِّ بِلَفْظِ اِذَا اسْتَهَلَّ السِّقْطُ صُلِّيَ عَلَيْهِ وَوَرِثَ (نیل الاوطار جلد ۳ صفحہ ۲۸)

یعنی آواز کے شرط ہونے پر جابرؓ کی حدیث دلالت کرتی ہے جس کو ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور بیہقی نے روایت کیا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں کہ جب کچہ بچہ آواز کرے تو اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے اور وہ وارث بھی ہوگا۔"

اس حدیث میں اسماعیل بن مسلم ایک راوی ضعیف ہے، لیکن اس کے ساتھ اور بہت سے شامل ہیں۔ چنانچہ تلخیص الحبیر کے صفحہ ۱۵۷ میں حافظ ابن حجرؒ نے اور نیل الاوطار جلد ۳ کے صفحہ ۲۸ میں امام شوکانیؒ نے بحوالہ ترمذی وغیرہ ذکر کیا ہے اس لئے اس کا ضعف نقصان نہیں دیتا۔ اور اسی لئے حاکمؒ نے کہا ہے کہ یہ

حدیث بخاری مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔ لیکن حافظ ابن حجرؒ نے تلخیص الجبیر کے صـ۱۵۶ میں کہا ہے کہ یہ حاکم رح کا وہم ہے کیونکہ اسماعیل بن مسلم کے ساتھ روایت کرنے میں اگرچہ اور بہت سے شامل ہیں لیکن اسماعیل بن مسلم کا اُستاد) ابوالزبیر مکی اس میں بخاری کی شرط پر نہیں (کیونکہ یہ تیسرے درجہ کا مدلّس ہے۔ چنانچہ طبقات المدلّسین کے صـ۲ میں حافظ ابن حجر رح نے اس کی تصریح کی ہے، اور اس نے جابرؓ سے کلمہ عن کے ساتھ روایت کی ہے۔ یعنی عَنْ جَابِرٍ (روایت کرتا ہوں میں جابرؓ سے) کہا ہے اور سَمِعْتُ جَابِرًا (سنا میں نے جابر رضؓ سے) نہیں کہا۔ اور مدلّس جب عن کے ساتھ روایت کرے تو وہ معتبر نہیں ہوتی۔ پس اس بناء پر یہ روایت معتبر نہ ہوئی۔ مگر بعض اور احادیث سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ اِس لئے یہ لائق استدلال ہوگئی۔ چنانچہ نیل الاوطار جلد ۳ صـ۲۷۹ اور تلخیص الجبیر کے صـ۱۵۶ میں ہے۔

وَفِي الْبَابِ عَنْ عَلِيٍّ اَخْرَجَهُ ابْنُ عَدِيٍّ فِي تَرْجَمَةِ عَمْرِ ابْنِ خَالِدٍ وَهُوَ مَتْرُوكٌ وَمِنْ حَدِيثِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَخْرَجَهُ ابْنُ عَدِيٍّ مِنْ رِوَايَةِ شَرِيكٍ عَنْ بْنِ اِسْحَاقَ عَنْ عَطَاءٍ عَنْهُ وَقَوَّاهُ ابْنُ طَاهِرٍ فِي الذَّخِيْرَةِ وَقَدْ ذَكَرَهُ الْبُخَارِيُّ مِنْ قَوْلِ الزُّهْرِيِّ تَعْلِيقًا (فی باب اذا استهل الصبی فمات هَلْ يُصَلّٰى عَلَيْهِ) وَوَصَلَهُ ابْنُ اَبِي شَيْبَةَ)

یہ عبارت تلخیص الجبیر کی ہے۔ اور نیل الاوطار کی عبارت بھی اسی کے قریب ہے۔

ترجمہ اس کا یہ ہے کہ اس بارے میں حضرت علیؓ سے روایت ہے۔ ابن عدی نے اس کو عمرو بن خالد رضؓ کے حالات میں ذکر کیا ہے لیکن عمرو بن خالد متروک ہے یعنی بہت ضعیف ہے اور اس بارے میں ابن عباسؓ کی حدیث بھی ہے۔ اس کو بھی ابن عدی نے شریک کی روایت سے اس نے ابن اسحاق سے اُس نے عطاء سے اُس نے ابن عباسؓ سے ذکر کیا ہے اور ابن طاہر نے ابن عباس رضؓ کی حدیث کو ذخیرہ میں قوی کہا ہے اور بخاریؒ نے بھی اس کو زہری کا قول بنا کر بغیر اسناد کے ذکر کیا ہے اور ابن ابی شیبہ نے اس کو با اسناد ذکر کیا ہے۔"

اِن احادیث کے علاوہ بعض اور احادیث بھی ہیں جن سے یہ مسئلہ پختہ ہو جاتا ہے کہ بچہ آواز کرے تو اس کا جنازہ پڑھنا چاہیئے۔ چنانچہ نیل الاوطار کے صـ۲۸ اور تلخیص الجبیر کے صـ۲۵۶ میں ہے۔

وَقَدْ اَخْرَجَ الْبَزَّارُ عَنِ ابْنِ عُمَرَ مَرْفُوعًا اِسْتِهْلَالُ الصَّبِيِّ الْعُطَاسُ

اِسْنَادُہٗ ضَعِیْفٌ۔

یعنی بچہ کی آواز چھینک ہے اس کی اسناد ضعیف ہے۔"

حافظ ابن حجرؒ نے اس کی اسناد کو اگرچہ ضعیف کہا ہے لیکن اُوپر کی احادیث کو اس سے تقویت ہوگئی۔ کیونکہ ضعیف مل کر حسن کے درجے کو پہنچ جاتی ہیں۔ چنانچہ کتب اصُول شرح نخبہ وغیرہ میں اس کی تصریح کی ہے۔ اور چھینک سے مراد آواز کا ادنیٰ درجہ ہے۔ ورنہ کسی اور طرح آواز ہو۔ وہ بھی کافی ہے۔ اور جمہور کا یہی مذہب ہے۔ وہ کہتے ہیں جب بچہ آواز کرے تو اس کا جنازہ پڑھا جائے۔ چنانچہ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری کی جزء ۵ صـ۶۹ باب اذا اسلم الصبی فمات ھل یصلی علیہ میں اس کی تصریح کی ہے۔ اور نیل الاوطار کے مقام مذکور میں ہے کہ مقصود آواز سے چیخ، چھینک حرکت ہے۔ جس سے حیات معلوم ہو۔ اور صاحب نیل الاوطار کے علاوہ دوسرے علماء نے بھی کہا ہے کہ مقصود آواز سے علامت حیات ہے آواز چونکہ اکثر اور واضح ہے۔ اِس لئے اس کا ذکر کر دیا، پس جب کوئی ایسی علامت پائی جائے جس سے بچہ کی حیات معلوم ہو تو اُس کا جنازہ پڑھنا پڑے گا اور وہ وارث بھی ہوگا۔ پھر اس کی وراثت اس کے وارثوں میں تقسیم ہوگی پس جب اُس کا جنازہ بھی ہوا۔ اور وہ وارث بھی ہوا تو باقی کفن دفن بھی اس کا بڑوں کی طرح ہونا چاہیئے۔ اس میں کسی کو اختلاف نہیں صرف سعید بن جبیر، عبد اللہ بن عباس رضؓ کے شاگرد کہتے ہیں کہ لڑکا جب تک بالغ نہ ہو۔ اُس وقت تک اُس کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے۔ اور کہا گیا ہے کہ جب تک بچہ نماز نہ پڑھے اُس وقت تک اُس کی نمازِ جنازہ نہیں۔

حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری جزء ۵ صـ۶۹ باب اذا اسلم الصبی فمات ھل یصلی علیہ میں یہ دونوں قول ذکر کئے ہیں مگر یہ صریح احادیث کے خلاف ہیں۔ اُوپر کی احادیث کے علاوہ اور بھی بہت سی احادیث ہیں جن سے بچوں کا جنازہ ثابت ہوتا ہے۔ مشکوٰۃ میں سعید بن مسیّب سے روایت ہے وہ کہتے ہیں۔ میں نے ابُوہریرہؓ کے پیچھے معصوم بچہ کی نماز جنازہ پڑھی۔ میں نے ان سے سنا کہ وہ اس کے حق میں عذاب قبر سے پناہ کی دعا کرتے۔

الرحمۃ المھداۃ فصل رابع مشکوٰۃ صـ۸۶ میں ہے۔ عمار مولیٰ حارث بن نوفل کہتے ہیں میں ایک عورت اور اس کے بچے کے جنازے کو حاضر ہوا۔ بچہ امام کے نزدیک رکھا گیا۔ اور عورت بچہ سے قبلہ کی جانب رکھی گئی۔ پس دونوں پر نماز جنازہ پڑھی گئی۔ اور لوگوں میں ابوسعید خدریؓ۔ ابن عباسؓ۔

ابوقتادہ رضہ۔ ابوہریرہ رضہ۔ دیہ جلیل القدر صحابہ موجود تھے۔ میں نے اُن سے دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ اِس طرح دمتعدد میتوں کو آگے پیچھے رکھ کر اگر مردوں کے ساتھ عورت ہو تو اُس کو مردوں کے آگے قبلہ کی جانب رکھ کر اکٹھے، نمازِ جنازہ پڑھنا سنّت ہے۔ یعنی ارشادِ نبویؐ ہے۔ نسائی اور ابوداؤد نے اس کو روایت کیا ہے۔ نیز الرحمۃ المہداۃ کے اِسی صفحہ میں ابن عباس رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا فرزند ارجمند ابراہیم جب فوت ہُوئے تو آپ نے ان پر نمازِ جنازہ پڑھی اور فرمایا ان کے لئے جنّت میں دایہ دودھ پلانے والی ہے۔ دیعنی یہ رضاعت کے دنوں میں فوت ہوگئے۔ اِس لئے ان کی رضاعت جنت میں پُوری کی جائے گی) اور اگر زندہ رہتے تو صدیق نبی بن جاتے اور ان کے ماموں یعنی دقبطی لوگ، آزاد ہو جاتے اور آیندہ کوقبطی غلام نہ بنایا جاتا۔ روایت کیا اس کو ابن ماجہ نے ؛

غرض اِس قسم کی روایتیں بہت ہیں۔ جن میں بچوں پر نمازِ جنازہ پڑھنے کا ذکر ہے۔ پس سعید بن جبیر کا قول اور اس کے ساتھ کا قول دونوں غلط ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں جب بچہ پیٹ میں چار ماہ کا ہو جائے تو پھر خواہ مرا ہوا پیدا ہو، اُس کی نمازِ جنازہ پڑھنی چاہیئے۔ کیونکہ جب چار کے بعد بچہ میں جان پڑجاتی ہے۔ اس کے بعد اگر وہ مرا ہوا پیدا ہو تو وہ میّت شمار ہوگا۔ پس اس کا غسل دنمازِ جنازہ وغیرہ) باقاعدہ ہونا چاہیئے۔ امام شافعیؒ وغیرہ کا یہی مذہب ہے۔ اور امام ابن تیمیہؒ مصنف منتقی نے اسی کو اختیار کیا ہے کہ اس کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے، مگر ترجیح اسی کو ہے کہ جب زندہ باہر نکلے تب نمازِ جنازہ وغیرہ ہونی چاہیئے ورنہ نہیں چنانچہ اُوپر کی روایت سے واضح ہو چکا ہے۔ تفصیل نیل الاوطار وغیرہ میں ملاحظہ ہو۔

عبداللہ امرتسری مقیم روپڑ ضلع انبالہ

۲۶ ربیع الاول ۱۳۵۴ھ۔ ۲۸ جون ۱۹۳۵ء

تکبیر جنازہ کے ساتھ رفع الیدین

سوال :۔ تکبیر جنازہ کے ساتھ رفع الیدین کرنی چاہیے یا نہیں؟

جواب :۔ مغنی ابن قدامہ میں ہے۔

روی ان النبیؐ صلی اللہ علیہ وسلّم کان یرفع یدیہ مع التکبیر قال احمد امانا فاری ان الحدیث یدخل فیہ ھذا کلہ وروی عن عمر رضی اللہ عنہ انہ

کان یرفع فی کل تکبیرۃ فی الجنازۃ وفی العید رواہ الاثرم ولا یعرف لہ مخالف فی الصحابۃ انتھی۔

یعنی روایت کی گئی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر کے ساتھ ہاتھ اٹھاتے تھے۔ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ہر نماز کی تکبیروں کو شامل ہے۔ اور حضرت عمر رض سے روایت ہے کہ وہ جنازے میں اور ہر تکبیر کے ساتھ ہاتھ اٹھاتے تھے۔ اس کو اثرم نے روایت کیا ہے۔ اور صحابہ رض سے حضرت عمر رض کا اس مسئلہ میں کوئی خلاف کرنے والا معلوم نہیں۔

حضرت عمر رض کے اس فعل کو بیہقی نے بھی جلد ۳ ص ۲۹۳ میں روایت کیا ہے لیکن اس میں ابن لہیعہ راوی ہے جو ضعیف ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ تکبیراتِ جنازہ میں رفع الیدین کرنی چاہیے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

بلند آواز سے نمازِ جنازہ

سوال:۔ جنازہ بلند آواز سے پڑھنا شریعتِ محمدیہ میں جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ جنازہ بلند آواز سے پڑھنا جائز ہے۔ مسلم جلد اول ص ۳۱۱ میں حدیث ہے۔

عوف بن مالک رض نے بیان کیا۔ صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی جنازۃ فحفظت من دعائہ وھو یقول اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلَہٗ وَارْحَمْہُ۔ الخ

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہری آواز سے جنازہ پڑھا ہے۔ اس کا انکار حدیث کا انکار ہے۔

یوسف ابراہیمی مدرس مدرسہ دارالعلوم امرتسر

بتائیدِ محدث روپڑی رح

غائبانہ جنازہ

سوال:۔ نجاشی رض کے سوا کسی اور شخص کا بھی جنازہ غائب پڑھا گیا ہے؟ اگر پڑھا گیا ہے تو کس شخص کا۔ کیونکہ حضور ص کے زمانہ میں کئی صحابہ رض بھی تو دیگر ممالک میں فوت ہوئے تھے تو ان کا جنازہ کیوں نہیں

پڑھا گیا۔

خیر دین امام مسجد اہلحدیث لوہاراں ریاست مالیر کوٹلہ

جواب:۔ جنازہ غائب کی بابت بہت اختلاف ہے۔ حنفیہ وغیرہ کے علاوہ بہت اہل حدیث بھی اس کے قائل نہیں۔ نجاشی رضؓ کی حدیث کی بابت کہتے ہیں کہ وہ غیر ملک میں فوت ہوا۔ اُس کے والی وارث کفار تھے۔ ظاہر یہی ہے کہ وہاں اُس کا جنازہ نہیں پڑھا گیا۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کا جنازہ مدینہ میں پڑھا۔ خطابی رحؒ نے اس کو اختیار کیا ہے۔ اور رویانی نے بھی اس کو پسند کیا ہے۔ ابوداؤد نے اس پر باب باندھا ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحؒ اور محقق مقبلی نے بھی اس کو اختیار کیا ہے۔ اور ایک روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ ابن ماجہ۔ مسند احمد۔ طیالسی۔ ابن قانع۔ طبرانی۔ ضیا مقدسی میں حذیفہ رضؓ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ان اخاکم مات بغیر ارضکم فقوموا فصلوا علیہ۔

یعنی تمہارا بھائی تمہاری غیر زمین میں مر گیا۔ اٹھو۔ اس کی نماز جنازہ پڑھو

اس حدیث میں تمہاری غیر زمین میں مرنے کا ذکر اس طرف اشارہ ہے کہ وہاں اس کا جنازہ نہیں ہوا۔ اس لئے تم پڑھو۔ اور قوموا کی فا بھی اس پر دلالت کرتی ہے کیونکہ یہ فا تفریع کی ہے۔ یعنی غیر ملک میں مرنا یہ اس جنازہ کا سبب اسی بنا پر ہے کہ وہاں جنازہ نہیں ہوا۔

نجاشی کے واقعہ کے تین اور بھی جواب دئے گئے ہیں۔

(۱) ایک یہ کہ آپ کے لئے زمین لپیٹی گئی یہاں تک کہ میت آپ کے سامنے ہو گئی۔ یہ جواب ابن عربی نے مالکیہ سے نقل کیا ہے مگر اس کا ثبوت کوئی نقل نہیں کیا۔

(۲) دوسرا یہ جواب دیا گیا ہے کہ درمیان سے پردہ اٹھایا گیا۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میت سامنے نظر آ گئی۔ حافظ ابن حجرؒ نے کہا ہے شاید اس جواب کی بناء ابن عباسؓ کی اس روایت پر ہو جو واحدی نے اسباب النزول میں بلا سند ذکر کی ہے۔ اُس کے الفاظ یہ ہیں۔

کشف للنبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم عن سریر النجاشی حتی راٰہ وصلی علیہ

یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نجاشی رضؓ کی چارپائی سے پردہ دور کیا گیا۔ یہاں تک کہ آپؐ نے اس کو دیکھا۔ اور جنازہ پڑھا۔

ابن حبان نے بھی عمران بن حصین رضہ سے ایک روایت نقل کی ہے۔ اس سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں۔

فقاموا وصفوا خلفه وهم لا يظنون الا ان جنازته بين يديه۔

یعنی صحابہ رضہ کھڑے ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے پیچھے صف باندھی۔ اور وہ یہی گمان کرتے تھے کہ جنازہ آپ کے سامنے ہے۔

اور ابی عوانہ نے بھی بطریق ابان وغیرہ سے اس نے یحییٰ سے اس قسم کی ایک روایت کی ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں۔

فصلينا خلفه ونحن لا نرى الا ان الجنازة قدامنا

یعنی ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے پیچھے جنازہ پڑھا اور ہم یہی دیکھتے تھے کہ جنازہ ہمارے سامنے ہے۔

(۳) تیسرا جواب نجاشی کے واقعہ کا یہ دیا جاتا ہے کہ یہ نجاشی کا خاصہ ہے۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ نجاشی رضہ کے سوا کسی اور کا جنازہ نہیں پڑھا۔ حالانکہ بہت سے صحابہ رضہ مختلف جگہ فوت ہوتے رہے۔ اگر جنازہ غائب عام طور پر جائز ہوتا تو کسی نہ کسی کا ضرور نقل ہوتا لیکن اس پر اعتراض پڑتا ہے کہ معاویہ بن معاویہ لیثی کا جنازہ غائب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے پڑھا ہے وہ مدینہ میں فوت ہوا۔ آپ اُس وقت تبوک میں تھے ابن عبدالبر نے اس کو استیعاب میں ذکر کیا ہے۔ نیز عبدالبر نے ابوامامہ باہلی سے معاویہ بن مقرن کی بابت اور انس رضہ سے معاویہ بن معاویہ مزنی کی بابت اس قسم کی روایتیں کی ہیں۔ پھر کہا ہے کہ ان سب کی سندیں قوی نہیں۔ اور حافظ ابن حجر رحہ نے بھی نجاشی کا خاصہ کہنے والوں پر اعتراض کیا ہے کہ معاویہ بن معاویہ لیثی کا جنازہ آپ نے پڑھا ہے۔ اور مجموعہ طرق کے لحاظ سے اس واقعہ کو قوی بتایا ہے۔ اور ذہبی رحہ کہتے ہیں کہ صحابہ رضہ میں معاویہ بن معاویہ ہم کوئی شخص نہیں جانتے۔ اور ابن قیم کہتے ہیں کہ معاویہ بن معاویہ کے جنازہ کی روایت صحیح نہیں۔ اس کی اسناد میں علاء بن یزید راوی ہے جس کی بابت ابن المدینی نے کہا ہے کہ یہ کذاب ہے۔

غرض جنازہ غائب کی بابت اس قسم کے اختلافات ہیں۔ میری کسی طرف تسلّی نہیں۔ اس لئے میں نہیں پڑھا کرتا۔ ہاں پڑھنے والوں پر کوئی اعتراض نہیں کرتا کیونکہ معاملہ بین بین ہے۔ اس لئے جو جانب کسی کو راجح معلوم ہو۔ اس پر عمل کر سکتا ہے۔ اور جو کچھ میں نے تفصیل کی ہے۔ یہ نیل الاوطار جلد ۳ صہ ۲۸۵ میں موجود ہے

اور دیگر شرح و متون میں بھی اس کی کافی تفصیل ہے مگر خلاصہ سب کا یہی ہے جو ہم نے ذکر کیا ہے۔

عبداللہ امرتسری مقیم روپڑ

۱۶ جمادی الثانی ۱۳۵۴ھ۔ ۱۶ اگست ۱۹۳۵ء

متعدد مرتبہ جنازہ

سوال :۔ اہلحدیث کا معمول ہے کہ اکثر ایک جنازہ متعدد بار پڑھتے ہیں۔ اور احناف اس سے انکار کرتے ہیں بلکہ دوسری مرتبہ جنازہ پڑھنے سے روکتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قرون ثلاثہ میں کسی شخص کا جنازہ دوسری دفعہ نہیں پڑھا گیا۔ اور حضور صلعم کا جنازہ خلافت قائم ہونے کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے پڑھا دیا پھر کسی نے نہیں پڑھا۔ پس یہ دوبارہ جنازہ پڑھنا بدعت ہے۔ لہٰذا بتایا جائے کہ حضور صلعم کے زمانہ میں کسی کا جنازہ دو یا تین مرتبہ سامنے رکھ کر پڑھا گیا ہو۔ جیسا کہ آج کل اہلحدیث کا معمول ہے کہ جو لوگ جنازہ سے رہ جاتے ہیں وہ فوراً دوبارہ جنازہ پڑھ لیتے ہیں۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جنازہ حضرت ابوبکرؓ کے بعد بھی کسی نے پڑھایا ہے یا نہیں؟

(خیر دین امام مسجد اہلحدیث لوہاراں ریاست مالیر کوٹلہ)

جواب :۔ مشکوٰۃ میں ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِقَبْرٍ دُفِنَ لَیْلًا فَقَالَ مَتٰی دُفِنَ ھٰذَا قَالُوا الْبَارِحَۃَ قَالَ اَفَلَا اٰذَنْتُمُوْنِیْ قَالُوْا دَفَنَّاہُ فِیْ ظُلْمَۃِ اللَّیْلِ فَکَرِھْنَا اَنْ نُوْقِظَکَ فَقَامَ فَصَفَفْنَا خَلْفَہٗ فَصَلّٰی عَلَیْہِ

وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اَنَّ امْرَاَۃً سَوْدَاءَ کَانَتْ تَقُمُّ الْمَسْجِدَ اَوْ شَابٌّ فَفَقَدَھَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَسَاَلَ عَنْھَا اَوْ عَنْہُ فَقَالُوْا مَاتَ قَالَ اَفَلَا کُنْتُمْ اٰذَنْتُمُوْنِیْ قَالَ فَکَاَنَّھُمْ صَغَّرُوْا اَمْرَھَا اَوْ اَمْرَہٗ فَقَالَ دُلُّوْنِیْ عَلٰی قَبْرِہٖ فَدَلُّوْہُ فَصَلّٰی عَلَیْھَا ثُمَّ قَالَ اِنَّ ھٰذِہِ الْقُبُوْرَ مَمْلُوْءَۃٌ ظُلْمَۃً عَلٰی اَھْلِھَا وَاِنَّ اللّٰہَ یُنَوِّرُھَا لَھُمْ بِصَلَاتِیْ عَلَیْھِمْ ۔ متفق علیہ ولفظہ لمسلم (مشکوٰۃ باب المشی بالجنازۃ)

یعنی ابن عباس رضؓ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم ایک (میت کی) قبر کے پاس سے گزرے جو رات کو دفن کی گئی۔ آپؐ نے دریافت کیا کہ یہ شخص کب دفن کیا گیا۔ صحابہ رضؓ نے کہا۔ آج رات۔ فرمایا مجھے کیوں خبر نہ دی۔ صحابہ رضؓ نے کہا۔ ہم نے اس کو اندھیرے میں دفن کیا آپ کو جگانا مناسب نہ سمجھا۔ پس آپ کھڑے ہوئے اور ہم نے بھی آپ کے پیچھے صف باندھی پس اس پر نماز پڑھی۔ اور ابُوہریرہ رضؓ سے ایک روایت ہے۔ ایک حبشیہ یا جوان مرد جو مسجد کو جھاڑو دیتا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اس کو نہ پایا ———— تو آپؐ نے اس کی بابت پوچھا۔ لوگوں نے کہا ہے کہ وہ مرگیا ہے۔ فرمایا مجھے تم نے خبر کیوں نہ دی؟ ابوہریرہ رضؓ کہتے ہیں لوگوں نے گویا اس کا معاملہ چھوٹا سمجھا۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مجھے اس کی قبر بتاؤ انہوں نے قبر بتائی تو آپ نے قبر پر جاکر نماز جنازہ ادا کی۔ پھر فرمایا کہ قبریں اندھیرے سے بھری ہوئی ہیں۔ میرے نماز جنازہ پڑھنے سے خدا ان کو روشن کر دیتا ہے۔

اس قسم کی کئی روایتیں آئی ہیں جن میں قبر پر نماز جنازہ کا ذکر ہے۔ اور بعض روایتوں میں مہینہ کی مدت بھی آئی ہے یعنی ایک ماہ بعد قبر پر جنازہ پڑھا (منتقیٰ فتح الباری جز ۵)

پس جب قبر پر نماز جنازہ ثابت ہوگیا تو جب میت قبر سے باہر ہو اس وقت بطریق اولیٰ ثابت ہوگیا۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصہ ہے۔ اور دلیل اس کی یہ پیش کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا۔ میرے نماز جنازہ پڑھنے سے خدا اُن کی قبروں میں نور کر دیتا ہے مگر یہ اُن لوگوں کی ڈبل غلطی ہے۔ یہ تو ایسا ہے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم فرماتے ہیں کہ جس مسلمان کے جنازہ میں چالیس آدمی توحید والے شریک ہوجائیں خدا ان کی سفارش ان کے حق میں قبول کرے گا (مشکوٰۃ باب المشی بالجنازۃ) تو کیا اس حدیث کا یہ مطلب ہے کہ چالیس سے کم جنازہ نہ پڑھیں۔

نیز زکوٰۃ کے بارہ میں قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

خذ من اموالھم صدقۃ۔ ان کے مالوں سے صدقہ لے تطھرھم وتزکیھم بھا وصل علیھم ان صلوتک سکن لھم تاکہ اس صدقہ کے ذریعہ تو ان کا ظاہر و باطن پاک کرے اور ان کے لئے دعا کر بیشک تیری دعا ان کے لئے تسلّی ہے۔

تو کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ زکوٰۃ لینا آپؐ کا ہی خاصہ ہے کیونکہ آپؐ کی دعا ان کے لئے تسلّی ہے کسی اور کی نہیں۔ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت میں جو لوگ زکوٰۃ کے منکر ہو گئے تھے۔ انھوں نے بھی یہی آیت پیش کر کے کہا تھا کہ زکوٰۃ کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی حیات تک تھا۔ اب نہیں۔ اس پر حضرت ابوبکرؓ نے تلوار اٹھائی۔ سو اس قسم کے دلائل سے خاصہ ثابت ہوا نہیں کرتا بلکہ کوئی واضح دلیل چاہیئے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے پیچھے صحابہؓ نے بھی نماز جنازہ پڑھی۔ اس سے بھی تائید ہوتی ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصہ نہیں بلکہ عام ہے۔

اب رہا یہ استدلال کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا جنازہ حضرت ابوبکرؓ کے بعد کسی نے نہیں پڑھا۔ اوّل تو نہ پڑھنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ دوبارہ جنازہ جائز نہیں۔ کیونکہ جنازہ فرض کفایہ ہے۔ جب کچھ لوگ پڑھ لیں تو فرض ذمہ سے اُتر گیا۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ دوبارہ منع ہے۔ جب مذکورہ بالا روایتوں سے دوبارہ ثابت ہو گیا تو جو پڑھنا چاہے پڑھ سکتا ہے۔

دوسرے حضرت ابوبکرؓ کے جنازہ پڑھانے کی روایت قابل استدلال نہیں کیونکہ یہ روایت صحت کو نہیں پہنچی۔ نیل الاوطار میں ہے کہ اس میں اختلاف ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے جنازہ میں امام کون بنایا گیا۔ پس کہا جاتا ہے کہ حضرت ابوبکر امام تھے۔ یہ روایت ایسی سند سے مروی ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے کہا ہے کہ وہ صحیح نہیں۔ اور اس اسناد میں ایک راوی حرام ہے جو بہت ضعیف ہے۔ اور ابن وحیہ کہتے ہیں۔ یہ روایت قطعاً باطل ہے کیونکہ اس کے راوی ضعیف ہیں۔ اور اسناد بھی منقطع ہے۔ یعنی اسناد میں راوی گرا ہوا ہے نیز وحیہ نے کہا ہے کہ بات صحیح یہ ہے کہ مسلمانوں نے اکیلے اکیلے نماز جنازہ پڑھی ہے۔ امام شافعیؒ نے یہی فیصلہ کیا ہے۔ یہ بھی کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم پر امام نہ بننے کی وجہ آپ کی عظمت اور بزرگی ہے نیز ہر ایک اس چیز کی رغبت رکھتا تھا۔ اس لئے کسی ایک کو امام نہیں بنایا گیا۔ وحیہ کہتے ہیں کہ آپؐ پر تیس ہزار اشخاص نے نماز پڑھی۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر کی امامت کا کوئی ثبوت نہیں۔ بلکہ آپؐ پر کسی نے امامت نہیں کرائی۔ منتقی میں ہے۔

عن ابن عباس قال دخل الناس علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارسالا یصلون علیہ حتی اذا فرغوا ادخلوا النساء حتی اذا فرغن ادخلوا الصبیان ولم یؤم

الناس علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم احمد رواہ ابن ماجۃ۔

یعنی ابن عباس رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم پر لوگ تھوڑے تھوڑے داخل ہوتے اور نماز جنازہ پڑھتے۔جب مرد فارغ ہو گئے تو انہوں نے عورتوں کو داخل کیا جب عورتیں فارغ ہو گئیں تو لڑکوں کو داخل کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم پر کسی نے امامت نہیں کرائی۔

اس حدیث کو بیہقیؒ نے بھی روایت کیا ہے۔حافظ ابن حجرؒ نے اس کی اسناد کو ضعیف کہا ہے کیونکہ اس میں حسین بن عبداللہ بن ضمیر راوی ضعیف ہے۔نیل الاوطار میں ہے کہ اس بارہ میں مسند احمد میں بھی روایت ہے ابی عسیب کہتے ہیں۔میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے جنازہ کو حاضر ہوا آخر وقت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ آپ پر نماز جنازہ کس طرح پڑھیں۔فرمایا تھوڑے تھوڑے داخل ہوئے۔اس طرح تلخیص میں ہے۔جابر اور ابن عباس رضؓ سے طبرانی میں بھی اس طرح مروی ہے۔اس کی اسناد میں عبدالمنعم بن ادریس ایک راوی ہے جو کذاب ہے۔اور بزار نے کہا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے۔اور عبداللہ بن مسعود رضؓ سے مستدرک حاکم میں کمزور اسناد کے ساتھ اور نبیط بن شریط سے بیہقی میں بھی اسی طرح مروی ہے۔اور امام مالکؒ نے اس کو بصیغہ بَلَغَنِیْ (مجھے پہنچا) ذکر کیا ہے۔

شمائل ترمذی میں ہے۔

قالوا یا صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم ایصلی علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم قال نعم قالوا وکیف قال یدخل قوم فیکبرون ویصلون ویدعون ثم یخرجون حتی یدخل الناس (باب ما جاء فی وفاۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم۔)

یعنی لوگوں نے حضرت ابو بکر رضؓ کو کہا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی؟ فرمایا ہاں۔لوگوں نے کہا، کس طرح؟ فرمایا ایک قوم داخل ہو تکبیر کہیں۔نماز پڑھیں۔دعا کریں پھر نکل جائیں یہاں تک کہ اس طرح سارے لوگ داخل ہوں۔

ملّا علی قاری حنفی شرح شمائل میں لکھتے ہیں۔جس کا اردو ترجمہ یہ ہے۔

حضرت علی فرماتے ہیں آپ پر کوئی امامت نہ کرائے۔کیونکہ آپ حین حیات اور حین ممات دونوں حالتوں میں امام ہیں۔اور بعض روایتوں میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح وصیت کی۔

اور اسی وجہ سے آپؐ کے دفن میں تاخیر ہوئی۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی قبر پر نماز جنازہ جائز نہیں دتاکہ یہ سلسلہ جاری ہو کر آپ کی پوجا تک نوبت نہ پہنچ جائے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ پہلے متفرق طور سے آپؐ پر فرشتوں نے نماز پڑھی۔ پھر آپ کے اہل بیت نے پھر متفرق طور پر لوگوں نے۔ پھر اخیر میں امہات المومنین رضؓ نے۔ شرح مواہب میں خصائص کے بیان میں حضرت ابوبکر رضؓ اور حضرت علی رضؓ کی اُوپر کی روایتیں ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

فکان الناس یدخل رسلا فرسلا فیصلون صفا صفا لیس لهم امام رواه ابن سعد

یعنی تھوڑے تھوڑے لوگ آپ پر داخل ہوتے۔ پس قطار باندھ کر بغیر امام کے نماز پڑھتے۔ روایت کیا اس کو ابن سعد نے۔

شیخ عبدالرؤف مناوی شرح شمائل میں لکھتے ہیں جس کا اُردو ترجمہ یہ ہے۔

یعنی حاکم نے مستدرک میں اور بزارؒ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے جب اپنے اہل کو حضرت عائشہ رضؓ کے گھر میں جمع کیا۔ تو اہل نے کہا آپ پر کون جنازہ پڑھے گا تو فرمایا جب تم مجھے غسل دے کر میری چارپائی پر رکھو تو اندر سے نکل جاؤ۔ کیونکہ پہلے مجھ پر جبرئیلؑ نماز پڑھیں گے پھر میکائیل علیہ السّلام پھر اسرافیل علیہ السّلام پھر ملک الموت (عزرائیل علیہ السّلام) مع اپنے لشکر کے، پھر تم فوج فوج داخل ہوؤ اور نماز پڑھو اور سلام بھیجو۔

اس حدیث کے ساری راوی ثقہ ہیں صرف عبدالملک مجہول ہے۔

اس قسم کی روایتیں بے شمار ہیں۔ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آپؐ کے جنازہ پر امامت نہیں ہوئی بلکہ ویسے ہی تھوڑے تھوڑے داخل ہو کر نماز جنازہ پڑھتے رہے ان کا کوئی امام نہیں تھا۔ اگرچہ ان بعض روایتوں میں کچھ ضعف ہے مگر کثرت طرق کی وجہ سے حسن کے درجہ کو پہنچ سکتی ہیں بلکہ شمائل ترمذی حدیث اکیلی ہی حسن کے درجہ کی ہے اور شرح مواہب میں ابن کثیر سے نقل کیا ہے ھذا امر مجمع علیہ۔ یعنی اس پر اجماع ہے۔ پس جب اجماع ہوا تو کوئی شبہ نہ رہا۔

نیل الاوطار جلد ۳ کے صفحہ ۴۲ میں ابن عبدالبر سے بھی اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ اگرچہ نیل الاوطار میں اس کے بعد ابن وحیہ کا اس پر اعتراض نقل کیا ہے کہ ابن عبدالبر کا اس کو اجماعی کہنا صحیح نہیں کیونکہ ابن القصار نے اس پر اختلاف ذکر کیا ہے کہ آپؐ پر نماز جنازہ پڑھی گئی یا صرف دعا کی گئی۔ پھر اکیلے اکیلے پڑھی گئی یا باجماعت۔ لیکن

اس میں شبہ نہیں کہ اختلاف اقل قلیل ہے قریباً سارے مورخین نے آپ پر نماز جنازہ نقل کی ہے۔ نہ فقط دعا اور نماز جنازہ بھی اکیلے اکیلے بغیر امام کے اور اُوپر کی روایات سے بھی نماز جنازہ ہی ظاہر ہوتی ہے۔ کیونکہ تکبیر کا ذکر ہے۔ اور لوگوں کا حضرت ابوبکرؓ سے دریافت کرنا الیصلی علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ کیا آپ پر صلوٰۃ پڑھی جائے؟ اس سے بھی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ نماز جنازہ ہی مراد ہے کیونکہ ویسے تو التحیات وغیرہ میں ہمیشہ آپؐ پر درود پڑھا جاتا ہے یہ کوئی شبہ کی شے نہیں۔ شبہ جنازہ میں ہی ہو سکتا ہے۔ جیسے آپ کے ننگا کر کے غسل دینے میں اور آپؐ کے مقام دفن میں شبہ ہوا۔ اس طرح جنازہ میں شبہ ہوا۔ آخر غسل آپ کو کپڑوں سمیت دیا گیا اور دفن آپؐ وہیں ہوئے اور جنازہ اکیلے اکیلے پڑھا گیا۔

اُوپر کی روایات اور سب مورخین کا اتفاق یہ دونوں مل کر اس بات کا کافی ثبوت ہیں۔ اول تو اُوپر کی روایات ہی کافی تھیں لیکن مؤرخین کا قریباً اتفاق ان کا مؤید ہو گیا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جنازہ سے اس بات پر استدلال کرنا کہ متعدد جنازہ جائز نہیں یہ بالکل غلط ہے بلکہ اس واقعہ سے متعدد جنازہ ثابت ہوتے ہیں۔ اور اسی واسطے ابن حجرؒ وغیرہ نے اس واقعہ کو متعدد جنازہ کے ثبوت میں پیش کیا ہے۔ چنانچہ شرح شمائل صفحہ مذکورہ میں ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں۔

قال ابن حجر فیہ ان تکریر الصّلوٰۃ علی المیت لا باس بہا۔

یعنی اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ میت پر متعدد جنازہ کا کوئی حرج نہیں۔

اگرچہ اس کے بعد ملا علی قاری نے کہا ہے کہ یہ آپؐ کا خاصہ ہے مگر قبر پر آپؐ کا جنازہ پڑھنا بتلا رہا ہے کہ خاصہ نہیں۔ ہاں اکیلے اکیلے پڑھنا بے شک خاصہ ہے کیونکہ باوجود جماعت ہو سکنے کے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ نے جماعت کی اجازت نہیں دی۔ اور اکیلے اکیلے پڑھنے کا ارشاد فرمایا بلکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اخیر وقت اس کی وصیت فرمائی۔ یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ خاصہ ہے۔

عبداللہ امرتسری مقیم روپڑ

۱۲ جمادی الاول سنہ ۱۳۵۴ھ - ۱۶ اگست سنہ ۱۹۳۵ء

قبرستان میں جنازہ

سوال :۔ قبرستان میں جنازہ پڑھا جا سکتا ہے یا نہیں؟

جواب :۔ عن ابی ھریرۃ ان امراۃ سوداء کانت تقم المسجد اوشاب ففقدھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فسال عنھا اوعنہ فقالوا مات قال افلا اذنتمونی قال فکانھم صغروا امرھا او امرہ فقال دلونی علی قبرہ فدلوہ فصلی علیھا (مشکوۃ باب المشی بالجنازۃ)

یعنی ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک حبشیہ یا جوان مرد مسجد کو جھاڑو دیتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو نہ پایا۔ آپؐ نے اس کی بابت پوچھا۔ لوگوں نے کہا وہ مرگیا ہے۔ فرمایا مجھے تم نے خبر کیوں نہیں دی۔ ابوہریرہ رضہ کہتے ہیں لوگوں نے گویا اس کا معاملہ چھوٹا سمجھا۔ آپؐ نے فرمایا مجھے اس کی قبر بتاؤ انہوں نے قبر بتائی تو آپؐ نے قبر پر جاکر نماز جنازہ ادا کی۔ پھر فرمایا یہ قبریں اندھیرے سے بھری ہیں میرے نماز جنازہ پڑھنے سے خدا ان کو روشن کر دیتا ہے۔

اس حدیث سے قبرستان میں نماز جنازہ پڑھنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوگیا۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

مسجد میں نماز جنازہ

سوال :۔ کیا مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔

جواب :۔ مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا حنفیہ منع کہتے ہیں۔ اہل حدیث کے نزدیک جائز ہے۔ راجح یہی ہے۔ کیونکہ سہل رضہ اور سہیل رضہ کا جنازہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں پڑھا ہے اور کوئی صحیح روایت اس کے خلاف نہیں آئی۔ (عون المعبود شرح ابی داؤد جلد ۳)

عبداللہ امرتسری از روپڑ

۲ رمضان ۱۳۵۴ھ ۔ ۲۹ نومبر ۱۹۳۵ء

میت کو دفن کرکے قبر پر دعا کرنا

سوال :۔ میت کو قبر میں دفن کرنے کے بعد قبر پر کھڑے ہوکر دعا کرنا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و عمل سے ثابت ہے یا نہیں؟ (تاج الدین موضع بڈھا گورایہ ضلع گوجرانوالہ)

جواب: میت کو قبر میں دفن کرنے کے بعد قبر پر کھڑے ہو کر دعاء کرنے کی حدیث مشکوٰۃ وغیرہ میں موجود ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں۔

وَعَنْهُ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا فَرَغَ مِنْ دَفْنِ الْمَیِّتِ وَقَفَ عَلَیْہِ فَقَالَ اسْتَغْفِرُوْا لِاَخِیْکُمْ ثُمَّ سَلُوْا لَہٗ بِالتَّثْبِیْتِ فَاِنَّہُ الْاٰنَ یُسْاَلُ۔

(مشکوٰۃ باب اثبات عذاب القبر)

یعنی حضرت عثمانؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دفن میت سے فارغ ہو کر قبر پر کھڑے ہوتے اور فرماتے اپنے بھائی کے لئے دعا بخشش کرو۔ اور اس کے لئے بارگاہ ایزدی میں ثابت قدمی کی درخواست کرو۔ وہ اس وقت سوال کیا جاتا ہے۔

لیکن عام طور پر لوگ دعاء اس کو سمجھتے ہیں جس میں ہاتھ اٹھائے جائیں۔ حالانکہ دعاء ہاتھ اٹھائے اور بغیر ہاتھ اٹھائے دونوں صورتوں میں ہوتی ہے۔ مثلاً نماز کے اندر۔ سجدہ میں اور بین السجدتین اور بعض دفعہ قیام میں بلا ہاتھ اٹھائے دعا ہوتی ہے۔ اس طرح قبر پر اختیار ہے ہاتھ اٹھا کر دعا کرے یا بغیر ہاتھ اٹھائے ہاں ہاتھ اٹھانا آداب دعا سے ہے اس لئے اٹھانا بہتر ہے مگر لازم نہ سمجھے۔ اور اگر کوئی ہاتھ نہ اٹھائے تو اس پر اعتراض نہ کرے جیسے فرضوں کے بعد کی دعا میں کوئی ہاتھ نہ اٹھائے تو ناواقف لوگ اعتراض کرتے ہیں

عبداللہ امرتسری روپڑی

۴ ربیع الاول ۱۳۸۳ھ

لحد کو پکی اینٹوں یا پکے برتنوں سے بند کرنا

سوال: میت کو لحد میں رکھ کر بجائے کچی اینٹوں کے لحد کو مٹی کے پکے ہوئے برتنوں سے بند کرنا جائز ہے یا نہیں۔

جواب: چونکہ انسان کچی مٹی سے پیدا ہوا ہے اس لئے لحد میں اور قبر پر پختہ اینٹیں نہ لگائی جائیں قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

مِنْهَا خَلَقْنٰکُمْ وَفِیْهَا نُعِیْدُکُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُکُمْ تَارَةً اُخْرٰی۔

یعنی ہم نے مٹی سے تمہیں پیدا کیا اور اسی میں تمہیں لوٹائیں گے اور اسی سے تمہیں نکالیں گے

اسی لئے دفن کے وقت یہ آیت پڑھی جاتی ہے پس لحد کو پکے برتنوں سے بند کرنا ناجائز ہے۔

عبداللہ امرتسری مقیم روپڑ ضلع انبالہ

۲۶ محرم ۱۳۵۶ھ - ۹ اپریل ۱۹۳۷ء

میت کو نکال کر دوسری جگہ دفن کرنا

سوال: - چوہدری صاحب فوت ہو گئے ہیں۔ ان کی وصیت کے مطابق ان کو ایسی جگہ دفن کیا گیا ہے کہ وہ جگہ قبرستان سے علیحدہ ہے۔ بلکہ ان کے مہمان خانہ کے پاس ایک کونہ میں جگہ ہے۔ صندوق میں بند کر کے ان کو دفن کیا گیا ہے۔ اب ہمارا ارادہ ہے کہ مرحوم کو اس جگہ سے نکال کر مسجد کے قریب دفن کریں تاکہ وہاں پر ہر نمازی مرحوم کے لئے دعائے مغفرت کرے۔ کیا یہ شرعاً جائز ہے؟ اگر جائز ہے تو کیا جب صندوق نکالیں تو میت کو دوبارہ غسل دیں یا اس طرح بند کا بند دوسری قبر میں دفن کر دیں۔

جواب: - بہتر تو یہی ہے کہ جس طرح مرحوم سپرد خاک ہو گئے ہیں اسی طرح رہنے دیں جن کو مرحوم کے ساتھ ہمدردی ہے اُن کی دعائیں دور سے بھی پہنچیں گی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جہاں کوئی ہو اس کا درود مجھے پہنچتا ہے۔ دعا اور درود کا ایک ہی حکم ہے۔ ہاں اگر نکال کر دوسری جگہ دفن کر دیئے جائیں تو گنجائش ہے۔ حضرت جابرؓ کے والد عبداللہؓ جنگ احد میں شہید ہو گئے۔ اور ایک دوسرے شخص کے ساتھ دفن کئے گئے۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں۔ میرا دل برداشت نہ کر سکا کہ میرے والد دوسرے کے ساتھ دفن رہیں۔ تقریباً چھ ماہ بعد نکال کر دوسری جگہ دفن کر دیئے۔ اُن کی لاش اسی طرح صحیح و سالم تھی صرف کان میں ذرا سا اثر تھا۔ یہ حدیث بخاری شریف کتاب الجنائز میں ہے۔ اس سے گنجائش ملتی ہے کہ میت دوسری جگہ دفن کر دی جائے مگر ایک خطرہ ہے کہ کہیں میت پھٹ نہ گئی ہو۔

صندوق میں دفن کرنے کا رواج ٹھیک نہیں۔ مسنون طریقہ خیر قرون میں براہ راست مٹی میں دفن کرنے کا تھا۔ خیر ہو چکا سو ہو چکا آئندہ محتاط رہنا چاہیئے۔

غسل، کفن، جنازہ کی دوبارہ ضرورت نہیں۔ چنانچہ جابرؓ وغیرہ کی روایت وغیرہ میں دوبارہ کفن

وغیرہ کا ذکر نہیں۔ ہاں اگر کفن مٹی نے کھالیا ہو تو صرف کفن دوبارہ ضروری ہے ۔غسل جنازہ ضروری نہیں ۔اگر کوئی غسل دے دے تو منع بھی نہیں ۔اسی طرح جنازہ کا حکم ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

۵ جمادی الثانی ۱۳۸۰ھ ۔ ۲۵ نومبر ۱۹۶۰ء

ماتم پرسی کے وقت فاتحہ خوانی

سوال :۔ کسی کے مرجانے کے بعد جو دعاء فاتحہ پڑھی جاتی ہے اور ماتم پرسان ماتم والے کے گھر جا کر دعا یا فاتحہ پڑھ کر اور ہاتھ اٹھا کر دُعا مانگتے اور مردہ کی روح کو ثواب بخشتے ہیں یہ جائز ہے یا نہیں۔

عبداللہ گوجر

جواب :۔ مسند احمد میں جریر بن عبداللہ بجلی سے روایت ہے۔

کنا نعد الاجتماع الی اھل المیت وصنعۃ الطعام بعد دفنہ من النیاحۃ

یعنی اہل میت کی طرف جمع ہونا نیز کھانا تیار کرنا ہم نوحہ سمجھتے تھے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اہل میت کے گھر میں جمع ہونا نوحہ یعنی رونے پیٹنے میں داخل ہے۔ نیز پہلے روز یا تیسرے روز یا ساتویں روز یا چالیسویں روز یا ششماہی یا سالانہ جو کھانا پکتا ہے یہ بھی نوحہ میں داخل ہے اور ابوداؤد میں حدیث ہے۔

لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم النائحۃ والمستمعۃ

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نوحہ کرنے والی اور نوحہ سننے والی پر لعنت کی ہے

اب جو لوگ اہل میت کے گھر میں صبح وشام یا تیسرے روز یا کسی اور دن میں ماتم پرسی یا فاتحہ کے لئے جمع ہوتے ہیں۔ ان کو اس بات سے توبہ کرنی چاہیئے۔ ایسا نہ ہو کہ ان کا یہ فعل نوحہ میں داخل ہو کر لعنت کا باعث ہو جائے۔ ثواب حاصل کرتے کرتے عذاب میں گرفتار ہو جائیں اور آیت کریمہ یحسبون انھم یحسنون صنعا کے نیچے آجائیں۔ یعنی سب سے زیادہ ٹوٹے والے ہو جائیں۔ اس کے علاوہ اس قسم کی فاتحہ خوانی کا کوئی ثبوت نہیں۔ نہ خیر قرون میں یہ کام ہوا۔ پس یہ بدعت ہوا اور حدیث میں ہے کل بدعۃ ضلالۃ

عبداللہ امرتسری روپڑی ۲ شعبان ۱۳۸۰ھ ۳۰ جنوری ۱۹۶۱ء

منہدم قبر کی مرمت

سوال:۔ قبر اگر گر جائے تو اور مٹی ڈال کر درست کر دینی چاہیئے یا نہیں اور کچی مٹی سے لیپ دینی چاہیئے یا نہیں۔

جواب:۔ بظاہر اس میں کوئی حرج معلوم نہیں ہوتا۔ کیونکہ لحد پر جو اینٹیں چنی جاتی ہیں وہ زائد مٹی ہوتی ہے جو قبر کی مٹی کے علاوہ ہے۔ باقی لپائی کی بجائے مسنون طریقہ چھڑکاؤ ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے۔ بس اس پر اکتفا کرنی چاہیئے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی لاہور ۲ شعبان ۱۳۸۰ھ

خسف شدہ بستی میں دفن کا حکم

سوال:۔ خسف شدہ بستی جو کہ بصورت ٹیلہ اونچان موجود ہو وہاں گورستان بنانا جائز ہے۔

جواب:۔ جہاں ثمود ہلاک ہوئے وہاں سے جلدی گزر جانے کی وجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی بیان کی ہے کہ کہیں تمہیں بھی وہ عذاب نہ پہنچے جو ان کو پہنچا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایسی جگہ غضب الٰہی کی جگہ ہے۔ پس ان میں دفن کرنا ٹھیک نہیں۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

قبر پر قرآن مجید پڑھنا اور مزار پر نذر و نیاز چڑھانا

سوال:۔ کیا مزار پر نذر نیاز چڑھانا اور قبر پر قرآن مجید پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ نذر نیاز قبر پر چڑھانا اور اس کا کھانا حرام ہے۔ خواہ میوہ ہو یا کوئی اور شے۔ قرآن مجید میں ہے وما اهل به لغير الله۔ جو غیر اللہ کی تعظیم کے لئے نامزد کی جائے وہ حرام ہے۔

قبر پر قرآن مجید پڑھنا

رہا قرآن مجید قبر پر پڑھنا سو اس کی دو صورتیں ہیں۔

پہلی صورت:۔ ایک یہ کہ جیسے آج کل رواج ہے کہ قبر پر مجاور بن کر پڑھتے ہیں۔ نیز سال کے بعد

عرس کرتے ہیں۔ دُور دراز سے لوگ جمع ہوتے ہیں۔ اور قرآن مجید پڑھتے ہیں اس کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں اور حدیث میں ہے۔

من احدث فی امرنا ھذا مالیس منہ فھو ردٌ (مشکوٰۃ باب الاعتصام)

یعنی جو شخص ہمارے دین میں نئی بات پیدا کرے جو اس سے نہیں وہ مردود ہے

دُوسری صُورت

یہ ہے کہ کوئی خاص طریق مقرر نہ کرے بلکہ جب اتفاق پڑے عام طور پر قبروں کی زیارت کرے اور اس وقت قرآن مجید کی کوئی سورت پڑھ کر اس کا ثواب میّت کو بخش دے۔ اس میں اختلاف ہے۔ امام احمدؒ اور امام ابو حنیفہ وغیرہ اس کے قائل ہیں۔ امام شافعی رح اور امام مالکؒ اس کے قائل نہیں۔

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں بحوالہ شرح الصدور سیوطیؒ نے لکھا ہے۔

اختلف فی وصول ثواب القرآن للمیت فجمھور السلف والائمۃ الثلاثۃ علی الوصول وخالف فی ذالک امامنا الشافعی رح (مرقاۃ جلد۲ ص۳۸۲)

یعنی میت کو قرآن مجید کا ثواب پہنچنے میں اختلاف ہے۔ جمہور سلف اور تین امام پہنچنے کے قائل ہیں۔ اور ہمارے امام شافعیؒ اس کے قائل نہیں۔

ملا علی قاری نے شرح فقہ اکبر میں لکھا ہے۔

اختلف العلماء فی العبادات البدنیۃ کالصوم والصلوٰۃ وقراءۃ القران والذکر فذھب ابوحنیفۃ وجمھور السلف الی وصولھا والمشھور من مذھب الشافعیؒ ومالک عدم وصولھا۔

یعنی عبادات بدنیہ کے ثواب پہنچنے میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہ رح اور جمہور سلفؒ پہنچنے کی طرف گئے ہیں۔ اور امام شافعی رح اور امام مالکؒ کے مذہب میں نہ پہنچنا مشہور ہے۔

ان عبارتوں میں امام احمد رح اور امام ابو حنیفہ رح اور جمہور رح کا مذہب ثواب کا پہنچنا تبلایا ہے امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کا مذہب نہ پہنچنا بتایا ہے۔ اور امام مالکؒ کے دو قول نقل کئے ہیں۔ پہلی عبارت میں پہنچنے کا ذکر کیا ہے۔ دُوسری میں نہ پہنچنے کا امام احمد رح اور امام ابُو حنیفہ کے موافق بعض احادیث بھی آئی ہیں۔

اوّل حدیث :۔ ابو محمد سمرقندی رح نے فضائل قل ھو اللہ احد میں حضرت علی رض سے مرفوع

روایت کیا ہے کہ جو شخص قبروں کے پاس سے گزرے اور قل ھو اللہ گیارہ بار پڑھ کر اس کا ثواب مُردوں کو بخش دے تو مُردوں کی گنتی کے برابر اس کو ثواب دیا جائے گا۔

دوم احادیث ۔ ابو القاسم سعد بن زنجانی رحہ نے اپنے فوائد میں حضرت ابو ہریرہ رضؓ سے روایت کیا ہے رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا جو شخص قبرستان میں جائے۔ پھر سورہ فاتحہ قل ھو اللہ احد اور الھاکم التکاثر پڑھ کر کہے کہ یا اللہ! میں نے جو تیرا کلام پڑھا ہے۔ اس کا ثواب اس قبرستان کے مومن اور مسلمان مُردوں کو بخش دیا۔ تو وہ مُردے اللہ تعالےٰ کے پاس اس کی سفارش کریں گے۔

سوم حدیث ۔ عبدالعزیز خلال رحؒ کے شاگرد نے حضرت انس رضؓ سے روایت کیا ہے، رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ جو شخص قبرستان میں داخل ہو، پھر سورۃ یٰس پڑھے تو اللہ تعالےٰ مُردوں پر تخفیف کرتا ہے اور مُردوں کی تعداد کے برابر اس کو نیکیاں ملتی ہیں۔

چہارم حدیث ۔ قرطبی رحؒ نے اپنے تذکرہ میں حضرت انس رضؓ سے مرفوع روایت کیا ہے کہ جب کوئی مومن آیت الکرسی پڑھے اور اس کا ثواب مُردوں کو بخشے تو اللہ تعالےٰ مشرق اور مغرب کی ہر قبر میں نور داخل کرتا ہے اور اُن کی خوابگاہ کو وسیع کرتا ہے۔ اور پڑھنے والے کو ساٹھ نبی کا ثواب دیتا ہے۔ اور ہر میت کے مقابلہ میں اس کا درجہ بلند کرتا ہے۔ اور ہر میت کے مقابلہ میں اس کے واسطے دس نیکیاں لکھتا ہے۔

پنجم حدیث ۔ دارقطنی میں ہے کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! میں اپنے ماں باپ کے ساتھ ان کی زندگی میں نیکی کیا کرتا تھا۔ اُن کے مرنے کے بعد ان سے کس طرح نیکی کروں؟ آپ نے فرمایا۔ مرنے کے بعد یہ نیکی ہے کہ اپنی نماز کے ساتھ ان کے واسطے بھی نماز پڑھ اور اپنے روزہ کے ساتھ ان کے لئے بھی روزہ رکھ۔

تبصرہ

پہلی چار حدیثوں میں قرآن مجید کے ثواب پہنچنے کا ذکر ہے۔ اور پانچویں میں دیگر بدنی عبادات (نماز روزہ) کے ثواب پہنچنے کا بیان ہے۔ بعض اور روایات بھی آئی ہیں مگر سب ضعیف ہیں صحیح کوئی نہیں ہے۔

امام نووی رحؒ نے کتاب الاذکار میں لکھا ہے کہ محمد بن احمد مروزی رحہ نے کہا ہے۔ میں نے امام احمدؒ بن حنبل سے سنا ہے فرماتے تھے۔ جب تم لوگ قبرستان میں جاؤ۔ تو سورہ فاتحہ۔ قل اعوذ برب الفلق۔ قل اعوذ برب الناس اور قل ھو اللہ احد پڑھو۔ اور اس کا ثواب مُردوں کو بخشو۔ مُردوں کو ثواب پہنچے گا۔

امام سیوطی رحؒ نے قراءت قرآن کی روایتیں ذکر کر کے لکھا ہے۔ اگرچہ یہ ضعیف ہیں۔ لیکن ان کا مجموعہ بتاتا

ہے کہ ان کی کچھ اصل ہے۔

امام سیوطیؒ نے ان کے مجموعہ پر حسن یا صحیح ہونے کا حکم اس لئے نہیں لگایا کہ ان میں ضعف زیادہ ہے اگر ضعف تھوڑا ہوتا تو مجموعہ مل کر حسن یا صحیح کے درجہ کو پہنچ جاتا خیر ان پر عمل سے روکا نہیں جاتا خاص کر جب کہ امام بھی اس طرف گئے ہیں۔ چنانچہ اُوپر امام احمد بن حنبل رحمہ وغیرہ سے نقل ہو چکا ہے۔

مشکوٰۃ میں حدیث ہے۔ اس میں دفن کے وقت سر کی طرف شروع آیات سورہ بقر اور پاؤں کی طرف اخیر آیات بقر کی پڑھنے کا ذکر آیا ہے۔ اگرچہ یہ روایت بھی ضعیف ہے۔ مگر مذکورہ بالا روایات کی موید ہے بہرصورت عمل میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ فضائل اعمال میں ضعیف بھی معتبر ہے مگر عمل کا کوئی طریق اپنی طرف سے مقرر نہ کرنا چاہیئے۔ جیسے آج کل مروج ہے کہ قبروں پر مجاور بن کر یا گھروں میں یا مسجدوں میں حلقے باندھ کر پیسوں یا بغیر پیسوں کے پڑھا جاتا ہے۔ اس کا ثبوت نہیں۔ خاص کر پیسے لے کر ختم کرنا اور اس کا ثواب پہنچانا یہ کسی کا مذہب نہیں بلکہ یہ پیٹ کے بندوں کا اختراع ہے۔ نہیں تو دوسرے کو اس سے کیا فائدہ؟ بلکہ اس طرح پیسے لینے دینے گناہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام احمدؒ نے ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنے سے پناہ مانگی ہے۔ جو تراویح میں پیسے لے کر سناتا ہے۔ اور حسن بصری رحمہ فرماتے ہیں کہ اس کے پیچھے نماز ہی نہیں ہوتی۔ اور عبداللہ بن مبارک رحمہ سے بھی اس کے قریب مروی ہے۔ ملاحظہ ہو قیام اللیل صـ۱۰۳۔

غرض مروجہ طریق ایصالِ ثواب کا طریق نہیں۔ ایصالِ ثواب کی اگر کوئی صورت ہو سکتی ہے تو صرف وہی ہو سکتی ہے۔ جس کا ذکر بعض روایات میں آیا ہے۔ جیسے اُوپر ذکر ہو چکا ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی ۲۱ شعبان سنہ ۱۳۷۹ھ

درود شریف

سوال:۔ جب درود شریف پڑھا جاتا ہے تو کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالخصوص آپ کی قبر شریف کے پاس خود سُنتے ہیں؟ اگر نہیں سنتے تو کیسے سُنتے ہیں؟

جواب:۔ یہ حدیث صحیح نہیں۔ ملاحظہ ہو ابن کثیر زیر آیت کریمہ انّ اللہ وملئکۃ یصلون علی النبی۔ (پ ۲۲ ع ۱۳) ضعیف حدیث مسائل اعتقادیہ میں معتبر نہیں ہوتی۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

شہداء کی زندگی

سوال:۔ جب شہید زندہ ہیں تو اُن کے زندہ ہونے کی کیا نوعیت ہے؟

جواب:۔ شہداء کی زندگی کی نوعیت حدیث میں ہے کہ پرندوں کی شکل میں ان کے ارواح جسموں میں داخل کئے جاتے ہیں۔ اور وہ جنّت کی سیر کرتے ہیں اور کھاتے پیتے ہیں۔

عبداللہ امرتسری روپڑی جامعہ اہلحدیث لاہور
۵ ذی قعدہ ۱۳۸۳ھ۔ ۱۹ اپریل ۱۹۶۴ء

قبر میں سوال جواب کی کیفیت

سوال:۔ کیا قبر میں سوال وجواب کے وقت آں حضرتؐ کا وجود مبارک میّت کے سامنے ہوتا ہے؟ اس سوال کی تفصیل یہ ہے کہ قبر میں میّت سے یہ سوال کیا جاتا ہے مَا هٰذَا الرَّجُلُ الَّذِیْ بُعِثَ فِیْکُمْ یہ شخص جو تم میں مبعوث ہوا ہے وہ کیا ہے؟ وہ جواب دیتی ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ یعنی محمد اللہ کا رسُول ہے۔ یہ حدیث پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم مردہ کے سامنے لائے جاتے ہیں جس کی وجہ سے یہ کہا جاتا ہے ما ھذا الرجل الذی بعث فیکم کیونکہ لفظ ہذا سے معلوم ہوتا ہے کہ آں حضرت وہاں موجود ہوتے ہیں۔ اور اگر اس لفظ ہذا کا کوئی دوسرا معنی ہے تو وہ بیان فرما دیجئے۔

(اے۔ ای۔ پٹیل   از جوہانسبرگ افریقہ)

جواب:۔ اس سوال کا جواب مولوی محمد نانا سملاکی نے یہ دیا ہے۔
لفظ ہذا اس مذکر موجُود شے کی طرف اشارہ کرنے کے لئے موضوع ہے جو قریب ہو۔ عام اس سے کہ مذکر حقیقی ہو یا حکمی اور موجُود خارجی ہو یا ذہنی۔ روایت مذکورہ فی السوال نیز دیگر روایات مختلفہ فی الباب کے مجموعہ سے معلُوم ہوتا ہے کہ حضور کے اوصاف ذکر کئے جاتے ہیں اور پھر اشارہ کر کے کہا جاتا ہے۔ اگر بندہ مومن ہے تو تمام اوصاف کو سن کر جواب دے دیگا۔ عبداللہ و رسولہ۔ پس لفظ ہذا سے مراد نبی کریم صلعم ہیں۔ اور بعضوں نے روایت مذکورہ فی السوال کی بنا پر یہ بھی کہا ہے کہ ممکن ہے کہ آنحضرتؐ کا چہرہ مبارک

مکشوف ہوتا ہے اور مکشوف ہونے کے بعد کہا جاتا ہو ماتقول فی ھذا الرجل مگر اس بارہ میں کوئی صریح روایت نہیں۔ لی وھذہ بشارۃ عظمی للمومن وماذالك علی اللہ بعزیز واللہ سبحانہ و تعالی اعلم۔ ۲۹/۵/۴

حدیث شریفہ میں ہذا کے ساتھ الذی بعث بھی آیا ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ رسول مبعوث سے سوال ہوتا ہے۔یعنی جو شخص تم میں رسول کر کے بھیجا گیا تھا۔اُس کو کیا کہتے ہو۔ ھذا کے ساتھ جب الذی آئے تو وہاں موجود مراد نہیں ہوتا مگر موصول مع صلہ کی طرف کلام کا رخ ہوتا ہے۔اس کی مثالیں قرآن مجید میں بکثرت ہیں۔ من ھذا الذی ھو جند لکم اسی قسم سے ہے جن لوگوں نے کہا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل دکھائی جاتی ہے۔یہ اُن کا اپنا خیال ہے جس کے ذمہ دار وہی ہیں۔

اس کا فیصلہ آپ فرمائیے۔ (اے۔ای۔پٹیل)

جواب:۔ ھذا کی وضع محسوس مبصر مذکر کے لئے ہے جو قریب ہو۔یہ اس کا حقیقی معنی ہے۔اس معنی کی بنا پر ترجیح اسی کو ہے کہ میت کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان سے حجاب اُٹھ جاتا ہے اور میت کو آپ کا وجود باجود قریب نظر آنے لگتا ہے۔پھر "ہذا" کے ساتھ سوال ہوتا ہے۔اور یہ کہنا کہ مکشوف ہونے پر کوئی دلیل نہیں یہ صحیح نہیں۔کیونکہ دلیل یہی ہذا کا لفظ ہے۔جب اس کا حقیقی معنیٰ یہی ہے تو مکشوف ماننا پڑے گا تاکہ حقیقی معنی بن سکے کیونکہ حقیقی معنیٰ مقدم ہے۔جب تک حقیقی معنیٰ بن سکے مجازی نہیں لیا جاسکتا اور یہ کہنا کہ جب ہذا کے ساتھ الذی ہو تو کلام کا رُخ موصول مع صلہ کی طرف ہوتا ہے۔یہ کوئی کلیہ قاعدہ نہیں قرآن مجید میں ہے۔

وَاِذَا رَاٰكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ یَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِیْ یَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ ۚ

اے محمدؐ! کفار جب تجھے دیکھتے ہیں تو مذاق سے کہتے ہیں۔کیا یہ وہی شخص ہے جو تمہارے معبودوں کا (برائی سے) ذکر کرتا ہے۔

اس آیت سے ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سامنے ہے پھر الذی بھی ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ موصول میں ضروری نہیں کہ کلام کا رُخ موصول مع صلہ کی طرف ہو۔ہاں اگر خارجی دلیل سے ثابت ہو کہ شے سامنے نہیں تو اس صورت میں کلام کا رُخ صلہ کی طرف ہو سکتا ہے۔جیسے آیت کریمہ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ" میں ایسا ہی ہے۔چونکہ خدا کی ذات دنیا میں کسی کے سامنے نہیں اور نہ کوئی خدا

کی ذات کو دنیا میں دیکھ سکتا ہے۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کو خدا نے فرمایا لن ترانی (پ ۹) یعنی اے موسےٰ تو مجھے ہرگز نہیں دیکھے گا۔ اِس لئے اس آیت میں ہذا کا رُخ موصول مع صلہ کی طرف ہے۔ اور حدیث ھذا الذی بعث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی روئیت سے کوئی مانع نہیں۔ درمیان سے پردہ مکشوف ہو کر روئیت ہو سکتی ہے۔ پس اس میں کلام کا رُخ موصول مع صلہ کی طرف نہیں ہو سکتا۔

اِس کے علاوہ الذی بعث کے یہ معنیٰ کرنے کہ "جو تم میں رسول بنا کر بھیجا گیا ہے" یہ بھی صحیح نہیں کیونکہ جواب کی عبارت ہے "وہ خدا کا رسول ہے" تو جواب فضول گیا اس لئے الذی بعث کے معنی جو تم میں رسول بنا کر بھیجا گیا نہ کرنے چاہئیں بلکہ اس کے معنیٰ "جو تم میں اٹھایا گیا یا پیدا کیا گیا" کئے جائیں۔ شاید کہا جائے کہ پہلے معنی (جو تم میں رسول بنا کر بھیجا گیا) لینے کی صورت میں یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ جو تم میں رسول بنا کر بھیجا گیا۔ کیا تم اس کو رسول مانتے ہو۔ مومن جواب دے گا کہ وہ خدا کا رسول ہے۔ اور کافر کوئی جواب نہیں دے گا اور یہ مطلب صحیح ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کیا کافر اس لئے جواب نہیں دے گا کہ اس کو جواب کا علم نہیں ہو گا یا اس لئے جواب نہیں دے گا کہ وہ انکار پر اَڑ جائے گا۔

پہلی صورت تو ٹھیک نہیں کیونکہ سوال سے اس کو علم ہو چکا ہے کہ وہ خدا کا رسول ہے تو پھر یہ کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ جواب کا اس کو علم نہیں۔ اور دوسری صورت بھی ٹھیک نہیں کیونکہ عذاب کے وقت اَڑی کیا؟ نیز احادیث میں صاف آیا ہے کہ کافر کہے گا ھاہ ھاہ لا ادری۔ یعنی ہائے ہائے مجھے پتہ نہیں۔ یہ بے علمی کا اظہار بتا رہا ہے کہ پہلے معنی (جو تم میں رسول بنا کر بھیجا) ٹھیک نہیں۔ اگر کہا جائے کہ کشوف مراد لینا ٹھیک نہیں۔ کیونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو دیکھا ہے۔ ان کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا وجود کرنا تو مفید ہو سکتا ہے کیونکہ وہ پہچان سکتے ہیں جنہوں نے نہیں دیکھا ان کے سامنے آپ کا وجود کرنا کیا فائدہ؟ نیز جن کافروں نے آپ کو دیکھا ہوا ہے جیسے ابوجہل وغیرہ تو وہ پہچان کر کہہ سکتے ہیں کہ وہ خدا کا رسول ہے۔ ان کے ہاہ۔ ہاہ لاادری کہنے کا کیا معنی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو نہیں دیکھا وہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے وجود باجود کو دیکھ کر پہچان لیں گے کہ یہ خدا کا رسول ہے۔ کیونکہ احادیث میں آیا ہے کہ مومن جب کہے گا کہ یہ اللہ کے رسول ہیں تو منکر نکیر کہیں گے تجھے کس طرح معلوم ہوا کہ یہ اللہ کے رسول ہیں تو وہ جواب میں کہے گا کہ میں نے اللہ کی کتاب پڑھی۔ پس ان پر ایمان لایا اور ان کی تصدیق کی یعنی اللہ کی کتاب میں جو ان کے اوصاف یا ان کا حلیہ

بتایا گیا ہے۔ اسے دیکھ کر مومن فراستِ ایمانی سے اندازہ کرلے گا کہ یہ وہی رسول ہیں جن پر میں ایمان لایا ہوں رہے کفّار جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے وہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل مبارک سے واقف ہیں آپ کی رسالت سے واقف نہیں کیونکہ ان کو ایمان نہیں۔ اگر بالفرض وہ دنیا میں رسالت سے واقف بھی ہوں تو بھی ایمان نہ لانے کی وجہ سے ناواقفوں میں اُٹھتے ہیں۔ پس ترجیح اسی کو ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکشوف ہو کر سامنے ہوتے ہوں۔

عبداللہ امرتسری از روپڑ ضلع انبالہ

تعاقب

مولوی عبدالجلیل سامرودی نے اخبار محمدی دہلی اور اہل سنّت والجماعت امرتسر میں محدث روپڑی کے فتویٰ پر تعاقب کیا جو حسب ذیل ہے۔

آپ نے اپنی تحقیق کا نتیجہ یہ ظاہر فرمایا کہ پس ترجیح اسی کو ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکشوف ہو کر سامنے ہوتے ہیں۔ تعجب ہے کہ موصوف ایک امر موہوم کو ترجیح دے رہے ہیں۔ اگر کتب احادیث کو کھول کر ملاحظہ فرماتے تو اس ترجیح کو مرجوح قرار دیتے۔ دیکھئے صحیح البخاری "باب المیت یسمع خفق النعال" میں بروایت انسؓ ملاحظہ ہو بلفظ فیقولان له ماکنت تقول فی ھذا الرجل محمد صلی اللہ علیه وسلم لفظ باب عذاب القبر (فی ھذا الرجل) لمحمد صلی اللہ علیه وسلّم۔ اسی حضرت انسؓ کی روایت سے ابن مردویہ نے بلفظ فی ھذا الرجل الذی کان بین ایدیکم الذی یقال له محمد کما فی شرح الصدور ص۴۲ الدر المنثور ص۸۱ جلد۴۔ مسند احمد میں حضرت اسماءؓ سے ص۳۵ جلد۶ میں بلفظ ماتقول فی ھذا الرجل قال ای رجل قال محمد نیز دیکھو شرح الصدور ص۵۷ کتاب الروح ص۷۴ الدر المنثور ص۹۵ ج۴ طبرانی کبیر کے لفظ فیقال له رجل یقال له محمّد ماھو انتھی دیکھو کنز العمال ص۹۵ ج۸ ابن کثیر ص۲۹۵ ج۵ میں بروایت ابن جریر ابوہریرہ سے اور خود ابن جریر ص۱۴۳ ج۱۳ مستدرک حاکم ص۳۸ ج۱۔ بلفظ ارئیت ھذا الرجل الذی کان فیکم ماتقول فیه وماتشھد به علیه فیقول امحمد فیقال له نعم الخ لفظ مستدرك فیقول ای رجل فیقولون الرجل الذی کان فیکم قال فلایھتدی فیقولون محمد الحدیث۔ یہ روایتیں ببانگِ دہل بتلا رہی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قبر میں مکشوف ہو کر سامنے ہونا کسی اجنبی کا مقولہ ہے۔ محدثین کا ہرگز اعتقاد نہیں۔ آپ کا بذاتِ خود مکشوف ہو کر سامنے ہونا

لغو محض ہے۔ اگر کوئی نص نبوی سے بالتنصیص ثابت ہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بذاتِ خود مکشوف ہو کر سامنے ہوتے ہیں تو مع حوالہ کتاب ظاہر فرمائیں۔ والا اس خیال شنیع سے رجوع فرمائیں۔

(ابو عبد الکبیر محمد عبد الجلیل السامرودی محمدی ۱۵ دسمبر ۳۵ء واہل سنت والجماعت ۱۶ دسمبر ۳۵ء)

جواب

مذہب اہلحدیث وہی ہے جو حدیث سے سمجھا جائے۔ اور حدیث سے ترجیح اُسی کو ثابت ہوتی ہے جو ہم لکھ چکے ہیں کیونکہ ہذا کا لفظ اس بارہ میں صاف ہے۔

مولوی عبد الجلیل کے پیش کردہ دلائل ہمارے مؤید ہیں۔ کیونکہ سب میں ہذا کا لفظ موجود ہے۔ صرف ایک میں نہیں، سو وہ سوال کی الگ صورت ہے۔ ہماری بحث صرف اس سوال میں ہے جو ھذا کے ساتھ ہے۔ شاید مولوی عبد الجلیل نے خیال کیا ہوگا کہ قبر میں سوال سب سے ایک طرز پر ہوتا ہے۔ اگر یہ خیال ہو تو اور ڈبل غلطی ہے۔ کیونکہ احادیث میں سوال کی چار صورتیں آئی ہیں۔ ایکؔ ھذا الرجل (معرفہ) کے ساتھ خواہ اس کے ساتھ آپ کا نام یا کوئی صفت ہو یا نہ دومؔ رجل (نکرہ) کے ساتھ اس میں نام صفت کا ہونا ضروری ہے۔ جیسے رجل یقال لہ محمد ما ہو۔ سومؔ مَن کے ساتھ جیسے مَنْ نَبِیُّكَ یا مَنِ الرَّسُوْلُ الَّذِیْ بعث الیکم چہارم۔ شہادت کے ساتھ جیسے ما شہادتك ۔ ملاحظہ ہو تفسیر ابن کثیر جلد ۵ صفحہ ۲۹۵، صفحہ ۲۹۶۔

آخر الذکر تین سوالوں سے تو ہماری بحث نہیں کیونکہ ان میں سوال ہی ایسی طرز کے ساتھ ہے جس کا کشف سے کوئی تعلق نہیں۔ صرف پہلے سوال سے بحث ہے۔ اس میں کشف ہے یا نہیں۔ ظاہر یہی ہے کہ کشف ہوتا ہے کیونکہ لفظ ہذا اسی کو چاہتا ہے۔ اس سوال میں کئی طرح کے الفاظ آئے ہیں۔ بعض سوال میں محمد کا لفظ ہے، چنانچہ مولوی عبد الجلیل کی پیش کردہ عبارات سے پہلی اور تیسری عبارات میں ہے اور بعض میں نہیں، چنانچہ مولوی عبد الجلیل کی پیش کردہ عبارات سے دوسری اور چھٹی عبارت میں نہیں۔ چھٹی میں تو ظاہر ہے کیونکہ اگر سوال میں لفظ محمد ہوتا تو میت اَمُحَمَّدٌ یا اَیُّ رَجُلٍ کے ساتھ سوال کیوں کرتی۔ اور دوسری عبارت میں فی ھذا الرجل لمحمد ہے، یعنی منکر نکیر ھذا الرجل سے محمد کی طرف اشارہ کرتے ہیں پس لمحمد منکر نکیر کے سوال میں نہیں بلکہ منکر نکیر کے سوال میں ھذا الرجل کا مشار الیہ بتلایا گیا ہے، خواہ بتلانے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں یا کوئی راوی ہو۔

تفسیر ابن کثیر میں مومن کے سوال میں لکھا ہے ما تقول فی ھذا الرجل یعنی النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم قال من قال محمدؐ ۔ یعنی اس شخص کے حق میں تو کیا کہتا ہے ۔ یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم ۔ مردہ کہتا ہے ۔ کون ؟ فرشتہ کہتا ہے ۔ محمدؐ !

فاجر یا کافر کے سوال میں لکھا ہے ۔ ما تقول فی ھذا الرجل قال ای رجل قال محمد یعنی اس شخص کے حق میں تو کیا کہتا ہے ۔ مردہ کہتا ہے کونسا شخص ۔ فرشتہ کہتا ہے محمدؐ ۔ ملاحظہ ہو صلہ ۲۹۶ ۔

ان مختلف الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک مکشوف ہو کر سامنے ہوتا ہے تو بعض میّتیں تو صرف چہرہ ہی کو دیکھ کر معلوم کر لیتی ہیں کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلّم ہیں ۔ اور بعض میّتوں کو اس میں تردّد رہتا ہے تو وہ ا محمد یا ای رجل کہہ کر سوال کرتی ہیں ۔ یعنی کیا یہ محمدؐ ہے یا یہ کونسا آدمی ہے ۔ فرشتے اس کے جواب میں نعم کہتے ہیں یا محمد کہتے ہیں ۔ یعنی ہاں یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلّم ہیں ۔

بہر صورت یہ تمام الفاظ ہمارے موید ہیں ۔ کیونکہ ان میں وہی ھذا کا لفظ ہے ۔ اور میّت کا ا محمد یا ای رجل کے ساتھ سوال کرنا یہ بھی ہمارا موید ہے ۔ کیونکہ یہ پورا جملہ نہیں ۔ اس کے آگے پیچھے کچھ عبارت مقدر ہے ۔ زیادہ مناسب یہ ہے کہ ہذا مقدر ہو ۔ کیونکہ اس سے پہلے منکر نکیر کے سوال میں ہذا ہے ۔ اس بنا پر پہلے سوال کی عبارت یُوں ہوئی اھذا محمد یا محمد ھذا ۔ یعنی کیا یہ محمدؐ ہے یا کیا محمدؐ ہے یہ ؟ اور دوسرے سوال کی اصل عبارت یوں ہُوئی ۔ ای رجل ھذا ۔ یعنی یہ رجل کونسا ہے ۔ گویا ان سوالوں سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ کوئی میّت کے سامنے ہوتا ہے ۔ اس کی طرف وہ اشارہ کر کے سوال کرتی ہے ۔

ناظرین خیال فرمائیں کہ جن دلائل کو مولوی عبد الجلیل ہمارے مقابلہ میں پیش کر رہے ہیں وہ دراصل ہمیں مفید ہیں ۔ مگر مولوی عبد الجلیل غلط فہمی سے اُسے اہلحدیث کا مسلک نہیں سمجھتے ۔ خدا ایسی غلط فہمی سے بچائے اور عبارات میں غور و تدبر کی توفیق بخشے ۔ آمین

(عبد اللہ امرتسری مقیم روپڑ ضلع انبالہ مدیر تنظیم)

تعاقب

علوی عبد الجلیل نے محدث روپڑی کے اس جواب پر حسب ذیل تعاقب کیا ہے ۔

کہ اگر وفات کے بعد مکشوف کا مسئلہ صحیح ہے تو آنِ واحد میں بے حساب سے سوال ہوتا ہے تو آپ کی ذات کو تو اس حاضری سے فرصت نہ ملتی ہوگی ۔

بخاری وغیرہ میں ہے کہ ہرقل نے اپنے ترجمان سے کہا۔ انی سائل هذا عن هذا الرجل۔ آپ تو ہرقل کے پاس بھی مکشوف کئے ہوں گے۔ کیونکہ هذا الرجل حاضر کے لئے ہوتا ہے۔

ابن مردویہ والی حدیث میں موجود ہے ماکنت تقول فی هذا الرجل الذی کان بین اظهرکم الذی یقال له محمد۔ بلکہ حاکم ص۳۸ جلد ا کی روایت فیقال له ما تقول فی هذا الرجل الذی کان فیکم وماتشهد به علیه فیقول ای رجل فیقولون الرجل الذی کان فیکم قال فلایهتدی له قال فیقولون محمد۔

لفظ حدیث هذا الرجل" یہ شخص کے بعد ہی کہا جاتا ہے۔ وہ جو تم میں تھے۔ وہ جنہیں محمدؐ کہا جاتا تھا۔ نیز دوسری میں ہے وہ جو تم میں تھے تیری گواہی ان کی بابت کیا ہے۔ پھر اس کا سوال کہ کون شخص ملائکہ کا جواب وہ جو تم میں تھے۔ اتنا کہتے ہوئے بھی نہ سمجھا تو ملائکہ کہیں گے۔ محمد وہ محمد ہیں۔ کیا ان سوالات و جوابات میں صراحتہ ظاہر نہیں ہے کہ حضور موجود نہیں ہوتے۔ آپ کے پاس صرف هذا لفظ کے اور کوئی دلیل نہیں ہے۔ یہ مسلک اہلحدیث نہیں بلکہ کسی حنفی کا مذہب ہے۔ مثل عینی وغیرہ کے چنانچہ فاضل قسطلانی نے لکھا ہے۔

قیل یکشف للمیت حتی یر النبیّ صلّی الله علیه وسلّم وهی بشری عظمة للمؤمن ان صح ذالك ولا نعلم حدیثا مرویا فی ذالك والقائل به انما استند لمجرد ان الاشارة لاتکون الا للحاضر لکن یحتمل ان تکون الاشارة لما فی الذهن فیکون مجازا۔

کہا گیا ہے کہ میت کے لئے پردہ اٹھ جاتا ہے یہاں تک کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیتی ہے اور اگر یہ صحیح ہو جائے تو مومن کے لئے بڑی خوش خبری ہے۔ اور ہمیں کوئی صحیح حدیث اس بارہ میں معلوم نہیں۔ اور جو اس کا قائل ہے۔ اس کی دلیل صرف یہی ہے کہ اشارہ حاضر کے لئے ہوتا ہے لیکن احتمال ہے کہ اشارہ حاضر فی الذہن کی طرف ہو پس یہ مجاز ہوگا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فتاوی ص۱۷ سوال ۸ کے جواب میں فرماتے ہیں۔ سوال یہ ہے۔

وهل یکشف له فی الحال حتی یری النبیّ صلی الله علیه وسلم ویقول له ما تقول فی هذا الرجل فاجاب بقوله بعد ان اعاد السوال فقال

وھو ھل یکشف لہ حتی یر النبی صلی اللہ علیہ وسلّم فالجواب ان ھذا لم یرو فی حدیث صحیح وانما ادعاہ من لا یحتج بہ بغیر مستند الا من جھۃ قولہ فی ھذا الرجل وان الاشارۃ بلفظۃ ھذا لا تکون الا للحاضر وھذا لا معنی لہ لانہ حاضر فی الذھن۔

بہر حال یہ سوال کہ میّت کے لئے پردہ کھولا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیتی ہے سو اس کا جواب یہ ہے کہ کسی صحیح حدیث میں یہ نہیں آیا۔ اس شخص نے بلا دلیل اس کا دعویٰ کیا ہے جو حجت نہیں۔ دلیل صرف یہ پیش کی ہے کہ ہٰذا کا اشارہ حاضر کے لئے ہوتا ہے۔ حالانکہ حاضر کے لئے ہونے سے کشف لازم نہیں آتا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذہن میں حاضر ہیں۔

جواب تعاقب

محدث روپڑی نے مولوی عبد الجلیل کے تعاقب کا جو جواب دیا وہ حسب ذیل ہے۔

ہم نے تو بقول آپ کے صرف حدیث کے لفظ ھذا سے استدلال کیا ہے تو آپ نے اس کے مقابلہ میں کیا پیش کیا ہے۔ صرف ابن مردویہ یا حاکم کی روایت حالانکہ اس میں بھی یہی لفظ ھذا ہے۔ باقی الفاظ مثلاً الذی کان بین اظھرکم الذی یقال لہ محمّد "وہ جو تم میں تھے وہ جنہیں محمد کہا جاتا تھا" وغیرہ یہ تو کسی طرح ہمارے خلاف نہیں۔ چنانچہ آپ کے پہلے تعاقب کے جواب میں اُوپر تفصیل ہو چکی ہے۔ لیکن دوسرے تعاقب میں آپ کا ان کو دہرانا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو ضمیر غائب سے دھوکا لگا ہے آپ یہ سمجھ رہے ہیں کہ ضمیر غائب اُسی کی طرف لوٹتی ہے جو کلام کے وقت مخاطب کے سامنے نہ ہو حالانکہ یہ ڈبل غلطی ہے اور یہی غلطی ایڈیٹر اہل سنّت والجماعت کو لگی ہے۔ انہوں نے بھی ضمیر غائب ہی سے رسول ﷺ کا عدم حضور ثابت کیا ہے۔

اس غلطی کی تفصیل سُنیئے۔

ا۔ ضمیر کے لوٹانے میں کبھی لفظ کی رعایت ہوتی ہے کبھی معنی کی۔

قرآن مجید میں ہے۔

ومن الناس من یقول اٰمنا باللہ وبالیوم الاخر وما ھم بمومنین

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان لائے۔ اور در حقیقت وہ ایمان والے نہیں۔

اِس آیت میں مَنْ کا لفظ مفرد ہے اور معنیً اس کا جمع ہے۔ لفظ کی رعایت کریں تو اس کی طرف مفرد کی ضمیر لوٹے گی۔ اگر معنی کی رعایت کریں تو جمع کی لوٹے گی۔ چنانچہ اس آیت میں یقول کی ضمیر مفرد کی طرف لوٹ رہی ہے۔ اور وما ھم بمومنین جمع کی۔ اسی طرح قرآن مجید میں ہے۔ کلّ نفس ذائقة الموت ہر نفس موت کے چکھنے والا ہے۔ عربی میں چونکہ نفس کا لفظ مونث ہے۔ اس لئے اس کی طرف ضمیر مونث لوٹتی ہے۔ خواہ مراد اس سے مرد ہو یا عورت۔ ہماری زبان میں اس کی مثال "ہستی" کا لفظ ہے۔ مراد اس سے خواہ مرد ہو۔ استعمال اس کا مؤنث ہی کی طرح ہوتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے کہ اچھی ہستی ہے "اچھا ہستی" نہیں کہا جاتا۔ اِس طرح قرآن مجید میں ہے۔

واذا رأوك ان یتخذونك الّا ھزوا اھذا الذی یذکر الھتکم

اے محمد کفّار جب تجھے دیکھتے ہیں تو مذاق سے کہتے ہیں کیا یہ وہی شخص ہے جو تمہارے معبودوں کو (برائی سے) ذکر کرتا ہے۔

اِس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سامنے ہیں مگر ضمیر غائب لوٹ رہی ہے گویا الذی کے لفظ کی رعایت کی گئی ہے بلکہ ایسے مقام میں لفظ الذی کی رعایت زیادہ فصیح ہے۔ مثلاً کوئی شخص اپنا پتہ بتلاتے ہوئے کہے انا الذی یقال لہ زید تو یہ انا الذی یقال لی زید سے زیادہ فصیح ہے۔ چنانچہ قواعدِ عربیہ میں اس کی تصریح ہے۔ حالانکہ متکلم سامنے ہوتا ہے مگر الذی کے لفظ کی رعایت کی گئی ہے۔ مولوی عبد الجلیل اور ایڈیٹر اہل سنّت دونوں بچارے ضمیر غائب کی اُلجھن میں پھنس کر راجح بات سے غائب ہو گئے۔ انا للہ

علاوہ ازیں ان سے اَور غلطیاں بھی ہوئی ہیں۔ نمبروار سُنیئے۔

دوسری غلطی

مولوی عبد الجلیل نے بخاری وغیرہ کے حوالہ سے ہرقل کی حدیث کا ٹکڑا نقل کیا ہے۔ انی سائل ھذا عن ھذا الرجل۔ اِس عبارت میں پہلے ھذا سے ابوسفیان کی طرف اشارہ ہے۔ اور دوسرے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی طرف یعنی ہرقل نے ابوسفیان کے ساتھیوں سے اپنے ترجمان کی معرفت کہا کہ میں ابوسفیان سے محمدؐ کا حال پوچھنا چاہتا ہوں۔ مولوی عبد الجلیل کا اس سے یہ مطلب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم ہرقل کی مجلس میں نہ تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہذا کے استعمال میں سامنے ہونا شرط نہیں لیکن مولوی عبد الجلیل نے

یہاں ڈبل غلطی کی ہے کہ اُخروی معاملات پر قیاس کیا ہے حالانکہ آخرت کا معاملہ عموماً خرق عادت ہے ۔ مثلاً قبر کا فراخ ہونا یا تنگ ہونا یا قبر کا میت سے باتیں کرنا ۔ جنت اور دوزخ کی طرف سے کھڑکی کا کھلنا یا سانپ بچھو کا اس پر مسلط ہونا وغیرہ وغیرہ یہ تمام سلسلہ خرق عادت کی قسم سے ہے ۔ اس بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا مکشوف ہونا کوئی بعید امر نہیں ۔ اور ظاہر ہے کہ جب لفظ کا حقیقی معنی بن سکے تو مجازی جائز نہیں اس بناء پر ضروری ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو قبر میں مکشوف مانا جائے تاکہ حقیقی معنی مراد ہو سکے برخلاف ہرقل کی حدیث کے کیونکہ یہ دنیوی معاملہ ہے ۔ اور دنیوی معاملہ میں خرق عادت کی صورت میں حقیقی معنی متروک ہو سکتا ہے ۔ جیسے عرب کہتے ہیں " رَأَیْتُ اَسَدًا یَرْمِیْ " میں نے شیر کو دیکھا کہ وہ تیر اندازی کرتا ہے چونکہ شیر کا تیر اندازی کرنا خرقِ عادت ہے ۔ اِس لئے شیر کا حقیقی معنیٰ چھوڑ کر اس سے بہادر آدمی مراد لیتے ہیں ۔ ٹھیک اِسی طرح ہرقل کی حدیث میں ھذا کے لفظ کو سمجھ لینا چاہیئے ۔ کیونکہ ہرقل کی حدیث میں بھی یہی صورت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ہرقل کو خط لکھا ۔ جس میں اس کو دعوتِ اسلام دی ۔ اس نے خط پڑھ کر دریافت کیا کہ محمدؐ کے رشتہ داروں سے یہاں کوئی موجود ہے ۔ پتہ چلا کہ ابوسفیان اور اُن کے ساتھی موجُود ہیں ۔ اس نے ان کو بلا کر ابوسفیان کو سامنے بٹھایا ۔ اور ساتھیوں کو ابوسفیان کے پیچھے بٹھا کر مذکورہ بالا گفتگو شروع کر کے ابوسفیان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے حالات دریافت کیے ۔ اِس سارے واقعہ سے ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سامنے نہ تھے ۔ اور مکشوف ماننا خرق عادت ہے ۔ اِس لئے مجازی معنیٰ مراد ہو گا ۔

غرض آخرت کے معاملہ میں خرق عادت ایسا ہی ہے ۔ جیسے دنیوی معاملہ میں موافق عادت اور موافق عادت ہونے کی صورت میں حقیقی معنیٰ مجازی پر مقدم ہے ۔ جب حقیقی بن سکے تو مجازی جائز نہیں ۔ پس قبر میں سوال کی حدیث میں مکشوف ماننا چاہیئے ۔ تاکہ ھذا کا حقیقی معنیٰ قائم رہے ۔ ہاں اگر مجازی معنی پر دلیل ہوتی جو حقیقی معنیٰ مراد لینے سے مانع ہوتی تو اس صورت میں حقیقی معنیٰ متروک ہو سکتا ۔ جیسے آیت کریمہ اَمَّنْ ھٰذَا الَّذِیْ ھُوَ جُنْدٌ لَّکُمْ ۔ میں اُوپر گزر چکا ہے ۔ اب کوئی وجہ نہیں ۔

تیسری غلطی

مولوی عبدالجلیل نے لکھا ہے کہ ہرقل نے ترجمان سے کہا انی سائل ھذا عن ھذا حالانکہ ہرقل نے اپنے ترجمان کی وساطت سے ابوسفیان کے ساتھیوں سے یہ کہا ۔

چوتھی غلطی :۔ مولوی عبدالجلیل لکھتے ہیں ۔ حافظ صاحب روپڑی نے وہی ھذا کی ٹانگ اڑا رکھی

ہے۔ بات یہ ہے کہ حلق سے بات کیسے اُترے۔ آپ لوگ اصولِ مخترعہ کے پابند رہ کر کلام نبی کا اس پر موازنہ کرنا چاہتے ہیں۔ اُصولِ مخترعہ سے مولوی عبدالجلیل کی مراد حقیقت مجاز کا مسئلہ ہے حالانکہ قسطلانیؒ نے آپ کی نقل کردہ عبارت میں تصریح کی ہے کہ حاضر فی الذین کی طرف اشارہ مجاز ہے اور کتب مبستدا عربیت میں ہذا کو اشارہ حسیہ کی قسم سے شمار کرنا اور ھذا کو قریب کے لئے اور ذاك اور ذالك کو بعید کے لئے یا ذاك کو متوسط کے لئے اور ذالك کو بعید کے لئے کہنا اور جب ھذا کا استعمال معقول (حاضر فی الذین) میں ہو تو اس وقت یہ کہنا کہ اس کو بمنزلہ محسوس کے قرار دے کر اس میں ھذا استعمال کیا گیا ہے یہ سب کچھ اسی خبر کی بنا پر ہے کہ حاضر فی الذھن ھذا کا حقیقی معنی نہیں۔ اور حاشیہ خضری شرح ابن عقیل کے صـ ۵۹ میں ہے۔

اِسْمُ الْاِشَارَةِ مَا وُضِعَ لِمُشَارٍ اِلَيْهِ اَیْ حِسًّا بِالْاِصْبِعِ وَنَحْوِهٖ فَلَا بُدَّ مِنْ كَوْنِهٖ حَاضِرًا مَحْسُوْسًا بِالْبَصَرِ فَاسْتِعْمَالُهٗ فِی الْمَعْقُوْلِ وَالْمَحْسُوْسِ بِغَیْرِهٖ مَجَازٌ

یعنی اسم اشارہ وہ اسم ہے جو مشار الیہ کے لئے موضوع ہو جس کی طرف انگشت وغیرہ سے حسی اشارہ ہو۔ پس ضروری ہے کہ وہ حاضر ہو۔ اور بصر کے ساتھ وہ محسوس ہو۔ پس معقول میں یا محسوس میں اس کا استعمال جس کی طرف انگشت وغیرہ سے اشارہ نہ ہو سکے مجاز ہے۔

تاج العروس شرح قاموس جلد ۱۰ صـ ۴۳۳ میں امام ابوالہیثم سے نقل کیا ہے۔

ذَا اِسْمٌ لِكُلِّ مشار الیہ مُعَایَنٍ یَرَاهُ الْمُتَكَلِّمُ وَالْمُخَاطَبُ۔

یعنی ذا ہر مشار الیہ کا اسم ہے۔ جس کا مشاہدہ ہو اور متکلم مخاطب اس کو دیکھتے ہوں۔

غرض اس قسم کی تصریحات ائمہ عربیت وغیرہ کی بہت ہیں جن کا اصل یہی ہے کہ حاضر فی الذین ھذا کا حقیقی معنیٰ نہیں بلکہ مجازی ہے۔ پس حقیقت مجاز کے مسئلہ کو اُصولِ مخترعہ کہہ کر ھذا کے حقیقی مجازی معنیٰ میں فرق نہ کرنا یہ ڈبل غلطی ہے۔ اگر الفاظ کے معانی میں حقیقت مجاز کا فرق نہ کیا جائے تو سب معاملہ ہی درہم برہم ہو جائے۔ مثلاً آیت کریمہ نعبد الٰهك واله ابائك ابراهيم واسماعيل واسحق میں چچا کو بھی باپ کہا ہے۔ اس بنا پر کوئی کہے کہ آیت وراثت وَلِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ میں چچا بھی مُراد ہے۔ اگر باپ وغیرہ نہ ہو تو چچا اس کے قائم مقام ہوگا تو کیا یہ صحیح ہے؟ ہرگز نہیں۔ کیونکہ چچا حقیقۃً باپ نہیں بلکہ اس کو مجازاً باپ کہا ہے۔ اس قسم کی بے شمار امثلہ ہیں جو مسئلہ حقیقت مجاز سے

تعلق رکھتی ہیں۔ اس کو اصولِ مخترعہ کہنا غلطی ہے۔

پانچویں غلطی

قسطلانی کی عبارت کو اس محل میں پیش کرنا غلطی ہے۔ کیونکہ قسطلانی کے حاضر فی الذہن کا احتمال ذکر کر کے اس کو مجاز کہہ دیا ہے۔ گویا اس سے اس احتمال کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے کیونکہ حقیقت کے مقابلہ میں مجاز کا احتمال کمزور احتمال ہے۔ جس کا ارتکاب بلادلیل درست نہیں۔ پس یہ عبارت درحقیقت ہماری مؤید ہے مگر مولوی عبدالجلیل غلطی سے اپنی موید سمجھ رہے ہیں۔ اور اس سے معلوم ہوا کہ عینی رح کا خیال اس مسئلہ میں راجح ہے۔ اگرچہ حافظ ابن حجر رح کی تحقیق عموماً بڑی ہوتی ہے مگر بحکم "لکل جواد کبوۃ" اس مسئلہ میں عینؒی کی رائے کو ترجیح ہے۔ اور حافظ ابن حجر رح کا کہ یہ کہنا کہ آپ حاضر فی الذہن ہیں۔ اس کی بابت عرض ہے کہ کیا یہ معنیٰ حقیقی ہے یا مجازی۔ اُوپر معلوم ہو چکا ہے کہ مجازی ہے۔ پس عینی کا خیال درست ہوا۔ پس ان پر کوئی چوٹ نہیں اس کے علاوہ آپ کا حاضر فی الذہن ہونا ان لوگوں کی نسبت تو درست ہو سکتا ہے۔ جنہوں نے آپ کو دیکھا ہے کیونکہ اُن کے ذہن میں آپ کی خاص شکل وصورت حاضر ہو سکتی ہے لیکن جنہوں نے آپ کو دیکھا نہیں۔ ان کے ذہن میں تو آپ کے صفات ہیں جو کلیات ہیں جن میں تعیین اور تشخص نہیں تو پھر آپ بعینہٖ حاضر کس طرح ہوئے۔ اور جب آپ بعینہ حاضر نہ ہوئے اور صرف آپ کی صفات ہوئیں جو کلیات ہیں تو اُن کے نزدیک بھی حاضر فی الذہن ھذا کا حقیقی معنی نہ ہوا۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ عینی کا خیال درست ہے اور اگر بالفرض مان لیا جائے کہ حاضر فی الذہن ہذا کا معنیٰ حقیقی ہے تو حاضر فی الخارج بطریق اولیٰ ہذا کا حقیقی معنیٰ ہوگا۔ پس اس صورت میں عینی اور حافظ ابن حجر رح برابر ہونگے کیونکہ لفظ جب دو معنوں کے درمیان مشترک ہو تو بغیر دلیل کے کسی کو نہیں لے سکتے۔ نہ حافظ ابن حجر رح کا مذہب ثابت ہوا نہ عینی کا۔ ہاں عینی رح کے مذہب کو ایک اور طرح سے ترجیح ہو سکتی ہے وہ یہ کہ حاضر فی الذہن کو ھذا کا حقیقی معنی ماننے کی صورت میں لازم آتا ہے کہ ھذا دو معنوں میں مشترک ہو۔ اور اگر حاضر فی الذہن کو مجازی معنی قرار دیں تو اس صورت میں ھذا حقیقت مجاز ہوگا۔ اور عربیت کا یہ قاعدہ ہے کہ جب ایک لفظ اشتراک اور حقیقت مجاز کے درمیان دائر ہو تو اس کو حقیقت مجاز بنانا چاہیئے کیونکہ اشتراک سے حقیقت مجاز کی کثرت ہے پس کثرت پر حمل ہوگا۔ اس بنا پر عینی رح کے مذہب کو ترجیح ہوئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکشوف ہونا ہی غالب رہا۔

چھٹی غلطی۔ مولوی عبدالجلیل نے ایک یہ اشکال پیدا کیا ہے کہ آنِ واحد میں بے حساب اموات سے

سوال ہوتا ہے تو آپ کی ذات کو تو اسی حاضری سے فرصت نہ ملتی ہو گی مگر یہ اشکال مولوی عبدالجلیل کی غلط فہمی کا نتیجہ ہے۔ ہماری عبارت یہ ہے۔

" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم اور میّت کے درمیان سے حجاب اُٹھ جاتا ہے۔ اور میت کو آپ کا وجود با جود قریب نظر آنے لگتا ہے۔ پھر ہذا کے ساتھ سوال ہوتا ہے "

اس عبارت میں قریب نظر آنے لگتا ہے۔ ایسا ہی ہے جیسے ذوالقرنین کے قصہ میں قرآن مجید میں مذکور ہے۔ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِي عَيْنٍ حَمِئَةٍ۔ یعنی ذوالقرنین نے سورج کو سمندر میں غروب ہوتے پایا۔ اس پر مفسّرین نے لکھا ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ واقعہ میں سورج سمندر میں غروب ہوتا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ ذوالقرنین کو اس طرح دکھائی دیا۔ ٹھیک اس طرح ہماری عبارت ہے۔ اس میں یہ کہاں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم فی الواقعہ ہر ایک کی قبر میں حاضر ہوتے ہیں۔ سچ ہے ؎

وکم من عائب قولا صحیحا — وآفته من الفهم السقیم

مثل مشہور ہے ایک من علم کے لئے دس من عقل چاہیئے۔ مولوی عبدالجلیل اعتراض تو ہم پر کرتے ہیں، کہ "ایڈیٹر تنظیم" کی عادت قدیمہ ایسی ویسی ہے مگر حقیقت امر یہ ہے کہ بے سوچے سمجھے قلم برداشتہ اناپ شناپ لکھتے چلے جاتے ہیں حالانکہ مسائل کا معاملہ بڑی ذمہ داری کا ہے۔ قلم سوچ سمجھ کر اٹھانا چاہیئے۔ خدا ہدایت دے اور سمجھ دے۔

ساتویں غلطی

مولوی عبدالجلیل نے حافظ ابن حجر رح وغیرہ کی رائے لکھ کر کہا ہے کہ جو مولانا روپڑی نے طریقہ اختیار کیا ہے وہ اہلحدیثوں کا ہرگز نہیں۔ ناظرین خیال فرمائیں کہ یہ کتنی بڑی ڈبل غلطی ہے۔ اہلحدیث کا طریق تو قرآن و حدیث اور اتباع السلف ہے۔ مولوی عبدالجلیل نے کونسی آیت و حدیث پیش کی ہے جو ہمارے خلاف ہے یا کونسے اقوال سنداً پیش کئے ہیں جن سے ہم علیحٰ۔ ہو گئے۔ مولوی عبدالجلیل کے ہاتھ میں تو کچھ بھی نہیں۔ محض بریلویوں کی ریس ہے کہ یہ وہابی ہیں۔ ان کے نزدیک نہ جاؤ۔ حقیقت اس کی کچھ نہیں۔ مولوی عبدالجلیل صاحب آپ کی شان کے یہ لائق نہیں آیندہ احتیاط رکھیں۔ خدا آپ کی حفاظت کرے۔ آمین۔

تنبیہ۔ مولوی محمد صاحب ایڈیٹر محمدی نے بھی اس محل میں چند باتیں لکھی ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ ان کی خدمت میں کچھ عرض کر دیں۔ مولوی محمد صاحب لکھتے ہیں۔

محترم مولانا حافظ صاحب! ذرا ایک بات تو بتلائیں۔

۱۔ چودہ سو سال کے بعد کے آنے والے کے سامنے چودہ سو برس پہلے کا کوئی شخص جسے کبھی اس نے دیکھا نہ ہو کھڑا کر دیا جائے۔ اور اس سے پوچھا جائے کہ یہ کون ہ؟ تو کیا عقل کہتی ہے کہ وہ صحیح جواب دے سکے گا۔

۲۔ یہ مان لینے سے کہ حضورؐ قبر میں لائے جاتے ہیں۔ آپ کی تشبیہ پیش کی جاتی ہے۔ سوال و جواب میں وہ لطافت ہی باقی نہیں رہتی۔ جو شریعت نے رکھی ہے۔ ذوق سلیم اس بات کو کبھی تسلیم نہیں کر سکتا۔ جس کی تعلیم آپ دے رہے ہیں۔

۳۔ جناب من صرف لفظ ہذا کو جو اس موقعہ پر مثل تشابہ کے ہے۔ لے کر صراحت کو جو مَنْ نبیّكَ وغیرہ میں مثل محکمات وغیرہ کے ہے چھوڑ دینا تو شاید آپ اتباع سلف میں داخل نہ کر سکیں۔

۴۔ کیا جناب نے یہ بھی خیال کیا کہ بدعتی طبقہ کے ہاتھ میں جو پہلے ہی حضورؐ کو ہر جگہ حاضر ناظر مانتے ہیں۔ آپ کیسا کچھ ہتھیار دے رہے ہیں۔

۵۔ کیا اس قسم کے الفاظ ایسے مسائل کے استخراج کے لئے کافی ہیں؟ کیا قبرستان کے سلام کا خطاب مردوں کے حساس اور سننے والے مثل زندوں کے ہونے کے لئے بس ہے؟

۶۔ کیا ربی و ربّكَ الله کا خطاب چاند سے کرنا اس لئے بھی کوئی کمال قدرت ثابت کرنے کے لئے کافی ہے؟ اگر نہیں۔

۷۔ تو کیا جناب کے پاس قرآن و حدیث سے مذہب سلف سے کوئی ایسی دلیل ہے۔ جس سے حضورؐ کا ہر گورے۔ کالے۔ مسلم۔ کافر۔ عربی۔ عجمی کی قبر میں پھیرے کرنا اور موجود ہونا ثابت ہوتا ہو؟۔

۸۔ لفظ هذا اگر موجود شے کی طرف اشارہ کے لئے ہی ہے تو پھر اوصاف بیان کرنے کی چنداں ضرورت ہی نہ تھی۔ جو اتنا لمبا سوال ہو جائے۔

۹۔ لفظ هذا پر اتنا اصرار کرنا صرف اس کے لفظی معنیٰ کی وجہ سے ہے کہ عقائد اسلام اور اجماع صحابہؓ اور ضروریات دین کے فوت ہونے پر بھی اس لفظ کو اس معنی سے نہ ہٹایا جائے تو پھر اس سوال کے جواب کے لفظ هُوَ پر بھی ایسا ہی اعتماد کیوں نہیں کرتے؟ وہ تو غائب کی ضمیر ہے۔ پس مان

لیجئے کہ حضورؐ غائب ہو جاتے ہیں۔ موجود نہیں ہوتے۔

۱۰۔ آخری ایک اور چیز سُن لیجئے۔ وہ یہ ہے کہ یہاں لفظ ھذا معنیٰ میں ذالک کے ہے یعنی اسم اشارہ قریب کے لئے نہیں بلکہ بعید کے لئے ہے۔ اور اسم اشارہ قریب کا بعید کے لئے اور بعید کا قریب کے لئے لغت عرب میں برابر مستعمل ہے۔ قرآن میں ہے ذالک الکتاب لاریب فیہ۔ اس کی تفسیر میں ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ذالک معنیٰ میں ھذا کے ہے۔ ملاحظہ ہو تفسیر محمدی ترجمہ ابن کثیر پارہ اول صد ۴۴۔ پس جیسے ذالک معنیٰ میں ھذا کے آتا ہے۔ ویسے ہی ھذا معنیٰ میں ذالک کے بھی مستعمل ہے۔ پس یہاں دوسری حدیثوں کی تشریح کے مطابق لفظ ھذا معنیٰ میں ذالک کے ہے چنانچہ تفسیر محمدی ترجمہ ابن کثیر کے اسی صفحہ میں ہے۔ یہ دونوں لفظ قائم مقام عربی زبان میں اکثر آتے رہتے ہیں۔ حضرت امام بخاریؒ نے ابو عبیدہؒ سے بھی یہی نقل کیا ہے۔ عربی کی تفسیر کے لفظ بھی ملاحظہ فرمالیں۔ فیستعملون کلامنھما مکان الاخر وھذا معروف فی کلامھم وقد حکاہ البخاری من معمر المثنیٰ عن ابی عبیدۃ۔ جلد اول مصری صد ۶۷۔ مولانا سارا مدار اس لفظ پر تھا اور یہ لفظ دور کے اشارہ کے لئے بھی آتا ہے۔ اب وہ نیو ہی نہ رہی جس پر کشف کی یا شبیہ کی یا حاضری کی عمارت کھڑی کی جائے۔

۱۱۔ قرآن میں ہے ذالکم اللہ ربکم تو کیا اس میں بھی اللہ میاں کا وجود سامنے موجود تھا۔ جس کی طرف اشارہ ہو۔

۱۲۔ حاشیہ تہذیب میں صراحت ہے کہ لفظ ھذا سے اشارہ کبھی غیر موجود غیر محسوس غیر مشاہد کی طرف بھی ہوتا ہے۔ اُمید ہے کہ ان درجن بھر دلیلوں کے ہوتے ہوئے مکرمی حافظ صاحب مزید غور فرمائیں گے۔

والسلام

محمد اخبار محمدی یکم مارچ ۳۶ء

جواب

۱۔ چودہ سو برس کے بعد آنے والے کا پہچاننا اس کا حل ہم نے پہلے ہی کر دیا تھا کہ جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا۔ وہ بھی آپ کے وجود با جود کو دیکھ کر پہچان لیں گے کہ یہ خدا کے رسول ہیں۔ کیونکہ احادیث میں آیا ہے کہ مومن جب کہے گا کہ یہ اللہ کے رسول ہیں تو منکر نکیر کہیں گے

تجھے کس طرح معلوم ہوا کہ یہ اللہ کے رسول ہیں؟ تو وہ جواب میں کہے گا کہ میں نے اللہ کی کتاب پڑھی۔ پس ان پر ایمان لایا۔ اور ان کی تصدیق کی۔ یعنی اللہ کی کتاب میں جو ان کے اوصاف یا ان کا حلیہ بتایا گیا ہے اُسے دیکھ کر مومن فراست ایمانی سے اندازہ کرلے گا کہ یہ وہی رسول ہیں۔ جن پر میں ایمان لایا ہوں۔

(تنظیم ۲۲ نومبر ۳۵ء)

ہاں بعض بلیّتوں کو اس میں تردد رہتا ہے تو وہ اُمُحَمَّدٌ یا اَیُّ رَجُلٍ کہہ کر سوال کرتی ہیں چنانچہ ابھی اُوپر ابن مردویہ وغیرہ کی حدیث کے ذیل میں اس کی تفصیل ہوئی ہے۔

۲۔ حضور قبر میں نہیں لائے جاتے بلکہ درمیان سے پردہ اٹھایا جاتا ہے۔ جس سے آپ میت کے سامنے ہو جاتے ہیں۔

۳۔ اس سے پہلے تفصیل ہو چکی ہے کہ سوال کی چار صورتیں ہیں۔ ایک ھذا الرجل (معرفہ) کے ساتھ خواہ اس کے ساتھ آپ کا نام یا کوئی صفت ہو یا نہ دوم رجل نکرہ کے ساتھ اس میں نام یا صفت کا ہونا ضروری ہے۔ جیسے رجل یُقال لَہٗ مُحَمَّدٌ ماھُوَ سوم مَن کے ساتھ جیسے من نبیّك یا من الرسول الذی بعث الیکم چہارم شہادت کے ساتھ جیسے مَا تَشْھَادُ تُكَ ملاحظہ ہو تفسیر ابن کثیر جلد ۵ ص ۲۹۵، ص ۲۹۶۔ یہ چاروں صورتیں الگ الگ ہیں۔ اگر ان سے من نبیّك وغیرہ محکمات سے ہو تو اس سے یہ کس طرح ثابت ہوا کہ ھذا کی صورت میں کشف نہیں پھر ھذا کو متشابہ کہنا یہ بھی ٹھیک نہیں۔ کیونکہ متشابہ وہ ہے جس کے معنی میں اشتباہ ہو۔ اور اس کی تعیین نہ ہو۔ اور ھذا کا معنی معلوم ہے اس میں کوئی اشتباہ نہیں چنانچہ اُوپر تفصیل ہو چکی ہے۔

۴۔ اس کا جواب نمبر ۲ میں آگیا کہ آپ قبر میں نہیں لائے جاتے۔ پس ہم نے بدعتیوں کے ہاتھ میں کوئی ہتھیار نہیں دیا۔ آپ کو مولوی عبدالجلیل کی طرح غلطی لگی ہے۔ ورنہ ہماری کلام کا مطلب واضح ہے۔ چنانچہ مولوی عبدالجلیل کے اغلاط نمبر ۶ میں تفصیل ہو چکی ہے۔

۵-۶۔ ہمارا مُردوں کو یا چاند کو خطاب کرنا دنیوی معاملہ ہے۔ اور فرشتوں کا ھذا کے ساتھ میت سے سوال کرنا اُخروی معاملہ ہے۔ اس لئے اس کا قیاس مُردوں کے یا چاند کے خطاب پر صحیح نہیں۔ چنانچہ مولوی عبدالجلیل کے اغلاط نمبر ۲ میں اس کی تفصیل ہو چکی ہے۔

۷۔ قبر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پھرنے کے ہم قائل ہی نہیں چنانچہ ابھی نمبر ۲ میں گزرا ہے۔

۸۔ بعض بیّنوں کو آپ کے چہرہ مبارک پر نظر پڑنے سے کچھ تردد رہتا ہے تو اُن کے لئے اوصاف کی ضرورت پڑتی ہے۔ چنانچہ ابن مردویہ وغیرہ کی حدیث کے ذیل میں بیان ہو چکا ہے۔

۹۔۱۰۔ ہمیں معلوم نہیں ہوا کہ ھذا کا لفظی معنی لینے میں کونسے عقائدِ اسلام اور اجماع صحابہؓ اور ضروریاتِ دین فوت ہوتے ہیں۔ اور ضمیر غائب سے غائب سمجھنا یہ مولوی عبد الجلیل کی طرح آپ کی ڈبل غلطی ہے چنانچہ اُوپر گزر چکا ہے۔ اِسی طرح اشارہ بعید کے ہونے سے غائب سمجھنا ڈبل غلطی ہے۔ دیکھیئے آفتاب کتنی دُور ہے مگر دن میں سامنے ہے غائب نہیں پھر ھذا کو ذالک کے معنیٰ میں لینا مجاز ہے۔ اس کے لئے آپ نے اس جگہ کوئی قرینہ بیان نہیں کیا۔ اگرچہ ہمارا یہ خیال نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم واقعہ میں قریب ہوتے ہیں۔ ہاں یہ خیال ہے کہ میّت کو قریب معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن اگر ہذا کو ذالک کے معنیٰ میں لینے پر کوئی قرینہ ہو تو ہم بعید کے قائل ہو جائیں گے۔ مگر اس سے غیب کا ثبوت کسی طرح نہیں ہوتا۔

۱۱۔ ذالکم اللہ ربکم کا جواب وہی ہے جو امن ھذا الذی ھو جند لکم کا ہے جس کا بیان اُوپر ہو چکا ہے۔

۱۲۔ تہذیب کے حاشیہ میں جو کچھ لکھا ہے وہ مجازی معنیٰ ہے۔ جس کے لئے قرینے کی ضرورت ہے حدیث میّت میں کوئی قرینہ نہیں پھر بلا قرینہ کیونکر مُراد ہو سکتا ہے۔ پس درجن بھر دلیلیں نام ہی کی ہیں کام کی نہیں۔ والسّلام

عبداللہ امرتسری روپڑی
۱۴ ربیع الاوّل ۱۳۵۵ھ ۔ ۵ جون ۱۹۳۶ء

قبر میں موذی جانوروں کے کھانے سے میّت کو ایذا کا نہ پہنچنا

سوال:۔ قبر میں میّت کو کرم وغیرہ کھا جاتے ہیں۔ بعض دفعہ کوئی بیرونی جانور نیولہ وغیرہ بھی قبر میں گھس کر تمام میت کو کھاتا ہے۔ آیا میت کو اس سے ایذاء پہنچتی ہے؟

خاکسار محمد از کلس کا ماں ڈاکخانہ کنگن پور ضلع لاہور

جواب۔ مشکوٰۃ باب البکاء علی المیت فصل ۳ میں ہے۔

عن عمرو بن حزم قال رانی النبیّ صلّی اللہ علیہ وسلّم متکئا علی قبر

فقال لا توذ صاحب هذا القبر ولا توذه رواه احمد۔

عمرو بن حزم کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے مجھے ایک قبر پر ٹیک لگائے ہوئے دیکھا فرمایا اس قبر والے کو ایذا نہ دے۔

مشکوٰۃ کے اسی باب فصل ۲ میں ہے۔

عن عائشة ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم قال کسر عظم المیت ککسرہ حیا رواہ مالک وابوداؤد وابن ماجۃ۔

حضرت عائشہ رضؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔ میت کی ہڈی توڑنا زندہ کی ہڈی توڑنے کی طرح ہے۔

اس قسم کی کئی ایک روایتیں آئی ہیں۔ جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ میت کو تکلیف ہوتی ہے مگر بعض روایتوں سے معلوم ہے کہ ظاہر اسباب کا اثر میت پر نہیں۔

عینی شرح بخاری میں ہے۔

مر عبداللہ بن عمر علی قبر عبد الرحمٰن بن ابی بکر اخی عائشة وعلیه فسطاط مضروب فقال یا غلام انزعه فانما یظله عمله فقال الغلام تضربنی مولاتی قال کلا فنزعه۔

عبداللہ بن عمر رضؓ عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضؓ حضرت عائشہ کے بھائی کی قبر پر گزرے۔ اس پر خیمہ لگا ہوا تھا فرمایا اے غلام! اس کو اکھاڑ دے۔ کیونکہ اس کو اس کا عمل سایہ کرے گا۔ غلام نے کہا میری مالکہ مجھے مارے گی۔ فرمایا ہرگز نہیں۔ پس اس کو اکھاڑ دیا۔

اسی طرح ابوہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے وفات کے وقت وصیت کی کہ میری قبر پر خیمہ نہ گاڑنا۔ ان دو روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ میت کو دنیوی اشیاء کا فائدہ یا نقصان نہیں۔ نیز حدیث میں ہے۔ جب حضرت حمزہ رضؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے چچے جنگ احد میں شہید ہوئے اور کفار نے ان کے کان۔ ناک وغیرہ کاٹ کر شکل بگاڑ دی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے دیکھ کر فرمایا کہ میری پھوپھی صفیہ رضؓ (حمزہ کی بہن) برداشت کرے تو میں حمزہ رضؓ کو اسی حال میں چھوڑ دوں کہ کتے بلے کھا جائیں۔ اور قیامت کے دن ان کے پیٹوں سے جمع کیا جائے۔

اس کہنے سے مطلب آپ کا یہ تھا کہ اللہ کی راہ میں ذلت حقیقت میں ذلت نہیں لیکن عورتوں کے دل کمزور ہوتے ہیں۔ اس لئے دفن مناسب ہے۔ یہ روایت بھی دلالت کرتی ہے کہ میت زندہ کی طرح نہیں ورنہ زندہ کو بھی اس طرح دکھ دینا درست ہوتا۔ پھر ظاہر پر غور کیا جائے تو اس سے بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ میت کو دنیوی اسباب کی تکلیف نہیں۔ مثلاً زندہ کو قبر میں دبا دیں تو اس کو کتنی تکلیف ہوتی ہے۔ تو کیا میّت کو بھی دبانے سے تکلیف ہوتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ قبر جنّت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے یا جہنّم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔ ہاں میت کا وقار اور اس کی حیات کی وضع کو قائم رکھنے کے لئے جتنا قدر حدیث میں آگیا۔ اتنا کرنا چاہیئے۔ مثلاً میت کو غسل عزت کے ساتھ دیا جائے۔ کفن اچھا پہنایا جائے۔ عزت کے ساتھ قبر میں اتارا جائے۔ اچھی طرح کی ہڈی توڑنے سے ممانعت بھی اسی وقار پر حمل کرنی چاہیئے۔ اور ایذاء سے نہی کی حدیث کا مطلب بھی یہی لینا چاہیئے کہ اس کی توہین نہ کی جائے۔ پس اس صورت میں سب روایتوں میں موافقت ہو جائے گی۔ لیکن یہ جو کچھ ذکر ہوا ہے بدنی ایذاء سے متعلّق ہے۔ رہا سماع کا مسئلہ تو اس کی تفصیل کے لئے ہمارا رسالہ سماع موتی ملاحظہ کریں۔ بلکہ اس میں بدنی ایذاء کے متعلق بھی کافی مواد موجود ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

۱۲ ربیع الاول ۵۷ھ ۱۳ مئی ۳۸ء

شہید کی لاش کو مٹی کھاتی ہے

سوال:۔ شہید کی لاش کو قبر میں مٹی یا دیمک وغیرہ کھاتی ہے یا نہیں؟

جواب:۔ شہداء کے جسموں کے متعلّق قرآن مجید و حدیث میں تشریح نہیں آئی کہ ان کو قبر میں مٹی کھاتی ہے یا نہیں۔ البتہ انبیاء کے اجساد کے متعلّق حدیث میں تصریح آئی ہے۔ ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء (ابن ماجہ باب ذکر وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم و دفنہ) یعنی اللہ تعالےٰ نے انبیاء کے جسموں کو زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ ان کو کھائے۔ ہاں بعض واقعات اس قسم کے پائے گئے ہیں کہ بزرگوں کی لاشوں کو مٹی نے نہیں کھایا جن سے بعض شہید ہیں اور بعض غیر شہید۔

عبداللہ امرتسری از روپڑ ۲۷ رمضان ۱۳۵۳ھ ۴ جنوری ۱۹۳۵ء

زکوٰۃ کا بیان

فی سبیل اللہ کی تفصیل

سوال:۔ زکوٰۃ کے مصارف میں ایک مصرف فی سبیل اللہ ہے۔ کیا اس میں ہر کارِ خیر داخل ہے یا اس کا اطلاق صرف جہاد اور حج عمرہ پر ہی ہے۔؟

جواب:۔ قرآنِ مجید میں جو مصارف مذکور ہیں اُن سے ایک فی سبیل اللہ بھی ہے۔ اس کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ جہاد کے داخل ہونے پر تو سب متفق ہیں۔ حج بھی فی سبیل اللہ میں داخل ہے۔ اس کی بابت ابو داؤد باب العمرۃ میں صریح حدیث موجود ہے۔ اور نیل الاوطار کتاب الزکوٰۃ باب الصرف فی سبیل اللہ میں بعض اور روایتوں کا بھی ذکر ہے جن میں تصریح ہے کہ حج فی سبیل اللہ میں داخل ہے۔ اور بعض روایتوں میں عمرہ کی بابت بھی تصریح ہے۔ اگر عمرہ کی تصریح نہ ہوتی تو بھی عمرہ حج کے حکم میں تھا۔ لیکن بعض روایتوں میں تصریح آنے سے اور پختگی ہوگئی۔

بعض کا مذہب

بعض کہتے ہیں فی سبیل اللہ کا لفظ عام ہے۔ کوئی کارِ خیر ہو۔ اس میں خرچ کر سکتے ہیں۔ تفسیر فتح البیان جلد ۴ صـ ۲۲۴ میں ہے۔

وقیل ان اللفظ عام فلا یجوز قصرہ علی نوع خاص ویدخل فیہ جمیع وجوہ الخیر من تکفین الموتی وبناء الجسور والحصون وعمارۃ المسجد وغیر ذالک والاول اولی لاجماع الجمهور علیہ۔

یعنی کہا گیا ہے کہ "فی سبیل اللہ" کا لفظ عام ہے۔ اس کو ایک قسم پر بند کرنا جائز نہیں۔ اور اس میں تمام کارِ خیر داخل ہیں۔ جیسے مُردوں کو کفن دینا۔ پُل بنانا۔ قلعے اور مسجدیں تعمیر کرنا وغیرہ وغیرہ اور پہلی صورت جہاد (مع حج) مراد ہونا بہتر ہے۔ کیونکہ اس پر جمہور کا اجماع ہے۔

تفسیر خازن جلد ۲ صفحہ ۲۵۴ میں ہے۔

وقال بعضهم ان اللفظ عام فلا يجوز قصره على الغزاة ولهذا اجاز بعض الفقهاء صرف سهم سبيل الله الى جميع وجوه الخير من تكفين الموتى وبناء الجسور والحصون وعمارة المسجد وغير ذالك قال لان قوله وفی سبیل الله عام في الكل فلا يختص بصنف دون غيره والقول الاول هو الصحيح لاجماع الجمهور عليه۔

یعنی بعض نے کہا ہے کہ لفظ عام ہے اس کو صرف غازیوں پر بند کرنا جائز نہیں اس لئے بعض فقہاء نے فی سبیل اللہ کا حصہ ہر کار خیر میں صرف کرنا جائز قرار دیا ہے۔ مثلاً مردوں کو کفن دینا۔ پل بنانا قلعے اور مسجدیں تعمیر کرنا وغیرہ۔ انہوں نے کہا ہے کہ فی سبیل اللہ کا لفظ عام ہے۔ ایک قسم کے ساتھ بند نہیں ہو گا۔ اور پہلا قول صحیح ہے کیونکہ اس پر جمہور کا اجماع ہے۔

تفسیر کبیر جلد ۴ صفحہ ۴۴۱ میں ہے۔

واعلم ان ظاهر اللفظ في قوله وفي سبيل الله لا يوجب القصر على كل الغزاة فلهذا المعنى نقل القفال في تفسيره عن بعض الفقهاء انهم اجازوا صرف الصدقات الى جميع وجوه الخير من تكفين الموتى وبناء الحصون وعمارة المساجد لان قوله وفي سبيل الله عام

یعنی اس بات کو جان لے کہ لفظ فی سبیل اللہ کا ظاہر عام ہے۔ غازیوں پر بند کرنے کو واجب نہیں کرتا۔ اس وجہ سے قفال نے اپنی تفسیر میں بعض فقہاء سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے تمام اُمورِ خیر میں صدقات کا صرف کرنا جائز رکھا ہے۔ جیسے مُردوں کو کفنانا۔ قلعے۔ مسجدیں تعمیر کرنا۔

تبصرہ

ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ لفظ فی سبیل اللہ عام ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض فقہاء اس طرف گئے ہیں۔ اگر اس پر کوئی عمل کرے تو اس پر اعتراض تو نہیں ہو سکتا مگر چونکہ زکوٰۃ فرضی صدقہ ہے۔ اس کو ایسی طرز پر ادا نہ کرنا چاہیئے۔ جس میں تردد رہے۔ دیکھئے نماز میں جب شک ہو جاتا ہے کہ ایک رکعت پڑھی ہے یا دو۔ تو حکم ہے کہ ایک اور رکعت پڑھے تاکہ شک سے نکل جائے۔ پس زکوٰۃ بھی قرآن میں نماز کے ساتھ ذکر ہوئی ہے۔ اس لئے اس میں بھی احتیاط چاہیئے۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ فی سبیل اللہ سے مراد جہاد لیا

جائے یا حج عمرہ۔ کیونکہ جہاد تو بالاتفاق مراد ہے۔ اور حج عمرہ حدیث نے داخل کر دیا ہے۔ مگر جیسا عام ہے ویسا رکھا جائے تو پھر فقراء و مساکین وغیرہ کے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ حالانکہ اس آیت میں فقراء و مساکین وغیرہ کا الگ ذکر کیا ہے۔ اس لئے ظاہر یہی ہے کہ اس سے مراد خاص ہے۔ اور خاص بغیر دلیل کے مراد نہیں ہو سکتا۔ دلیل یا تو آیت ہے یا اتفاق مفسرین ہے۔ جیسا جہاد کے مراد ہونے پر اتفاق ہے یا حدیث اور تفسیر صحابہؓ ہے۔ جیسا حج عمرہ مراد ہونے پر ہے۔ باقی کی بابت کوئی دلیل نہیں۔

عبداللہ امرتسری مقیم روپڑ

۲۷ ربیع الثانی ۱۳۵۳ھ

تبلیغ۔ مدارس۔ امداد طلبا بذریعہ کتب۔ پارچات و خوراک مصارف زکوٰۃ ہیں؟

سوال: بیت المال میں زکوٰۃ جمع کر کے حسب ذیل مصارف پر خرچ کیا جائے تو زکوٰۃ ادا ہو سکتی ہے؟

۱۔ ماتحت تنظیم توحید و سنّت کی اشاعت بذریعہ تقریر و تحریر۔

۲۔ خرید کتب و سامان انجمن جن کتابوں سے اشاعت اسلام و تدریس طلباء مطلوب ہے۔

۳۔ امداد طلباء مقامی بذریعہ کتب۔ پارچات و ضروریات خوراک وغیرہ۔

۴۔ مدارس اسلامیہ۔

۵۔ تنظیم جماعت پر خرچ۔

جواب: جہاد جیسا تلوار سے ہوتا ہے ویسا ہی زبان سے بھی ہوتا ہے۔ حدیث میں ہے

من جاهدهم بيده فهو مومن ومن جاهدهم بلسانه فهو مومن ومن جاهدهم بقلبه فهو مومن وليس وراء ذالك حبة خردل من الايمان

رواه مسلم (مشكوة ص ۲۹)

یعنی جو ہاتھ سے ان کے ساتھ جہاد کرے وہ مومن ہے۔ اور جو زبان سے ان کے ساتھ جہاد کرے وہ مومن ہے۔ اور جو دل سے ان کے ساتھ جہاد کرے وہ مومن ہے۔ اور اس کے ورے رائی برابر بھی ایمان نہیں۔

پس اس میں مناظرے۔ اشاعتِ اسلام پر خرچ کرنا داخل ہو گیا۔ لیکن اس میں تھوڑی سی تفصیل

ہے۔ وہ یہ کہ ایسی شے پر صرف نہ کرے جو وقف ہو۔ جیسے مدرسہ کی عمارت۔ خرید کتب وغیرہ۔ چونکہ اس سے پھر وہی صورت پیدا ہو جائے گی جس میں اختلاف ہے۔ جیسے مساجد اور قلعوں کا تعمیر کرنا حالانکہ قلعے دشمن سے جنگ کرنے کے لئے اور ان سے حفاظت کے لئے بنائے جاتے ہیں۔ اور مسجدیں نماز اور تعلیم و تعلم کے لئے ہوتی ہیں۔ خاص کر قرآن و حدیث کا پڑھنا پڑھانا مسجدوں ہی کے لائق ہے اور قرآن و حدیث کا پڑھنا پڑھانا عین اشاعت اسلام ہے مگر پھر بھی جمہور مفسرین اس کے خلاف ہیں۔ اس لئے زکوٰۃ کا مال مدارس کی عمارت اور خرید و کتب وغیرہ پر صرف ہونے میں ذرا شبہ ہے اس میں احتیاط چاہیئے۔

طلباء کی امداد

ہاں! زکوٰۃ کی مد سے طلباء کی امداد کی جائے وہ اس سے کتب خریدیں یا کسی اور ضرورت میں خرچ کریں تو بہت اچھا ہے۔ اس طرح مدرسین کی تنخواہیں۔ مناظرین اور مبلغین کا کرایہ اور دیگر اخراجات زکوٰۃ سے ہو سکتے ہیں۔ لیکن اگر غنی ہو تو اس کو بچنا بہتر ہے۔ کیونکہ امام ابو حنیفہ رح اور دیگر ائمہ کا قول ہے کہ جنگ میں زکوٰۃ وہی شخص لے سکتا ہے جس کے پاس خرچ نہ ہو۔ پس جب جنگ میں غنی کی بابت اختلاف ہوا تو تعلیم و تعلم کا معاملہ تو اس سے نازک ہے کیونکہ فی سبیل اللہ سے اصل مراد تو جنگ ہے اور حدیث کی تصریح نے حج عمرہ کو بھی اس میں داخل کر دیا ہے اور تعلیم و تعلم وغیرہ کی بابت تصریح نہیں آئی۔ صرف ایک قسم جہاد ہونے کی وجہ سے داخل کیا گیا ہے۔ اس لئے اس میں احتیاط برتنا چاہیئے۔ اور غنی کو پرہیز رکھنا چاہیئے۔

اس کی تائید اس آیت سے بھی ہوتی ہے۔ للفقراء الذین احصروا فی سبیل اللہ لا یستطیعون ضربا فی الارض (الایۃ) اس آیت سے پہلے صدقات کا ذکر ہے۔ پھر فرمایا ہے یہ صدقات اُن فقیروں کے لئے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں بند ہیں۔ زمین میں سفر نہیں کر سکتے۔ یعنی تجارت وغیرہ نہیں کر سکتے۔ (کیونکہ سفر کرنے سے دین کا کام بند ہو جاتا ہے)

عبداللہ امرتسری مقیم روپڑ ۲۷ ربیع الثانی ۱۳۵۳ھ

زکوٰۃ کا جماعتی صورت میں خرچ کرنا

سوال:۔ جماعتی صورت میں زکوٰۃ کا خرچ کرنا بہتر ہے یا انفرادی صورت میں؟

جواب :۔ جو کام جماعت کی صورت میں ہو وہ بالاتفاق بہتر ہے۔ بلکہ اس کی بہت فضیلت ہے اور جماعتی صورت میں کام ہونا یہ کسی مستحق سائل کو دینے سے مانع نہیں۔ بیت المال میں سب زکوٰۃ جمع کی جائے۔ اور اس سے آئے گئے سائل کو بھی دے دیں۔ یہ بہت اچھی صورت ہے۔

عبداللہ امرتسری

دریوزہ گر کو زکوٰۃ دینا

سوال :۔ جو لوگ در بدر لقمہ لقمہ مانگتے پھرتے ہیں ان کو زکوٰۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب :۔ جو لوگ دروازے دروازے لقمہ لقمہ مانگتے پھرتے ہیں اُن کو زکوٰۃ دینے سے بچنا چاہیئے کیونکہ ایسے سائل اکثر بے دین ہوتے ہیں۔ نیز اس طرح ادا کرنے سے ایک بڑی غلطی ہوتی ہے وہ یہ کہ سال بھر زکوٰۃ گھر میں بند رکھتے ہیں اور تھوڑی تھوڑی آئے گئے کو دیتے ہیں۔ خدانخواستہ اگر درمیان سال کے موت آگئی تو زکوٰۃ اپنی زندگی میں ادا نہ ہوئی۔ اور یہ فرض ذمے رہ گیا۔ اگر بیت المال میں دے دی جائے تو اس کی طرف سے ادا ہو گئی پھر خواہ آہستہ آہستہ ہی خرچ ہو۔ بہرصورت بیت المال والی صورت بہت بہتر ہے جس میں بے شمار فوائد ہیں اور شبہ سے خالی ہے۔

عبداللہ امرتسری

بے نماز۔ بدمعاش کو زکوٰۃ دینا

سوال :۔ بے نماز۔ بے روزہ۔ بدکردار غریب شخص کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے؟

جواب :۔ زکوٰۃ مسلمانوں کے فقیروں کی ضروریات کے لئے ہے نہ بدمعاشوں کی بدمعاشی کے لئے۔ ایسوں کو کھلانے پلانے سے اُن کی بدمعاشی بڑھتی ہے۔

حدیث میں ہے۔

توخذ من اغنیاءھم وترد علی فقراءھم۔

یعنی مسلمانوں کے غنیوں سے لے کر اُن کے فقیروں کو دی جائے۔

نیز زکوٰۃ ایک فرض ہے جو خود بخود ادا کرنی پڑتی ہے۔ اس کے لئے یہ شرط نہیں کہ کوئی سوال کرے

تو دی جائے اور جو شے خود بخود دی جاتی ہے اس میں نیک تلاش کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے۔

لا یاکل طعامك الا تقی۔ مشکوۃ باب الانفاق

یعنی تیرا کھانا متقی کے سوا کوئی نہ کھائے۔

مشکوۃ باب الانفاق میں ایک اور حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ایک شخص نے غلطی سے چور پر اور رنڈی پر اور غنی پر صدقہ کیا۔ بعد میں اس کو پتہ چلا تو افسوس کیا۔ خواب میں اس کو دکھائی دیا کہ تیرا صدقہ ضائع نہیں ہوا۔ شاید چور چوری سے اور رنڈی زنا سے باز آجائے اور غنی عبرت پکڑے اس حدیث سے بھی ثابت ہوا کہ زکوۃ بدمعاش کا حق نہیں ورنہ صدقہ کرنے والے کو اپنے صدقہ کے ضائع ہونے کا افسوس نہ ہوتا اور خواب میں تسلّی کی ضرورت نہ پڑتی۔

عبداللہ امرتسری مقیم روپڑ

۲۷ ربیع الثانی ۱۳۵۳ھ

زکوٰۃ کے علاوہ مال میں اللہ تعالےٰ کا حق ہے
زکوٰۃ کا یکمشت ادا کرنا

سوال:۔ مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی کوئی حق ہے اور زکوۃ سال بھر تھوڑی تھوڑی کر کے دینا جائز ہے یا نہیں۔؟

جواب:۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ مال میں صرف زکوٰۃ اللہ تعالےٰ کا حق ہے اور نہیں ہے حالانکہ قرآن وحدیث سے اور حق بھی ثابت ہے۔

مشکوٰۃ میں ہے۔

عن فاطمة بنت قيس قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان فى المال لحقا سوى الزكوة ثم تلا ليس البران تولوا وجوهكم قبل المشرق والمغرب الايه رواه الترمذى وابن ماجة والدارمى (مشكوة باب فضل الصدقة)

یعنی فاطمہؓ بنت قیس سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مال میں زکوۃ

کے سوا بھی حق ہے۔ پھر آیت کریمہ لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْھَکُمْ الآیہ، پڑھی۔ اس آیت میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی مسکینوں۔ محتاجوں کو دینے کا ذکر ہے۔ پس معلوم ہوا کہ مال میں زکوٰۃ کے سوا بھی حق ہے۔

نیز اس سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ تھوڑی تھوڑی ادا نہ کرنی چاہیئے۔ کیونکہ اس آیت وحدیث میں زکوٰۃ کے علاوہ جس حق کا ذکر ہے یہ وہی ہے جو موقع بموقع آپڑتا ہے۔ جیسے کوئی سائل آگیا یا کسی مسافر کو دینا پڑ گیا۔ یا کسی پر ناگہانی مصیبت پڑ گئی تو اُس کی امداد ضروری ہوگئی۔ یا کسی بھوکے کو کھانا کھلانا پڑ گیا۔ غرض اس قسم کے مصارف کے لئے شریعت نے زکوٰۃ کے سوا مال میں حق رکھا ہے کیونکہ معلوم نہیں کہ ایسی صورت کب آپڑے۔ اگر زکوٰۃ پاس رکھ کر سال میں تھوڑی تھوڑی دینی جائز ہوتو پھر زکوٰۃ کے سوا مال میں حق رکھنے کی ضرورت نہ تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ فوراً دے دینی چاہیئے پاس نہ رکھنی چاہیئے ہاں بیت المال میں زکوٰۃ کا جمع رہنا اس حدیث کے خلاف نہیں کیونکہ بیت المال تو کسی خاص جگہ میں ہوتا ہے۔ اور ایسی صورتیں ہر جگہ پیش آتی رہتی ہیں جن کے لئے بیت المال میں جمع ہونا کفایت نہیں کرتا۔ پس ضروری ہوا کہ زکوٰۃ کے سوا بھی مال میں حق ہو تاکہ ان ضرورتوں کو متکفل ہو۔

عبداللہ امرتسری مقیم روپڑ

۲۷ ربیع الثانی ۱۳۵۳ھ

جس عورت کا خاوند صاحبِ زکوٰۃ ہو اُس عورت کو زکوٰۃ دینا

سوال: چچا اپنی غریب عیالدار بھتیجی اور بیوہ بھتیجی کو ہمیشہ کچھ روپیہ زکوٰۃ میں سے دیا کرتا تھا مگر اب وہ ایک شخص صاحبِ نصاب کے نکاح میں آگئی۔ چچا نے سابق دستور اب پھر بھتیجی کو زکوٰۃ کا روپیہ بھیج دیا۔ اب دریافت طلب یہ بات ہے کہ کیا اس حالت میں جب کہ اُس کا خاوند صاحبِ زکوٰۃ ہو اُس کو زکوٰۃ کا روپیہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیا یہ روپیہ چچا کو واپس کر دے؟ یا اپنے ہی بچوں میں تقسیم کر دے؟ یا سوتیلے لڑکے جو کہ طالب علم ہیں۔ ان کو دے دے؟ جواب قرآن و حدیث سے دیں۔

جواب: جس کا نان نفقہ اور دیگر ضروریات دوسرے کے ذمہ ہو۔ اس کا حکم دوسرے کا ہے

مثلاً ماں باپ غنی ہوں تو اولاد بھی غنی کہلاتی ہے۔ کیونکہ وہ والدین کی پرورش میں ہیں اور والدین اُن کے نان و نفقہ اور دیگر ضروریات کے ذمہ دار ہیں۔ ٹھیک اسی طرح بیوی کے نان ونفقہ اور دیگر تمام ضروریات کا ذمہ دار خاوند ہے۔ پس خاوند کے غنی ہونے کے ساتھ بیوی بھی غنی کہلائے گی۔ اس لئے جیسے والدین اپنی اولاد کو جو ان کی پرورش میں ہیں۔ زکوۃ نہیں دے سکتے۔ خاوند بھی بیوی کو نہیں دے سکتا۔ پس جب بیوی غنی کے حکم میں ہوئی تو چچا کا اس بھتیجی کو زکوٰۃ دینا جس کا سوال میں ذکر ہے جائز نہ ہوا۔ جو نکاح کے بعد زکوٰۃ دی ہے وہ چچا واپس لے لے۔ ہاں اگر اس بھتیجی کی اولاد کے نان و نفقہ و دیگر ضروریات کا ذمہ بھتیجی کے خاوند نے نہیں لیا۔ اور وہ اپنے سر پر اپنا گذارہ کرتے ہیں اور غریب ہیں تو ان میں زکوۃ تقسیم ہو سکتی ہے۔ اسی طرح سونتیلے لڑکے کا اگر کوئی کفیل نہیں اور وہ غریب ہے تو اس پر بھی یہ زکوٰۃ خرچ ہو سکتی ہے

عبداللہ امرتسری مقیم روپڑ ضلع انبالہ

۲۱ محرم ۱۳۵۲ھ

یتیم نابالغ سید عشر لے سکتا ہے؟

سوال :۔ یتیم نابالغ سید کو عشر کے دانے لینے جائز ہیں یا نہیں؟

جواب :۔ مشکوۃ باب من تحل الصدقۃ میں حدیث ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَخَذَ الْحُسَیْنُ بْنُ عَلِیٍّ تَمْرَةً مِنْ تَمْرَةِ الصَّدَقَاتِ فَجَعَلَهَا فِیْ فِیْهِ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَخْ کَخْ لِیَطْرَحَهَا ثُمَّ قَالَ اَمَا شَعَرْتَ اَنَّا لَا نَاْکُلُ الصَّدَقَةَ۔ متفق علیہ۔

وَعَنْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ بْنِ رَبِیْعَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ هٰذِهِ الصَّدَقَاتِ اِنَّمَا هِیَ اَوْسَاخُ النَّاسِ وَاِنَّهَا لَا تَحِلُّ لِمُحَمَّدٍ وَلَا لِاٰلِ مُحَمَّدٍ۔ رواہ مسلم۔

ابوہریرہؓ فرماتے ہیں۔ حسین بن علیؓ نے صدقہ کی ایک کھجور منہ میں ڈال لی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تھوک تھوک۔ یعنی اس کو تھوک دے۔ پھر فرمایا۔ تجھے معلوم نہیں کہ ہم صدقہ نہیں کھاتے۔

عبدالمطلب سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ صدقات صرف لوگوں کی میل ہے۔ محمدؐ اور آلِ محمدؐ کے لئے حلال نہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ یتیم نابالغ سید کے لئے زکوٰۃ جائز نہیں۔ یہی حکم عشر کا ہے۔ اس لئے کہ عشر زکوٰۃ سے الگ نہیں بلکہ زکوٰۃ ہی کی قسم ہے۔ چونکہ دانوں اور کھجوروں وغیرہ میں دسواں حصہ ہوتا ہے۔ یا دسویں کا نصف ہوتا ہے اِس لئے زکوٰۃ کی اس قسم کا نام عشر ہو گیا ہے۔

سیّد کو زکوٰۃ سے تنخواہ دینا

سوال۔ اگر کسی مدرسہ میں کوئی معلم سیّد ہو۔ اور مدرسہ والے اس کو زکوٰۃ کی مد سے تنخواہ دیں تو یہ جائز ہے یا نہیں ؟ کیا دینے والے کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی یا نہیں ؟

جواب:۔ زکوٰۃ کی مد اہل مدرسہ کو الگ رکھنی چاہیئے تاکہ زکوٰۃ کی مد سے سیّد کو تنخواہ نہ ملے کیونکہ سیّد کے لئے زکوٰۃ کا عامل بننا درست نہیں۔ چنانچہ ابو رافع کو جو آپ کا آزاد کردہ تھا۔ آپ نے منع فرمایا (مشکوٰۃ باب لاتحل لہ الصدقہ) درس وتدریس بھی قریباً اسی حکم میں ہے۔ اس لئے احتیاط چاہیئے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

۲۸ ذی الحجہ ۱۳۷۹ھ ۔ ۲۴ جون سنہ ۱۹۶۰ء

باپ کی زکوٰۃ سے بیٹے کی تعلیم

سوال:۔ زید اپنے بیٹے کو علم دین سکھانا بالکل پسند نہیں کرتا۔ اور وہ رمضان میں برابر زکوٰۃ نکالتا ہے۔ کیا زید کی بیوی اپنے بیٹے کو علمِ دین سکھانے کے لئے پوشیدہ طور پر زکوٰۃ کے پیسوں سے بیٹے کو تعلیم دلوا سکتی ہے۔

جواب:۔ ایک غریب شخص کا آپ نے کچھ قرض دینا ہے تو کیا زکوٰۃ سے آپ اس کا قرض اتار سکتے ہیں ؟ یہی مثال بیٹے کی تربیت میں زکوٰۃ صرف کرنے کی ہے۔ کیونکہ بیٹے کی ہر قسم کی تربیت کا حق باپ کے ذمہ ہے جو حق پہلے ہی باپ کے ذمہ ہے وہ زکوٰۃ سے کس طرح ادا ہو گا بلکہ اگر کوئی دوسرا شخص زید کے بیٹے کی دینی تعلیم میں یا اور کسی قسم کی تربیت میں اپنی زکوٰۃ صرف کرنی چاہیئے یہ بھی

درست نہیں۔ کیونکہ اولاد اپنے والدین کے تابع ہوتی ہے۔ حدیث میں ہے هم من اٰبائهم۔ یعنی اولاد اپنے آباء سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کفار کے جو چھوٹے بچے مر جاتے ہیں وہ جنّتی ہیں مگر ان کا جنازہ نہیں پڑھا جاتا ہے۔ اور مسلمانوں کے بچوں کا پڑھا جاتا ہے۔ پس جب اولاد والدین کے تابع ہے اور والدین صاحب زکوٰۃ ہیں جن کو زکوٰۃ نہیں لگ سکتی تو اولاد کو بھی نہیں لگ سکتی۔

عبداللہ امرتسری از روپڑ ضلع انبالہ

۲۴ محرم ۱۳۵۴ھ ۔ ۲۸ ر اپریل ۱۹۳۵ء

اہلحدیث کانفرنس مصرف زکوٰۃ ہے؟

سوال :۔ اہلحدیث کانفرنس جو دہلی میں ہو رہی ہے اس پر زکوٰۃ لگ سکتی ہے یا نہیں؟

جواب :۔ کانفرنس اہلحدیث میں زکوٰۃ لگ سکتی ہے۔ لیکن ان کو اطلاع کر دینا چاہیے کہ یہ زکوٰۃ ہے تاکہ ایسی مد میں صرف نہ کریں جو مصرف زکوٰۃ نہیں۔

عبداللہ امرتسری مقیم روپڑ ضلع انبالہ

۱۹ ذی الحجہ ۱۳۵۴ھ

مقروض کو قرض معاف کرنے سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی؟

سوال :۔ اگر کسی مسکین یا مستحق زکوٰۃ سے قرض لینا ہو۔ اگر قرضخواہ زکوٰۃ میں قرض کو وضع کر لے اور اس کو قرض معاف کر دے تو اس سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی یا نہیں؟

جواب :۔ اگر قرض زکوٰۃ میں وضع کر لیا جائے تو کوئی حرج نہیں کیونکہ جب مسکین مستحق زکوٰۃ ہے تو قرض معاف کر دینا بعینہ دے دینا ہے۔

قرآن مجید میں ہے۔

وان کان ذو عسرة فنظرة الی میسرة وان تصدقوا خیر لکم ان کنتم تعلمون۔

یعنی اگر مقروض تنگدست ہو تو آسانی تک ڈھیل دینا چاہیئے اور صدقہ کر دینا یعنی قرض چھوڑ دینا

یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔

قرض چھوڑنے کو صدقہ فرمایا ——— اس سے معلوم ہوا کہ یہ بھی صدقہ دینے کا ایک طریق ہے پس زکوٰۃ ادا ہونے میں کوئی شک نہیں۔ ہاں بعض دفعہ انسان کو قرض وصول ہونے کی اُمید نہیں ہوتی۔ یا ہوتی ہے لیکن جلدی نہیں ہوتی تو یہ خیال کر کے کہ قرض ملنا تو ہے نہیں۔ یا دیر سے ملے گا۔ زکوٰۃ میں وضع کر لو۔ پس وہ زکوٰۃ میں وضع کر لیتا ہے تو اس صورت میں کچھ شبہ رہتا ہے کہ شاید اپنی رقم کی خاطر ایسا کیا ہو۔ اگر وصولی کی اُمید ہوتی تو شاید اس کو زکوٰۃ نہ دیتا۔ اس سے نیت میں خلل پیدا ہوتا ہے۔ اِس لئے غور کر لینا چاہیئے کہ کہیں یہ شبہ والی صورت تو پیدا نہیں ہوگئی۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

حقیقی بہن بھائی مصرف زکوٰۃ ہیں؟

سوال ۔ اگر حقیقی بھائی یا بہن فقیر یا مسکین ہو تو ان کو زکوٰۃ دینی جائز ہے یا نہیں۔ نیز والدین اولاد سے الگ ہوں تو ان کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

محمد از کلس ڈاکخانہ گنگن پور ضلع لاہور

جواب :۔ حقیقی بھائی بہن اگر فقیر مسکین ہوں تو ان کو زکوٰۃ لگ سکتی ہے بلکہ بخاری نے باب باندھا ہے۔ محتاج ہونے کی صورت میں زکوٰۃ بیٹے کو بھی لگ سکتی ہے جبکہ بیٹا جوان ہو۔ اور اپنا الگ اس کا کاروبار ہو۔ اس مسئلہ کے متعلق انہوں نے ایک حدیث بیان کی ہے جس میں ذکر ہے کہ ایک شخص نے صدقہ مسجد نبوی میں رکھا کہ کسی مسکین کو دے دیا جائے۔ اتفاقاً بیٹے نے آکر اٹھا لیا۔ باپ کو پتہ لگا تو کہا میں نے تجھے دینے کا ارادہ نہیں کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس معاملہ پہنچا۔ تو آپ نے باپ کو کہا کہ تیرا صدقہ قبول ہے۔

رہے والدین تو وہ تنگدست ہونے کی صورت میں انسان کے اہل وعیال میں داخل ہیں۔ اور ان کا نان ونفقہ اُس کے ذمہ ہے۔ چنانچہ تین شخص کی غار والی حدیث سے واضح ہے۔ جو مشکوٰۃ باب البر والصلہ میں مذکور ہے اس لئے ان کو زکوٰۃ نہیں لگ سکتی۔

عبداللہ امرتسری روپڑی ۱۵ ربیع الاول ۱۳۵۸ھ

تبلیغ کے لئے لاؤڈ سپیکر زکوۃ فنڈ سے خریدا جا سکتا ہے؟

سوال :- زکوٰۃ کے روپیہ سے مسجد کے لئے یا تبلیغی جلسوں میں استعمال کرنے کے لئے لاؤڈ سپیکر خریدنا جائز ہے یا نہیں؟

عبد القیوم ناظم جمعیت اہلحدیث دھرمپورہ لاہور

جواب - تفسیر ابن کثیر وغیرہ میں ایک حدیث ہے جس میں ذکر ہے کہ زکوٰۃ کے آٹھ مصارف ہیں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی ۔ انما الصدقات الایۃ (پ ۱۰ رکوع ۱۳) اس آیت میں ایک مصرف فی سبیل اللہ بھی ہے۔ بعض اس کو عام لیتے ہیں ۔ جو تفسیر کبیر میں قفال سے منقول ہے۔ لیکن اگر فی سبیل اللہ کا مفہوم عام مراد لیا جائے تو پھر باقی مصارف بھی اس میں داخل ہو جاتے ہیں۔ پھر آٹھ کہنا ٹھیک نہیں۔

اگرچہ اس حدیث میں ضعف ہے لیکن جمہور علماء کا یہی قول ہے کہ فی سبیل اللہ سے مراد جہاد ہے جہاد تلوار کے ساتھ ہو یا زبان کے ساتھ یا دل کے ساتھ۔ زبانی جہاد بھی تبلیغی شعبہ میں داخل ہے اور تبلیغی شعبہ میں لاؤڈ سپیکر کو بڑا دخل ہے۔ اس لحاظ سے لاؤڈ سپیکر وقف کرنا بظاہر جائز معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اصل جہاد کا لفظ تلوار کے جہاد کے لئے ہے اور تبلیغی شعبہ کو مجازاً جہاد کہا جاتا ہے۔ اس بنا پر تبلیغ کے لئے لاؤڈ سپیکر میں شبہ رہتا ہے۔ اور زکوٰۃ فرض ہے۔ فرض کی ادائیگی ایسے طریق پر ہونی چاہیئے کہ شبہ نہ رہے۔

عبد اللہ امرتسری روپڑی لاہور

۲۹ جمادی الاول ۱۳۸۳ھ - ۱۸ اکتوبر ۱۹۶۳ء

عشر میں سرکاری مالیہ کا حکم

سوال :- ایک شخص نے بیس بلاک زمین دس سال کی قسطوں پر خریدی ہے اور سالانہ قسط مالکان بیس بلاک کی ۶۸۳۸ روپے ادا کرتا ہے۔ یہ قسط اس کے خزانہ جائداد میں جمع ہوتی رہتی ہے کیونکہ جس قدر زمین کی قسط ادا کرے گا اُس قدر زمین کا مالک ہو جائے گا۔ کیونکہ یہ رقم اس کا خزانہ ہے۔ اور قسط کی

تین دفعہ کی عدم ادائیگی کے بعد سب زمین ضبط ہو جاتی ہے۔ اور آباد زمین کا معاملہ سرکاری ۴۲ روپے سالانہ ہے۔ پٹواری قانونگو کی رشوت بھی تقریباً چھ روپے سالانہ ہوتی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ قسط بیس بلاک کی اور معاملہ سرکاری اور رشوت وغیرہ خرچ زمین نکال کر عشر نکالا جائے گا یا پہلے۔

غلام محمد

معرفت حکیم فضل دین درزی جیمس آباد سندھ تھر پارکر

جواب:۔ حدیث میں ہے۔

عن جابر عن النبیّ صلی اللہ علیہ وسلّم قال فیما سقت الانہار او الغیم العشر فیما سقی بالسانیۃ نصف العشور رواہ احمد ومسلم والنسائی وابوداؤد وقال الانہار العیون۔

وعن ابن عمران النبیّ صلی اللہ علیہ وسلّم قال فیما سقت السماء والعیون اوکان عثریا العشر وفیما سقی بالنضح نصف العشر رواہ الجماعۃ الا مسلما لکن لفظ النسائی وابی داؤد وابن ماجۃ بعلا بدل عثر۔

(منتقی باب زکوۃ الزرع)

یعنی جابرؓ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا جو کھیتی نہروں یا بارش سے پرورش پائے۔ اس میں عشر ہے۔ اور ابوداؤد میں ہے۔ جو نہروں یا چشموں سے پرورش پائے اس میں عشر ہے۔ اور ابن عمرؓ سے روایت ہے جو بارش یا چشموں سے پرورش پائے یا نہر کے کنارہ ہونے کی وجہ سے یا اس کی جڑیں زمین میں پانی تک پہنچنے کی وجہ سے یعنی بغیر پانی دینے کے خود پرورش پا رہا ہو۔ اس میں عشر ہے۔ اور جس کو اونٹ وغیرہ سے پانی دیا جائے۔ اس میں نصف عشر ہے۔ اس کو مسلم کے سوا باقی جماعت نے روایت کیا ہے۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ پانی کے فرق سے کبھی دسواں حصہ ہو جاتا ہے کبھی بیسواں۔ اگر بارش وغیرہ کا پانی ہو تو دسواں۔ اگر اونٹ وغیرہ سے پلایا جائے تو بیسواں۔

اب سوال کی صورت میں جس معاملہ کا ذکر ہے۔ وہ کونسا ہے۔ پانی کا آبیانہ ہے یا زمین کا مالکانہ

اگر زمین کا ہے تو وضع کرلیا جائے۔ اور باقی غلہ کا عشر نکالا جائے۔ اگر پانی کا ہے تو یہ پانی مفت کا نہ ہوا جیسے بارش وغیرہ کا پانی ہے بلکہ اس پانی کے حکم میں ہوا۔ جو اونٹ وغیرہ سے پلایا جاتا ہے۔ یعنی کوئیں کے پانی کے حکم میں ہوا۔ پس یہ معاملہ وضع نہ کیا جائے۔ ہاں عشر کی بجائے بیسواں حصہ ادا کرے اس طرح رشوت کا حکم ہے جو پانی کی خاطر ہے۔ وہ پانی کے معاملہ میں آگئی اور جو زمین کی وجہ سے ہے۔ وہ زمین کے معاملہ میں داخل ہے۔

اب قسطوں کا حال سُنئے۔

زمین اگر غیر کی ملکیت ہو اور آپ کے پاس بٹائی یا لگان پر ہو تو جتنا غلہ مالک کو جائے گا۔ اتنے کا عشر مالک پر ہوگا۔ اور جتنا غلہ آپ کو ملے گا اتنے کا عشر آپ دیں گے۔ اور اگر آپ مالک ہوں تو سارا غلّہ آپ کو ملے گا اور سب کا عشر آپ کے ذمہ ہوگا۔

سوال میں جس زمین کا ذکر ہے۔ اُس سے جتنی آپ آباد کرتے ہیں اُس کی ساری آمد بظاہر آپ کو ملتی ہے۔ مگر اُس کی ملکیت کا روپیہ چونکہ آپ کے ذمہ ہے اس لئے حقیقت میں سارا غلہ آپ کو نہیں ملتا مگر آپ اس ملک کی بٹائی یا لگان کا اندازہ کرکے مالکانہ حق علیحدہ کردیں اور باقی کا عشر نکالیں۔ پھر مالکانہ حق کو دیکھیں کہ سالانہ قسط سے کم ہے یا زیادہ اگر زیادہ ہے تو اُس کا عشر بھی ادا کرنا ضروری ہوگا۔ اگر کم ہے تو کمی اپنے پاس سے پُوری کرکے قسط ادا کردیں اور اس کمی کا ہر سال حساب رکھیں۔ جب دس سال میں دس قسطیں پُوری ہوجائیں تو اس کا بعد مالکانہ حق میں سے بدستور اس کمی کا حساب مجریٰ لے لیں۔ جب آپ کی رقم پوری ہوجائے تو پھر سارے غلہ کا عشر ادا کریں۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

۱۴ جمادی الثانی ۱۳۵۴ھ ۔ ۱۳ ستمبر ۱۹۳۵ء

سب شرکاء کا عشر ادا کرنے کے لئے صاحب نصاب ہونا ضروری ہے

سوال:۔ کھیت میں کئی شریک ہوں تو کیا عشر کے لئے ہر ایک کا حصہ نصاب کو پہنچنا ضروری ہے یا مشترکہ؟
محمد عفی عنہ مدرس مدرسہ نصرۃ الاسلام موضع کھیپانوالی ڈاکخانہ مکستر ضلع فیروزپور

جواب: مختلف شخصوں کی اکٹھی شے کا حکم مسئلہ زکوٰۃ میں ایک شخص کی شے کا ہے چنانچہ بکریوں وغیرہ کی حدیث اس پر دلالت کرتی ہے۔ ہر ایک کی بکریاں نصاب تک نہیں پہنچتی مگر اکٹھی ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ پڑ جاتی ہے خشیۃ للصدقہ کو وجوب زکوٰۃ میں کوئی دخل نہیں بلکہ اکٹھی ہونے کو دخل ہے۔ اگر اکٹھی ہونے کو دخل نہ ہوتا تو صدقہ کے ڈر سے جدا کرنے کے کیا معنی۔ پس جب اکٹھی کو دخل ہوا تو صورتِ مسئولہ میں عشر پڑ جائے گا خواہ ہر ایک کا حصہ نصاب کو پہنچے یا نہ۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

١٥ ربیع الثانی ١٣٥٩ھ ٢٤ مئی ١٩٤٠ء

زکوٰۃ میں مضاربت

سوال: صاحبِ زکوٰۃ کا مال زکوٰۃ سے بطور مضاربت (حصہ) کے تجارت کرنا درست ہے یا نہیں۔ ایسے ہی صاحبِ صدقہ اپنے صدقہ سے بطورِ مضاربت تجارت کرتا اور خود بھی اس کی کمائی کھاتا ہے۔ اور بطور حصہ رسدی فی سبیل اللہ بھی خرچ کرتا ہے۔ آیا ایسا کرنا اُس کا درست ہے یا نہیں؟ پھر صاحبِ زکوٰۃ اس نفع اور اصل مال کو حسبِ خواہش کسی پختہ عمارت مدرسہ یا مسجد میں لگا دیتا ہے۔ غرباء و مساکین پر خرچ نہیں کرتا۔ یہ شرعاً درست ہے یا نہیں؟

جواب: مشکوٰۃ میں ہے۔

عن عمر بن الخطاب رض قال حملت علی فرس فی سبیل اللہ فاضاعہ الذی کان عندہ فاردت ان اشتریہ فظننت انہ یبیعہ برخص فسالت النبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم فقال لا تشترہ ولا تعد فی صدقتک وان اعطاکہ بدرھم فان العائد فی صدقتہ کالکلب یعود فی قیئہ وفی روایۃ ولا تعد فی صدقتک فان العائد فی صدقتہ کالعائد فی قیئہ متفق علیہ (باب من لا یعود فی الصدقۃ)

یعنی حضرت عمرؓ سے روایت ہے میں نے فی سبیل اللہ ایک شخص کو گھوڑے پر سوار کیا۔ جس شخص کو سوار کیا۔ اس نے اس کو ضائع کر دیا۔ میں نے ارادہ کیا کہ اس کو خرید لوں اور خیال تھا کہ

وہ سستی دے گا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو فرمایا نہ خرید اور اپنے صدقہ میں رجوع نہ کر کیونکہ صدقہ میں رجوع کرنے والے کی مثال کتے کی ہے جو قے کر کے اپنی قے کو چاٹتا ہے اور ایک روایت میں ہے کہ اپنے صدقہ میں رجوع نہ کر۔ کیونکہ صدقہ میں رجوع کرنے والا اپنی قے میں رجوع کرنے والے کی طرح ہے۔

جب پیسوں سے اپنے صدقہ کا مال خرید ناجائز نہ ہوا تو محنت کر کے اس سے کھانا بھی ناجائز ہو گیا کیونکہ محنت بھی بمنزلہ پیسوں کے ہے۔ اور اگر محنت بمنزلہ پیسوں کے نہ ہو تو پھر بطریق اولیٰ منع ہے کیونکہ جب عوض کے ساتھ جائز نہیں تو بغیر عوض کس طرح جائز ہوگا۔ ہاں اگر اللہ تعالیٰ لوٹا دے تو پھر جائز ہے۔ چنانچہ مشکوٰۃ کے اسی باب میں حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک عورت آئی اور اس نے دریافت کیا کہ میں نے اپنی ماں پر ایک لونڈی صدقہ کی تھی۔ اور اب میری ماں مرگئی فرمایا تیرا اجر ثابت ہو گیا۔ اور میراث کی وجہ سے لونڈی تیری طرف لوٹ آئی۔

غرض اپنے طور پر ایسا کوئی کام نہیں کرنا چاہیئے۔ جس کی وجہ سے صدقہ اس کی طرف لوٹے۔ یا اس سے فائدہ اٹھائے۔ خدا کی طرف سے مل جائے تو الگ شے ہے اور ظاہر ہے کہ مضاربت کے ساتھ کھانا یہ اپنی محنت ہے اور یہ بات بھی ظاہر ہے کہ شے کا نفع بھی شے کے حکم میں ہے۔ جب پونجی خدا کی طرف سے ناجائز ہوئی تو نفع کھانا بھی ناجائز ہو گیا۔

ممانعت کی ایک وجہ اور بھی ہے۔ وہ یہ کہ زکوٰۃ کا مال اپنے پاس رکھنا منع ہے۔ کیونکہ جب آیت آتو الزکوٰۃ میں دینے کا حکم ہے تو اپنے پاس کس طرح رکھ سکتا ہے بلکہ تھوڑی مدت بھی رکھنے کی اجازت نہیں۔ جیسے بعض لوگ سال میں تھوڑی تھوڑی زکوٰۃ دیتے رہتے ہیں وہ اچھا نہیں کرتے۔

جب زکوٰۃ کا اپنے قبضہ میں رکھنا جائز نہ ہوا تو مضاربت کیسے؟

رہا زکوٰۃ کا یا اس کے نفع کا کسی پختہ عمارت مدرسہ و مسجد میں لگانا یہ بھی محل اشتباہ ہے جس سے پرہیز کرنا چاہیئے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

۱۸ جمادی الاول ۱۳۵۳ھ ۔ ۳۰ اگست ۱۹۳۴ء

امام کو عشر لگ سکتا ہے؟

سوال :۔ عشر اور قربانی وغیرہ کے چمڑوں وغیرہ کا مصرف امام ہے یا نہیں؟

(میاں) باقر جھوک داو وطور چک نمبر ۴۲۷ ڈاکخانہ منڈی تاندلیانوالہ ضلع لائل پور

جواب :۔ امام اگر مسکین ہو تو اس حیثیت سے چمڑہ قربانی عشر وغیرہ اس کو لگ سکتا ہے۔ اگر عوض سمجھ کر دیا جائے تو نہیں لگ سکتا۔ مثلاً دوسری جگہ دینے سے اس کے امامت چھوڑ دینے کا خطرہ ہو۔ اگر اس وجہ سے اس کو دیا جائے تو وہ امامت کا عوض ہے۔ پس اس امامت میں نہ دینا چاہیئے۔ خواہ مسکین ہی ہو۔ کیونکہ چمڑے قربانی کا فروخت کرنا یا کسی شے کا عوض دینا منع ہے۔ ابوہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ من باع جلد اضحیتہ فلا اضحیۃ لہ رواہ البیہقی (رحمۃ المھداۃ) یعنی جو قربانی کا چمڑہ فروخت کرے اُس کی قربانی نہیں ہوتی۔ پس اب امام کو چمڑے عشر وغیرہ دینے کی صرف یہی صورت باقی رہ گئی ہے کہ جیسے عام مسکینوں کو دئے جاتے ہیں۔ اس طرح اس کو دے سکتے ہیں۔ سب کی کوئی خصوصیت نہیں ہونی چاہیئے مثلاً اگر وہ امام ہو تو اس کو دیا جائے۔ اگر امام نہ ہو تو نہ دیا جائے۔ اس قسم کا دینا عوض شمار ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر یہ خیال ہو کہ نہ دیا تو امامت چھوڑ دے یا ناراض ہو جائے تو اس حالت میں بھی دینا عوض ہے۔ غرض حتی الوسع اس معاملہ میں احتیاط برتنا چاہیئے۔ ایسا نہ ہو کہ قربانی و عشر ہی ضائع ہو جائے۔

ہاں ایک صورت جواز کی نکل سکتی ہے۔ وہ یہ کہ امام بچے بھی پڑھائے۔ اور گاؤں میں بیت المال ہو جس میں عشر۔ زکوٰۃ چمڑے قربانی کے اور دیگر صدقات وخیرات جمع ہوتے ہوں۔ اور اس بیت المال سے تعلیم پر نہ کر امامت پر اس کی کچھ تنخواہ مقرر کر دی جائے تو اس طریق سے لینا شرعاً درست ہے۔ کیونکہ یہ اُجرت تعلیم ہے نہ کہ اُجرتِ امامت۔

عبداللہ امرتسری از روپڑ ضلع انبالہ

۱۴ ربیع الاول ۱۳۵۸ھ - ۵ مئی ۱۹۳۹ء

سیّد کی بیوی جو غیر سیّدہ ہے اس کو زکوٰۃ دینا

سوال :۔ میں سیدہ نہیں ہوں۔ لیکن سید کے گھر میں میری شادی ہوئی۔ بیس سال خاوند کے گھر آباد

رہی ہوں۔ عرصہ نو سال کا ہوا کہ میرا خاوند وفات پاگیا۔ اور اُس نے کوئی ورثہ نہیں چھوڑا۔ گذر اوقات مشکل ہے۔ اگر کوئی امیر صدقہ یا زکوٰۃ دینا چاہے تو کیا میرے لئے اُس کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

مریم زوجہ محمود شاہ مرحوم

جواب:۔ صدقہ۔ خیرات و زکوٰۃ وغیرہ غیر سیدہ کے لئے جائز ہے خواہ منکوحہ سید ہو یا غیر سیدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کسی کے لئے صدقہ کی حرمت نہیں۔ مگر ازواج مطہرات کے لئے حلال تھا۔

عبداللہ امرتسری روپڑ ضلع انبالہ

۵ رمضان ۱۳۵۹ھ ۲۸ اکتوبر ۱۹۴۰ء

بیت المال کا قیام

سوال:۔ زکوٰۃ۔ عشر۔ صدقات۔ کھال قربانی و عقیقہ و فطر وغیرہ جمع کر کے بیت المال بنایا جائے تو جائز ہے یا نہیں؟

علی محمد قوم جٹ چک نمبر ۲۸۱ رکھ برانچ
ڈاکخانہ ڈجکوٹ ضلع لائل پور

جواب:۔ بیت المال بنانا جائز ہے۔ مگر صدقہ فطر ذخیرہ کرنے میں شبہ ہے اور چمڑہ ہائے قربانی اور عقیقہ گھر بھی رکھ سکتا ہے۔ اور مساکین کو بھی دے سکتا ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑ۔ انبالہ

۸ محرم ۱۳۶۰ھ۔ ۵ فروری ۱۹۴۱ء

زکوٰۃ سے مسافر خانہ تعمیر کرنا

سوال:۔ ایک شخص زکوٰۃ کے فنڈ سے مسافر خانہ تعمیر کرتا ہے تو کیا اس کی زکوٰۃ ادا ہو گی یا نہیں؟

لے اگر خاوند غنی صاحب نصاب ہو تو اس صورت میں بیوی کے لئے صدقہ۔ زکوٰۃ لینا جائز نہیں خواہ وہ غیر سیدہ ہو۔ اس لئے کہ بیوی خاوند کے تابع ہے وہ غنی ہے تو بیوی بھی غنی کے حکم میں ہے اس لئے کہ بیوی کی تمام ضروریات کو پورا کرنا خاوند کے ذمہ ہے۔ یہی وجہ ہے۔ خاوند بیوی کو زکوٰۃ نہیں دے سکتا البتہ بیوی خاوند کو زکوٰۃ دے سکتی ہے اگر وہ محتاج ہو (مرتب)

جواب :۔ مسافر خانہ بنانے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔ کیونکہ قرآن مجید میں جو مصارف زکوٰۃ ذکر ہیں۔ ان میں مسافر خانہ داخل نہیں۔ مسافر خانہ زکوٰۃ ادا کرنے والے کی ملکیت ہے خواہ اس کو قائم رکھے یا فروخت کر دے یہ اس کو اختیار ہے اور زکوٰۃ نئے سرے سے ادا کرے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی
۲۴ اکتوبر ۱۹۳۹ء

عشر جمع کر کے عشر دینے والوں کو قرض دینا

سوال :۔ عشر جمع کر کے عشر دینے والوں کو اس عشر سے قرض دینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ جو لوگ اس نیت سے عشر جمع کریں کہ بوقتِ ضرورت ہم کو اس عشر جمع شدہ سے قرض ملے گا۔ اگر عشر اپنے ہاتھ سے مستحقین پر خرچ کر دیں تو بوقتِ ضرورت ہم کو قرض نہیں مل سکتا۔ اس نیّت سے عشر جمع کرنا شرعاً عشر کہلائے گا۔

جواب :۔ بیت المال سے قرض جائز نہیں۔ خاص کر صرف ان کو قرض دینا جو عشر دیتے ہیں یہ اور بُرا ہے۔ ایسا بیت المال درحقیقت شرعی بیت المال نہیں۔ بلکہ گھر کی ایک سوسائٹی ہے۔ شرعی بیت المال میں کسی کی خصوصیت نہیں ہوتی بلکہ ہر ایک مستحق کی امداد کی جاتی ہے۔ چنانچہ مشکوٰۃ کتاب الزکوٰۃ میں ہے۔

توخذ من اغنیائھم وترد علی فقرائھم

یعنی مسلمانوں کے غنیوں سے صدقہ لیا جائے اور ان کے فقیروں کو دیا جائے۔

دیکھئے اس حدیث میں غنیوں سے لے کر فقیروں کو دینے کا ارشاد ہے۔ نہ یہ کہ دینے والے خود فائدہ اٹھائیں۔ ہاں اگر دینے والے فقیر ہو جائیں تو فقیر ہونے کی وجہ سے وہ بھی مستحق ہیں۔

خلاصہ یہ کہ بیت المال عام طور پر مسکینوں اور محتاجوں کی امداد کے لئے ہے۔ اس میں کسی کی خصوصیت نہیں۔ نہ اس میں قرض کا سلسلہ ہے۔

مؤطا میں حدیث ہے زید بن اسلم نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ حضرت عمرؓ کے صاحبزادے عبداللہ اور عبیداللہ عراق کی طرف فوج میں گئے۔ جب واپس ہوئے تو ابوموسیٰ اشعریؓ سے ملے۔ اور وہ

اس وقت بصرہ میں امیر تھے۔ انہوں نے خوش آمدید کہا اور کہا کہ میں اگر تمہیں کسی قسم کا مالی فائدہ پہنچا سکتا تو دریغ نہ کرتا۔ پھر کہا کہ ہاں ایک صورت ہے۔ یہاں اللہ کا مال ہے۔ میں اس کو امیر المومنین کے پاس بھیجنا چاہتا ہوں وہ تمہیں قرض دیتا ہوں۔ اس کے ساتھ عراق سے مال خرید کر مدینہ جا کر فروخت کرو۔ اصل مال امیر المومنین کو ادا کرو۔ اور نفع تم لے لو۔ انہوں نے کہا کہ ہم دوست رکھتے ہیں کہ آپ ہمارے ساتھ یہ سلوک کریں۔ ابوموسیٰ اشعری رضہ نے یہ مال ان کے حوالہ کیا اور امیر المومنین کو لکھ دیا کہ ان سے مال وصول کر لیں۔ جب یہ دونوں مدینہ آئے تو مال فروخت کیا اور ان کو نفع ہو گیا۔ جب حضرت عمرؓ کے پاس لے گئے تو فرمایا سب لشکر کو اس طرح قرض دیا ہے جیسے تمہیں دیا ہے؟ انہوں نے کہا نہیں فرمایا تم امیر المومنین کے بیٹے تھے۔ اس لئے تمہارا لحاظ کیا۔ اور عبید اللہ نے کہا اے امیر المومنین ایسا کرنا آپ کے لائق نہیں۔ اگر مال کم ہو جاتا یا بالکل ضائع ہو جاتا تو ہم سے بھرا جاتا تو اصل رقم بمعہ منافع آپ کے کس طرح حوالہ کریں۔ فرمایا حوالہ کرو عبد اللہ پھر خاموش رہے۔ اور عبید اللہ نے سوال و جواب کیا۔ مجلسیوں میں سے ایک شخص نے حضرت عمرؓ کو کہا اس کو مضاربت (منافع پر روپیہ دینا) کر دو۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ میں نے اس کو مضاربت کر دیا۔ پس اصل پونجی اور نصف منافع حضرت عمرؓ نے لے لیا۔

اس روایت سے قرض دینے کی ممانعت نکلی۔ کیونکہ حضرت عمرؓ کا یہ فرمانا کہ کیا سارے لشکر کو تمہاری طرح قرض دیا ہے؟ اس سے یہی مقصد تھا کہ سارے لشکر کو قرض دینا تو مشکل ہے۔ کیونکہ بیت المال کے اغراض مقاصد غریبوں مسکینوں کی حاجت روائی اور سیاسیات وغیرہ کا انتظام فوت ہوتے ہیں۔ پس جب سب کو قرض دینا مشکل ہے تو کسی کو بھی جائز نہ رہا۔ اس کے علاوہ اگر غربت کی وجہ سے قرض لینا ہے تو اس کو ویسے دینے کا حکم ہے۔ قرض کا بوجھ اس بچارے پر کیوں ڈالا جائے۔ اگر قرض لینے والا ویسے بیت المال سے امداد کا مستحق نہیں تو بیگانی شے لینے کا کس طرح حقدار ہو سکتا ہے

پھر ابوموسیٰ اشعریؓ نے جس صورت سے قرض دیا تھا اس میں بیت المال کا حرف اتنا حرج تھا کہ عبد اللہ اور عبید اللہ کے مدینہ پہنچنے تک بیت المال سے یہ مال غائب رہے۔ سو یہ ہر صورت میں ہونا ہی تھا۔ کیونکہ اگر اور کسی کے ہاتھ بھیجتے تو بھی یہ مال اتنی مدت غائب رہتا بلکہ اس میں دو طرح سے نقصان تھا۔ ایک یہ کہ جس کے ہاتھ بھیجتے اس کو اجرت دینی پڑتی۔ دوسرے وہ مال اس کے پاس امانت ہوتا جو ضائع ہونے کی صورت میں اس کو ادا نہیں کیا جا سکتا تھا۔ قرض دینے کی صورت میں نہ اجرت دینی پڑی۔ نہ

ضائع ہونے کا خطرہ رہا مگر باوجود اس کے حضرت عمرؓ نے اس کو رد کر دیا۔ تو جو صورت سوال میں مذکور ہے وہ کس طرح جائز ہوسکتی ہے؟ اگر بالفرض مذکورہ بالا واقعہ سے جواز پر استدلال کیا جائے اور حضرت عمرؓ کے رد کرنے کو زیادت احتیاط پر محمول کیا جائے تو اس سے اس صورت میں جواز نکلے گا کہ دینا نہ دینے کی طرح ہو۔ مثلاً ایسے شخص کو دے جس سے واپسی فوراً ممکن ہو۔ اور کسی قسم کی رکاوٹ کا اندیشہ نہیں گویا روپیہ بیت المال میں پڑا ہے کسی کو نہیں دیا کیونکہ ابوموسیٰ رضؓ والی صورت اسی قسم کی ہے۔ یعنی اس میں دینا نہ دینے کی طرح ہے۔ اگر قرض نہ دیتے تو بھی مال مدینہ تک پہنچنے تک کسی کے ہاتھ میں رہتا۔ اور ظاہر ہے کہ سوال کی صورت ایسی نہیں۔ پس وہ کسی طرح جائز نہیں۔

اعتراض ۔ اگر کہا جائے کہ بخاری شریف میں عمرؓ کا بیت المال سے قرض لینا ثابت ہے تو اس کا **جواب** یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کا بیت المال سے قرض لینا اس کی دلیل نہیں بن سکتا۔ کیونکہ حضرت عمرؓ خلیفہ تھے۔ خلیفہ اپنی ضروریات بیت المال سے پوری کر سکتا ہے۔ انہوں نے تبرعاً بہ نیّت ثواب) اپنے ذمے قرض سمجھ لیا۔ یہ ان کا بیت المال پر اور مسلمانوں پر احسان تھا۔ ورنہ ان کے ذمے حقیقت میں کوئی ضروری قرض نہ تھا۔

حضرت ابوبکرؓ جب خلیفہ ہوئے تو صاف کہا تھا کہ تمہیں معلوم ہے کہ میرا تجارت کا پیشہ میرے اہل کے گذارہ کے لئے کافی تھا۔ اب میں مسلمانوں کے کام میں لگ گیا ہوں جس سے اپنے کام کے لئے مجھے فراغت نہیں۔ اس لئے اب میں اپنی ضروریات بیت المال سے پوری کروں گا (مشکوٰۃ باب رزق الولاۃ)

حضرت عمرؓ کا اپنی ضروریات میں خرچ کیا ہوا مال اُن کے ذمہ قرض کس طرح ہوسکتا ہے۔

یہ اس بات کی صاف دلیل ہے کہ یہ تبرعاً قرض تھا۔

فتح الباری جز ۱۴ میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے بیٹے عبداللہ کو وصیت کی کہ میرے دفن سے فارغ ہو کر اپنا سر دھونے سے پہلے آل عمرؓ کے مکانات سے اسّی ہزار درہم کی قیمت کے فروخت کر کے اُن کی قیمت بیت المال میں داخل کر دے۔ عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے پوچھا کہ اتنے درہم بیت المال سے کہاں خرچ کئے؟

حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ حجوں میں اور جو حادثات مجھے پیش آتے رہے ان میں صرف کئے۔

حضرت عمرؓ کے اس جواب سے معلوم ہو گیا کہ حضرت عمرؓ نے یہ قرض لے کر کہاں خرچ کیا۔

ابن تینؒ کہتے ہیں۔ عمرؓ جانتے تھے کہ اس قرض کی ادائیگی ان کے ذمہ ضروری نہ تھی۔ کیونکہ حج کے انتظام

کے لئے امیر کا یا اس کے نائب کا جانا ضروری ہے جس کا بوجھ بیت المال پر ہے۔ اس طرح امیر کی ضروریات کا متکفل بھی بیت المال ہے۔ اس لئے حضرت عمرؓ پر اس قرض کی ادائیگی ضروری نہ تھی مگر حضرت عمرؓ نے چاہا کہ اپنے عمل کا کوئی حصہ دنیا میں نہ لیں۔

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ نے اس کو تبرعاً یعنی زیادہ ثواب کی خاطر قرض بنا لیا تھا ورنہ حقیقتاً یہ قرض نہ تھا۔ جو لوگ اس طرح عشر جمع کرتے ہیں ان لوگوں کا عشر ادا نہیں ہوتا۔ کیونکہ حدیث میں ہے۔

انما الاعمال بالنیات وانما لکل امرئٍ ما نوی

یعنی اعمال نیّتوں کے ساتھ ہیں اور ہر ایک شخص کے لئے وہی شے ہے جس کی اس نے نیت کی ہے۔

صدقات کی غرض تو غریبوں کی امداد کرنا ہے نہ کہ اپنا ذاتی فائدہ۔ اس لئے جو عشر ذاتی فائدہ کے لئے جمع ہوگا وہ شرعاً عشر نہیں ہوگا اور نہ بیت المال کو شرعی بیت المال کہا جائے گا۔

عبداللہ امرتسری روپڑ ضلع انبالہ
۶ صفر ۱۳۵۴ھ ۱۰ مئی ۱۹۳۵ء

ٹھیکہ کاٹ کر عشر ادا کیا جائے گا؟

سوال: زید نے کچھ زمین ٹھیکہ پر لی ہے۔ کیا عشر ٹھیکہ ادا کر کے دیا جائے یا قبل۔ نہر کا معاملہ یا مال کا معاملہ عشر کے ادا کرنے سے پہلے پیداوار سے وضع ہو سکتا ہے یا نہیں؟

جواب: ٹھیکہ عشر ادا کرنے سے پہلے وضع کیا جائے اس کے بعد عشر نکالا جائے۔ اس طرح مال کا معاملہ نکال کر باقی غلہ سے عشر ادا کرے۔ نہر کا معاملہ الگ کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ نہری زمین کو کنوئیں کے حکم میں سمجھنا چاہیئے۔ یعنی عشر کی بجائے نصف عشر یعنی بیسواں حصہ دے۔

عبداللہ امرتسری روپڑ ۴ ذی الحجہ ۱۳۵۴ھ

مزدور کی مزدوری کاٹ کر عشر دیا جائیگا یا نہیں؟

سوال: اگر زمیندار کاشتکاری کے لئے کچھ مزدوروں کو زمین پر لگا دے تو کیا ان کی مزدوری عشر سے وضع کر سکتا ہے اسی طرح باقی اخراجات وضع ہو سکتے ہیں؟

جواب :۔ مزدور دو طرح کے ہیں۔ ایک وہ جو کھیتی کے لئے لازمی ہیں۔ جیسے لوہار۔ ترکھان۔ ان کے بغیر تو کھیتی کا کام ہو ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ اکثر آلاتِ کشاورزی وغیرہ بنانے اور ان کے درست کرنے کی ضرورت رہتی ہے۔ ان کی اُجرت کو ایسا ہی سمجھنا چاہیے جیسے ہل یا جوا وغیرہ اُجرت دے کر بنائے یا جیسے بیل وغیرہ خریدے۔ یہ اشیاء چونکہ کھیتی میں داخل ہیں۔ عشر دینے کے وقت اُجرت نہ کاٹی جائے ان کے علاوہ دوسرے مزدوروں کی اُجرت کاٹی جا سکتی ہے دیگر اخراجات بھی جو کمین کو لازم ہیں نہ کاٹے جائیں۔ باقی کاٹ سکتے ہیں۔

عبداللہ امرتسری روپڑ ۸ ذی الحجہ ۱۳۵۴ھ

چاہی اور بارانی غلّہ ملا کر عشر ادا کرنا

سوال :۔ اگر غلہ پچاس من ہو۔ جس میں بارانی بتیس من گندم اور چاہی اٹھارہ من ہو تو اس پر عشر کس طرح ہوگا اور کتنا ہوگا۔ نیز اس کے پاس پچیس من چنے بھی ہیں۔

جواب :۔ ایک موسمی غلہ ملا لیا جائے خواہ چنے ہوں یا گندم یا جو چاہی ہوں یا بارانی۔ ان عشر نکالنے میں چاہی بارانی کا فرق ہے۔ بارانی کا دسواں اور چاہی کا بیسواں۔ اسی طرح بھیڑیں۔ بکریاں بھی نصاب میں ملائی جائیں گی۔ کیونکہ نصاب کے لحاظ سے سب ایک جنس ہیں۔ نیز حدیث میں غنم کا لفظ ہے۔ جو بھیڑ بکری دنبہ سب کو شامل ہے۔ اس طرح غلّہ کی نسبت حدیث میں تصریح آئی ہے۔

ماسقت السّماء ففيه العشر الحديث

یعنی جو جنس کھیتی بارش یا چشموں وغیرہ سے پرورش پائے یا زمین سے اپنی جڑوں کے ساتھ پانی کھینچ لے اس میں عشر ہے اور چاہی وغیرہ میں نصف عشر ہے۔ اس میں گندم۔ جو۔ چنے وغیرہ کو الگ الگ ذکر نہیں کیا بلکہ ما کے لفظ میں سب کو جمع کر دیا ہے۔ اس طرح جس حدیث میں نصاب پانچ وسق (بیس من پختہ) آیا ہے۔ اس میں بھی الگ نہیں کیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ نصاب کے لحاظ سے یہ سب جنسیں ایک ہیں۔ سب کو ملا کر نصاب پورا ہو جائیگا تو عشر دینا پڑے گا۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

چکوتہ نکال کر عشر دیا جائیگا یا چکوتہ سمیت

سوال:۔ اگر زمین چکوتہ پر ہو اور اناج ۵۴ من ہو جائے تو چکوتہ نکال کر عشر ادا کیا جائے یا پوری جنس کا ادا ہو گا۔ اسی طرح کمینوں کا خرچ الگ کر کے عشر ادا ہو گا یا اس کے سمیت ادا ہو گا۔

جواب۔ کمینوں کا خرچ الگ نہیں کیا جاتا جیسے نوکر یا آلاتِ زرعی یا بیج وغیرہ الگ نہیں کیا جاتا البتہ زمین کا چکوتہ اُس وقت کے حساب سے نکال لیا جائے کیونکہ وہ اس کی آمد میں شامل نہیں ہاں نصاب میں چکوتہ کے دانے شامل ہوں گے اور حساب عشر میں دانے الگ کر لئے جائیں گے۔ ان کا عشر ان کا مالک دے گا۔ بٹائی کا بھی یہی حکم ہے۔ حدیث میں چارپاؤں کی نسبت آیا ہے کہ ان سے مشترکہ طور پر زکوٰۃ وصول کرنی چاہیے اور شریک اپنا حساب ٹھیک کر لیں۔ سو غلّہ کی نسبت بھی اس طرح ہونا چاہیئے خواہ چکوتہ ہو یا بٹائی مگر مالک زمین راضی نہ ہو تو یہ اپنے حصہ کا دے دے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

۹ جمادی الاول ۱۳۵۷ھ ۸ جولائی ۱۹۳۸ء

کیا غلّہ میں زائد عن الحاجت پر زکوٰۃ ہے

سوال۔ دراہم و دنانیر کی صورت میں شریعت نے زائد عن الحاجت پر زکوٰۃ رکھی ہے۔ اور ضرورت انسانی کا اس قدر لحاظ کیا ہے کہ زائد عن الحاجت پر تاوقتیکہ سال کامل نہ گذر جائے زکوٰۃ نہیں۔ اگر سال کے آخر میں بھی ضروریات میں صرف ہو کر نصاب شریعت سے کم ہو جائے تو کوئی زکوٰۃ نہیں اس طرح غنم بقر وغیرہ بھی سال کے اندر نصاب مقررہ سے کم ہو جائیں تو زکوٰۃ معاف ہے۔ اس طرح عشر بھی انسان اور ان کی ضروریات اہل وعیال کی خوراک سے زائد پر ہونا چاہیئے۔ ایک شخص کے ہاں دس نفوس کھانے والے ہیں۔ اور وہ زراعت کے علاوہ کچھ نہیں کر سکتا۔ اگر ان کا خرچ بیس سیر فی نفر لگایا جائے تو بھی سال بھر کے لئے ساٹھ من غلّہ چاہیے اور اس کے مالکان اراضی کا حصہ دے کر و دیگر اخراجات مزارع ادا کرنے کے بعد پانچ وسق غلّہ بچا جو مذکورہ بالا حساب سے صرف دو آدمیوں کی خوراک ہے۔ اب وہ باقی نفوس کی روزی کا فکر کرے یا عشر دے۔ چند روز بعد وہ مستحق زکوٰۃ بن

جائے گا اور ہمسایہ قوم ہندو سے اناج سودی لے کر کھائے گا۔ کیا اس کو اس حال پر عشر فرض ہے؟

محمد از کلس گاماں ڈاکخانہ کنگن پور ضلع لاہور

جواب:۔ آپ کو معلوم ہے کہ بارانی کا دسواں حصہ ہے اور چاہی کا بیسواں حصہ ہے۔ اگر اس کے پاس ہے پانچ وسق (بیس من پختہ) غلہ ہو۔ تو آپ کے خیال میں یہ صرف دو آدمیوں کی خوراک ہے باقی نفوس کی خوراک اور دیگر ضروریات کا انتظام وہ دوسری جگہ سے کرے گا۔ اگر دسواں حصہ نصف وسق یا بیسواں حصہ ربع وثق الگ کر دے تو کیا یہ کمی دوسری جگہ سے پوری نہیں ہو سکتی۔ خدا نے اپنا حصہ رکھا ہی اتنا ہے کہ نہ اس کے نکالنے میں کوئی ایسی دقت ہے اور نہ اس کے رکھنے میں کوئی بوجھ ہلکا ہو سکتا ہے۔ صرف ایک خیال ہے کہ عشر نہ دیا جائے تو ضرورت پوری ہو جائے گی۔ ورنہ نصف وسق (دو من پختہ) یا ربع وسق (ایک من پختہ)، سال یا چھ ماہ بعد کس گنتی میں ہے۔ رہا آپ کا یہ کہنا کہ شریعت نے زائد عن الحاجت پر زکوٰۃ رکھی ہے تو یہ بے شک ٹھیک ہے مگر سب جگہ اس کی ایک صورت نہیں۔ دیکھئے! سونے اور چاندی بکریوں وغیرہ میں ہر سال زکوٰۃ ہے لیکن غلّہ میں صرف زمین سے نکلنے کے وقت ہے۔ جیسے قرآن مجید میں ہے واٰتوحقہ یوم حصادہ۔ یعنی کاٹنے کے وقت اس کا حق ادا کرو۔ اس کے بعد خواہ کئی سال گذر جائیں غلہ پر زکوٰۃ نہیں۔ اصل میں آپ نے غور نہیں کیا کہ سونا چاندی خدا نے بیع شراء کا ذریعہ بنایا ہے اس سے دوسری شے کی خرید و فروخت ہوتی ہے۔ اگر ہر وقت رقم ہاتھ میں آنے سے زکوٰۃ ضروری ہوتی تو تجارت کا سلسلہ ہی بند ہو جاتا۔ اس لئے شریعت نے سال کی میعاد رکھ دی۔ جس میں تجارت کے لئے چار فصل آتے ہیں۔ اور بکریاں وغیرہ بھی ہر وقت موجود رہتی ہیں۔ ان میں بھی یہ صورت نہیں بنتی کہ جب ہاتھ میں آئیں زکوٰۃ دے دی جائے۔ اس لئے ان کے لئے بھی سال کی میعاد مقرر کر دی۔ جس میں ان کی نسل بڑھ کر منافع کی صورت پیدا ہو جاتی ہے اور غلہ کی میعاد چونکہ قدرتی ہے یعنی وہ زمین سے نکلتا ہی سال یا چھ ماہ بعد ہے۔ بلکہ ہر قسم کے غلّہ کا موسم سال بعد آتا ہے اس لئے اس کی کٹائی کا وقت دن رکھ دیا۔ اس کے بعد غلہ چونکہ براہ راست انسان کی غذا ہے۔ اور پڑا ہوا بڑھتا نہیں۔ اس لئے خواہ کئی سال گزر جائیں۔ دوبارہ اس پر کچھ نہیں۔ سونا چاندی چونکہ بیع شراء کے لئے ہے۔ رکھنے کی شے نہیں۔ اس لئے اگر کوئی رکھے تو اس کی رعایت نہیں کی گئی بلکہ دوبارہ اس پر زکوٰۃ لگا دی۔ باقی رہے حیوانات تو ان میں قدرتی طور پر زیادتی رہتی ہے۔ اس لئے ان پر بھی دوبارہ زکوٰۃ لگ جاتی ہے۔ مگر یہ

تفصیل تجارتی مال کے غیر میں ہے۔ تجارتی[1] مال خواہ غلہ ہی ہو۔ اس کا حکم غلہ کا نہیں ہوگا کیونکہ وہ کھانے کی غرض سے نہیں رکھا گیا بلکہ منافع کی غرض سے رکھا گیا ہے پس وہ تجارتی مال کے حکم میں ہے۔ جس پر اکثر سال کے بعد اور بعض دفعہ زیادہ مدت کے بعد زکوٰۃ پڑجاتی ہے۔

خلاصہ یہ کہ احکام شرعیہ بڑے اسرار و حکم پر مبنی ہیں۔ اور ان کی اساس نہایت استوار اور مضبوط ہے اگر کسی کی رسائی وہاں تک تھوڑی بہت ہو جائے تو فضل الٰہی سمجھے ورنہ جاننے والے کی طرف سونپ دے اور خواہ مخواہ شبہات میں نہ پڑے۔ خدا اس سے بچائے اور ایمان کی پونجی کے ساتھ خاتمہ کرے۔ آمین۔

عبداللہ امرتسری روپڑ ضلع انبالہ

۲۲ جمادی الثانی ۱۳۵۷ھ ۱۹ اگست ۱۹۴۰ء

کثیر العیال اور قلیل العیال کے لئے عشر کا نصاب ایک ہے

سوال :۔ بعض انسان دنیا میں کثیر العیال ہیں۔ اور بعض قلیل العیال شریعت نے سب کے لئے ایک ہی نصاب پانچ وسق مقرر کیا ہے یہ فرق کیوں ہے؟

جواب :۔ اس کا جواب قرآن مجید نے دے دیا ہے۔

وبلوناھم بالحسنات والسیّئات لعلّھم یرجعون

یعنی ہم ان کو نعمتوں اور مصیبتوں سے آزماتے ہیں تاکہ وہ خدا کی طرف رجوع کریں۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

مہر مؤجل میں زکوٰۃ کا مسئلہ

سوال :۔ مہر موجل جو ابھی ادا نہیں کیا گیا۔ اس میں زکوٰۃ ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو زکوٰۃ کس کے ذمہ

---

[1] تجارتی مال وہ ہے جس کی خرید و فروخت تجارت کی غرض سے ہو۔ اگر کھانے کی غرض سے غلہ خریدے یا گھر کی پیداوار ہو۔ اس کو کسی وقت بلا ضرورت یا ضرورت کی وجہ سے فروخت کردے تو خواہ سال بعد میں فروخت کرے وہ تجارتی مال نہیں۔ نہ اس میں زکوٰۃ ہے۔

ہے۔ عورت کے ذمہ ہے یا مرد کے ذمہ ہے۔ مہر موجل دین ہے یا نہیں۔ دین کی تعریف میں قبضہ شرط ہے یا نہیں۔ اگر کسی شخص نے کسی سے کچھ مال کا وعدہ کر لیا تو صرف وعدہ کرنے سے وہ مال دین کے تحت داخل ہے یا نہیں؟

جواب:۔ وعدہ کسی شے کا دین نہیں۔ اگرچہ ایفاء اس کا ضروری ہے لیکن کوئی شے اُس نے نہیں دی جس کی وجہ سے اُس کا حق اُس کے ذمہ ثابت ہو گیا ہو۔ اور دین میں لین دین شرط ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے اذا تداینتم بدین الی اجل مسمی اور مہر موجل بھی دین کے حکم میں ہے کیونکہ مہر بضعہ کے عوض ہے اور عقود کی قسم سے ہے اگر خاوند مہر دے سکتا ہے۔ عورت دیدہ و دانستہ مطالبہ نہیں کرتی تو عورت ہر سال اس کی زکوٰۃ دے کیونکہ یہ ایسا ہے گویا اس کے پاس ہے اگر وصول نہیں ہوتا۔ خواہ اِس وجہ سے کہ خاوند تنگدست ہے یا اس وجہ سے کہ خاوند دیتا نہیں تو اس کی زکوٰۃ عورت اُس وقت دے جب وصول ہو۔ اور اس صورت میں عورت ایک سال کی زکوٰۃ دے گی۔ کیونکہ عموماً بڑی رقم کے اُدھار میں ایک سال کی مہلت میں آسانی ہوتی ہے کیونکہ چاروں فصل آجاتے ہیں۔ جن میں کوشش کرنے والے کے لئے کوئی نہ کوئی موقعہ ادھار اتارنے کا مل جاتا ہے۔ اور امام مالکؒ کہتے ہیں۔ جب وصول ہو اُس وقت ایک سال کی زکوٰۃ دیدے چنانچہ مؤطاء میں باب الزکوٰۃ فی الدین میں ہے۔ ظاہر ان کا قول عام معلوم ہوتا ہے کہ خواہ مل سکے یا نہ۔ دونوں صورتوں میں ایک ہی سال کی زکوۃ دے۔ مگر عمر بن عبد العزیزؒ کا قول ہے جو اس باب میں منقول ہے۔ اِس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دونوں صورتوں میں فرق ہے۔ اور وہ قول یہ ہے۔

ان عمر بن عبد العزیز کتب فی مال قبضہ بعض الولاۃ ظلما یامرہ بردہ الی اھلہ وتوخذ زکوتہ لما مضیٰ من السنین ثم عقب بعد ذالك بکتاب الا توخذ منہ الا زکوٰۃ واحدۃ فانہ کان ضمارا۔

یعنی عمر بن عبد العزیزؒ نے ایک مال کی بابت لکھا جس کو بعض حکام نے ظلم سے چھین لیا تھا کہ مالکوں کو واپس دیا جائے۔ اور گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ وصول کی جائے پھر لکھا کہ گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ نہ لی جائے مگر ایک ایک سال کی زکوۃ کیونکہ یہ مال ضمار تھا۔ یعنی اس کے ملنے کی اُمید نہ تھی۔
اِس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر مال مل سکتا ہے مگر اپنی مرضی سے چھوڑ رکھا ہے تو ہر سال کی زکوٰۃ دے ورنہ ایک سال کی۔

اس کے علاوہ اسقاط زکوٰۃ کا لوگ بہانہ بنا لیتے ہیں۔ جیسے بیوی خاوند کو قرض دے دے یا خاوند بیوی کو دے دے یا کسی اور قابلِ اعتماد آدمی کو مثلاً چھ چھ ماہ اسی طرح کرتے رہے نہ اس کے ذمہ زکوٰۃ ہے خواہ اس طرح کئی سال گزر جائیں زکوٰۃ نہیں پڑے گی۔ سو یہ بالکل غلط ہے کیونکہ زکوٰۃ کی غرض اس سے فوت ہو جاتی ہے۔

مقروض پر زکوٰۃ کا مسئلہ

مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ مقروض پر زکوٰۃ نہیں پڑتی جس کی دو وجہیں ہیں۔ ایک یہ کہ عمر بن عبدالعزیزؒ نے گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ لینے کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ یہ مال ضمار ہے۔ اگر مقروض پر زکوٰۃ ہوتی تو یہ کہنا فضول تھا۔ دوسری وجہ یہ کہ زکوٰۃ مالک پر ہوتی ہے اور مقروض قرض کا مالک نہیں۔ ہاں اس کے ذمہ قرضخواہ کے حق کی ادائیگی ہے سو اس کی سستی میں گنہ گار ہو گا۔ اور بے زکوتی مال زکوتی مال کو اس وقت ہلاک کر سکتا ہے۔ جب مقروض کے پاس کی کوئی شے قرضخواہ کا مال ہو سو یہ کسی کا مذہب نہیں کیونکہ قرض ذمہ ہوتا ہے۔ نہ اس مال پر جو مقروض کے پاس ہے۔ اگر بالفرض مقروض کے پاس کوئی شے نہ ہو تو بھی قرض ذمہ رہے گا۔ اور اس کو حکم ہو گا کہ کمائی کر کے ادا کرے اور اگر مقروض کے پاس مال موجود ہے اور اس مال سے قرض ادا نہ کرے بلکہ کسی سے اُدھار لے کر دے دے یا نئی کمائی کر کے دیدے تو بھی قرض ادا ہو جائے گا۔ پس معلوم ہوا کہ حدیث زکوٰتی مال بے زکوٰۃ[1] مال کو ہلاک کر دیتا ہے۔ مقروض سے بالکل تعلق نہیں رکھتی۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

۱۷ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ

مزارع جو بٹائی پر زراعت کرتا ہے اُس پر بھی عشر ہے

سوال:۔ عشر مالک زمین پر ہے یا جو بھی حصہ وغیرہ پر زراعت کرتا ہے وہ بھی عشر ادا کرنے کا مستحق ہے۔

جواب:۔ عشر کے لئے مالک زمین کی شرط نہیں بلکہ ہر زراعت کرنے والے پر عشر ہے۔ قرآن مجید میں ہے۔

ومما اخرجنا لکم من الارض۔ یعنی جو کچھ ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالا ہے اس سے خرچ کرو۔

[1] بے زکوتی وہ مال ہے جس سے زکوٰۃ نہ دی جائے۔ زکوتی مال وہ ہے جس میں زکوٰۃ پڑتی ہو۔

اور حدیث میں ہے۔

فیما سقت السماء والعیون او کان عثریا العشر وما سقی بالنضح نصف العشر۔

یعنی جس کھیتی کو آسمان یا چشمے پانی پلائیں یا خود زمین کی رگوں سے پانی پیئے اس میں عشر ہے اور جس کو اونٹوں وغیرہ سے پانی پلایا جائے اس میں نصف عشر ہے۔

اس آیت وحدیث میں زمین کی آمد پر عشر یا نصف عشر تبلایا ہے اور اسی سے خرچ کا حکم دیا ہے مِلک یا غیر مِلک کی کوئی شرط نہیں۔ اور نصاب کے اندازہ میں مالک زمین اور مزارع دونوں کے حصے شامل ہوں گے۔ اگر مجموعہ نصاب کو پہنچ جائے تو دونوں پر عشر ہوگا۔ خواہ اکیلے اکیلے کا حصہ نصاب سے کم ہو۔ چنانچہ حدیث میں بکریوں وغیرہ کی بابت تصریح آئی ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی ۲۹ ربیع الاول ۱۳۵۶ھ

خراجی زمین میں عشر کا مسئلہ

سوال :۔ کیا خراجی زمین میں عشر ہے۔

جواب :۔ عشر اور خراج جمع ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ خراج زمین کی ذات پر ہے اور عشر اس کی پیداوار پر ہے۔ جب اُن کا محل الگ الگ ہے تو جمع ہونے میں کوئی حرج نہیں۔ اور جمع نہ ہونے کی بابت جو روایت ذکر کی جاتی ہے وہ ثابت نہیں۔ چنانچہ مولانا عبدالجبار صاحب غزنوی ؒ نے اپنے فتاویٰ میں اس پر بہت بحث کی ہے مگر اس موقعہ پر یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیئے کہ جس خراج کی بابت بعض کا خیال ہے کہ وہ عشر کے ساتھ جمع نہیں ہوتا۔ وہ اسلامی خراج ہے جو حکومت اسلامی لیتی ہے۔ حکومتوں کے مروجہ معاملہ کو اس سے کوئی تعلق نہیں بلکہ یہ انکم ٹیکس کے حکم میں ہے۔ جیسے اس سے زکوٰۃ ساقط نہیں ہوتی۔ ایسے ہی حکومتوں کے موجودہ معاملہ سے عشر ساقط نہیں ہوتا۔ اس پر بھی مولانا موصوف نے اپنے فتوے میں کافی بحث کی ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

۲۹ ربیع الاول ۱۳۵۶ھ

عشر کا سال کے بعد پڑنا یا ہر فصل پر

سوال :۔ عشر سال کے بعد پڑتا ہے یا ہر فصل پر۔

جواب :۔ عشر سال کے بعد نہیں بلکہ ہر فصل پر ہے۔ قرآن مجید میں ہے وآتوا حقه يوم حصاده یعنی کھیتی کاٹنے کے دن اس کا حق دو۔

عبداللہ امرتسری روپڑی ۲۹ ربیع الاول ۱۳۵۶ھ

لوہار ترکھان کی آمدن پر بھی عشر ہے۔؟

سوال :۔ کیا لوہار ترکھان وغیرہم اگر اپنی آمدن سے نصاب کو پہنچ جائیں تو ان پر عشر ہے یا نہیں ؟

جواب :۔ لوہار ترکھان وغیرہ کو جو دانے ملتے ہیں وہ ان کی زراعت کی آمدن نہیں خواہ نصاب کو پہنچے یا نہ۔ عشر زمین کی ہر پیداوار پر ہے۔ خضراوات (سبزی ترکاری) پر نہیں۔

عبداللہ امرتسری روپڑی ۲۹ ربیع الاول ۱۳۵۶ھ

دکان کے مال کی زکوٰۃ

سوال :۔ دکان میں جو مال اور ادویات رکھی جاتی ہیں۔ اس کی زکوٰۃ کا کیا حکم ہے ؟

جواب :۔ مالِ تجارت پر زکوٰۃ ہے۔ قرآن مجید میں ہے۔

يا ايها الذين آمنوا انفقوا من طيبات ما كسبتم۔

یعنی جو تم نے کمائی کی ہے اس پاکیزہ سے خرچ کرو کسب میں۔

دستکاری۔ بیع شراء داخل ہے۔ اور اس مسئلہ پر اجماع ہے۔ خازن کی عبارت میں داؤد ظاہری کا جو کچھ خلاف ذکر کیا ہے وہ صرف اس بات میں ہے کہ سامان کے مالک ہونے کے وقت تجارت کی نیت نہ تھی۔ اس کے بعد اس میں تجارت کا ارادہ ہو گیا۔ اور اس کی فروخت شروع کر دی تو اس پر زکوٰۃ نہیں۔ اور اگر مالک ہونے کے وقت تجارت کی نیت سے خریدا ہے۔ جیسے عام طور پر تاجر پیشہ یا دکاندار خریدتے ہیں تو اسی نیت سے خریدتے ہیں۔ تو اس میں وجوب زکوٰۃ سے داؤد ظاہری کو بھی انکار نہیں۔ پس اس میں

بالاجماع زکوٰۃ ہے۔ اس کے علاوہ جب حدیث میں آگیا کہ مال تجارت میں زکوٰۃ ہے خواہ مالک ہونے کے وقت نیّت تجارت ہو یا نہ ہو تو پھر کس کی مخالفت نقصان نہیں دیتی۔

مالِ تجارت سے زکوٰۃ ادا کرنے کا طریق

یہ ہے کہ سال کے بعد جتنا مال دکان میں ہے اس کی قیمت اور اس کے ساتھ موجودہ نقدی کو بھی شامل کر کے سب کا چالیسواں حصہ ادا کر دے مگر یہ اُس وقت ہے جب مال کی آمد و رفت کا سلسلہ جاری رہے چنانچہ عموماً تجارت میں مال آتا رہتا ہے اور نکلتا رہتا ہے اور وہی پیسے بار بار مال کی خرید میں خرچ ہوتے رہتے ہیں۔ اگر کوئی ایسی شے ہو جو یک لخت خریدلی اور بدستور پڑی رہی اور مدّت تک فروخت نہ ہوئی تو اس پر فروخت کے بعد صرف ایک سال کی زکوٰۃ پڑے گی خواہ کئی سالوں کے بعد فروخت ہو چنانچہ موطاء امام مالک وغیرہ میں اس کی تفصیل ہے۔

کارخانہ یا مشین پر زکوٰۃ کا مسئلہ

سوال :۔ کارخانہ یا مشین پر زکوٰۃ ہے؟

جواب :۔ کارخانہ یا مشین جس میں مال تیار ہو کر نکلتا ہے۔ اس کی قیمت مال تجارت میں نہیں لگائی جائے گی۔ کیونکہ یہ ذریعہ کسب ہے جیسے اوزار ہوتے ہیں۔ پس اس میں صرف مال تیار شدہ اور غیر تیار شدہ کی قیمت لگائی جائے گی۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

مکان۔ لاریاں۔ ٹرک پر زکوٰۃ

سوال :۔ مکان۔ لاریاں اور ٹرک کرایہ پر چلتے ہیں۔ ان کی مالیت ہزارہا روپیہ ہوتی ہے۔ ان پر زکوٰۃ ہے یا نہیں۔

عبدالمجید از قصور

جواب۔ قرآن مجید میں ہے۔ اَمَّا السَّفِیۡنَۃُ فَکَانَتۡ لِمَسٰکِیۡنَ یَعۡمَلُوۡنَ فِی الۡبَحۡرِ (پ ۱۶)

ئہ ابوداؤد میں ہے عن سمرۃ کان یامرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان نخرج الزکوٰۃ مما نعد للبیع۔

یعنی جس کشتی کو خضر علیہ السلام نے عیب دار کیا وہ ان مساکین کی تھی جو دریا میں کام کرتے تھے۔ کشتی کافی مالیت کی ہوتی ہے۔ اس کے باوجود اللہ تعالےٰ نے کشتی کے مالکوں کو مساکین فرمایا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ آمدنی تھوڑی تھی جو گذر اوقات کے لئے کافی نہ تھی۔

اِس سے معلوم ہوا کہ کمائی کے ذرائع کارخانہ۔مکان۔ لاریاں اور آلات وغیرہ کی مالیت خواہ کتنی بھی ہو اِس پر زکوٰۃ نہیں۔ہاں ان کی آمدنی نصاب کو پہنچ کر اس پر سال گذر جائے تو اس آمدنی پر زکوٰۃ ہے۔

اور اگر ان آلات اور ذرائع کی تجارت کی جائے۔مثلاً لاریوں۔ٹرکوں اور کارخانوں کی خرید و فروخت کی جائے تو پھر یہ مالِ تجارت سمجھا جائے گا۔ اور اس کی مالیت پر زکوٰۃ ہوگی۔

عبداللہ امرتسری روپڑی لاہور

۷ شعبان سنہ ۱۳۷۹ھ

زکوٰۃ کے روپیہ سے مذہبی اخبار خریدنا

سوال :۔ زکوٰۃ کے روپے اخبار تنظیم اہلحدیث کے چندہ میں خرچ کئے جا سکتے ہیں۔

جواب :۔ اگر اخبار تنظیم اہلحدیث اپنے نام جاری کرانا چاہتے ہیں تو زکوٰۃ سے جاری نہیں کرا سکتے کیونکہ اس طرح زکوٰۃ گھر میں رہتی ہے۔ اگر دوسرے کے نام جاری کرانا چاہتے ہیں تو اگر وہ مستحق زکوٰۃ ہے تو اس کی مرضی سے جاری ہو سکتا ہے۔ ابُو داؤد کتاب الخراج میں ہے کہ معاذ نے کپاس کے عشر میں یمنی کپڑوں کے کچھ جوڑے لینے منظور کر لئے۔ اور فرمایا کہ صحابہ رضہ کو ان کی زیادہ ضرورت ہے۔ اور تمہیں ان کی ادائیگی میں سہولت ہے۔

اِس سے معلوم ہوا کہ مستحق زکوٰۃ اپنے مناسب حال کوئی شے منظور کرے تو اس سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ معاذ چونکہ نائب عام تھے۔ اِس لئے ان کی منظوری مستحقین زکوٰۃ کی منظوری کے قائم مقام ہے اور اگر مال زکوٰۃ سے اخبار خرید کر وقف کرنا چاہتے ہیں تو یہ ایسا ہے جیسے مسجد وغیرہ پر مال زکوٰۃ صرف کریں۔ اس میں اختلاف ہے کہ زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہ۔ زکوٰۃ فرض ہے اس کو شبہ کے ساتھ ادا کرنا ٹھیک نہیں۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

۲۴ ربیع الثانی سنہ ۱۳۵۷ھ ۲۴ جون سنہ ۱۹۳۸ء

اشاعت کتب پر زکوۃ صرف کرنا

سوال :۔ ایک مولوی صاحب لوگوں سے ہزاروں روپیہ زکوۃ لے کر ایک کتاب تالیف و طبع کر کے مفت تقسیم کرتے ہیں۔ عام متمول لوگوں کو اور کچھ تھوڑی سی غرباء کو بھی۔ کیا امیر لوگ وہ کتاب مفت لے سکتے ہیں؟ اور کیا زکوٰۃ کا یہ مصرف صحیح ہے؟

جواب :۔ زکوۃ کے مصارف میں فی سبیل اللہ سے مراد جہاد ہے اور حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حج و عمرہ بھی فی سبیل اللہ میں داخل ہے۔ صورت مسئولہ فی سبیل اللہ میں داخل نہیں کیونکہ اگر وہ کتاب بطور وقف اغنیاء کو دی جاتی ہے تو زکوٰۃ کا وقف کرنا ثابت نہیں اور اگر بطور ملک اغنیاء کو دی جاتی ہے تو غنی کو زکوٰۃ دینی جائز نہیں۔ بہر حال صورت مسئولہ جائز نہیں۔

عبد اللہ امرتسری روپڑی لاہور جامعہ اہلحدیث

سید کے لئے زکوٰۃ

سوال :۔ ایک سید جو نہایت ہی غریب اور مفلس ہے زکوٰۃ کی رقم سے اس کی امداد ہو سکتی ہے۔

جواب :۔ احادیث میں تو یہی آیا ہے کہ اہل بیت کے لئے زکوٰۃ جائز نہیں۔ متاخرین علماء نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ چونکہ خمس وغیرہ سے اہل بیت کے وظیفے مقرر تھے اس لئے ان کے لئے زکوٰۃ جائز نہ تھی۔ اب مجبوری کی وجہ سے جائز ہو سکتی ہے لیکن یہ فتویٰ ایک رائے ہے اس لئے تسلی نہیں۔ ہاں کوئی زیادہ ہی مجبور ہو جو اضطراری حالت تک پہنچ چکا ہے۔ خود کما نہیں سکتا۔ اور بچے چھوٹے ہیں یا کسی وجہ سے مجبور ہیں تو ایسے حال میں کچھ گنجائش نکل سکتی ہے کہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے گرفت نہ ہو لیکن پھر بھی جہاں تک پرہیز ہو سکے اچھا ہے۔

عبد اللہ امرتسری روپڑی جامعہ اہلحدیث لاہور

۱۷ شعبان ۱۳۸۳ھ ۔ ۳ جنوری ۱۹۶۴ء

حکومت کی طرف سے ضبط شدہ رقم جو کئی سال کے بعد وصول ہوئی اس پر زکوۃ کا مسئلہ

سوال :۔ میرا قریباً تین لاکھ روپیہ ایک بنک میں جمع ہے۔ قیام مارشل لا تک میں باقاعدہ اس کی

زکوٰۃ ادا کرتا رہا لیکن جب پاکستان میں مارشل لا نافذ ہوا تو کسی نے میرے خلاف اس رقم کے متعلق درخواست دائر کر دی کہ اس نے میری اتنی رقم دھوکہ سے اپنے نام جمع کروالی ہے۔ اصل میں وہ اس رقم کا جائز مالک نہیں۔ یہ مقدمہ تین سال تک چلتا رہا۔ دورانِ مقدمہ زکوٰۃ ادا نہیں کی جولائی ۱۹۶۳ء میں میرے حق میں فیصلہ ہو گیا۔

اب سوال یہ ہے کہ میرے ذمہ گذشتہ چار سال کی زکوٰۃ ہے یا صرف ایک سال کی جب سے اس کا مجھے جائز مالک قرار دیا گیا ہے۔

جواب:۔ اِس قسم کے مال کو مال ضمار کہتے ہیں۔ جو انسان کی ملک میں ہو لیکن اس پر قبضہ نہ ہو۔ یعنی اس میں تصرف کی قدرت نہ ہو۔ جیسے صورت مسئولہ یا وہ قرض جو وصول نہیں ہوتا ہے۔ ایسے اموال کے متعلق عمر بن عبد العزیز رح وغیرہ کا فیصلہ یہ ہے کہ صرف ایک سال کی زکوٰۃ ہے جب کہ وصول ہو خواہ کئی سال گذر جائیں۔ موطا امام مالک مع زرقانی

عبد اللہ امرتسری روپڑی حال جامعہ اہلحدیث لاہور
۱۷ شعبان ۱۳۸۳ھ ۔ ۳ جنوری ۱۹۶۴ء

مقروض پر زکوٰۃ

سوال:۔ جو شخص مقروض ہو۔ کیا اس پر زکوٰۃ ہے۔

جواب:۔ اگر اور جائداد ہو جس سے قرض ادا ہو سکتا ہے تو زکوۃ دینی پڑے گی ورنہ نہیں۔

عبد اللہ امرتسری روپڑی

زیور میں زکوٰۃ کا مسئلہ

سوال:۔ زیور کی زکوۃ کس طرح دی جائے۔ آیا زیور کی قیمت بہ شرح وقت معلوم کر کے اس کا چالیسواں حصہ ادا کیا جائے؟

جواب:۔ زیور کی زکوٰۃ جس طرح چاہے ادا کرے خواہ وزن کے لحاظ سے چالیسواں حصہ دے خواہ موجودہ نرخ پر اس کی قیمت کا چالیسواں حصہ دے دے شرعًا اس میں کوئی فرق نہیں۔ عبد اللہ امرتسری روپڑی

دو حصوں میں تقسیم شدہ سونے کی زکوٰۃ کا مسئلہ

سوال :۔ زید کے پاس گیارہ تولہ سونا تھا۔ اس سے زید نے سات تولہ اپنی بیوی کو بصورت زیور مہر میں دے دیا۔ اب چار تولہ زید کے پاس ہے۔ سوال یہ ہے کہ سات تولہ عورت کی ملکیت ہے اور چار تولہ زید کی۔ کیا اب یہ سونا ایک ہی عورت کے استعمال میں آنے کی وجہ سے گیارہ تولہ کی زکوٰۃ ادا کرنی پڑے گی یا ملکیت کا اعتبار ہوگا۔ محمد ابراہیم

جواب :۔ بیوی کی ملک اور خاوند کی ملک میں جیسا سونا ہے وہ علیحدہ علیحدہ پورا نصاب نہیں۔ اس لئے کسی پر زکوٰۃ نہیں۔ ہاں اشتراک کی صورت مال تجارت یا بکریاں وغیرہ اکٹھی ہوتی ہیں۔ ایک چرواہا ہوتا ہے اکٹھی چرتی ہیں۔ اس صورت میں نصاب مشترکہ شریعت میں معتبر ہے۔ لیکن صورت مسئولہ میں سونا علیحدہ علیحدہ ہو کر اپنی اپنی ملکیت ہے اس لئے زکوٰۃ نہیں۔ ہاں اگر صورت مسئولہ میں سونا آپس میں تقسیم نہیں کیا گیا تو پھر گیارہ تولہ کی زکوٰۃ دینی چاہیئے۔

عبد اللہ امرتسری روپڑی

۱۸ رجب ۱۳۸۳ھ ۶ دسمبر ۱۹۶۳ء

زیور کپڑے وغیرہ کی زکوٰۃ کا حکم

سوال :۔ ایک زیور غیر مستعملہ ہے۔ اور ایک مستعملہ یا ایک کبھی کبھی پہنا جاتا ہے اور ایک سال بھر پہنا جاتا ہے یا سال کا اکثر حصہ پہنا جاتا ہے اس میں زکوٰۃ ہے۔ نیز کپڑا بنا ہوا اور سوت پر زکوٰۃ ہے۔؟

جواب :۔ زکوٰۃ زیور کے متعلق چند احادیث آئی ہیں۔ لیکن ان میں کچھ کلام ہے۔ اس لئے زیور میں زکوٰۃ فرض نہیں کہی جا سکتی۔ البتہ احتیاط دے دینے میں ہے تاکہ شک و شبہ نہ رہے۔ ہاں جو زیور اکثر رکھا جاتا ہے اور شاذ و نادر پہنا جاتا ہے تو ایسے زیور کی زکوٰۃ ضرور دینی چاہیئے کیونکہ وہ خزانہ کا حکم رکھتا ہے۔ ایسے پہننے کا اعتبار نہیں۔ اگر اکثر پہنا جاتا ہے یا پہننا اور نہ پہننا دونوں کا قریبًا برابر وقت ہے تو یہ پہننے میں شامل ہو سکتا ہے۔

مال تجارت سے زکوٰۃ نکالنے کی صورت :۔ سونا اور چاندی کے علاوہ باقی اسباب پر زکوٰۃ نہیں

ہاں تجارتی ہو تو اس پر زکوٰۃ ہے جس کی صورت یہ ہے کہ سال کے بعد دکان میں جتنا مال ہوگا اس کی قیمت لگا کر زکوٰۃ دے دے۔ اِس طرح ہر سال کرے۔ کیونکہ دکان میں ہر وقت مال آتا رہتا ہے اور نکلتا رہتا ہے تو اکیلی اکیلی شے پر الگ الگ سال کی صورت پیدا نہیں ہوتی اور اگر کوئی شے سال تک رہے تو اس کا الگ حساب مشکل ہے۔ اس لئے دکان کی مجموعی حالت کا لحاظ ہوگا۔ اور اگر تجارتی مال اس طرح کا ہے کہ اکٹھا خریدا ہے پھر وہ سال تک فروخت نہیں ہوا تو وہ جب فروخت ہوگا اس وقت اس پر زکوٰۃ پڑے گی۔ اور زکوۃ بھی ایک ہی سال کی پڑے گی۔ خواہ کئی سالوں کے بعد فروخت ہو کیونکہ تجارتی مال پر زکوۃ اس لئے پڑتی ہے کہ بوجہ بکری کے وہ سونے چاندی کے حکم میں ہو جاتا ہے یعنی ہر وقت اُس کے پیسے بنتے رہتے ہیں۔ اس لئے وہ پیسوں کے حکم میں ہو کر سال کے بعد اس پر زکوٰۃ پڑ جاتی ہے۔ اور جس شے کے کئی سالوں تک پیسے نہیں بنتے۔ اس کے درمیانے سالوں کا اعتبار نہیں ہوگا بلکہ صرف یہی سال لیا جائے گا۔ جس میں یہ فروخت ہوتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ جس قرضہ کے ملنے کی اُمید نہ ہو اگر وہ کئی سالوں کے بعد مل جائے تو اس پر بھی ایک ہی سال کی زکوۃ ہے کیونکہ جب اُس کو مایوسی ہو گئی تو گویا درمیانے سالوں میں وہ اس کے لئے روپے پیسے ہی نہیں رہا۔

بھولی ہوئی رقم پر زکوۃ

اسی طرح کسی جگہ روپے پیسے رکھ کر بھول گیا۔ اور کئی سالوں تک پتہ نہ چلا تو ان کا بھی یہی حکم ہے غرض اس قسم کے مال کو ضمار (غائب مال) کہتے ہیں جس کا ذکر موطاء امام مالک وغیرہ میں ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

۲۰ جمادی الاول ۱۳۵۹ھ ۲۸ جون ۱۹۴۰ء

کماد پر زکوٰۃ کا حکم

سوال :۔ پونڈا (پونا)، کماد اکثر ایک ایک گنا فروخت ہوتا ہے۔ دوسرا کماد بھی زمیندار لوگ چارہ وغیرہ کے لئے کھیت میں فروخت کر دیتے ہیں۔ کچھ خود چارہ کی صورت میں استعمال کر لیتے ہیں اس کا کیا حکم ہے۔ کماد کا نصاب کتنا ہے۔؟

جواب :۔ کماد کھیت میں چارہ کے لئے فروخت کر دیا جائے تو اس پر عشر نہیں۔ سبزی کے حکم میں ہے۔ اگر خود چرایا جائے تو اس کا بھی یہی حکم ہے لیکن اس میں یہ شرط ہے کہ وہ گڑ شکر بنانے کے

قابل نہ ہوا ہو۔ اگر کماد گڑ شکر بنانے کے قابل ہو چکا ہے تو اب خواہ فروخت کرے یا خود چرائے اس پر عشر پڑ جائے گا۔ اس صورت میں اندازہ لگایا جائے کہ اس سے کتنا گڑ شکر نکلے گا۔ اسی اندازہ سے عشر دیا جائے مثلاً اگر گڑ شکر کا اندازہ پانچ وسق (۲۰ من پختہ) ہے تو بیس من کی قیمت کا دسواں یا بیسواں حصہ دیا جائے پونڈا کماد میں یہ شرط نہیں۔ کیونکہ اس سے اصل مقصد گڑ شکر بنانا نہیں ہوتا وہ بہر حال سبزی کے حکم میں رہے گا۔ ہاں اگر اس کا کوئی شخص گڑ شکر بنائے تو پھر عشر پڑ جائے گا۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

عشر سے مستثنیٰ اجناس

سوال :۔ پیداوار اراضی زرعی سے کون کونسی چیزیں مستثنیٰ ہیں۔

جواب :۔ حدیث میں ہے لیس فی الخضروات صدقة۔ یعنی سبزیوں میں صدقہ نہیں ہے۔
اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سبزیوں کے علاوہ باقی سب چیزوں میں زکوٰۃ ہے۔

کپاس

کپاس بھی سب چیزوں میں شامل ہے۔ کپاس کا حدیث میں الگ ذکر بھی آیا ہے۔ (ابوداؤد باب الخراج)
کپاس کا عشر دیا جائے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

وقف زمین میں عشر کا مسئلہ

سوال :۔ اراضی موقوفہ خصوصاً اراضی موقوفہ للمسجد میں عشر ہے یا نہیں؟

جواب :۔ عن ابی هريرة رضہ قال بعث رسول الله صلى الله عليه وسلم عمر على الصدقة فقيل منع ابن جميل وخالد بن الوليد والعباس فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم ما ينقم ابن جميل انه كان فقيرا فاغناه الله ورسوله واما خالد فانكم تظلمون خالدا فقد حبس ادراعه واعتده فی سبیل الله واما العباس فهی علی ومثلها معها ثم قال یا عمر اما شعرت

ان عم الرجل صنو ابیہ - متفق علیہ -

یعنی حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو صدقہ پر عامل بنا کر بھیجا - کہا گیا ابن جمیلؓ - خالد بن ولیدؓ اور عباسؓ نے صدقہ ادا نہیں کیا - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابن جمیلؓ نے تو یہی عیب پکڑا ہے کہ خدا اور رسول نے اس کو غنیمتوں کے مال سے اغنی کر دیا - اور خالد پر تم خواہ مخواہ ظلم کرتے ہو - اس نے تو اپنی زرہیں اور سامانِ جنگ گھوڑے اونٹ وغیرہ کو فی سبیل اللہ وقف کر دیا ہے اور عباس رضؓ کا اور اس کی مثل میرے ذمہ ہے (مشکوٰۃ کتاب الزکوٰۃ)

اس سے معلوم ہوا کہ وقف میں صدقہ نہیں - اگرچہ یہاں سامانِ جنگ کا ذکر ہے مگر وجہ آپ نے یہ بتائی ہے کہ وہ وقف ہے پس معلوم ہوا کہ وقف مانع صدقہ ہے - پس زمین بھی اس کے تحت آگئی - نیز حضرت عمرؓ نے خیبر میں جو زمین وقف کی تھی اس کی آمد کے مصارف کی تفصیل میں انہوں نے عشر کا کوئی ذکر نہیں کیا (منتقی مع نیل) اس سے بھی تائید ہوتی ہے کہ وقف میں عشر نہیں نیز وقف خود ایک قسم صدقہ ہے - پس صدقہ میں صدقہ کے کچھ معنیٰ نہیں - اِس لئے عشر زکوٰۃ جو بیت المال میں جمع ہوتا ہے اِس میں کسی قسم کا صدقہ نہیں -

عبداللہ امرتسری روپڑی

۲۱ محرم ۱۳۸۰ھ ۱۵ جولائی ۱۹۶۰ء

سونا چاندی کا نصاب

سوال :- سونا اور چاندی کس قدر ہو تو اس پر زکوٰۃ پڑتی ہے - اگر سونا چاندی الگ نصاب تک نہ پہنچیں نہ دونوں کو ملا کر زکوٰۃ دی جا سکتی ہے - ؟

جواب :- سونے کا نصاب ساڑھے سات تولہ ہے - اگر اس سے کم ہو تو زکوٰۃ نہیں اور چاندی کا نصاب ساڑھے باون تولہ ہے اگر اس سے کم ہو تو اس میں بھی زکوٰۃ نہیں - اگر دونوں مل کر نصاب کو پہنچ جائیں تو پھر اس میں زکوٰۃ پڑ جائے گی - کیونکہ ان دونوں جنسوں کا تبادلہ آسانی سے ہو سکتا ہے تو گویا یہ دونوں ایک ہی ہیں - اس بنا پر مثلاً کسی کے پاس پونے چار تولہ سونا ہو اور سوا چھبیس تولہ چاندی ہو تو زکوٰۃ دینی پڑیگی کتب فقہ میں اس میں اختلاف لکھا ہے کہ دونوں کو کس طرح ملایا جائے - بعض تو اس طرح کہتے ہیں جس طرح میں نے لکھا ہے یعنی وزن کا لحاظ کیا جائے اور بعض کہتے ہیں کہ قیمت کا لحاظ کیا جائے - مثلاً

صورتِ مذکورہ میں سونے کی قیمت لگائی جائے۔ اگر پونے چار تولہ سونا کی یا اس سے کم کی سوا چھبیس تولہ چاندی آسکے تو زکوٰۃ دینی پڑے گی اگر کم آئے تو نہیں۔ مگر ایسے اختلاف کے موقعہ پر احتیاط والی جانب کو اختیار کرنا چاہیے۔ مثلاً اگر وزن کے لحاظ سے نصاب پورا ہو جائے قیمت کے لحاظ سے نہ ہو یا قیمت کے لحاظ سے پُورا ہو جائے وزن کے لحاظ سے نہ ہو تو جس لحاظ سے پُورا ہو اسی کو اختیار کر کے زکوٰۃ دے دینی چاہیئے۔ کیونکہ فرض کا معاملہ ہے۔ شبہ نہ رہے جب سونا اور چاندی کا اکیلے اکیلے یا ملا کر نصاب پورا ہو جائے اور سال بھر پڑا رہے تو اس کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ دے۔ اگر زیور ہے تو اس میں اختیار ہے خواہ کوئی زیور دے دے یا قیمت لگا کر اتنے پیسے دے دے۔ دیگر چاندی سونے میں بھی قیمت لگا کر پیسے دے سکتا ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

۱۱ رجب ۱۳۵۴ھ ۱۱ اکتوبر ۱۹۳۵ء

کھیتی باغات

سوال :۔ کھیتی باغات وغیرہ کی کن کن فصلوں میں عشر ہے۔

جواب :۔ سبزیاں وغیرہ جو ذخیرہ نہیں ہو سکتیں یا مشکل سے تھوڑے دن تک ذخیرہ ہو سکتی ہیں جیسے آلو۔ پیاز۔ لسن وغیرہ ان کی بابت حدیث میں آیا ہے کہ ان میں زکوٰۃ نہیں باقی میں زکوٰۃ ہے۔ بیس من پختہ انگریزی وزن اس کا نصاب ہے اس سے کم ہو تو اس میں زکوٰۃ نہیں۔ اگر کئی اجناس مل کر نصاب پورا ہو جائے تو ان کو بھی ملا لینا چاہیئے مثلاً گیہوں۔ چنے۔ جو وغیرہ ایک موسم کی اشیاء ملانے سے نصاب پورا ہو جائے تو زکوٰۃ دینی پڑے گی۔ اگرچہ کسی روایت میں اس کی تصریح نہیں آئی۔ مگر غلہ ہونے کی وجہ سے ان میں قرب ہے جیسے بکریاں۔ بھیڑیں وغیرہ ایک ہیں۔ اور بہت دفعہ یہ اشیاء ملا کر بوئی جاتی ہیں اور بکریوں بھیڑوں کی طرح ان کا نصاب بھی ایک ہی ہے۔ اس لئے احتیاطاً ملا لینا مناسب ہے۔ ہاں اگر زیادہ فرق ہو تو نہ ملانے میں کوئی حرج نہیں۔ جیسے کپاس اور گنا۔ کیونکہ گنا سے گڑ شکر تیار ہوتی ہے جو کھانے کے کام آتی ہے اور کپاس سے کپڑا بنتا ہے جو پہننے کے کام آتا ہے اگرچہ یہ دونوں ایک موسم کی اشیاء ہیں مگر زیادہ فرق کی وجہ سے ان کو الگ الگ اعتبار کیا جا سکتا ہے۔ اس طرح سرسوں۔ توریہ۔ تارامیرا ملتے جلتے ہیں مگر کپاس اور گنا کے ساتھ ان کو کوئی مناسبت نہیں۔ اس لئے توریہ۔ تارامیرا کو آپس میں ایک سمجھنا چاہیئے۔ کپاس

اور گنا الگ۔

جب ان اشیاء کا نصاب پورا ہو جائے تو بارانی زمین سے دسواں حصہ اور چاہی سے بیسواں حصہ زکوٰۃ دے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

بکریاں۔ بھیڑیں۔ دنبے

سوال:۔ بکریوں۔ بھیڑوں۔ دنبوں کا نصاب زکوٰۃ کیا ہے؟

جواب:۔ بکریوں وغیرہ کا نصاب چالیس ہیں۔ ان کو الگ الگ اعتبار نہیں کیا جاتا بلکہ حدیث میں ان سب کو غنم کے لفظ سے ذکر کر کے ان کا نصاب چالیس تبلایا ہے۔ پس یہ سب ایک جنس ہیں۔ جب اکیلے اکیلے یا سب ملا کر ان کا نصاب پورا ہو جائے تو سال کے بعد چالیس میں ایک ہے ایک سو بیس تک ایک ہی ہے۔ اگر اس سے زیادہ ہو جائیں تو دو سو تک دو ہیں۔ اگر اس سے زیادہ ہو جائیں تو تین سو تک تین ہیں۔ اس کے بعد ہر سینکڑے میں ایک ہے۔ چھوٹے بڑے ملا کر تعداد پوری کی جائے گی۔ اور درمیانہ بھارو لیا جائے گا۔ بوڑھی۔ دبلی زکوٰۃ میں نہیں لگتی۔ سانڈھ بھی نہیں لگتا۔ ہاں اگر عامل لینا چاہے تو زکوٰۃ میں لگ سکتا ہے۔ اگر دو شخصوں کی بکریاں بھیڑیں اکٹھی چرتی ہوں اور رات ایک جگہ رہتی ہوں تو وہ ایسی سمجھی جائیں گی جیسے ایک کی ہیں۔ یعنی دونوں کو ملا کر نصاب پورا کیا جائے گا اور زکوٰۃ لے لی جائے گی پھر وہ اپنا حساب آپس میں ٹھیک کر لیں گے۔

اونٹ کی زکوٰۃ

سوال:۔ اونٹ کتنے ہوں تو زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ تفصیل فرمائیں۔

جواب:۔ اونٹ کا نصاب پانچ ہے۔ اس سے کم میں زکوٰۃ نہیں۔ ہر پانچ میں ایک بکری چوبیس میں چار بکریاں۔ پچیس میں پورا ایک سالہ مادہ بچہ۔ اگر ایک سالہ نہ ہو تو دو سالہ نر بھی لگ سکتا ہے پینتیس تک یہی حکم ہے۔ اس کے بعد چھتیس سے پینتالیس تک پورا دو سالہ مادہ بچہ پھر چھیالیس سے ساٹھ تک پورا تین سالہ پھر اکسٹھ سے پچھتر تک پورے چار سال کی اونٹنی۔ اس کے بعد چھہتر سے نوے تک پورے دو سال

کے دو مادہ بچے۔ پھر ایک سو بیس تک پورے تین تین سال کے دو مادہ بچے جب اس سے زیادہ ہو جائیں تو پھر ہر چالیس پر دو سالہ مادہ بچہ اور ہر پچاس پر تین سالہ مادہ بچہ۔

مسئلہ ۔ اگر ایسا اتفاق ہو جائے کہ جس عمر کا بچہ دینا لازم آتا ہے۔ اُس عمر کا نہ ہو۔ شلاً چار سالہ دینا آتا ہے اور اس کے پاس تین سالہ ہے تو اس سے تین سالہ ہی قبول کر لیا جائے گا لیکن ساتھ دو بکریاں دے یا قریبًا پانچ سوا پانچ روپیہ دے اگر اس کا الٹ ہو یعنی اس کے ذمہ تین سالہ لازم آتا ہے اور اس کے پاس چار سالہ ہے تو عامل چار سالہ لے لے اور مالک کو دو بکریاں یا قریبًا پانچ سوا پانچ روپیہ دیدے اور اگر اس کے ذمہ دو سالہ بچہ لازم آتا ہے اور اس کے پاس ایک سالہ مادہ ہے تو ایک سالہ ہی قبول کر لیا جائے گا۔ لیکن ساتھ دو بکریاں دے دے یا قریبًا پانچ سوا پانچ روپیہ دے اگر اس کا الٹ ہو تو عامل دو بکریاں یا قریبًا پانچ سوا پانچ روپیہ دے دے۔ غرض جب فرق پڑ جائے تو اس طرح سے اپنا حساب ٹھیک کر لیں۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

گائے بھینس کی زکوٰۃ

سوال :۔ گائے بھینس کا نصاب کتنا ہے؟ اور زکوٰۃ ادا کرنے کی کیا صورت ہے؟

جواب :۔ گائے کا نصاب تیس ہے۔ اس سے کم میں زکوٰۃ نہیں۔ بھینس بھی گائے کے حکم میں ہے۔ تیس میں ایک سال کی بچھڑی یا بچھڑا۔ کٹڑی یا کٹڑا۔ اگر چالیس ہو جائیں تو دو سال کی بچھڑی یا بچھڑا یا کٹڑی یا کٹڑا۔ اِس طرح ہر تیس اور چالیس کا حساب چلایا جائے گا۔

گھوڑا۔ گدھا

گھوڑے۔ گدھے۔ غلام میں زکوٰۃ نہیں۔ ہاں اگر ان کی تجارت کرے تو پھر زکوٰۃ ہو گی۔ کیونکہ مالِ تجارت میں مطلقًا زکوٰۃ ہے۔ خواہ کسی قسم کا ہو۔

مسئلہ

بکریاں۔ بھیڑیں۔ اونٹ وغیرہ جن میں زکوٰۃ ہے اُن کے لئے شرط ہے کہ ان کا گذارہ اکثر باہر کے چارہ پر ہو۔ اور اگر قیمت کے چارہ پر گذارہ ہو تو پھر زکوٰۃ معاف ہے۔

شہد کی زکوٰۃ

سوال :- کیا شہد میں زکوٰۃ ہے اس کے نصاب سے آگاہ فرمائیں۔

جواب :- شہد کا نصاب دس مشکیں ہیں۔ اگر اس سے کم ہو تو زکوٰۃ نہیں۔ دس مشک میں ایک مشک ہے۔ گویا بارانی کھیتی کے حکم میں ہے یعنی جیسے اس کا دسواں حصہ ہے۔ اس طرح شہد کا بھی دسواں حصہ ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

۱۱ رجب ۱۳۵۴ھ ۱۱ اکتوبر ۱۹۳۵ء

مصارف زکوٰۃ

سوال :- قرآن مجید نے جو مصارف زکوٰۃ بیان فرمائے ہیں ان کی تفصیل فرمائی جائے۔

جواب :- قرآن مجید میں ہے۔

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ۔

یعنی سوائے اس کے نہیں خیرات فقراء اور مساکین کے لئے ہے۔ اور اُن کے لئے جو تحصیل زکوٰۃ پر عامل ہیں۔ اور ان نومسلموں کے لئے جن کی تالیف قلوب مطلوب ہے اور گردنوں کے آزاد کرنے میں اور مسافروں کے لئے یہ فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا ہے۔

فقیر مسکین میں یہ فرق ہے کہ فقیر زیادہ تنگدست کو کہتے ہیں۔ اور مسکین کچھ کم کو۔ خضر علیہ السلام نے جن کی کشتی کا ایک تختہ نکال دیا تھا۔ قرآن مجید میں ان کو مسکین کہا گیا ہے۔ حالانکہ ان کی کشتی بھی تھی جس کے ذریعہ وہ کچھ کماتے تھے۔ چنانچہ قرآن مجید کے الفاظ یہ ہیں۔

أَمَّا السَّفِينَةُ فَكَانَتْ لِمَسَاكِينَ يَعْمَلُونَ فِي الْبَحْرِ

یعنی کشتی مسکینوں کی تھی جو دریا میں کام کرتے تھے

خدا تعالےٰ کا یہ فرمانا کہ کشتی مسکینوں کی تھی اس کا ظاہر اسی کو چاہتا ہے کہ کشتی ان کی ملک تھی اور کچھ کماتے بھی تھے۔ اور باوجود اس کے ان کو مسکین کہا —— اس سے معلوم ہوا کہ مسکین ہونے کے لئے یہ شرط نہیں کہ وہ بالکل نادار ہو بلکہ صرف معاش کا تنگ ہونا شرط ہے۔ ہاں فقیر وہ ہے جو بالکل نادار ہو۔ ابن عباسؓ ۔حسنؒ ۔مجاہدؒ قتادہ رح عکرمہؒ ۔ زہری رح فقیر کے لئے نہ ہونے کی شرط کرتے ہیں۔ ابن عمرؓ کہتے ہیں جو دربدر پھر کر ایک ایک درہم یا کھجور جمع کرے وہ فقیر نہیں بلکہ فقیر وہ ہے جو بدن کپڑا صاف رکھے اور سوال نہ کرے۔ اس صفائی کی وجہ سے ناواقف اُس کو غنی سمجھتا ہے۔ جیسے آیت کریمہ للفقراء الذین احصروا فی سبیل اللہ (پ ۳) میں ہے) ملاحظہ ہو معالم التنزیل وغیرہ۔ حدیث میں ہے مسکین وہ نہیں جو لقمہ دو لقمے اور کھجور دو کھجوریں دربدر مانگتا پھرے بلکہ مسکین وہ ہے کہ اس کے پاس اتنا نہیں کہ اس کو کفایت کرے اور نہ اس کی اطلاع پائی جاتی ہے کہ کوئی اس پر صدقہ کرے اور نہ وہ لوگوں سے سوال کرتا ہے (مشکوٰۃ من تحل لہ المسئلۃ) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جو اپنے نفس کے لئے دربدر پھرنے سے نہ ہٹے اس کو زکوٰۃ نہ دینی چاہیئے جو اس میں احتیاط نہیں کرتے وہ غلط کرتے ہیں۔

عامل

تحصیل زکوٰۃ پر عامل اگرچہ غنی ہو۔ اس کو حق الخدمت دیا جاتا ہے۔ حدیث میں ہے غنی کو پانچ حالتوں میں صدقہ حلال ہے (اول) جنگ کی حالت میں (دوم) تحصیل صدقات پر عامل ہونے کی حالت میں (سوم) جب وہ مقروض ہو جائے (چہارم) صدقہ کی شے اپنے پیسے سے خریدنے کی حالت میں (پنجم) مسکین جس پر صدقہ ہوا ہے وہ اس اپنے صدقہ سے کسی غنی کو تحفہ دیدے (مشکوٰۃ باب من لا تحل لہ الصدقۃ)

اس حدیث میں صاف تصریح ہے کہ تحصیل صدقات پر عامل خواہ غنی ہو وہ حق الخدمت لے سکتا ہے ایک اور حدیث میں ہے ابن ساعدی کہتے ہیں حضرت عمرؓ نے صدقہ پر مجھے عامل بنایا۔ جب میں فارغ ہوا اور مال زکوٰۃ حضرت عمرؓ کے حوالہ کر دیا تو حضرت عمرؓ نے مجھے حق الخدمت دینا چاہا۔ میں نے کہا میرا کام یہ للہ ہے۔ میں نے اسی نیت سے کیا ہے میرا اجر خدا پر ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا جو کچھ تجھے دیا جاتا ہے لے لے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تحصیل زکوٰۃ کا کام کیا تھا۔ آپ مجھے حق الخدمت دینے لگے۔ میں نے یہی کہا جو کچھ تو نے مجھے کہا۔ آپؐ نے فرمایا کہ جب تجھے بغیر مانگے کوئی شے ملے تو اس کو کھا اور صدقہ کر۔

نومسلم

اسی طرح نومسلم خواہ غنی ہو۔ اُس کے ساتھ بھی سلوک اس لئے کیا جاتا ہے کہ کسی وقت تھوڑی بہت تکلیف پہنچنے سے اسلام سے برگشتہ نہ ہو جائے۔ بخاری کتاب الایمان (باب اذا لم یکن الاسلام علی الحقیقۃ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میں بعض لوگوں کو اس لئے دیتا ہوں کہ کہیں خدا ان کو جہنم میں نہ الٹا دے

گردنوں کا آزاد کرنا

اس سے مراد مکاتب ہے۔ جس کو اس کا مالک لکھ دیتا ہے کہ تو اتنے روپے ادا کر دے تو تو آزاد ہے قرآن مجید میں ہے۔ وآتوھم من مال اللہ الذی اتاکم (۱۸/۱۰) یعنی مکاتبوں کو خدا کے دئے ہوئے مال سے دو۔ اور گردنوں کے آزاد کرنے میں قیدیوں کا چھڑانا بھی داخل ہے۔ کیونکہ مکاتب سے بھی زیادہ تنگی میں ہیں۔ اور اگر گردن کے آزاد کرنے میں مطلق غلام کو داخل کر دیا جائے تو اس کا بھی کوئی حرج نہیں مثلاً مال زکوٰۃ سے کوئی غلام خرید کر آزاد کر دے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ ہاں اپنا غلام آزاد کر دے اور اُس کی قیمت مال زکوٰۃ سے وضع کرلے۔ تو اس میں شبہ ہے کیونکہ جب کوئی غلام ردی ہونے کی وجہ سے بکتا نہ ہو یا تھوڑی قیمت ملتی ہو تو وہ اُس کو آزاد کر کے اس کا حساب زکوٰۃ میں لگالے اس لئے اپنے غلام کی بابت اس کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ البتہ اس کی بابت دوسرے لوگوں سے قیمت وغیرہ کا فیصلہ کرالے تو اس صورت میں اجازت کی گنجائش ہو سکتی ہے۔

قرضدار

قرضدار دو طرح کے ہیں۔ ایک جو کسی کا ضامن ہو جائے اور اُس کو ضمانت بھرنی پڑے یا کسی اور طرح دوسرے کی وجہ سے اس پر تاوان پڑ گیا۔ دوسرا وہ قرضدار ہے جو اپنے لین دین میں مقروض ہو جائے۔ جیسے تجارت میں خسارہ پڑ گیا۔ یا اور کوئی نقصان پہنچا۔ یہاں مُراد پہلی قسم ہے کیونکہ آیت میں الغارمین کا لفظ ہے جو غرامت سے نکلا ہے اور غرامت کا استعمال اگرچہ عام قرض میں بھی ہوتا ہے۔ جیسے قرض کی دعاؤں میں ہے مگر اصل معنی اس کے تاوان کے ہیں۔ اور یہاں یہی مراد ہے کیونکہ اگر عام قرضدار مراد لیں تو اس میں اُمراء بھی آسکتے ہیں جو اکثر تجارت میں اُدھار کا معاملہ کرتے ہیں۔ اور اگر وہ قرضدار مراد لیں جس کو قرض نے دبا لیا ہو اور اس کی جائداد قرض میں گھر گئی ہو تو وہ فقیر مسکین کے حکم میں ہیں۔ پھر اس کے الگ ذکر کرنے کا کیا فائدہ؟ ہاں اگر یہ کہا جائے کہ عام محاورہ میں یہ فقیر مسکین نہیں کہلاتا اس لئے اس کا الگ ذکر کیا۔ تو اس

صورت میں فائدہ ہوسکتا ہے۔ بہرصورت قرضدار سے مراد مطلق قرضدار نہیں بلکہ یا تو اس کا قرض دوسرے کی خاطر ہو جو اس بچارے پر تا وان کے حکم میں ہے یا وہ جس کو قرض نے دبالیا ہے اور اس کی جائداد کو گھیر لیا ہے اگر ایسا مقروض نہ ہو تو اس کو زکوٰۃ نہیں لگتی بلکہ اگر اس کے پاس اتنا سونا چاندی ہو جس پر زکوٰۃ پڑسکتی ہے۔ یا اتنا غلہ وغیرہ ہو جو عشر کے قابل ہو یا کوئی اور جنس ہو جس میں زکوٰۃ فرض ہے تو اس کو زکوٰۃ یا عشر دینا پڑے گا صرف اس خیال سے کہ میرے ذمہ قرض ہے۔ زکوٰۃ عشر کی ادائیگی میں سُستی نہ کرے بہت لوگ قرض کی وجہ سے زکوٰۃ عشر ادا نہیں کرتے حالانکہ ان کے پاس کافی جائداد مکان زمین وغیرہ ہوتی ہے جس کو فروخت کرکے ادا کرسکتے ہیں تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ قرض کو زکوٰۃ عشر پر ڈال کر اس فرض کی ادائیگی میں سستی کریں۔

فی سبیل اللہ

فی سبیل اللہ سے مراد جہاد ہے۔ اور حج عمرہ بھی اس میں داخل ہے۔ اور بعض عام مراد لیتے ہیں۔ کوئی کارِخیر اس میں شامل ہے۔ تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

ابن السبیل

اس سے مراد مسافر ہے خواہ گھر میں اس کے مال ہو مگر سفر میں اس کے پاس کچھ نہیں سو اس حالت میں مالِ زکوٰۃ سے اس کی امداد ہوسکتی ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

۱۱ رجب ۱۳۵۴ھ ۱۱ اکتوبر ۱۹۳۵ء

عورت کا خاوند کی اجازت کے بغیر زکوٰۃ و خیرات دینا

سوال:۔ خاوند بخیل ہے اور عورت مسلمان نیک ہے۔ خاوند زکوٰۃ۔ عشر۔ صدقہ۔ خیرات نہ کرتا ہے نہ عورت کو اجازت دیتا ہے ایسی مجبور عورت کو جائز ہے کہ وہ اس سے چوری صدقہ فطر اپنا اور اولاد کا دے دے اور اپنے زیور کی زکوٰۃ نکال دے یا کسی مسافر مسکین کو کھانا کھلادے۔ اور عشر نکال دے۔

جواب:۔ اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے کہ زکوٰۃ کا تعلق عین مال سے ہے یا دین کی طرح ذمہ میں ہے۔ (مشکوٰۃ کتاب الزکوٰۃ)

دلائل دونوں طرف قوی ہیں۔ پہلے مذہب کی بنا پر عورت کو گنجائش ہے کہ وہ خاوند کے مال کی زکوٰۃ اور عشر ادا کرے۔ کیونکہ مال اس کے سپرد ہے۔ نیز اس مذہب والے کہتے ہیں کہ ولی کو چاہیئے کہ یتیم کے مال سے ہر سال کی زکوٰۃ ادا کرتا رہے۔ اگرچہ یتیم اس قابل نہیں کہ خدا کی طرف سے کسی حکم کا مکلف ہو مگر زکوٰۃ کا تعلق عین مال سے ہے اور وہ ولی کے سپرد ہے تو ولی کو چاہیے کہ جیسے یتیم کے مال میں کوئی شریک ہو تو اس کا حصہ بانٹ کر اس کو دیتا ہے اس طرح اس مال میں مسکین شریک ہیں ان کا حق زکوٰۃ نکال کر دے اور حدیث میں بھی آیا ہے کہ یتیم کے مال کو بڑھانا چاہیئے تاکہ اس کو زکوٰۃ نہ کھا جائے یہ تو زکوٰۃ اور عشر کا حکم ہے۔ رہی اس کے اپنے زیور کی زکوٰۃ تو وہ خاوند کے مال سے ادا نہیں کر سکتی کیونکہ زیور اس کی ملک ہے تو زکوٰۃ اس کی اسی پر ہوگی۔ ہاں اگر خاوند کا زیور ہے جو اس کو عاریۃً دیا ہوا ہے تو اس کی زکوٰۃ پہلے مذہب پر دے سکتی ہے۔ باقی رہا اس کا صدقہ فطر اور اس کی اولاد کا صدقہ فطر تو یہ مرد کے ذمہ ان کا حق ہے۔ جس کی کارمختار عورت ہے۔ ابوسفیان کی بیوی ہندہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے سوال کیا تھا کہ میرا خاوند بخیل ہے۔ کیا اس کے مال سے چوری کر لوں۔ فرمایا جتنا تجھے اور تیری اولاد کو کافی ہو لے لے۔ چنانچہ مشکوٰۃ باب النفقات وغیرہ میں یہ حدیث موجود ہے۔ اس طرح عام صدقہ خیرات کی بھی عورت کو اجازت ہے۔ چنانچہ مشکوٰۃ باب "صدقۃ المراۃ من مال الزوج" میں حدیث ہے کہ جب عورت بغیر اجازت خاوند صدقہ کرتی ہے تو اس کو آدھ ثواب ملتا ہے لیکن دوسری حدیث میں شرط آئی ہے۔ غیر مفسدۃ یعنی خاوند کے مال کو بگاڑنے والی نہ ہو یعنی جیسے عام طور پر گھروں میں سوالی کو عورتیں دیتی ہیں یا کسی آئے گئے کو روٹی کھلا دیتی ہیں یا اس طرح کا کوئی اور عام رواج کے مطابق تصرف کرتی ہیں۔ اس کا کوئی حرج نہیں۔ عام رواج سے زیادہ نہ ہونا چاہیئے۔ جیسے غریب گھر ہو تو دس آدمیوں کو کھلا دے ایسا تصرف فساد میں داخل ہے کیونکہ یہ معروف کے خلاف ہے۔ ایک عورت نے ایک بکری بغیر اجازت خاوند فروخت کر دی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اس کو ناجائز قرار دے دیا۔ ملاحظہ ہو مشکوٰۃ باب المعجزات۔ جب بغیر اجازت کے ایک بکری کی خرید و فروخت جائز نہ ہوئی تو زیادہ مقدار میں صدقہ خیرات کس طرح جائز ہوگا۔ اور جن احادیث میں منع آیا ہے کہ عورت خاوند کی اجازت کے بغیر طعام بھی دے جیسے مشکوٰۃ کے باب صدقۃ المراۃ من مال الزوج میں ہے تو اس سے یہی غیر معروف خرچ مراد ہے۔ یعنی عام دستور اور رواج سے زیادہ نہ دے امیر امیروں کا دستور اور غریب غریبوں کا دستور استعمال کریں۔ ہاں اگر عام نفلی خیرات میں خاوند ناراض ہو

اور بخل کرتا ہو تو اس صورت میں عورت کو خاوند کے مال میں عام نفلی خیرات سے بند رہنا مناسب ہے۔ کیونکہ اوپر جو حدیث ذکر ہوئی اس میں تصریح ہے کہ عورت کو آدھا ثواب ملتا ہے۔ اور جس حالت میں غیر مفسدہ کی شرط ہے اُس میں تصریح ہے کہ خاوند کو بھی ثواب ملتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جب خاوند ناراض ہو تو خاوند کو ثواب نہیں مل سکتا۔ پس عورت کو چاہیے کہ نفلی خیرات اس صورت میں کرے جس میں دونوں ثواب کے مستحق ہوں تاکہ اس کی خیرات ان حدیثوں کے موافق ہو۔ ان باتوں کا عموماً خیال رکھنا چاہیئے۔ عورتیں اس معاملہ میں بہت کوتاہی کرتی ہیں۔ اور خاوند کے مال میں خیرات کے علاوہ پوشیدہ بہت تصرف کرتی ہیں۔ جو بڑی بے برکتی کا سبب ہے۔ خدا محفوظ رکھے۔ آمین۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

یکم ربیع الاوّل سنہ ۱۳۵۳ھ ۱۴ جون سنہ ۱۹۳۴ء

سیّد کی زکوٰۃ سے سیّد مدرس کو تنخواہ دینا

سوال:۔ دینی مدارس میں جو سیّد مدرس درس و تدریس کا کام کرتے ہیں۔ زکوٰۃ سے ان کو تنخواہ دی جا سکتی ہے۔ اور کیا سیّد اپنی زکوٰۃ غریب سید کو دے سکتا ہے۔؟

حاجی شمس دین شاہکوٹ نوشیخاں والا ضلع لاہور

جواب:۔ صریح دلیل اس بارہ میں کوئی نہیں۔ البتہ اجتہادی دلیل ہے جو امام ابوحنیفہ وغیرہم سے منقول ہے وہ یہ کہ زکوٰۃ کے عوض بنو ہاشم کو غنیمت کے مال سے خمس سے حصہ ملتا تھا۔ اور وہ اب نہیں رہا اس لئے جائز ہے۔ اور بعض مالکیہ بھی جواز کے قائل ہیں۔ اور امام شافعی کے مذہب میں بھی بعض شافعیہ نے ایک صورت جواز کی لکھی ہے۔ اور بہت سے علماء کہتے ہیں کہ بنو ہاشم کی آپس میں ایک دوسرے کو زکوٰۃ لگ سکتی ہے نہ غیر کی۔ اور اس کی دلیل میں ایک صریح حدیث ذکر کی ہے لیکن امام شوکانی رح اس حدیث پر لکھتے ہیں۔ قد اتھم بعض الرواۃ وقد اطال صاحب المیزان الکلام علی ذالک۔ یعنی اس حدیث کے بعض راوی متہم ہیں۔ اور امام ذہبی نے میزان میں اس پر بڑی لمبی بحث کی ہے۔

البتہ نفلی صدقہ بلا شک وشبہ جائز ہے کیونکہ زکوٰۃ کے متعلق منع کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ یہ لوگوں کی

میل ہے اور نفلی میں نہیں۔ ہاں صرف حضورؐ کی ذاتِ گرامی پر نفلی صدقہ بھی حرام ہے جس کی وجہ آپ کا شرف اور بلندی شان ہے۔ اور احادیث میں آیا ہے کہ آپ ہدیہ اور ہبہ کو قبول کر لیتے تھے نہ صدقہ۔ ہدیہ۔ ہبہ اور صدقہ کے الفاظ بھی تبلا رہے ہیں کہ حضور پر فرضی۔ نفلی ہر قسم کا صدقہ حرام ہے اور اس پر قریب قریب اجماع ہے۔ البتہ اوقاف کا حکم علیحدہ ہے وہ سب کے لئے جائز ہے اور وہ ہدیہ اور ہبہ کے حکم میں ہے۔ زیادہ تفصیل نیل الاوطار میں ملاحظہ ہو۔

عبداللہ امرتسری روپڑی حال لاہور ماڈل ٹاؤن سی بلاک

گندم، جو وغیرہ مجموعی غلّہ میں زکوٰۃ

سوال:۔ عشر کے لئے نصاب شرعی بیس من پختہ وزن ہے جو پانچ وسق ہے۔ اگر کسی کھیت میں پیداوار غلّہ کی مختلف اجناس سے ہو مثلاً گیہوں دس من۔ باجرہ پانچ من۔ جو پانچ من تو ان میں عشر ہر جنس غلّہ میں ہے جب کہ وہ مقدار نصاب کو پہنچے یا ان غلّہ جات کو جمع کر کے نصاب پورا ہو جائے تو پھر ان میں عشر ہے ——— اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ مجموعی غلّہ میں عشر کے قائل ہیں، خواہ وہ مختلف اجناس سے ہوں۔ احناف وشوافع وغیرہ ہر ایک جنس علیحدہ میں عشر کے قائل ہیں، گو احناف کے نزدیک تو مطلق پیداوار میں عشر ہے۔ آپ اپنی تحقیق فرمائیں۔ میرا خیال ہے کہ غلّہ جات خواہ مختلف اجناس سے ہوں اور ہر ایک نصابِ شرعی سے کم ہو۔ مگر مجموعی طور پر وہ نصابِ شرعی کو پہنچ جائیں تو ان میں عشر ہے کیونکہ علت طعم سب میں ہے اور فائدہ میں اتحاد ہے ——— پھر سوال یہ ہے کہ غلہ کی جب مختلف اجناس ہوں تو عشر کس غلّہ سے دیا جائے۔ بعض غلّہ قیمتی ہوتا ہے۔ بعض قیمتی نہیں ہوتا۔

ابو محمد عبدالجبار مدرس مصباح العلوم کھنڈیلہ

جواب:۔ میری تحقیق آپ سے متفق ہے۔ کیونکہ حدیث میں ہے۔ فیما سقت السماء العشر الحدیث فرمایا ہے۔ جنسوں کو الگ نہیں کیا۔ پس ایک موسم کی سب اجناس ملا لینی چاہیئے۔ کیونکہ قرآن مجید میں واتوا حقه یوم حصاده آیا ہے۔ البتہ کپاس کو باقی اجناس میں شامل نہیں کرنا چاہیئے۔ کپاس کسی جنس سے نہیں ملتی کیونکہ وہ چھ ماہ تھوڑی تھوڑی اُترتی ہے اس لئے اس کا حساب الگ ہوگا۔ اجناس ملانے کی تائید اس سے

بھی ہوتی ہے کہ بکریاں اور دُنبے ملائے جاتے ہیں۔ حالانکہ دونوں الگ الگ جنسیں ہیں۔ اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ حدیث میں دفی الغنم کا لفظ آیا ہے جو دونوں کو شامل ہے پس اس طرح فیما سقت السماء کو سمجھ لینا چاہیئے

زیرہ۔ دھنیا۔ پیاز میں عشر

سوال:۔ زیرہ۔ دھنیا۔ پیاز میں عشر ہے یا نہیں؟

جواب:۔ راجح مذہب یہی ہے کہ خضراوات میں عشر نہیں۔ کیونکہ اس حدیث کے طرق بہت ہیں سب مل کر حسن کے درجہ کو پہنچ جاتی ہے۔ اور خضراوات وہ ہے جو ذخیرہ نہ ہو سکے۔ زیرہ اور روئی خضراوات میں داخل نہیں۔ کیونکہ ان کا ذخیرہ ہو سکتا ہے۔ اس طرح دھنیا وغیرہ ہے۔ البتہ۔ پیاز۔ لسن۔ آلو وغیرہ خضراوات میں داخل ہیں۔ اگرچہ کچھ مدت تک رکھے جا سکتے ہیں مگر بڑی تدبیر سے اور وہ بھی نصف۔ تہائی۔ چوتھائی رہ جاتے ہیں۔ ذخیرہ کا مطلب یہ ہے کہ آئندہ فصل تک آسانی سے محفوظ رہ سکے۔ سو یہ ایسے نہیں اس لئے یہ خضراوات ہیں۔

عبداللہ امرتسری روپڑی حال لاہور ماڈل ٹاؤن سی بلاک کوٹھی نمبر ۱۱۹

۳۰ شوال ۱۳۷۲ھ ۱۲ جولائی ۱۹۵۳ء

روزہ کا بیان

رؤیت ہلال

سوال:۔ کتنے گواہ ہوں کر روزہ کے بارہ میں ان کی رؤیت کا اعتبار ہو سکتا ہے۔

جواب:۔ حدیث میں ہے۔

(۱) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ جَاءَ اَعْرَابِیٌّ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّیْ رَئَیْتُ الْھِلَالَ یَعْنِیْ ھِلَالَ رَمَضَانَ فَقَالَ اَتَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ قَالَ نَعَمْ قَالَ اَتَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ قَالَ نَعَمْ قَالَ یَا بِلَالُ اَذِّنْ فِی النَّاسِ اَنْ یَّصُوْمُوْا غَدًا رواہ ابو داؤد والترمذی والنسائی وابن ماجۃ والدارمی (مشکوٰۃ)

یعنی ایک اعرابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ کہا میں نے چاند دیکھا ہے یعنی رمضان کا چاند آپ نے فرمایا کہ تو اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اللہ تعالےٰ کے سوا کوئی پوجا کے لائق نہیں۔ اس نے کہا ہاں۔ کہا تو اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ محمد اللہ تعالےٰ کا رسول ہے؟ اس نے کہا۔ ہاں آپ نے فرمایا اے بلال لوگوں میں اعلان کردے کہ کل روزہ رکھیں۔

۲۔ عن ابن عمرؓ قال ترای الناس الھلال فاخبرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم انی رایتہ فصام وامر الناس بصیامہ رواہ ابوداؤد والدارمی (مشکوٰۃ)

عبداللہ بن عمرؓ نے کہا لوگ چاند دیکھنے لگے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ میں نے بھی چاند دیکھا ہے میری خبر پر آپ نے خود بھی روزہ رکھا اور لوگوں کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا۔

۳۔ عن ربعی بن خراش عن رجل من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلّم قال اختلف النّاس فی اخر یوم من رمضان فقدم اعرابیان فشھدا عند النبی صلی اللہ علیہ وسلّم باللہ لاھلال امس عشیۃ فامر رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم الناس ان یفطروا رواہ احمد وابوداؤد وزاد فی روایۃ وان یغدوا الی مصلاھم (منتقی الاخبار)

یعنی اخیر رمضان میں عید کے چاند میں لوگوں کا اختلاف ہوا۔ پس دو اعرابی آئے۔ انہوں نے کہا خدا کی قسم ہم نے کل چاند دیکھا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے لوگوں کو حکم دیا کہ روزہ افطار کریں اور صبح عیدگاہ کی طرف نکلیں۔

۴۔ عن عبدالرحمٰن بن زید بن الخطاب انہ خطب فی الیوم الذی شک فیہ فقال الا انی جالست اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم وسألتھم وانھم حدثونی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم قال صوموا الرویتہ وافطروا الرویتہ وانسکوا لھا فان غم علیکم فاتموا ثلثین یوما فان شھد شاھدان مسلمان فصوموا وافطروا رواہ احمد ورواہ النسائیؒ ولم یقل فیہ مسلمان۔

عبدالرحمٰن بن زید نے اس دن خطبہ پڑھا جس میں لوگوں کو شک ہو گیا فرمایا میں نے رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی مجالس کی ہے۔ اور ان سے سوال وجواب کیا ہے۔ انہوں نے مجھے حدیث سنائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور دیکھ کر افطار کرو اور اس کی رویت کے مطیع رہو۔ اگر چاند پوشیدہ ہو جائے تو تیس دن کی گنتی پوری کرو۔ اگر دو مسلمان اس کی رویت کی گواہی دیں تو ان کی شہادت سے روزے رکھو اور افطار کرو۔ اس کو احمدؒ نے روایت کیا ہے اور نسائیؒ نے بھی روایت کیا ہے مگر اس میں مسلمان کا لفظ نہیں۔

۵- وعن امیر مکۃ الحارث بن حاطب قال عھد الینا رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم ان ننسک للرؤیۃ فان لم نرہ وشھد شاھدا عدل نسکنا بشھادتھما رواہ ابوداؤد والدارقطنی وقال ھذا اسناد متصل صحیح (منتقی الاخبار)

یعنی امیر مکہ حارث بن حاطب سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ہمیں وصیت کی کہ رویت کے مطیع رہیں اگر چاند نظر آجائے تو دو عادل شخصوں کی گواہی پر عمل کریں۔

عید اور روزہ کے چاند میں فرق

اِن روایتوں سے کئی مسائل معلوم ہوئے۔ ایک یہ کہ رمضان کے چاند اور عید کے چاند میں فرق ہے عید کے چاند کے لئے دو کی شہادت ہونی چاہیئے رمضان کے لئے ایک کی شہادت کافی ہے۔

نمبر چار کی حدیث میں اگرچہ دو کی شہادت کا ذکر ہے لیکن نمبر ا و نمبر ۲ کی احادیث میں چونکہ ایک کی شہادت بھی آگئی ہے اس لئے ایک بھی کافی ہے۔ اگر عید کے چاند کے لئے بھی کسی روایت میں ایک کی شہادت آجاتی تو اس پر بھی عمل جائز ہوتا مگر جہاں تک ہمیں علم ہے کوئی ایسی روایت نہیں آئی۔ نیز عبادت ایک بوجھ ہے۔ اس کی شہادت میں کوئی غوش نہیں کہ شُبہ کا احتمال ہو بخلاف عید کے چاند کے کہ عید ہونے کی وجہ سے اس میں شُبہ ہے اس لئے شہادت میں دو کا عدد مناسب ہے۔

مسلمان کی شہادت

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ شہادت مسلمان کی معتبر ہے۔ غیر مسلم کی شہادت کا اعتبار نہیں۔ نیز عادل ہونا شرط ہے۔

تار برقی اور ٹیلیفون

اور اسی سے تار برقی اور ٹیلیفون کا حکم بھی معلوم ہو گیا۔ ٹیلیفون کے ذریعہ بات کرنے والا اگر مسلمان

ہے۔ شرع کا پابند ہے تو اس کی شہادت معتبر ہے ورنہ نہیں۔ اور تار برقی کی خبر میں چونکہ کئی واسطے پڑتے ہیں جن کا علم نہیں ہوتا کہ مسلمان ہے یا غیر مسلم۔ اگر مسلمان ہے تو عادل (شرع کا پابند) ہے یا نہیں۔ اس لئے اس کا مطلقاً اعتبار نہیں۔ ہاں اگر تاروں کے ذریعہ سے خبر پہنچے جو حد تواتر کو پہنچ جائیں تو اس وقت واسطہ خواہ کیسا ہی ہو خبر معتبر ہو گی۔ کیونکہ تواتر میں واسطے کے حال کو نہیں دیکھا جاتا۔ چنانچہ اصولِ حدیث میں یہ ثابت ہو چکا ہے اور تواتر کے لئے کوئی عدد مقرر نہیں بلکہ جتنے عدد سے علم یقین ہو جائے وہی تواتر ہو گا۔ سو کسی جگہ زیادہ تعداد سے یقین ہوتا ہے کسی جگہ تھوڑی تعداد سے۔ سو جتنی تاروں کے ذریعہ سے علم یقینی ہو جائے اور شبہ اور احتمال کی گنجائش نہ رہے اتنی تعداد کا اندازہ کر لینا چاہیئے۔ اور تعداد سے مراد یہ ہے کہ متعدد جگہ سے متعدد شخص تار دیں۔ نہ یہ کہ ایک ہی شخص بار بار تار دے۔

اِن احادیث سے ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ اگر چاند نظر نہ آئے نہ کوئی شہادت ہو تو تیس کی تعداد پوری کر لینی چاہیئے۔ اگر کوئی ایسی شہادت گزرے جو شرعاً معتبر نہیں تو ایسے موقعہ پر شہادت دینے والا خواہ واقعہ میں سچا ہے اس کو اپنی رویئت پر عمل نہ کرنا چاہیئے بلکہ باقی لوگوں سے موافقت کرے۔ جس دن وہ روزہ رکھیں اُس دن روزہ رکھے۔ جس دن افطار کریں اُس دن افطار کرے بلکہ عید الاضحیٰ کا بھی یہی حکم ہے۔ حدیث میں ہے۔

الصوم یوم تصومون والیوم یوم تفطرون والاضحی یوم تضحون (ترمذی)

یعنی روزہ کا دن وہی ہے جس دن تم روزہ رکھو۔ اور افطاری کا دن وہی ہے جس دن تم افطاری کرو۔ اور قربانی کا دن وہی ہے جس دن تم قربانی کرو۔

عید کی نماز دوسرے دن

ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ اگر پہلے دن عید کا موقعہ نہ ہوا اور رویئت ہلال کی خبر دیر سے ملی تو عید دوسرے روز بھی ہو سکتی ہے جیسے نمبر ۲ کی حدیث میں جملہ وان یغدوا الی مصلاھم سے ظاہر ہے یہ جملہ اگرچہ صریح نہیں مگر مسئلہ درست ہے کیونکہ اس کی بابت ایک صریح روایت بھی آئی ہے مشکوۃ میں ہے۔

ان رکبا جاؤا الی النبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم یشہدون انھم رأوا الھلال بالامس فامرھم ان یفطروا واذا اصبحوا ان یغدوا الی مصلاھم (رواہ

ابوداؤد والنسائی۔

یعنی کئی سوار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اُنہوں نے گواہی دی کہ انہوں نے کل چاند دیکھا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ان کو حکم دیا کہ روزہ افطار کریں۔ اَور جب صبح کریں تو عیدگاہ کی طرف نکلیں۔

اِس حدیث میں عید کا دوسرے دن پڑھنا صراحتہ مذکور ہے مگر یہ ذکر نہیں کہ وہ سوار کس وقت آئے تھے۔ نہ یہ تصریح ہے کہ یہ حکم سب لوگوں کو تھا یا صرف سواروں کو تھا۔ منتقیٰ میں ایک اور روایت آئی ہے اِس میں ذکر ہے کہ سوار دن کے اخیر حصہ میں آئے اور اس بات کی بھی تصریح ہے کہ لوگوں کو حکم دیا۔ وہ حدیث یہ ہے کہ عمیر بن انسؓ اپنے کئی چچوں سے روایت کرتے ہیں کہ عید کا چاند ہم پر مشتبہ ہوگیا۔ صبح کو ہم نے روزہ رکھا۔ پس آخر حصہ دن میں کئی سوار آئے۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے پاس گواہی دی کہ ہم نے کل چاند دیکھا ہے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے افطار کا حکم دیا اور فرمایا کل عید کے لئے نکلیں۔

ایک ملک کی دوسرے ملک کے لئے رویت

سوال :۔ بمبئی میں چاند کی روئیت ہمارے اہلِ پنجاب کے لئے کافی ہے؟

جواب :۔ ایک روایت میں ہے۔

عن کریب ان ام الفضل بعثته الی معاویۃ بالشام فقال قدمت فقضیت حاجتها واستهل علی رمضان وانا بالشام فرایت الهلال لیلۃ الجمعۃ ثم قدمت المدینۃ فی اٰخر الشهر فسالنی عبد اللہ بن عباس ثم ذکر الهلال فقال متی رایتم الهلال فقلت رایناہ لیلۃ الجمعۃ فقال انت رایته فقلت نعم وراہ الناس وصاموا وصام معاویۃ فقال لکنا رایناہ لیلۃ السبت فلانزال نصوم حتی نکمل ثلثین او نراہ فقلت الا تکتفی برویۃ معاویۃ وصیامه فقال لاهکذا امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلّم رواہ الجماعۃ الّا البخاری وابن ماجۃ۔

یعنی کریبؒ سے روایت ہے کہ ام الفضل رضؓ نے مجھے معاویہ کی طرف ملک شام میں بھیجا۔ میں نے اُم الفضل کا کام کیا۔ رمضان کا چاند مجھے شام ہی میں چڑھ گیا۔ جمعرات کو میں نے خود دیکھا۔ پھر آخر رمضان مدینہ آیا۔ ابن عباسؓ نے مجھ سے (وہاں کا حال) پوچھا۔ پھر چاند کا ذکر کیا۔ میں نے کہا کہ ہم نے چاند جمعرات کو دیکھا ہے فرمایا کہ تو نے خود دیکھا ہے؟ کہا میں نے بھی اور دوسرے لوگوں نے بھی دیکھا ہے اور سب نے روزہ رکھا اور معاویہؓ نے بھی روزہ رکھا۔ فرمایا ہم نے تو ہفتہ کی رات کو دیکھا ہے۔ ہم اسی طرح روزے رکھتے ہیں گے۔ یہاں تک کہ تیس کی گنتی پوری ہو جائے یا چاند اس سے پہلے دیکھ لیں۔ میں نے کہا آپ معاویہ رضؓ کی رویت اور ان کے روزہ کے ساتھ کفایت نہیں کرتے؟ کہا نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اسی طرح حکم دیا ہے۔

امام نوویؒ اس حدیث کی شرح میں ان لوگوں پر رد کرتے ہیں جو کہتے ہیں کہ ابن عباسؓ نے کریب کی خبر پر اس لئے عمل نہیں کیا کہ ان کے نزدیک ایک شہادت معتبر نہیں۔ فرماتے ہیں۔

لکن ظاهر حدیثه انه یردہ لهذا وانما ردہ لان الروایة لا یثبت حکمها فی حق البعید "

یعنی ابن عباسؓ کی حدیث کا ظاہر اس کو چاہتا ہے کہ ایک کی شہادت ہونے کی وجہ سے رد نہیں کیا بلکہ اس وجہ سے "رد" کیا کہ دُور والوں کے حق میں حکم رویت ثابت نہیں ہوتا۔

امام نوویؒ نے جو کچھ کہا ہے ٹھیک کہا ہے۔ کیونکہ کریب نے جب کہا کہ آپ معاویہ کی رویت پر اعتبار نہیں کرتے تو ابن عباسؓ نے فرمایا نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اسی طرح فرمایا ہے معاویہؓ چونکہ شام میں تھے تو اس کا مطلب یہی بنا کہ دُور والے کی شہادت معتبر نہیں تو یوں کہیئے کہ معاویہ کی شہادت تو معتبر ہے لیکن ذریعہ پہنچنے کا صرف ایک ہے۔ اس لئے معاویہؓ کی شہادت اور دیگر لوگوں کی شہادت درحقیقت تیری شہادت ہے جو اکیلے کی شہادت ہے۔

نیز ہلال رمضان کے لئے ایک کی شہادت معتبر ہے اور خود ابن عباس رضؓ اس حدیث کے راوی ہیں۔ چنانچہ اُوپر جو اعرابی کی حدیث گذر چکی ہے جس میں اعرابی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اتشهد ان لا اله الا الله وہ ابن عباس ہی کی حدیث ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ ابن عباس رضؓ کے "رد" کرنے کی وجہ یہ نہ تھی کہ ایک کی شہادت تھی بلکہ دُور کی شہادت تھی۔ اس لئے رد کر دی پھر اس کی نسبت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی۔ پس یہ مسئلہ پختہ ہوگیا کہ دُور کی روایت کافی نہیں۔

دُور کی حد

رہی یہ بات کہ دُور کی حد کیا ہے۔ بعض نے کہا کہ اختلاف مطلع کا اعتبار ہے۔ مگر امام شوکانی ؒ نے نیل الاوطار میں کہا ہے کہ شام اور مدینہ کے مطلع میں اختلاف نہیں تو اختلاف مطلع کا قول ٹھیک نہیں۔ بعض نے کچھ اور کہا ہے۔ مگر راجح یہ ہے کہ ایک ملک کی شہادت دوسرے ملک کے لئے کافی نہیں۔ کیونکہ شام دوسرا ملک ہے۔ ظاہر یہی ہے کہ ابن عباس رضؓ نے دوسرا ملک ہونے کی وجہ سے اعتبار نہیں کیا۔ نیز اُوپر جو حدیث گزر چکی ہے۔ جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سواروں کے آنے کا ذکر ہے۔ اس میں یہ بھی ذکر ہے کہ جس دن سواروں نے چاند دیکھا اُس سے اگلے دن آخر حصّہ میں آئے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ ایسے معاملہ میں عموماً تاخیر نہیں کی جاتی بلکہ خبر پہنچانے میں جلدی کی جاتی ہے اور اہلِ عوالی (جو مدینہ سے اُوپر کی طرف آباد تھے) اکثر جمعہ عید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پڑھا کرتے تھے۔ اور کئی ان سے مدینہ سے آٹھ آٹھ کوس کے فاصلہ پر تھے۔ اگر اس حد میں یا اس کے قریب اردگرد چاند دیکھا جاتا تو ان کے آنے میں اتنی تاخیر نہ ہوتی کہ چاند دیکھنے کے دُوسرے دن اخیر حصہ دن میں پہنچے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خاصی دُور سے آتے تھے۔ پھر ان کا سوار ہونا بھی اس کا موید ہے۔ پس جب باوجود خاصی دُور سے آنے کے اُن کی شہادت مان لی تو یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ دُور والے کی شہادت مطلقاً معتبر نہیں۔ خواہ تھوڑی دُور ہو یا زیادہ دُور ہو تو آخر یہی بات ٹھہری کہ ایک ملک کی شہادت دوسرے ملک والوں کے لئے معتبر نہیں۔ جیسے شام دوسرا ملک تھا۔ ابن عباس رضؓ نے ان کی روایت مدینہ والوں کے لئے کافی نہ سمجھی۔ رہا سرحدوں کا معاملہ تو بسبب قرب کے وہ ایک ہی ہیں؟ جب ایک جگہ دوسری جگہ سے اتنی دُور ہو کہ رویت ہلال میں فرق پڑھ سکتا ہو تو اس صورت میں ایک جگہ کی روئیت کا دوسری جگہ اعتبار نہیں ہوگا۔ بمبئی سے یہاں کے مطلع کا کافی فرق ہے اور بمبئی کا علاقہ ملک بھی دوسرا ہے۔ اس لئے بمبئی کی روئیت سے ہم پر روزہ ضروری نہیں بلکہ مناسب بھی نہیں۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

دن میں چاند نظر آجائے تو روزہ کا حکم

سوال:۔ اگر چاند ۲۹ رمضان کو نظر نہ آئے اور کسی کو ۳۰ رمضان کو آفتاب کے غروب ہونے سے

پہلے نظر آجائے تو کیا اُسی وقت روزہ افطار کرسکتا ہے۔

(ابو محمد اسماعیل لدھیانہ)

جواب:۔ قرآن مجید میں ہے۔

فمحونا آیۃ اللیل وجعلنا آیۃ النہار مبصرۃ

یعنی ہم نے رات کی نشانی کو مٹادیا اور دن کی نشانی کو روشن کر دیا

رات کی نشانی سے مراد چاند ہے اور دن کی نشانی سے مراد آفتاب ہے۔ اللہ تعالےٰ نے چاند کی روشنی گم کر دی ہے اور اس میں سیاہی ڈال دی ہے۔ اس لئے فرمایا کہ ہم نے رات کی نشانی کو مٹا دیا ہے۔ پس جب چاند رات کی نشانی ہے تو اس کا دن میں دیکھنا معتبر نہیں بلکہ رات میں غروب آفتاب کے بعد دیکھنا معتبر ہے۔ اس وقت سے ماہ اول کا ختم ہونا اور ماہ ثانی کی ابتدا نہیں ہوتی۔ تو مہینہ ختم ہونے کے بغیر افطار کس طرح جائز ہوگا۔ قرآن مجید میں ہے فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ۔ جو ماہ رمضان میں حاضر ہو یعنی سفر میں نہ ہو وہ اس ماہ کے روزے رکھے۔

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ سارے رمضان کے روزے رکھے۔ کیونکہ رمضان ابھی ختم نہیں ہوا۔ اس نے پہلے ہی افطار کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ اگر تیس شعبان کو دن میں رمضان کا چاند نظر آجائے تو دیکھنے کے وقت سے روزہ شروع نہیں ہوجاتا۔ اگر دن میں دیکھنے کا اعتبار ہوتا تو چاہیے تھا کہ جب سے دیکھا ہے اُس وقت سے مغرب تک روزہ ہوتا۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ پہلے مہینہ کا ختم ہونا اور دوسرے کی ابتداء رات کے وقت چاند دیکھنے سے ہے نہ دن کے وقت۔ اس لئے حدیث میں ہے

الشھر تسع وعشرون لیلۃ فلا تصوموا حتی تروہ فان غم علیکم فاکملوا العدۃ (متفق علیہ) مشکوۃ باب رویۃ الھلال)

مہینہ ۲۹ کا بھی ہوتا ہے چاند دیکھے بغیر نہ روزہ رکھو۔ اگر ۲۹ کو چاند نظر نہ آئے تو تیس کی گنتی پوری کرو۔

مشکوۃ کے اسی باب میں ہے ابوالبختری کہتے ہیں کہ ہم عمرہ کے لئے نکلے جب موضع نخلہ میں پہنچے تو چاند دیکھا۔ بعض نے کہا کہ تیسری تاریخ کا ہے۔ بعض نے کہا دوسری تاریخ کا ہے۔ ہم ابن عباس رض کو ملے تو فرمایا کہ تم نے کس رات کو دیکھا ہے؟ ہم نے جواب دیا فلاں رات کو۔ فرمایا رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے چاند کی مدت اس کی رویت ہے۔ اور ایک روایت میں ہے ابوالبختری کہتے ہیں ہم نے موضع ذات عرق میں (جو بطن نخلہ کے قریب ہے) رمضان کا چاند دیکھا۔ ہم نے پوچھنے کے لئے ابن عباس کے پاس آدمی بھیجا۔ انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ خدا نے اس کی مدت اس کی رویت مقرر کی ہے۔ اگر ۲۹ کو نظر نہ آئے تو تیس کی گنتی پوری کرو۔ ایک اور حدیث میں ہے جو مسلم وغیرہ میں ہے۔ کریب کہتے ہیں۔ ام الفضل نے مجھے معاویہ کی طرف ملک شام میں بھیجا۔ میں نے ام الفضلؓ کا کام کیا۔ رمضان کا چاند مجھے شام ہی میں چڑھ گیا۔ جمعرات کو میں نے خود دیکھا۔ پھر اخیر رمضان میں مدینہ آیا۔ ابن عباس نے مجھے وہاں کا حال پوچھا۔ پھر چاند کا ذکر کیا۔ میں نے کہا ہم نے جمعرات کو دیکھا ہے فرمایا تو نے خود دیکھا ہے۔ کہا ہاں۔ میں نے بھی اور دوسرے لوگوں نے بھی دیکھا ہے۔ اور سب لوگوں نے روزہ رکھا۔ اور معاویہ نے بھی روزہ رکھا۔ فرمایا ہم نے ہفتہ کی رات کو دیکھا ہے ہم اسی طرح روزے رکھتے رہیں گے یہاں تک کہ تیس کی گنتی پوری ہو جائے۔ یا چاند اس سے پہلے دیکھ لیں۔ میں نے کہا آپ معاویہؓ کی رویت اور ان کے روزہ رکھنے کے ساتھ کفایت نہیں کرتے؟ فرمایا نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس طرح حکم دیا ہے کہ ایک ملک کے لئے دوسرے ملک کی شہادت معتبر نہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ چاند کا اعتبار رات سے ہے۔ اگر ۲۹ کو نظر نہ آئے تو تیس کی گنتی پوری کرنی پڑتی ہے۔ دن کے دیکھنے کا اعتبار نہیں۔

عبداللہ امرتسری از روپڑ

۲۰ صفر سنہ ۱۳۵۲ھ ۱۵ جون سنہ ۱۹۳۳ء

مشکوک دن کا روزہ رکھنے کے بعد چاند دیکھنے کی یقینی شہادت کا ملنا

سوال:۔ مشکوک دن کا روزہ رکھنے کے بعد چاند دیکھنے کی یقینی شہادت مل جائے تو پھر رکھے ہوئے روزہ کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب:۔ مشکوۃ کتاب العلم میں ہے۔

عن جندب قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من قال فی القرآن

برأیہ فاصاب فاخطأ رواہ الترمذی وابوداؤد۔

یعنی جو شخص قرآن میں اپنی رائے سے کہتا ہے پس وہ صواب کو پہنچا تو یقیناً اس نے خطا کی ہے۔

اِس حدیث سے معلوم ہوا جب ابتداء چیز کی جرم ہو تو صحیح ہونے سے وہ معاف نہیں ہوتا۔ مثلاً کوئی شخص کسی عورت کے پاس گیا۔ اور وہ سمجھتا ہے کہ وہ غیر ہے اُس سے صحبت کرلی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ اس کی بیوی ہے تو وہ قصور سے بری نہیں ہوسکتا۔ ایسے ہی اس کے برعکس اپنے دل میں یہ سمجھ کر کہ یہ میری بیوی ہے اگر صحبت کرلے اور وہ غیر عورت نکل آئے تو اس سے وہ مجرم قرار دیا نہیں جاسکتا ایسا ایک واقعہ امام ابوحنیفہ کے زمانہ میں ہوا۔ دو بہنوں کی شادی دو بھائیوں سے ہوئی۔ رخصتی کے وقت غلطی سے ہر ایک کی منکوحہ دوسرے کے گھر میں بھیج دی گئی تو اس سے وہ مجرم نہیں قرار دئے گئے کیونکہ اُن کی نیت بخیر تھی۔ بہت سے مسائل ایسے ہیں اُن میں نیت کا اثر بھی عمل پر پڑتا ہے۔ یعنی نیکی گناہ ہو جاتی ہے اور گناہ نیکی بن جاتا ہے۔ صورت مسئولہ میں روزہ صحیح ہوجائے گا جیسے حدیث مذکور میں تفسیر غلط نہیں ہوگی۔ تفسیر کرنے والا گنہ گار رہو گا۔ ایسے ہی یہ روزہ صحیح ہوجائے گا لیکن ایسا روزہ رکھنے والا گنہ گار رہو گا۔

عبداللہ امرتسری روپڑی یکم رمضان ۱۳۸۰ھ

رویت چاند کے متعلق دو متضاد فتوے اور ان پر محاکمہ

سوال:۔ مطلع بالکل صاف تھا۔ چاند دیکھنے کی ہر چند کوشش کی گئی مگر ملک کے کسی گوشہ میں چاند نہیں دیکھا گیا۔ اور حکومت کی طرف سے بھی اعلان ہو گیا کہ چاند نظر نہیں آیا۔ لاہور کے دو مذہبی اداروں کی طرف سے روزنامہ کوہستان لاہور میں دو متضاد قسم کے فتاوی شائع ہوئے ہیں جو حسب ذیل ہیں۔

بریلوی مرکز کا فتوی

جمعیت حزب الاحناف کے صدر مولانا ابوالبرکات نے رویت ہلال کا اعلان کردیا اور بتایا کہ چار افراد نے جن میں دو مرد اور دو عورتیں شامل ہیں۔ رویت ہلال کی شہادت دی۔ جس بناء پر مولانا ابوالبرکات کے فیصلہ کا اعلان شہر کے بیشتر محلوں میں منادی کے ذریعہ کرایا گیا۔ اس پر بہت سے

لوگوں نے نماز تراویح پڑھی۔

دیوبندی فتویٰ

جامعہ اشرفیہ لاہور کی طرف سے اس سلسلہ میں بتایا گیا کہ آج مطلع بالکل صاف تھا اس لئے دو تین آدمیوں کی گواہی پر فیصلہ نہیں ہو سکتا۔ اس ضمن میں رویت ہلال کے مسئلہ پر مولانا اشرف علی تھانوی کا حسب ذیل فتویٰ پیش کیا گیا جو بہشتی زیور جلد ۳ صفحہ ۶ پر درج ہے۔

اگر آسمان بالکل صاف ہو تو دو چار آدمیوں کے کہنے اور گواہی دینے سے چاند ثابت نہ ہوگا۔ چاند رمضان المبارک کا ہو چاہے عید کا۔ البتہ اتنی کثرت سے لوگ اپنا چاند دیکھنا بیان کریں کہ دل گواہی دینے لگے کہ سب کے سب بات بنا کر نہیں آئے اور اتنے لوگوں کا چاند دیکھنا غلط نہیں ہو سکتا۔ تب چاند دیکھنا ثابت ہوگا ورنہ نہیں۔

ان ہر دو فتاویٰ پر تبصرہ فرمائیں کہ ان میں سے کونسا فتویٰ صحیح ہے؟

محاکمہ

جواب: ۔ یہ مسئلہ ایک مشہور حدیث سے حل ہو جاتا ہے جو صحاح ستہ وغیرہ میں موجود ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

صوموا لرویته وافطروا لرویته

یعنی چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر ہی روزے رکھنے بند کر دو۔

اسی حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں۔

فان غم علیکم فاکملوا عدة شعبان ثلثین (مشکوٰۃ)

اگر چاند تم پر پوشیدہ ہو جائے۔ یعنی بادل یا غبار کی وجہ سے چاند نظر نہ آئے تو پھر ماہ شعبان کے تیس دن پورے کرو۔

اس حدیث کا یہ مفہوم نہیں کہ تمام مسلمان چاند دیکھیں تو روزہ رکھنا ضروری ہوگا ورنہ نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ بعض کا چاند دیکھنا بھی روزہ کے لئے کافی ہوگا۔ چنانچہ دوسری حدیث میں صراحت ہے۔ یعنی ایک اعرابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں نے رمضان کا چاند دیکھا ہے۔ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو روزہ رکھنے کا ارشاد فرمایا۔

اِس حدیث سے ثابت ہوا کہ رمضان کے چاند کے لئے ایک شخص کی رویت بھی کافی ہے اور یہ بھی شرط نہیں کہ مقامی لوگوں سے کوئی شخص چاند دیکھے بلکہ باہر کی رویت کافی ہے۔ اِس حدیث میں یہ تصریح نہیں کہ اس دن مطلع صاف تھا یا نہیں۔ لیکن بظاہر یہ امر بہت بعید ہے کہ مطلع صاف ہونے کے باوجود اہلِ مدینہ سے کوئی چاند نہ دیکھ سکے اور صرف باہر کا اعرابی دیکھ لے۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب اعرابی نے چاند دیکھنے کی شہادت دی، مطلع صاف نہیں تھا۔ اس بنا پر بعض شارحین (مصنف تحفۃ الاحوذی) وغیرہ نے وَکَانَ غَیۡمًا بھی لکھا ہے، یعنی بادل کی وجہ سے اہلِ مدینہ چاند نہ دیکھ سکے۔ اور اس کی تائید ابوداؤد کی ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں۔

عن الحسن فی رجل کان بمصر من الامصار فصام یوم الاثنین وشهد رجلان انهما رأیا الهلال لیلة الاحد فقال لا یقضی ذالك الیوم الرجل ولا اهل مصر الا ان یعلموا ان اهل مصر من امصار المسلمین قد صاموا یوم الاحد فیقضونه۔

حسن بصری سے ایک ایسے شخص کی بابت روایت ہے جو کسی شہر میں رہتا تھا۔ اس نے سوموار کو روزہ رکھا۔ اور دو آدمیوں نے شہادت دی کہ انہوں نے ہفتہ اور اتوار کی درمیانی شب کو چاند دیکھا ہے حسن بصری نے اُس کے متعلق فرمایا کہ اُس شخص پر یا شہر کے کسی دوسرے آدمی پر اتوار کے روزہ کی قضا نہیں ہے ہاں اگر یہ معلوم ہو جائے کہ کسی دوسرے شہر کے باشندوں نے بھی اتوار کے دن ہی روزہ رکھا تو اس صورت میں قضا دینی پڑے گی۔

حسن بصریؒ کا یہ فرمان اسی صورت میں صحیح ہو سکتا ہے کہ مطلع صاف ہو ورنہ اعرابی والی مذکورہ حدیث کی مخالفت لازم آئے گی۔ کیونکہ اس میں صاف ذکر ہے کہ رمضان کے چاند کے لئے ایک شخص کی رویت کافی ہے۔ لیکن یہاں دو آدمیوں نے رویت چاند کی شہادت دی۔ باوجود اس کے حسن بصریؒ نے اس کو معتبر نہیں سمجھا۔

اِس سے ثابت ہوا کہ مطلع صاف ہونے کی صورت میں ایک یا دو کی رویت کافی نہیں بلکہ اتنی تعداد ضروری ہے جس سے دل مطمئن ہو جائے کہ اتنے آدمی غلطی نہیں کر سکتے۔ لہٰذا جامعہ اشرفیہ والوں کا پیش کردہ فتوی صحیح اور درست ہے۔ اور صدرِ انجمن حزب الاحناف کا فتوی حدیث اور فقہ کے خلاف ہے۔

جب رویت چاند کی صحیح شہادت نہ ملے تو ایسے مشکوک دن کا روزہ رکھنا حدیث میں منع آیا ہے۔

شکی روزہ

اِس قسم کا روزہ رکھنے والے بجائے ثواب حاصل کرنے کے اُلٹے مجرم اور گنہ گار ہوں گے۔ چنانچہ حدیث میں ہے۔

عن عمار بن یاسر قال من صام الیوم الذی یشك فیه فقد عصی ابا القاسم صلی اللّٰہ علیه وسلّم (مشکوۃ)

یعنی عمار بن یاسرؓ فرماتے ہیں۔ جس شخص نے مشکوک دن کا روزہ رکھا اُس نے ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلّم کی نافرمانی کی۔

دوسری حدیث میں ہے۔

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم لا یتقدمن احدکم رمضان بصوم یوم او یومین (مشکوۃ)

یعنی تم میں سے کوئی شخص رمضان سے ایک دو دن پہلے روزہ نہ رکھے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی لاہور

۳ رمضان سنہ ۱۳۸۱ھ ۹ فروری سنہ ۱۹۶۲ء

روزہ کی نیّت

سوال ۔ آپ نے لکھا ہے کہ روزہ کی نیّت جو آج کل رائج ہے وہ بدعت ہے بِصَوْمِ غَدٍ نَوَیْتُ ۔ جو نیّت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے ثابت ہے وہ تحریر فرمائیں۔

(فضل دین۔ محمد یعقوب پیچا وطنی)

جواب :۔ یہ جو آپ نے لکھا ہے کہ دل کی نیت کے ساتھ زبان کا اقرار بھی ضروری ہے جہاں جہاں آیا ہے وہیں اقرار کرنا چاہیئے۔ (بصوم غد نویت یہ لفظ حدیث اور کلام سلف میں نہیں آئے اور افطاری کے وقت یہ لفظ آئے ہیں۔ اللّٰھم لك صمت وعلی رزقك افطرت۔

روزہ رکھنے کے وقت صرف سحری کھا لینی روزہ کی نیت کے لئے کافی ہے زبان سے کچھ کہنا اس

کی ضرورت نہیں۔ اسی طرح بعض اور احکام ہیں۔ مثلاً قربانی کرنے کے وقت بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر عنی وعن فلان کہدے تو یہ ثابت ہے جس کی طرف سے قربانی کرنی ہو اس کا نام لے دے۔ ایسے ہی حج کسی کی طرف سے کرنا ہو تو کہہ سکتا ہے لبیک عن فلان خلاصہ یہ کہ شریعت کے دائرے کے اندر رہنا چاہیئے۔ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ارشاد فرمایا اس میں خیر ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

۱۵ رمضان ۱۳۸۳ھ، ۷ فروری ۱۹۶۴ء

شب برات کا روزہ

سوال:۔ ماہ شعبان کی چودھویں یا پندرہویں روزہ رکھنا یا تین روزے تیرھویں۔ چودھویں۔ پندرھویں تاریخ میں رکھنے جائز ہیں، یا نہیں۔ بعض کہتے ہیں یہ بدعت ہے۔ اور لفظ بدعت کی اصل تحقیق کیا ہے؟

جواب:۔ شبرات کا روزہ رکھنا افضل ہے۔ چنانچہ مشکوۃ وغیرہ میں حدیث موجود ہے۔ اگرچہ حدیث ضعیف ہے لیکن فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل درست ہے۔ ہر ماہ کی تیرھویں چودھویں پندرھویں کا روزہ بھی حدیث میں آیا ہے۔ بدعت کی تعریف رسالہ رد بدعات میں کی گئی ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی ۶ ذی الحجہ ۱۳۵۲ھ

حاملہ اور مرضعہ کو روزے کا حکم

سوال:۔ اگر حاملہ عورت روزہ نہ رکھ سکے تو وہ فدیہ دے یا قضائی کرے۔؟

محمد اسماعیل گڑھ شنکر

جواب:۔ حاملہ اگر بعد وضع حمل بچہ کو دودھ پلانے کے دنوں میں روزہ رکھ سکے تو بہتر ہے۔ ورنہ فدیہ دے دے۔ حدیث میں ہے۔ خدا تعالےٰ نے مرضعہ اور حاملہ سے روزہ اٹھالیا ہے (مشکوۃ)

عبداللہ امرتسری روپڑی

۲۹ ذی قعدہ ۱۳۵۵ھ

کٹائی گندم و دیگر ایسے کاروبار کی وجہ سے روزہ کا افطار کرنا

سوال :۔ ماہ رمضان کے روزے چھوڑ کر فصل کی کٹائی یا اور سخت کام کر سکتا ہے یا نہیں؟ اس صورت میں تارک الصیام کو کافر کہہ سکتے ہیں یا وہ مومن ہی رہتا ہے؟

جواب :۔ مسافر۔ بیمار۔ حاملہ۔ مرضعہ جو روزہ نہ رکھ سکے اور شیخ فانی وغیرہ کے سوا کسی کو افطار کی اجازت نہیں۔ اگر کٹائی گندم وغیرہ کی وجہ سے افطار جائز ہو تو امیروں کو گھر بیٹھے پہلے جائز ہونا چاہیئے۔ کیونکہ ان کو طبیعت کے نازک ہونے کی وجہ سے گھر بیٹھے بھوک پیاس کا برداشت کرنا بہ نسبت زمینداروں کے زیادہ مشکل ہے۔ اگرچہ زمیندار کاروباری ہی ہوں، نیز مزدوری کا پیشہ زمیندارہ سے کم نہیں۔ ان کو بھی افطار کی اجازت ہونی چاہیئے۔ اس کے اندر لوہار۔ سنار۔ معمار وغیرہ آسکتے ہیں۔ اب بتلائیے روزہ کون رکھے؟ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس سے کہیں زیادہ سخت کام ہوتے تھے۔ کیونکہ غریب لوگ تھے۔ محنت مشقت سے اپنا پیٹ پالتے تھے۔ زمیندارہ بھی آپ کے زمانہ میں تھا۔ خیر قرون میں بھی یہ معاملات پیش آتے رہے مگر کسی سے زمیندارہ کی وجہ سے افطار ثابت نہیں۔ پھر اگر ٹھنڈے ٹھنڈے کٹائی کر کے کٹی ہوئی فصل جمع کر لی جائے تو چنداں تکلیف بھی نہیں ہوتی۔ صرف اتنی بات ہے کہ چار روز زیادہ لگ جائیں گے لیکن اس کا کوئی حرج نہیں۔ دنیوی عذروں کی وجہ سے بھی تو کام آگے پیچھے ہو جاتے ہیں۔ اگر دین کے لئے چار روز بعد میں کام ہو گیا تو برداشت کرنا چاہیئے۔ اصل میں پہلے ہی دلوں میں دین کی محبت نہیں، لوگ حیلوں۔ بہانوں سے اللہ تعالیٰ کے فرض کو ٹالتے ہیں۔ ایسے لوگ واقعی کفر کی حد کو پہنچ جاتے ہیں۔ ہاں اگر کسی مولوی کے مسئلہ بتانے میں غلطی لگ گئی ہو تو اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی ۱۱ ربیع الاول ۱۳۵۸ھ

ولی کے ذمہ روزہ کی قضا

سوال :۔ مسماۃ ہندہ مدت سے مرض دق میں مبتلا تھی۔ اُس نے بمشکل تمام رمضان کا ایک روزہ رکھا۔ بقیہ رمضان المبارک میں اُس نے روزہ نہیں رکھا۔ اور مرض روز بروز بڑھتا گیا حتی کہ اوائل صفر

میں اس کا انتقال ہوگیا۔ مریضہ کے جو روزے چھوٹ گئے ہیں۔ اُن کے بدلے میں اولیاء کو روزہ رکھنا یا فدیہ دینا ضروری ہے یا نہیں؟

جواب نمبر ا

جو روزے چھوٹ گئے ہوں اُن کے عوض میں اولیاء کو روزہ رکھنا یا فدیہ دینا ضروری نہیں۔

قال اللہ تعالیٰ فمن کان منکم مریضا او علی سفر فعدۃ من ایام اخر

یعنی مریض پر رمضان کا روزہ ضروری نہیں بلکہ جب مرض سے شفا ہو جائے تو قضاء واجب ہے۔

ہدایہ میں ہے۔

واذا مات المریض او المسافر وھما علی حالھما لم یلزمھما القضاء لانھما لم یدرکا عدۃ من ایام اخر الخ

یعنی جب مریض یا مسافر اپنی مرض اور سفر کی حالت میں ہوں اور وہ مر جائیں تو ان کو قضا لازم نہیں اس لئے کہ انہوں نے ایام اخر نہیں پائے۔

عون المعبود جلد ۲ ص۲۷۹ میں ہے۔

واتفق اھل العلم علی انہ اذا افطر فی المرض والسفر ثم لم یفرط فی القضاء حتی مات فانہ لاشئ علیہ ولا یجب الاطعام عنہ الخ۔

یعنی اہلِ علم کا اتفاق ہے کہ جب کوئی مریض اپنی مرض میں اور مسافر سفر میں روزہ نہ رکھے۔ پھر اپنی طرف سے قضائی دینے میں کمی نہیں کی حتی کہ وہ مر گیا تو اس پر کوئی شے نہیں اور نہ ہی اس کے ذمہ فدیہ ہے۔

منہاج الطالبین للنووی میں ہے۔

من فاتہ شئی من رمضان فمات قبل رمضان القضاء فلا تدارک لہ ولا اثم

شرح منہاج میں ہے۔

فلا تدارک بالفدیۃ ولا بالقضاء

چونکہ مریضہ نے زمانہ صحت یا قدرت علی الصیام نہیں پایا۔ اس لئے اس کے ذمہ قضاء واجب نہیں۔ تو دوسروں پر کیسے واجب ہوگی۔ ملاحظہ ہو سراج الوہاج شرح صحیح مسلم وسنن کبریٰ للبیہقی وسنن ابن ماجہ وغیرھا من الکتب۔ فقط واللہ تعالےٰ اعلم

جواب نمبر ۲

صورتِ مسئولہ میں اولیا پر قضا واجب ہے۔ صحیحین کی روایت حضرت عائشہؓ سے مروی ہے۔

قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فمن مات وعلیہ صوم صام عنہ ولیہ۔ (مشکوٰۃ)

اور اسی طرح حسامی مع ترمذی میں ہے۔ ابن عباس سے مروی ہے۔

قال جاءت امرأۃ الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقالت ان امی ماتت وعلیہا صیام شہرین متتابعین قال ارأیت لوکان علی اختک اکنت تقضیہ قالت نعم قال فحق اللہ احق۔

امام ترمذیؒ نے اس حدیث کی تصحیح کی ہے۔

ابن عمرؓ سے روایت ہے۔

من مات وعلیہ صیام شہر فلیطعم عنہ مکان کل یوم مسکینا۔

ان مذکورہ بالا احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ میت کی طرف سے اس کے اولیاء پر قضاء یا فدیہ ضروری ہے۔ رہی آیت جس سے مفتی نے عدم قضاء پر دلیل پیش کی ہے وہ مریض اور مسافر کی قضاء پر دلیل ہے نہ میت کے لئے ہے۔ اسی طرح صاحب ہدایہ وغیرہ کی عبارت جو کہ عدم قضا پر پیش کی گئی ہے وہ سب بلا دلیل باتیں ہیں۔ میّت کی طرف سے اس کے اولیاء پر قضا کرنا حکم شرع ہے۔ فقط۔

محاکمہ از محدّث روپڑی

فریق اول کا جواب صحیح ہے۔ فریق ثانی غلطی پر ہے۔ فریق ثانی نے جو احادیث بیان کی ہیں۔ ان میں تصریح ہے کہ میّت پر روزے ہوں تو اس کے ولی پر قضا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جب بیمار اسی بیماری میں گزر گیا جس میں اُس نے روزے افطار کئے تو اُس پر روزے لازم نہ ہوئے۔ کیونکہ اس پر روزے لازم ہونے کے لئے شرط ہے کہ اُس کو تندرستی کے دن مل جائیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے فعدۃ من ایام اخر۔ یعنی اور دنوں سے گنتی پوری کرے۔ جب بیمار نے اور دن پائے ہی نہیں جن میں یہ گنتی پوری کرتا تو اس پر یہ حکم نہ لگا۔ پس حدیث کے مطابق اس کے ولی پر قضا نہ ہوئی۔ ہاں اگر اس بیماری سے تندرست ہو جاتا اور جتنے روزے اُس کے چھوٹے تھے اتنے دن یا اُس سے کم دن تندرست رہ کر کسی اور

عارضہ سے مرجاتا تو پھر ولی پر اتنے دنوں کی قضا آسکتی تھی۔ جتنے دن تندرست رہتا۔ مگر سوال کی صورت میں تو وہ تندرست ہوا ہی نہیں تو پھر ولی پر قضا کی کوئی وجہ نہیں؟

عبداللہ امرتسری روپڑی

۲ جمادی الاول ۱۳۵۸ھ ۲۱ جون ۱۹۳۹ء

روزہ میں مباشرت

سوال :۔ ایک شخص ماہ رمضان میں اپنی بیوی سے مباشرت کرتا ہے۔ اگرچہ دخول تک نوبت نہیں پہنچتی لیکن اُسی حالت میں ہی اُس کی منی خارج ہو جاتی ہے۔ کیا اس سے روزہ میں کوئی نقص واقع ہو جاتا ہے۔؟

محمد عبداللہ بی۔اے

سیکنڈ ماسٹر ڈی۔ بی سکول جلال آباد غربی ضلع فیروزپور

جواب :۔ اپنی بیوی سے ماہ رمضان میں مباشرت کرنے سے انزال ہو جائے تو کفارہ پڑجاتا ہے خواہ دخول تک نوبت پہنچے یا نہ۔ کیونکہ خواہش پوری ہوگئی۔ کفارہ پے درپے دو ماہ کے روزے ہیں۔ اگر اس کی طاقت نہ رکھے تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاوے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی ۲۶ شوال ۱۳۵۶ھ

کفّارہ اور اُس کی صورت

سوال :۔ رمضان میں روزہ توڑنے پر کفارہ کیا ہے۔ اور اس کی صورت و اندازہ کیا ہے؟

محمد عبداللہ امام مسجد چک ۱۱۱ نہر فتح ڈاکخانہ چک ۱۴۰ ٹوبہ جمال جیوا ریاست بہاول پور

جواب :۔ حدیث میں ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے پاس آیا۔ اُس نے کہا ھلکت یا رسول اللہ۔ اے اللہ تعالےٰ کے رسول میں ہلاک ہوگیا ہوں۔ فرمایا تجھے کس چیز نے ہلاک کیا۔ کہا وقعت علی امرأتی فی رمضان۔ یعنی رمضان میں اپنی عورت سے ہمبستری کرلی۔ فرمایا تو ایک گردن آزاد کرنے کی طاقت رکھتا ہے؟ اُس نے کہا نہیں۔ فرمایا دو ماہ کے روزے پے درپے رکھ سکتا ہے؟ اُس

نے کہا نہیں۔ فرمایا کیا تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا سکتا ہے۔ کہا نہیں۔ پھر بیٹھ گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک ٹوکرا لایا گیا جس میں پندرہ صاع کھجوریں تھیں۔ آپ نے فرمایا یہ لے جا اور اپنی طرف سے صدقہ کردے۔ کہنے لگا یا رسول اللہ! کیا اپنے سے زیادہ محتاج پر صدقہ کروں۔ مدینہ کے احاطہ میں مجھ سے زیادہ کوئی محتاج نہیں۔ اس پر آپ بہت ہنسے اور فرمایا اچھا اپنے اہل کو کھلا دے۔ اور ایک میں ہے کُلْہُ وَاَطْعِمْہُ اَھْلَکَ۔ یعنی خود کھا اور اپنے اہل کو کھلا۔

اس حدیث پر نیل الاوطار میں ھلکت کے لفظ پر لکھا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ ھَلَکْتُ (میں ہلاک ہوگیا) کے لفظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کام اس نے دیدہ دانستہ کیا ہے کیونکہ ہلاک ہونے سے مراد یہ ہے کہ مجھ سے نافرمانی ہوگئی ہے۔ اور بھول چوک نافرمانی نہیں۔ پس بھول چوک سے ہمبستری کرنے والے پر کفارہ نہیں۔ اور جمہور علماء اسی کے قائل ہیں۔ امام احمد رح اور بعض مالکیہ کہتے ہیں کہ بھولنے والے پر کفارہ ہے اور یہ دلیل دی ہے کہ آپ نے اُس سے یہ دریافت نہیں کیا کہ بھول کر کیا یا دیدہ دانستہ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر صورت میں کفارہ ہے خواہ دیدہ دانستہ کرے یا بھول کر۔

حافظ ابن حجر رح فتح الباری میں لکھتے ہیں۔ ھَلَکْتُ کے لفظ سے معلوم ہوگیا کہ اُس نے یہ کام دیدہ دانستہ کیا ہے تو پھر دریافت کرنے کی کیا ضرورت؟ نیز نہ دریافت کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ رمضان میں دن کے وقت جماع بھول چوک سے ہونا بہت بعید بات ہے۔

جماع اور کھانے کا حکم ایک ہے یا نہیں

بعض روایتوں میں وقعت علی امرأتی کی جگہ ان رجلا افطر فی رمضان آیا ہے۔ یعنی ایک شخص نے رمضان میں روزہ افطار کرلیا تو اس کو آپ نے کفارہ کا حکم دیا۔

نیل الاوطار میں ہے۔

وبھذا استدلت المالکیۃ علیٰ وجوب الکفارۃ علی من افطر فی رمضان بجماع او غیرہ والجمھور حملوا المطلق علی المقید وقالوا لاکفارۃ الا فی الجماع

اس سے مالکیہ نے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ رمضان میں خواہ کوئی جماع سے افطار کرے خواہ کھانے پینے سے اس پر کفارہ ہے۔ جمہور کہتے ہیں۔ پہلی روایت میں چونکہ جماع کی تصریح ہے اس

لئے دوسری روایت میں بھی افطار سے مراد جماع کے ساتھ افطار ہوگا نہ کہ مطلق اور جمہور کہتے ہیں۔ کفارہ صرف جماع میں ہے نہ کہ کھانے پینے میں۔

کفارہ کی صورت

یہ تو ظاہر ہے کہ ہندوستان میں غلام آزاد کرنے کی صورت ممکن نہیں۔ اب پے در پے دو ماہ کے روزے رکھے یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ رہا یہ کہ ایک ہی دفعہ کھلائے یا متفرق؟ اس کے متعلق نیل الاوطار میں ہے۔ ابن دقیق العید نے کہا کہ اس حدیث میں اطعام کی نسبت ساٹھ مسکین کی طرف کی ہے جس کا ظاہر مطلب یہ ہے کہ یک لخت کھلائے پس اگر چھ کو مثلاً دس دن کھلائے یا ایک کو ساٹھ دن کھلائے تو یہ ساٹھ کا کھلانا نہیں۔ اور جمہور اسی کے قائل ہیں۔ اور حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر ساٹھ مسکینوں کا تمام کھانا ساٹھ دن میں ایک مسکین کو کھلا دے تو کافی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس شخص کو فرمانا فاطعمه اهلك یعنی اپنے اہل کو کھلا دے اس پر دلالت کرتا ہے کیونکہ شخص مذکورہ کو ادائیگی کفارہ کی صورت آپ نے یہ بتائی ہے کہ اپنے اہل کو کھلا دے۔ حالانکہ اہل ساٹھ افراد نہ تھے۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ یک لخت ساٹھ کو کھلانا شرط نہیں۔

یہ دلیل صاحب نیل الاوطار نے حنفیہ کی طرف سے پیش کی ہے۔ لیکن یہ دلیل دو وجہ سے کمزور ہے ایک یہ کہ اس حدیث کی بعض روایتوں میں کله و اطعمه اهلك یعنی خود کھا اور اپنے اہل کو کھلا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ اپنے نفس پر کفارہ صرف نہیں ہو سکتا۔ دوم یہ کہ اپنے اہل پر صرف کرنے کے حنفیہ وغیرہ قائل نہیں۔ علاوہ اس کے اس پر کیا دلیل ہے کہ آپ کا یہ فرمانا کہ اپنے اہل کو کھلا دے یہ ادائیگی کفارہ کی صورت ہے۔ بلکہ ہو سکتا ہے کہ تنگی کی وجہ سے اس کو کفارہ معاف ہو یا آئندہ اس کے ذمہ ہو۔ اور ظاہر یہی ہے کیونکہ یہ ایک قسم کا قرض ہے۔ اور قرض میں اصل یہ ہے کہ وہ تنگی میں ساقط نہیں ہوا کرتا بلکہ ذمہ باقی رہتا ہے۔ جب توفیق ہو ادا کرے۔ اور یہی وجہ ہے کہ شخص مذکور سے آپ نے یہ نہیں کہا کہ آئندہ تیرے ذمہ ہے۔ کیونکہ قرض کا معاملہ واضح ہے کہ ذمہ ہو جاتا ہے۔ اور جمہور اسی کے قائل ہیں۔ صرف عیسیٰ بن دینار رح مالکی کہتے ہیں کہ تنگی کے وقت کفارہ معاف ہے۔ اور امام شافعی رح کا ایک قول ہے کہ کفارہ معاف ہے۔ اور ایک قول جمہور کے مطابق ہے

کفارہ کا اندازہ: نیل الاوطار میں ہے یعنی دارقطنی میں حضرت علی رض کی حدیث ہے کہ ساٹھ مسکینوں

کو کھلائے۔ ہر مسکین کو ایک مُد یعنی چوتھائی صاع دے۔ اور اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ۱۵ صاع کھجوریں لائی گئیں۔ اسی طرح دارقطنی میں ابوہریرہ رضہ کی حدیث ہے۔ حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ جس راوی نے ۲۰ صاع کہا ہے اُس کی مُراد یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کل بیس صاع کھجوریں لائی گئیں اور جس نے پندرہ صاع کہا ہے اُس کی مراد کفارہ کا اندازہ ہے۔

روزہ کی قضاء۔ منتقی میں ہے۔

ولابن ماجة وابی داؤد فی روایة وصم یوماً مکانه

یعنی ابن ماجہ اور ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شخص مذکور کو فرمایا کفارہ کے علاوہ اس کی جگہ ایک دن روزہ رکھنا۔

عورت پر کفارہ ہے یا نہیں

نیل الاوطار میں ہے۔ جمہورؒ کہتے ہیں کہ عورت مرد کے حکم میں ہے اس پر بھی کفارہ ہے۔ امام اوزاعیؒ کہتے ہیں کہ عورت پر کفارہ نہیں۔ اور امام شافعیؒ کے دو قول ہیں۔ ایک جمہور کے موافق ہے اور ایک اوزاعیؒ کے موافق ہے یہ قول[1] اصح ہے۔ دلیل اس کی یہ دیتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفارہ کا حکم مرد کو دیا ہے۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت پر کفارہ نہیں۔ اس کے جواب میں صاحب نیل الاوطار نے لکھا ہے۔

ورد بانه لم تعترف ولم تسأل فلاحاجة ولاسیما مع احتمال ان تکون مکرهة کما یرشد الی ذالك قوله فی روایة الدارقطنی هلکت واهلکت۔

یعنی عورت نے نہ اقرار کیا نہ سوال کیا پس اس کو تبلانے کی ضرورت نہ تھی خاص کر جب اس پر جبر ہوا ہو جیسے هلکت واهلکت سے معلوم ہوتا ہے یعنی میں ہلاک ہو گیا اور ہلاک کر دیا۔
اس لئے ہلاک ہونے اور ہلاک کرنے کی نسبت اپنی طرف کر دی ہے۔ اگر عورت بھی راضی ہوتی تو کہتا هلکت وهلکت یعنی میں ہلاک ہو گیا اور میری بیوی بھی ہلاک ہو گئی۔

---

[1] یعنی یہ قول امام شافعیؒ سے زیادہ صحت کے ساتھ ثابت ہے اور جو قول جمہور کے موافق ہے اس کا ثبوت امام شافعیؒ سے کچھ کمزور ہے ۱۲

یہ صاحب نیل الاوطار کی تقریر کا خلاصہ ہے۔ صاحب منتقیٰ نے بھی دارقطنی کے یہ الفاظ هَلَكْتُ وَاَهْلَكْتُ نقل کر کے لکھا ہے کہ شخص مذکور کا کہنا کہ میں نے ہلاک کر دیا۔ عورت پر جبر ہونے کی صورت میں ٹھیک نہیں۔ ہلاک کرنے سے مراد یہ ہے کہ میں نے اس کو گنہ گار کر دیا حالانکہ جبر کی صورت میں وہ گنہ گار نہیں —— اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی طرف سے تحریک ہوئی۔ اور وہ راضی ہوگئی اس لئے ہلاک کرنے کی نسبت اپنی طرف کی ہاں اگر اهلکت کا لفظ هلکت کی مشاکلت سے استعمال کیا ہو۔ اور مُراد اس سے جبر ہو تو پھر یہ جواب صحیح ہے۔ رہا پہلا جواب کہ عورت نے نہ اقرار کیا نہ پُوچھا اور عورتوں کا حکم عموماً مردوں کا ہوتا ہے۔ اس لئے عورت کے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت نہ تھی۔ سو یہ جواب بلاشبہ صحیح ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑ

۱۸ شعبان ۱۳۵۹ھ ۳۱ دسمبر ۱۹۴۰ء

سحری کی اذان

اس کا بیان اذان کے باب ۹۱ میں گذر چکا ہے۔

جانور سے وطی کا روزہ پر اثر

سوال۔ ماہ رمضان المبارک میں بحالت صیام جو شخص چارپایہ کے ساتھ جماع کر کے روزہ فاسد کرے اس کا کیا حکم ہے۔ جیسا حنفیہ کا مذہب ہے ویسا حکم ہے یا کوئی دوسرا۔

محمد حسین چک نمبر ۲۷۸ ضلع لائل پور

جواب:۔ روزہ کے فاسد ہونے میں کوئی شبہ نہیں کیونکہ جیسا کھانے سے بالاتفاق روزہ ٹوٹ جاتا ہے خواہ وہ شے خوراک ہو یا نہ جیسے مٹی ایسے ہی جماع سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے خواہ کسی شے سے جماع ہو۔

عبداللہ امرتسری روپڑی ۷ رجون ۱۹۳۲ء

روزہ کی حالت میں ٹیکہ لگوانا

سوال :۔ کیا روزہ کی حالت میں حج کے لئے یا بیماری وغیرہ کی وجہ سے ٹیکہ لگوانا جائز ہے۔؟

جواب :۔ روزہ میں ٹیکہ کی بابت پاکستان بننے سے پہلے امرتسر میں دیوبندی اور بریلوی حضرات میں اشتہار بازی ہو چکی ہے۔ دیوبندی جواز کے قائل تھے اور بریلوی علماء عدم جواز کے بنا اختلاف یہ تھی کہ ٹیکہ کھانے پینے میں شامل ہے یا نہیں۔ دیوبندی علماء کا خیال تھا کہ ٹیکہ کی صورت میں دوا خون میں ملا دی جاتی ہے معدہ میں نہیں جاتی۔ اور بریلوی کہتے تھے کہ کھانے پینے کے حکم میں ہے۔ کیونکہ دوا غیر طبعی طور پر معدہ میں چلی جاتی ہے۔ ہمارا رجحان بھی اسی طرف ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ کھانے پینے سے عرفی کھانا پینا تو مراد نہیں۔ چنانچہ حدیث میں بحالتِ روزہ وضو کے وقت ناک میں پانی ڈالنے میں مبالغہ کرنا منع ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ خطرہ ہے پانی ناک کے راستہ حلق میں اُتر جائے حالانکہ عرفاً یہ پینا نہیں اس سے معلوم ہوا کہ کسی طرح کوئی چیز معدہ میں چلی جائے اس سے روزہ کو نقصان پہنچ جاتا ہے۔ ٹیکہ میں دوا کے لطیف اجزا کے متعلق خطرہ ہے کہ وہ مساوات کے راستہ معدہ میں آجائیں اور روزہ خطرہ میں پڑ جائے اس لئے ٹیکہ روزہ میں نہ لگوانا چاہیئے۔ احتیاط اسی میں ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی تنظیم اہلحدیث جلد ۱۷ نمبر ۲۷

روزہ کی حالت میں حیض کا آنا

سوال :۔ ایک عورت نے روزہ رکھا ہوا ہے۔ صرف دن غروب ہونے میں دس منٹ باقی ہیں۔ یا اس سے بھی کم وقت ہے اور اس کو حیض آجاتا ہے۔ کیا وہ اس وقت اپنا روزہ افطار کر دے۔ یا دس منٹ یا کم و بیش انتظار کر کے بعد کھولے۔ اور یہ روزہ اس عورت کا شمار ہو گا یا نہیں۔

جواب :۔ اس کا روزہ ٹوٹ چکا ہے۔ باقی اب کھانے پینے میں اُس کو اختیار ہے۔ جس طرح چاہے کرے۔ جب روزہ ٹوٹ چکا ہے تو قضا ضروری ہے۔ یہاں منٹوں کا کوئی حساب نہیں۔ حیض روزے کی ضد ہے دونوں جمع نہیں ہو سکتے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

حیض کے روزوں کی قضائی کا وقت

سوال :۔ نیز ایام حیض کے قضا شدہ روزے کی قضائی کیا عید کے بعد متصل دے یا سال بھر کے اندر اندر جب چاہے قضائی دے سکتی ہے ؟

جواب :۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا ماہ شعبان میں قضائی دیا کرتی تھیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ عورت دیر سے بھی قضائی دے سکتی ہے۔ اور جتنی جلدی دی جائے۔ بہتر ہے کیونکہ خطرہ ہے موت آجائے اور روزے ذمہ رہ جائیں۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

حاملہ و مرضعہ کے روزوں کی قضائی کا وقت

سوال ۔ حاملہ یا مرضعہ کے عورت کے روزے قضا ہو چکے ہیں۔ اور وہ بوجہ غفلت اپنے قضا شدہ روزے نہ رکھ سکی ہو تو کیا وہ اب جو تین سال کے روزے یعنی تین سال گزر جانے کے بعد اب وہ اپنے قضا شدہ روزوں کے دانے یا ایک ماہ کا حساب کر کے پیسے دے دے یا کہ وہ روزے ہی رکھے

جواب :۔ قرآن مجید میں فدیۃ طعام مسکین کا لفظ ہے یعنی فدیہ ایک مسکین کا ہے ہر روزے کے بدلہ میں اکٹھا دے یا روزانہ دے اس کی تشریح نہیں۔ دونوں صورتیں درست ہیں۔ اور جب اکٹھے دے خواہ دانے دے یا پیسے دے اس کا کوئی حرج نہیں۔ یہ آیت مرضعہ اور حاملہ کو اس صورت میں شامل ہے جب علی الذین یطیقون کے معنی یطوقونہ کے کئے جائیں۔ یعنی جن کے لئے روزہ رکھنا گلے کا طوق اور مصیبت ہے۔ اور احادیث سے بھی حاملہ اور مرضعہ کے لئے فدیہ ثابت ہوتا ہے اگر تھوڑے تھوڑے کر کے روزے رکھ سکتی ہے تو بہتر روزے ہی ہیں۔ ورنہ فدیہ بھی کافی ہو جائے گا۔ کیونکہ زیادہ تعداد روزوں کی اکٹھی ہو جائے تو یہ عام طور پر اتنے روزوں کی قضائی مشکل ہے ۔ لایکلف اللہ نفساً الا وسعہا۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

بحالت روزہ رفیقہ حیات کا بوسہ

سوال :۔ کیا بیوی سے بوس وکنار ہونے سے روزہ میں نقص پڑ جاتا ہے۔

جواب :۔ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بحالت روزہ بوسہ لے لیا کرتے تھے اس حدیث سے ظاہر ہے کہ بیوی سے بوس وکنار ہونے سے روزہ نہیں ٹوٹتا مگر جوان آدمی کو اس سے احتیاط کرنی چاہیئے۔

قضا شدہ روزے نابالغ سے رکھوانا

سوال :۔ ایک مرد یا عورت کے روزے کسی مجبوری کی وجہ سے رہ چکے ہیں تو کیا وہ نابالغ لڑکی یا لڑکے سے قضا شدہ روزے رکھوا سکتے ہیں۔

جواب :۔ روزے قضا شدہ نہیں رکھوا سکتے کیونکہ نابالغ کا روزہ نفل ہے نفل بعینہٖ فرض نہیں بنتا مثلاً ماہ رمضان میں کوئی عمرہ کرے تو اس کو حج کا ثواب ملتا ہے لیکن حج فرض کے قائم مقام عمرہ نہیں ہو سکتا۔ حج اس کو علیحدہ کرنا پڑے گا۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

سحری اور افطاری کے لئے نقارہ بجانا

سوال :۔ سحری کے وقت جگانے کے لئے اور روزہ کی افطاری کے لئے نقارہ بجانا جائز ہے۔ یا نہیں۔ نیز الارم کے متعلق کیا حکم ہے۔

عبدالرحیم خطیب چک نمبر ۲۵۱ ڈاکخانہ بیریانوالہ ضلع لائل پور

جواب :۔ جہاں اذان شروع ہے وہاں اذان پر ہی اکتفا کرنا چاہیئے۔ ورنہ اذان بے کار ہو گی اس لئے حکم ہے کہ ہر محلہ میں مسجد بناؤ۔ اور اذان وہ دے جس کی آواز بلند ہو۔ اس اہتمام کو چھوڑ کر دوسرا اہتمام کرنا شریعت کی توہین ہے۔ ناقوس نصاریٰ سے مشابہت ہے۔ نیز نقارہ ڈھول کی قسم ہے جو منع ہے رہا الارم تو کلاک کی آواز اور الارم ایک ہی ہے۔ نہ تو یہ اذان کے وقت ہے نہ یہ اذان کی طرح جماعتی اعلان

ہے بلکہ انفرادی طور پر ایک شے کا استعمال ہے تو یہ ایسا ہے جیسے عام طور پر گھڑی رکھتے ہیں۔

عبداللہ امرتسری روپڑی حال لاہور ماڈل ٹاؤن سی بلاک کوٹھی نمبر ۱۱۹

۱۲ ذی قعدہ ۱۳۷۶ھ - ۱۳ مئی ۱۹۵۷ء

سحری کھائے بغیر روزہ

سوال :۔ اگر سحری نہ کھائی جائے تو روزہ ہوگا یا نہیں ہوگا۔

عبداللہ شاہ منڈے پنڈ چک نمبر ۴۹ ڈاکخانہ خاص ضلع لائل پور

جواب :۔ سحری نہ کھانے سے روزہ ہو جاتا ہے کیونکہ حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں آئے۔ ہم نے کہا یا رسول اللہ! ہمیں حیس (کھجوریں۔ پنیر۔ گھی ملا کر تیار کیا ہوا کھانا) تحفہ دیا گیا۔ آپ نے فرمایا مجھے دکھلا میں نے صبح روزہ کی حالت میں کی پھر آپ نے کھانا کھالیا (مشکوٰۃ)

اس سے معلوم ہوا کہ سحری کھائے بغیر روزہ ہو جاتا ہے ورنہ آپ روزہ نہ رکھتے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نفلی روزہ توڑ سکتے ہیں۔

عبداللہ امرتسری روپڑی از بھوئیہ آصل ڈاکخانہ خاص ضلع لاہور

جنبی اور سحری

سوال :۔ ایک شخص کی آنکھ دیر سے کھلی۔ ابھی اس نے غسل جنابت کرنا ہے۔ سحری کا تھوڑا وقت باقی ہے۔ کیا وہ سحری کھا کر غسل جنابت کر سکتا ہے؟

جواب :۔ ابن ماجہ میں حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنبی ہوئے اور بلال رضؓ آپ کو نماز کے لئے بلاتے تو آپ اُٹھتے اور غسل کرتے پھر نماز پڑھاتے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی ضرورت سے اگر وقت غسل کا قبل سحری نہیں ملتا تو باوضو ہو کر سحری کھالے اور پھر بعد صبح صادق غسل کر کے نماز پڑھ لے روزے میں کوئی خرابی نہیں آتی۔

قے اور روزہ

سوال ۔ کیا قے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

جواب :۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم فرماتے ہیں جس کو خود بخود قے آگئی ۔ اور وہ روزہ دار تھا اس پر قضا نہیں ۔ ہاں جو عمداً قے کرے اُس پر قضا ہے (ترمذی ابوداؤد) ابوالدرداءؓ فرماتے ہیں کہ میری موجودگی میں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے قے کی اور افطار کیا ۔ اور میں نے پانی ڈالا —— یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ عمداً قے کرنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور خود بخود قے آنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا ۔ کیونکہ یہ بے اختیاری امر ہے ۔

عبداللہ امرتسری روپڑی ۲۶ رمضان ۱۳۵۰ھ

مروّجہ شبینہ

سوال :۔ آج کل رواج ہے ۔ رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں ایک حافظ یا چند حافظ قرآن مجید یکے بعد دیگرے نماز عشاء سے سحری تک ایک ہی رات میں پُورا سناتے ہیں چونکہ سحری تک قرآن مجید ختم کرنا ہوتا ہے اس لئے وہ قدرے تیز پڑھتے ہیں کہ عام حالات میں لفظ سمجھ میں نہیں آتے ۔ بعض مساجد میں اس کا خاص اہتمام ہوتا ہے لوگ اس کو شبینہ کہتے ہیں ۔ شریعت میں اس کا کیا حکم ہے ۔؟

جواب :۔ شبینہ مروجہ منع ہے ۔ حدیث میں ہے کہ جو شخص تین دن سے کم میں قرآن مجید پڑھے ۔ اُس نے قرآن مجید کو نہیں سمجھا ۔ قیام اللیل مروزی وغیرہ میں عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ اُن کے شاگردوں نے رات کی نماز میں قرآن مجید کچھ زیادہ پڑھنے کا ذکر کیا تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ڈانٹا اور فرمایا ھذاً کھذ الشعر یعنی اشعار کی طرح جلدی جلدی پڑھتا ہے ۔ اور حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں ۔

لا اعلم النبی صلی اللہ علیہ وسلّم قرأ القران فی لیلۃ ولا قام لیلۃ حتی اصبح

یعنی مجھے علم نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے کبھی ایک رات میں مکمل قرآن مجید پڑھا ہو یا ساری رات تک طلوع فجر تک قیام فرمایا ہو ۔

جب ایک رات میں قرآن مجید کا ختم کرنا منع ہو تو اس کا اہتمام کرنا تو اس سے بھی بُرا ہوا ۔ پس مسنون طریقہ اختیار کرنا چاہیئے اور بدعی طریقوں سے پرہیز رکھنا چاہیئے ۔ کیونکہ مقصد اللہ تعالٰے کی رضامندی ہے اور بدعی طریقوں میں بجائے رضامندی کے اللہ تعالٰے کی ناراضگی ہے ۔ تکلیف بھی اٹھانا اور خواہ مخواہ

گنہ گار بھی ہونا یہ مسلمان کا کام نہیں ۔

عبداللہ امرتسری روپڑی ۲۹ رمضان سنہ ۱۳۸۳ھ

مسئلہ قضاء عمری

سوال :۔ آخری جمعہ ماہ رمضان میں قبل نماز ظہر بارشادِ امام ہر نمازی اپنی سنت فجر مع فرض کے قضاء پڑھے ۔ پھر چار رکعت ظہر پھر فرض عصر پھر فرض مغرب پھر فرض عشاء مع تین وتر قضا کر کے پڑھے ۔ پھر چار رکعت قضاء عمری جماعت ہونے کے بعد نماز ظہر پوری پڑھے یہ قضاء عمری شرعاً کیا حکم رکھتی ہے ؟

(سائل ولی محمد زرگر)

جواب :۔ یہ صورت مندرجہ صدر کتاب و سنت سے ثابت نہیں ۔ کالعدم ثبوت بدعت ہے ۔

حررہ عبدالرحمن ۲۸ رمضان سنہ ۱۳۴۵ھ

جواب محدث روپڑی

مروجہ قضاء عمری نہ صحابہ رضؓ سے ثابت ہے نہ تابعین رحؒ سے نہ تبع تابعین رحؒ سے ۔ نہ چار اماموں سے پھر ایسی بات کے بدعت ہونے میں کیا شبہ باقی ہے ۔ جنگ خندق میں چار نمازوں کی قضاء کی بابت جو حدیث ذکر کی ہے اس میں چار نمازوں کی قضا دی ہے ۔ قضاء عمری سے اس کا کوئی تعلق نہیں ۔ قضاء عمری میں خاص دن خاص وقت میں آٹھ رکعت یا بارہ رکعت یا سترہ رکعت پڑھی جاتی ہیں جن میں فاتحہ و آیت الکرسی وغیرہ پڑھی جاتی ہے ۔ اِس طرح اس حدیث کو جس میں دو رکعت پڑھ کر استغفار کا ذکر ہے اس کو بھی قضاء عمری سے کوئی تعلق نہیں ۔ کیونکہ اس حدیث میں نہ آٹھ رکعت کا نہ بارہ رکعت کا نہ سترہ رکعت کا ذکر ہے نہ رمضان کے آخری جمعہ کا ذکر ہے نہ ظہر عصر کے درمیان ہونا ذکر ہے ۔ نہ آیت الکرسی اور سورۃ اخلاص وغیرہ کی شرط ہے نہ کسی خاص گناہ سے توبہ کا ذکر ہے ۔ پس اس کو قضاء عمری کی دلیل میں پیش کرنا ایسا ہوا جیسے مرزا کہتا ہے کہ میں مسیح موعود ہوں ۔ دلیل یہ کہ عیسیٰ علیہ السّلام فوت ہو گئے ۔ حالانکہ عیسیٰ علیہ السّلام کے فوت ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ مرزا مسیح موعود ہو جائے خاص کر جب مرزا میں جھوٹے ہونے کی علامات بھی موجود ہوں ۔ بھلا اس صورت میں وہ مسیح موعود کیسے بن سکتا ہے ۔ ٹھیک اِسی طرح قضاء عمری میں باتیں اپنی طرف سے بدعت ملائی گئی ہیں جو بمنزلہ جھوٹی علامات کے ہیں جن کا کوئی ثبوت نہیں ۔ جیسے

رمضان کے آخری جمعہ میں ہونا ظہر عصر کے درمیان ہونا ، ایا ۱۲ یا ۸ رکعت کا ہونا ان میں آیت الکرسی ۔اور سورہ اخلاص وغیرہ کا پڑھنا یہ سب بنائی ہوئی باتیں ہیں ۔حدیث میں اس طرح کی نماز کا کوئی ثبوت نہیں پس یہ مردود ہے ۔حدیث میں ہے ۔من احدث فی امرنا ھذا مالیس منہ فھو رد" ۔یعنی جو دین میں نئی بات پیدا کرے وہ مردود ہے ۔

عبداللہ امرتسری روپڑ ضلع انبالہ

۲۷ جمادی الثانی سنہ ۱۳۵۹ھ ۔ ۲ اگست سنہ ۱۹۴۰ء

کھانا پینا اور جماع

سوال :۔ کھانا پینا اور جماع دونوں روزہ توڑنے کے لحاظ سے ایک حکم رکھتے ہیں یا ان میں فرق ہے ۔؟

جواب :۔ بخاری مسلم وغیرہ میں حدیث ہے من نسی وھو صائم فاکل وشرب فلیتم صومہ فانما اطعمہ اللہ وسقاہ ۔یعنی جو روزہ دار بھول کر کھا پی لے وہ اپنا روزہ پورا کرے ۔اس کو اللہ تعالیٰ نے کھلایا پلایا ہے ۔ ــــــ اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں ولا قضاء علیہ ۔اس کو دار قطنی نے روایت کیا ہے (منتقی مع نیل الاوطار جلد ۴) یعنی بھول کر کھانے پینے والے پر قضا نہیں ــــــ اس حدیث سے واضح ہوا کہ بھول کر کھانے پینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا ۔اور نہ ہی اس صورت میں قضا ہے ۔روزہ کے تین رکن ہیں ۔ (۱) کھانا (۲) پینا (۳) جماع سے پرہیز ــــــ ان میں سے کوئی رکن فوت ہو جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا مگر کھانے پینے میں بھول چوک کی صورت میں معاف ہے جیسے حدیث بالا میں ذکر ہے اور جمہور علماء کا یہ مذہب ہے ــــــ جماع کی بابت دیدہ دانستہ اور بھول چوک میں فرق کے متعلق صراحۃً کوئی روایت نہیں آئی ۔اس لئے اس میں اختلاف ہے کہ بھول چوک کی صورت معاف ہے یا نہیں ۔بعض علماء اس کو کھانے پینے پر قیاس کرتے ہیں ۔مگر نیل الاوطار جلد ۴ میں ہے ۔ وقوع النسیان فی الجماع فی نھار رمضان فی غایۃ البعد ۔یعنی رمضان شریف میں دن کے وقت جماع بھول چوک ہونا بہت بعید ہے ۔وجہ اس کی یہ ہے کہ اول تو جماع دن میں ویسے کم ہوتا ہے ۔دوسرے جماع کھانے پینے کی عام شے نہیں ہے تو ایسی قلیل الوقوع شے جس میں کئی طرح کا اہتمام ہوتا ہے اس میں نسیان کا ہونا قرین قیاس نہیں ۔تیسرے جماع کا تعلق ایک اور وجود یعنی بیوی کے ساتھ ہے ۔اور

کھانے کا تعلق صرف اپنی ذات سے ہے ـــــ اس لئے جماع کو کھانے پر قیاس کرنا کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے ـــــ جماع کے متعلق حدیث میں کفارہ کا ذکر ہے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفارہ کا حکم فرماتے وقت یہ دریافت نہیں فرمایا کہ تم نے یہ کام دیدہ دانستہ کیا تھا یا بھول کر ۔

امام احمدؒ اور بعض مالکیہ نے اس سے استدلال کیا ہے کہ اگر عمداً اور بھول چوک میں کفارہ کا فرق ہوتا تو نبی علیہ السلام اس سے دریافت فرماتے ۔ اس سے معلوم ہوا کہ دونوں صورتوں میں کفارہ ہے ـــــ مگر یہ استدلال کمزور ہے ۔ کیونکہ حدیث میں ھلکت و احترقت کا لفظ آیا ہے یعنی جس شخص نے رمضان میں جماع کیا تھا ۔ اس نے کہا اے اللہ تعالیٰ کے رسولؐ ! میں ہلاک ہو گیا اور جل گیا ۔ ان الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ مجھ سے نافرمانی اور گناہ ہو گیا ۔ نافرمانی اور گناہ دیدہ دانستہ میں ہوتا ہے ۔ بھول چوک میں نہیں ۔ پس معلوم ہوا کہ اس نے یہ کام دیدہ دانستہ کیا تھا ۔ اس لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے دریافت کرنے کی ضرورت پیش نہ آئی ۔ نیز جماع میں بھول چوک ہونا بعید امر ہے ۔ اس لئے آنحضرتؐ کو پوچھنے کی ضرورت ہی نہ تھی ۔

بہر صورت امام احمدؒ اور بعض مالکیہ کا اس حدیث سے جماع کے متعلق عام استدلال کرنا صحیح نہیں ۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس حدیث میں اس بات کا کوئی ثبوت نہیں کہ جماع میں بھول چوک کی صورت ہو جائے تو اس پر کفارہ ہے ۔ ہاں یوں استدلال ہو سکتا ہے کہ کھانے پینے میں بھول چوک اور دیدہ دانستہ کا فرق کرنا اور جماع میں سکوت فرمانا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جماع میں بھول چوک اور دیدہ دانستہ دونوں صورتیں ایک ہی حکم میں ہیں ۔ یعنی ہر دو صورت میں کفارہ ہے کیونکہ اس میں بھول چوک بعید اور نادر الوقوع ہے ۔ اس لئے اس کی معافی نہیں دی گئی ۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے نماز میں خواہ کلام دیدہ دانستہ کرے یا بھول کر نماز فاسد ہو جائے گی ۔ کیونکہ نماز میں بھول کر کلام کرنا بعید امر ہے ۔ فقہا نے اس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ نماز کی ہیئت اور صورت کلام کے منافی ہے ۔ یعنی نماز کی ہیئت اور شکل کلام سے روکتی ہے ۔

خلاصہ یہ ہے کہ روزے کی حالت میں جماع کرنے پر بہر صورت کفارہ ہے ۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

۲۹ رمضان ۱۳۸۰ھ

اعتکاف

معتکف کا ممنوع اوقات میں نوافل پڑھنا

سوال :۔ کیا معتکف نمازِ فجر کے بعد تا طلوعِ آفتاب اور اسی طرح بعد از عصر تا مغرب سنّتیں یا نفل ادا کر سکتا ہے؟

جواب :۔ ان دونوں وقتوں میں نماز منع ہے معتکف اور غیر معتکف اس میں برابر ہیں لیکن سببی نمازیں اختلاف ہے کہ جائز ہے یا نہیں۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ نے اپنے فتاویٰ میں اس پر زور دیا ہے کہ سببی نماز جائز ہے۔ جیسے تحیۃ المسجد، تحیۃ الوضو وغیرہ اور ممانعت صرف غیر سببی نمازیں ہے یعنی جس کا کوئی سبب نہ ہو جیسے عام نفل نماز استخارہ اور نمازِ حاجت بھی سببی میں داخل ہے۔[1] کیونکہ سببی سے مراد جو فی الفور ہوتی ہے۔ البتہ فجر کی سنتوں کے متعلق ابوداؤد وغیرہ میں خاص حدیث آگئی ہے کہ نماز فجر کے بعد اور طلوعِ آفتاب سے قبل درست ہیں۔ البتہ مسجد حرام میں کوئی وقت مکروہ نہیں جب چاہے پڑھے (مشکوٰۃ باب اوقات النہی)

عبداللہ امرتسری روپڑی ۲۹ رمضان المبارک ۱۳۸۳ھ

معتکف کی بیوی کا اس کو کھانا پکڑانا

سوال :۔ کیا معتکف کی بیوی اس کو کھانا وغیرہ پکڑا سکتی ہے؟

جواب :۔ ہاں کھانا وغیرہ پکڑا سکتی ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف میں تھے آپ کی بیوی حضرت صفیہؓ کسی کام کے لئے آپ کے پاس آئی اور حضرت عائشہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک میں کنگھی کرتی تھی۔ مشکوٰۃ۔ عبداللہ امرتسری روپڑی ۲۹ رمضان ۱۳۸۳ھ

نو آدمی مسجد میں اعتکاف بیٹھ سکتے ہیں

سوال :۔ ایک مسجد میں نو آدمی کا اعتکاف بیٹھنا ممنوع ہے؟ رحیم بخش زمیندارہ ایجنسی سرگودھا

---

[1] اگر نماز استخارہ اور نماز حاجت کا وقت تنگ ہو جیسے سفر کرنے کے وقت فی الفور استخارہ کرنا ہو یا ایسے ہی فوری طور پر نماز حاجت پڑھنی ہو تو اس صورت میں یہ سببی نمازیں داخل ہو سکتی ہے۔

جواب :۔ ایک سے زیادہ مسجد میں اعتکاف بیٹھنے کا ذکر حدیث میں آگیا ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بعض بیویاں اعتکاف بیٹھا کرتی تھیں۔ جب تعداد ثابت ہو گئی تو نو کو گیارہ کا کاوٹ ہے جس نے نو کو منع کیا ہے شاید اُس نے اس حدیث کی بنا پر کیا ہو جس میں بیویوں کا ایک دوسری کی ضد سے خیمے لگانے کا ذکر ہے۔ آپ نے وہ خیمے اکھڑوا دیے اور بیویاں نو تھیں، اُس نے سمجھ لیا ہو کہ نو کا اعتکاف منع ہے لیکن یہ غلطی ہے، کیونکہ اس حدیث میں منع کی وجہ عدد نہیں بلکہ اُن کی آپس میں ضد ہونے کی وجہ سے ممانعت ہے۔ چنانچہ حدیث میں آلْبِرَّ یُرِدْنَ کے لفظ سے ظاہر ہے۔ یعنی کیا یہ نیکی کا ارادہ کرتی ہیں۔ گویا ان کے ارادہ میں خلل بتایا ہے عدد کو کوئی دخل نہیں پھر کیا پتہ ہے نو نے خیمے لگائے تھے یا نو سے کم نے خیمے لگائے تھے۔ کیونکہ حدیث میں نو کے خیمے لگانے کا ذکر نہیں پس نو کی ممانعت کی کوئی وجہ نہیں۔

عبداللہ امرتسری روپڑی حال لاہور ماڈل ٹاؤن سی بلاک کوٹھی نمبر ۱۱۹

یکم ذی قعدہ ۱۳۷۲ھ ۱۲ جولائی ۱۹۵۲ء

لیلۃ القدر کی راتوں میں وعظ کا اہتمام

سوال :۔ کیا رمضان المبارک کی شب ہائے لیلۃ القدر میں عہد نبوی یا صحابہ کرام اور زمانہ خیر قرون میں جلسے مواعظ ہوتے تھے۔ اب اگر کوئی شخص شب ہائے لیلۃ القدر میں وعظ و تذکیر کرے تو اس پر کیا حکم ہوگا؟ (سراج دین جودھپوری)

جواب :۔ شب قدر کے وعظ اور رمضان کی تیس دن کی وعظ کے جواز عدم جواز سے پہلے تھوڑی سی تمہید سُن لیں —— جس حیثیت سے کوئی شئے شریعت میں وارد ہوئی ہے اگر اسی سے لی جائے تو جائز ہے۔ اس کا شمار بدعت میں نہیں ہوگا مثلاً —— ایک شخص کسی عالم سے پوچھ کر عمل کرے تو اس پر کسی کو اعتراض نہیں کیونکہ قرآن مجید میں ارشاد ہے فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (ترجمہ) یعنی اگر تمہیں علم نہ ہو تو علم والوں سے پوچھ لو —— نیز حدیث شریف میں ہے اِنَّمَا شِفَاءُ الْعِيِّ السُّؤَالُ - یعنی جہالت کی شفا پوچھنا ہے۔

لیکن اگر کوئی اس میں اتنی بات بڑھا لے کہ باوجود اور علماء کے ایک عالم کا مذہب اپنے ذمے لازم کر لے اور جب پوچھے اُسی سے پوچھے تو یہ بدعت اور برا ہوگا اور یہی تقلید ہے جو متنازعہ فیہ ہے۔ اسی بنا پر

عبداللہ بن مسعود رضؓ فرماتے ہیں۔

لَا يَجْعَلُ اَحَدُكُمْ لِلشَّيْطَانِ شَيْئًا مِنْ صَلٰوتِهٖ يَرٰى اَنَّ حَقًّا عَلَيْهِ اَنْ لَّا يَنْصَرِفَ اِلَّا عَنْ يَّمِيْنِهٖ لَقَدْ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَثِيْرًا يَّنْصَرِفُ عَنْ يَّسَارِهٖ ۔ متفق علیہ (مشکوٰۃ باب الدعاء فی التشہد ص۹)

یعنی کوئی تمہارا اپنی نماز سے شیطان کا کچھ حصہ نہ کرے کہ اپنے اوپر لازم سمجھے کہ (سلام پھیر کر) داہنی طرف ہی پھروں گا۔ کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ بہت دفعہ بائیں طرف بھی پھرتے تھے

امام جب نماز سے سلام پھیرتا ہے تو اپنے دائیں طرف یا بائیں طرف منہ کر کے بیٹھ جاتا ہے۔ اس کی بابت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ایک طرف کو معین کر لینا شیطان کا حصہ ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت دفعہ دوسری طرف بھی پھیرتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس حیثیت سے کوئی فعل شرع میں وارد ہو اس سے ذرا اِدھر اُدھر نہ ہونا چاہیئے۔ اگر ذرا اِدھر اُدھر ہوگا تو وہ بدعت اور شیطان کا حصہ ہو جائے گا۔ کیونکہ بندہ کو شرع میں کوئی دخل نہیں کہ اپنی طرف سے کوئی شے معین کرے یا معین کو عام کرے یا کسی اور طرح سے کمی بیشی کرے بلکہ اس کو لازم ہے کہ ہر حکم اپنے انداز پر رہنے دے اور جس طرح وارد ہوا ہو اسی کو سمجھ کر ادا کرے۔

اس تفصیل سے شب قدر اور رمضان المبارک کے تیس دنوں کے وعظ کی حقیقت بھی واضح ہو گئی۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ وعظ اور تبلیغ کے لئے کسی رات یا کسی دن کو ہمیشہ کے لئے خاص اور معین نہیں کرنا چاہیئے۔ قرآن وحدیث اور خیر قرون میں اس کا ثبوت نہیں ملتا۔ خاص کر جب ایک محل میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک کام ثابت ہو۔ جیسے رمضان المبارک کی عام راتوں میں عموماً اور لیلۃ القدر میں خصوصاً قیام وغیرہ ثابت ہے تو پھر کسی غیر ثابت شدہ کام کے لئے خاص کرنا خطرہ سے خالی نہیں۔ غور کیجئے عبداللہ بن مسعودؓ دو ثابت شدہ کاموں سے بھی ایک کی تخصیص کرنے کو شیطانی فعل فرماتے ہیں تو غیر ثابت شدہ کی تخصیص کس طرح درست ہوگی؟ اگر کسی خاص رات یا وقت کی ہمیشہ کے لئے تخصیص نہ ہو بلکہ حسب ضرورت نماز تراویح سے پہلے یا بعد وعظ کیا جائے تو یہ بدعت نہیں ہوگا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا ثابت ہے۔ چنانچہ احادیث میں آیا ہے کہ آپ نے مسائل اعتکاف وغیرہ کی بابت خطبہ ارشاد فرمایا اس سے ثابت ہوا کہ بلا تخصیص حسب ضرورت وعظ کرنا جائز ہے۔ جیسے رمضان المبارک میں جس رات

قرآن مجید ختم ہو۔ لوگ دعا میں شرکت اور حصولِ برکت وغیرہ کی نیت سے بکثرت جمع ہو جاتے ہیں۔ یہ تبلیغ
کا عام موقع ہے۔ اگر ایسے موقع پر وعظ و تبلیغ ہو جائے تو یہ جائز ہے۔ کیونکہ کمی بیشی یا تغیر و تبدل دو طرح
کا ہوتا ہے۔ ایک خارج میں، ایک نفسِ حکم میں۔ نفسِ حکم میں تغیر آنے سے بے شک وہ حکم بدعت ہو جائے
گا۔ جیسے اوپر تقلید کی مثال اور عبداللہ بن مسعودؓ کے قول سے ظاہر ہے۔ خارج میں تغیر آنے سے وہ حکم بدعت
نہیں ہوگا۔ مثلاً ایک جگہ معین تاریخ کو سال بسال عرس ہوتا ہے یا میلہ لگتا ہے۔ اب کوئی مبلّغ یا وعظ کی بھی
تاریخ معین ہوگی مگر یہ بدعت نہیں کیونکہ یہ تعین خارج سے ہے نفسِ حکم میں نہیں۔ اسی طرح کوئی شخص جمعہ جمعہ
طالب علموں کو کھانا کھلائے تاکہ طالب علموں کے مطالعہ اور سبقوں کا حرج نہ ہو تو یہ بھی نفسِ حکم میں تغیر نہیں۔ اسی
طرح ایک ملازم پیشہ شخص کو اتوار کے دن فراغت ہوتی ہے وہ اس دن کو وعظ یا تبلیغ کے لئے مقرر کرے یا
اس دن میں قرآن مجید کی منزل زیادہ کرے یا نفل نوافل زیادہ پڑھے تو یہ بھی نفس حکم میں تغیر نہیں بلکہ خارج
میں تغیر ہے کیونکہ انسان ہمیشہ حسبِ ضرورت اور حسبِ فرصت ہی ایسے کاموں میں زیادہ حصہ لیتا ہے۔ اگر
کوئی شخص ایسا کرے یا ترغیب دے کہ تم بھی ایسا ہی کرو۔ حالانکہ ان کے لئے سب دن یکساں ہیں۔ تو یہ
نفس حکم میں تغیر ہے۔ پس یہ بُرا اور بدعت ہوگا۔ کیونکہ جو کام حسبِ موقع یا حسبِ ضرورت یا حسبِ فرصت
ہوتا ہے۔ وہ سب کے لئے یکساں نہیں رہتا۔ کیونکہ مواقع بدلتے رہتے ہیں۔ ضرورتیں الگ الگ ہوتی ہیں
فرصت کا وقت ایک نہیں ہوتا مثلاً لوگ وعظ کے لئے جلسہ کرتے ہیں تو جیسا جیسا اپنا موقع دیکھتے ہیں تاریخیں
مقرر کر لیتے ہیں۔ یہ نہیں ہوتا کہ جو ایک شہر یا گاؤں والوں نے تاریخ مقرر کی ہے وہی دوسرے لوگ کریں بلکہ
خود ایک شہر یا ایک گاؤں والے کسی سال کوئی تاریخ رکھ دیتے ہیں اور کسی سال کوئی۔ پھر بعض کچھ کم و بیش
مدّت میں کر لیتے ہیں کیونکہ جیسا موقع دیکھتے ہیں ویسا کر لیتے ہیں۔ سب کے لئے ایک صورت معین نہیں ہو سکتی
دیکھئے! ابن عباس فرماتے ہیں ہر جمعہ میں ایک مرتبہ لوگوں کو حدیثیں سنایا کر۔ اگر تیرا زیادہ خیال ہو، تو
دو مرتبہ۔ اگر اس سے بھی زیادہ خیال ہو تو تین مرتبہ اور اس قرآن سے لوگوں کو سُست نہ کر۔ اور کوئی قوم اپنی
ضروری بات چیت میں ہو تو اُن کی بات کاٹ کر وعظ شروع نہ کر۔ اس سے وہ سُست ہو جائیں گے۔ لیکن
چپ رہ، جب وہ تجھے کہیں اُس وقت ان کو حدیثیں سُنا۔ اس وقت نیز اُن کو حدیثیں سُنانا ان کے شوق
کی حالت میں ہوگا۔ دُعا کے وقت وزن دار کلمات بنا کر دُعا مانگنے سے بچ۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
اور صحابہ ایسا نہیں کرتے تھے۔ روایت کیا اس کو بخاریؒ نے (ملاحظہ ہو مشکوٰۃ کتاب العلم فصل ۲) نیز مشکوٰۃ میں

ہے۔ عبد اللہ بن مسعودؓ جمعرات جمعرات وعظ کیا کرتے تھے (ملاحظہ ہو مشکوٰۃ باب العلم فصل ۲ صلا ۲۵) اور حضرت ابو ہریرہؓ ہر جمعہ کو منبر کے پاس کھڑے ہو کر حدیثیں سناتے۔ جب امام نکلتا تو بیٹھ جاتے۔ ملاحظہ ہو مستدرک حاکم جلد اول صلا ۱۰۸ اور ابن عباسؓ جمعہ کے بعد اپنی خالہ میمونہؓ کی وفات کے موقعہ پر ان کے گھر میں لوگوں کو مسائل بتلانے کے لئے بیٹھے، ملاحظہ ہو مسند احمد جلد اوّل صلا ۲۶۴۔ سو اس طریق سے جیسا کوئی اپنا موقعہ دیکھتا۔ کام کرتا۔ اہل بدعت کی طرح نہیں کہ ہمیشہ میت کے تیسرے، ساتویں، دسویں، دن کو روٹی کے لئے مقرر کر لیں یا چالیس دن روٹی دیں یا ششماہی سالانہ حساب رکھیں یا اس قسم کا کوئی اور تعین کریں جو تقلید کی طرح سب کے لئے یکساں قرار دیا جائے۔ یہ سراسر دین میں تصرّف اور حکم میں تغیّر ہے اور اس کے بدعت ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو بدعت سے محفوظ رکھے (آمین) عبد اللہ امرتسری روپڑی

حج کا بیان

حج سے حقوق العباد کی معافی

سوال :۔ آپ نے حرم میں وعظ کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے عرفات کے میدان میں باری تعالیٰ سے عرض کی تھی کہ جو اشخاص حج کے لئے آتے ہیں یا اللہ ان سب کو بخش دے مولا کریم نے فرمایا کہ اے حبیب میں نے سب کو بخش دیا ماسوائے ناحق قاتل، خائن اور کسی کا ناحق مال کھانے والا ——— ان تینوں کے لئے مزدلفہ میں دُعا کی ہے کہ مولیٰ کریم! تیرے دربار میں کس چیز کی کمی ہے تو ایسے گنہ گاروں کو بھی بخش دے تو حضورؐ کو یہ جواب ملا کہ اے حبیب میں نے ان کو بخش دیا۔ مزید آپ نے یہ فرمایا تھا کہ یہ پورے طور پر کہنا واضح کرنا باقی ہے کہ یہ بخشش صرف ان حاجیوں کے لئے ہی تھی یا تاقیامت حج پر جانے والوں کے لئے بھی ہے، پھر آپ نے فرمایا تھا کہ یہ امر فیصلہ شدہ ہے کہ قیامت تک کے حاجیوں کے لئے بھی یہی بخشش ہے۔

آپ کا یہ وعظ واپس آکر ایک دو جگہ کیا۔ مگر ایک مولوی صاحب نے اس کا انکار کر دیا ہے کیا ان کا انکار صحیح ہے یا نہیں۔ (فتح علی خاں از فیروز پور)

جواب :۔ عرفات کے میدان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا حقوق العباد میں قبول نہ ہونا اور مزدلفہ میں قبول ہونا یہ مفصل حدیث مشکوۃ باب الوقوف بعرفہ اور ترغیب وترہیب باب الوقوف بعرفہ والمزدلفہ وفضل یوم عرفہ میں موجود ہے۔ حقوق العباد عام ہیں۔ خواہ ناحق خون کی قسم سے ہوں یا خیانت کی قسم سے ہوں یا ناحق مال کھانے کی قسم سے ہوں۔ ترغیب ترہیب کے اسی صفحہ میں ہے کہ عبداللہ بن مبارکؒ امام ابوحنیفہؒ صاحب کے شاگرد سفیان ثوریؒ سے وہ زبیر بن عدی سے وہ انس بن مالکؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ یا رسول اللہ! کیا یہ صرف ہمارے لئے ہے؟ فرمایا تمہارے لئے بھی ہے اور تمہارے بعد جو قیامت تک آئے اس کے لئے بھی ہے۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ان حقوق العباد سے وہ مراد ہیں جن کی ادائیگی وسعت انسان سے باہر ہوگئی ہو۔ اگر ادا کرنے کی جلدی یا دیر سے تا عمر طاقت رکھتا ہو تو اس صورت میں معافی نہیں ہوگی۔

عبداللہ امرتسری روپڑی ۲۰ جمادی الثانی ۱۳۵۶ھ، ۲۷ اگست ۱۹۳۷ء

حج کے لئے استطاعت کا اندازہ

سوال۔ ایسا قرضائی جو دوسو بگیہ زمین پختہ انگریزی کا مالک ہے اس پر حج فرض ہے یا نہیں؟

جواب۔ قرآن مجید میں حج کے لئے من استطاع الیہ سبیلا کی شرط ہے اور حدیث میں اس کی تفسیر زاد اور راحلہ کے ساتھ کی ہے یعنی خوراک وسواری کا انتظام ہو سکے تو اس پر حج فرض ہے خواہ زمین کی آمد سے ہو یا زمین کی فروخت سے یا کسی اور طریق سے۔ ہاں مروجہ گرو جائز نہیں۔ اور زمین کی آمد کم ہو جس سے گزارہ نہیں چل سکتا بلکہ تنگی رہتی ہے تو اس صورت میں زمین کے ٹکڑے فروخت کرنے کا بھی حکم نہیں۔

عبداللہ امرتسری روپڑی، محرم ۱۳۵۷ھ ۹ مارچ ۱۹۳۸ء

حج سے پہلے مرنے والے کے حج کا حکم

سوال :۔ ایک شخص پیشتر ادائے فریضہ حج مکہ معظمہ میں وفات پا گئے۔ اب اس کے حج کا کیا حکم ہے؟

(عبدالخالق بٹالہ ضلع گورداسپور)

جواب :۔ حاجی حج کرنے سے پہلے مر گیا ہے۔ اس لئے دریافت کرنا چاہیئے کہ حج کی طاقت اس کو

اسی سال ہوتی ہے یا پہلے ہی سے تھی۔ اگر اسی سال ہوئی ہے تو خواہ وہ حج سے مر گیا۔ اس کی طرف سے حج ادا ہو گیا۔ کیونکہ اُس نے اپنی طرف سے کوتاہی نہیں کی اور اگر پہلے سے اس کو طاقت تھی مگر سُستی کی وجہ سے حج کو نہیں گیا تو فریضہ حج اس کے ذمہ باقی رہ گیا۔ اس کی جائداد کی تہائی سے اَور حج ہونا چاہیئے۔ یہ سب بوجھ حاجی کے لڑکے کے ذمہ ہے اگر لڑکا بے پرواہی کرے تو اس کی مرضی۔

عبداللہ امرتسری روپڑ ۱۵ جمادی الثانی ۱۳۵۷ھ ۱۲ اگست ۱۹۳۸ء

باپ نے حج نہیں کیا بیٹا اس کی زندگی میں حج کر سکتا ہے؟

سوال:۔ باپ زندہ ہو اور اُس نے حج نہ کیا ہو تو کیا ایسی صورت میں بیٹا حج کر سکتا ہے۔

شیخ حشمت اللہ

جواب:۔ اگر بیٹا باپ سے علیحدہ ہو تو اس کی کمائی الگ ہو تو وہ اپنے روپے سے حج کر سکتا ہے اس کا حج صحیح ہے۔ دلیل اس کی یہ ہے۔

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا (پ)

یعنی اللہ تعالےٰ کی طرف سے ایسے لوگوں پر حج (فرض) ہے جو بیت اللہ شریف کی طرف پہنچنے کی طاقت رکھتے ہیں۔

بیٹا اپنے مال سے بیت اللہ شریف کی طرف پہنچنے کی طاقت رکھتا ہے۔ لہٰذا اس آیت کی رُو سے اس کے ذمہ حج ضروری ہے۔ رہا یہ سوال کہ بیٹے کی کمائی باپ کی ہے سو وہ اس صورت میں ہے کہ باپ محتاج ہو جائے اور اپنا خرچ نہ اٹھا سکے تو بیٹے کے مال سے بقدرِ ضرورت لینے کا حقدار ہے نہ یہ کہ بیٹے کے مال کا باپ حقیقتاً مالک ہے۔ اور حدیث میں جو الفاظ اَنْتَ وَمَالُكَ لِاَبِيْكَ آئے ہیں ان کا یہی معنیٰ ہے کہ باپ بیٹے کے مال سے اپنی ضرورت پُوری کر سکتا ہے۔ اگر مالک ہوتا تو وراثت میں چھٹا حصہ کیوں لیتا؟ اگر سائل کا یہ مطلب ہے کہ کمائی باپ کی ہے اور مالک باپ ہے اور بیٹا ویسے ہی بطور اولاد ہونے کے باپ کے تحت کام کرتا ہے۔ ایسی صورت میں باپ بیٹے کو حج کرائے اس نے اپنا حج نہ کیا ہو تو بیٹے کا حج ہو جائے گا۔ لیکن باپ کے ذمہ رہے گا۔ اگر زندگی میں حج کر لیا تو اس کے ذمہ سے اُتر گیا۔ ورنہ جو وعید تارک حج کے لئے ہے۔ یعنی یہودی ہو کر مرا یا نصرانی ہو کر اس کا مستحق ہوگا۔

حج میں تاخیر

اس میں اختلاف ہے کہ استطاعت کے بعد حج میں تاخیر جائز ہے یا نہیں؟ بعض ائمہ کا مذہب ہے کہ تاخیر میں مجرم ہوگا۔ اگر زندگی میں ادا حج کر لیا تو جرم معاف ہو جائے گا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ تاخیر جائز ہے۔ مجرم نہیں ہوتا۔ صرف زندگی میں کسی وقت حج ادا کرنا ضروری ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ جب حج کرے گا وہ ادا ہی ہوگا نہ قضا خواہ تاخیر کرے یا نہ؟

اس بنا پر احتیاط اسی میں ہے کہ باپ پہلے اپنا حج کرے پھر کسی دوسرے کو کرائے اور یہ مسئلہ باپ بیٹے کے ساتھ تعلق نہیں رکھتا بلکہ کوئی شخص جب حج کے لائق ہو جائے تو پہلے اپنا حج کرے پھر کسی دوسرے کو کرائے کیونکہ خطرہ ہے کہ کہیں اپنا حج نہ رہ جائے۔ ہو سکتا ہے کہ موت آجائے یا بعد میں حج کرنے کی استطاعت نہ رہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی جامعہ اہلحدیث لاہور

خاوند نے حج نہیں کیا اس کی بیوی حج کر سکتی ہے؟

سوال:۔ خاوند نے حج نہ کیا ہو تو کیا اس کی موجودگی میں بیوی حج کر سکتی ہے۔؟

جواب:۔ بیوی کا اگر اپنا مال ہے تو وہ حج کر سکتی ہے۔ مثلاً مہر اس کا ذاتی مال ہے اور ماں باپ نے جو کچھ جہیز میں دیا ہے وہ بھی اس کا ذاتی مال ہے۔ خاوند نے اگر زیور بنا کر بیوی کی ملک کر دیا ہے وہ بھی اس کا ذاتی مال ہے۔ ایسے ہی اپنے والدین اور اپنی اولاد سے جو کچھ اُس کو وراثت میں ملے گا وہ بھی اس کا ذاتی مال ہے اسی طرح سینے پرونے وغیرہ کے ذریعہ اگر وہ الگ کمائی ہو تو وہ بھی اُس کا ذاتی مال ہے۔ اس قسم کے مال سے حج فرض ہے۔ بشرطیکہ سفر کے لئے خاوند یا کوئی محرم ساتھ ہو۔ امام شافعیؒ کے مذہب پر عورتوں کے قافلہ میں یا نیک لوگوں کے جماعت میں سفر کر سکتی ہے۔ لیکن حدیث کے بظاہر الفاظ پہلی صورت کے موید ہیں۔ یعنی خاوند یا کوئی محرم ساتھ ہو۔ اور احتیاط بھی اسی میں ہے۔ ہم نے اپنے رسالہ "حج مسنون" میں اس کو تفصیلاً بیان کیا ہے۔ اگر کمائی خاوند کی ہے۔ اور مالک خاوند ہے۔ بیوی ماتحتی میں کام کرتی ہے۔ ایسی صورت میں خاوند بیوی کو حج کرائے اور اُس نے اپنا حج نہ کیا ہو تو بیوی کا حج ہو جائے گا لیکن خاوند کے ذمہ فرض رہے گا۔ اگر زندگی میں حج کر لیا تو حج کا فرض اس کے ذمہ اُتر گیا۔ ورنہ جو وعید تارک حج کے لئے ہے وہی اس کے لئے ہے

اس لئے احتیاط اسی میں ہے کہ خاوند پہلے اپنا حج کرے پھر کسی دوسرے کو کرائے۔ یہ مسئلہ خاوند بیوی کے ساتھ تعلق نہیں رکھتا بلکہ کوئی شخص جب حج کے لائق ہو جائے تو پہلے اپنا حج کرے پھر کسی دوسرے کو کرائے۔ ہو سکتا ہے موت آجائے یا بعد میں غریب ہو جائے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی جامعہ قدس لاہور

۱۴ شوال ۱۳۸۳ھ - ۲۸ فروری ۱۹۶۴ء

عید کے دن صفا مروہ کی سعی

سوال:۔ عید کے دن منیٰ سے آکر حاجی لوگ بیت اللہ کا طواف کرتے ہیں، یہ طواف بیشک ضروری ہے۔ لیکن کیا عید کے دن صفا مروہ کی سعی بھی ضروری ہے۔؟۔

مولوی عبدالرحمٰن چک نمبر ۳۰ ڈاکخانہ جمیس آباد ضلع تھرپارکر سندھ

جواب:۔ عید کے دن طواف بیت اللہ کرنا ضروری ہے، اگر صفا مروہ کے درمیان سعی طواف قدوم کے ساتھ کر چکا ہے۔ تو عید کے دن طواف کے ساتھ سعی ضروری نہیں۔ اور اگر پہلے سعی نہیں کی تو پھر عید کے دن سعی ضروری ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

۴ ذی الحجہ ۱۳۸۳ھ ۱۷ اپریل ۱۹۶۴ء

حج بدل کرنے والے کو حج کا ثواب

سوال:۔ حج بدل کرنے والے کو حج کا ثواب ملتا ہے یا نہیں؟

بشیر احمد سوداگر پور سیالکوٹ

جواب:۔ حج کے متعلق الگ تو تصریح نہیں آئی۔ مگر دوسرے اعمال سے معلوم ہوتا ہے کہ جو کسی کی طرف سے کوئی نیک کام کرے۔ اس کو اللہ تعالےٰ پورا اجر دیتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کوئی روزہ افطار کرائے تو افطار کرانے والے کو بھی پورا اجر ملتا ہے۔ اور روزے دار کے ثواب میں سے بھی کچھ کم نہیں ہوتا۔ چنانچہ مشکوٰۃ شریف کتاب الصیام میں یہ حدیث موجود ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص کسی کی طرف سے حج بدل کرتا ہے اللہ تعالیٰ دونوں کو پورا ثواب عطا فرماتے ہیں۔ عبداللہ امرتسری روپڑ ۳۰ رجب ۱۳۸۲ھ

عورت کا محرم کے بغیر حج کرنا

سوال :- زید کے دلائل۔

زید کہتا ہے۔ عورتوں کو محرم کے سوا حج کے لئے جانا جائز نہیں ہے وہ عموم سفر والی احادیث پیش کرتا ہے۔ ایک وہ حدیث جو صحابی نے دربارِ نبوی میں عرض کیا تھا۔

کہ میرا نام فلاں جنگ میں لکھا گیا ہے۔ اور میری بیوی حج کے لئے تیار ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا تم اپنی بیوی کے ساتھ حج کو جاؤ۔ تمہاری جگہ کسی اور کو بھرتی کر لیا جائے گا۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حج کا سفر غیر محرم کے ساتھ جائز نہیں۔

عمرو کے دلائل

عمرو کہتا ہے عورت اکیلی یا عورتوں کے ہمراہ حج کو جا سکتی ہے۔ اس کے دلائل یہ ہیں۔

دلیل اوّل بخاری مسلم میں حدیث ہے۔ خشعم قبیلہ کی ایک عورت نے عرض کی۔ اے اللہ کے رسولؐ! میرا باپ بہت بوڑھا ہے میں اُس کی طرف سے حج کروں تو کیا حج ہو جائے گا؟ فرمایا۔ ہو جائیگا اس حدیث کے تحت امام نووی رحؒ نے لکھا ہے۔

عورت محرم کے سوا حج کو جا سکتی ہے۔

دلیل دوم :- بخاری شریف میں حدیث ہے۔

ایک عورت نے خدمتِ نبویؐ میں عرض کی کہ میری ماں نے حج کی نذر مانی تھی لیکن وہ نذر پوری کرنے سے پہلے فوت ہو گئی۔ کیا میں اس کی طرف سے نذر پُوری کروں؟ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے جواب دیا کہ ہاں پوری کرو۔

دلیل سوم :- بخاری مسلم کے حوالہ سے مشکوٰۃ میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے ازواجِ مطہرات کے ہمراہ ابن عباسؓ کو روانہ کیا کہ تم منیٰ میں پہنچ جاؤ۔

دلیل چہارم :- بخاری باب حج النساء میں ہے کہ حضرت عمرؓ کی اجازت سے عثمان بن عفانؓ اور عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے ہمراہ حرم مبارک حج کو گئے۔

دلیل پنجم - مسلم شریف میں حدیث ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سودہ رض کو غلام کے ہمراہ منیٰ روانہ فرمایا۔
ان دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت سفر حج کر سکتی ہے اکیلی ہو یا عورتوں کی جماعت کے ساتھ۔
امام نوویؒ لکھتے ہیں۔
عطاءؒ، سعیدؒ بن جبیر، امام اوزاعی رح، امام شافعی رح اور دیگر بہت ائمہؒ فرماتے ہیں کہ عورتوں کی جماعت ہو تو جائز ہے۔ کیونکہ ایک دوسری کے ساتھ مل جُل کر عورتیں محرم ہو جاتی ہیں۔ اور دل مطمئن ہو جاتا ہے۔ اور امام مالکؒ نے تو باب ہی باندھا ہے۔ **حج المرأۃ بغیر ذی محرم** یعنی امام مالکؒ نے فرمایا ہے کہ جس عورت کا خاوند نہیں۔ اور اُس نے حج نہیں کیا۔ اگر ان کا کوئی مرد نہ ہو یا ہو مگر ساتھ نہ جا سکے تو وہ عورت فریضہ حج ترک نہ کرے، بلکہ دوسری عورتوں کے ساتھ جائے (موطا امام مالکؒ) کیونکہ عورتیں عام ہوں تو قائم مقام محرم کے ہو جاتی ہیں۔ اور ایک دوسری کی محرم بن جاتی ہیں۔
سوال یہ ہے کہ زید اور عمرو دونوں میں سے حق بجانب کون ہیں؟ مدلل جواب فرمائیں۔
تحقیق مسائل میں آپ کی ہستی پر جماعت کو بحمد اللہ فخر ہے (عطاء اللہ مولوی فاضل)

جواب: اصول کا قاعدہ ہے۔ **ووقائع الاعیان لا یحتج بھا علی العموم** (نیل الاوطار ج ۲)
یعنی خاص واقعات سے عام استدلال صحیح نہیں ——— اس بنا پر عمرو کی پہلی دلیل اور دوسری دلیل قابلِ استدلال نہیں رہتیں۔ کیونکہ خاص عورت کا واقعہ ہے۔ محرم کے عدم ذکر سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ وہاں فی الواقعہ محرم نہ ہو۔ اور حقیقت بھی یہی ہے۔
حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری جلد ۲، صہ ۲۲۲ میں پہلی حدیث پر لکھا ہے۔ کہ
"اس عورت کا باپ ساتھ تھا اور اس کا یہ کہنا کہ میرا باپ شیخ فانی ہے اس سے مراد اس کا دادا ہے۔
حافظ ابن حجرؒ نے قوی سند کے ساتھ ابو یعلیٰ کی ایک روایت ذکر کی ہے جس میں تصریح ہے کہ اس عورت کا باپ ساتھ تھا۔
تیسری حدیث بھی دلیل نہیں۔ کیونکہ ابن عباسؓ اس وقت نابالغ تھے اور مزدلفہ سے روانہ فرمایا تھا۔ مزدلفہ سے منیٰ تقریباً دو میل ہے یہ مسافت سفر کے لئے کافی نہیں۔ پانچویں دلیل بھی اسی قسم

ف قسطلانی میں اس حدیث کے تحت لکھا ہے آپ کے ساتھ دیگر عورتیں بھی تھیں عام عورتیں محرم کے قائم مقام ہو جاتی ہیں۔

کی ہے۔ نیز اپنے غلام سے پردہ نہیں بلکہ حضرت عائشہ رضؓ مطلقاً غلام سے پردہ کی قائل نہیں پس یہ محرم کے حکم میں ہو گیا۔

چوتھی حدیث میں بھی وہی شبہ ہے جو اول اور دوم میں ہے۔ اور حضرت عثمان بن عفانؓ کے ساتھ اجازت دینے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس سال حج کے امیر تھے۔

زید کے دلائل بھی کمزور ہیں۔ زید نے پہلی دلیل سفر کی عام احادیث پیش کی ہیں۔ اور دوسری دلیل حج کی خاص بیان کی ہے۔ اس دوسری دلیل کے الفاظ یہ ہیں۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یخلون رجل بامرأۃ ولا تسافرن امرأۃ الا ومعها محرم فقال رجل یا رسول اللہ اکتتبت فی غزوۃ کذا وکذا وخرجت امرأتی حاجۃ قال اذهب فاحجج مع امرأتك متفق علیہ۔

(مشکوۃ کتاب المناسك)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ تنہا نہ ہو۔ اور نہ کوئی عورت سفر کرے مگر اس حال میں کہ اس کے ساتھ اس کا محرم ہو۔ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! میں فلاں جنگ میں لکھا گیا ہوں، اور میری عورت حج کے لئے نکلی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جا اپنی بیوی کے ساتھ حج کر۔

اس سے شخص مذکور نے محرم کی خصوصیت نہیں سمجھی کہ ضرور محرم ہی ساتھ ہو بلکہ یہ سمجھا کہ عورت کے تنہا جانے میں فتنہ ہے اس لئے اپنا ذکر کیا کہ میں فلاں جنگ میں لکھا گیا ہوں۔ اگر محرم کی خصوصیت سمجھتا تو خود کو ذکر نہ کرتا۔ کیونکہ خود تو خاوند ہے محرم نہیں۔ کیونکہ محرم وہ ہے جس سے ہمیشہ نکاح حرام[1] ہو۔ پس جب مقصد اس سے عورت کے فتنہ میں پڑنے کی روک ہے تو جب فتنہ کا اندیشہ نہ ہو۔ عورت سفر کر سکتی ہے مثلاً قابلِ اعتماد عورتوں کی جماعت ہو یا اس قسم کے مرد ہوں تو اس کو سفر کی اجازت ہونی چاہیئے۔ پس زید کی دلیل زید پر اُلٹ گئی۔ ہاں اگر خاوند کو محرم میں داخل کیا جائے جیسے بعض نے کہا ہے۔ چنانچہ مغنی مع الشرح الکبیر جلد ۳ صفحہ ۱۹۲ میں ہے۔

[1] اگر کسی قصور کے باعث حرمت ابدی پیدا ہو گئی ہو تو یہ اس سے یہ محرم مستثنیٰ ہے جیسے لعان کرنے والے ہمیشہ ایک دوسرے پر حرام ہیں مگر محرم نہیں۔

والمحرم زوجها او من تحرم عليه على التابيد بنسب او سبب مباح كابنها وابيها واخيها من نسب او رضاع وربيبها وابها۔

یعنی محرم خاوند ہے یا جس پر عورت حرام ہو۔ حرمت کی وجہ نسب ہو یا کوئی سبب مباح ہو۔ جیسے اس کا بیٹا، باپ، بھائی، نسبی یا رضاعی یا اس کا پچھلگ یا جس کی یہ پچھلگ ہے تو اس صورت میں زید کی دلیل زید پر نہیں اُلٹے گی مگر خاوند کو محرم میں داخل کرنا کمزور ہے۔ پس زید کی دلیل کی کمزوری بحال رہی۔

جو لوگ محرم کی شرط کے قائل نہیں وہ مندرجہ ذیل دلائل بھی پیش کرتے ہیں۔

اوّل:۔ قرآن مجید میں ہے۔

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا (پ۴)

یعنی لوگوں پر حج بیت اللہ فرض ہے جو اس کی طرف راستہ کی طاقت رکھے۔

راستہ کی طاقت کی تفسیر دوسری حدیث میں زاد راہ اور راحلہ (سواری) کے ساتھ کی ہے۔ پس اس حکم میں عورت بھی آگئی۔

دوم:۔ عدی بن حاتم رضؓ کو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔

یوشك ان تخرج الضعینة لحج البیت لاجوار معها لاتخاف الا الله

عنقریب عورت حج بیت اللہ کے لئے نکلے گی۔ اُس کے ساتھ کوئی نہیں ہوگا۔ اللہ تعالےٰ کے سوا کسی سے نہیں ڈرے گی۔ یعنی ایسا امن ہو جائے گا کہ عورت اکیلی بے کھٹکا سفر کرے گی۔

سوم۔ اگر کوئی عورت کفار کے قبضہ میں آجائے۔ پھر وہ رہائی حاصل کرلے تو وہ بالاتفاق اکیلی سفر کر سکتی ہے —— پس معلوم ہوا کہ محرم شرط نہیں ہے۔

یہ تین دلائل وہ مزید پیش کرتے ہیں مگر یہ بھی کمزور ہیں۔

اوّل اس لئے کہ اس سے لازم آتا ہے کہ نہ محرم کی ضرورت ہے اور نہ قابلِ اعتماد جماعت حالانکہ وہ اس کے قائل نہیں۔ دوم اس لئے کہ اس میں امن کی پیشگوئی ہے۔ جائز ناجائز بتلانا مقصود نہیں۔ سوم اس لئے کہ یہ مجبوری کا سفر ہے۔ کیونکہ دارالکفر میں تو وہ رہ نہیں سکتی۔ ورنہ پھر کفار قید کرلیں گے اور حج کا سفر تو وہ اپنے اختیار سے کرتی ہے اس میں کوئی مجبوری نہیں پس اس کا قیاس اس پر صحیح نہیں۔

یہ تینوں دلائل اور ان پر جرح مغنی ابن قدامہ مع الشرح الکبیر جلد۳ میں مذکور ہے —— اور جو محرم

کی شرط کرتے ہیں۔ ان کی ایک دلیل مغنی مع الشرح الکبیر میں ابن عباسؓ کی یہ حدیث بھی لکھی ہے جو دارقطنی میں ہے۔ لا تحجن امرأۃ الا معہا ذو محرم ـــــ یعنی کوئی عورت محرم کے بغیر سفر حج نہ کرے۔

لیکن اُوپر معلوم ہو چکا ہے کہ جب مقصود اس سے عورت کے فتنہ میں پڑنے کی روک تھام ہے تو قابلِ اعتماد جماعت کے ساتھ ہونے کے وقت اجازت ہونی چاہیئے۔ ہاں کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ صرف فتنہ کی روک تھام مقصود نہیں بلکہ یہ بھی مقصود ہے کہ عورت کمزور جنس ہے۔ سواری پر اترنے چڑھنے کے وقت اکثر سہارے کی محتاج ہوتی ہے۔ خاص کر بیمار ہو جائے جو عموماً لمبے سفر کا لازمہ ہے۔ تو پھر اٹھانا بٹھانا۔ کپڑا لینا دینا حاجت روائی وغیرہ محرم یا خاوند ہی کا کام ہے۔ بے گانہ مرد کے لئے مشکل ہے۔ اور ہر وقت ایسی ہمدرد عورتیں میسر آنا مشکل ہے۔ بسا اوقات اپنی اپنی ضرورتوں کے تحت قافلے آپس میں جدا ہو جاتے ہیں۔ عورتیں اپنے مردوں کے تابع ہوتی ہیں۔ اس لئے کون ٹھہر سکتا ہے اور کون اس کی حفاظت و نگرانی کر سکتا ہے اس لئے اپنا خاص محرم یا خاوند ساتھ ہونا چاہیئے۔ مگر یہ وجہ کچھ کمزور ہے۔ کیونکہ ایسا اتفاق بہت کم پڑتا ہے کہ قابلِ اعتماد جماعت گھر سے ساتھ چلے۔ پھر بیماری کے وقت کوئی مناسب انتظام نہ کرے۔ پس اصل مقصد حدیث کا فتنہ کی روک ہے۔ اور اگر بالفرض اس کمزور درجہ کا کچھ لحاظ کیا جائے تو بوجہ کمزور ہونے کے زیادہ سے زیادہ اس سے احتیاط ثابت ہو سکتا ہے۔ نہ کہ وجوب۔ یعنی احتیاطاً اول نمبر خاوند یا محرم کا ہے۔ اگر یہ نہ ہوں تو پھر قابلِ اعتماد جماعت ہونی چاہیئے۔ ایسا نہ ہو کہ خاوند یا محرم نہ ہو تو عورت حج ہی سے محروم ہو جائے۔

خلاصہ۔ یہ کہ ایک لحاظ سے زید کے خیال کو کچھ قوت ملتی ہے وہ یہ کہ جب خاوند یا محرم ہو تو وہی ساتھ جائے تاکہ ظاہر حدیث پر عمل ہو جائے اور کسی قسم کا کھٹکا نہ رہے کیونکہ مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں۔ لا یحل لامرأۃ تؤمن باللہ والیوم الاخر ان تسافر سفرا یکون ثلاثۃ ایام فصاعدا الا و معھا ابوھا او ابنھا او زوجھا او ذو محرم منھا۔

یعنی کوئی عورت جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتی ہے اس کے لئے تین دن یا زیادہ سفر حلال نہیں تاوقتیکہ اس کے ساتھ اس کا باپ یا بیٹا یا خاوند یا محرم نہ ہو۔

اس حدیث کا ظاہر زید کے مذہب کو تو تقویت دیتا ہے کیونکہ اس میں خاوند کا بھی ذکر ہے۔ اور خاوند یا محرم نہ ہوں یا کسی شرعی عذر کی وجہ سے اس کا جانا مشکل ہو جیسے بیماری وغیرہ تو پھر اصل مقصد حدیث پر نظر رکھتے ہوئے عمرو کے خیال پر عمل کرنا چاہیئے۔ یعنی بعض قابلِ اعتماد جماعت کے ساتھ جائے اگر قابلِ اعتماد

جماعت نہ ملے تو پھر عورت بالکل نہ جائے نہ اس پر حج فرض ہے۔ کیونکہ اس صورت میں سراسر حدیث کی مخالفت لازم آتی ہے نہ تو ظاہر حدیث پر عمل ہوا۔ نہ اس کے اصل مقصد کی پرواہ ہوئی۔ پس زید کا مطلق یہ کہنا کہ خاوند یا محرم کے بغیر عورت حج کر ہی نہیں سکتی یا بالکل نہ کرے یہ بھی ٹھیک نہیں۔ اور عمرو کا اکیلی کا فتویٰ دینا، یہ بھی ٹھیک نہیں بلکہ ہر ایک کے قول کا کچھ حصہ ٹھیک ہے اور کچھ ٹھیک نہیں ——— مسلم کی حدیث مذکور کا ظاہر تو یہ چاہتا ہے۔ خاوند یا محرم ساتھ ہو۔ پس جب یہ موجود ہوں اور ساتھ جا سکیں تو انہی کو ساتھ لے جائے اور متفق علیہ حدیث جو مشکوٰۃ کے حوالہ سے گزر چکی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل مقصد فتنہ کی روک ہے۔ کیونکہ اس حدیث میں خاوند کا ذکر نہیں۔ صرف محرم کا ذکر ہے مگر باوجود اس کے صحابی رضؓ نے اس سے محرم کی خصوصیت نہیں سمجھی۔ اس لئے خود کو پیش کیا حالانکہ خود خاوند تھا تو گویا اصل مقصد فتنہ کی روک ہوا پس اس کا لحاظ کرتے ہوئے جب خاوند یا محرم نہ ہوں تو قابلِ اعتماد جماعت کافی ہے۔ بہرصورت اِن دو حالتوں میں عورت کو حج کرنا چاہیئے۔ اِن کے علاوہ تیسری حالت میں یعنی اکیلی حج نہ کرے۔

رہی یہ بات کہ اس تیسری حالت میں اگر عورت حج کرلے تو اس کا فرض ادا ہو گا یا نہیں؟ تو جہاں تک مجھے علم ہے سب متفق ہیں کہ اس کا فرض حج ادا ہو جائے گا اس پر اور حج فرض نہیں۔

عبداللہ امرتسری روپڑی جامعہ قدس لاہور

۱۶ شعبان ۱۳۸۰ھ ۳ فروری ۱۹۶۱ء

ایک شخص کی بابت نذر ماں کر دوسرے کو حج پر لے جانا

سوال:۔ ایک شخص کا لڑکا بیمار ہوگیا۔ اس نے نذر مانی کہ خدا تعالیٰ اس کو صحت بخشے تو میں اس کو حج کے لئے ہمراہ لے جاؤں گا۔ لڑکے کی عمر دس بارہ برس کی ہے کیا اسی کو حج کے لئے ہمراہ لے جائے یا اس کے بدل دوسرے کو بھی لے جا سکتے ہیں۔

منظور ڈرائیور ایرپورٹ لاہور

جواب:۔ نذر جس طرح مانی ہے اسی طرح پوری کرنی چاہیئے۔ لڑکے کو ساتھ لے جائے۔ اگر وہ بالغ ہوتا تو اس کا فرض ادا ہو جاتا اب اس کا نفل حج ہو گا۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

حج تمتع کرنے والے پر نحر کے روز طواف کے بعد سعی ضروری ہے یا نہیں

سوال :۔ حج تمتع کرنے والے پر نحر کے روز یعنی دسویں ذی الحجہ کو بعد طواف بیت اللہ صفا مروہ کی سعی ضروری ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ حج تمتع کرنے والے پر نحر کے روز صرف طواف ہے۔ سعی نہیں ہے دلیل یہ پیش کرتے ہیں جو دارقطنی میں ہے۔

عن ابن عباس عن النبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم فیمن تمتع بالعمرۃ الی الحج قال یطوف بالبیت سبعا ویسعی بین الصفا والمروۃ فاذا کان یوم النحر طاف بالبیت وحدہ ولا یسعی بین الصفا والمروۃ۔

یہ استدلال صحیح ہے یا نہیں اور متمتع کو یوم النحر میں سعی بین الصفا والمروہ معاف ہے یا نہیں؟

جواب :۔ اس حدیث میں تمتع سے قرآن مراد ہے۔ قرآن پر بھی کبھی تمتع کا لفظ بول دیا جاتا ہے (مشکوۃ باب الاحرام والتلبیۃ)

اس حدیث میں عبد اللہ بن عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حج کو تمتع کہا ہے۔ حالانکہ آپ قارن تھے اور قارن کے لئے ایک ہی سعی کافی ہے۔

عبد اللہ امرتسری روپڑی جامعہ قدس لاہور
۲۳ شوال ۱۳۸۱ھ ۳۰ مارچ ۱۹۶۲ء

حج سے پہلے مدینہ منورہ کی زیارت

سوال :۔ اگر ایام حج میں دیر ہو تو قبل حج براہِ راست مدینہ منورہ جانا کیسا ہے۔ مکہ مکرمہ بعد میں آ کر رہے اور پھر حج کرے تو کیا حرج ہے۔ اس طرح کرنے سے حج میں کوئی خرابی آتی ہے یا نہیں؟

جواب :۔ حج سے پہلے مدینہ منورہ جانے میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ جب حج کا وقت ہی نہیں آیا تو وہ آزاد ہے جہاں چاہے جائے آئے۔ بعض کا یہ خیال ہے کہ زیارت حج کے بعد ہونی چاہیئے۔ کیونکہ جن روایتوں میں حضورؐ کی قبر مبارک کی زیارت کا ذکر ہے۔ ان سے بعض روایت میں ثم یا فاء کا لفظ ہے جو ترتیب کے لئے ہے یعنی پہلے حج ہو پھر زیارت قبر نبویؐ مگر ان احادیث میں سے کوئی ایک حدیث صحت

کو نہیں پہنچی بلکہ قریب قریب موضوع ہے۔ چنانچہ رسالہ" زیارت قبر نبویؐ" میں مَیں نے ان پر مفصّل بحث کی ہے بلکہ اس میں یہ بھی ثابت کیا ہے کہ قبر کی زیارت کی نیّت سے سفر جائز ہی نہیں۔ مسجد نبویؐ کی نیّت سے سفر ہونا چاہیئے، وہاں پہنچ کر پھر قبر نبوی کی بھی زیارت کرلے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی جامعہ قدس اہل حدیث لاہور

عمرہ کے اوقات، دو عمرہ کے درمیان فاصلہ

سوال:۔ عمرہ کے اوقات کیا ہیں۔ اور دو عمروں کے درمیان کتنا فاصلہ ہونا چاہیئے؟ تعامل صحابہؓ اس مسئلہ میں کیا ہے؟

کیا دو عمروں کے درمیان اتنا فاصلہ ضروری ہے کہ سر کے بال اُگ آئیں۔

کیا دو عمروں کے درمیان اتنا فاصلہ ہونا چاہیئے کہ وطن واپس آکر دوبارہ مثل حج سفر کرکے جائے؟ یا قیام مکہ میں بھی متعدد عمرے کئے جا سکتے ہیں؟

عمرہ کے کیا کیا شرائط ہیں؟ جن کے فقدان سے عمرہ نہیں ہوتا۔ اور ان کی موجودگی ضروری ہے۔

جواب:۔ عمرہ کا کوئی وقت مقرر نہیں۔ بارہ ماہ درست ہے۔ دو عمروں کے درمیان کے فاصلہ کا کسی روایت میں ذکر نہیں۔ سر کے بال اُگنے کی بھی کوئی شرط نہیں۔ یہ صرف اِس غرض سے ہے کہ عمرہ کے بعد حجامت کے ساتھ احرام سے نکلے مگر احرام سے نکلنے کے لئے اور بہت سی باتیں ہیں۔ خوشبُو کا استعمال۔ بیوی کے پاس جانا احرام کے کپڑے اُتار کر دُوسرے کپڑے پہن لینا وغیرہ وغیرہ۔ پس احرام سے نکلنے کی خاطر دوسرا عمرہ اتنی دیر سے کرنا کہ بال اُگ آئیں۔ اس کی کوئی وجہ نہیں۔ باقی شرائط میں حج عمرہ قریب قریب ہیں۔

عبداللہ امرتسری روپڑی جامعہ قدس لاہور
۲۳ شعبان سنہ ۱۳۸۰ھ ۱۰ فروری سنہ ۱۹۶۱ء

حج کی وصیّت

سوال:۔ میرا بھائی فوت ہونے لگا۔ اس نے تین صد روپیہ مجھے دیا کہ میری طرف سے تم نے حج

کرنا۔ وہ روپیہ میں نے اپنے پاس رکھ لیا کہ وقت پر جا کر حج کر آؤں گا۔ اسی اثناء میں ایک شخص دو ہزار روپیہ مجھ سے ٹھگ کر لے گیا۔ بھائی کا دیا ہوا روپیہ بھی اس میں شامل تھا۔ اب میرے پاس سوائے سات ایکڑ زمین کے اور کوئی جائداد نہیں ہے۔ اس میں سرکاری معاملہ واخراجات خانہ داری میرے ذمہ ہے۔ اب عرض یہ ہے کہ اگر کسی حاجی کو کچھ روپے دے دیئے جائیں کہ وہ میرے بھائی کی طرف سے حج کر آئے۔ کہ وہ وہاں جا کر میرے بھائی کا حج کرا دیں تو اس طرح ادا ہو سکتا ہے یا نہیں؟ باقی روپیہ میرے ذمہ سے ساقط ہو جائے گا یا میں خود جا کر اپنے بھائی کا حج کروں۔ مالی حالت تو آپ کو معلوم ہو گئی۔ بدنی حالت یہ ہے کہ عمر رسیدہ ہوں۔ چلنے کی طاقت نہیں ہے بلکہ جہاز کی تکلیف برداشت نہیں کر سکتا۔

مولوی عبدالحق چک نمبر ۲۳ بہاولپور

جواب:۔ سوال کی صورت میں اگر بھائی نے حج کے علاوہ بطور قرض روپیہ برتنے کی اجازت دی تھی تو پھر یہ قرض ہو گیا۔ اور قرض دینا پڑتا ہے۔ خواہ اپنے گھر کی اشیاء فروخت کر کے دے۔ کیونکہ وہ ذمہ ہے۔ اگر بھائی کی اجازت کے بغیر برت لیا ہے تو یہ غصب ہے اور غصب کی صورت میں بھی شے دینی پڑتی ہے۔ غرض ٹھگ کے ہاتھ روپیہ تبھی گیا جب برتنے کا قصد ہوا۔ ورنہ ٹھگ کے ہاتھ میں نہ جاتا۔ بس یہ روپیہ ہر صورت میں بھرنا پڑے گا۔ کیونکہ یہ ایک قسم کی امانت ہے۔ اور امانت کے ادا کرنے کی تاکید ہے جیسے آیت کریمہ ان اللہ یامرکم ان تودوا الامانات میں تاکید کے ساتھ حکم دیا ہے۔ غرض اس بوجھ سے حتی الوسع بہت جلد سبکدوش ہونے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ رہا حج کا مسئلہ سو وہ معلوم ہے جب انسان کے ذمہ حج فرض ہو جاتا ہے تو اُس کو حکم ہے کہ خود کرے اگر خود نہیں کر سکتا تو اس کی طرف سے دوسرا کرے مشکوٰۃ کتاب المناسک میں حدیث ہے کہ ایک عورت نے کہا یا رسول اللہ میرے باپ کو فریضۂ حج نے بڑھاپے کی حالت میں پایا ہے کیا میں اس کی طرف سے حج کروں؟ فرمایا ہاں۔ ایک اور حدیث میں ہے۔ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ کہا میری بہن نے حج کی نذر مانی تھی وہ مر گئی فرمایا اگر اس کے ذمہ قرض ہوتا تو ادا کرتا؟ کہا ہاں۔ فرمایا اللہ تعالےٰ کا قرض اس کے زیادہ لائق ہے۔ مرنے والے بھائی کی طرف سے حج فرض ہو گیا۔ اگر زندہ بھائی ایسا کمزور ہے کہ اگر اُسے اپنا حج کرنا پڑتا تو اس کی بھی طاقت نہ رکھتا تو اس صورت میں کسی دوسرے کو روپیہ دے دے تاکہ وہ حج کر آئے۔ مگر وہ شخص ایسا ہونا چاہیئے جس نے پہلے اپنا حج کیا ہو۔ کیونکہ دوسرے کی طرف سے وہی حج کر سکتا ہے جو اپنے فرض سے

فارغ ہو چکا ہو۔

آج کل تین سو روپیہ میں حج تو ہو جاتا ہے لیکن ذرا تکلیف ہوتی ہے اگر کوئی باعتبار آدمی جو پہلے حج کر چکا ہو تین سو روپیہ میں حج کو جانا منظور نہ کرے تو پھر یہ روپے جہاد میں صرف کئے جائیں۔ کیونکہ حج کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد فرمایا ہے جیسے مشکوٰۃ کتاب المناسک میں ہے کہ عورتوں پر جہاد ہے جس میں لڑائی نہیں۔ حج اور عمرہ۔ اِس لئے کوئی شے جہاد میں وقف کی جائے تو وہ حج میں صرف ہو سکتی ہے جیسے ابوداؤد میں ابن عباس رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کا ارادہ کیا۔ ایک عورت نے اپنے خاوند کو کہا مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کرائے۔ خاوند نے کہا کہ میرے پاس سواری نہیں جس پر تجھے سواری کراؤں۔ عورت نے کہا اپنے فلاں اونٹ پر حج کرا۔ خاوند نے جواب دیا کہ وہ فی سبیل اللہ (جہاد) میں وقف ہے پھر (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حج سے فارغ ہونے کے بعد) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور یہ قصہ سنایا۔ آپ نے فرمایا۔ اگر تو اس اونٹ پر حج کراتا تو یہ بھی فی سبیل اللہ ہوتا سواب عورت رمضان میں عمرہ کرلے یہ میرے ساتھ حج کرنے کے برابر ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حج اور جہاد کو آپس میں بڑی مناسبت ہے۔ پس حج کا روپیہ جہاد میں صرف ہو سکتا ہے۔ اگر جہاد کا بھی موقعہ نہ ہو تو پھر کسی درس میں دیئے جائیں۔ کیونکہ درس وتدریس کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بمنزلہ جہاد کے فرمایا ہے۔ جیسے مشکوٰۃ باب المساجد میں حدیث ہے کہ جو میری اس مسجد میں صرف خیر سیکھنے سکھانے کے لئے آئے وہ بمنزلہ مجاہد فی سبیل اللہ کے لئے ہے۔ درس کے بعد زیادہ عبادت کرنے والے بھی اس روپیہ کا مصرف ہو سکتے ہیں جو رات کو قیام کرتے ہیں اور دن کو روزہ رکھتے ہیں۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجاہد کو ان کے مثل بتایا ہے۔ چنانچہ مشکوٰۃ کتاب الجہاد میں ہے۔

المجاهد من جاهد نفسه فی طاعة الله المهاجر من هجر الخطایا والذنوب

(مشکوٰۃ کتاب الایمان)

یعنی مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس سے جہاد کرے اور مہاجر وہ ہے جو خطا اور گناہ ترک کردے۔

عبداللہ امرتسری از روپڑ ضلع انبالہ

۸ جمادی الاول ۱۳۵۱ھ ، ۱۰ ستمبر ۱۹۳۲ء

حجّ بدل

سوال:۔ ایک شخص حج کے لئے گیا تو اس نے اپنے فوت شدہ والد بکر اور اپنی فوت شدہ زوجہ کلثوم کی طرف سے مکہ شریف کے باشندہ معلم کو کچھ روپیہ دیا کہ ان کی طرف سے حج کرے جب کہ وہ دونوں اس وقت فوت ہو گئے تھے کہ وہ حج کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔ اب سوال یہ ہے کہ بکر اور کلثوم کی طرف سے حج ہوا ہے یا نہیں؟

(۱۷۔ ای۔ پٹیل ملک افریقہ)

جواب:۔ قرآن مجید پارہ ۴ رکوع اول میں ارشاد ہے۔

وللّٰہ علی النّاس حجّ البیت من استطاع الیہ سبیلا۔

یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوگوں پر حج فرض ہے جو بیت اللہ کی طرف راستہ کی طاقت رکھتے ہیں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ غریب اور نادار شخص پر حج فرض نہیں۔ چونکہ والد بکر اور اس کی بیوی کلثوم اپنی زندگی میں غریب تھے۔ اور سفر خرچ میسّر نہ ہوا تھا۔ اس لئے ان پر حج فرض نہیں ہوا۔ اور اس کے مالدار ہونے سے بھی باپ یا بیوی پر حج فرض نہیں ہوگا۔ چاہے اُن کی زندگی ہو چاہے بعد میں۔ کیونکہ ہر انسان اپنے نفس کا مکلّف اور ذمہ دار ہے۔ دوسرے کا نہیں۔ ہاں اگر اپنی خوشی سے کرنا یا کرانا چاہے تو جائز ہے ان کو ثواب مل جائے گا۔ ورنہ جب ان پر فرض نہیں ہوا۔ تو اس کو ان کی طرف سے حج کرنا یا کرانا کیسے ضروری ہوگا۔ ——— دوسرے کی طرف سے حج وہ کر سکتا ہے۔ جس نے پہلے اپنی طرف سے فریضہ حج ادا کر لیا ہو۔ چنانچہ مشکوٰۃ شریف کتاب المناسک میں حدیث ہے کہ ابن عباسؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ایک شخص کو حج کرتے ہوئے سنا وہ کہتا تھا۔ یا اللہ! میں شبرمہ کی طرف سے تیرے دربار میں حاضر ہوا ہوں۔ فرمایا شبرمہ کون ہے؟ کہا میرا بھائی ہے یا میرا قریبی۔ فرمایا کیا تو نے اپنی طرف سے حج کر لیا۔ اُس نے کہا نہیں۔ فرمایا پہلے اپنی طرف سے حج کر پھر شبرمہ کی طرف سے کر۔ نیز جس شخص سے حج بدل کرایا جائے۔ اگر وہ اس حج کرنے کا یعنی اپنی محنت وغیرہ کا عوض لیتا ہے تو پھر حج ادا نہیں ہوگا۔ کیونکہ عبادات کا عوض جائز نہیں۔ چنانچہ مشکوٰۃ باب الاذان میں حدیث ہے کہ عثمان بن ابی العاص نے عرض کی یا رسولؐ اللہ آپ مجھے میری قوم کا امام مقرر کریں۔ فرمایا۔

انت امامهم واقتد باضعفهم واتخذ موذنا لا یاخذ علی اذانه اجرا۔ رواہ ابوداؤد والنسائی۔

کہ تو ان کا امام ہے اور اُن کے ضعیف کی رعایت رکھ اور موذن ایسا مقرر کر جو اذان دینے پر اجرت نہ لے اذان ایک عبادت ہے جب اذان پر اُجرت منع ہوگئی تو حج پر بطریق اولیٰ منع ہوگئی۔

نوٹ:۔ حج کے لئے معلّمین کو روپیہ دینے میں احتیاط چاہیئے، کیونکہ اکثر یہ لوگ روپیہ لے کر حج نہیں کرتے، اگر کرتے بھی ہیں تو تسلی بخش نہیں۔ عبداللہ امرتسری از روپڑ ضلع انبالہ، ۲۷ رمضان ۱۳۵۳ھ ۴ جنوری ۱۹۳۵ء

عورتوں کا بار بار حج کرنا

سوال:۔ زید کہتا ہے عورتوں کا بار بار حج کرنا جائز نہیں۔ عمرو کہتا ہے جائز ہے۔ کیونکہ بخاری میں ہے کہ حرم مبارک حضرت عمرؓ کے زمانہ میں حج کو گئے تھے۔ اس سے ثابت ہوا کہ عورت بار بار حج کر سکتی ہے

جواب:۔ زید کا یہ خیال غلط ہے جانا جائز ہے دلیل وہی ہے جو عمرو نے پیش کی ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑ ۱۲ شوال ۱۳۵۸ھ ۲۴ نومبر ۱۹۳۹ء

بیت اللہ کی چھت کی طرف دیکھنا

سوال:۔ زید کہتا ہے کہ بیت اللہ شریف کے اندر داخل ہو کر چھت کی طرف دیکھنا منع ہے عمرو کہتا ہے جائز ہے کیونکہ منع کی کوئی دلیل نہیں، زید درست کہتا ہے یا عمرو؟

جواب:۔ چھت کی طرف دیکھنے کی ممانعت میری نظر سے نہیں گذری۔ ہاں یہ روایت آئی ہے کہ بیت اللہ کی طرف دیکھنے والے کے لئے بیس نیکیاں ہیں۔ اس میں چھت بھی آجاتی ہے کیونکہ بیت اللہ یک لخت تو سارا دکھائی نہیں دیتا، اکثر اس کے کسی حصہ کو دیکھے گا۔ عبداللہ امرتسری روپڑ

رمل اور اضطباع

سوال:۔ رمل اور اضطباع کسے کہتے ہیں اور یہ کب اور کس طرح کیا جاتا ہے۔

جواب:۔ رمل کندھے ہلا کر پہلوان کی طرح تیز چلنے کا نام ہے۔ یہ طواف کرتے وقت پہلے تین چکروں

ہیں کیا جاتا ہے اور باقی چار چکر میں رمل نہیں ہے۔ بدستور اپنی آہستہ رفتار سے چلیں۔ حدیث میں ایسا ہی آیا ہے۔ احرام کی اُوپر کی چادر کو دائیں بغل کے نیچے سے کر کے اس کی دونوں طرف بائیں کندھے پر ڈال ہیں۔ طواف کے وقت ایسا کرنا مسنون ہے۔ اس کو اضطباع کہتے ہیں۔ لیکن عورت کے لئے نہ رمل ہے اور نہ اضطباع ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی ۶ ذی قعدہ ۱۳۸۰ھ

سوال :۔ حاجی جَزَاءُ الصَّیْدِ دم وغیرہ کا گوشت خود کھا سکتا ہے

جواب۔ سورۂ حج میں ہے فاذا وجبت فکلوا منھا الآیۃ یعنی جب بدن وغیرہ قربانیوں کے جانور ذبح ہو جائیں۔ تو ان میں سے کھاؤ۔ یہ آیت اپنے مفہوم کے اعتبار سے عام ہے جو تطوع اور فرض سب کو شامل ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حاجی کو قربانی کا گوشت کھانے کی اجازت ہے۔ وہ گوشت تمتع اور قران کے دم کی صورت میں ہو یا تطوع قربانی کی گئی ہو۔ بخاری اور مسلم میں حضرت عائشہ رضؓ سے مروی ہے کہ نحر کے دن ازواج مطہرات کیلئے گوشت لایا گیا۔ حضرت عائشہ رضؓ نے پوچھا کہ یہ کیسا گوشت ہے۔ جواب ملا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے اپنی ازواج رضؓ کی طرف سے قربانی کی ہے۔ منتقی میں ہے وھو دلیل علی الاکل من دم القران لان عائشۃ قارنۃ۔ اس حدیث میں دلیل ہے کہ قران کے باعث جو جانور ذبح کیا گیا ہے اس کا گوشت کھانا جائز ہے۔ اس لئے کہ حضرت عائشہ رضؓ قارنہ تھی۔ انہوں نے گوشت کھایا ہے۔ نیل الاوطار میں ہے کہ ظاہر یہی ہے کہ ہدی کا گوشت کھانا جائز ہے خواہ تطوع کی صورت میں ہو یا تمتع اور قران کے دم کی شکل میں ہو۔ البتہ جو جانور بصورت کفارہ یا بصورت نذر ذبح کیا جائے۔ کفارہ دینے والے یا نذر ماننے والے کے لئے اسکا گوشت کھانا جائز نہیں۔

محمد صدیق تلمیذ محدث روپڑی رح

اَللّٰھُمَّ اجعَل اَعمَالَنَا کُلَّھَا صَالِحَۃً وَاجعَلھَا لِوَجھِکَ خَالِصَۃً وَلَا تَجعَل لِاَحَدٍ فِیھَا شَیئًا (آمین)

ترتیب وتدوین تلمیذ محدث روپڑی ——— محمد صدیق بن عبد العزیز

ربیع الاول ۱۴۰۴ھ
مطابق دسمبر ۱۹۸۳ء

زیر اہتمام
اِدارہ اِحیاءُ السُّنَّۃِ النَّبَوِیَّۃِ
ڈی بلاک سٹیلائٹ ٹاؤن سرگودھا

تجارت کا بیان

مضاربت

سوال۔ زید نے بکر کو ہندوستان میں بطور مضاربت ایک ہزار روپیہ دیا ہے جو وہیں رہ گیا پاکستان میں آکر زید نے روپیہ کا مطالبہ کیا۔ کیا زید بکر سے اپنا روپیہ لینے کا شرعاً مجاز ہے یا نہیں؟

جواب۔ ویسے تو روپیہ دینا نہیں آتا۔ کیونکہ مضاربت کا روپیہ بطور امانت ہوتا ہے، مگر وعدہ کی بنا پر دینا چاہیئے۔ ہاں اگر مسئلہ معلوم نہیں تھا کہ یہ امانت ہے۔ تو پھر بے خبری میں وعدہ ہوا ہے اس بنا پر دینا لازم نہیں

عبداللہ روپڑی ؒ ماڈل ٹاؤن

۱۵ — ۱۱ — ۱۳۷۰ھ

مسئلہ دھڑت

سوال۔ بیع دھڑت جائز ہے یا نہیں۔ اس کی صورت یہ ہے کہ گاؤں کے زمیندار ایک دکاندار سے کچھ رقم لے لیتے ہیں، وعدہ یہ ہوتا ہے کہ زمینداروں کا غلہ وغیرہ جو باہر سے گھر آئے اس کو وزن کرے اور فی من ایک سیر مزدوری سے خریدے اس کا دلال یہ دکاندار ہے اور ان سے فی روپیہ دو پیسہ یا کم بیعی دھڑت وصول کرے، مزدوری وزن کرائی مشتری سے لی جائے بائع کو اس سے کوئی سروکار نہیں میرے نزدیک یہ تین وجہ سے ناجائز ہے۔

۱۔ بیع مجہول کی صورت ہے۔

۲۔ زمینداروں نے باہر کے تاجروں پر چیز کا محصول لگا رکھا ہے یہ محصول چنگی کی قسم میں سے ہے۔ جس کی ممانعت احادیث میں ہے۔

۳۔ وزن کرائی کی مزدوری بائع پر ہوتی ہے یہ مشتری سے لی جاتی ہے۔

۴۔ دکاندار جو باہر کے خریداروں کے اسباب کی دلالی لیتا ہے اور ہر چیز کی مزدوری حاصل کرتا ہے ورنہ ان کا مال بکتا نہیں۔ یہ دلالی بھی خلافِ احادیث ہے گویا دھڑت خریدنا ایک مجموعہ گناہ ہے۔ آپ تحریر فرمائیں۔

جواب۔ دھڑت تقریباً انہی وجوہ سے جو سائل نے لکھی ہیں میرے نزدیک درست نہیں

بلکہ یہ جوئے کی قسم سے ہے جیسے بیع حبل الحبلہ اور بیع الحصاۃ جاہلیت میں ہوتی تھیں۔ اسی قسم سے دھڑت ہے۔

(عبداللہ امرتسری)

تخمینہ سے فروخت

سوال ۔ بطور تخمینہ کسی چیز کا خرید لینا جب کہ وہ نظر کے سامنے ہے جائز ہے یا نہیں؟

ابو محمد عبدالجبار مدرس مدرسہ کلاں

صدر بازار دہلی ۱۵ رجب ۱۳۴۸ھ

جواب ۔ بطور تخمینہ کے کسی شے کو خریدنا اس میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ حدیث میں بیع صبرہ طعام یعنی ڈھیر غلہ کی اجازت آئی ہے بشرطیکہ جنس غیر ہو اور ادھار نہ ہو۔

(عبداللہ امرتسری)

جنگل یا دریا کا ٹھیکہ

سوال ۔ کسی جنگل یا باغ کا ٹھیکہ لینا درست ہے یا نہیں اکثر راجہ وزمینداروں سے لوگ اس قسم کا ٹھیکہ لیا کرتے ہیں۔

ابو محمد عبدالجبار

جواب ۔ حدیث میں بیع معاومہ (بیع سنین) سے منع فرمایا ہے اور زمین کو زراعت کے لئے سونا چاندی سے لینے کی اجازت دی ہے اور مساقات کی بھی اجازت دی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شے خود پیدا کرنی ہو اس کے ٹھیکہ کا تو کوئی حرج نہیں خواہ کئی سالوں کے لئے ہو۔ اور جو قدرتی پیدا ہو اس کا ٹھیکہ ایک سال سے زائد جائز نہیں، پس گھاس کا ٹھیکہ ایک سال کے لئے جائز ہوگا۔ اور درختوں کا جائز نہیں ہوگا۔ کیونکہ درخت ایک سال میں نہیں ہوتے اور یہ بھی احتمال ہے کہ بیع معاومہ سے آپ کی مراد یہ ہو کہ جو شے قدرتی پیدا ہو وہ ایک دفعہ کی پیداشدہ تو جائز ہے کئی دفعہ کی جائز نہیں۔ پس اس صورت میں جو درخت اس سال پیدا ہوں جس سال ٹھیکہ لیا ہے وہ جائز ہوں گے آئندہ کے نہیں۔ بہرصورت درختوں کا ٹھیکہ مشتبہ ہے ترک بہتر ہے مگر یہ اس زمین کا حکم ہے جو ملک ہے۔

راجے نواب تو عموماً لوگوں پر تنگیاں کرتے ہیں اور جنگلوں پر قبضہ کر لیتے ہیں ایسی صورت میں ٹھیکہ لینے والے کو چاہیئے کہ جتنے روپے والئے ریاست کو دیئے ہیں وہ اور اپنا محنتانہ لوگوں سے وصول کرے اگر اس سے زیادہ رقم آجائے تو وہ بیت المال یعنی غرباء کا حق سمجھے۔ ذالک لمن اتقیٰ

(عبداللہ امرتسری)

غصب شدہ ترکہ کی خرید و فروخت

سوال۔ ایک شخص اپنا مکان بیچ رہا ہے اور اس نے اپنی ہمشیرگان کو حصہ نہیں دیا اور نہ ہی اس کے دینے کا ارادہ ہے اور وہ مکان ایک ہندو کے پاس رہن ہے۔ ہندو شخص فائدہ اٹھا رہا ہے ایک مسلمان کا ارادہ ہے کہ اس مکان کو خریدے ہندو کو رقم دی جائے اور باقی روپیہ مالک مکان کو دے دیا جائے لیکن مالک مکان ہمشیرہ کو حصہ نہیں دیتا۔ اور مشتری یہ کہتا ہے کہ تم اپنی ہمشیرہ کو ضرور حصہ دو لیکن وہ نہیں مانتا کیا مسلمان کے لئے وہ مکان خریدنا جائز ہے۔

جواب۔ حقوق العباد کا معاملہ نازک ہے اس میں حتی الوسع احتیاط چاہیئے اگر اس مکان کے سوا اور جائیداد ہے جس میں اس شخص کی ہمشیرہ کا حصہ نکل سکتا ہے تو اس صورت میں خریدنے کی گنجائش ہے ورنہ احتیاط چاہیئے۔ ہاں یہ صورت تسلی بخش ہے کہ اس کی ہمشیرہ سے اجازت لے لے کہ میں تیرے بھائی کا مکان خریدنا چاہتا ہوں اس میں تیرا بھی حصہ ہے جو خرید میں آئے گا۔ کیا تو اس کی اجازت دیتی ہے۔ اگر وہ اجازت دے دے تو پھر ہمشیرہ کا حق ان پیسوں میں منتقل ہو جائے گا۔ جو بھائی لے گا۔ اب سارا بوجھ بھائی کے ذمہ ہے خریدار بری ہے کیونکہ ہمشیرہ کی اجازت ہے۔

(عبداللہ امرتسری)

اخبارات و ماہواری رسائل کی خرید

سوال۔ زید نے ایک رسالہ چوبیس صفحات کی ضخامت پر جاری کیا۔ جس کا چندہ پانچ روپیہ سالانہ پیشگی مقرر کیا۔ بکر کے پاس نمونتہً اپنا رسالہ بھیجا۔ بکر نے خریداری منظور کر کے پانچ روپیہ چندہ پیشگی ادا کر دیا چند دنوں کے بعد زید نے اس کی ضخامت بیس صفحات کر دی۔ بکر نے کہا اس طرح کرنا شرعاً ناجائز ہے۔

کیونکہ رسالوں کی خریداری بیع مسلم ہے بیع سلم میں شرط ہے کہ جیسا نمونہ ہو ویسے ہی چیز ہو اس لئے ہم بقایا چندہ واپس لینے کا حقدار ہوں اور شرعاً خریدنے کا حق نہیں رکھتا۔ دونوں میں سے کون حق پر ہے۔

جواب - اخبار یا ماہواری رسالہ کی خریداری بیع سلم کی قسم سے نہیں بلکہ اجارہ کی قسم سے ہے کیونکہ بیع سلم میں قیمت پیشگی دی جاتی ہے۔ اخباروں اور رسالوں کی قیمت کبھی پیشگی کبھی وسط سال کبھی اخیر میں وصول ہوتی ہے۔ نیز قیمت صرف صفحات یا سیاہی کاغذ یا کتابت، طباعت کی نہیں ہوتی بلکہ اصل مقصد مضامین ہیں جن کا حق تصنیف مرتب یا مصنف کو پہنچتا ہے باقی انتظامات اس کے تابع ہیں اور ظاہر ہے کہ تصنیف یا ترتیب یہ ایک قسم کی محنت ہے اور محنت کا سودا اجارہ کہلاتا ہے۔ پس اخباروں اور ماہواری رسالوں کا سودا اجارہ ہوا آگے پھر اجارہ کی دو قسمیں ہیں۔ اجارہ خاص۔ اجارہ عام۔

اجارہ خاص جیسے کوئی ملازم رکھا یا مزدور لگا لیا یا کوئی گھوڑا وغیرہ کرایہ پر لے لیا یا کوئی اور شے کچھ مدت کے لئے یا کچھ مسافت کے لئے کرایہ پر اپنے قبضہ میں کر لی جیسا ایک گھنٹہ کے لئے سائیکل یا ٹانگہ گاڑی وغیرہ لے لے۔ یہ اجارہ خاص ہے گویا کچھ مدت تک یا کچھ مسافت کے لئے معاوضہ کے ساتھ پورا قبضہ اس کو اجارہ خاص کہتے ہیں اور اس کے مقابل اجارہ عام یہ ہے کہ پورا قبضہ نہ ہو جیسے امیر لوگ کسی حکیم یا ڈاکٹر کی کچھ تنخواہ مقرر کر دیتے ہیں۔ کہ جب ہمارا کوئی بیمار آئے تو تم علاج کرنا یا عموماً زمیندار۔ لوہار۔ ترکھان۔ دھوبی وغیرہ سے بھری دھڑی کر لیتے ہیں۔ جس کو سیپ کہتے ہیں۔ اس طرح ٹانگہ موٹر۔ ریل کی سواری۔ درزی سے کپڑے سلانا اسی طرح دوسرے پیشہ وروں کو کسی محنت کا عوض دینا یہ اجارہ عام ہے۔ اخبار و ماہواری رسائل کی خریداری اسی دوسری قسم سے ہے اور ظاہر ہے کہ عام اجارہ میں تھوڑی بہت کمی بیشی مروج ہے جو شرع کے خلاف نہیں پس اس میں صرف نمونہ پر نہ رہنا چاہیئے بلکہ عام حالت دیکھنی چاہیئے ہاں جس بات کی شرط کر لی جائے حتی الوسع اس میں کمی نہ آنی چاہیئے۔ کیونکہ حدیث میں ہے المسلمون علی شروطھم یعنی مسلمان اپنی شرطوں پر ہیں۔

(عبداللہ امرتسری)

ذبح سے پہلے کھال کی قیمت مقرر کرنا

سوال - ایک گائے یا بکری وغیرہ کو پانچ آدمی مل کر کھانے کے لئے ذبح کریں ذبح کے پیشتر

کھال اور گوشت کی قیمت معین کر سکتے ہیں یا نہیں۔

(مستری عبدالعزیز فیروزوال باڑا)

جواب - حدیث میں ہے۔ لایباع صوف علی ظہر ولا لبن فی ضرع (بلوغ المرام)
یعنی اون بھیڑ اور دُنبے کی پیٹھ پر نہ بیچی جائے اور دودھ پوٹی میں نہ بیچا جائے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شے پیدائشی طور پر دوسری شے سے ملی ہوئی ہو اور اس وقت جدائی کے قابل ہو تو اس کو ملی ہوئی شکل میں فروخت نہ کرنا چاہیئے بلکہ جُدا کر کے فروخت کی جائے پس کھال اور گوشت وغیرہ کی قیمت ذبح سے پہلے معین کرنی ٹھیک نہیں، بلکہ کھال اتار کر اور گوشت کاٹ کر قیمت لگانی چاہیئے۔

(عبداللہ امرتسری ۳ ذی الحجہ ۱۳۵۲ھ)

جس گوٹہ کی بناوٹ میں دھوکا ہو اس کی فروخت کا شرعاً حکم

سوال - ہمارے ہاں یہاں اہلِ حدیث کھنڈیلہ گوٹہ سلمہ بناتے ہیں مگر اب ایک عرصہ سے ایسا گوٹہ چلا ہے کہ چاندی اس میں تھوڑی ہوتی ہے اور سوتر مسالہ بہت ہوتا ہے تانی جو اس میں لگتی ہے اس میں دھوکا ہوتا ہے کیونکہ تانی کے اندر اس طریقہ سے سیسہ مسالہ بھرا جاتا ہے کہ کسی کو معلوم نہیں ہوتا کہ یہ ریشم ہے یا مسالہ ہے، یہ مسالہ بڑا وزنی ہوتا ہے جس کو خریدنے والے اکثر دھوکا کھاتے ہیں۔ مگر یہ لوگ جن کو مال فروخت کرتے ہیں، وہ جانتے ہیں کہ اس کی تانی میں سیسہ ہے پھر جو لوگ ان سے خرید کر مال فروخت کرتے ہیں وہ اس کا عیب نہیں بتاتے۔ اور عوام الناس کو بغیر عیب بتائے بیچتے ہیں۔ آیا جو لوگ اس طرح کا مال فروخت کرتے، بناتے ہیں گنہگار ہیں؟ اور کیا ان کی کمائی حرام کی ہے یا حلال کی ہے؟

(ابو محمد عبدالجبار)

جواب - ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص ایسے لوگوں کے پاس انگور فروخت کرے جو ان کے شیرہ سے شراب بناتے ہیں تو وہ دیدہ دانستہ آگ میں داخل ہو گیا (بلوغ المرام)
اس حدیث کی بنا پر گوٹہ مذکورہ فی السوال کی فروخت منع معلوم ہوتی ہے اور غالباً ایجاد کرنے والوں اور بنانے والوں کی نیت بھی یہی ہوگی کہ اس پردہ پوشی سے یہ مال چل نکلے گا تو اس لحاظ سے اس کی اساس ہی خلافِ شرع ہے پس یہ کمائی حلال نہیں، ہاں اگر اشتہاری طریق سے اعلان کر دیا جائے جس سے عوام

بھی خبردار ہو جائیں۔ اور جب ان بنانے والوں سے براہِ راست عوام خریدیں۔ اس وقت بھی ان کو اطلاع کر دیں تو اس صورت میں امید ہے کہ یہ بنانے والے بری الذمہ ہو سکتے ہیں۔

(عبداللہ امرتسری)

نئے پرانے گوٹہ کی خرید و فروخت

سوال۔ پرانا گوٹہ نئے گوٹہ سے اگر خریدا جائے یا کم و بیش؟ یہاں پرانے گوٹہ کو صرف چاندی خیال کر کے خریدا جاتا ہے۔ اور اس کے عوض نیا گوٹہ نصف دیا جاتا ہے۔ یعنی نیا ایک تولہ دیا جاتا ہے۔ اور پرانا دو تولہ لیا جاتا ہے۔ تو کیا ایسا کرنا شرعاً درست ہے؟

جواب۔ وللاکثر حکم الکل کے اصول پر اس گوٹہ کی کمی بیشی کے ساتھ بیع جس میں چاندی تھوڑی ہے جائز ہے ورنہ عام طور پر سونا چاندی جو کانوں سے نکلتا ہے خالص نہیں ہوتا اور اکثر کو کل کا حکم نہ دیا جائے تو پھر اس کی بیع بھی کمی بیشی کے ساتھ جائز ہو جائے گی حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں۔

(عبداللہ امرتسری)

ترکاری غلّہ کے عوض اُدھار فروخت کرنا

سوال۔ آلو۔ بیر۔ خربوزہ یا ترکاری وغیرہ وزن کر کے بطور قرضہ دینا اور اقرار کرنا کہ فصل کے موقع پر اس قدر غلہ گندم لے لوں گا جائز ہے یا نہیں؟

(ابو یحیٰی)

جواب۔ جائز ہے۔ کیونکہ ترکاریاں نہ تو ان اشیاء سے ہیں جن کی بابت ربا کی تصریح آتی ہے نہ ان کی علت ان میں موجود ہے۔ مثلاً روپیہ پیسہ کی طرح ثمن بن سکے یا ذخیرہ ہو سکے یا طعام ہو یا جس قدر جنس ہو۔

(عبداللہ امرتسری)

مُردار کی ہڈی کی بیع

سوال۔ اہلحدیث جلد ۳۱ مورخہ ۱۵ ربیع الاول ۱۳۵۳ھ میں ایک سوال شائع ہوا ہے کہ حرام

مُردار کی ہڈی کی تجارت کرنا کیسا ہے ؟ مولانا ثناء اللہ صاحب نے جواب دیا ہے کہ حرام کی ہر چیز حرام ہے اور اس کی بیع بھی حرام ہے"۔

مولانا کا یہ عام قیاس صحیح نہیں مشکوٰۃ باب الرجل میں ہے ۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم یا ثوبان اشتر لفاطمۃ سوارین من عاج

یعنی "اے ثوبان فاطمہ کے لئے ہاتھی دانت کے دو کنگن لاؤ"

ہاتھی بالاتفاق حرام ہے مگر جب خود حضورؐ نے صاحب زادی کے لئے خریدنے کا حکم فرمایا ہے ۔ تو اس سے حرام جانور کی ہڈی کی خرید و فروخت کا جواز ثابت ہوگیا ۔ واللہ اعلم

(عبدالرزاق کلکتہ)

جواب - بعض کہتے ہیں ہڈی میں جان ہے بعض کہتے ہیں نہیں اگر ہڈی میں جان نہ ہو تو وہ ہاتھی دانت کے حکم میں ہوسکتی ہے ورنہ نہیں ۔

امام شافعیؒ ہاتھی دانت کو نجس کہتے ہیں ، امام ابوحنیفہؒ پاک امام شافعیؒ حدیث کا یہ جواب دیتا ہے ۔ کہ عاج سے مُراد کچھوے کی پشت کی ہڈی ہے اور لغت میں عاج کے یہ معنی آتے ہیں ، بہرصورت حرام ہڈی کی تجارت مشتبہات سے ہے اس سے بچنا چاہیئے ۔

(عبداللہ امرتسری)

اُدھار اور نقد کے نرخ میں کمی بیشی

زمین

سوال - علاقہ بہاولپور میں زمین اس شرط پر ملتی ہے کہ جو شخص تمام قیمت ایک بار ادا کر دے اس کو مبلغ دو ہزار روپیہ دینا پڑتا ہے اور جو شخص قسطوں سے روپیہ ادا کرے اس کو اڑھائی ہزار روپیہ ادا کرنا پڑتا ہے کیا از روئے شریعت قسطوں پر زمین لینی جائز ہے ۔

جواب ۔ اس میں سود نہیں کیونکہ زمین لینے والے کے ذمہ ریاست کا کوئی قرض نہیں کہ اس سے زیادہ وصول کرنے کی صورت میں سود لازم آئے ہاں یہ سودا ہے جس میں اُدھار نقد کا فرق ہے اور سودے میں ادھار نقد کا فرق جائز ہے ۔

(عبداللہ امرتسری)

گندم

سوال - ایک شخص اپنی گندم نقد زمانہ کے بھاؤ سے بحساب فی من دو روپے فروخت کرتا ہے اگر ادھار کچھ مدت کے لئے دے تو یہی گندم بحساب تین روپے فی من فروخت کرتا ہے کیا یہ ایک روپیہ زیادہ لینا سود نہیں ایسی تجارت جائز ہے یا نہیں۔

محمد حسین چک نمبر ۴۴۳۲ گ۔ب

ضلع لائلپور

جواب - ادھار زیادہ قیمت پر فروخت کرنا سود نہیں۔ کیونکہ نرخ بڑھتا گھٹتا رہتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ جس نرخ پر اس نے ادھار گندم فروخت کی ہے اس سے بھی زیادہ سستی ہو جائے اس لئے سود لازم نہیں آتا۔ حنفیہ، شافعیہ سب اس کے قائل ہیں امام شوکانیؒ نے اس بارہ میں مستقل رسالہ لکھا ہے جس کا نام شفاء العلل فی حکم زیادۃ الثمن لمجرد الاجل ہے جو منع کہتے ہیں وہ اس کو سود بتاتے ہیں مگر چونکہ گندم کا نرخ بڑھتا گھٹتا ہے اس لئے اس کو سود میں داخل کرنا ٹھیک نہیں۔

(عبداللہ امرتسری)

سلف وسلم

سوال - مجھ سے ایک شخص چار روپے لیتا ہے اور کہتا ہے کہ میں ایک من کپاس دے دوں گا۔ کپاس ابھی چھوٹی ہے، پھل نہیں پڑا۔ مگر اس کے پاس بوئی ہوئی ضرور ہے۔ گویا قیمت ختم کر کے لیتا ہے کہ چاہے اس وقت پانچ روپے فی من ہو یا تین روپے آپ کو چار روپے پر ملے گی۔ شرعاً ایسا کرنا جائز ہے؟

(محمد حسن چک نمبر ۸۰۱/۱ ڈاکخانہ خاص ضلع منٹگمری)

جواب - اس قسم کے بیع کو شرع میں بیع سلف اور بیع سلم کہتے ہیں۔ یہ جائز ہے مگر اس میں شرط یہ ہے کہ کھیت معین نہ کرے بلکہ صرف اتنا کہے کہ فلاں قسم کی کپاس اس نرخ پر فلاں وقت اتنے روپے میں لوں گا۔ اگر یوں کہے کہ فلاں کھیت سے، تو یہ ناجائز ہے کیونکہ حدیث میں ہے۔

عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عُمَرَ نَھٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ بَیْعِ الثِّمَارِ حَتّٰی یَبْدُوَ صَلَاحُھَا اَلْبَائِعَ وَالْمُشْتَرِیَ (متفق علیہ) مشکوٰۃ باب المنہی عنہ صـ ۲۳۸

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھلوں کی بیع سے منع فرمایا ہے یہاں تک کہ ان کی صلاحیت ظاہر ہو جائے بیچنے اور خریدنے والے دونوں کو منع فرمایا۔ دوسری روایت میں غلہ وغیرہ کے متعلق بھی یہی فرمایا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کھیت معین کرنا جائز نہیں ویسے جائز ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے مَنْ اَسْلَفَ فِیْ شَیْئٍ فَلْیُسْلِفْ فِیْ کَیْلٍ مَّعْلُوْمٍ وَّوَزْنٍ مَّعْلُوْمٍ اِلٰی اَجَلٍ مَّعْلُوْمٍ متفق علیہ (مشکوٰۃ باب السلم) یعنی جو شخص کسی شے کی قیمت پیشگی دے تو اس شے کا پیمانہ وزن (نرخ) معین ہونا چاہیئے اور مدت بھی معین ہونی چاہیئے۔

عبداللہ امرتسری ۲۰ر رجب ۱۳۵۸ھ مطابق ۶ر دسمبر ۱۹۳۹ء

بیع سلم اور اس کی شرائط

سوال - پونچھ کے بعض دیہات میں بہت رواج ہو گیا ہے عام لوگوں نے بیع سلم کی کئی قسمیں بنا رکھی ہیں لوگ بیع سلم کا نام سُن کر خاموش ہو جاتے ہیں لہذا بتائیں کہ بیع سلم کسے کہا جاتا ہے اور اس کی شرائط کیا ہیں۔ لوگوں نے مندرجہ ذیل سب قسموں کا نام بیع سلم رکھا ہوا ہے ان کی تفصیل یہ ہے۔

قسم نمبر۱ زید بکر کو دس روپے غلہ مکئی کے لئے ماہ ہاڑ میں دیتا ہے اور ان کے درمیان بیع یہ ہوتی ہے کہ پچیس سیر غلہ مکئی ماہ مگھر میں فی روپیہ ادا کر دوں گا۔ غلہ کے صاف اور خشک ہونے کی بیع بھی ہو جاتی ہے اس کے سوا کوئی شرط نہیں۔

قسم نمبر۲ زید بکر کو چالیس یا پچاس روپے کسی موسم میں دیتا ہے۔ میعاد ایک سال بھی ہوئی یا اس سے کم و بیش شرط یہ کہ جو اقرار روپے وصول کرنے کا ہو اس وقت اپنے روپے بھی سالم وصول کرنے اور ساتھ فی دہا کہ ایک من غلہ کی اس میں کچھ غلہ روپے دینے کے وقت وصول کر کے دیتا ہے اور کچھ رقم وصول کرنے کے وقت لیتا جاتا ہے اس کے سوا اور دیہاڑی ہاڑ اسوج و لکڑیاں وغیرہ بھی ساتھ شامل ہوتی ہیں، زید اس کو بھی بیع سلم کہتا ہے

قسم نمبر۳ زید بکر کو چالیس پچاس روپیہ دیتا ہے اور بکر سے کچھ زمین قریبًا قریبًا دس کنال یا کچھ کم و بیش لکھوا لیتا ہے کہ جب تم یہ رقم واپس دو گے تو زمین کے حق دار ہوں گے، زید اپنی رقم کی وصولی تک بکر کی اس زمین کی پیداوار کھاتا رہتا ہے اور فائدہ اٹھاتا ہے اپنی رقم سالم وصول کرنے کے بعد زمین واپس کرتا ہے۔

قسم ۴ بکر کو غلہ مکی کی ضرورت ہے وہ زید کے پاس جاتا ہے اور غلہ طلب کرتا ہے مگر بکر کے پاس
پیسے نہیں زید بکر کو بازاری بھاؤ سے دو تین سیر کم کر کے غلہ اُدھار پر دے دیتا ہے بھاؤ سے دو تین سیر جو کم
ہوا تو ادھار کے باعث زید اس کو بھی بیع سلم کہتا ہے۔

قسم ۵ بکر کو غلہ کی ضرورت ہوئی تو زید کے پاس گیا اور جتنے غلہ کی ضرورت تھی طلب کیا زید نے بکر کو بازاری
بھاؤ سے سیر یا دو سیر کم کر کے دیا جب بکر رقم لایا تو زید انکاری ہو گیا اور کہا کہ میں اس رقم کا غلہ گھر میں اس وقت
کے بھاؤ سے سیر یا دو سیر زیادہ لوں گا یہ ایک قسم کا جذبہ ہے کہ سوائی پہلے ہی چکا لیتے ہیں مثلاً ایک من غلہ مکی زید
نے بکر کو دیا اور سوا من چکا لیا۔ زید اس کو بھی بیع سلم کہتا ہے۔

جواب۔ بیع سلم کے جائز ہونے کی شرطیں حسب ذیل ہیں۔

(۱) مبیع کی جنس معلوم ہو مثلاً کہ وہ گیہوں ہے یا جو یا مکی یا باجرہ۔

(۲) یہ کہ اس کی جنس معلوم ہو کہ وہ جید یعنی کھری ہے یا ردی۔

(۳) یہ کہ اس کا نوع معلوم ہو مثلاً بارانی زمین کی ہے یا نہری زمین کی۔

(۴) یہ کہ وقت ادائیگی معلوم ہو جو کم از کم ایک مہینہ ہے اور زائد جو وقت مقرر کرے۔

(۵) یہ کہ مقدار مبیع معلوم ہو جس قدر بھی ہو۔

(۶) یہ کہ راس مال یعنی جو چیز کہ اب دی جا رہی ہے جس کے عوض میعاد مقررہ پر مبیع وصول کرنی ہے
اگر یہ راس مال تولنے یا ماپنے یا گننے کی چیز ہو تو اس کا معلوم کرنا بھی ضروری ہے۔

(۷) یہ کہ جس جگہ مبیع کو وصول کرنا ہے اس کا معلوم ہونا بھی ضروری ہے اگر مبیع ایسی چیز ہے جس کے
اٹھانے میں مشقت اور کرایہ خرچ ہوتا ہو پس جوابات ملاحظہ ہوں۔

قسم اول بیع سلم ہے اگر مبیع کی مقدار معلوم ہو کر وقتِ ادائیگی تاریخ بھی معلوم ہو جائے اور محل ادائیگی
بھی معین ہو جائے کہ آیا خریدار بیچنے والے کے گھر سے جا کر لائے گا۔ یا بیچنے والا خریدار کے گھر پہنچائے گا۔ یا
اس قسم کی اور تعیین ہونی چاہیئے۔ قسم دوم سوم ناجائز ہیں اور قسم چہارم جائز ہے اگرچہ بیع سلم نہیں ہے قسم پنجم میں
جب نرخ گراں کر کے کل رقم طے ہو چکی ہے تو خریدار کے ذمہ صرف وہ رقم مقرر شدہ ہے آگے اس کی مرضی
سے ہے موجودہ نرخ سے زائد دے یا نہ دے اس پر جبر نہیں ہے جو صرف مقرر شدہ رقم کا ہے نہ غلہ کا نہ غلہ کے
موجودہ نرخ سے زائد کا اور یہ بیع سلم بھی نہیں ہے۔ اور یہ جو اور قسم ہے کہ سوائی چکا لیتے ہیں یہ بھی حرام اور

سود ہے ناجائز ہے۔ عبدالرحمٰن عفی اللہ عنہ مدرسہ نعمانیہ واقعہ مسجد شیخ بڈھا مرحوم

امرتسر مورخہ ۲۴ ذی الحجہ ۱۳۵۶ھ

جوابات درست ہیں۔ محمد حسن مدرسہ نعمانیہ امرتسر

الاجوبۃ صحیحۃ عبدالکبیر عفا اللہ عنہ مدرسہ نصرۃ الحق امرتسر

جواب۔ جوابات صحیح ہیں۔ مگر قسم پنجم میں مقررہ نرخ سے زائد اگر اس خیال سے دے کہ آئندہ مجھے یہ ادھار دیتا رہے گا اگر زیادہ نہ دوں تو شاید پھر یہ ادھار بند کر دے گا۔ اس خیال سے دینا ایک قسم سود ہے۔ اس سے پرہیز ضروری ہے نیز قسم چہارم پنجم میں بازاری نرخ سے اتنا کم مقرر نہ کیا جائے کہ سال میں کبھی بھی اتنا کم ہونے کا خیال نہ ہو اگر ایسا ہو تو اس میں بھی سود کا شبہ ہے نیز ایک شرط یہ بھی ہے کہ غلہ کے بدلے غلہ نہ ہو کیونکہ حدیث میں اس کو سود کہا ہے اور مدت کم سے کم ایک ماہ شرط نہیں۔ کیونکہ حدیث میں اس کا ثبوت نہیں۔

عبداللہ امرتسری روپڑ ضلع انبالہ ۱۹ محرم ۱۳۵۷ھ

پھاٹک میں دیئے گئے مملوکہ جانوروں کی نیلامی

سوال۔ سرکاری پھاٹک میں جو حیوانات مملوکہ غیر دیئے جاتے ہیں، وہ میعاد معینہ کے بعد نیلام کر دیئے جاتے ہیں۔ لوگ ان کو خرید کر تجارت کے لئے لاتے ہیں جن کو قربانی کے لئے خریدا جاتا ہے۔ حالانکہ علم ہوتا ہے کہ یہ نیلام شدہ جانور ہیں زید کہتا ہے کہ یہ جانور خریدنا باوجود علم درست نہیں کیونکہ ملک غیر ہیں سرکاری قانون خلافِ شرع ہے اس سے ملک غیر کا ازالہ نہیں ہوا۔ چنانچہ مالک کو علم ہو جاتا ہے تو وہ ناراض ہوتا ہے اور رنج کرتا ہے۔ پھر وہ لینا چاہتا ہے تو اس کو دیتے نہیں ہیں بکر کہتا ہے یہ جانور لینے دیتے جائز ہیں قربانی ہو سکتے ہیں۔ ان کا کھانا جائز ہے مالک نے ان کو کیوں چھوڑا۔ جب سرکار نے تصرف کیا تو یہ تصرف شاہانہ ہے جس سے ملک غیر کا ازالہ ہوا دونوں کا محاکمہ فرمایا جائے۔ سائل دین محمد از سرگودھا

جواب۔ حدیث سے ثابت ہے کہ اگر کسی مسلمان کا مال جنگ میں کفار لے جائیں۔ پھر کسی وقت اہلِ اسلام کے ہاتھ آ جائے تو وہ اسی مسلمان کا حق ہے جس کا پہلے تھا۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف شاہانہ تصرف کافی نہیں بلکہ وہ تصرف شرعی حدود میں ہونا چاہیئے۔ ہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ حدیث میں گناہ کی روک تھام کا حکم ہے جس کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اس مال کو مقررہ میعاد کے بعد نیلام کر دیا جائے

اس لئے یہ خریدنا درست ہوگیا لیکن اس میں شبہ ہے کہ یہ روک تھام کی شرعی صورت نہیں شرعی صورت یہ ہے کہ اگر رات کو نقصان کریں تو تاوان مویشیوں کے مالک پر ڈالا جائے اگر دن کو کریں تو کھیت والے ذمہ دار ہوں. سلیمان علیہ السلام کے فیصلہ کے مطابق جس کا اشارہ قرآن مجید میں ہے کھیت کے نقصان کی صورت میں مویشی والوں پر تاوان یہ ہے کہ کھیت مویشی والوں کے حوالہ ہونا چاہئے تاکہ وہ کھیت کی پرورش کریں اور مویشی کھیت والوں کے حوالہ ہو. تاکہ وہ اس سے فائدہ اٹھائیں، جب کھیت اس حالت پر آجائے جب مال مویشی کے چرنے کے وقت تھا، تو کھیت صاحب کھیت کے حوالہ کیا جائے اور مویشی صاحب مویشی کے اس بناء پر حکومت کا میعاد مقررہ کے بعد مویشیوں کو نیلام کرنا یہ گناہ کی شرعی روک تھام نہیں. اگرچہ بعض صورتوں میں یہ شرعی بن سکتی ہے مثلاً مویشی کے مالک نے دیدہ دانستہ اس کا ارتکاب کیا ہو مگر علی العموم یہ شرعی صورت نہیں. اس کے علاوہ اس میں شبہ بھی ہے کہ حکومت نیلام کے بعد نہ تو صاحب کھیت کا نقصان دیتی ہے نہ مالک مویشیوں کی بھول چوک کی پرواہ کرتی ہے نہ اس بات کا اندازہ کرتی ہے کہ نقصان بہت تھوڑا ہوا ہے اور مال مویشی بہت زیادہ قیمت کا ہے بلکہ وہ اپنے قانون کی پابندی میں سب جگہ یکساں حکم نافذ کرتی ہے اس لئے اس میں اصل فیصلہ یہ ہے کہ یہ مال مشتبہ ہے جس سے بچنے کا حکم ہے۔ (عبداللہ امرتسری)

سارنگی طبلہ کیلئے لکڑی کی فروخت

سوال۔ زید سے ایک شخص نے ایک درخت شیشم ڈھول سارنگی طبلہ وغیرہ بنانے کی غرض سے خریدا ہے زید موحد مسلمان ہے اس کو منع کیا گیا کہ یہ بیع جائز نہیں زید اس پر تقاضا کرتا ہے کہ یہ بیع جائز ہے آپ کی اس بارہ میں کیا رائے ہے۔ محمد ادریس خطیب مسجد اہلحدیث مقام شیر نگر ضلع منٹگمری

جواب۔ بریدہؓ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا. من حبس العنب ایام القطاف حتی یبیعہ ممن یتخذہ خمرا فقد تقحم النار علی بصیرۃ رواہ الطبرانی فی الاوسط باسناد حسن. جو شخص انگور کاٹنے کے دنوں میں روک رکھے یہاں تک کہ اس شخص پر فروخت کرے جو اس کی شراب بناتا ہے تو وہ دیدہ دانستہ جہنم میں گیا. اس کو طبرانی نے اوسط میں اچھی سند سے روایت کیا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب معلوم ہو جائے کہ یہ شخص اس چیز کو ناجائز محل میں استعمال کے لئے خرید رہا

ہے تو اس پر وہ شے فروخت نہ کرے۔ اس بنا پر زید کی اس میں سخت غلطی ہے جب اس کو معلوم تھا۔ کہ میری لکڑی ڈھول سارنگی وغیرہ بنانے کے لئے خریدی جارہی ہے تو اس نے کیوں فروخت کی ہے۔ عبداللہ امرتسری

میلہ مویشیاں میں دکان کرنا

سوال ۔ میلہ مویشیاں میں دکان کرنا کیسا ہے ؟

جواب ۔ قبروں وغیرہ پر جو میلے ہوتے ہیں۔ ان میں دکان کرنا بالکل درست نہیں۔ کیونکہ وہ خلاف شرع ہیں دکان سے میلے کی رونق بڑھتی ہے۔ گناہ کے کام کو رونق دینا شرعاً حرام ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے قریب ایک لشکر بیت اللہ کو گرانے کے لئے آئے گا۔ جب بیداء (مدینہ منورہ کے نزدیک ایک جگہ ہے) میں پہنچے گا تو دھسایا جائیگا حضرت عائشہ رضؓ نے کہا یارسول اللہ ان میں خرید و فروخت والے بھی ہوں گے فرمایا وہ بھی دھسائے جائیں گے۔ اور قیامت کے دن اپنی نیتوں پر اٹھائے جائیں گے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گناہ کے مجمعوں میں سودا وغیرہ فروخت کرنا جائز نہیں۔ ورنہ سودا وغیرہ فروخت کرنے والے دوسروں کے ساتھ نہ دھسائے جاتے ہاں اس حدیث سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس درجہ کے مجرم نہیں۔ جس درجہ کا یہ لشکر مجرم ہے کیونکہ ان کی نیت بیت اللہ کے گرانے کی نہیں اسی لئے فرمایا کہ یہ قیامت کے دن اپنی نیتوں پر اٹھائے جائیں گے لیکن پھر بھی دنیا میں ساتھ دھسائے جانے سے معلوم ہوتا ہے کہ گناہ کے مجمعوں کو رونق دینا غیر معمولی جرم ہے خدا اس سے محفوظ رکھے۔ آمین

عبداللہ امرتسری روپڑ ضلع انبالہ ۱۳ ذی قعدہ ۱۳۵۷ھ ۵ جنوری ۱۹۳۹ء

ناجائز مال کی خرید و فروخت

سوال ۔ کیا اس جائیداد کا خریدنا جائز ہے جس سے بھائی اپنی ہمشیرہ کو حقِ وراثت نہ دے ؟

جواب ۔ حقوق العباد کا معاملہ نازک ہے اس میں حتی الوسع احتیاط چاہیئے۔ اگر اس مکان کے سوا اور جائیداد ہے جس میں اس شخص کی ہمشیرہ کا حصہ نکل سکتا ہے تو اس صورت میں خریدنے کی کچھ گنجائش ہو سکتی ہے ورنہ احتیاط چاہیئے۔

ہاں یہ صورت تسلی بخش ہے کہ اس کی ہمشیرہ سے اجازت لے لے کہ میں تیرے بھائی کا مکان خریدنا

چاہتا ہوں اس میں تیرا بھی حصہ ہے جو خرید میں آئے گا کیا تو اس کی اجازت دیتی ہے اگر وہ اجازت دے دے تو پھر ہمشیرہ کا حق ان پیسوں میں منتقل ہو جائے گا جو بھائی لے گا۔ اب سارا بوجھ بھائی کے ذمہ ہے خریدار بری ہے کیونکہ ہمشیرہ کی اجازت ہے، عبداللہ امرتسری روپڑ ضلع انبالہ ۶ رجب ۱۳۵۶ھ ۱۲ دسمبر ۱۹۳۷ء

شے کا مول اس کی قیمت سے زیادہ بتانا

سوال۔ کیا کسی شے کا مول اس کی قیمت سے زیادہ کرنا جائز ہے؟

جواب۔ جس شے کا مول بجائے بیس کے تیس بتلایا جا سکتا ہے وہ وہی ہوتی ہے جس کا کوئی بازاری نرخ نہیں ہوتا۔ جیسے گائے بھینس وغیرہ سو ایسی شے کی زیادہ قیمت کرنا کوئی حرج نہیں کیونکہ معلوم نہیں کہ سودا کتنے پر ٹھہرے گا۔ ہاں کسی ناواقف کو پھنسانا مقصود نہ ہو مثلاً کوئی بالکل ناواقف ہو اور اس کو شے کی اتنی زیادہ قیمت بتا دی جائے کہ اتنے کی وہ کسی کے نزدیک نہ بن سکے اور وہ بیچارہ ناواقفی سے پھنس جائے۔ تو یہ دھوکا ہو گا جس کی بابت حدیث میں ہے۔ من غش فلیس منا جو دھوکا دے وہ ہم سے نہیں۔

عبداللہ امرتسری ۲۱ فروری ۱۹۳۶ء

زمین اور اس میں رجوع کی غیر میعادی شرط

سوال۔ بکر نے زید کو قرضہ دیا اس کی حفاظت کے لئے کہا کہ تم اپنی زمین کو بیع کر دو جب تم روپے واپس کر دو گے تو میں زمین چھوڑ دوں گا۔ چنانچہ زید سے بکر نے اپنے بیٹے کے نام زمین بیع کروا لی پندرہ بیس سال کے بعد بکر مر گیا، زید نے کہا کہ تم رقم لے لو اور زمین واپس کر دو۔ بکر کے بیٹے نے کہا کہ ایسا کوئی معاہدہ نہیں ہوا لہٰذا زمین واپس نہیں ہو گی۔ زید نے کہا کہ تم قسم کھا لو اگر ایسا معاہدہ نہیں ہوا۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر بکر کا بیٹا قسم دینے سے انکاری ہو تو زمین زید کو واپس مل سکتی ہے یا نہیں۔

حاجی امام دین ولد کرم بخش ساکن ددوہ

جواب۔ حضرت بریرہؓ کی حدیث میں ہے کہ جو شرط بیع میں خلاف شریعت ہو اس کا اعتبار نہیں سوال کی صورت بھی اس قسم سے ہے اس میں جو شرط فسخ بیع کی لگائی گئی ہے بالاتفاق باطل ہے کیونکہ یہ شرط خیار کی قسم سے نہیں ہو سکتی وہ تو صرف اس غرض سے ہوتی ہے کہ ذرا سوچ سمجھ لیا جائے مثلاً ایک شے

فروخت کی اور دو چار روز کی مہلت لے لی کہ میں سوچ سمجھ لوں اگر بیع رکھنی مناسب سمجھی تو قائم رکھوں گا ورنہ توڑ دوں گا۔ اسی طرح خریدنے والا بھی کر سکتا ہے مگر سوال کی شرط تو اس قسم سے نہیں اور دوسری کوئی شرط جواز کی ہی نہیں بن سکتی اس لئے یہ باطل ہے پس زید کا کوئی حق نہیں کہ بکر سے زمین واپس لے۔

اس کے علاوہ اور سنئے موطا امام مالک رحمہ باب مَا یَفْعَلُ فِی الْوَلِیْدَۃِ اِذَا بِیْعَتْ وَالشَّرْطُ فِیْھَا میں ہے۔ اِنَّ عَبْدَاللّٰہِ ابْنَ مَسْعُوْدٍ اِبْتَاعَ جَارِیَۃً مِنْ اِمْرَأَتِہٖ زَیْنَبَ الثَّقَفِیَّۃِ وَاشْتَرَطَتْ عَلَیْہِ اَنَّکَ اِنْ بِعْتَھَا فَھُوَ لِیْ بِالثَّمَنِ الَّذِیْ تَبِیْعُھَا بِہٖ فَسَاَلَ عَبْدُاللّٰہِ بْنُ مَسْعُوْدٍ عَنْ ذَالِکَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ فَقَالَ لَا تَقْرَبْھَا وَفِیْھَا شَرْطٌ لِاَحَدٍ۔ یعنی عبداللہ بن مسعودؓ نے اپنی بیوی سے ایک لونڈی خریدی بیوی نے یہ شرط کی کہ اگر آپ اس کو کسی پر فروخت کریں۔ تو جتنی قیمت سے فروخت کریں اتنی ہی سے یہ میری ہوگی۔ عبداللہ بن مسعودؓ نے اس کی بابت حضرت عمرؓ سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا ایسے حال میں آپ لونڈی کے قریب نہ جائیں جبکہ اس میں کسی کے لئے شرط ہو۔

اس لونڈی کی شرط سوال کی شرط سے بہت ہلکی ہے کیونکہ سوال میں تو بکر کو مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ شے واپس کرے۔ اس کو پاس رکھنے کا یا بیع کرنے کا یا ہبہ کرنے کا کوئی اختیار نہیں برخلاف اس لونڈی کے کہ اس میں عبداللہ بن مسعود کو پورے اختیارات دے دیئے گئے ہیں خواہ پاس رکھے یا ہبہ کرے یا فروخت کرے یا کسی اور قسم کا تصرف کرے کوئی رکاوٹ نہیں صرف فروخت کرنے کی صورت میں اتنی شرط ہے کہ جتنے میں کسی اور کو دیں اتنے میں یہ بائع کی ہے مگر باوجود اس کے حضرت عمرؓ نے عبداللہ بن مسعودؓ کو اس لونڈی سے فائدہ اٹھانے سے منع کر دیا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ کا اس لونڈی پر پورا قبضہ نہیں ہوا پس سوال کی صورت میں اگر شرط کو قائم رکھا جائے تو بکر بطریق اولیٰ زمین سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ چونکہ بکر نے تصریح کی ہے۔ کہ مجھے اس زمین کا حصہ دے چھوڑنا اور زید نے بھی اس بات کو منظور کر لیا ہے اور اس پر عملدرآمد کرتے ہوئے حصہ دیتا رہا ہے تو اب یہ شرط قائم نہیں رہ سکتی کیونکہ دونوں کے عملدرآمد سے بیع مکمل ہو گئی

گروی سے نفع اٹھانے کے عدم جواز پر نئی دلیل

اس حدیث سے گروی شے سے فائدہ اٹھانا بھی ناجائز ثابت ہوا۔ کیونکہ جب بیع میں صرف ایک شرط ہونے کی صورت میں فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے تو گروی جس میں شے بالکل مالک کی رہتی ہے۔ اس سے فائدہ اٹھانا کس

طرح جائز ہوگا۔ اور بیع اس کو نہیں بنا سکتے کیونکہ فریقین اس کو بیع نہیں بناتے برخلاف سوال کی صورت کے کہ فریقین نے اس کو بیع بنایا اور بیع میں لکھایا اس لئے سوال کی صورت کو مروجہ گرو۔ کا حکم نہیں دے سکتے اور مروجہ گرودی کا حکم گروی کا ہی رہے گا اور اس سے فائدہ اٹھانا سود کے حکم میں ہوگا۔

عبداللہ امرتسری ۱۲ فروری ۱۹۶۰ء

باپ کی فی سبیل اللہ دی ہوئی زمین کو بیٹے کا خریدنا

سوال ۔ ایک آدمی نے کسی کو زمین فی سبیل اللہ دی ہے اب جس کے پاس زمین ہے وہ فروخت کرنا چاہتا ہے جس نے زمین دی ہے اب اسی کا ایک لڑکا خریدنا چاہتا ہے کیا شریعت میں اس کو زمین خریدنی جائز ہے؟

جواب ۔ کوئی شخص فی سبیل اللہ دے کر خرید نہیں سکتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو منع فرمایا تھا۔ ہاں اولاد کے لئے کوئی ہرج نہیں۔ عبداللہ امرتسری ۱۴ مئی ۱۹۶۰ء

مُردار کے کچے چمڑے کی خرید و فروخت کا حکم

سوال ۔ مُردار کے کچے چمڑے کی خرید و فروخت جائز ہے یا نہیں؟

جواب ۔ اس سوال کا جواب تفصیل سے فتاوی اہلِ حدیث جلد اول ص ۲۴۳ پر گزر چکا ہے۔

فروخت کے وقت شرط

سوال ۔ مبیع موجود نہ ہو اور بائع مشتری قیمت کا فیصلہ کر لیں اور قیمت لے دے لیں اور شرط کر لیں۔ کہ اگر مبیع حاملہ نکلے تو پھر یہی قیمت رہے گی ورنہ نہیں کیا یہ درست ہے؟

جواب ۔ مبیع یعنی جو شے فروخت کی جاتی ہے اگر دونوں فریق نے دیکھی ہوئی ہو تو پھر اس کا کوئی حرج نہیں ورنہ وہ مجہول ہے اور مجہول کی بیع شرعاً درست نہیں۔ اس لئے حمل وغیرہ کی بیع پیٹ میں جائز نہیں۔ صرف بیع سلف خاص شرائط کے ساتھ جو احادیث میں آئی ہیں، جائز ہے لیکن سوال کی صورت اس قسم سے نہیں اور سوال کی صورت میں جو شرط کی گئی ہے وہ فاسد ہے کیونکہ حدیث میں ہے نہی رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم عن بیعتین فی بیعۃ (بلوغ المرام کتاب البیوع) یعنی ایک بیع میں دو بیع جائز نہیں سوال کی صورت میں دو بیع ہیں، اس لئے شرط مذکورہ فاسد ہے۔ اور یہ بیع ناجائز ہے۔

عبداللہ امرتسری ۲۷ جون ۱۹۴۱ء

جھٹکا کرنے والے کے پاس بکرا یا مینڈھا فروخت کرنا

سوال ۔ کیا جھٹکا کرنے والے کے پاس بکرا یا مینڈھا وغیرہ بیچنا جائز ہے۔

ابو محمد عبید مقام گلہ کرڑیالہ ڈاکخانہ ترنتاری ضلع امرتسر

جواب ۔ بلوغ المرام میں ہے۔ عن عبداللہ بن بریدۃ عن ابیہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ حَبَسَ الْعِنَبَ اَیَّامَ الْقِطَافِ حَتّٰی یَبِیْعَہٗ مِمَّنْ یَتَّخِذُہٗ خَمْرًا فَقَدْ تَقَحَّمَ النَّارَ عَلٰی بَصِیْرَۃٍ رواہ الطبرانی فی الاوسط باسنادٍ حسنٍ یعنی بریدہؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو انگور کاٹنے کے دنوں میں روک رکھے تاکہ شراب بنانے والے پر فروخت کرے تو وہ دیدہ دانستہ جہنم میں گھس گیا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حلال شے کو ایسے شخص پر فروخت نہ کرے جو اس کو حرام بنا دے جھٹکا چونکہ حرام ہے۔ اس سے حلال جانور حرام ہو جاتا ہے اس لئے جھٹکا کرنے والے پر فروخت نہ کرنا چاہیئے۔

عبداللہ امرتسری ۱۷ ربیع الاول ۱۳۵۹ھ

بیع بشرط واپسی

سوال ۔ ایک شخص کا یہ رویہ ہے کہ مکان کو اس شرط پر بیع لیتا ہے کہ جب تمہارے پاس روپے ہوں گے یہ مکان تمہیں کو واپس دے دوں گا، حالانکہ وہ مکان مالیت میں تین سو یا اڑھائی سو کا ہوتا ہے قریباً یکصد روپے کو بیع میں لیتا ہے اور کرایہ مکان دو یا ڈیڑھ روپیہ بیع کرنے والے سے لے لیتا ہے تو پھر کرایہ مکان لے کر اور اصل رقم بیع کی وصول کر کے مکان واپس کر دیتا ہے۔ کیا اس کا یہ فعل شریعت کی رو سے درست ہے۔

شیخ عبدالکریم قصبہ ڈیرہ بسی ضلع انبالہ

جواب ۔ حدیث میں ہے کہ اخیر زمانہ میں لوگ شراب کا نام بدل کر پی لیا کریں گے شخص مذکور کی

یہی حالت ہے وہ گرو کا نام بیع رکھ کر سود کھاتا ہے واپسی کی شرط بیع میں درست ہے لیکن اس سے یہ مقصد ہوتا ہے کہ ذرا سوچ سمجھ لے یا کسی سے مشورہ کی ضرورت ہو تو مشورہ لے لے۔ جس کی مدت فقہاء حنفیہ نے تو زیادہ سے زیادہ تین روز بتائی ہے اور اہل حدیث نے اگرچہ اس طرح کی حد بندی نہیں کی۔ مگر یہ بات ظاہر ہے کہ سوچنا سمجھنا نفع ونقصان کے لحاظ سے ہوتا ہے سو جیسا موقع ہو اس موقعہ کے لحاظ سے اس کے لئے کچھ میعاد رکھ لی جاتی ہے بعض دفعہ ایک آدھ گھنٹہ کافی ہوتا ہے۔ بعض دفعہ کئی دنوں کی ضرورت ہوتی ہے صورت بیع میں طے ہو جاتا ہے کہ اتنی دیر تک میں سوچ سمجھ لوں۔ اس کے بعد پختہ ہو جاتی ہے۔ سوال مذکور میں جو شرط ہے وہ سوچ سمجھ کے لئے نہیں بلکہ روپے کی خاطر ہے کہ جب طاقت ہوگی چھڑا لوں گا سو یہ بالکل آج کل کی مروجہ گرو ہے۔ بیع نہیں۔

ایک خرابی اس میں یہ ہے کہ بیع تحریر میں ہے اور شرط زبانی جو سراسر نزاع کا باعث ہے۔ شرعاً معاملات کا یہ طریق نہیں کہ تحریر کچھ اور زبان کچھ ہو۔ ظاہر کچھ اور باطن کچھ ہو۔ اگر خدانخواستہ کل اس کی طبیعت بدل جائے یا مر جائے اور اس کے وارث تحریر کے مطابق بیع پختہ کرلیں تو بتلایئے کہ زبانی شرط کس کام کی؟ پس یہ بیع بالکل مردود ہے۔ بیع نہیں بلکہ سود کھانے کا بہانہ ہے۔ عبداللہ امرتسری ۱۱ صفر ۱۳۵۷ھ

لڑکی یا بہن کا روپیہ لینا

سوال ۔ لڑکی یا بہن کا روپیہ لے کر نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب ۔ حدیث میں ہے اَیُّمَا امْرَأَةٍ نُکِحَتْ عَلٰی صَدَاقٍ اَوْ حِبَاءٍ اَوْ عِدَةٍ قَبْلَ عِصْمَةِ النِّکَاحِ فَهُوَ لَهَا وَمَا کَانَ بَعْدَ عِصْمَةِ النِّکَاحِ فَهُوَ لِمَنْ اُعْطِیَهُ (بلوغ المرام) یعنی جونسی عورت مہر پر یا عطیہ پر یا وعدہ پر نکاح پڑھے جو نکاح سے پہلے ہے تو یہ عورت کا مال ہے اور جو نکاح کے بعد ہو۔ وہ اسی کا ہے جس کو دیا گیا ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نکاح سے پہلے جو کچھ روپیہ لیا گیا ہے اگر عورت کو مہر میں نہیں دیا تو حرام ہے کسی کو یہ اختیار نہیں کہ اس روپے کو اپنے تصرف میں لائے۔ عبداللہ امرتسری

کتے کی قیمت۔ زانیہ کی خرچی۔ کاہن کی شیرینی

سوال ۔ عبدالحمید قاسم سیٹھ صاحب سیکرٹری یتیم خانہ اہل اسلام نے چھ سو دو بچوں کو ایک طوائف

اختر جان نامی کے گھر دعوت کے لئے محرم کی دسویں تاریخ کو روانہ کیا اور خود سیکرٹری صاحب نے طوائف کے گھر کا کھانا کھایا کیا اہلِ اسلام کو طوائف کے گھر کی دعوت قبول کرنی جائز ہے؟ کیا تیم شہر کی طوائف کے گھر کا کھانا کھا سکتے ہیں؟

جواب۔ مشکوٰۃ کتاب البیوع میں ہے۔ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَھٰی عَنْ ثَمَنِ الْکَلْبِ وَمَھْرِ الْبَغِیِّ وَحُلْوَانِ الْکَاھِنِ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ یعنی بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے کی قیمت، زانیہ کی خرچی اور کاہن کی شیرینی سے منع فرمایا ہے اس حدیث پر سب علماء متفق ہیں۔

ایک حدیث میں ہے۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثَمَنُ الْکَلْبِ خَبِیْثٌ وَمَھْرُ الْبَغِیِّ خَبِیْثٌ وَکَسْبُ الْحَجَّامِ خَبِیْثٌ (رواہ مسلم) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کتے کی قیمت خبیث ہے، خرچی زانیہ بھی خبیث ہے سنگی لگانے والے کا کسب بھی خبیث ہے۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ زانیہ کے گھر سے کھانا ناجائز ہے خاص کر جو قوم کے رہبر یا لیڈر ہوں ان کو زیادہ احتیاط چاہیے۔ کیونکہ ان کے عمل کا اثر لوگوں پر پڑتا ہے اور گمراہی پھیلتی ہے خدا محفوظ رکھے۔

عبداللہ امرتسری روپڑ ضلع انبالہ مورخہ ۱۰ر شعبان ۱۳۵۵ھ

بیع شراء کے وقت غیر محرم کی طرف نظر

سوال۔ نووی شرح صحیح مسلم باب النظر الی المخطوبۃ کے تحت میں قاضی عیاض نے بیع و شراء کی حالت میں مرد کو عورت کی طرف نظر بد پر اجماع کیا ہے[1] یہ کہاں تک درست ہے؟ آیت یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِھِمْ

جواب۔ نکاح کی خاطر عورت کا دیکھنا جائز ہے بلکہ آپ نے دیکھنے کی ترغیب دی ہے۔ جب نکاح کی خاطر جائز ہے تو بیع شراء کی خاطر بطریق اولیٰ جائز ہوا۔ کیونکہ نکاح میں تو انسان صرف عورت سے فائدہ اٹھانے کا مالک ہوتا ہے۔ بیع و شراء میں گردن کا مالک ہو جاتا ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑ ۲ر صفر ۱۳۵۳ھ

چوروں اور ڈاکوؤں وغیرہ سے بیع و شراء کا حکم

سوال۔ امام غزالی نے کیمائے سعادت، میں اور سید نذیر حسین مرحوم نے اپنے فتاویٰ میں فرمایا ہے

[1] قاضی عیاض نے بیع و شراء کے وقت غیر محرم کی طرف دیکھنے پر اجماع نقل نہیں کیا بلکہ ایک قوم سے اس کی کراہت نقل کی ہے جو اجماع کے خلاف ہے۔

کہ سود خوروں، چوروں، ڈاکوؤں، رشوت خوروں سپاہیوں وغیرہ سے بیع و شراء نہیں کرنا چاہیئے یہ کہاں تک درست ہے؟

جواب - بلوغ المرام کتاب البیوع میں ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ حَبَسَ الْعِنَبَ اَیَّامَ الْقِطَافِ حَتّٰی یَبِیْعَہٗ مِمَّنْ یَتَّخِذُہٗ خَمْرًا فَقَدْ تَقَحَّمَ النَّارَ عَلٰی بَصِیْرَۃٍ رواہ الطبرانی فی الاوسط باسناد حسن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص انگور کاٹنے کے دنوں میں انگور بند کر رکھے یہاں تک کہ شراب بنانے والے کے پاس فروخت کرے تو وہ دیدہ دانستہ آگ دوزخ میں گھسا۔

سبل السلام شرح بلوغ المرام میں اس حدیث پر لکھا ہے۔ اَخْرَجَہُ الْبَیْہَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ مِنْ حَدِیْثِ بُرَیْدَۃَ بِزِیَادَۃِ حَتّٰی یَبِیْعَہٗ مِنْ یَّھُوْدِیٍّ اَوْ نَصْرَانِیٍّ اَوْ مِمَّنْ یَعْلَمُ اَنَّہٗ یَتَّخِذُہٗ خَمْرًا فَقَدْ تَقَحَّمَ فِی النَّارِ عَلٰی بَصِیْرَۃٍ (سبل السلام جلد ۲ ص۱۶) یعنی بیہقی رح نے شعب الایمان میں اس حدیث میں یہ الفاظ زیادہ روایت کئے ہیں کہ جو شخص انگوروں کو بند رکھے یہاں تک کہ کسی یہودی، نصرانی کے پاس فروخت کرے جس کی بابت اس کو علم ہے کہ وہ ان کی شراب بنائے گا تو اس نے دیدہ دانستہ آگ دوزخ کی طرف پیش قدمی کی جب اپنی حلال طیب چیز اس بنا پر فروخت کرنی ناجائز ہوگی کہ دوسرا اس سے حرام شئے تیار کرے گا۔ تو اپنی حلال طیب چیز دے کر دوسرے کی حرام شئے لینا بطریق اولیٰ ناجائز ہوئی جیسے چوروں ڈاکوؤں کا مال جو حرام ہے کیونکہ اس میں دو خرابیاں ہیں۔ ایک تو ہمارے کھانے میں حلال کے عوض حرام آیا۔ دوسرے اس میں ان کو تقویت پہنچی۔ کیونکہ جب ان کی حرام کمائی سے ان کا لین دین چلتا رہا تو وہ بے دھڑک اپنی حرام کمائی کا سلسلہ جاری رکھیں گے لیکن یہ صورت اس وقت ہے جب ان کی آمد کا ذریعہ صرف حرام ہو اور اگر حلال ذریعہ بھی ہو تو اس وقت ان کا مال حلال حرام سے مخلوط ہے اس صورت میں ان کے ساتھ بیع و شرا لین دین مشتبہات کی قسم سے ہے جس کی تفصیل ہو چکی ہے کہ اس کی مثال چراگاہ یا کھیت کے آس پاس بکریاں چرانے کی ہے۔ خطرہ ہے کہ کہیں حرام میں واقعہ نہ ہو جائے اس لئے پرہیز کی کوشش کرنی چاہیئے لیکن اس کوشش کا یہ مطلب نہیں کہ ہر شخص کی بابت بیع شراء کے وقت تحقیقات کرے کہ کہیں یہ چور ڈاکو وغیرہ نہ ہو۔ بلکہ اس کوشش کا مطلب ہے کہ جب اتفاقیہ کسی وقت اس کا علم ہو جائے کہ یہ شخص ایسا ہے تو پھر اس سے پرہیز کی کوشش کرے ورنہ بے کھٹکا بیع و شراء لین دین کرتا رہے کیونکہ بیع شراء لین دین میں ایسی تحقیقات کا کہیں ثبوت نہیں بلکہ اگر

گیا ہو تو بیع و شراء لین دین کا سلسلہ ہی بند ہو جائے جو آیت کریمہ لا یکلف اللہ نفسًا الا وسعھا کے خلاف ہے ہاں کسی سے رشتہ ناطہ کرنا ہو یا کسی سے دوستانہ تعلق پیدا کرنا ہو یا اس قسم کا کوئی خاص معاملہ ہو تو اس صورت میں بے شک پوری تحقیقات کا حکم ہے حدیث میں ہے کہ انسان اپنے دوست کے مذہب پر ہوتا ہے پس سوچ سمجھ کر کسی سے دوستی لگاتا ہے۔ مگر افسوس آج کل دوستی تو کجا رشتوں ناطوں اور گہرے تعلقات میں بھی دین کی پرواہ نہیں کی جاتی۔ عبداللہ امرتسری روپڑ ۲ صفر ۱۳۵۲ھ

کمیشن کا مسئلہ

سوال ۔ جو شخص آرڈر بھجوائے اور تیار کردہ ادویہ یا دیگر اشیاء کی بکری میں اعانت کرے کیا اس کے ساتھ کچھ کمیشن مقرر کرنا جائز ہے؟

جواب ۔ کمیشن مقرر کر کے فی روپیہ کچھ دینا اس کا کوئی حرج نہیں۔ یہ دلالی کی قسم ہے اور یہ دلالی حدیث سے ثابت ہے ملاحظہ ہو۔ منتقی باب النہی ان یبیع حاضر لباد۔

عبداللہ امرتسری مدیر تنظیم روپڑ ضلع انبالہ

فوج کا ٹھیکہ لینا جس میں ذبح اور جھٹکہ دونوں ہوں

سوال ۔ زید سرکاری افواج کا ٹھیکہ دار ہے افواج میں جھٹکہ اور حلال گوشت سپلائی کرتا ہے۔ جھٹکہ کرنے کے لئے ہندو ملازم رکھا ہوا ہے زید کا حساب و کتاب بکر لکھتا ہے جس کی اجرت مبلغ پانچ روپیہ ماہوار ہے کیا بکر عند الشرع مجرم تو نہیں اور اس کی یہ کمائی حلال ہے اور ایسا ٹھیکہ جائز ہے؟ کیا اس سے قرض کی ادائگی شرعاً جائز ہے؟

جواب ۔ اس کتابت کا پیشہ حرام ہے کیونکہ جھٹکہ حرام ہے حدیث میں سود لکھنے والے پر خدا کی لعنت آتی ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ سود حرام ہے اس طرح جھٹکہ حرام ہونے کی وجہ سے اس کی کتابت حرام ہے۔ رہا اس سے قرضہ اتارنے کا مسئلہ سو اس میں تفصیل ہے وہ یہ کہ اگر قرضہ سودی ہے تو سود کی رقم میں اس کو دے سکتا ہے اصل رقم میں اس کو دینا جائز نہیں۔ کیونکہ اصل رقم جائز ہے اور سود کی رقم حرام ہے تو حرام میں حلال رقم دینا جائز نہیں، پس حرام کی رقم دے کر سود حرام سے چھٹکارا حاصل کرے اگر سود سے بغیر

حرام دیئے چھٹکارا ہو سکتا ہے۔ تو حرام کی یہ رقم بھی دینی جائز نہیں، اس صورت میں کسی اور کو دے کر اس کا چھٹکارا حرام سے کر دے۔ لیکن یہ بات یاد رکھنی چاہیئے۔ کہ اس ملازمت سے بھی استعفیٰ دے دے۔ حرام دے کر حرام سے چھٹکارا حاصل کرنے کی اجازت دینے کا یہ مطلب نہیں کہ آئندہ کے لئے بھی یہ سلسلہ حرام قائم رکھے بلکہ گذشتہ تنخواہ حرام کی جو وصول کر چکا ہے یا ٹھیکہ دار کے ذمہ ہے اس کے متعلق یہ فیصلہ ہے۔ عبداللہ امرتسری

کسب کا بیان

آڑھت اور کمیشن

سوال ۱) کمیشن یا آڑھت کا کاروبار کرنا شرعی حیثیت سے کیسا ہے؟ جائز ہے یا ناجائز؟ اگر جائز ہے تو حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن عمرؓ سے جو روایات مروی ہیں ان کا کیا مطلب ہے؟ حدیث پاک ۲۸۹ بخاری شریف کتاب البیوع میں درج ہے۔ لَا يَبِعْ حَاضِرٌ لِبَادٍ

اس کی تشریح حضرت ابن عباس لفظ سمسار سے فرماتے ہیں اور سمسار کی جو تفسیر مفسرین نے کی ہے وہ ہم کمیشن ایجنٹوں پر صادق آتی ہے۔

(۲) مذکورہ کاروبار ہی ایک آڑھت ہے اور دوسرا کمیشن آڑھت مال کے فروخت کنندہ سے لیا جاتا ہے اور کمیشن خریدار سے یہ دوطرفہ کمیشن آڑھت لینا کہاں تک صحیح ہے اور کمیشن جو خریدار سے لیا جاتا ہے اس کی ابتدا ہندوؤں نے اس بنیاد پر کی تھی کہ چونکہ خریدار رقم تین چار یوم بعد دیتا ہے یہ اس کا عوضانہ تھا لیکن اب یہ صورت نہیں ہے اور اب نقد رقم ہو تب بھی اور ادھار ہو تو بھی بہر حال خریدار سے کمیشن وصول کیا جاتا ہے بعض صورتوں میں تو خریدار رقم پیشگی بھی دے دیتے ہیں، اور کمیشن مقررہ شرح سے زیادہ دے دیتے ہیں اس لئے کہ ان کو مال زیادہ ملے۔ اور ان کے بیوپاری زیادہ بنیں۔

اس وضاحت کا مطلب یہ ہے کہ اب ہندوؤں والا نقطۂ نظر نہیں رہا بلکہ ابتدا اس نقطۂ نظر سے ہوئی تھی، اب ادھار، نقد کا کوئی سوال نہیں ہے۔

(۳) باہر سے بیوپاری ہمارے پاس مال (کپاس) لاتے ہیں اور ہم اس کو کارخانہ دار کے پاس شرط پر تول دیتے ہیں کہ اس کا نرخ دو ماہ کے اندر اندر جو چاہو طے کر لیں گے اور مال پر پچھتر فی صد رقم بھی لے لیتے ہیں۔ اس کو ہماری کاروباری اصطلاح میں (مدہ) کہتے ہیں۔ یعنی مدتِ متعینہ پر مال دینا اس کی

شرعی حیثیت کیا ہے؟

میں چونکہ خود آڑھت کا کام کرتا ہوں، کام شروع کرتے وقت سرسری طور پر تسلی کی تھی، چونکہ یہ کاروبار عام ہو رہا ہے اور ہم مسلمان ہی کر رہے ہیں اس لئے زیادہ تحقیق کی توجہ نہیں دی۔ اب حدیث کا مطالعہ کرتے ہوئے مذکورہ حدیث اور اس کی تشریح سامنے آئی جس سے میں پریشانی میں گیا ہوں کہ کہیں میں کسب حرام میں تو مبتلا نہیں ہوں۔ یہ بہت افسوس کا مقام ہے کہ بہت سارے گناہ کے کام اتنے عام ہو گئے ہیں کہ اب ہم ان کو گناہ سمجھتے ہی نہیں اس لئے میں پریشانی میں ہوں کہ ہو سکتا ہے یہ کاروبار بھی گناہ ہی ہو لیکن اس کی عمومیت کی وجہ سے اس کے گناہ ہونے کی حیثیت ختم ہو گئی ہو۔ خدا کے لئے جواب جلدی دیجئے گا تاکہ اس کی راہنمائی میں، میں کوئی قدم اٹھا سکوں۔ افادۂ عوام کے لئے اگر آپ اسے اخبار تنظیم اہل حدیث میں شائع فرما دیں تو یہ بہت ہی بہتر ہو گا۔

والسلام

محمد عمر، محمد عمر اینڈ کمپنی کمیشن ایجنٹ غلہ منڈی جہانیاں ضلع ملتان

جواب ۱، ۲ آڑھت کا کاروبار جائز ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ جہاں سودا ہوتا ہے اس زمین کا وہ ٹھیکہ دیتا ہے یا وہ آڑھتی کی ملک ہوتی ہے تو اس کے عوض آڑھت کی شکل میں اس کا کرایہ وصول کرتا ہے جیسے مکانات کے کرائے ہوتے ہیں اور وہ فروخت کے دوسرے انتظامات بھی کرتا ہے جیسے منشیانہ، مزدوری وغیرہ وغیرہ۔ اس بنا پر آڑھت جائز ہے خواہ خریدار اور فروخت کرنے والے دونوں سے لے بہر صورت اس کی شکل کرایہ وغیرہ کی ہے اور یہ چیز شرعاً ثابت ہے کیونکہ یہ دلالی کی قسم سے ہے خواہ اس کا نام کمیشن رکھا جائے یا آڑھت۔

ہندوؤں نے جس بنا پر اس کو شروع کیا تھا، اس کی شکل سُود کی تھی، اب سُود کی شکل نہیں رہی اس لئے وہ شے بھی ختم ہو گئی۔

حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن عمرؓ کی حدیث دلالی کے متعلق ہے اور دلالی بھی اس حدیث سے جائز ثابت ہوتی ہے صرف ایک صورت منع فرمائی ہے کہ شہری، جنگلی کا دلال نہ بنے۔ یہاں اب کوئی جنگلی نہیں دیہات کے لوگ شرعاً جنگلی نہیں جنگلی وہ لوگ ہیں جن کو شہری حالات کا پتہ نہیں ہوتا اور وہ آبادی سے بہت دور رہتے ہیں۔

شہری کو، جنگلی کا دلال بننا اس لئے منع ہے کہ دلال ایسے ناواقف لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں اور شہریوں

کا لحاظ کرتے ہیں اس لئے حکم ہے کہ جانگلی کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے وہ سودا اپنا آپ ہی فروخت کرے، ہاں بغیر دلالی کے، خیر خواہی کے طور پر اگر کوئی اس کا سودا فروخت کردے تو منع نہیں۔

(۳) تیسری صورت جائز نہیں کیونکہ بیع میں قیمت اسی وقت مقرر ہونی چاہیئے ہاں جواز کی صورت یہ ہوسکتی ہے کہ جو مال آڑھتی کے پاس ہے وہ گروی سمجھ لیا جائے اور مالک مال کو آڑھتی نے جو رقم دی ہے وہ قرض سمجھ لی جائے اور وقت مقرر کر لیا جائے کہ فلاں وقت تک قرضہ ہے اگر ادا نہ کیا گیا تو وہ شے فروخت کر کے اس سے پیسے پورے کر لئے جائیں گے مگر اس صورت میں آڑھت یا کمیشن نہیں لیا جائے گا۔ صرف اتنا لیا جائے گا جتنا ۲؍ فی صد رقم نہ لینے والے سے لیا جاتا ہے کیونکہ تول تولائی کی اُجرت اور منشیانہ اور مزدوروں کی محنت کا معاوضہ کچھ ہوتا ہے، یہ ایک قسم کی دلالی بن جائے گی اور گروی شے کا حکم یہ ہے کہ۔

خدانخواستہ۔ ہلاک ہو جائے تو ہلاک ہونے کے وقت جو اس کا بھاؤ تھا اتنی اس کی قیمت لگائی جائے گی اگر قرضے کے برابر ہوئی تو معاملہ صاف ہو گیا اگر قرض سے کم ہوئی تو مقروض کو باقی قرضہ دینا پڑے گا۔ اور اگر بڑھ گئی تو زائد رقم مالک مال کی ضائع ہو گئی، جس کے پاس مال ہے اسے بھرنی نہیں پڑے گی۔

فقط عبداللہ امرتسری روپڑی

جواب ۲؎۔ منڈیوں میں دو طرح کی اُجرت ہوتی ہے ایک زمین کی ملکیت کی بنا پر لی جاتی ہے ایک دو شخصوں کے سودا بنانے پر، پہلی ٹھیکہ کی قسم سے ہے جیسے کوئی شے کرایہ پر دیدے اس کے جواز میں تو کوئی شبہ نہیں۔ دوسری دلالی ہے یہ بھی احادیث سے ثابت ہے، مگر پہلی تو ہر صورت میں لے سکتا ہے کیونکہ وہ زمین کا کرایہ ہے۔ دوسری اگر دو شخصوں کا سودا بنائے تو لے ورنہ نہ لے۔ کیونکہ وہ محنت کا عوض ہے اگر بائع مشتری اتفاقیہ آپ ہی سودا کر لیں یا وہ دلال نہ بنانا چاہیں، تو یہ ان کو مجبور نہ کرے۔

عبداللہ امرتسری ۴ ذی الحجہ ۱۳۵۴ھ

علاج کر کے معاوضہ لینا

سوال۔ ایک شخص ایسا ہے جس سے لوگ بھی فائدہ بکثرت اٹھاتے رہتے ہیں اور اس کو کچھ نہیں دیتے وہ اگر چارہ، بھوسہ وغیرہ۔ ان سے لے لیوے تو کیا جائز ہے؟

جواب۔ قرآن مجید کے ساتھ جسمانی علاج کرے تو اس پر مقرر کر کے لینا درست ہے۔ چنانچہ

مشکوٰۃ باب الاجارہ میں بخاری کی روایت ہے۔ ان احق ما اخذتم علیہ اجرا کتاب اللہ۔ بہت حقدار شے جس پر تم اجرت لے سکتے ہو تو وہ کتاب اللہ ہے۔

آپ تو جڑی بوٹی کے علاج کرتے ہیں اس کا معاوضہ کیونکر جائز نہ ہوگا؟ بلکہ آپ سوال بھی نہیں کرتے ویسے ہی لوگ دے دیتے ہیں پس یہ بطریق اولیٰ درست ہوگا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنگی لگوا کر اس کی اُجرت دے دی چنانچہ مشکوٰۃ کے باب مذکور میں ہے۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ علاج معالجہ کا عوض جائز ہے۔ مشرکوں بے دینوں سے بھی جائز ہے۔ بخاری کی اوپر کی حدیث میں مشرکوں اور کافروں ہی سے لینے کا ذکر ہے۔ عبداللہ امرتسری

بنک کی مُلازمت

سوال ۔ آج کل جو بنک نکلے ہیں ان کی ملازمت کا کیا حکم ہے۔

صدر دین امام مسجد گھیاڑی ڈاک خانہ منڈی واربرٹن ضلع شیخوپورہ

جواب ۔ بنکوں میں چونکہ سود کا لین دین ہے اس لئے جائز نہیں حدیث میں سود کے لکھنے اور گواہی دینے والے پر لعنت آئی ہے۔ عبداللہ امرتسری

بے نماز کے گھر کا کھانا

سوال ۔ بے نماز کے گھر سے کھانے کا کیا حکم ہے؟

جواب ۔ بے نماز کی بابت صحیح یہی ہے کہ بالکل کافر ہے پس اس کے ساتھ کافروں کا سا سلوک چاہیئے۔ اور کفار کے متعلق حدیث میں آیا ہے کہ ان کے برتن بھی دھو کر برتتے۔ ہاں مجبوری کی حالت میں کچھ حرج نہیں۔ اور جن کے نزدیک بے نماز کافر نہیں ان کے نزدیک فاسق و فاجر ہونے میں کوئی شبہ نہیں اور جو لوگ ایسے فاجروں فاسقوں سے نفرت نہیں کرتے ان کا ایمان خطرہ میں ہے۔ عبداللہ امرتسری

ادھیارہ کے منع کی صورت

سوال ۔ کسی جانور کو کسی سے اس شرط پر لینا کہ اس کے بچہ دینے کے بعد بچہ میں نصف تیرا

اور نصف میرا ہے کیا یہ جائز ہے ؟

جواب - عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِیْجٍ قَالَ کُنَّا اَکْثَرَ الْاَنْصَارِ حَقْلًا فَکُنَّا نُکْرِی الْاَرْضَ عَلٰی اَنَّ لَنَا ھٰذِہٖ وَلَھُمْ ھٰذِہٖ فَرُبَمَا اَخْرَجَتْ ھٰذِہٖ فَنَھَانَا عَنْ ذَالِکَ فَاَمَّا الْوَرَقُ فَلَمْ یَنْھَنَا اَخْرَجَاہُ (کتاب البیوع منتقیٰ)

یعنی بخاری اور مسلم میں رافع بن خدیج سے روایت ہے کہ ہم انصار میں سب سے زیادہ زمین والے تھے زمین کرایہ پر اس شرط پر دیتے تھے کہ اس میں اتنا ہمارا اور اتنا ان کا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس سے منع کر دیا۔ چاندی کے ساتھ دینے سے منع نہیں کیا۔

یہ حدیث اگرچہ زمین کی بابت ہے۔ مگر صورت اس کی وہی ہے جو سوال میں مذکور ہے کیونکہ مزدوری ایک ٹکڑے کی آمدنی مقرر کی گئی ہے اور وجہ نہی کی یہ بتلائی ہے کہ کبھی یہ نکالتی کبھی وہ۔ جب مزدوری سالم بچہ بکری کا یا آدھا بچہ مقرر ہو گیا تو خدا جانے بچہ ہو یا نہ۔ جیسے یہ ٹکڑا زمین کا جو وہ مقرر کرتے تھے کبھی غلہ دیتا تھا کبھی نہ۔

اس کے علاوہ اور دلیل بھی ہے منتقیٰ باب النہی ان یکون النفع والاجر مجہولا میں مسند احمد کی ایک روایت نقل کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔ نَھٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ اِسْتِیْجَارِ الْاَجِیْرِ حَتّٰی یُبَیَّنَ لَہٗ اَجْرُہٗ - یعنی کسی کو اجارہ پر لگانا جائز نہیں جب تک کہ اس کی اُجرت بیان نہ کی جائے۔

اب ظاہر ہے کہ بکری کا بچہ سر دست موجود نہیں، اس کا حال بھی معلوم نہیں کہ کیسا ہو گا۔ کیسا نہیں ہو گا اس لئے وہ مجہول ہے اور مجہول اجرت اس حدیث کی رو سے جائز نہیں، اور اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ بچہ قربانی میں نہیں لگتا۔ بحکم ان اللہ طیب لا یقبل الا طیبا۔ عبد اللہ امرتسری

ادھیارہ کے جواز کی صورت

سوال - ایک شخص نے ایک بچھڑی جس کی قیمت پندرہ روپے ہے کسی کو دے دی کہ وہ پرورش کرے۔ جب وہ بڑی ہوئی تو اس کی قیمت دو صد روپیہ ہے کیا مالک کو ادھیارے کے طور پر آدھ بانٹ لینا جائز ہے۔

جواب: مشکوٰۃ میں ہے۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ دَفَعَ اِلَی الْیَہُوْدِ خَیْبَرَ نَخْلَ خَیْبَرَ وَاَرْضَہَا عَلٰی اَنْ یَّعْتَمِلُوْہَا مِنْ اَمْوَالِہِمْ وَلِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ شَطْرُ ثَمَرِہَا۔ (رواہ مسلم (مشکوٰۃ باب المساقاۃ والمزارعۃ)

عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی کھجوریں اور زمین یہود کے حوالے کردیں کہ وہ اپنے خرچ سے ان کو آباد کریں اور نصف آمد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہو۔ یہ حدیث مساقات کے بارہ میں ہے اور مساقات کی تعریف مشکوٰۃ کے حاشیہ میں یوں لکھی ہے۔ اَلْمُسَاقَاتُ اَنْ یَّدْفَعَ الرَّجُلُ اَشْجَارًا اِلٰی غَیْرِہٖ لِیَعْمَلَ فِیْہَا وَیُصْلِحَہَا بِالسَّقْیِ وَالتَّرْبِیَۃِ عَلٰی سَہْمٍ مُعَیَّنٍ کَثُلُثٍ وَرُبُعٍ مساقات اسے کہتے ہیں کہ ایک شخص دوسرے کو معین حصے تہائی یا چوتھائی وغیرہ پر درخت حوالے کرے کہ ان میں کام کرے اور پانی سے ان کی اصلاح اور تربیت کرے۔ ادھیارے کی صورت قریبًا یہی ہے کہ ایک جانور معین حصے پر دوسرے کے حوالہ کیا جاتا ہے تاکہ وہ اس کی تربیت کرے پس وہ بھی اس حدیث کی رو سے جائز ہوگا۔

عبداللہ امرتسری ۲۳ راگست ۱۹۶۳ء

زمین کو ٹھیکہ پر دینا

سوال: زید کی زمین ایک بیگہ ہے بکر اس کو اس شرط پر آباد کرتا ہے کہ تم کو سال میں ایک من یا دو من جو یا گیہوں دیا کروں گا۔ اگرچہ اس زمین میں کھیتی ہو یا نہ ہو۔

جواب: یہ صورت جائز ہے، کیونکہ یہ سونے چاندی کے حکم میں ہے اور سونے چاندی کے ساتھ زمین کا دینا درست ہے ہاں اگر یہ کہے کہ اسی زمین کی پیداوار سے دوں گا، تو جائز نہیں، کیونکہ ایسا ہی ہے جیسے ٹکڑا مقرر کرلیا۔

عبداللہ امرتسری روپڑی ۱۲ محرم ۱۳۵۶ھ

مجسٹریٹی اور وکالت کا پیشہ

سوال: مجسٹریٹی اور وکالت کا شرعًا کیا حکم ہے۔

جواب: مجسٹریٹی پیشہ وکالت وغیرہ شبہ سے خالی نہیں، اگر انسان سچ کے ساتھ رہے اور سچ کی حمایت میں بیانات میں الٹ پلٹ بھی جائز ہو تو بھی ایسے پیشے خطرے میں ہیں کیونکہ قرآن مجید میں ہے من

لَمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰفِرُوْنَ اور دوسری آیت میں ھم الظّٰلِمُوْنَ ہے اور تیسری آیت میں ھم الفاسقون ہے اور ظاہر ہے کہ انگریزی قانون بہت جگہ شرع کے خلاف ہے تو کیا خطرہ نہیں کہ یہ پیشے کہیں ان آیات کے تحت نہ آجائیں شاید کوئی زیادہ کوشش کرے تو بچ بھی سکے۔ اور خلق خدا کی خدمت کا بھی اسے بہترین موقعہ مل سکے۔ مگر تاہم خطرہ ہے کہ کہیں ملوث نہ ہوجائے۔

خلاصہ یہ کہ حرمت کا فتویٰ تو نہیں۔ مگر بچنا ہر صورت اچھا ہے۔ تاکہ خطرات سے دور رہے۔

عبداللہ امرتسری از روپڑ ضلع انبالہ ۶ رجنوری ۱۹۳۹ء

وعظ کرکے سوال کرنا

سوال: بلا ضرورت وعظ کرکے سوال کرنا کیسا ہے۔

جواب: بلا ضرورت سوال تو ویسے ہی بُرا ہے وعظ کرکے مانگنا تو زیادہ بُرا ہے کیونکہ اس میں واعظ کی توہین ہے۔ عبداللہ امرتسری روپڑی ۷ محرم ۱۳۵۷ھ مطابق ۹ مارچ ۱۹۳۸ء

چپڑاسی سے ذاتی کام لینا

سوال: سکول میں ایک چپڑاسی ہے جو کہ سکول میں میرے کوارٹر کے نزدیک ہی رہتا ہے۔ شہر چونکہ دور ہے اس لئے بازار سے وہی سودا وغیرہ لاتا ہے۔ تنخواہ اس کو سرکاری ملتی ہے کیا اس سے کام لینا شرعاً جائز ہے۔

محمد عبداللہ بی اے سیکنڈ ماسٹر ڈی۔ بی سکول جلال آباد غربی فیروز پور ۱۲/۲ ۴۳ء

جواب: چپڑاسی سے سودا سلف منگوانا اس کا کوئی حرج نہیں۔ بشرطیکہ اس کی ڈیوٹی میں فرق نہ آئے جس پر اس کو تنخواہ ملتی ہے۔ سودا سلف کے علاوہ دوسرے کام لینے کی بھی یہی شرط ہے خواہ کھانا پکانا ہو یا کوئی اور کام ہو۔ سکول کے سقے کا بھی یہی حکم ہے۔ عبداللہ امرتسری

بدعتی کو سودا دینا جبکہ وہ بدعات کو پورا کرنے کیلئے سودا خریدے

سوال: تیجا، دسواں، چہلم، شب برأت، مولود وغیرہ بدعات کو پورا کرنے کی غرض سے اکثر لوگ میدہ، سوجی، کھانڈ، وغیرہ خریدتے ہیں۔ بعض دفعہ اس کا علم دکاندار کو ہوتا ہے اور بعض اوقات نہیں

ہوتا۔ لیکن شب برأت ، معراج وغیرہ کو تو بغیر ان کے بتائے بھی یہ علم ہوتا ہے کہ یہ چیزیں کس غرض کے لئے خریدی جارہی ہیں۔ سوال یہ ہے کہ ایسی حالت میں سودا فروخت کرنا شرعاً درست ہے کیا یہ بدعات کی تومدد نہیں ؟

جواب ۔ بلوغ المرام میں حدیث ہے جس میں ایسے شخص پر انگور فروخت کرنے کی ممانعت آئی جوان سے شراب بناتا تھا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جو شخص بدعات کو پورا کرنے کی غرض سے میٹھا وغیرہ خریدے اور فروخت کرنے والے کو علم ہو۔ کہ اس کی غرض یہی ہے خواہ بتانے سے علم ہو یا بغیر بتائے تو ایسے شخص پر فروخت نہ کرنا چاہیئے خدا تھوڑی بکری میں زیادہ برکت دے گا۔ عبداللہ امرتسری ۱۰ر صفر ۱۳۵۷ھ

مجہول شے کی بیع کا حکم اور جانور فروخت کرتے وقت شرط

سوال ۔ مبیع موجود نہ ہو اور بائع مشتری قیمت کا فیصلہ کر لیں اور قیمت لے دے لیں اور شرط کر لیں کہ اگر مبیع حاملہ نکلے تو پھر یہی قیمت رہے گی ورنہ نہیں کیا یہ درست ہے۔ یہ اہم مسئلہ ہے مبیعہ بھینس ادھیارے پر تھی جو قریب النتاج ہونے پر اسقاطِ حمل سے بیمار ہوگئی بعدہ کچھ عرصہ گزرنے پر شبہ کیا گیا کہ حاملہ ہے مگر مالک نے بغیر دیکھے تیس روپے قیمت ڈال دی اور نصف قیمت پندرہ روپے وصول کر لی، اور شرط کر لی کہ اگر حاملہ ثابت ہوگئی تو پھر یہ قیمت نہیں ہوگی بلکہ وضع حمل پر ادھیارہ ہوگا۔ مبیعہ کا عرصہ ہو رہا ہے اور حاملہ معلوم ہو رہی ہے جواب طلب یہ ہے کیا یہ بیع اور شرط فاسد ہے یا نہیں ؟ سائل

جواب ۔ مبیع جو شے فروخت کی جاتی ہے اگر دونوں فریق نے دیکھی ہوئی ہو۔ تو پھر اس کا کوئی حرج نہیں ورنہ وہ مجہول ہے اور مجہول کی بیع شرعاً درست نہیں۔ اسی لئے حمل وغیرہ کی بیع پیٹ میں جائز نہیں صرف بیع سلف خاص شرائط کے ساتھ جو احادیث میں آئی ہیں جائز ہے لیکن سوال کی صورت اس قسم سے نہیں اور سوال کی صورت میں جو شرط کی گئی ہیں وہ فاسد ہے کیونکہ حدیث میں ہے ، نَھٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ بَیْعَتَیْنِ فِیْ بَیْعَۃٍ (بلوغ المرام کتاب البیوع) یعنی ایک بیع میں دو بیع جائز نہیں۔ سوال کی صورت میں دو بیع ہیں کیونکہ ادھیارہ ایک قسم کی بیع ہے اس لئے شرط مذکورہ فاسد ہے اور یہ بیع ناجائز ہے

عبداللہ امرتسری روپڑی

دودھ حاصل کرنے کیلئے بُلّا یا موڑی کا استعمال

سوال: دودھ والے جانور مثلاً گائے بھینس کو دودھ حاصل کرنے کے لئے بلا مارنا یا موڑی دینا کیسا ہے؟ اس طرح سے دودھ نکالے گئے کا حکم کیا ہے؟

عبداللہ لائل پوری

جواب: مشکوٰۃ باب المعجزات میں حدیث ہے کہ

یعلی بن مرہؓ کہتے ہیں، ایک سفر میں مَیں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تین باتیں دیکھی ہیں۔

۱۔ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جا رہے تھے۔ ایک ہلٹ کے اونٹ پر گزرے جب اونٹ نے آپ کو دیکھا تو وہ بڑبڑایا اور اپنی گردن زمین پر رکھ دی۔ آپ اس پر ٹھہر گئے فرمایا اونٹ والا کہاں ہے وہ آپ کے پاس آیا۔ آپ نے فرمایا یہ اونٹ مجھ پر فروخت کر دے۔ اس نے کہا کہ ہم ویسے ہی بطور ہبہ دیدتے ہیں لیکن یہ اونٹ ایسے گھر والوں کا ہے جن کا گزارہ اسی پہ ہے فرمایا اگر یہ بات ہے تو اس نے زیادتی کام اور کمی چارہ کی شکایت کی ہے پس اس کے ساتھ احسان کرو اور طاقت سے زیادہ اس پر بوجھ نہ ڈالو۔

۲۔ پھر چلے یہاں تک کہ ایک منزل میں اترے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سو گئے ایک درخت زمین کو چیرتا ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ یہاں تک کہ آپ کو ڈھانپ لیا۔ پھر اپنی جگہ کی طرف لوٹ گیا۔ جب جاگے تو میں نے آپ کے پاس یہ واقعہ ذکر کیا۔ فرمایا اس درخت نے خدا سے رسول اللہ پر (مجھ پر) سلام ڈالنے کے لئے اذن مانگا۔ خدا نے اذن دے دیا۔

۳۔ پھر ہم چلے ایک پانی پر پہنچے۔ وہاں ایک عورت آپ کے پاس اپنا ایک لڑکا لائی جس کو آسیب جن تھا۔ آپ نے لڑکے کے نتھنے پکڑ کر فرمایا نکل میں محمدؐ اللہ کا رسول ہوں پھر چلے جب واپس آئے تو اس عورت پر سے گزرے آپ نے اس سے بچہ کا حال پوچھا۔ عورت نے کہا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے ہم نے آپ کے بعد اس سے کوئی آسیب نہیں دیکھا۔

اس حدیث میں اونٹ کی شکایت کا ذکر ہے کہ کام زیادہ لیتے ہیں اور چارہ کم دیتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ جانور پر طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالے بُلّا مارنا یا موڑی دینا بھی ایک بوجھ کی قسم ہے اگر اس کو چارہ ملتا ہے اور دودھ ہے تو اس بوجھ کا کوئی حرج نہیں، اگر چارہ پورا نہ ملنے کی وجہ سے جانور کمزور ہے اور دودھ بھی برائے نام ہے تو اس تھوڑی سی طمع کے لئے اتنی تکلیف ٹھیک نہیں اور جن لوگوں کا خیال ہے کہ دودھ مکروہ ہو جاتا

ہے یہ خیال غلط ہے۔ اس کا کوئی ثبوت نہیں، وہ اس کو بے شرمی پر محمول کرتے ہوئے یہ خیال کرتے ہیں، مگر چارپاؤں کا کون سا کام پردہ میں ہے کہ اس کو بھی پردہ میں کیا جائے یہ فضول خیال ہے۔ ہاں ان کی تکالیف کا خیال رکھنا ضروری ہے سو اس کا اندازہ وہی ہے جو حدیث بالا سے مفہوم ہوتا ہے یعنی طاقت موافق بوجھ ڈالے اور چارے کا خیال رکھے رہا اتفاقیہ مرجانا تو یہ بعض دفعہ ڈنڈا محل بے محل مارنے سے بھی ایسا ہوجاتا ہے۔ ایسا ہی بُلاّ یا موڑی کے وقت بے احتیاطی سے سمجھ لینا چاہیئے ورنہ بلا یا موڑی کوئی ایسی شے نہیں۔ بلکہ صرف ایک قسم بوجھ ہے جس سے وجود ڈھیلا پڑجاتا ہے اور دودھ آتا ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑ ۸، صفر ۱۳۵۹ھ مطابق ۱۷ مارچ ۱۹۴۰ء

اُجرت کا بیان

مدارس اسلامی میں مدرسین کا تنخواہ لینا

سوال۔ معلمین جو مدارس اسلامی میں تعلیم دیتے ہیں، اگر وہ محنت و مشقت کرکے شکم پروری کریں، تو شاغل دینی فوت ہوتے ہیں، اگر اجرت علی التعلیم لیں تو ابوداؤد والی حدیث جس میں ایک قلمبند نے اپنے شیخ کو تبر دیا تو آپ نے بعد استفسار دوزخ کی آگ فرمایا اس گرفت میں داخل ہوتے ہیں علماء دین اس معاملہ میں کس جانب کو ترجیح دے کر عامل ہوں۔ جابر طالب علم فیروزپوری مدرسہ شمسیہ دیروwal ضلع امرتسر

جواب۔ اُجرت تعلیم قرآن کے جواز پر چار احادیث پیش کی جاتی ہیں۔

ایک وہ حدیث ہے جو حضرت ابن عباس سے مروی ہے۔ کہ ایک صحابی نے دم کرکے بکریاں لی تھیں۔ حضور کو جب علم ہوا تو آپ نے فرمایا۔ اِنَّ اَحَقَّ مَا اَخَذْتُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا کِتَابُ اللّٰہِ سب سے زیادہ حق دار شے جس پر تم اجرت لو کتاب اللہ ہے۔

دوسری وہ حدیث ہے جو سہیل بن سعد سے روایت ہے جس میں ہے کہ ایک عورت نے نکاح کے لئے حضور کے سامنے اپنے آپ کو پیش کیا آپ نے سر نیچے کرلیا ایک شخص نے کہا کہ آپ میرے ساتھ نکاح کردیں آپ نے اس سے پوچھا کہ مہر لاؤ اس نے کہا کہ مہر میں ادا کرنے کے لئے میرے پاس کچھ بھی نہیں، حتیٰ کہ لوہے کی انگوٹھی بھی نہیں پھر آپ نے دریافت کیا کہ قرآن یاد ہے اس نے کہا کہ قرآن تو یاد ہے آپ نے سورۃ بقر پر اس کا

نکاح پڑھا دیا۔

تیسری حضرت عائشہ کی حدیث ہے جس میں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ خلیفہ ہوئے تو فرمایا کہ میری قوم کو علم ہے کہ میرا پیشہ میرے اہل وعیال سے تنگ نہ تھا۔ اب میں مسلمانوں کے کام میں مشغول ہو گیا ہوں پس میں اور میرا اہل وعیال اس مال سے کھائیں گے۔ اور اسی میں حرفت کریں گے۔ (مشکوٰۃ باب الولاۃ)

چوتھی کنانہ العدوی سے منتخب کنز العمال جلد اوّل ص۲۶۸ میں روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے سپہ سالاروں کو لکھا کہ تمہارے علاقہ میں جتنے حفاظ قرآن ہیں ان کا پتہ دو تاکہ میں ان کو تنخواہ میں ترقی دوں اور گرد ونواح میں بھیجوں۔

جواب۔ از محدث روپڑی

پہلی حدیث پر بحث!

یہ چار احادیث اجرت تعلیم قرآن کی بابت پیش کی گئی ہیں پہلی حدیث سے یوں استدلال کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو فرمایا کہ بہت حقدار شے جس پر تم اُجرت لو، کتاب اللہ ہے اس فرمان کا محل اگرچہ دم جھاڑا ہے لیکن لفظ عام ہے ہر قسم کی اُجرت کو شامل ہے خواہ دم پر ہو یا تعلیم اور تلاوت وغیرہ پر ہو اور اصول کا مسئلہ ہے کہ اعتبار عموم لفظ کا ہے نہ خصوصیت سبب (محل) کا۔

دوسری حدیث سے یوں استدلال کیا گیا ہے کہ مہر وہ مال ہے جو عورت کو اس سے فائدہ اٹھانے کے عوض دیا جاتا ہے اور قرآن میں اس کو اجر کہا ہے، چنانچہ فرمایا۔ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ (پ۔ع ۱ول) یعنی عورتوں کو ان کے مہر دو۔ اس حدیث میں قرآن مجید کو مہر قرار دیا ہے تو معلوم ہوا کہ قرآن مجید بھی مال بن سکتا ہے، جس کی صورت یہ ہے کہ اس کے عوض اجرت درست ہو۔

تیسری حدیث سے استدلال کی صورت یہ ہے کہ تعلیم دینا اہل اسلام کی عام خدمت ہے اور اس خدمت کے کرنے والا کوئی دوسرا کام نہیں کر سکتا۔ پس حضرت ابوبکرؓ کی طرح وہ بھی اپنا گزارہ لے سکتا ہے۔

چوتھی حدیث سے استدلال ظاہر ہے، کیونکہ وہ صراحۃً تعلیم قرآن کی بابت ہے۔

میری تحقیق میں پہلی حدیث سے استدلال صحیح نہیں کیونکہ اعتبار اگرچہ عموم لفظ کا ہے لیکن "بہت حقدار" کا لفظ جیسے دم جھاڑے کی اجرت کو شامل ہے اسی طرح اگر اجرت تبلیغ وعظ اور تعلیم قرآن کو شامل ہو تو پھر اجرت تبلیغ وعظ اور تعلیم قرآن اعلیٰ کسب ہونا چاہیئے۔ حالانکہ اس کو اعلیٰ کسب کسی صورت نہیں کہا جا سکتا۔

یہی وجہ ہے کہ انبیاء کی بابت قرآن میں کثرت کے ساتھ اجرت کی نفی کی گئی ہے اوران کے حق میں اچھی نہیں سمجھی گئی اور علماء انبیاء کے وارث اور نائب ہیں توان کے حق میں یہ کسب ،، اعلیٰ قسم کا کس طرح ہو سکتا ہے۔ اگر کہا جائے کہ قرآن مجید میں کفار سے اجرت لینے کی نفی کی گئی ہے نہ کہ مسلمانوں سے کافروں کو چونکہ تبلیغ فرض ہے۔ اس لئے ان سے اس پر اجرت درست نہیں مسلمانوں سے درست ہے تواس کا جواب یہ ہے کہ فرائض کی تبلیغ سب کو فرض ہے خواہ مسلمان ہوں یا کافر اور غیر فرائض کی کسی کو بھی فرض نہیں۔ پس کافروں اور مسلمانوں میں فرق کرنا غلط ہے اس کے علاوہ اگر کافروں سے اجرت لینی منع ہے تو پھر پہلی حدیث کو جواز اجرت کے لئے پیش کرنا ٹھیک نہیں کیونکہ صحابہؓ نے کافروں سے اجرت لی، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کتاب اللہ پر اجرت لینا بہت حق ہے، اگر اس لفظ کو عام رکھا جائے جس میں تبلیغ، تعلیم، وعظ اور تلاوت سب داخل ہوں تو کفار سے اجرت لینا اس سے اول نمبر داخل ہوگا۔ اور کسب کی یہ اعلیٰ قسم ہوگی۔ حالانکہ قرآن مجید کے یہ خلاف ہے بہرصورت پہلی حدیث سے اجرت تبلیغ وتعلیم وغیرہ کا جواز ثابت کرنا کوئی تسلّی بخش نہیں۔ خاص کر جب ممانعت کی احادیث اس بارے میں صاف موجود ہیں۔

۱۔ مشکوٰۃ میں ہے،"عبادہ بن صامتؓ کہتے ہیں، میں نے کہا یا رسول اللہ! ایک شخص کو میں نے لکھنا اور قرآن مجید سکھایا تھا اس نے مجھے تحفہ کے طور پر کمان دی، وہ مال نہیں، نیز اللہ کی راہ میں اس سے تیر اندازی کروں گا (کیا یہ ہدیہ قبول کرلوں)، فرمایا۔ اگر تو دوست رکھتا ہے کہ اس کے عوض تجھے آگ کا طوق پہنایا جائے۔ تو قبول کر لے"(مشکوٰۃ باب الاجارہ)

۲۔ منتقی باب ماجاء فی الاجرۃ علی القرب میں ہے۔

عبدالرحمٰن بن شبل کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ قرآن مجید پڑھو اور اس سے دور نہ رہو یعنی درس اور تلاوت وغیرہ کے ساتھ اس کی نگرانی کرو۔ اور اس کا عوض نہ کھاؤ، اور نہ اس کے ذریعہ سے بہتات کے طالب ہو" امام احمد نے مسند میں اس کو روایت کیا ہے۔

۳۔ عمران بن حصین کہتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قرآن پڑھو اور اس کے ساتھ خدا سے سوال کرو کیونکہ آئندہ ایک قوم آئے گی جو قرآن پڑھے گی اور اس کے ذریعے لوگوں سے مانگے گی،" امام احمد اور ترمذی نے اس کو روایت کیا ہے۔

۴۔ "ابی بن کعبؓ سے روایت ہے کہ میں نے ایک شخص کو قرآن مجید سکھایا اس نے مجھے تحفہ کے طور پر کمان

دی یں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس کا ذکر کیا تو فرمایا اگر تو نے اس کو لیا، تو جہنم سے کمان لی تو میں نے اس کو لوٹا دیا۔" ابن ماجہ نے اس کو روایت کیا۔

نیل الاوطار جلد ۵ باب مذکور ص ۱۶۲ میں بحوالہ عبدالرحمٰن بن شبل کی حدیث پر لکھا ہے کہ اس کے راوی سب ثقہ ہیں اور اس کی مؤید اور حدیثیں بھی ہیں ایک عمران بن حصین کی حدیث ہے (جس کو امام احمد اور ترمذی نے روایت کیا ہے) دوسری ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے (جس کو ابن ماجہ نے روایت کیا ہے) یہ دونوں اوپر ذکر ہو چکی ہیں، تیسری جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ جو ابوداؤد میں ہے جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم پر نکلے، ہم قرآن مجید پڑھ رہے تھے۔ ہم میں کوئی اعرابی تھا کوئی عجمی فرمایا۔ پڑھو۔ تم سب اچھے ہو آئندہ کئی قومیں آئیں گی جو تیر کی طرح قرآن مجید کو سیدھا پڑھیں گی لیکن اس کا بدلہ دنیا میں چاہیں گے نہ آخرت میں۔"

چوتھی حدیث سہل بن سعد کی ہے وہ بھی ابوداؤد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس قوم سے پہلے قرآن مجید پڑھو جو قرآن کو لفظی لحاظ سے سیدھا پڑھے گی لیکن اس کا بدلہ دنیا میں چاہے گی نہ آخرت میں۔"

نیل الاوطار میں اس سے تھوڑا آگے جا کر عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کی ہے جو اوپر مشکوٰۃ کے حوالے سے گزر چکی ہے پھر ابوداؤد سے اس کی دو سندیں لکھی ہیں پھر کہا ہے، کہ ایک میں مغیرہ بن زیاد اور ابوہاشم موصلی راوی ہے دوسری میں بقیہ بن ولید راوی ہے ان دونوں میں اختلاف ہے کوئی ان کو ثقہ کہتا ہے کوئی ضعیف۔ آگے چل کر کہا ہے اس بارے میں معاذ رضی اللہ عنہ سے بھی روایت ہے۔ جو مستدرک حاکم اور بزار میں ہے جس کے الفاظ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی حدیث کے قریب ہیں اور ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے بھی ہے جو دارمی میں ہے۔ اس کے الفاظ بھی اسی کے قریب ہیں اس کی اسناد شرط مسلم پر ہے۔ انتہیٰ

نیل الاوطار میں تو اتنا ہی کہا ہے۔ تلخیص الحبیر باب النفقات ص ۳۳۳ میں کہا ہے کہ اس کی اسناد شرط مسلم پر ہے لیکن دارمی کا استاد عبدالرحمٰن بن یحییٰ بن اسماعیل مسلم کے راویوں سے نہیں۔ ابوحاتم نے اس کے حق میں کہا ہے۔ "مَا بِہٖ بَاسٌ" یعنی اُس کے ساتھ کوئی ڈر نہیں" اور دحیم نے کہا ہے ابوداؤد کی حدیث کی کوئی اصل نہیں انتہیٰ۔

تلخیص کے اسی صفحہ میں ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی حدیث کی بابت لکھا ہے کہ اس کو ابن ماجہ نے اور رویانی نے اپنی مسند میں اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے شاگرد عطیہ کلاعی ہیں اور عطیہ کلاعی کے شاگرد

عبدالرحمن بن مسلم ہیں۔ بیہقی اور ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ (عطیہ کی ملاقات ابی بن کعبؓ سے ثابت نہیں ہوئی۔) پس یہ منقطع ہے، مزّی نے بھی اسے منقطع کہا ہے۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ اس نے بیہقی کی اتباع میں یہ کہا ہے ورنہ (عطیہ کی ملاقات کی نفی ٹھیک نہیں کیونکہ) ابومسہر نے کہا ہے کہ عطیہ کی پیدائش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کی ہے (اور ابی بن کعبؓ کی وفات راجح قول کی بناء پر سنہ ۳۰ھ میں ہوئی ہے۔ ملاحظہ ہو۔ اصابہ جلد اول ص۲)

پس ابی بن کعبؓ سے ملاقات کس طرح نہیں ہوگی اور ابن القطان اور ابن الجوزی نے ابی بن کعبؓ کی حدیث کو معلول (بیمار) کہا ہے اور وجہ اس کی یہ بیان کی ہے کہ اس میں عبدالرحمن بن مسلم عطیہ کا شاگرد مجہول ہے اور ابی بن کعبؓ کی حدیث کی کئی سندیں ہیں۔ ابن القطان نے کہا ہے ان سے کوئی سند ثابت نہیں مگر ابن القطان کا یہ کہنا محل تامل ہے اور مزّی نے اطراف میں اس حدیث کی کئی سندیں ذکر کی ہیں جن سے بعض میں تصریح ہے کہ ابی بن کعبؓ نے جس شخص کو قرآن مجید پڑھایا۔ اور اس نے کمان تحفہ دی وہ طفیل بن عمرو ہے انتہی۔

ابی بن کعبؓ کی حدیث کی بابت جو کچھ تلخیص سے ہم نے ذکر کیا ہے اسی کے قریب نیل الاوطار میں بھی کیا ہے اس کے بعد اس بات کی تائید میں کہ جس کو ابی بن کعبؓ نے قرآن مجید پڑھایا۔ وہ طفیل بن عمرو ہے، دو روائیتیں ذکر کی ہیں، ایک طبرانی کی ایک اثرم کی، چنانچہ لکھتے ہیں اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے، جس کو طبرانی نے اوسط میں طفیل بن عمرو دوسی سے روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں ابی بن کعبؓ نے مجھے قرآن مجید پڑھایا میں نے ان کو ایک کمان تحفہ دی وہ صبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کمان گلے میں لٹکائی ہوئی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کمان جہنم سے لٹکائی ہے میں نے کہا یا رسول اللہ اگر ایسے گھر والوں کا کھانا حاضر ہو جائے۔ اور اس سے ہم کھالیں تو کیا یہ بھی آگ ہے؛ فرمایا جو کھانا تیری خاطر تیار ہے۔ وہ تو تیرا حصہ ہے یعنی تیری تعلیم کی اُجرت ہے اور جو غیر کے لئے تیار کیا، اور تو اتفاقیہ آگیا۔ اور کھالیا تو اس کا کوئی ڈر نہیں؟ اور اس روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے جس کو اثرم نے اپنی سنن میں ابی بن کعبؓ سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں، ایک معمر آدمی جو بیمار تھا۔ میں اس کے پڑھانے کے لئے اس کے گھر آتا جاتا پس (عمدہ) کھانا لایا جاتا۔ جس کی مثل میں نے مدینہ میں نہیں کھایا۔ میرے دل میں اس کی بابت کچھ شک ہوا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس کا ذکر کیا، تو فرمایا جس شخص کو تو پڑھاتا ہے اگر یہ کھانا اس کا اور اس کے

گھر والوں کا ہے تو کھالے۔ اگر تیری خاطر ہے تو نہ کھا۔[1] انتہیٰ

عمران بن حصین کی حدیث کی بابت نیل الاوطار میں ترمذی سے نقل کیا ہے هٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ لَیْسَ اِسْنَادُهٗ بِذَالِكَ یعنی یہ حدیث حسن ہے جس کی اسناد اعلیٰ درجہ کی نہیں۔

جابرؓ کی حدیث اور سہل بن سعدؓ کی حدیث پر ابو داؤد اور عون المعبود میں سکوت کیا ہے۔

یہ آٹھ احادیث ہیں جو اجرت تعلیم قرآن اور اُجرت تبلیغ وغیرہ کے منع ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔

۱۔ حدیث عبادہ بن صامتؓ ۲۔ حدیث عبدالرحمٰن بن شبلؓ ۳۔ حدیث عمران بن حصینؓ ۴۔ حدیث ابی بن کعبؓ ۵۔ حدیث جابرؓ ۶۔ حدیث سہل بن سعدؓ ۷۔ حدیث معاذؓ ۸۔ حدیث ابو الدرداءؓ

ان احادیث سے بعض اگرچہ ضعیف ہیں لیکن مجموعہ احادیث مل کر استدلال کے لائق ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کیونکہ یہ ایسی گری ہوئی احادیث نہیں جو مل کر کام نہ دے سکیں بلکہ بعض ان میں سے ایسی ہیں جو اکیلی اکیلی دلیل بن سکتی ہیں، جیسے عبدالرحمٰن بن شبل، عمران بن حصین، ابو الدرداء وغیرہ کی احادیث۔ پس جب ان سب کو ملا کر مجموعہ سے استدلال کیا تو یہ نہایت قوی استدلال ہو گیا۔

بعض علماء نے ان احادیث کا کچھ جواب دیا ہے مگر وہ ناکافی ہے مثلاً عبادہ بن صامتؓ اور ابی بن کعبؓ کی حدیث کے متعلق امام شوکانی وغیرہ نے کہا ہے کہ شاید عبادہ بن صامتؓ اور ابی بن کعبؓ نے محض للہ پڑھایا ہو اور جو عمل محض للہ ہو اس پر کچھ لینا درست نہیں اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کمان جہنم سے ہے۔

اور عمران بن حصینؓ کی حدیث کے متعلق کہا ہے کہ اس سے قرآن پر سوال کرنے کی ممانعت ثابت ہوتی ہے اگر ویسے کوئی دے دے یا پہلے مقرر کر لیا جائے تو اس کی ممانعت اس سے نہیں نکلتی اور عبدالرحمٰن بن شبلؓ کی حدیث کے متعلق کہا ہے کہ اس میں قرآن کے ساتھ کھانے سے (یعنی اس کا عوض مقرر کر کے لینے سے) ممانعت ہے اگر خود بخود خوشی سے دیدے تو اس کی ممانعت اس سے ثابت نہیں ہوتی۔

غرض امام شوکانیؒ نے اس قسم کا مطالب بیان کر کے جواب دیا ہے لیکن ظاہر ہے کہ اس قسم کے مطالب

---

[1] اس حدیث میں طفیل بن عمرو کا نام نہیں مگر معمر ہونے اور کھانے کے ذکر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہی ہے کیونکہ طفیل مذکور اس وقت معمر تھا، اور طبرانی میں کھانے کا ذکر ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابی بن کعبؓ کے سوال کرنے کے بعد اُسنے سوال کیا۔

سب کے بیان نہیں ہو سکتے ۔ مثلاً جابرؓ اور سہل بن سعدؓ کی احادیث اس مطلب کو قبول نہیں کرتیں کیونکہ وہ صاف اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ قرآن مجید کا بدلہ دنیا میں لینا برا ہے ۔ خواہ مقرر کرے یا نہ کرے بلکہ عبدالرحمٰن بن شبلؓ کی حدیث بھی اس بارے میں صاف ہے کہ قرآن کے ساتھ نہ کھانا چاہیئے ۔ خواہ مقرر کرلے یا کوئی خوشی سے دے اسی لئے امام شوکانیؒ ان احادیث کی صحت ضعف میں مذکورہ بالا گفتگو کرنے اور اس قسم کے مطالب بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں ۔

هذا غاية ما يمكن ان يجاب به عن احاديث الباب ولكنه لا يخفى ان ملاحظة مجموع ما تقضى به يفيد ظن عدم الجواز وينتهض للاستدلال بها على المطلوب وان كان فى كل طريق هذه الاحاديث فبعضها يقوى لبعض ا (نيل الاوطار جلد ۵ ص۱۹۴)

یعنی اس قسم کے مطالب بیان کرنا یہ ان احادیث کا آخری جواب ہے جو مشکل سے دیا گیا ہے لیکن یہ بات پوشیدہ نہیں کہ ان احادیث کا مجموعہ جس بات کا فیصلہ کرتا ہے اس سے عدم جواز کو ترجیح معلوم ہوتی ہے ۔ اور اکیلی اکیلی ان احادیث میں اگرچہ کچھ کلام ہے (جس سے یہ صحیح کے درجے سے نیچے اتر گئی ہیں) لیکن مجموعہ ان کا استدلال کے لئے کھڑا ہو سکتا ہے یعنی عدم جواز اجرت کی قوی دلیل بن سکتا ہے ۔

دیکھئے امام شوکانی خود ہی یہ جوابات دے رہے ہیں اور خود ہی ان کو ناکافی تبلاتے ہیں ۔

پس جب اُجرت تعلیم اور اُجرت تبلیغ وغیرہ کی یہ حالت ہوئی تو اب اس کو پہلی حدیث کے تحت کس طرح داخل کر سکتے ہیں کیونکہ پہلی حدیث میں یہ لفظ کہ بہت حقدار شے جس پر تم اُجرت لو ۔ کتاب اللہ ہے یہ چاہتا ہے ۔ کہ یہ کسب کی اعلیٰ قسم ہو ۔ حالانکہ اعلیٰ ہونے کی کوئی صورت نہیں پس ثابت ہوا کہ پہلی حدیث میں دم جھاڑے کی صورتیں مراد ہیں چنانچہ ابوداؤد نے اس حدیث پر کَسْبُ الْاَطِبَّاءِ (طبیبوں کی کمائی) کا باب باندھ کر اور ابن ماجہ نے اُجْرُ الرَّاقِیْ (دم کرنے والوں کی اجرت) کا باب باندھ کر اسی طرف اشارہ کیا ہے ۔ کہ یہ حدیث دم جھاڑے کی صورتوں پر محمول ہے یعنی اگرچہ سب دم جھاڑوں پر (جو شرع کے خلاف نہ ہوں) اجرت درست ہے لیکن کتاب اللہ کے ساتھ دم جھاڑا کرکے جو کچھ لیا جاتا ہے وہ بہتر ہے اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں اپنا حصہ بھی رکھا ۔ ورنہ تعلیم کا عوض ہوتا تو آپ کبھی حصہ نہ رکھتے ۔ خاص کر جب تعلیم پر شرط کرکے لیا جاتا ۔ جیسے اس پہلی حدیث میں دم جھاڑے پر شرط کرکے لیا گیا ہے ۔ کیونکہ تعلیم پر شرط کرکے لینا زیادہ برا ہے چنانچہ اوپر کی آٹھ احادیث کے ملانے سے ظاہر ہے ۔ امام شوکانی وغیرہ نے جو کچھ ان

احادیث کا جواب دیا ہے اس کا ناکافی ہونا ہم تبلا چکے ہیں۔ اگر بالفرض اس کا کافی ہونا تسلیم کر لیا جائے تو یہ اس بات پر دلالت نہیں کرتا۔ کہ شرط کر کے لینا جائز ہے بلکہ اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ شرط کر کے لینا جائز نہیں ——— اور امام بخاری رح کا میلان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے تفصیل اس کی یہ ہے کہ امام بخاری نے کتاب الاجارات میں یہ باب باندھا ہے۔ بَابُ مَا یُعْطَی فِی الرُّقْیَۃِ عَلٰی اَحْیَاءِ الْعَرَبِ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ یعنی باب ہے اس شے کا جو قبائل عرب پر فاتحہ کے ساتھ دم کرنے پر دیجاتی ہے اس پر کسی نے اعتراض کیا ہے کہ قبائل عرب کی خصوصیت کیوں کی؟ حافظ ابن حجر رح نے فتح الباری میں اس کا جواب دیا ہے کہ یہ واقعہ کا بیان ہے ابن عباس رض کی حدیث جس میں فاتحہ کے ساتھ دم کرنے کا ذکر ہے اس میں عرب کے ایک قبیلہ کا ذکر ہے اس لئے باب میں بھی ذکر کر دیا اس میں حصر مقصود نہیں یہی وجہ ہے کہ امام بخاری نے کتاب الطب میں ابن عباس رض کی حدیث پر یوں باب باندھا ہے۔ بَابُ الشُّرُوْطِ فِی الرُّقْیَۃِ بِقَطِیْعٍ مِنَ الْغَنَمِ یعنی بکریوں کے ایک ریوڑ کی شرط کر کے دم کرنا، اور کتاب الطب میں ایک جگہ یوں باب باندھا ہے۔ اَلرُّقٰی بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ یعنی "فاتحہ کے ساتھ دم کا باب" ان دونوں بابوں میں امام بخاری رح نے عرب غیر عرب کی کوئی قید نہیں لگائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ پہلے باب میں قبائل عرب کا ذکر اتفاقی ہے اس میں حصر مقصود نہیں۔

خیر! یہ سوال و جواب تو بالتبع تھا۔ اب اصل بات سنئے! امام بخاری رح یہ پہلا باب باندھ کر فرماتے ہیں۔

وقال ابن عباس عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم احق ما اخذتم علیہ اجرا کتاب اللّٰہ وقال الشعبی لا یشرط المعلم الا ان یعطی شیئا فیقبلہ قال الحکم لم اسمع احدا کرہ اجر المعلم واعطی الحسن عشرۃ دراھم۔

"یعنی ابن عباس رض نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے (فاتحہ کے ساتھ دم کرنے والوں کو) فرمایا بہت حقدار شے جس پر تم نے اجرت لی کتاب اللہ ہے اور شعبی نے کہا کہ معلم کو چاہیئے کہ شرط نہ کرے۔ ہاں! ویسے کوئی دیدے تو قبول کرے اور حکم رح کہتے ہیں میں نے کسی کو نہیں سنا۔ کہ اس نے اجرت معلم کو برا جانا ہو۔ اور حسن رح نے معلم کو دس درہم دیئے۔"

فتح الباری میں اس محل پر لکھا ہے۔

اما قول الشعبی فوصلہ ابن ابی شیبۃ بلفظ وان اعطی شیئا فلیقبلہ واما قول الحکم فوصلہ البغوی فی الجعدیات حدثنا علی بن الجعد عن شعبۃ سالت معاویۃ بن قرۃ

عن اجر المعلم فقال اری لہ اجرا وسالت الحکم فقال ما سمعت فقیہا یکرھہ واما قول الحسن فوصلہ ابن سعد فی الطبقات من طریق یحییٰ بن سعید بن ابی الحسن قال لما حذقت قلت لعمی یا عماہ ان المعلم یرید شیئا قال ما کانوا یاخذون شیئا ثم قال اعطہ خمسۃ دراھم فلم ازل بہ حتی قال اعطہ عشرۃ دراھم وروی ابن ابی شیبۃ من طریق اخری عن الحسن قال لاباس ان یاخذ علی الکتابۃ اجرا وکرہ الشرط (فتح الباری جز ۹ صہ ۲۱۵)

یعنی قول شعبی کو ابن ابی شیبہ نے ان الفاظ سے ذکر کیا کہ (شرط نہ کرے، اگر ویسے مل جائے تو لے لے. اور حکم کا قول بغوی نے جعدیات میں روایت کیا ہے شعبہ کہتے ہیں میں نے معاویہ بن قرہ سے اجرت معلم کا سوال کیا تو کہا میرے خیال میں اس کے لئے اجرت ہے اور حکم سے میں نے سوال کیا تو کہا، میں نے کسی فقیہ کو نہیں سنا. کہ وہ بری جانتا ہو. اور حسن کے قول کو ابن سعد نے طبقات میں یحییٰ بن سعید کے طریق سے روایت کیا ہے یحییٰ بن سعید کہتے ہیں جب میں نے مہارت پیدا کرلی، تو اپنے چچا (حسن) سے کہا. اے چچا، معلم کچھ چاہتا ہے؟ کہا سلف کچھ نہیں لیتے تھے. پھر کہا اس کو پانچ درہم دے دے میں نے کچھ زیادہ کا اصرار کیا. آخر کہا دس درہم دے دے. اور ابن ابی شیبہ نے دوسری سند کے ساتھ حسن سے روایت کیا ہے فرمایا، کتابت پر لینے میں کوئی ڈر نہیں اور شرط کرکے لینے کو برا سمجھا.

حسن کے قول میں فتح الباری میں کتابت کا لفظ ہے شاید یہ سہو کاتب ہو صحیح "کتاب" معلوم ہوتا ہے جس سے مراد قرآن مجید ہے کیونکہ لکھائی کی اجرت کا کوئی جھگڑا نہیں اور ہوسکتا ہے کہ حسن کے نزدیک قرآن مجید کی کتابت پر بھی اجرت کی شرط کرنا اچھا نہ ہو.

بہر صورت امام بخاری نے جتنے اقوال درج کئے ہیں ان سے اکثر میں شرط کرکے لینے کو برا جانا ہے صرف حکم کے قول میں کوئی تصریح نہیں. لیکن حکم کا یہ کہنا کہ میں نے کسی فقیہ کو برا جانتے ہوئے نہیں سنا. یہ اپنے علم کی نفی ہے ورنہ واقعہ میں برے جاننے والے بہتیرے ہیں، چنانچہ حسن کے قول سے (کہ سلف کچھ نہیں لیتے تھے) ظاہر ہوتا ہے اور آگے بحوالہ دارمی وغیرہ بعض کی تصریح بھی آتی ہے. پھر ہوسکتا ہے کہ حکم کے قول میں بھی بغیر شرط مراد ہو. کیونکہ شرط کے ساتھ لینے کو برا جاننے والے بہت زیادہ ہیں جن کا مخفی رہنا حکم پر بعید ہے اور حکم کے قول کے ساتھ معاویہ بن قرہ کا قول ذکر ہوا ہے. یہ بھی اس کا مؤید ہے کیونکہ معاویہ بن قرہ اذان پر

اجرت لینے کو اچھا نہیں سمجھتے (جیسا کہ آگے ذکر آتا ہے) تو تعلیم قرآن پر شرط کر کے کس طرح اچھا سمجھیں گے، پس ضرور ہے کہ معاویہ بن قرہ کے قول میں بغیر شرط مراد ہو، یعنی بغیر شرط خود بخود معلم کو کوئی دیدے تو اس کی بابت معاویہ بن قرہ کہتے ہیں کہ میری رائے میں اس کے لئے جائز ہے ،

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ امام بخاریؒ کا میلان اس طرف ہے کہ شرط کر کے لینا اچھا نہیں کیونکہ امام بخاریؒ نے باب دم جھاڑے کا باندھا ہے اور اس پر ابن عباسؓ کی حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں دم پر شرط کر کے لینے کا ذکر ہے ، پھر تعلیم پر اجرت لینے کے متعلق اقوال مذکورہ ذکر کئے ہیں جن میں بغیر شرط کے لینے کو جائز قرار دیا ہے اور شرط کے ساتھ لینے کو اچھا نہیں سمجھا ، پس ثابت ہوا کہ امام بخاریؒ کا میلان اسی طرف ہے کہ شرط نہ کرے ویسے کوئی دیدے تو لے لے ، اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ امام بخاری رح کے نزدیک ابن عباسؓ کی حدیث میں یہ لفظ کہ "زیادہ حقدار شے جس پر تم نے اجرت لی ، کتاب اللہ ہے" ، اجرت تعلیم کو شامل نہیں بلکہ اس سے دم جھاڑے کی صورتیں مراد ہیں کیونکہ امام بخاری نے ایک جگہ یہاں اور دو جگہ کتاب الطب میں اس پر دم جھاڑے کا باب باندھا ہے ، اگر یہ لفظ عام ہوتا تو یوں باب باندھتے ، باب اخذ الاجر علی کتاب اللہ نیز دم جھاڑے کا باب باندھ کر اجرت تعلیم کے متعلق جو اقوال ذکر کئے ہیں ان میں شرط کر کے لینے کو اچھا نہیں سمجھا تو اگر ابن عباسؓ کی حدیث میں لفظ مذکور ایسا عام ہوتا کہ اجرت تعلیم بھی اس میں داخل ہوتی تو لازم آتا کہ تعلیم پر شرط کر کے لینا بھی جائز ہو ، بلکہ کسب کی اعلیٰ قسم ہو ، حالانکہ یہ کسی صورت صحیح نہیں اور نہ امام بخاریؒ کی یہ مراد ہے ، الفیہ عراقی اور اس کی شرح فتح الباقی میں ہے کہ امام احمد بن حنبل رح امام اسحاق بن راہویہ اور امام ابو حاتم رازی حدیث پر اجرت لینے والے کی حدیث نہیں لیتے تھے ، اور ابو نعیم فضل بن دکین امام بخاریؒ کے استاد اور عفان امام بخاریؒ کے استاد یہ دونوں درس حدیث پر اجرت لینے لیکن مجبوری میں لیتے ، چنانچہ علی بن خشرم کہتے ہیں ، میں نے ابو نعیم (فضل بن دکین) سے سنا ، فرماتے تھے لوگ مجھے (اجرت لینے پر) ملامت کرتے ہیں حالانکہ میرے گھر میں تیرہ جی کھانے والے ہیں اور گھر میں ایک چپاتی بھی نہیں ، . . . . .

اور بعض کہتے ہیں بغیر طلب کے خوشی سے کوئی دے تو لے لے ورنہ نہ لے ، اور بعض کہتے ہیں صرف امیروں سے لے غریبوں سے نہ لے ، پس اگر صاحب کسب ہے جس سے وہ اپنے اہل و عیال کی پرورش کر سکتا ہے اور اب وہ درس حدیث کی وجہ سے اپنے کسب سے رک گیا ہے تو اس کو لینا درست ہے چنانچہ شیخ ابو اسحاق شیرازی

سے ابوالحسن بن النقور نے سوال کیا کہ میں حدیث کے شغل کی وجہ سے اپنا کوئی کام نہیں کر سکتا کیونکہ پڑھنے والے سارا وقت بلے لیتے ہیں تو انہوں نے جواز کا فتویٰ دیا۔ پس ابوالحسن اپنے گذارہ قدرے لیتے ہیں (ملاحظہ الفیہ عراقی مع شرح فتح الباقی، قلمی، صلا)

دیکھئے! محدثین اس معاملہ میں کس قدر تنگی کرتے ہیں اور کتنا احتیاط برتتے ہیں، اگر یہ بہتر کسب ہوتا تو جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دم جھاڑے کی اجرت (بکریوں) میں اپنا حصہ رکھایا تھا۔ محدثین حدیث کا عوض بڑی خوشی سے لیتے اور اتنی تنگی اور احتیاط نہ کرتے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ زیادہ حق دار شے جس پہ تم اجرت لو کتاب اللہ ہے" یہ عام نہیں بلکہ اس سے دم جھاڑا مراد ہے، جیسے بخاریؒ ابو داؤد اور ابن ماجہ کے ابواب سے اور دیگر محدثین کے اقوال سے ظاہر ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ پہلی (ابن عباسؓ) کی حدیث سے جواز اجرت تعلیم وتبلیغ وعظ وغیرہ پر استدلال کرنا بالکل غلط ہے کیونکہ اس سے لازم آتا ہے کہ تعلیم قرآن وحدیث کا عوض بہتر کسب ہو، حالانکہ یہ کسی طرح صحیح نہیں۔

دوسری حدیث پر بحث

یہاں تک تو پہلی حدیث پر بحث تھی۔ اب دوسری کا حال سنیئے! اس سے بھی جواز اجرت استدلال صحیح نہیں، کیونکہ مہر کا مال ہونا ضروری نہیں۔

مشکوٰۃ میں ہے۔

عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ تَزَوَّجَ اَبُوْ طَلْحَةَ اُمَّ سُلَيْمٍ فَكَانَ صَدَاقُ مَا بَيْنَهُمَا الْاِسْلَامَ اَسْلَمَتْ اُمُّ سُلَيْمٍ قَبْلَ اَبِيْ طَلْحَةَ فَخَطَبَهَا فَقَالَتْ اِنِّيْ قَدْ اَسْلَمْتُ فَاِنْ اَسْلَمْتَ نَكَحْتُكَ فَاَسْلَمَ فَكَانَ صَدَاقَ مَا بَيْنَهُمَا رَوَاهُ النَّسَائِيُّ (مشکوٰۃ باب الصداق فصل ۳ ص)

یعنی "انسؓ فرماتے ہیں، ابوطلحہؓ نے ام سلیم سے نکاح کیا ان دونوں کے درمیان" اسلام" مہر تھا۔ ام سلیم اسلام لے آئی، ابوطلحہؓ نے اس کا رشتہ چاہا، ام سلیم نے کہا میں مسلمان ہو گئی ہوں، اگر تو اسلام لے آئے تو میں تجھ سے نکاح کر لوں گی۔ ابوطلحہؓ اسلام لے آئے پس یہی ان دونوں کے درمیان مہر ہو گیا"

دیکھئے! اس حدیث میں اسلام کو مہر قرار دیا ہے اسلام کسی صورت مال نہیں بن سکتا۔ مہر کو مال قرار دینا یہ اکثر حالت کے لحاظ سے ہے ورنہ اگر عورت کسی دوسری شے پر راضی ہو جائے جو مال سے بھی بڑھ کر ہو تو وہ

بھی مہر بن سکتی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ قرآن مجید دنیا میں عمل کی خاطر آیا ہے اور ظاہر ہے کہ عمل اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ اس کی دل میں عزت ہو، پس جس صورت میں قرآن کی عزت بڑھے اس صورت کے ساتھ اس سے کوئی مطلب نکالنا، یا اس کے ذریعہ سے مال حاصل کرنا بہت اچھا ہے مثلاً دم جھاڑا میں قرآن مجید کا مؤثر ہونا یا قرآن مجید کے عوض عورت کا اپنی جان بخشی کرنا اس میں قرآن مجید کی بڑی عزت ہے اس لئے یہ درست ہے۔ بر خلاف قرآن مجید کی تعلیم کو ذریعۂ معاشش بنانا اور اس کے ذریعہ سے کھانا یہ قرآن مجید کی ہتک ہے اس سے لوگوں کے دلوں میں دین کی قدر نہیں رہتی، وہ سمجھتے ہیں کہ یہ اپنے مطلب کے لئے سُنتے سُناتے ہیں اور ہمارے محتاج ہیں، بس اس طرح سے دین کی اشاعت بند ہو جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو خصوصیت سے یہ ہدایت ہوئی کہ تم لوگوں کو کہہ دو، کہ ہم تبلیغ پر تم سے کچھ بدلہ نہیں چاہتے یا تم سے کچھ مزدوری نہیں مانگتے یا تم پر کچھ بوجھ نہیں ڈالتے چنانچہ قرآن مجید میں کئی جگہ ذکر ہے خاص کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی زیادہ تاکید کی گئی ہے اور یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کے عوض کھانے سے منع کر دیا، چنانچہ اوپر آٹھ احادیث گزر چکی ہیں، اور دم جھاڑے کے عوض میں اپنا حصہ رکھا، کیونکہ دم جھاڑے کا عوض اچھا ہے اور تعلیم تبلیغ وغیرہ کی اُجرت اچھی نہیں۔ اور اسی وجہ سے سلف اس کی بابت بڑی سختی کرتے تھے۔

دارمی میں ہے حضرت حسن رح بازار میں داخل ہوئے ایک شخص سے کپڑے کا سودا کیا، کپڑے والے نے کہا میں آپ سے اتنا مول لوں گا۔ خدا کی قسم اگر کوئی اور ہوتا تو میں اسے اتنے کو نہ دیتا، حضرت حسن نے کہا کیا تم نے ایسا کام کیا؟ (یعنی علم کے عوض قیمت کم کرتے ہو۔) پس اس دن سے حضرت حسن نے بازار میں خود جا کر خرید و فروخت کرنا ترک کر دی، یہاں تک کہ فوت ہو گئے اور عبید بن حسن کہتے ہیں، مصعب بن زبیر امیر کوفہ نے ماہِ رمضان میں کوفہ کے قاریوں میں کچھ مال تقسیم کیا، عبد الرحمٰن بن معقل قاری) کو بھی دو ہزار درہم بھیجے اور کہا کہ ان درہموں کو ماہِ رمضان میں اپنی ضرورتوں میں صَرف کرو، عبد الرحمٰن بن معقل نے وہ درہم لوٹا دیئے اور کہا ہم نے قرآن مجید اس خاطر نہیں پڑھا اور عبید اللہ بن عمر سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے عبد اللہ بن سلام کو پوچھا کہ اہل علم کون ہیں؟ کہا جو علم کے مواقف عمل کرتے ہیں، کہا علم کو سینوں سے کون سی شے نکالتی ہے؟ (یعنی کس شے سے علم جاتا رہتا ہے) کہا طمع۔ اور سفیان کہتے ہیں حضرت عمرؓ نے کعب احبار سے اسی طرح سوال کیا، تو انہوں نے بھی یہی جواب دیا۔ (دارمی ص۵۵ باب صیانۃ العلم)

مشکوٰۃ میں ہے عبد اللہ بن مسعود فرماتے ہیں، اگر اہل علم اپنے علم کو بچاتے اور اس کو اہل کے پاس رکھتے تو اپنے

زمانہ والوں کے سردار ہوجاتے لیکن انہوں نے اہلِ دنیا کے لئے علم کو خرچ کیا. کہ علم کے ذریعہ ان کی دنیا سے کچھ حاصل کریں، پس اہلِ دنیا کے نزدیک ذلیل ہوگئے. میں نے تمہارے نبی سے سُنا ہے جو تمام فکروں کو ایک فکرِ آخرت کا فکر کر دے خدا تعالیٰ اس کو دنیا کے فکر سے کفایت کرے گا. اور جس کے فکر حالات دنیوی ہوکر پراگندہ ہوگئے. خدا تعالیٰ اس کی پرواہ نہیں کرتا. خواہ دنیا کے کسی جنگل میں ہلاک ہوجائے (مشکوٰۃ کتاب العلم فصل ۳ صہ۲۹)

اس طرح کی روائیتیں بہت ہیں ہم کہاں تک ذکر کریں. ابو حازم اور سلیمان بن عبد الملک کا مکالمہ جو اسی پرچہ میں درج ہے وہ بھی اس پر کافی روشنی ڈالتا ہے اور امام بخاریؒ پر جو کچھ امتحانات آئے یہاں تک کہ بخارا سے نکالے گئے، وہ سب اسی کی بدولت آئے اسی طرح اور بہت. بزرگانِ دین سختیاں اٹھاتے رہے اگر تعلیم و تبلیغ وغیرہ کا عوض کسب کی اعلیٰ قسم ہوتا یا تعلیم وغیرہ کی اجرت مہر کا حکم رکھتی تو یہ بزرگانِ دین ایسی پرہیزگاری نہ کرتے کیونکہ دین میں تشدد درست نہیں. (ملاحظہ ہو بخاری جلد اوّل باب الدین یسر صنا) بلکہ حسن بصریؒ نے تو یہاں تک فرمایا ہے کہ اجرت پر امامت کرانے والے امام کی نہ اپنی نماز ہے نہ مقتدیوں کی؛ اور عبد اللہ بن مبارک کہتے ہیں. میں ڈرتا ہوں کہ امام اجرت پر نماز پڑھائے تو ان پر اس نماز کا لوٹانا واجب ہو. اور امام احمدؒ نے ایسے امام سے پناہ پکڑی اور فرمایا اس کے پیچھے کون نماز پڑھے گا؛ چنانچہ یہ سب روائیتیں قیام اللیل کے حوالہ سے آگے آتی ہیں. بلکہ ان کے علاوہ اور بھی ذکر ہوں گی. انشاء اللہ

حاصل کلام یہ کہ دم جھاڑے کی حدیث سے یا قرآن کے مہر بننے کی حدیث سے جوازِ اجرت تعلیم وغیرہ پر استدلال کرنا یہ ڈبل غلطی ہے. رہی باقی دو حدیثیں سو ان کا حال سنیئے

تیسری اور چوتھی حدیث پر بحث!

یہ دونوں حدیثیں بھی درحقیقت جوازِ اجرت پر دلالت نہیں کرتیں. کیونکہ اجرت معاوضہ کو کہتے ہیں اور ان حدیثوں سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے، وہ صرف یہ ہے ———— کہ جو مسلمان ———— دینی اشغال کی وجہ سے اپنے کام سے رُک جائے وہ اپنا گزارہ لے سکتا ہے.

اجرت درحقیقت یہ ہوتی ہے، کہ کام مال کی خاطر کیا جائے نہ یہ کہ کام اصل مقصود ہو اور جو کچھ لیا جائے وہ صرف ضرورت کی بناء پر لیا جائے پس جب اس میں یہ پابندی ہوئی تو اس میں توسّع اور فراخی سے کام نہ لینا چاہیئے. مثلاً اس ذریعہ سے جائداد جمع کی جائے. یا بہت امیرانہ خرچ اختیار کیا جائے یا اپنے اہلِ قرابت یا متعلقین کے

ساتھ ضروری سلوک سے زیادہ کیا جائے۔ یہ صورتیں غیر مناسب ہیں اسی طرح کام کا اندازہ کرے اگر واقعی شغل زیادہ ہے جس کی وجہ سے یہ اپنا کوئی مستقل کام نہیں کر سکتا۔ تو گذارہ لے ورنہ بچے۔ بغرض اس معاملہ میں جتنی احتیاط ہو، تھوڑی ہے آج کل عموماً ان باتوں کا خیال نہیں کیا جاتا۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا صرف اذان یا امامت پر یا تراویح پر لینا جیسے آج کل عام رواج ہوگیا ہے، یہ بالکل درست نہیں۔ کیونکہ یہ اشیاء انسان کو اپنے کاروبار سے مانع نہیں خاص کر جب ہر شخص کو حکم ہے کہ نماز با جماعت پڑھے۔ تو اکثر وقت معین پر وہ مسجد میں ضرور حاضر ہوگا اور اذان میں یا امامت میں یا تراویح وغیرہ میں بھی ایک وقت کی حاضری ہے پس ان پر اجرت کسی صورت درست نہیں خاص کر جب حدیث میں ممانعت بھی وارد ہو۔

منتقی باب النہی عن اخذ الاجرۃ علی الاذان میں ہے۔

عَنْ عُثْمَانَ بْنِ اَبِی الْعَاصِ قَالَ اٰخِرُ مَا عَھِدَ اِلَیَّ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنْ اَتَّخِذَ مُؤَذِّنًا لَّا یَاخُذُ عَلٰی اَذَانِہٖ اَجْرًا رواہ الخمسۃ

یعنی "عثمان بن ابی العاص رضؓ کہتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری وصیت مجھے یہ کی ہے، کہ میں ایسے شخص کو مؤذن مقرر نہ کروں جو اذان پر اجرت لے۔"

نیل الاوطار میں امام شوکانی رحؒ اس پر لکھتے ہیں۔

الحدیث صححہ الحاکم وقال ابن المنذر ثبت ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال لعثمان بن ابی العاص واتخذ مؤذنا لا یاخذ علی اذانہ اجرا واخرج ابن حبان عن یحیی البکالی قال سمعت رجلا قال لابن عمر انی احبک فی اللّٰہ فقال لہ ابن عمر انی لا بغضک فی اللّٰہ فقال سبحان اللّٰہ احبک فی اللّٰہ و تبغضنی فی اللّٰہ قال نعم انک تسئال علی اذانک اجرا وروی عن ابن مسعود انہ قال اربع لا یوخذ علیھن اجر الاذان وقراءۃ القرآن والمقاسم والقضاء ذکرہ ابن سید الناس فی شرح الترمذی وروی ابن ابی شیبۃ عن الضحاک انہ کرہ ان یاخذ المؤذن علی اذانہ جعلا ویقول ان اعطی بغیر مسئلۃ فلا باس وروی ایضا عن معاویۃ بن قرۃ انہ کان یقال لا یؤذن لک الا محتسب (الی ان قال) وقال ابن العربی الصحیح جواز اخذ الاجرۃ علی الاذان والصلوۃ والقضاء وجمیع الاعمال الدینیۃ فان الخلیفۃ یاخذ اجرۃ علی ھذا کلہ وفی کل واحد منھا یاخذ النائب اجرۃ کما یاخذ المستنیب والاصل فی ذالک قولہ

صلی اللہ علیہ وسلم ما ترکت بعد نفقۃ نسائی ومؤنۃ عاملی فھو صدقۃ انتھی فقاس المؤذن علی العامل وھو قیاس فی مصارمۃ النص وفتیا ابن عمر التی مرت لم یخالفھا احد من الصحابۃ کما صرح بذالک الیعمری وقد عقد ابن حبان ترجمۃ علی الرخصۃ فی ذالک واخرج عن ابی محذورۃ انہ قال فالقی علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الاذان فاذنت ثم اعطانی حین قضیت التاذین صرۃ فیھا شیٔ من فضۃ واخرجہ ایضا النسائی قال الیعمری ولا دلیل فیہ لوجھین الاول ان قصۃ ابی محذورۃ اول ما اسلم لانہ اعطاہ حین علیہ الاذان وذالک قبل اسلام عثمان بن ابی العاص فحدیث عثمان متاخر الثانی انھا واقعۃ ینطرق الیھا الاحتمال واقرب الاحتمالات فیھا ان یکون من باب التالیف لحداثۃ عھدہ بالاسلام کما اعطی حینئذ غیرہ من المؤلفۃ قلوبھم ووقائع الاحوال اذا تطرق الیھا الاحتمال سلبھا الاستدلال لما یبقی فیھا من الاجمال انتھی وانت خبیر بان ھذا الحدیث لا یرد علی من قال ان الاجرۃ انما تحرم اذا کانت مشروطۃ لا اذا اعطیھا بغیر مسئلۃ والجمع بین الحدیثین بمثل ھذا حسن۔ (نیل الاوطار، جلد اول ص۳۵۷)

یعنی اذان پر اجرت منع کی حدیث کو حاکم نے صحیح کہا ہے۔ اور ابن المنذر نے کہا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے عثمان بن ابی العاص رض کو فرمایا ایسا مؤذن مقرر کر جو اذان پر اجرت نہ لے اور ابن حبان نے یحییٰ بکالی سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں۔ میں نے ایک شخص کو ابن عمر رض سے یہ کہتے سنا کہ میں آپ کو اللہ کیلئے دوست رکھتا ہوں ابن عمر نے فرمایا میں خدا کیلئے تجھے بُرا جانتا ہوں اس شخص نے کہا سبحان اللہ میں آپکو خدا کیلئے دوست رکھتا ہوں آپ خدا کیلئے بُرا جانتے ہیں فرمایا ہاں تو اذان پر اجرت مانگتا ہے اور ابن مسعود رض سے روایت ہے فرمایا چار اشیاء میں اجرت درست نہیں۔ اذان، قرأۃ القرآن، مال غنیمت وغیرہ کی تقسیم، قضاء۔ ابن سید الناس نے شرح ترمذی میں اس کو ذکر کیا ہے۔ اور ابن ابی شیبہ نے ضحاک رض سے روایت کیا ہے۔ کہ اذان پر مزدوری لینی بُری ہے اور کہتے تھے کہ بغیر سوال کے کچھ مل جائے تو کوئی ڈر نہیں اور معاویہ بن قرۃ سے روایت کیا ہے کہ ثواب کی نیت سے اذان دینے والا مؤذن مقرر کر۔ دوسرا نہ کر۔ ابن العربی نے کہا صحیح یہ ہے کہ اذان، قضاء اور دیگر تمام اعمال دینیہ پر اجرت جائز ہے۔ کیونکہ خلیفہ ان تمام پر اجرت لیتا ہے اور ان سے ہر ایک پر نائب بھی اجرت لیتا ہے جیسے نائب بنانے والا (خلیفہ) لیتا ہے اور اصل (دلیل) اس کی ...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے کہ میں نے اپنی بیویوں کے نفقہ اور اپنے عاملوں کے خرچ کے بعد جو کچھ چھوڑا ہے وہ صدقہ ہے۔ ابن العربی نے مؤذن کو عامل پر قیاس کیا ہے حالانکہ یہ قیاس نص کے مقابلہ میں ہے اور ابن عمر رض کے فتویٰ کے بھی خلاف

ہے جو اوپر گزر چکا ہے اس فتویٰ میں ابن عمرؓ کا صحابہؓ میں کوئی مخالف نہیں چنانچہ یعمری نے اس کی تصریح کی ہے (نیز یہ قیاس مع الفارق ہے کیونکہ عامل تو اپنے عمل کے ساتھ کوئی دوسرا کام نہیں کر سکتا. برخلاف مؤذن کے. نیز مؤذن اگر اذان کے لئے نہ آئے تو نماز باجماعت کے لئے اس کو آنا پڑے گا. تو دس منٹ پہلے آ کر اذان بھی دے سکتا ہے. پس اجرت لینے کے کچھ معنی نہیں) اور ابن حبان نے اذان پر اجرت لینے کے جواز میں باب باندھا ہے اور دلیل اس پر ابو محذورہؓ کی حدیث لائے ہیں ابو محذورہؓ کہتے ہیں. رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اذان سکھائی پس میں نے اذان کہی جب میں نے آذان پوری کی تو آپؐ نے مجھے ایک تھیلی دی. جس میں کچھ چاندی تھی اور اس حدیث کو نسائی نے بھی روایت کیا ہے یعمری کہتے ہیں ابن حبان کا اس حدیث سے استدلال کرنا ٹھیک نہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ابو محذورہؓ کو تھیلی دینا عثمان بن ابی العاص رضؓ کے مسلمان ہونے سے پہلے ہے، پھر آپؐ نے منع کر دیا، نیز یہ ایک خاص واقعہ ہے اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ تھیلی اذان کی اجرت دی. بلکہ قریب احتمال یہ ہے کہ جیسے اور نو مسلموں کو تالیف قلوب کے لئے دیا اسی طرح ابو محذورہ رضؓ کو بھی دیا کیونکہ یہ اس وقت نئے مسلمان ہوئے تھے. ایسے خاص واقعات سے استدلال صحیح نہیں ہوتا یعمری نے اتنا کہا ہے لیکن میں شوکانی کہتا ہوں (عثمان بن ابی العاص رضؓ کی حدیث اس شخص کی تردید نہیں کرتی جو کہتا ہے کہ اذان پر اجرت مقرر کر کے لینی حرام ہے. اگر سوال کے بغیر کوئی دیدے تو جائز ہے. اسی صورت میں اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو محذورہ کو اذان پر دی ہو تو بھی عثمان بن ابی العاص رضؓ کی حدیث سے کوئی مخالفت لازم نہیں آتی. کیونکہ ابو محذورہ رضؓ نے سوال نہیں کیا اور یہ موافقت کی اچھی صورت ہے."

جب اذان کی بابت اتنی تنگی ہے تو امامت تو ایک بڑا عمل ہے اس پر تنخواہ لینی یا کسی شئے کا سوال کس طرح درست ہوگا. اسی طرح تراویح میں قرآن سنانے پر لینا یا کچھ سوال کرنا یہ بھی جائز نہیں ہو سکتا. آج کل حافظان قرآن اس بیماری میں بہت مبتلا ہیں ماہ رمضان جو خیر اور برکت کا مہینہ ہے جس میں خدا کی رحمت کا نزول ہوتا ہے جو انسان کو گناہ سے اس طرح پاک کر دیتا ہے. جیسے آج ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا. اس کو تھوڑے سے پیسوں کی طمع میں ضائع کر دیتے ہیں اس کے ثواب سے محروم رہتے ہیں. بلکہ وعید کے مستحق ہوتے ہیں کیونکہ انہوں نے اس ماہ کو اپنی آمد کا ذریعہ بنا رکھا ہے. اس کی خاطر دور دراز سفر کرتے ہیں اور ایسی مسجدیں تلاش کرتے پھرتے ہیں جن میں زیادہ امداد کی امید ہو بلکہ بعض اسی طمع میں دو دو تین مسجدوں میں تراویح پڑھاتے ہیں ایک مسجد میں جلدی جلدی پڑھا کر دوسری مسجد میں پہنچتے ہیں تاکہ دونوں مسجدوں والے امداد کریں اور پیسے

اچھے بن جائیں۔ انا للہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں،

مَنْ تَعَلَّمَ عِلْمًا مِمَّا يُبْتَغٰى بِهٖ وَجْهُ اللّٰهِ لَا يَتَعَلَّمُهٗ اِلَّا لِيُصِيْبَ بِهٖ عَرَضًا مِنَ الدُّنْيَا لَمْ يَجِدْ عَرْفَ الْجَنَّةِ يَعْنِىْ رِيْحَهَا رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاؤدَ وَاِبْنُ مَاجَةَ۔ (مشکوٰۃ کتاب العلم فصل ۲ صـ ۲۶)

یعنی" جو شخص علم دین صرف اس لئے حاصل کرتا ہے کہ اس کے ذریعے کسی دنیوی فائدے کو پہنچے تو (اس کا جنت میں داخل ہونا تو کجا) وہ جنت کی خوشبو نہیں پائے گا۔"

دیکھئے کیسا سخت وعید ہے لیکن یہ لوگ پھر بھی پرواہ نہیں کرتے نہ دینے والوں کو خیال آتا ہے کہ ایسے حافظوں کو دینا اور ان کا قرآن سننا اس سے فائدہ کیا؟ وقت بھی ضائع اور پیسے بھی برباد! انا للہ

قیام اللیل میں ہے عبداللہ بن معقل قاری نے رمضان میں لوگوں کو نماز پڑھائی جب عیدالفطر کا دن ہوا تو عبیداللہ بن زیاد نے ان کو پانچ سو درہم بھیجے، انہوں نے واپس کر دیئے اور فرمایا کہ ہم کتاب اللہ پر اجرت نہیں لیتے، اور مصعب نے عبداللہ بن مقرن کو رمضان میں جامع مسجد میں امامت کا حکم دیا۔ جب چاند چڑھا تو پانچ سو درہم ان کی خدمت میں ارسال کئے انہوں نے واپس کر دیئے اور کہا کہ میں قرآن پر اجرت نہیں لیتا اور مالک بن دینار رح کہتے ہیں میں ایک شخص کے پاس سے گزرا جس کو میں پہچانتا تھا۔ اور اس کے ساتھ سپاہی تھے اور اس کو ہتھکڑی لگی ہوئی تھی، لوگوں سے سوال کرتا تھا۔ میں نے کہا تجھے کیا ہوا؟ کہا فلاں عامل نے مجھے تراویح پر مقرر کیا جب وہ عامل معزول ہو گیا تو جو کچھ اس نے دیا تھا اس کا ذکر اس کے حساب کے رجسٹروں میں پایا گیا۔ اس کی وجہ سے میں گرفتار ہوں اور اس کو پورا کرنے کے لئے سوال کر رہا ہوں، مالک بن دینار رح کہتے ہیں تو گوشت میں چوری ہوئی روٹی (یعنی اعلیٰ کھانے) کھاتا رہا ہوگا۔ کہا ہاں! میں اس عامل کے ساتھ گوشت میں چوری ہوئی روٹی کھاتا رہا ہوں کہا اس سے اس مصیبت میں گرفتار ہوا ہے۔"

اور حسن بصری رح سے سوال کیا گیا کہ اجرت پر نماز پڑھانے کا کیا حکم ہے؟ فرمایا نہ امام کی نماز ہوتی ہے نہ مقتدیوں کی۔ اور ابن مبارک فرماتے ہیں اجرت پر نماز پڑھانے کو میں برا سمجھتا ہوں۔ اور اس بات کا ڈر ہے کہ ان (امام مقتدی سب) پر نماز کا لوٹانا واجب ہو۔ اور امام احمد رح سے سوال کیا گیا کہ ایک امام لوگوں کو کہے کہ میں اتنے درہموں پر تمہیں رمضان میں نماز پڑھاؤنگا تو اس کا کیا حکم ہے؟ فرمایا "ایسے امام سے خدا پناہ میں رکھے۔ اس کے پیچھے کون نماز پڑھے گا۔" (قیام اللیل باب الاجر علی الامامۃ فی رمضان صـ ۱۰۳)

چونکہ زیادہ تر اس بیماری میں ہمارے حنفی بھائی مبتلا ہیں اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ اس محل میں علماء دیوبند کا فتویٰ بھی درج کر دیں۔ شاید کسی کو خدا ہدایت کر دے تو ہمارا بھی بھلا ہو جائے۔

۲۹ر شعبان المعظم ۱۳۵۱ھ میں دیوبند سے رمضان المبارک کے متعلق مفید و معتبر مسائل کے عنوان سے ایک اشتہار شائع ہوا تھا جس میں حنفی مذہب کے بہت سے مسائل تھے۔ ان میں سے ایک یہ مسئلہ بھی تھا کہ روپیہ کی طمع میں یا اجرت مقرر کر کے سنانے والے حافظ کا کیا حکم ہے؟ لکھا ہے۔

"جو حافظ روپیہ کی طمع میں قرآن مجید سناتا ہے اس سے وہ امام بہتر ہے جو الم ترکیف سے پڑھ لے اگر اجرت مقرر کر کے قرآن مجید سنایا جائے تو نہ امام کو ثواب ہوگا نہ مقتدیوں کو اس قدر جلد پڑھنا کہ حروف کٹ جائیں سخت گناہ ہے"

انتہیٰ۔

تنبیہ

شرط کر کے یا مقرر کر کے لینا دو طرح سے ہوتا ہے ایک یہ کہ صراحۃً شرط کرے دوم یہ کہ صراحۃً کچھ نہ کہے مگر نہ دینے کی صورت میں ناراض ہو جائے۔ یا شکایت کرے۔ گویا یہ ناراضگی یا شکایت ایسی ہے۔ جیسے پہلے کہہ دیا کہ میری کچھ خدمت کرنی ہوگی۔ ورنہ میں آنا یوں گا چنانچہ اکثر واعظوں اور ماہ رمضان میں حافظان قرآن کی یہی حالت ہے۔ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ اَعْمَالَنَا کُلَّھَا صَالِحَۃً وَّاجْعَلْھَا لِوَجْھِکَ خَالِصَۃً وَّلَا تَجْعَلْ لِاَحَدٍ فِیْھَا شَیْئًا۔

(عبداللہ امرتسری از روپڑ)

دینی تعلیم میں اجرت

سوال ؍ اگر کوئی شخص اُردو فارسی و کتابت کے ساتھ تعلیم قرآن بھی کرے یعنی ان مجموعہ چیزوں کی تعلیم پر اجرت لے وے تو کیا اس کے حلال و جائز ہونے میں تو کوئی شبہ قائلین عدم جواز کے نزدیک تو نہیں رہیگا؟

(سراج الدین مدرس مدرسہ دارالاسلام مسجد اہلحدیث تیلیاں جودھپور)

جواب ؍ اس میں شبہ نہیں کہ سادہ قرآن مجید پڑھانے والے اُردو فارسی کتابت والوں کی نسبت بہت زیادہ مل سکتے ہیں۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ جو شے عام مل سکے وہ سستی ہوتی ہے اور جو کم ملے وہ اس کی نسبت گراں ہوتی ہے اس بنا پر جو مخلوط تعلیم پر تنخواہ ملے گی اس کا زیادہ حصہ اُردو۔ فارسی اور کتابت کے لئے ہوگا۔ اور قرآن مجید پر جو خدمت ہوگی وہ بالتبع ہوگی اور حلت و حرمت کا جو کچھ حکم لگا کرتا ہے وہ اصل شے پر ہوتا ہے۔

نہ تابع پر الا ماشاء اللہ مثلاً چاندی کے بدلے چاندی کم وبیش فروخت کرنی منع ہے اگر ایک طرف کی چاندی میں تھوڑا بہت کھوٹ ہو اور ایک طرف کی کھری ہو تب بھی یہی حکم ہے۔ کیونکہ کھوٹی چاندی میں زیادہ حصہ چاندی کا ہے اس لئے اس کو چاندی کا حکم دیا گیا اور تھوڑے بہت کھوٹ کی رعائت نہیں کی گئی اسی طرح کپڑے میں تانا ریشم ہو۔ اور باناسوت ہو تو جائز ہے اگر اس کا الٹ ہو تو جائز نہیں ٹھیک اس طرح مخلوط تعلیم کو سمجھ لینا چاہیئے۔ ہاں قرآن مجید کی اعلیٰ قرأت جاننے والا کم ملتا ہے اور اس کی تنخواہ عام اردو۔ فارسی کتابت والوں سے کم نہیں ہوتی۔ سو ایسی صورت میں قرآن مجید کی خدمت کو بالتبع نہیں کہہ سکتے جب بالتبع نہ ہوئی تو جن لوگوں کے نزدیک اجرت تعلیم قرآن درست نہیں وہ اس تنخواہ کو حرام حلال مخلوط کی قسم سے شمار کریں گے اور ایسا مخلوط کسب اگرچہ قطعاً حرام نہیں۔ ہاں اگر کسی شخص کی عادت مفت قرآن مجید پڑھانے کی ہو اس کے بعد لوگوں نے اسے اردو۔ فارسی کتابت کے لئے رکھ لیا اور قرآن مجید پڑھانے کی شرط نہیں کی یا مفت قرآن مجید پڑھانے کی اس کو عادت نہیں لیکن لوگوں نے اسکو صرف اردو، فارسی پڑھانے کیلئے رکھ لیا۔ کیونکہ وہ قرآن مجید کے چنداں مشتاق نہ تھے اسکے بعد اس نے انکو ترغیب دیکر قرآن مجید کیطرف توجہ دلائی اور خود بخود قرآن مجید کی پڑھائی کا ایک زائد بوجھ اپنے ذمہ لے کر پہلے سے زیادہ وقت صرف کرنے لگ گیا تو اس صورت میں اجرت تعلیم قرآن ناجائز کہنے والوں کے نزدیک یہ مخلوط کسب نہیں ہوگا۔ اور نہ اس کی آمد دوسرے شخص کے لئے مشتبہات کی قسم سے ہوگی اس طرح اگر ایک جگہ کوئی شخص پڑھاتا تھا اور ایک اور شخص کو لوگوں نے اُردو فارسی کتابت کے لئے مقرر کر لیا اس کے بعد قرآن مجید پڑھانے والا نہ رہا اور یہ خود ثواب کی نیت سے زائد وقت صرف کر کے قرآن مجید پڑھانے لگ گیا تو اس صورت میں بھی اجرت ناجائز کہنے والوں کے نزدیک یہ مخلوط کسب نہیں۔ اسی طرح اگر لوگ اردو فارسی کتابت اور قرآن مجید پر بیس روپے ماہوار یا کچھ کم وبیش دیتے ہیں اور ایک شخص حسب دستور کچھ کم مقرر کر لے اور کہے کہ میں کم اس لئے کرتا ہوں کہ میری قرآن مجید کی تعلیم ہو کیونکہ میں زائد وقت صرف کرنے کی بجائے حسب دستور تنخواہ کم کرتا ہوں تو اس صورت میں بھی اُجرت ناجائز کہنے والوں کے یہ مخلوط کسب سے نکل جائے گا۔ خلاصہ یہ کہ اگر کوئی ایسی صورت پیدا کرلی جائے جس سے عرفاً یہ پیسے قرآن مجید کی تعلیم کے مقابلہ میں نہ رہیں۔ تو پھر یہ مخلوط نہیں لیکن جب دلیل کی رو سے گزارے موافق اجرت لینے کا جواز راجح مذہب ہے تو پھر اتنی تکلیف اٹھانے کی کیا ضرورت ہے؟ ہاں احتیاط اور پرہیزگاری کی بنا پر کوئی ایسا کرے تو بہت اچھا ہے کیونکہ عموماً تنخواہ دار ہو کر کما حقہ تبلیغ نہیں ہو سکتی عموماً لحاظ ملاحظہ دامنگیر ہو جاتا ہے۔ الا ماشاء اللہ واللہ الموفق۔

(عبداللہ امرتسری ۲۸ ربیع الاول ۱۳۵۲ھ)

مشتبہ مال

سوال ۔ زید کا مال مشتبہ ہے یعنی محض ظن کے طور پر نہیں بلکہ یقینی طور پر مخلوط بالحرام ہے ۔ اس قسم کا مال کھانا جائز ہے یا نہیں ؟

جواب ۔ قطعاً حرام ہے مخلوط ہونے کی دو صورتیں ہیں ۔ ایک یہ کہ عام طور پر اس کی عادت ہے کہ دغا فریب کرتا ہے جھوٹ بول کر وعدہ خلافی کر کے مال کماتا ہے فروخت کے وقت اپنی شے کا عیب نہیں بتاتا یعنی اس طرح اس کے حلال مال میں حرام ملتا رہتا ہے تو یہ عام دنیا کی حالت ہے ۔ اس سے پرہیز مشکل ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا پرہیز نہیں کیا اگر ایسا پرہیز کرتے تو یہود کی دعوت نہ کھاتے ۔ مشکوٰۃ باب المعجزات ۔

دوسری صورت حرام مخلوط ہونے کی یہ ہے کہ آمد کی کوئی مد حرام کی ہو جیسے سود پر روپیہ دیتا ہو یا گرو زمین لے رکھی ہے جس کا منافع کھاتا ہے یا اس قسم کا اور سلسلہ جاری ہو تو اس سے بچنے کا انتظام ہو سکتا ہے جس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ باپ پر زور ڈالے کہ اس مد کی آمد کو علیحدہ صرف کرے باقی میں نہ ملائے دوسری یہ کہ باپ جس طرح چاہے کرے یہ اس کی حلال کمائی سے اپنا گزارہ علیحدہ کرالے ۔ اگر باپ ان دونوں صورتوں سے کوئی بھی تسلیم نہ کرے ، تو پھر اپنا الگ الگ گزارہ کرے ، کیونکہ جب حرام سے بچ سکتا ہے ، تو بچنا چاہیئے اس میں والدین کی کوئی تابعداری نہیں لَا طَاعَۃَ لِمَخْلُوْقٍ فِی مَعْصِیَۃِ الْخَالِقِ خدا کی نافرمانی میں مخلوق کی تابعداری نہیں ، لیکن اتنا یاد رکھنا چاہیئے کہ ایک بیّن حرام ہے ایک مشتبہ حرام بیّن حرام وہ ہے جو خالص حرام ہو اور حرمت اس کی صراحت ہو جیسے سود رشوت وغیرہ اور مشتبہ کی دو صورتیں ہیں ۔ ایک یہ کہ خالص حرام نہ ہو ، حلال مال سے ملا ہوا ہو ، جب کوئی شخص اس سے کچھ حصہ لے تو اب کیا معلوم ہے کہ اس حصہ میں وہ حرام آیا ہے یا نہیں ۔ دوسری صورت یہ کہ صراحۃً حرام نہ ہو بلکہ درمیان درمیان ہو جیسے حدیث میں کتّے کی بابت قتل کا حکم آیا ہے اس سے بعض نے اس کی حرمت سمجھی ہے اور ایک حدیث میں ہر پنجہ سے شکار کرنے والی شے سے آپ نے منع فرمایا ہے ۔ اس سے بعض نے اس کی حلت سمجھی ہے ۔ کیونکہ یہ پنجہ سے شکار نہیں کرتا ۔ جو بیّن حرام ہے اس کی ممانعت سخت ہے جو اس سے پرہیز نہ کرے وہ سخت مجرم ہے اس پر ہمیشگی کرنے والا بعید نہیں کہ کفر تک پہنچ جائے اور مشتبہ حرام کی سخت ممانعت سخت نہیں ۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی چراگاہ یا کھیت کے ارد گرد بکریاں چرائے خطرہ ہے کہ بکریاں چراگاہ یا کھیت میں داخل ہو جائیں چراگاہ یا کھیت بمنزلہ حرام کے ہے مشتبہ حرام اس کا ارد گرد ہے اس کی ممانعت اس وجہ سے کہ کہیں حرام میں واقعہ

نہ ہو جائے ورنہ درحقیقت اس سے ممانعت نہ تھی پس جو شخص مشتبہ حرام سے پرہیز نہ کرے اس کو ایسا بڑا برا تو نہیں کہا جا سکتا لیکن اس کا دین پورا سلامت بھی نہیں رہتا پوری سلامتی مشتبہ حرام سے پرہیز رکھنے میں ہے۔

(عبداللہ امرتسری روپڑی ۲۰ صفر ۱۳۵۳ھ)

خلاف شریعت حجامت بنانے کی اجرت

سوال ۔ ڈاڑھی مونڈ کر یا بودے بنا کر مزدوری لے کر گزارہ کرنا جائز ہے کہ نہیں؟ (محمد امین)

جواب ۔ جو کام حرام ہے اس کی اجرت بھی حرام ہے نَهٰى عَنْ ثَمَنِ الْكَلْبِ وَمَهْرِ الْبَغِيِّ وَحُلْوَانِ الْكَاهِنِ مشکوٰۃ دباب الکسب وطلب الحلال) یعنی کتے کی قیمت زنڈی (کنجری) کی اجرت اور کاہن کی شیرینی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ حرام کی اجرت بھی حرام ہے ڈاڑھی مونڈنا اور بودے بنانا حرام ہے۔ پس ان کی اجرت بھی حرام ہوگی۔ عبداللہ امرتسری مدیر تنظیم از روپڑ

اپنی جگہ کم تنخواہ پر ملازم رکھ کر بقایا رقم خود لینا

سوال ۔ ایک شخص کی تنخواہ سات روپے ماہوار ہے اس نے بضرورت دوسرے شخص کو پانچ روپے پر مقرر کر دیا اور وہ اس تنخواہ پر راضی بھی ہے بقایا دو روپے اصل ملازم لے سکتا ہے یا نہیں؟ (زین العابدین از کانپور)

جواب ۔ سات روپے والے نے پانچ روپے پر نوکر اپنی ذمہ داری پر رکھا ہے جس کا یہ مطلب ہے کہ پانچ روپے والا اس سات روپے والے کا ملازم ہے تو پھر سات سے دو روپے اسی سات والے کا حق ہے۔ کیونکہ ہر ملازم اپنی تنخواہ کا اور ہر مزدور اپنی مزدوری کا حقدار ہے جب سات روپے والے نے اپنے ملازم کو پانچ روپیہ ماہوار کے حساب سے دے دے تو اس کا حق شرح مقررہ پر ادا ہوگیا اب بقیہ دو میں اس کا کوئی حق نہیں اس کو ہر صورت پانچ روپے ادا کرنے پڑیں گے خواہ اس کو سات روپے ملیں یا کم وبیش یا بالکل نہ ملیں۔ اگر اپنی ذمہ داری پر نہیں رکھا بلکہ یہ کہا ہے کہ مجھے سات روپے مل گئے تو تمہیں پانچ روپے دوں گا ورنہ نہیں۔ تو اس صورت میں پانچ روپے والا درحقیقت سات روپے والے کا ملازم نہیں بلکہ یہ اس کا ملازم ہے جس کا سات روپے والا ملازم ہے پس اس صورت میں سات روپے والے کا کوئی حق نہیں کہ دو روپے اپنے پاس رکھے بلکہ وہ متول کو واپس کر دے کیونکہ یہ دو روپے پانچ روپے والے کا حق اس لئے نہیں کہ وہ پانچ روپے پر راضی ہے اور سات والے کا حق اس لئے نہیں کہ

یہ حقیقتاً نوکر نہیں رہا حقیقت میں نوکر پانچ والا ہے۔ ایسے موقع پر یہ بھی شرط ہے کہ جس کو اپنا قائم مقام کرے اس کو اپنے آقا کے سامنے بھی کر دے کیونکہ ممکن ہے کہ آقا کو اس قائم مقام پر یا اس کے کام پر پورا اعتماد نہ ہو اگر آقا کی مرضی کے بغیر اپنا قائم مقام بنا دیا تو کام میں فرق آنے کی صورت میں آقا پانچ روپے کی تنخواہ کا ذمہ دار نہ ہوگا بلکہ وہ اس کے ذمہ پڑے گی اور اگر کام میں فرق نہ آیا تو آقا کو سات روپے دینے پڑیں گے جن سے دو روپے سات روپے والے کے ہوں گے اور پانچ والے کے کیونکہ اس صورت میں سات روپے والا اپنے آقا کا ملازم ہوگا۔ اور پانچ والا سات والے کا جیسے پہلی صورت میں تھا جس میں پانچ والے کو اپنی ذمہ داری پر ملازم رکھا تھا۔

(عبداللہ امرتسری روپڑ ضلع انبالہ ۱۰ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ)

نکاح اور اذان تولد کی اُجرت

سوال: نکاح کرنے کی اجرت لینے کا کیا حکم ہے؟ محمد حسین چک ون ایل ضلع منٹگمری

جواب: نکاح یا اذان تولد پر اُجرت یہ سلسلہ کچھ ٹھیک معلوم نہیں ہوتا کیونکہ نکاح کے ارکان ایجاب وقبول ہیں جو ہر شخص کرا سکتا ہے خطبہ اور تین آیتیں کسی کو یاد نہ ہوں تو دیکھ کر پڑھ لی جائیں اگر دیکھ کر بھی پڑھنے والا نہ ہو تو ایجاب وقبول ہی کافی ہے اس طرح آذان کے کلمات عموماً یاد ہوتے ہیں اس لئے اس قسم کے اُجرت کے سلسلے اہل اسلام کو جاری نہ کرنے چاہئیں جو خواہ مخواہ زائد خرچ کا موجب ہوں شریعت ایسی فضول رسموں کی روک تھام کے لئے ہے اجراء کے لئے نہیں اس لئے خیر قرون میں ان باتوں کا نام ونشان نہیں پایا جاتا۔ حالانکہ نکاح جنازہ تولد کا سلسلہ قدیم سے ہے۔ عبداللہ امرتسری ۲۱ رفروری ۱۹۳۶ء

غزوہ میں اجرت

سوال: جس اجیر کو اجرت پر جہاد میں لے گئے اس کو مال غنیمت سے حصہ ملے گا یا نہیں؟ یہ مسئلہ اختلافی ہے بعض علماء قائل ہیں بعض نہیں، ترجیح کس قول کو ہے؟

جواب: باب الجعائل فی الغزو۔ میں جو حدیث ذکر کی ہے ہر اس شخص کے بارہ میں ہے جو جہاد سے اعراض کر کے محض مال کی خاطر جان دیتا ہے اور رخصت اس صورت میں ہے کہ جب اپنے پاس گنجائش نہ ہو تو دوسرے سے لے کر جنگ کرتا ہے اس صورت میں مقصود تو جہاد ہوتا ہے مگر پاس نہ ہونے کی وجہ سے لیتا ہے۔ کیونکہ

جنگ کی تیاری نہیں کر سکتا۔ اس لئے جاعل یعنی جعل دینے والا زیادہ ثواب کا مستحق ہے اس کو جعل کا اجر بھی ملتا ہے اور غازی کا ثواب بھی ملتا ہے اور اس کو صرف غازی کا ثواب ملتا ہے اور اس صورت میں یہ سہم کا مستحق بھی ہوگا۔

تیسرا وہ شخص ہے جو خادم ہے اجرت پر خدمت کرتا ہے جہاد کی غرض سے نہیں گیا بلکہ کوئی غازی اپنی خدمت کے لئے اس کو ساتھ لے گیا ہے ایسے شخص کی دو حالتیں ہیں۔ ایک یہ کہ اپنے متاجر کی صرف خدمت ہی کرے تو اس کا حق دینا اور آخرت میں صرف اجرت ہی ہے اور اس اجرت کی بھی رخصت ہے کیونکہ درحقیقت یہ جہاد کی اجرت نہیں دوسری یہ حالت ہے کہ وہ جنگ میں شریک ہو یعنی لڑائی کرے تو وہ بے شک غازی ہے اس کو ثواب بھی ملے گا اور غنیمت میں بھی حصہ ملے گا کیونکہ جنگ اس کا فی سبیل اللہ ہوگا۔ جنگ کے عوض اس نے اجرت نہیں لی۔ اگر جنگ اجرت پر کرتا ہے تو یہ اجرت نہ تو جائز ہے اور نہ اس کے لئے سہم ہے۔

(عبداللہ امرتسری از روپڑ ۱۱ رجادی الثانی ۱۳۴۸ھ)

دکان کا بیمہ

سوال ,, دکان کا بیمہ کرانا کہ اگر مال جل گیا۔ تو تم کو دینا ہوگا۔ ہم تم کو اتنا روپیہ ادا کرتے رہیں گے۔ یہ درست ہے یا نہیں؟

جواب ,, جو شخص کمپنی یا دکان کو روپیہ دیتا ہے اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ روپیہ دے کر منافع معین کرے کہ اتنا ماہوار لیا کروں گا خواہ پیسہ روپیہ ہو یا کم و بیش ہو۔ خواہ دکان جل جائے یا کمپنی کے مال کو آگ لگ جائے۔ تو یہ قطعاً سود ہے یہ کسی صورت جائز نہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ مضاربت ہو تو اس صورت میں منافع معین نہیں ہوتا۔ نصف یا تہائی یا چوتھائی بحساب آمد کے ملنا چاہیئے اگر کسی وقت منافع نہ آئے تو کچھ نہ ملنا چاہیئے اور اگر اصل رقم میں نقصان آئے اور دکان دار درکمپنی کی اس میں کوتاہی نہ ہو تو دکاندار یا کمپنی اس کی ذمہ دار نہیں کیونکہ مضاربت کا مال مضاربت پر لینے والے کے ہاتھ میں امانت ہوتا ہے شرعاً اس کا یہی حکم ہے اور اگر کوئی شخص اس کا ذمہ دار ہو جائے۔ تو پھر وہ مال قرض ہو جاتا ہے اور اس وقت روپیہ دینے والے کو منافع لینا جائز نہیں کیونکہ یہ سود ہے اور اگر مضاربت کی تفصیل مطلوب ہو تو نسائی وغیرہ کو دیکھیں۔

(عبداللہ امرتسری از روپڑ)

ہسپتال میں ملازمت

سوال ۔ ڈاکٹری ادویہ میں اکثر سپرٹ (شراب) ہوتی ہے کیا کمپوڈری کا کام جائز ہے۔

محمد یوسف امرتسری از کلکتہ

جواب ۔ یہ افواہ غلط ہے کہ اکثر ادویہ میں سپرٹ شراب ڈالی جاتی ہے بلکہ شاذونادر کسی دوا میں ہوتی ہے سو پتہ لگنے پر اس سے پرہیز ہو سکتا ہے اگر پتہ نہ لگے تو بے خبری کی وجہ سے معاف ہے۔ برانڈی انگور وغیرہ کا عرق ہے یا ست۔ اس میں تندرے نشہ ہے نمونیہ کھانسی دمہ چھاتی کے درد وغیرہ میں مفید ہے۔ اپریشن یا چوٹ کے بعد کمزوری دور کرنے کے لئے دودھ میں ملا کر دیتے ہیں۔ جیسے سلاجیت دیتے ہیں عام دواؤں میں نہیں پڑتی بلکہ جیسے اور دوائیں کبھی کسی دوا میں شامل کی جاتی ہیں اسی طرح کا حال ہے عام انگریزی دواؤں میں پڑنا یہ ویسے افواہ ہے واقعہ میں صحیح نہیں، ہاں اگر پتہ لگ جائے کہ فلاں دوا میں یہ ڈالی گئی ہے تو اس کو استعمال نہ کرے۔ کیونکہ حرام کے ساتھ علاج حرام ہے حدیث میں ہے۔ لاتداووا بالحرام۔ مشکوٰۃ کتاب الطب فصل ۲ یعنی حرام کے ساتھ دوا نہ کرو۔ (عبداللہ امرتسری ۲ شعبان ۱۳۵۱ھ)

مُردہ شوئی کی اُجرت

سوال ۔ ایک شخص امام مسجد ہے اور وہ مردہ شوئی کا کام کر کے اُجرت لیتا ہے آیا ایسے امام کے پیچھے نماز درست ہے یا کہ نہیں؟

جواب ۔ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ غَسَّلَ مَيِّتًا فَاَدّٰى فِيْهِ الْاَمَانَةَ وَلَمْ يُفْشِ عَلَيْهِ مَا يَكُوْنُ مِنْهُ عِنْدَ ذَالِكَ خَرَجَ مِنْ ذُنُوْبِهٖ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ اُمُّهٗ وَقَالَ لِيَلِهٖ اَقْرَبُكُمْ اِنْ كَانَ يَعْلَمُ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ يَعْلَمُ فَمَنْ تَرَوْنَ عِنْدَهٗ حَظًّا مِنْ وَرَعٍ وَاَمَانَةٍ رواہ احمد (منتقیٰ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو میت کو غسل دے اور اس میں امانت سے کام کرے اور میت کے عیب ظاہر نہ کرے وہ اپنے گناہوں سے ایسا پاک ہو گیا جیسے ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا اور میت کو اس کا قریبی غسل دے اگر غسل دینا جانتا ہو اگر نہ جانتا ہو تو تمہارے میں سے جو پرہیزگاری اور امانت کا کافی حصہ رکھتا ہو

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غسل یا تو قریبی دے یا پرہیزگار آدمی دے، کیونکہ ممکن ہے میت کے بدن پر کوئی عیب ہو یا بیماری کی حالت میں پاکی پلیدی میں احتیاط نہ ہوئی ہو یا غسل کے وقت اندر سے کوئی الائش نکلے یا زیرِ ناف بال بڑھ گئے ہوں یا اس قسم کی کوئی پردہ والی بات ہو تو اگر غسل دینے والا قریبی ہوگا۔ یا پرہیزگار ہوگا۔ تو میت کا پردہ فاش ہو کر میت کی بے عزتی نہیں ہوگی اس لئے ضروری ہے کہ غسل دینے والا قریبی ہوگا یا پرہیزگار ہوگا۔ اس کے علاوہ اس غسل دینے کو پیشہ بنا کر اس پر اجرت لینا اور ہمیشہ اس کام کے لئے آدمی مقرر کر دینا یہ خیر قرون کے خلاف ہے، خیر قرون میں یہ کام پیشہ ہو کر معاش کا ذریعہ نہیں بنا، بلکہ اپنے قریبی یا ہمسایہ وغیرہ غسل دیتے تھے پھر پیشہ بھی گندہ ہے کیونکہ نماز۔ بے نماز ہر گندے پلے کو غسل دینا پڑتا ہے بلکہ زیادہ تر ایسے ہی لوگ ہوتے ہیں، نیز خود ایسے پیشہ والے عموماً بے دین ہوتے ہیں پس یہ لوگ امامت کے حق دار نہیں،

عبداللہ امرتسری روپڑی ۲۵، ربیع الاول ۱۳۵۱ھ

بذریعہ منی آرڈر روپیہ بھجوانا

سوال ۔ مولوی رشید احمد گنگوہی کے فتاویٰ میں دو تین جگہ یہ فتویٰ درج ہے کہ منی آرڈر میں جو روپیہ بھیجا جاتا ہے یہ ربا میں داخل ہے ویسی کوئی درج نہیں ہاں اگر نوٹ کی رجسٹری کر دیوے یا روپوں کا بیمہ کرا دے تو جائز ہے، سوال یہ ہے کہ یہ مسئلہ ٹھیک ہے یا نہیں؟

جواب ۔ مولوی رشید احمد نے جو کچھ لکھا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جو روپیہ ڈاکخانہ میں دیا جاتا ہے وہ خزانہ میں داخل ہو جاتا ہے اور جس پتہ پر منی آرڈر کیا جاتا ہے وہاں کے خزانہ سے وہ روپیہ ادا کیا جاتا ہے تو گویا یہ بیع صرف ہوئی یعنی نقد کا تبادلہ اور بیع صرف ادھار جائز نہیں ورنہ ربا لازم آتا ہے اور منی آرڈر کرنے میں اُدھار ہوتا ہے، کیونکہ کئی دنوں کے بعد اس شخص کو روپیہ ملتا ہے جس کو بھیجا گیا ہے اور رجسٹری یا بیمہ کی صورت میں چونکہ بعینہٖ وہ روپیہ جاتا ہے جو ڈاکخانہ میں داخل کیا گیا ہے اس لئے یہ بیع کی صورت نہ ہوئی پس جائز ہوا یہ وجہ مولوی رشید احمد کے فتویٰ کی ہے مگر اس میں یہ شبہ ہے کہ بیع میں تبادلہ مقصود ہوتا ہے اور منی آرڈر کرنے میں تبادلہ مقصود نہیں ہوتا کیونکہ جو مقصود بیمہ یا رجسٹری سے ہے وہی منی آرڈر سے ہے یعنی دونوں سے مقصود صرف رقم ہوتی ہے خواہ وہی رقم ہو یا دوسری ہو پس جب تبادلہ مقصود نہیں، بلکہ سرے ہی سے اس کی طرف خیال بھی نہیں ہوتا، تو یہ بیع نہ ہوئی پس جب بیع نہ ہوئی تو بعینہٖ رجسٹری یا بیمہ کی صورت ہو گئی پس اس کے جواز

میں بھی کوئی شبہ نہ ہونا چاہیئے ۔ ہاں اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ بیع نفس تبادلہ کو کہتے ہیں. تبادلہ کا مقصود ہونا یا تبادلہ کا لحاظ ہونا ضروری نہیں. تو اس صورت میں مولوی رشید احمد کی بات تو پوری ہو جائے گی. مگر یہ دعویٰ بلا دلیل ہے بلکہ عرف اس کو رد کرتا ہے کیونکہ بیع میں تبادلہ مقصود نہ ہو یا تبادلہ کا لحاظ نہ ہو. تو تجارت ہی بند ہو جائے نہ کوئی سودا پتر لے نہ دے بلکہ قرض حسنہ بھی بند ہو جائے. کیونکہ اس صورت میں قرض حسنہ بھی بیع ہوگی اور بیع سونے چاندی کی ادھار درست نہیں یہ متفق علیہ مسئلہ ہے اور احادیث میں بھی صراحۃً آیا ہے ملاحظہ ہو (مشکوٰۃ باب الربا)

عبداللہ امرتسری از روپڑ ۱۰ ذی قعدہ ۱۳۵۱ھ

بینک کی تنخواہ یا گروی کی آمد سے خدمتِ دین

سوال ۔ بینک کی تنخواہ سے یا گروی کی آمد سے خدمتِ دین کا کیا حکم ہے ؟

جواب ۔ بینک کا کاروبار حرام ہے کیونکہ سود ہے نہ اس روپے کو کھا سکتا ہے . نہ اہل وعیال کی پرورش میں صرف کر سکتا ہے اور نہ اس سے خدمت دین قبول ہوتی ہے حدیث میں ہے اِنَّ اللّٰہَ طَیِّبٌ لَا یَقْبَلُ اِلَّا طَیِّبًا. یعنی اللہ تعالیٰ پاک ہے پاک ہی قبول کرتا ہے گروی کی آمد بھی سود کی قسم ہے امیر ہو کر ایسے جرائم کا ارتکاب گویا لوگوں کے لئے گناہ کا راستہ کھولنا ہے جس سے جرم بہت بڑھ جاتا ہے۔ (عبداللہ امرتسری روپڑی)

ثالث کیلئے فیصلہ کا معاوضہ

سوال ۔ دو شخصوں نے اپنے تنازعے کے فیصلہ کے لئے ایک ثالث مقرر کیا. انہوں نے ایک آدمی کو بلانے کے لئے دس روپے کا مطالبہ کیا کہ اس کو کرایہ خرچ کر کے بلایا جائے. کرایہ کے روپے ثالث لینے کا حقدار ہے یا نہیں ؟

جواب ۔ حضرت ابوبکرؓ جب خلیفہ ہوئے تو فرمایا کہ تمہیں معلوم ہے کہ میرا پیشہ میرے اہل کے گزارے کے لئے کافی تھا اب میں مسلمانوں کے کام میں لگ گیا ہوں. اب آل ابی بکرؓ اسی سے کھائے گی اور اسی میں مسلمانوں کے لئے کام کرے گی. (مشکوٰۃ باب رزق ولاۃ)

اس سے معلوم ہوا کہ فیصلوں کا معاوضہ لینا جتنا خرچ ہوا اور وقت لگے جائز ہے اس میں کفایت شعاری ضرور ملحوظ ہے کیونکہ حضرت ابوبکرؓ نے گذارہ لینے ہی کا ذکر کیا ہے سو ثالث کو چاہیئے کہ اپنے وقت اور خرچ کا اندازہ

کر کے بوجھ ڈالے۔ زیادہ ٹھیک نہیں۔

سوال میں جس صورت کا ذکر ہے کچھ علم نہیں کہ کتنا وقت صرف ہوا اور ثالث کا کتنا خرچ ہو کیونکہ ہر شے موقع محل سے تعلق رکھتی ہے بعض موقعہ پر دس روپے زیادہ ہوں، بعض موقعہ پر اس سے زیادہ بھی کم ہیں اس کا اندازہ فریقین ہی کر سکتے ہیں۔ (عبداللہ امرتسری مدیر تنظیم روپڑ (انبالہ) ۹ ربیع الاول ۱۳۶۰ھ)

سود کا بیان

تجارت پر روپیہ دے کر مقررہ نفع لینا

سوال ۔ کوئی تاجر شخص اس شرط پر روپیہ لینا چاہتا ہے۔ تجارت کے لئے کہ وہ اپنے ماہوار منافع سے ایک صد روپیہ کا منافع پانچ روپیہ دے گا وہ منافع کا حصہ اس لئے مقرر نہیں کرتا ایسا کرنے میں وہ کہتا ہے کہ میری ایمانت داری پر شک پڑتا ہے کیا اس طرح مقرر کر کے منافع لینا جائز ہے۔

جواب ۔ مقررہ رقم منافع نہیں بلکہ سود ہے کیونکہ منافع ہمیشہ ایک انداز سے پر نہیں ہوتا ہاں حصہ مقرر ہو سکتا ہے۔ کہ جو منافع آئے اس کا نصف یا کم وبیش۔ ایمانداری پر شک کی کوئی وجہ نہیں، حساب صاف ہو تو اس قسم کے شکوک آخر رفع ہو جاتے ہیں۔ (عبداللہ امرتسری مدیر تنظیم روپڑ ضلع انبالہ)

بنک کے سود سے مسجد

سوال ۔ گاؤں فیروزوالی[1] باڈا میں بنک زمیندارہ عرصہ تقریباً پندرہ سال سے قائم ہے اب اس میں مسلمان ممبران کا سود یا منافع چند ہزار روپیہ تک جمع ہے اور بنک اپنے اصول کے مطابق وہ منافع ممبران میں تقسیم کرنا چاہتی ہے ان ممبران کی خواہش ہے۔ کہ اس مشترکہ منافع یا سود سے کچھ روپیہ تعمیر پر لگایا جائے آیا اب یہ روپیہ حسب خواہش ممبران مذکور مسجد کی تعمیر میں خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں۔ (محمد اسماعیل)

جواب ۔ سود کا روپیہ حرام ہے، حرام کو حرام رستے پر خرچ کر سکتے ہیں، نیک رستے حرام مال نہیں لگ سکتا حدیث میں ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ طَیِّبٌ لَا یَقْبَلُ اِلَّا طَیِّبًا یعنی اللہ تعالیٰ پاک ہے پاک ہی کو قبول کرتا ہے

[1] یہ میرا آبائی گاؤں ہے (مرتب)

ایک روایت میں ہے لا یقبل اللہ الا الطیّب یعنی اللہ تعالیٰ پاک ہی قبول کرتا ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

سودی رقم سے حاصل کیا ہوا قرضہ حرام ہے یا حلال

سوال : کیا سودی قرضہ لینے سے سود دہندہ کا وہ مال جو اس نے سودی رقم سے حاصل کیا ہے حرام ہے یا حلال؟ اور اس کی دعوت وعطیہ قبول کرنا شرعاً درست ہے یا نہ سود لینے والے اور دینے والے کے مال میں ازروئے حلت وحرمت مال کچھ فرق ہے یا نہیں وہ قاعدہ جو مشہور بین الفقہاء ہے کہ جو شے حلال مفضی وذریعہ حرمت ہے وہ شے بھی حرام ہوجاتی ہے یہ قاعدہ کلیہ صحیح ہے یا غلط؟

جواب : سود دینے والے کا مال حرام نہیں اگرچہ سود دینا حرام ہے اللہ عزوجل قرآن مجید میں فرماتا ہے۔ یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَ ذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰا وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَکُمْ رُؤُسُ اَمْوَالِکُمْ الایۃ

یعنی اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو بقیہ سود چھوڑ دو اگر تم توبہ کرو تو تمہارے واسطے اصل مال ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ حرمت کا اثر اصل مال پر نہیں پڑتا۔ اگر اصل مال پر بھی پڑتا تو توبہ کے بعد بھی اس کے پاک ہونے میں شبہ ہوتا مثلاً خرچی زانیہ ہے تو توبہ کے بعد بھی حرام ہے اس لئے کہ جو شے حرام ہے وہ زیادتی ہے جس کو سود کہتے ہیں وہ دینے والے کے مال میں اپنی حرکت کا اثر نہیں کرسکتی زیادہ دینا بے شک حرام ہے اور اس وجہ سے دینے والا گنہ گار ہوتا ہے لیکن اصل مال حرام نہیں ہوسکتا۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص نے حیض میں اپنی عورت سے وطی کی تو اس وطی سے پیدا شدہ اولاد بالاتفاق حلال ہے اگرچہ وطی حرام ہے۔ ایسی ہی اس کی مثال یہ بھی ہوسکتی ہے جیسے ایک مال چھوڑانے میں ایک شخص کا نمبر پیچھے ہے وہ کچھ رشوت دے کر پہلے چھوڑا لے تو یہ بے شک گنہ گار ہوگا اور لینے والے کے لئے یہ مال حرام ہوگا۔ لیکن رشوت دینے والے کے لئے چھوڑایا ہوا مال حرام نہیں ہوسکتا۔ ٹھیک اس طرح سود کا قرض اور سود کا دینا ہے سود کا قرض حلال مال ہے اور سود کا دینا حرام ہے کیونکہ سود پر جو روپیہ لیا جاتا ہے وہ قرض ہوتا ہے اور اصل قرض جائز ہے صرف ایک شرط خلاف شرع (یعنی سود کی شرط) ہونے کی وجہ سے اس قرض لینے کو حرام کہا جاتا ہے۔ مگر اس سے اصل روپیہ حرام نہیں ہوتا۔ خلاصہ یہ کہ اصل مال کی حرمت اس وقت ہے جب حرام

خواہ استعمال کے عوض ہو جیسے خرچی زانیہ جو استعمال بضعہ کے عوض ہے یا کسی عینی شے کے عوض ہو جیسے

قیمت شراب یا اس سے بیگانہ حق متعلق ہے جیسے چوری وغیرہ ان صورتوں کے علاوہ اصل مال حرام نہیں ہو سکتا اگرچہ گناہ بڑا ہو کیونکہ عارضی حرمت اصل مال کی رو سے خارجی حرکت کے حکم میں ہے جیسے ایک شخص کی کمائی حلال کی ہے مگر بوجہ ترک نماز اس نے اس کو حاصل کیا ہے تو نماز نہ پڑھنے کا فعل اگرچہ حرام ہے مگر اس سے جو کمائی حلال کی اس نے حاصل کی ہے وہ حرام نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ نماز نہ پڑھنا اس کا ایک امر خارجی ہے جس کو اصل مال میں کچھ دخل نہیں۔ کما لا یخفیٰ۔

اس تحقیق سے سود دینے والے اور لینے والے کے مال میں فرق معلوم ہو گیا سود دینے والے کا مال حرام ہے اور سود دینے کا فعل حرام ہے اور سود لینے والے کی اصل رقم حلال ہے اور جو زائد لیتا ہے وہ حرام ہے اصل رقم کے حلال ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ اس کی اپنی شے ہے اور جو زائد لیتا ہے۔ وہ اس کی اپنی شے نہیں اور نہ کسی اپنی شے کا عوض ہے اور جو لیتا ہے وہ شرط باطل کے ساتھ ہے اس لئے وہ حرام ہے۔

فقہاء کا قاعدہ مزید اور مزید غلبہ سے متعلق نہیں بلکہ مزید اور مزید غلبہ میں دوسرا قاعدہ جاری ہوگا۔ وہ یہ ہے لہا ما کسبت وعلیہا ما اکتسبت ورنہ بہت سے محظورات لازم آئیں گے جیسے ایک شخص خود عمل نہیں کرتا تو اس کو امر بالمعروف بھی حرام ہو یا تہبند ٹخنوں سے نیچے رکھنا حرام ہے تو چاہیئے کہ ایسے شخص کو ستر ڈھانپنا بھی حرام ہو۔ فقط واللہ اعلم (عبداللہ امرتسری مدیر تنظیم)

لقد اصاب من اجاب۔ ابو محمد عبدالرحمٰن عفی عنہ

الجواب صحیح والمجیب نجیح کتبہ محمد سلیمان عفی عنہ، مئوی مدرس مدرسہ دار الحدیث رحمانیہ دہلی

الجواب صحیح نذیر الدین احمد البنارسی۔

(۱) تعاقب از مولانا شرف الدین عفی عنہ مدرس مدرسہ میاں صاحب مرحوم دہلی

ہو الموفق۔ ان مجیب صاحبوں نے جو کچھ لکھا ہے بالکل غلط ہے میں مفصل جواب الگ لکھ چکا ہوں۔ اور مستفتی کو دیدیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ بحکم آیت وحرم الربا سود قطعی حرام ہے اور سود لینے والے کا پیسہ سود حرام ہے اس پیسہ کو لے کر سود دہندہ تجارت کرتا اور کماتا ہے لہٰذا جو کچھ حرام سے کمایا وہ بھی حرام ہے۔ اور بحکم آیت لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ حرام وحدیث صحیح ان اللہ حرم علیکم اموالکم الحدیث پرائے مال میں اباحت نہیں بلکہ حرمت ہے۔ فافہم تدبر۔ ابو سعید محمد شرف الدین مدرسہ مدرسہ میاں صاحب مرحوم دہلی

تائید تعاقب از مولانا ابوالزبیر محمد یونس مدرسہ حضرت میاں صاحب رح دہلی

جوابات مذکورہ بالا سب غلط ہیں، حضرات مجیبین نے مسامحت سے کام لیا ہے مولانا شرف الدین صاحب کی تحریر درست ہے، سود لینے دینے کی حرمت نص ہے۔ جو قرضہ سود پر لیا گیا وہ بوجہ سودی شرط کے حرام ہے لہٰذا ایسی کمائی کے مال سے جو دعوت کی جائے اس کا قبول کرنا بھی حرام ہے اور کھانا بھی حرام ہے ایسے اموال کے متعلق حلت کا فتویٰ دینا عوام کو اور دلیر کر دیتا ہے، مسلمانوں کی زیادہ بربادی کا سبب سود کا لینا دینا ہے خطابی نے جو کہا ہے۔ کُلُّ اَمْرٍ یَتَذَرَّعُ بِہٖ اِلَی الْمَحْظُورِ فَھُوَ مَحْظُورٌ بہت ٹھیک اور درست ہے اور جو حدیث اس قول کے اوپر مذکور ہے اس سے یہ قول مستنبط ہے اتباع سلف کا یہ دعویٰ کرتے ہوئے اپنے قیاسوں اور مثالوں سلف کے قاعدہ پر مقدم کرنا باعث تعجب ہے واللہ اعلم بالصواب۔

عاجز ابوالزبیر محمد یونس غفرلہٗ مدرس مدرسہ حضرت میاں صاحب دہلی رح

جواب تعاقب

مولوی شرف الدین صاحب نے پہلی دلیل آیت کریمہ وحرم الربا پیش کی ہے حالانکہ اس کو مبحث سے کچھ تعلق نہیں کیونکہ ربا زیادتی کو کہتے ہیں سو وہ بالاتفاق حرام ہے اس طرح دوسری دلیل کو سمجھ لیں کیونکہ بھائی کا مال باطل کے ساتھ کھانے والا سود خوار ہے نہ کہ سود دینے والا، کہ بھائی کا مال نہیں کھاتا۔ کیونکہ درہم و دینار عقود میں متعین نہیں ہوتے ورنہ ربا کا معاملہ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ میں داخل ہو جائے گا، اگر کہا جائے۔ کہ داخل ہونے میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ آیت ربا آخر میں اتری ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ پھر معاملہ ربا کی حرمت کے لئے یہ آیت پیش کرنی ٹھیک نہیں ہوگی۔

نیز آیت کریمہ وحرم الربا نے اس اجمال کی تفصیل کر دی کہ معاملہ ربا میں حرام زیادتی ہے سو ربا کے معاملہ میں اکل مال بالباطل سے یہی مراد ہوگی۔

تیسری دلیل مولوی شرف الدین صاحب نے حدیث پیش کی ہے ان الفاظ کے ساتھ مجھے حدیث یاد نہیں اگر ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حرمت دوسرے کے تعلق کی وجہ سے ہے جو عارضی ہے اور رضامندی سے دوسرے کا تعلق ضائع ہو جاتا ہے پس اصل اباحت رہی۔

دوسری دلیل میں بہت سی تفصیل ہے جو طول کو چاہتی ہے عندالضرورت کی جائے گی۔ انشاءاللہ۔ مولوی محمد یونس صاحب نے کوئی بات قابل جواب نہیں کہی۔ حنفیہ کے متقابلہ قیاس کا لفظ بولتے بولتے ہر ایک کے مقابلہ میں بولنے لگ گئے حالانکہ کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ ایسے قیاس اور ایسی مثالیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی دیا کرتے تھے چنانچہ ایک شخص نے پوچھا کہ اپنی بہن کی طرف سے حج کروں؟ تو فرمایا اگر اس پر قرض ہوتا تو ادا کرتا کہا ہاں پھر فرمایا کہ اللہ کا قرض زیادہ لائق ہے کہ ادا کیا جائے رہا سلف کی مخالفت کا الزام سو سلف سے اس بارہ میں غیر امر کچھ ثابت ہی نہیں نیز خطابی رحمہ نے جو قاعدہ بیان کیا ہے اس کا مطلب ہم اوپر بتا چکے ہیں بس کوئی اعتراض نہیں۔ عبداللہ امرتسری از روپڑ ضلع انبالہ ۲۰ ذیقعد ۱۳۴۶ھ بروز منگل

پراویڈنٹ رقم جو بنک میں جمع ہوتی ہے اسکے سود کا حکم

سوال : ایک شخص سرکاری مدرسہ میں مدرس ہے اس کی ماہوار تنخواہ سے پراویڈنٹ فنڈ یعنی ایک آنہ فی روپیہ جمع ہوتا رہتا ہے اور اتنا ہی سرکار اس کے نام اپنی گرہ سے جمع کرتی ہے جب وہ مدرس ملازمت سے علیحدہ ہوگا یہ جمع شدہ روپیہ مع کچھ سود کے اس مدرس کو مل جائے گا۔ اب سوال یہ ہے کہ پراویڈنٹ فنڈ بھی جمع کرانا پڑتا ہے، اور سود نہ وصول کرنے کے لئے بھی مدرس نے کوشش کی، مگر جواب ملا کہ گورنمنٹ اپنا قانون چند ایک مسلمان مدرسین کے لئے نہیں بدل سکتی۔ ایسا مدرس جماعت کا وقتاً فوقتاً امام ہو سکتا ہے یا کہ نہیں؟ کیونکہ اس نے ابھی روپیہ یا سود وصول تو نہیں کیا۔ محض اس کے نام جمع ہو رہا ہے؟

بدر دین ہیڈ ماسٹر ڈی۔ بی سکول سرہالی کلاں ضلع امرتسر

جواب : چونکہ یہ روپیہ اپنے اختیار سے جمع نہیں کرایا جاتا اس لئے مدرس کے ذمہ گناہ نہیں لیکن سود جائز نہیں اپنی اصل رقم وصول کر کے اپنے استعمال میں لائے اور سود کی رقم وصول کر کے کسی حرام جگہ دیدے مثلاً کسی نے سودی قرض دینا ہے تو اس کا سودی قرض اتار دے یا اپنا جائز حق وصول نہیں ہوتا کوئی ظلم سے دبائے ہوئے ہے وہ کچھ مانگتا ہے تو اس کو سود دے کر اپنا حق وصول کرلے یا کسی پر ناحق جرمانہ ہوگیا ہو تو وہاں ادا کر دے۔ غرض حرام کی شئے حرام رستے جانی چاہیئے۔ اپنے استعمال میں نہ لائے اور نہ ان کے پاس چھوڑے کیونکہ وہ اپنے کسی مشن میں صرف کر کے اسلام کو نقصان پہنچائیں گے۔ قرآن مجید میں ہے۔ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيْرٌ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌ بِهٖ وَصَدٌّ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاِخْرَاجُ

اَهۡلِهٖ مِنۡهُ اَكۡبَرُ عِنۡدَ اللّٰهِ وَالۡفِتۡنَةُ اَكۡبَرُ مِنَ الۡقَتۡلِ. یعنی تجھ سے مہینہ حرام کی بابت پوچھتے ہیں، کہ اس میں لڑائی کرنا (کیسا ہے) کہہ دے کہ اس میں لڑائی کبیرہ گناہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے رستہ سے روکنا۔ اللہ کے ساتھ کفر کرنا مسجد حرام سے بند کرنا اور مسجد الحرام کے اہل کو اس سے نکالنا یہ اس سے بھی بڑا گناہ ہے اور شرک قتل سے بھی بڑھ کر گناہ ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم سے ایک مرتبہ مہینہ حرام میں لڑائی ہوگئی تو کفار نے اعتراض کیا کہ انہوں نے مہینہ حرام کی ہتک کی اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتار دی، مطلب اس کا یہ ہے کہ مہینہ حرام میں لڑائی بے شک بڑا گناہ ہے، مگر جو کام تم کر رہے ہو، اس سے تو یہ کئی درجے ہلکا ہے تم اللہ کے راستہ سے روکتے ہو۔ مسجد حرام میں عبادت نہیں کرنے دیتے، شرک کرتے ہو جو قتل سے بھی بڑھ کر ہے اگر ان کاموں کے مٹانے کے لئے مہینہ حرام میں لڑائی ہو گئی، تو کیا تمہارے جرم سے یہ جرم بڑھ گیا۔ بلکہ تمہارا جرم کئی گنا بڑھ کر ہے پھر تم کس طرح اعتراض کرتے ہو۔ اس آیت سے یہ مسئلہ نکلا کہ بڑے گناہ سے بچنے کے لئے اگر چھوٹے کا ارتکاب ہو جائے تو یہ محل اعتراض نہیں، ہاں اگر دونوں سے بچ سکے تو پھر دونوں سے بچنے کی کوشش کرے لیکن اگر ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ ایک کا ارتکاب مجبوراً کرنا پڑے تو پھر ہلکی صورت اختیار کرے جس میں گناہ کم ہو۔ مثلاً جھوٹ بھی گناہ ہے آپس کی نزاع بھی گناہ ہے تو جھوٹ بول کر صلح کرا سکتا ہے کیونکہ جھوٹ آپس کی نزاع سے بہت ہلکا گناہ ہے اس لئے صلح کے لئے جھوٹ بولنے کی اجازت ہے۔ قرآن مجید میں سورۂ یوسف میں ہے۔ وَلَئِنۡ لَّمۡ يَفۡعَلۡ مَاۤ اٰمُرُهٗ لَيُسۡجَنَنَّ وَلَيَكُوۡنًا مِّنَ الصّٰغِرِيۡنَ قَالَ رَبِّ السِّجۡنُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا يَدۡعُوۡنَنِيۡۤ اِلَيۡهِ الاٰیۃ زلیخا نے کہا جو کچھ میں یوسف کو کہتی ہوں اگر نہیں کرے گا، تو قید کیا جائے گا، اور ذلیل ہوگا۔ یوسف علیہ السلام نے کہا اے میرے رب! مجھے قید اس گناہ سے زیادہ پیاری ہے جس کی طرف یہ بلاتی ہے۔ زنا بھی حرام ہے مصیبت مانگنی بھی حرام ہے لیکن یوسف علیہ السلام نے جب دیکھا کہ زلیخا اپنی بات پر مصر ہے اور کہتی ہے کہ یوسف میری خواہش پوری کرے گا یا جیل میں جائے گا تو یوسف علیہ السلام نے ہلکی صورت اختیار کرتے ہوئے فرمایا، اے میرے رب! مجھے جیل زیادہ پسند ہے۔ یعنی یوسف علیہ السلام نے زنا سے بچنے کے لئے جیل کی مصیبت مانگی، ٹھیک اسی طرح سوال کی صورت کو سمجھ لینا چاہیئے سود کا لینا حرام ہے۔ سود کا چھوڑنا اسلام کا نقصان ہے لیکن لینے میں ہلکی صورت پیدا ہو سکتی ہے جس کی تفصیل اوپر آچکی ہے پس احتیاط کرنی مناسب ہے۔

عبداللہ امرتسری ۱۲ ربیع الاول ۱۳۵۱ھ

غنی آدمی کا مسلمان کو فائدہ پہنچانے کیلئے غیر مسلم سے سود لینا

سوال ، سود لینے والی قوم سے اگر کوئی مسلمان سود وصول کرے۔ اور وہ سود کسی مسلمان بھائی کے سود کے عوض یا کسی اور اچھے کام میں خرچ کرے تو کیا ثواب ہے یا گناہ ہے ؟ احمد الدین امام مسجد محمدی پور

جواب ، سود چونکہ حرام ہے اس میں کوئی صورت بھی جائز نہیں ہاں اتنا فرق ہو سکتا ہے جیسے کسی عورت سے زناء کرنا اور ایک ہمسایہ کی عورت سے زنا کرنا ہے حرام سے ہمدردی شرعاً کوئی ہمدردی نہیں۔ حدیث میں ہے ان اللہ طیب لا یقبل الا طیبا۔ عبداللہ امرتسری از روپڑ، ۱۲ ، شعبان ۱۳۵۵ھ

مسئلہ بیاج

سوال ، زمانہ حاضرہ میں مسلمانوں کی حالت افلاس نہایت قابل رحم ہے اہل ہنود سے اہل اسلام ڈیڑھ گنا اور دو گنا سود مقرر کر کے قرضہ لے کر تباہ ہو رہے ہیں بنا بریں اگر متمول لوگ اہل اسلام ایک امدادی فنڈ مقرر کر کے ایک کثیر رقم جمع کریں۔ — اور اس سے غرباء لوگوں کو قرضہ دیں اور ان سے اس امدادی فنڈ میں چار آنہ فیصد یا کم وبیش کچھ زائد رقم ادا کرنے کی شرط کر لیں۔ تاکہ امدادی فنڈ کی ترقی اور امداد ہوتی رہے۔ اور غرباء لوگوں کا کام چلتا رہے تو کیا یہ جائز ہے۔ سائل یکے از سلیمان باماں بالا ضلع منٹگمری

جواب ، سود مطلق حرام ہے۔ خواہ بنک کا ہو یا غیر بنک کا مسلمانوں کی خیر خواہی حرام سے طریق سے خیر خواہی نہیں۔ بلکہ بد خواہی ہے کہ حرام کے لئے خود راستہ کھول دیا۔ سود کی کوئی صورت شرع نے حلال نہیں کی بلکہ اس میں تھوڑا بہت حصہ لینے والوں کی بابت بھی سخت وعید آئی ہے۔ عبداللہ امرتسری

بنک میں کاروبار کرنا اور ایسے شخص کی ضیافت کا حکم

سوال ، محکمہ بنک کا ملازم اپنی محنت کا معاوضہ سمجھ کر بروئے شریعت محمد سودی رقم کے تنخواہ حاصل کر سکتا ہے ، مذکورہ ملازم جو کہ تنخواہ غیر سودی رقوم سے حاصل کرتا ہے کیا یہ تنخواہ بروئے شریعت اس کے واسطے جائز ہے ؟ اور ایسے شخص کا عطیہ اور دعوت قبول کرنا روا ہے یا نہیں ، سائل محمد یونس

جواب ، حدیث شریف میں سود کے کاتب اور شاہد پر لعنت آتی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بنک کے کسی کاروبار میں شرکت موجب لعنت اور حرام ہے خواہ تنخواہ سود کی مد سے لے یا کسی اور مد سے اور جب یہ شُبہ موجب لعنت اور حرام ہوا تو ایسے شخص کی ضیافت قبول کرنا بھی ٹھیک نہ ہوئی ہاں اگر حلال کی مد سے ہو تو کھانا ناجائز نہ ہوگا۔ مگر ایسے شخص نے اس قسم کا میل ملاپ شرعاً خطرناک ہے، شرعی غیرت کا تقاضا یہی ہے کہ اس سے نفرت کا اظہار کرتے ہوئے ضیافت مسترد کر دی جائے اور کسی قسم کی رعائت اور لحاظ نہ کیا جائے۔ واللہ الموفق

عبداللہ امرتسری مدیر تنظیم روپڑ ضلع انبالہ ۲۲ جمادی الاول ۱۳۵۹ھ

حفاظت کے لئے بغیر نیت سود کے بنک میں روپیہ جمع کرانا جائز ہے؟

سوال ، کیا محض حفاظت کے لئے بغیر نیت سود کے بنک میں روپیہ جمع کرانا جائز ہے؟

جواب ، (الف) مشکوٰۃ میں ہے۔

عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اَقْرَضَ اَحَدُکُمْ قَرْضًا فَاَھْدٰی اِلَیْہِ اَوْحَمَلَہٗ عَلَی الدَّابَّۃِ فَلَا یَرْکَبْہُ وَلَا یَقْبَلْہُ اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ جَرٰی بَیْنَہٗ قَبْلَ ذٰلِکَ

رواہ ابن ماجہ والبیہقی فی شعب الایمان (مشکوٰۃ باب الربا فصل ۳ ص ۲۴۶)

ترجمہ ۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب تم سے کوئی کسی کو قرض دے ۔ اور مقروض اس کو ہدیہ دے یا چارپائے (گھوڑے وغیرہ) پر سوار کرے تو ہدیہ قبول نہ کرے نہ چارپائے پر سوار ہو۔ ہاں اگر پہلے ان دونوں کے درمیان اس قسم کے احسان سلوک کا طریق جاری ہو تو پھر حرج نہیں۔

ب ، وَعَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اَقْرَضَ الرَّجُلُ الرَّجُلَ فَلَا یَاْخُذْ ھَدِیَّۃً رواہ البخاری فی تاریخہ ترجمہ ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ جب کوئی شخص کسی کو قرض دے تو اس سے ہدیہ نہ لے۔ اس کو بخاری نے اپنی تاریخ میں روایت کیا۔

ج ۔ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلذَّھَبُ بِالذَّھَبِ وَالْفِضَّۃُ بِالْفِضَّۃِ وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ وَالشَّعِیْرُ بِالشَّعِیْرِ وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ وَالْمِلْحُ بِالْمِلْحِ مِثْلًا بِمِثْلٍ یَدًا بِیَدٍ فَمَنْ زَادَ اَوِ اسْتَزَادَ فَقَدْ اَرْبٰی اَلْاٰخِذُ وَالْمُعْطِیْ فِیْہِ سَوَاءٌ (رواہ مسلم) ترجمہ ۔ ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سونا سونے کے بدلے چاندی چاندی کے بدلے گیہوں

گیہوں کے بدلے کھجوریں کھجوروں کے بدلے اور نمک نمک کے بدلے برابر برابر دست بدست ہے جو زیادہ دے یا زیادہ طلب کرے وہ سود کا مرتکب ہوا۔ لینے دینے والا اس میں برابر ہیں۔ اس کو مسلم نے روایت کیا۔

۵۔ عَنْ اَبِی بُرْدَۃَ بْنِ اَبِی مُوْسٰی قَالَ قَدِمْتُ الْمَدِیْنَۃَ فَلَقِیْتُ عَبْدَ اللّٰہِ بْنَ سَلَامٍ فَقَالَ اِنَّکَ بِاَرْضٍ فِیْھَا الرِّبَا فَاشٍ فَاِذَا کَانَ لَکَ عَلٰی رَجُلٍ حَقٌّ فَاَھْدٰی اِلَیْکَ حِمْلَ تِبْنٍ اَوْحِمْلَ شَعِیْرٍ اَوْحِمْلَ قَتٍّ فَلَا تَاْخُذْہُ فَاِنَّہٗ رِبًا۔ رواہ البخاری۔

ابوبردہ بن ابی موسیٰ سے روایت ہے کہ میں مدینہ شریف میں آیا پس عبداللہ بن سلام کو ملا۔ فرمایا تو ایسی زمین میں ہے جہاں سود کا لین دین بہت ہے پس تیرا کسی کے ذمہ حق ہو اور وہ تجھے ایک بوجھ توڑی یا جو یا ایک گٹھڑ گھاس کا بطور ہدیہ کے دے تو نہ لے کیونکہ یہ سود ہے۔

ان چار احادیث سے مسئلہ حل ہوگیا۔ پہلی تین حدیثوں میں ہے کہ قرض دینے والے کو ہدیہ وغیرہ بھی قبول کرنا جائز نہیں۔ اور چوتھی حدیث میں فرمایا نہ زیادہ دے اور نہ زیادہ مانگے۔ ورنہ سود کا مرتکب ہوگا۔ سوال کی صورت میں بیشک آپ مانگتے تو نہیں۔ لیکن بنک اپنے قواعد کے مطابق سود دیتا ہے جو شرعاً جائز نہیں اگر آپ لیں گے تو سود کے مرتکب ہوں گے۔ کیونکہ سود کے لینے دینے والا برابر ہے ہاں جس شے کی کمی بیشی سود کی قسم سے نہ ہو اور قرض کا فیصلہ کر دیا جائے۔ یعنی کچھ لین دین لگا یا نہ رہے تو ایسی صورت میں ادائیگی میں بہتر شے دے سکتا ہے۔ مثلاً اونٹ قرض لیا ادائیگی کے وقت اس سے موٹا تازہ یا زیادہ عمر کا ادا کر سکتا ہے۔ چنانچہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ مشکوٰۃ باب الافلاس والانظار فصل اوّل ص۲۵۱) کیونکہ حیوان سودی اشیاء کی قسم سے نہیں۔ اسی طرح کسی کے گھر میں آٹا نہیں اپنے ہمسایہ سے ادھار لے کر وقت پورا کر لیا۔ پھر آٹا آیا تو اتنا اس کو دے دیا۔ یہ عام طور پر گھروں میں ہوتا رہتا ہے۔ اس صورت میں ردی آٹا کے بدلے عمدہ اور کھرا دیدے۔ تو اس کا بھی کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ کھرے کھوٹے کے فرق کو شرع نے سود میں اعتبار نہیں کیا۔ اس لئے کھرا سونا چاندی ردی کے مقابلے میں برابر برابر لے دے سکتا ہے کم وبیش جائز نہیں۔ اگر کھرے کھوٹے کا شرع اعتبار کرتی تو کھرے سونے چاندی کے مقابلہ میں کھرا سونا چاندی دوگنا تگنا جائز ہوتا حالانکہ یہ جائز نہیں اسی طرح کھری اور ردی کھجوروں کے تبادلہ میں کمی بیشی جائز نہیں۔ چنانچہ حدیث میں اس کی تصریح موجود ہے فرمایا اگر ردی دے کر عمدہ لینی ہوں تو ردی کو پیسوں سے فروخت کر دے۔ پھر پیسوں سے عمدہ خرید لے (ملاحظہ مشکوٰۃ باب الرباء)

پس جب کھرے کھوٹے کا شرع نے اعتبار نہیں کیا تو ردی لے کر کھری ادا کر دے تو اس کا کوئی حرج

نہیں۔ بلکہ فرمایا۔ ان خیر کم احسنکم قضاء متفق علیہ۔ یعنی بہتر تمہارے وہ ہیں جو ادائگی میں اچھے ہیں۔ اور اس طرح بھی جائز ہے کہ ایک مویشی کچھ رپے پر خریدا جب روپے دینے لگا تو ایک آدھ روپیہ یا جتنا جی چاہے زیادہ دے دیا چنانچہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جابرؓ سے اونٹ خریدا اور قیمت ادا کرنے کے وقت زیادہ دیدیا مشکوٰۃ باب النہی عنھا من البیوع (فصل اول ص۳۴۹) گویا بطور احسان اونٹ کی قیمت میں زیادہ کر دی، غرض ایسی صورت میں احسان سلوک کرنا جس کی کل صورت سود والی نہ ہو اور جس سے سود کا باب مفتوح نہ ہو اس کا کوئی حرج نہیں۔ بلکہ بہت اچھی چیز ہے لیکن سوال کی صورت احسان ومروت کی نہیں۔ بلکہ سراسر سود کی ہے ہاں روپیہ آپ جمع نہ کرائیں۔ اور پھر بھی بنک آپ سے اس طرح ہمدردی کرے تو پھر سود کی صورت سے نکل سکتے ہیں۔ مگر ایسا نہ کبھی ہوا ہے نہ ہوتا ہے بلکہ بنک سود کا حساب لگا کر دیتا ہے پس حفاظت کا بہانہ بنا کر یہی سودی رقم وصول کر لینا جواز کا رستہ نہیں بلکہ یہ اسی پیش گوئی کا ظہور ہے کہ لوگ شراب کا نام بدل کر پی لیا کریں گے۔ خدا اس سے بچائے اور ایسے ایچ پیچ سے دور رکھے آمین

دنیا کی بھی عجیب حالت ہے حفاظت کے بہانہ سے بنکوں میں روپیہ رکھ کر سود کھاتے ہیں جب لڑائی کے خطرات میں افواہ اڑتی ہے کہ بنکوں کا روپیہ ضبط ہونے والا ہے تو اب حفاظت کی جگہ بن جاتے ہیں تف ہے ایسی دورنگی پر۔ خدا ان کو سمجھ دے کہ بہانوں سے حلال کو حرام نہ کریں۔ آمین۔ عبداللہ امرتسری

ضمانت بھر کر فائدہ اٹھانا

سوال۔ جس ملازمت میں بطور ضمانت پیشگی روپیہ رکھنا پڑے۔ اگر یہ روپیہ کوئی دوسرا شخص اس شرط پر رکھ دے کہ ملازم کی تنخواہ سے تہائی حصہ لیتا رہے گا۔ اور پھر اپنی رقم بھی پوری لے لے کیا یہ جائز ہے۔

جواب۔ یہ زبردست سود ہے۔ کیونکہ لوگ قرض دے کر تھوڑا سود لیتے ہیں۔ مثلاً پیسہ روپیہ ماہوار کے حساب سے اور یہ تہائی تنخواہ ہر ماہ میں لیتا ہے۔ تنخواہ کم از کم بیس روپے ماہوار تو ضرور ہوگی تو گویا پونے سات روپے ماہوار چار سو روپیہ کا سود ہوا۔ یہ بہت زیادہ سود ہے اور سود تو ایک پیسہ بھی حرام ہے۔ اتنا کیونکر جائز ہوگا۔ غرض صورت مذکورہ سراسر سود ہے جو قطعاً حرام ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑ ضلع انبالہ ۲۶ رمضان المبارک ۱۳۵۸ھ

مطابق ۹ نومبر ۱۹۳۹ء

مال اُدھار دے کر اس پر نفع لینا

سوال ۔ زید کا کسی شخص کو اس کی حسب مرضی مال بازار سے خرید کر دلا دینا اور اس مال پر پھر چند ماہ کی مدت مقرر کر کے نفع لینا درست ہے یا نہیں۔ یعنی زید اپنے روپے سے عمرو کو اس کی حسب منشاء مال تجارتی نرخ بازار سے خرید کر دلا دیتا ہے پھر اس مال پر چار آنہ روپے کے حساب سے نفع لگا کر ایک سال یا چھ ماہ کے لئے وہ مال اس کو دے دیتا ہے پس زید کا عمرو سے اس طریقہ سے تجارت کرنا درست ہے یا نہیں۔

از ابو محمد عبد الجبار مدرس مدرسہ اہلحدیث کھنڈیلہ جے پور

جواب ۔ اگر زید اپنے روپے سے مال خرید کر اپنے قبضہ میں کر لے اور جہاں خریدا ہے وہاں سے اٹھا کر اپنے گھر میں لے آئے یا کسی اور جگہ اپنے قبضہ میں رکھ دے اور غیر پر نئے سرے سے اس کو فروخت کرے خواہ ادھار یا نقد تو یہ درست ہے مشکوٰۃ باب المنہی عنہا من البیوع میں ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رض كَانُوْا يَبْتَاعُوْنَ الطَّعَامَ فِي أَعْلَى السُّوْقِ فَيَبِيْعُوْنَهُ فِي مَكَانِهِ فَنَهَاهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِهِ فِي مَكَانِهِ حَتّٰى يَنْقُلُوْهُ (رواہ ابو داؤد)

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ ابْتَاعَ طَعَامًا فَلَا يَبِعْهُ حَتّٰى يَسْتَوْفِيَهُ وَفِي رِوَايَةِ ابْنِ عَبَّاسٍ حَتّٰى يَكْتَالَهُ (متفق علیہ)

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أَمَّا الَّذِيْ نَهٰى عَنْهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَهُوَ الطَّعَامُ أَنْ يُبَاعَ حَتّٰى يُقْبَضَ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَلَا أَحْسِبُ كُلَّ شَيْءٍ إِلَّا مِثْلَهُ (متفق علیہ)

(۱) یعنی ابن عمر رضہ سے روایت ہے کہ لوگ بازار کے اوپر کی طرف غلہ خریدتے پھر اس جگہ فروخت کرتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اسی جگہ فروخت کرنے سے منع فرمایا۔ یہاں تک کہ اس جگہ سے اس کو منتقل کر لیں۔

(۲) نیز ابن عمر رضہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص غلّہ خریدے تو اس کو اس جگہ فروخت نہ کرے یہاں تک کہ اس کو اپنے قبضہ میں کر لے۔

(۳) اور ابن عباس رضہ کی روایت میں ہے یہاں تک کہ اس کو پیمانہ کرے۔

(۴) نیز ابن عباس رضہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غلہ کی بیع سے منع فرمایا ہے یہاں تک

کہ اس کو قبضہ[1] میں کرلے۔

ابن عباس رضؓ فرماتے ہیں میرے نزدیک ہر چیز کا یہی حکم ہے۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ زید بازار سے جو کچھ خریدتا ہے خواہ عمر کی مرضی کے مطابق خریدے وہ اپنا کر کے خریدے پھر وہاں سے اس کو اٹھا کر اپنے قبضہ میں کر کے عمر پر نئے سرے سے فروخت کرے۔ خواہ نقد یا ادھار خواہ نفع کے ساتھ یا بغیر نفع کے تو یہ درست ہے اس میں سود کا شبہ نہیں۔ لیکن یہ بات یاد رکھنا چاہئے کہ زید نے جب یہ مال اپنا کر کے خریدا ہے خواہ عمر کی مرضی سے خریدا ہو۔ عمر اس کے لینے اور نہ لینے میں مختار ہے۔ زید اس کو شرعاً لینے پر مجبور نہیں کر سکتا کہ میں نے تیری مرضی سے تیری خاطر خریدا ہے۔ تو اس کو ضرور لے۔ کیونکہ پہلی بیع عمر کے لئے نہیں، بلکہ زید کی اپنے لئے ہے اگر پہلی بیع زید کے لئے نہ ہو۔ تو پھر زید جو کچھ نفع کے نام سے لیتا ہے وہ نفع نہیں بلکہ سود ہے کیونکہ یہ شے جب زید کے قبضہ میں نہیں آئی تو نفع کس شے کا؟ فافہم۔

عبداللہ امرتسری مدیر تنظیم مورخہ ۱۸ر جمادی الثانی

ہبہ کا بیان

وارث کے لئے ہبہ اور ہبہ بلا قبض کا حکم

سوال ۔ ہندہ صاحب جائیداد عورت ہے اور لاولد ہے اس نے اپنی کچھ جائیداد اپنے بھتیجوں میں سے ایک بھتیجے زید کو ہبہ کر کے رجسٹری کرادی ہے لیکن جائیداد مذکور کو اپنے ہی قبضہ میں رکھا۔ ہندہ کی زندگی میں زید کا انتقال ہوگیا۔ ہندہ نے بعد انتقال زید مذکور کے ہبہ کو منسوخ کرنے کی زبانی کوشش کی، اس کے بعد ہندہ کا بھی انتقال ہوگیا۔ اب سوال یہ ہے کہ ہندہ کا اپنے وارثوں میں سے جس کا حق مقرر ہے ہبہ کرنا جائز ہے؟ ہبہ کردہ جائیداد

---

[1] قبضہ ہر شے کا اس کے مناسب ہوتا ہے منقول شے میں تو منتقل کرنا وغیرہ ہے اور غیر منقول میں دوسری طرح کا اصرف ہے مثلاً مکان ہو تو اس کو قفل وغیرہ لگائے زمین ہو تو اس کی حد بندی کرے یا ہل وغیرہ چلائے۔ اسی طرح ہر شے کے حسب حال قبضہ ہوتا ہے۔ ۱۲۔

اپنے قبضہ میں ہندہ کا رکھنا ہبہ کو منسوخ کرتا ہے یا جائیداد مذکور از روئے شریعت ہندہ کے وارثوں میں تقسیم ہوگی یا زید کے وارثوں میں؟

جواب: ہندہ بقائمی ہوش وحواس صحت و تندرستی میں ایک کو ہبہ کر سکتی ہے صرف اولاد میں برابری کا حکم آیا ہے دوسرے ورثاء کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ نہیں فرمایا۔ ہاں مرض موت میں اس کی اجازت نہیں کیونکہ مرض موت کا ہبہ در حقیقت وصیت ہے حدیث میں ہے۔ لا وصیۃ لوارث یعنی وارث کے لئے وصیت نہیں۔

ہندہ کا ہبہ مذکورہ تکمیل کو نہیں پہنچا۔ کیونکہ ہبہ میں موہوب لہ (جسکو ہبہ کیا ہے) کا قبضہ شرط ہے جو ہبہ مذکورہ میں نہیں۔ حضرت ابو بکرؓ نے حضرت عائشہؓ کو کچھ ہبہ کیا تھا مگر حضرت نے اس پر قبضہ نہ کیا۔ اس کے بعد حضرت ابو بکرؓ بیمار ہوگئے، موت کے آثار نمودار ہوئے تو فرمایا اے عائشہ! تو نے قبضہ نہیں کیا۔ یہ مال ترکہ میں شامل ہے اس میں تیری خصوصیت نہیں۔ تلخیص الحبیر کتاب الہبہ میں یہ روایت مذکور ہے اس سے معلوم ہوا کہ ہندہ کا ہبہ مکمل نہیں ہوا اسلئے دیگر ورثاء اس میں حصہ دار ہیں۔ عبداللہ امرتسری روپڑ ضلع انبالہ ۲۱ محرم ۱۳۵۹ھ یکم مارچ ۱۹۴۰ء

جس ہبہ سے شرعی وارث محروم ہوں اس کا حکم

سوال: زید کے ایک لڑکا بکر اور تین لڑکیاں ہندہ۔ کلثوم۔ خدیجہ ہیں۔ زید اپنے لڑکے بکر کے ساتھ رہتا ہے بکر نے اپنی بہنوں اور اپنی لڑکیوں کو محروم الارث کرنے کے خیال سے زید پر ناجائز دباؤ ڈال کر کل جائیداد منقولہ و غیر منقولہ کو اپنے لڑکوں کے نام سے ہبہ بلامعاوضہ کرالیا۔ جس کو تقریباً آٹھ نو سال ہوگئے ہیں۔ لیکن زید اس مکان میں بود و باش رکھتا تھا۔ اور کبھی مکان کا تخلیہ کرکے خالی نہ کرایا۔ چند روز ہوئے کہ زید فوت ہوگیا اور مذکورہ تین لڑکیاں اور ایک لڑکا چھوڑا۔ ہندہ نے جب اپنے بھائی بکر سے ترکہ طلب کیا تو بکر نے جواب دیا کہ والد کی جو کچھ جائیداد تھی خود ان کے حین حیات میں ہبہ ہو چکی ہے کچھ ذاتی رقم خرچ کے لئے انہوں نے البتہ علیحدہ رکھی تھی اس میں سے جو کچھ بچا ہوگا اس میں سے تم کو ملیگا۔ سوال یہ ہے۔

۱۔ ایسا ہبہ جس سے وارث شرعی محروم ہوں اور غیر وارث کو مل جائے جائز ہے یا نہیں؟

۲۔ آیا لڑکیوں کو اپنے باپ کی میراث ملے گی یا نہیں اور حضرات نعمان بن بشیرؓ کا واقعہ اکل اولادک نحلت کے ضمن میں یہ داخل ہے یا نہیں۔

۳. ہبہ بلا قبض کا کیا حکم ہے۔

جواب ۔ نعمان بن بشیر کی حدیث میں تصریح ہے کہ اولاد میں عدل کرو پس ایک کے نام جائیداد کر دینی خواہ لڑکی ہو یا لڑکا یہ حدیث کے خلاف ہے زید کو کوئی حق نہیں تھا کہ وہ تمام جائیداد بکر کے نام کرتا اور اب بکر کو بھی اجازت نہیں کہ وہ اس جائیداد پر قبضہ کرے۔

تلخیص الحبیر ص ۲۶ میں ہے۔

اَنَّ اَبَا بَکْرٍ نَحَلَ عَائِشَۃَ جُذَاذَ عِشْرِیْنَ وَسْقًا فَلَمَّا مَرِضَ قَالَ وَدِدْتُ اَنَّکِ حُزْتِیْہِ اَوْقَبَضْتِیْہِ وَاِنَّمَا ھُوَ الْیَوْمَ مَالُ الْوَارِثِ مَالِکٌ فِی الْمُوَطَّا عَنْ شِھَابِ بْنِ عُرْوَۃَ عَنْ عَائِشَۃَ بِہٖ وَاتَمَّ مِنْہُ رَوَاہُ الْبَیْھَقِیُّ مِنْ طَرِیْقِ ابْنِ وَھْبٍ عَنْ مَالِکٍ وَغَیْرِہٖ عَنِ ابْنِ شِھَابٍ عَنْ حَنْظَلَۃَ بْنِ اَبِیْ سُفْیَانَ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ نَحْوَہٗ وَقَدْ رَوَی الْحَاکِمُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَھْدٰی اِلَی النَّجَاشِیِّ ثُمَّ قَالَ لِاُمِّ سَلَمَۃَ اِنِّیْ لَاَرَی النَّجَاشِیَّ قَدْ مَاتَ وَلَاَرَی الْھَدِیَّۃَ الَّتِیْ اَھْدَیْتُ اِلَیْہِ اِلَّا سَتُرَدُّ فَاِذَا رُدَّتْ اِلَیَّ فَھِیَ لَکِ فَکَانَ کَذٰلِکَ الْحَدِیْث۔

حضرت ابو بکرؓ نے حضرت عائشہؓ کو اسی من (۸۰) کھجور کا پھل ہبہ کیا۔ جب بیمار ہو گئے تو فرمایا میں نے دوست رکھا کہ تو کھجوروں کو قبضہ میں کر لیتی کیونکہ آج وہ وارث کا مال ہے امام مالکؒ نے اس کو مؤطا میں روایت کیا ہے اور بیہقی نے بھی اس کو بطریق وھب امام مالک وغیرہ سے روایت کیا ہے اور حاکم نے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشیؓ کو تحفہ بھیجا۔ پھر ام سلمہؓ کو کہا۔ میں دیکھتا ہوں نجاشی فوت ہو گیا ہے۔ اور جو تحفہ میں نے اس کو بھیجا تھا، وہ لوٹایا جائے پس جب واپس آئے تو وہ تیرے لئے ہے چنانچہ اسی طرح ہوا۔ ان دونوں روایتوں سے ثابت ہوا کہ ہبہ میں قبضہ ضروری ہے اگر صرف ہبہ کر دینے سے ہبہ مکمل ہو جاتا تو حضرت ابو بکرؓ حضرت عائشہؓ کو یہ نہ کہتے کہ آج وہ مال وارث کا ہے نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام سلمہؓ کو یہ کہتے کہ جب واپس آئے تو وہ تیرے لئے ہے بلکہ اس کے حق دار نجاشی کے ورثا ہوتے۔

عبداللہ امرتسری از روپڑ ۳۱ جولائی ۱۹۲۶ء

اولاد میں ہبہ کے وقت برابری کا حکم

سوال ۔ حدیث شریف میں وارد ہے کہ اولاد کے درمیان مساوات چاہیئے اگر نکاح کرے تو عموماً

زیورات، پارچہات وغیرہ میں والدین کی طرف سے کمی بیشی ہو جاتی ہے اگر ایک کو تعلیم میں لگایا تو اس کے اخراجات کا متحمل بھی والدین ہی ہوتے ہیں، حالانکہ دوسری اولاد پر اتنا خرچ نہیں کیا جاتا۔ اسی طرح کسی کو مکان لے کر دیا کسی کو کچھ کسی کو کچھ، مساوات کا لحاظ نہیں رکھا گیا، تو سوال یہ ہے۔

الف ۔ کہ شریعت نے ہر چیز کے اعطاء بین الاولاد میں مساوات ضروری رکھی ہے۔ اگر یہی بات ہے۔ تو یہ انسانی طاقت سے باہر ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے۔ لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا اگر جانب مخالف ہے تو لا اشھد علی جور جو مسلم کی حدیث میں وارد ہے اس کے کیا معنیٰ؟

ب ۔ اِعْطَاء میں بَیْنَ الْاَوْلَادِ لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ کا لحاظ ہے یا مساوات ۔

(ایک خریدار تنظیم)

جواب ۔ اکٹھے خرچ میں تو مساوات بیگانوں میں نہیں ہو سکتی ایک گھر میں کس طرح ہو گی۔ مثلاً سفر میں دو شخص اپنا خرچ ایک جگہ کریں تو ضرور کمی بیشی ہو گی۔ ایک وقت ایک کو بھوک پیاس نہیں ہوتی تو اس کی خاطر دوسرا بھوکا نہیں رہ سکتا کبھی ایک شخص ایک روٹی کھاتا ہے تو دوسرا دو یا تین کھا جاتا ہے اسی طرح بیماری وغیرہ میں پیسے کم و بیش خرچ ہوتے ہیں سب سے احتیاط والی شے یتیموں کا مال ہے جس کے متعلق قرآن مجید میں سخت وعید ہے کہ جو یتیموں کا مال ظلم سے کھاتے ہیں، وہ اپنے پیٹوں میں آگ ڈالتے ہیں۔ اس وجہ سے صحابہ رضؓ نے یتیموں کا کھانا دانا الگ کر دیا مگر جب اس کا نبھنا مشکل ہو گیا تو ارشادِ خداوندی ہوا۔ وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ یعنی اگر ان کو اپنے ساتھ ملالو تو تمہارے بھائی ہیں اللہ تعالیٰ مفسد کو مصلح سے جانتا ہے۔" اس سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اکٹھے خرچ میں مساوات کی کوئی صورت نہیں، بلکہ ہر ایک کی ضرورت قدر خرچ ہوتا ہے کوئی کھانا زیادہ کھاتا ہے کوئی کم کسی کے وجود پر کپڑے کا خرچ کم ہوتا ہے کسی کے وجود پر زیادہ کیونکہ قد و قامت ان کے برابر نہیں ہوتے۔ کسی کا وجود کمزور ہے اس کو سردی میں زیادہ گرم کپڑے کی ضرورت ہے۔ کسی کو ہلکا کافی ہے کسی کے وجود پر کپڑا جلدی پھٹتا ہے وہ سال میں کئی جوڑے چاہتا ہے کوئی کم خاص کر لڑکیوں کے کپڑوں پر زیادہ خرچ ہوتا ہے۔ بلکہ ساتھ ان کے زیور کا خرچ بھی ہے چنانچہ قرآن مجید میں ہے، اَوَمَنْ يُّنَشَّؤُا فِي الْحِلْيَةِ لڑکیوں کی پرورش زیور میں ہوتی ہے۔ پھر بیماریوں وغیرہ کے موقع پر دوائی پر اور حکیموں ڈاکٹروں کی فیسوں میں ایک انداز پر خرچ نہیں ہوتا۔ اس طرح بیاہ شادی پر مختلف خرچ ہوتا ہے کیونکہ لڑکی بیگانی ہوتی ہے لڑکی والے جو چاہتے ہیں خرچ کراتے ہیں اس طرح

لڑکیوں کی شادی میں ایک قسم کے لڑکے نہیں ملتے۔ اور نہ لڑکیاں ایک صفت ایک لیاقت کی ہوتی ہیں تو پھر خرچ میں برابری کی کیا صورت ہے اس طرح اولاد کی تربیت میں تفاوت ہوتا ہے ان کی لیاقت، استعداد وذہانت طبیعت کا لحاظ کرتے ہوئے ان کو مختلف ہنر سکھائے جاتے ہیں کسی کو طبابت۔ ڈاکٹری کسی کو انجینئری کسی کو تجارت کسی کو عالم دین بنا کر خادم اسلام بنا دیا جاتا ہے، اور لڑکیوں کو بھی ان کے حسب حال تعلیم دی جاتی ہے تو ان کے خرچ واخراجات برابر کس طرح ہو سکتے ہیں؟

دیکھئے بیویوں میں بھی برابری کا حکم ہے مگر اس قسم کے امور میں ان کے درمیان بھی تفاوت ہو جاتا ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کے مہر مختلف تھے۔ ولیمے مختلف، ان سے بات چیت مختلف تھی، ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضؓ اور حضرت حفصہ رضؓ دونوں کو سفر میں ساتھ لے گئے مگر رات کو اپنی سواری حضرت عائشہ رضؓ کی سواری کے ساتھ رکھتے اور انہی سے بات چیت کرتے حضرت حفصہ رضؓ کو اس بات سے بڑی غیرت ہوئی چنانچہ یہ لمبا قصہ بخاری باب القرعۃ بین النساء اذا اراد سفرا، میں موجود ہے اس طرح محبت میں برابری نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ یہ اختیاری شے نہیں، بلکہ طبعی ہے جب تک طبعی میلان نہ ہو مباشرت وغیرہ نہیں ہو سکتی۔ البتہ ہر گھر میں باری باری جانا اختیاری شے ہے اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باری تقسیم کرنے کے بعد فرماتے۔ اَللّٰھُمَّ ھٰذَا قِسْمِی فِیْمَا اَمْلِكُ فَلَا تَلُمْنِی فِیْمَا تَمْلِكُ وَلَا اَمْلِكُ (مشکوٰۃ) کہ یا اللہ یہ میری تقسیم ہے اس شے میں جس کا میں اختیار رکھتا ہوں۔ پس جن کا تو اختیار رکھتا ہے میں نہیں رکھتا اس میں مجھے ملامت نہ کیجیو۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ حوائج۔ ضروریات اور تربیت میں برابری ناممکن ہے بلکہ ان میں وہی یتیموں والا اصول مدنظر رکھنا چاہیئے۔ یعنی واللہ یعلم المفسد من المصلح خدا مفسد کو اصلاح کرنے والے سے جانتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اپنی طرف سے ہر ایک کی اصلاح اور بھلائی کی کوشش کرے آگے ان کے اور والدین کے حسب حال کسی بات میں تفاوت ہو جائے تو اس پر مواخذہ نہیں۔ ہاں حوائج اور ضروریات کے علاوہ زائد عطیہ میں ضرور برابری چاہیئے چنانچہ بخاری ومسلم کی حدیث میں جو نعمان بن بشیر سے مروی ہے جس میں آپ نے فرمایا لَا اَشْھَدُ عَلٰی جَوْرٍ (یعنی میں ظلم پر شہادت نہیں دیتا) اس میں اسی قسم کے عطیہ کا ذکر ہے اور ایک حدیث میں تصریح آتی ہے۔ کہ سَوُّوْا بَیْنَ اَوْلَادِکُمْ فِی الْعَطِیَّۃِ چنانچہ فتح الباری کے حوالہ سے اس کا ذکر آگے آتا ہے یعنی ضروریات کے علاوہ کوئی عطیہ دینا ہو تو اس میں برابری ضروری ہے اسی بناء پر علماء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی

سبب ایسا پیدا ہو جائے جس سے بعض اولاد کو عطیہ دینا پڑے تو اس صورت میں بعض کو دینے میں بھی کوئی حرج نہیں. مثلاً کوئی دائم المرض ہو، مقروض ہو تو اس صورت میں ان کو خاص کر سکتا ہے چنانچہ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری جزء ۱۰ صـ۵۲۶ میں اس کی تصریح کی ہے اور نیل الاوطار جلد ۵ صـ۲۴۲ میں بھی ذکر کیا ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ یہ درحقیقت عطیہ نہیں بلکہ ضروریات میں داخل ہے کیونکہ دائم المرض اور مقروض ہونا ایک بڑی ضرورت اور مجبوری ہے اس سے معلوم ہوا کہ ضروریات تو کجا اس عطیہ میں بھی برابری نہیں جو ضروریات میں داخل ہو۔ رہی یہ بات کہ اس قسم کے عطیہ میں ذکور اناث میں برابری کا حکم ہے یا نہیں، سو اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس حدیث میں لَا اُشْهِدُ عَلٰى جَوْرٍ فرمایا ہے اس میں یہ بھی ہے۔ اَكُلَّ وَلَدِكَ نَحَلْتَ مِثْلَهٗ یعنی نعمان بن بشیرؓ کہتے ہیں جب میرے والد نے مجھے ایک غلام ہبہ کر کے رسول اللہ صلی کو اس پر گواہ بنانا چاہا. تو آپ نے فرمایا کیا تمام اولاد اپنی کو تو نے اس کے مثل ہبہ کیا ہے میرے والد نے کہا نہیں. تو آپ نے فرمایا اس ہبہ سے رجوع کرلے اور ایک روایت میں ہے کہ کیا تو نے اپنی باقی اولاد کو بھی اس کی مثل دیا ہے؟ کہا نہیں تو فرمایا اللہ سے ڈرو اور اولاد میں عدل کرو. ان الفاظ" اس کے مثل ہبہ کیا ہے یا اس کی مثل دیا ہے." سے معلوم ہوتا ہے کہ اس بارہ میں ذکور واناث میں فرق نہیں کیونکہ اولاد کا لفظ لڑکے اور لڑکیوں سب کو شامل ہے. اور اس حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں. قَالَ اَيَسُرُّكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا اِلَيْكَ فِى الْبِرِّ سَوَاءً قَالَ بَلٰى قَالَ فَلَا اِذًا یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تجھے یہ بات خوش کرتی ہے کہ تیری اولاد تیرے ساتھ برابر نیکی کرے؟ کہا ہاں فرمایا پس میں اس ہبہ پر شہادت نہیں دے سکتا.

ان الفاظ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ ذکور واناث میں فرق نہیں. کیونکہ عموماً والدین چاہتے ہیں کہ ہماری اولاد ہمارے ساتھ برابر نیکی کرے خواہ لڑکے ہوں یا لڑکیاں پس ترجیح اسی کو ہے کہ اس بارہ میں لڑکے اور لڑکیوں میں برابری کرے. اور حدیث کی بعض روایتوں میں اگرچہ اولاد کی جگہ بیٹوں کا لفظ آیا ہے مگر حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری جزء ۱۰ صـ۵۳۹ میں کہا ہے کہ اگر صرف لڑکے ہی ہوں، اور اگر لڑکے لڑکیاں دونوں ہوں تو پھر لڑکوں کا ذکر تغلیباً ہے

اس کے بعد حافظ ابن حجرؒ نے بحوالہ ابن سعدؒ بشیر والد نعمانؓ کی ایک لڑکی بھی ذکر کی ہے جس کا نام ابیہ ہے اس سے ظاہر یہی ہے کہ جن روایتوں میں لڑکوں کا ذکر ہے وہ تغلیباً ہے جیسے والد اور والدہ کو والدین کہہ دیتے ہیں اور حافظ ابن حجرؒ نے یہ بھی کہا ہے کہ حدیث میں تسویہ (برابر کرنے کا حکم اسی امر کی طرف شہادت دیتا ہے کہ لڑکے لڑکیوں میں فرق نہیں پھر اسکی تائید میں ایک روایت بھی ذکر کی ہے جسکے الفاظ یہ ہیں. سَوُّوْا بَيْنَ اَوْلَادِكُمْ فِى الْعَطِيَّةِ فَلَوْ كُنْتُ مُفَضِّلًا اَحَدًا لَفَضَّلْتُ النِّسَاءَ یعنی اولاد کے عطیہ

میں برابری کرو۔ پس اگر میں کسی کو فضیلت دیتا تو عورتوں کو دیتا۔ اس حدیث کی اسناد میں اگرچہ صاحب نیل الاوطار نے نیل الاوطار جلد ۵ صہ ۲۴۲ میں سعید بن یوسف ایک راوی ضعیف بتایا ہے، مگر حافظ ابن حجر رح کہتے ہیں، وَ اِسْنَادُہٗ حَسَنٌ یعنی اس کی اسناد حسن ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ معمولی ضعف ہوگا۔ جس سے حدیث صحت کے درجہ سے اتر کر حسن کے درجہ کو پہنچ گئی مثلاً حافظہ میں معمولی قصور ہوگا یا اس قسم کا کوئی اور قصور ہوگا۔ بہرصورت اس حدیث سے تائید ضرور ہوتی ہے پس ترجیح اسی کو ہے کہ عطیہ میں لڑکے اور لڑکیوں میں برابری کی جائے۔

تنبیہ

اس حدیث سے اس بات کی بھی تائید ہوتی ہے کہ اولاد میں ضروریات اور حوائج کے اندر برابری کا حکم نہیں بلکہ عطیہ میں برابری کا حکم ہے چنانچہ اوپر تحقیق ہو چکی ہے کیونکہ اس حدیث میں تصریح کی ہے کہ اولاد میں عطیہ کے اندر برابری کرو۔ عبداللہ امرتسری مقیم روپڑ مدیر تنظیم ۲۲ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ ۲ جولائی ۱۹۳۷ء

اولاد میں ہبہ کیوقت برابری کا حکم، بعض اولاد کو دی گئی جائیداد ترکہ میں شامل ہوگی؟

سوال ۔ ایک شخص نے اپنے جوان بیٹے کو علیحدہ کر دیا قریباً سو بیگہ زمین گزارنے کے لئے دیدی، اور ایک پختہ مکان دیا جس میں اس کی رہائش تھی۔ اس کا ایک اور بیٹا تھا اور تین بیٹیاں بیاہی ہوئی تھیں ان کو کچھ نہیں دیا۔ اب یہ لڑکا فوت ہوگیا، متوفی صاحب اولاد تھا دادا نے وہ زمین گزارہ کے لئے ان کو دے چھوڑی اب دادا بھی مر گیا ہے، متوفی کی اولاد کا چچا سے تقاضا ہے نصف حصہ مانگتی ہے شرعاً ان کو زمین جو دادا نے ان کو دے رکھی ہے، ملے گی یا بالکل محروم ہو جائیں گے۔

جواب ۔ اولاد سے بعض کو دینا اور بعض کو نہ دینا یہ شرعاً ناجائز ہے چنانچہ نعمان بن بشیر والی حدیث اس میں مشہور ہے مشکوٰۃ باب الوصایا ہاں پوتوں کو بیٹوں کی موجودگی میں ہبہ ہو سکتا ہے۔ کیونکہ پوتے وراثت سے محروم ہیں پس پوتوں کو جو دادا نے دیا ہے وہی ان کا حق ہے۔

بعض بیٹوں کا ہبہ بغیر دوسری کی رضامندی کے صحیح نہیں پس جو کچھ باپ دے گیا وہ بھی ترکہ میں شامل کر کے بدستور ترکہ قبضہ تقسیم ہونا چاہیے۔

(عبداللہ امرتسری روپڑی)

واہب کا اپنی ہبہ کی ہوئی شے خریدنا

سوال: دو بھائی ترکہ کے حصہ دار تھے، باپ مرگیا، ایک بھائی نے اپنا حصہ چھوڑ دیا، بھائی کو معاف کردیا۔ اب اس ترکہ میں سے معاف کنندہ کو دوسرے بھائی سے کوئی چیز خرید کرنا روا ہے یا نہیں؟

جواب: ایسا معاف کرنا ہبہ کی قسم سے ہے اس کے خریدنے میں بظاہر کچھ حرج معلوم نہیں ہوتا، کیونکہ ہبہ کے خریدنے سے ممانعت کسی حدیث میں مجھے یاد نہیں ویسے بغیر خریدنے کے رجوع کی ممانعت آئی ہے۔ ہاں اگر معاف کرنے والے نے اپنے بھائی پر صدقہ کی نیت کی تھی تو خریدنا منع ہے۔

عبداللہ امرتسری از روپڑ ۱۰ ذی قعدہ ۱۳۵۱ھ

ورثاء بدقماش ہونے کی صورت میں ان کو ترکہ سے محروم کرنا اور جائیداد کو اسلامی ادارہ کے لئے ہبہ کرنا جائز ہے؟

سوال: لڑکا مشرک، بدعتی، بدقماش ہے جو اپنے باپ کا نافرمان ہے بیوی بھی لڑکے کی ہم اوصاف ہے بغرض طلاق اس کو بہن کہہ کر اس کو الگ کیا ہوا ہے، لڑکی کو ترکہ کے حصے سے دو ہزار روپیہ دے دیا ہوا ہے، اب زید کا خیال ہے کہ میرے بعد اگر جائیداد ورثاء کو ملی تو حرام راستہ پر جائے گی زید چاہتا ہے۔ کہ اپنی جائیداد منقولہ وغیر منقولہ کسی اسلامی ادارہ کو ہبہ کر جائے کیا یہ جائز ہے۔ عبدالواحد گوجرانوالہ

جواب: صورت مسئولہ میں بیوی کی عدت پوری ہو چکی ہے، اس لئے بیوی نہیں رہی اب اس کا کوئی حق نہیں، اور بیٹا مشرک ہے اور مشرک کافر ہے اور کافر مسلمان کا وارث نہیں۔ ہاں لڑکی وارث ہوسکتی ہے اگرچہ اس کو دو ہزار روپیہ دے کر الگ کر دیا ہے۔ لیکن اس سے اس کی وراثت کا حق قطع نہیں ہوتا، کیونکہ وراثت موت کے وقت ہوتی ہے اگر موت کے وقت زید کے پاس کچھ مال ہوگا۔ تو لڑکی ــــــ وارث ہوگی اور اگر موت سے پہلے صحت اور تندرستی میں زید سارا مال کسی ادارہ وغیرہ کو دیدے تو اس صورت میں لڑکی کا کوئی حق نہیں، کیونکہ اس کی زید کو شرعاً اجازت ہے جیسے مشہور ہے کہ حضرت عمرؓ نے نصف مال دیا۔ اور حضرت ابوبکرؓ نے سارا مال دیا۔ رہا بیماری میں دینا تو اس کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ بیماری لمبی ہو جس میں موت کا واقعہ ہونا کم ہوتا ہے۔ جیسے

دمہ، کھانسی، بواسیر وغیرہ جو عمر بھر ساتھ رہتی ہیں اور کچھ علاج معالجہ سے صحت بھی ہو جاتی ہے، تو ایسا بیمار تندرست کے حکم میں ہے۔ کیونکہ عموماً تھوڑا بہت انسان بیمار رہتا ہے۔ چنانچہ حضرت ابو بکر رضؓ اس زہر سے فوت ہوئے جو ہجرت کے موقعہ پر غارِ ثور میں کسی شے کے کاٹنے سے اندر سرایت کر گیا تھا۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی زہر سے فوت ہوئے جو سنہ ۷ھ میں خیبر کے موقع پر یہود نے دعوت کے بہانے سے بکری کے گوشت میں آپ کو کھلایا تھا۔ آپ کے تالو کی بوٹی جس کو پنجابی میں کای کہتے ہیں، اس زہر کے اثر سے کالی ہو گئی تھی۔ حضرت عائشہؓ کو آپ نے فرمایا کہ ہمیشہ مجھے اس سے دکھ رہتا ہے۔ اور وفات کے وقت فرمایا کہ اب اس زہر کے اثر سے میری شہرگ کٹ گئی ہے۔ اس قسم کے واقعات سے ثابت ہوا کہ لمبی بیماری تندرستی کے حکم میں ہے اور نہ حضرت ابو بکرؓ سارا مال دیتے اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبول فرماتے۔ اور اگر خطرناک بیماری ہو جس میں عموماً موت واقع ہو جاتی ہے تو اس کی پھر دو حالتیں ہیں ایک یہ کہ اس کے بعد صحت ہو جائے تو اس بیماری کے اندر تصرفات تندرستی کا حکم رکھتے ہیں اور اگر اس بیماری میں موت واقع ہو گئی تو یہ مرض الموت ہے اور مرض الموت کے تصرفات وصیت کا حکم رکھتے ہیں۔ جو تہائی مال تک جاری ہو سکتی ہے۔ چنانچہ تلخیص الحبیر اور محلی ابن حزم وغیرہ میں لکھا ہے کہ حضرت ابو بکر رضؓ نے حضرت عائشہ رضؓ کو باغ کی کھجوریں ہبہ کیں۔ حضرت عائشہ سے کسی وجہ سے کاٹنے میں دیر ہو گئی۔ اسی اثنا میں حضرت ابو بکر رضؓ مرض الموت سے بیمار ہو گئے ______ جس سے موت کے آثار ظاہر ہو گئے چونکہ ہبہ میں قبضہ شرط ہے۔ بغیر قبضہ کے ہبہ مکمل نہیں ہوتا۔ حضرت ابو بکر رضؓ نے فرمایا اے بیٹی! اگر تو میری بیماری سے پہلے قبضہ کر لیتی تو تیری چیز ہو جاتی۔ اب یہ مال وارث کا ہے یعنی دوسرے وارثوں کی طرح تجھے اس سے حصہ ملے گا۔ اب ہبہ نہیں رہا۔ اور اس کو وصیت اس لئے نہیں بنایا کہ وارث کے لئے وصیت جائز نہیں۔ خلاصہ یہ کہ صورت مسئو لہ میں دیکھنا چاہیئے کہ بیماری کس قسم کی ہے۔ سو اس کے مطابق فیصلہ ہوگا۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

وقف کا بیان

ایک مسجد یا مدرسہ کا مال دوسری مسجد یا مدرسہ پر خرچ کرنا۔

سوال ۔ وقف شدہ مال کسی متعین مسجد و مدرسہ کا دوسری جگہ کسی دینی امر میں لگ سکتا ہے یا نہیں؟ جبکہ اس مسجد و مدرسہ سے بچ رہے اور اس میں ضرورت نہ ہو۔

جواب ۔ ابوداؤد میں حدیث ہے کہ ایک شخص نے اپنا اونٹ فی سبیل اللہ کر دیا، جس سے مقصود اس کا جہاد تھا۔ اس کے بعد اس کو حج کی ضرورت ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اجازت دے دی۔ اور فرمایا یہ بھی فی سبیل اللہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایک مسجد یا مدرسہ کی شے جب فالتو ہو تو دوسری مسجد یا مدرسہ میں خرچ کرنا کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ سب فی سبیل اللہ ہیں۔ عبداللہ امرتسری ۲۸ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ

وقف کا بیکار مال

سوال ۔ مسجد گر جائے عمارت نہ رہے چٹیل میدان بن جائے یا لوگ اس پر قبور بنالیں تو پھر بھی مسجد کی جگہ مسجد ہی رہے گی یا نہیں؟ فضل عظیم قریشی

جواب ۔ حدیث میں ہے۔ لَا یُبَاعُ اَصْلُهَا وَلَا یُوْهَبُ وَلَا یُوْرَثُ ۔ یعنی وقف نہ فروخت ہو سکتی ہے نہ ہبہ کی جا سکتی ہے اور نہ وراثت میں لی جا سکتی ہے۔ اس بناء پر مسجد کی عمارت خواہ بالکل خراب ہو جائے وہ چٹیل میدان وقف ہی رہے گا۔ لیکن اب دیکھنا چاہیئے۔ کہ اس سے فائدہ اٹھانے کی صورت کیا ہے اگر مسجد کی صورت نہیں مثلاً وہ جگہ کسی وجہ سے مسجد کے قابل نہیں رہی یا اس کو بنانے کے لئے پیسوں کا انتظام ہونا مشکل ہے اور نماز کے لئے دوسری مسجد موجود ہے یا کوئی اور وجہ ہے تو اس مسجد کو کسی اور وقف میں تبدیل کر دیا جائے جس سے دوسری مسجد کو فائدہ پہنچے، مثلاً یہ جگہ کرایہ پر یا ٹھیکہ پر دیدی جائے یا اس میں کھیتی کی جائے یا کوئی شخص اپنے پیسوں سے یہاں پر دکان یا مکان بنائے اور اس کے کرایہ سے اپنا قرض پورا کر کے اس کو چھوڑ دے یا کرایہ ادا کرتا رہے۔

اگر وقف رہنے کی صورت میں دوسری مسجد کو فائدہ نہیں تو پھر فروخت کر کے اس کی قیمت دوسری مسجد پر خرچ کر دی جائے اگر دوسری مسجد پر ضرورت نہ ہو تو درس و تدریس یا کسی اور نیک مصرف میں لگا دی جائے بہر صورت جو شے خدا کی ہو چکی حتی الوسع کسی نہ کسی طرح اس کو اس کی راہ میں صرف کرنا چاہیئے، ضائع نہ ہونے دے اگر کوئی اور صورت نہ ہو تو قبرستان ہی سہی۔

کیونکہ یہ بھی مسلمانوں کے ایک عام فائدہ کی شے ہے۔ ہاں اگر معاملہ طاقت سے باہر ہو جائے تو جدھر جاتی ہے جانے دے۔ لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا۔

الرجعۃ الھداۃ فصل رابع مشکوٰۃ باب الھدی صہ ۲۳۴ میں ہے۔ عَنْ اَبِیْ قَتَادَۃَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

مَنْ سَاقَ هَدْيًا — تَطَوُّعًا فَعَطِبَ فَلَا يَأْكُلْ مِنْهُ فَإِنَّهُ إِنْ أَكَلَ مِنْهُ كَانَ عَلَيْهِ بَدَلُهُ يَنْحَرُهَا ثُمَّ يَغْمِسُ نَعْلَيْهَا فِي دَمِهَا ثُمَّ يَضْرِبُ بِهَا جَنْبَهَا وَإِنْ كَانَ هَدْيًا وَاجِبًا فَلْيَأْكُلْ إِنْ شَاءَ فَإِنَّهُ لَا بُدَّ مِنْ قَضَائِهَا۔ یعنی ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مکہ شریف میں نفلی قربانی لے جائے۔ اگر وہ قربانی رہ جائے یعنی مرنے لگے تو خود اس سے نہ کھائے کیونکہ اگر کھائے گا تو اس کے عوض اس کو دوسری قربانی دینی پڑے گی۔ لیکن اس کو ذبح کرے اور اس کی جوتیاں اس کے خون میں تر کرکے اس کے پہلو میں لگا دے۔ جس سے قربانی کی پہچان رہے تاکہ ساتھیوں سے بھی کوئی نہ کھائے اگر وہ قربانی جو رہ گئی ہے۔ واجب ہو تو اس سے کھانا چاہے تو کھا سکتا ہے۔ کیونکہ اس کی قضائی ضروری ہے۔

(۲) عَنْ أَبِي حُصَيْنٍ أَنَّ ابْنَ الزُّبَيْرِ رَأَى هَدْيًا لَهُ فِيهَا نَاقَةٌ عَوْرَاءُ فَقَالَ إِنْ أَصَابَهَا بَعْدَمَا اشْتَرَيْتُمُوهَا فَأَمْضُوهَا وَإِنْ كَانَ أَصَابَهَا قَبْلَ أَنْ تَشْتَرُوهَا فَأَبْدِلُوهَا رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ۔ یعنی ابوحصین نے روایت ہے کہ ابن زبیرؓ نے اپنی قربانی کے جانور دیکھے ایک قربانی کانٹری دکانی تھی فرمایا اگر خریدنے کے بعد کانٹری ہوتی ہے تو قربانی لگ جائے گی۔ اگر پہلے کانٹری تھی تو اس کو بدل دو۔

(۳) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَوْلَا أَنَّ قَوْمَكِ حَدِيثُو عَهْدٍ بِجَاهِلِيَّةٍ أَوْ قَالَ بِكُفْرٍ لَأَنْفَقْتُ كَنْزَ الْكَعْبَةِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَلَجَعَلْتُ بَابَهَا بِالْأَرْضِ وَلَأَدْخَلْتُ فِيهَا مِنَ الْحِجْرِ (رواہ مسلم)

یعنی عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے ہیں کہ اگر تیری قوم جاہلیت کے ساتھ نئے زمانہ والی نہ ہوتی تو میں بیت اللہ کا خزانہ نکال کر فی سبیل اللہ تقسیم کر دیتا اور بیت اللہ کا دروازہ زمین کے ساتھ ملا دیتا اور حجر کا کچھ حصہ بیت اللہ میں داخل کر دیتا۔

بیت اللہ کے خزانہ سے مراد وہ مال ہے جو لوگ بیت اللہ کی خاطر نذر دیا کرتے تھے جیسے مساجد میں لوگ دیتے ہیں، یہ خزانہ بیت اللہ میں اسی طرح دفن ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ دیکھا کہ یہ بیت اللہ کی حاجت سے زائد بیکار پڑا ہے تو خیال ہوا اس کو فی سبیل اللہ تقسیم کر دیا جائے لیکن کفار چونکہ نئے نئے مسلمان ہوئے تھے۔ خطرہ تھا کہ کہیں وہ بدظن نہ ہو جائیں اس لئے چھوڑ دیا اس سے معلوم ہوا کہ جب وقف کی حالت ایسی ہو جائے کہ ضائع ہوتی نظر آئے تو اس کی کوئی صورت ایسی بنانی چاہیئے۔ جس سے وہ ضائع نہ ہو۔

پہلی دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ جس مطلب کے لئے کوئی شے للہ دی گئی ہے۔ اگر اس مطلب کے

وہ لائق نہ رہے تو اس کو بدل سکتے ہیں. یعنی وہ اپنے استعمال میں لے آئے اور اس کے عوض دوسری دے دے جس کا حاصل مطلب یہ ہوا کہ ضروریات کے لئے فروخت بھی کرسکتا ہے۔

کشف القناع عن متن الاقناع جلد ۲ صہ ۴۷۱ پر ہے۔

وَاحْتَجَّ الْاِمَامُ بِاَنَّ ابْنَ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَدْ حَوَّلَ الْمَسْجِدَ الْجَامِعَ مِنَ التَّمَّارِیْنَ اَیْ بِالْکُوْفَۃِ۔ انتہٰی۔

یعنی امام احمد رح نے تبدیل وقف پر اس بات سے استدلال کیا ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ نے جامع مسجد کھجوروں کے تاجروں سے بدل دی یعنی بدل کر کوفہ میں دوسری جگہ لے گئے۔

حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ شارع عام تنگ ہو گیا تو انہوں نے مسجد کا کچھ حصہ رستہ میں ڈال دیا. ملاحظہ ہو. فتاوی ابن تمیہ جلد ۳ صہ ۲۸۹۔

غرض اس قسم کے تصرفات اور تغیرات میں درست ہیں جن سے وہ ضائع نہ ہو. بلکہ بڑھے یا محفوظ ہو جائے بلکہ حنفیہ کا بھی آخری فتویٰ اسی پر ہے چنانچہ صہ ۵۳ ردالمحتار جلد ۳ صہ ۴۰ میں اس کی تصریح کی ہے اور امام محمدؒ نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ اگر وقف بیکار ہو جائے تو اس کے اصل مالک یا وارثوں کے ملک میں ہو جائے گی. خلاصہ یہ کہ وقف کی غرض پر دار و مدار ہے حتی الوسع اس کو ضائع نہ ہونے دے ورنہ حوالہ خدا۔

اور اسی بناء پر وقف علی الاولاد کی صحت کی صورت میں یہ فتویٰ دیا جاسکتا ہے کہ اگر اولاد پھیل جائے اور بہت ہو جائے اور وقف کی آمد سے تقسیم ہو کہ ہر ایک کے حصہ میں اتنا کم آنے لگے۔ کہ وہ کسی شمار میں نہ رہے مثلاً آنہ پیسہ تک نوبت پہنچ جائے تو وہ اس وقف کو فروخت کرکے اپنی کوئی شئے بنا سکتے ہیں اور میں پہلے تو وقف علی الاولاد کی صحت کا فتویٰ دیا کرتا تھا. مگر اب میرے دل میں کچھ کھٹکا پیدا ہو گیا ہے کیونکہ اولاد اکثر پھیلے گی. اور وقف وقف نہ رہے گی. پس عام حالت کے لحاظ سے پہلے ہی سے نظر آرہا ہے یہ وقف آخر ٹوٹ جائے گی. تو پھر ایسا کام ہی کیوں کرے ہاں اگر کوئی ایسی شرائط لگا دے کہ جو عالم ہوں درس و تدریس کریں یا تصنیف وغیرہ کا سلسلہ جاری رکھیں، وہ اس سے فائدہ اٹھائیں اگر زیادہ ہو جائیں جس سے ہر ایک کے حصے میں گزارے کے موافق نہ آئے تو پھر بڑے عالم جن کو فلاں ڈگری حاصل ہو حقدار ہیں. اگر اس قسم کی کوئی شرط لگا دے تو جواز کی صورت نکل سکتی ہے، ورنہ یہ کوئی مفید شئے نہیں۔ عبداللہ امرتسری روپڑی ۱۶ر شوال ۱۳۵۸ھ

نوٹ:۔ یہ فتویٰ فتاویٰ اہلحدیث جلد ۱ صہ ۳۲۲ باب المساجد میں بھی درج ہے۔ جو مختصر ہے۔

وقف میں تقسیم اور واقف کی اولاد پر وقف

سوال ۔ زید اپنی جائیداد کا چوتھا حصہ وقف کر گیا ہے اور چوتھے حصے وقف کی چوتھائی آمدنی اپنے خاص عزیز غیر وارث کو وصیت کر گیا ہے۔ اب یہ عزیز غیر وارث تقاضا کرتا ہے کہ مجھے اس وقف کی چوتھائی تقسیم کر کے دیدی جائے متولی وقف یہ کہتا ہے کہ تمہارا حق آمد وقف میں جو کچھ ہے وہ میں دینے کو تیار ہوں اس وقف کو تقسیم کر کے تمہیں چوتھائی وقف نہیں دے سکتا۔ اس کی آمد دے سکتا ہوں۔ وقف کی چوتھائی تقسیم کر کے دینی میرے خیال میں شرعاً جائز نہیں، اگر ہو تو میں اس طرح تقسیم کرنے کو تیار ہوں۔ کیا یہ تقسیم جائز ہے۔ نیز یہ حصہ آمد اس عزیز کی زندگی تک محدود رہے یا اس کی وفات کے بعد اسکی اولاد کو بھی ملے گا؟

(محمد حسین امرتسر نواں کوٹ)

جواب ۔ متولی کے اختیار میں اگر اس کو خطرہ ہو کہ میں نے چوتھائی الگ کی تو وراثت جاری ہو جائے گی اور موصیٰ لہ مالک بن جائے گا، تو اس صورت میں بالکل تقسیم نہ کرنی چاہیئے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ کے درمیان باوجود ان کے بار بار تقاضا کے تقسیم نہیں کی۔ اور ظاہر ہے کہ حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ سے زیادہ محتاط ہونا مشکل ہے۔

باقی رہی یہ بات کہ یہ وصیت اس کی حیات تک ہے یا اس کی اولاد بھی حقدار ہے۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر میت نے ساری جائیداد وقف کی ہے، اور باقی توڑ کر چوتھائی قائم رکھی گئی ہے۔ تو اس چوتھائی کا وہی حکم ہے جو میت نے بقیہ کی نسبت نیت کی تھی۔ یعنی اگر وہ اولاد در اولاد تھی تو یہ چوتھائی بھی اسی طرح سمجھنی چاہیئے۔ ورنہ اس کی حیات تک اس کا حق ہو گا۔ بعد اس کے اولاد کی کوئی خصوصیت نہیں رہے گی بلکہ متولی مناسب طور پر اس کو صرف کرے اگر یہ زیادہ مستحق ہوں تو ان کو دے، ورنہ جہاں بہتر ہو وہاں دے ہاں اگر متوفی چوتھائی کی وصیت کرتے وقت اولاد در اولاد کی تصریح کر گیا ہو یا قرائن سے معلوم ہو گیا ہو کہ اس کی نیت اس چوتھائی میں اولاد در اولاد کی ہے تو اس صورت میں اولاد در اولاد ہی ہونی چاہیئے۔ عبداللہ امرتسری ۸ شوال ۱۳۵۶ھ

وقف علی الاولاد

سوال ۔ تمام ترکہ بقائمی ہوش و حواس مرض الموت سے پہلے وقف علی الاولاد کر دینا شرعاً جائز ہے یا نہیں

جواب ۔ وقف علی الاولاد کے جواز میں میرا فتویٰ چھپا ہوا موجود ہے جو مولانا محمد حسین بٹالوی مرحوم نے اپنے رسالہ اشاعۃ السنۃ میں شائع کیا تھا۔ لیکن اب میرے دل میں اس کے متعلق کئی خدشات ہیں۔ بڑا خدشہ یہ ہے کہ جب اولاد پھیل جاتی ہے اور جائیداد کا منافع ان پر تقسیم ہوتا رہتا ہے تو آخر ایک پیسہ فی نفر حصہ نہیں بیٹھتا۔ اب نہ تو وہ اس کو بیچ سکتے ہیں نہ منافع سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں، وہ جائیداد اسی طرح بیکار جاتی ہے اگر وہ بیچ سکیں تو یک لخت کچھ رقم ہاتھ میں آجاتی تو وہ کارآمد ہو سکتی ہے ورنہ منافع کسی کام نہیں۔

عبداللہ امرتسری ۲۷ رجب ۱۳۵۷ھ

قبرستان کی آمدن سے دیگیں خرید کر وقف کرنا

سوال ۔ قبرستان کی لکڑی ڈیڑھ سو روپیہ میں فروخت کی گئی ہے نمبردار اور ممبران مسجد کی یہ منشاء ہے کہ اس روپیہ کی دیگ و فرش خرید لیا جائے اور ان اشیاء کو کرایہ پر دیا جائے۔ اس آمدن سے کسی مسکین یا طالب علم یا علماء دین یا مسجد کی تعمیر وغیرہ میں صرف کیا جائے گا۔ کیا ایسا کرنا جائز ہے؟

اللہ بخش حاجی واللہ بخش نمبردار نعمت پورہ ڈاکخانہ راجپورہ ریاست پٹیالہ

جواب ۔ وقف کی شے وقف میں صرف کی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں قبرستان چونکہ وقف شے ہے اس میں کسی کے لحاظ ملاحظہ کو دخل نہ ہونا چاہیئے۔ بلکہ غریب امیر چھوٹے بڑے سب کو کرایہ پر دی جائے اس صورت میں کوئی حرج نہیں، خواہ دیگ فرش وغیرہ بنایا جائے یا کوئی اور شے تیار کی جائے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی ۱۶ ستمبر ۱۹۳۷ء

وقف زمین میں عشر

سوال ۔ وقف اراضی خاص کر جو مسجد کے لئے وقف ہے اس میں عشر ہے؟

جواب ۔ مشکوٰۃ میں حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو عامل بنا کر بھیجا۔ بتایا گیا کہ ابن جمیل۔ خالدؓ بن ولید اور عباسؓ نے صدقہ ادا نہیں کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابن جمیل نے تو یہی عیب پکڑا ہے کہ خدا اور رسولؐ نے اس کو غنیوں کے مال کے ساتھ غنی کر دیا ہے اور خالد پر تم خواہ مخواہ ظلم کرتے ہو۔ اس نے تو اپنی زرہیں اور سامان جنگ۔ ہتھیار گھوڑے اونٹ

وغیرہ کو فی سبیل اللہ وقف کر دیا ہے اور عباس کا میرے ذمہ ہے اور اس کی مثل اور اس سے معلوم ہوا کہ وقف میں صدقہ نہیں اگرچہ یہاں سامانِ جنگ کا ذکر ہے مگر وجہ آپ نے یہ بتائی ہے کہ وہ وقف ہے پس معلوم ہوا۔ کہ وقف مانع صدقہ ہے پس زمین بھی اس کے تحت آگئی۔

نیز حضرت عمرؓ نے خیبر میں جو زمین وقف کی تھی۔ اس کی آمد کے مصارف کی تفصیل میں انہوں نے عشر کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ ملاحظہ ہو منتقی الاخبار مع نیل الاوطار کتاب الوقف۔ اس سے بھی تائید ہوتی ہے۔ کہ وقف میں عشر نہیں۔

نیز وقف خود ایک قسم صدقہ ہے اور عشر بھی ایک قسم کا صدقہ ہے پس صدقہ میں صدقہ کے کچھ معنیٰ نہیں، اس لئے عشر زکوٰۃ جو بیت المال میں جمع ہوتا ہے، اس میں کسی قسم کا صدقہ نہیں۔

عبداللہ امرتسری روپڑی یکم ربیع الثانی ۱۳۵۹ھ

متروک قبرستان

سوال :۔ ایک قبرستان قدیمی ہے اس میں چار سال سے دفن کرنا ترک کر دیا ہوا ہے باشندگان دیہہ نے احاطہ قبرستان میں کھاد، مکانات، مال مویشی اور اپنی رہائش اختیار کر رکھی ہے اس میں ایک تھڑا مسجد اور ایک مدرسہ بھی تعمیر ہے۔ اہلِ دیہہ کا اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ اس قطعہ اراضی قبرستان کا استعمال ترک کر دیا جائے اور اکثر لوگ کہتے ہیں۔ چونکہ مدت سے قبروں کا نشان نہیں رہا۔ اب اس کا استعمال جائز ہے اس بارہ میں راہنمائی کی جائے۔ محمد عبداللہ تلونڈی ارائیاں ضلع ہوشیارپور

جواب :۔ جب قبرستان کا نام و نشان نہ رہے تو اس کا حکم قبر کا نہیں رہتا۔ بیت اللہ میں مائی ہاجرہ اور اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر ہے چونکہ نشان موجود نہیں۔ اس لئے وہاں نماز پڑھی جاتی ہے جب نشان نہ رہنے کی صورت میں قبر کا حکم نہ رہا، تو پھر بے ادبی کا سوال بھی اٹھ گیا۔

عبداللہ امرتسری روپڑی ۸ رجب ۱۳۵۶ھ

وقف کی خرید و فروخت

سوال :۔ زید مر گیا۔ زید کی بیوی نے مکان کو وقف کر دیا، اور وقف نامہ میں یہ لکھا کہ آج کی

تاریخ سے وقف اللہ کردیا۔ اور آج کی تاریخ سے میں اس کی متولی رہوں گی۔ اور مکان کا کرایہ آٹھ روپیہ ماہوار ہے۔ جو کچھ میرے حصے سے بچتا رہے گا۔ اس کو مسجد میں ہر ماہ دیتی رہوں گی۔ یہ وقف نامہ زید کے رشتہ داروں سے پوشیدگی میں کیا گیا تھا۔ کیونکہ زید کے بھتیجے ترکہ مانگ رہے تھے۔ جب زید کے لڑکے کی بیوی نے سُنا۔ کہ مکان وقف کردیا۔ تو فوراً جاکر قبضہ کرلیا۔ ترکہ کی تقسیم میں زید کی بیوی کا حصہ چار آنہ چار پائی نکلا۔ اب اس کے بعد زید کی بیوی فوت ہوگئی جو اس مکان کے ایک حصہ میں زید کی زندگی میں سکونت رکھتی تھی۔ اس کے بعد زید کی بیوی کے والدین نے اس پر قبضہ کرلیا۔ زید کے بھتیجوں نے اپنا اپنا حصہ فروخت کر ڈالا۔ اور ساتھ ہی اس حصہ کو جو زید کی بیوی کا تھا فروخت کردیا۔ یعنی ترکہ کا کل مکان فروخت ہوگیا۔ بڑھیا کے مرنے کے بعد جن کو بڑھیا نے متولی بنایا تھا۔ انہوں نے عدالت میں دعویٰ کیا۔ اور عدالت نے وقف نامہ کو ناجائز قرار دیدیا۔ اس صورت میں بڑھیا کا حصہ وقف ہوگا یا وصیت مکان کا اب تک بٹوارہ نہیں ہوا۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ بغیر بٹوارے کے وقف ناجائز ہے اور بعض علماء کہتے ہیں جائز ہے۔ ان میں کون حق پر ہے۔

سلیمان شہر کانپور ۲۴ر اپریل ۱۹۴۱ء

جواب ۔ وقف شے کا فروخت کرنا درست نہیں۔ بڑھیا کا حصہ ۴ آنہ ۴ پائی وقف ہے جن آدمیوں نے خریدا ہے انہوں نے غلطی کی ہے یہ ان کی ملکیت نہیں ہوسکتا۔ اس کا کرایہ مسجد کو ادا کیا کریں یا چھوڑ دیں۔ تاکہ کسی اور کو کرایہ پر دیا جائے یا مسجد کے کسی اور کام میں آجائے اور خریدنے والے اپنا روپیہ جن سے خریدا ہے ان سے مطالبہ کریں۔ دے دیں تو بہتر ورنہ قیامت کو فیصلہ ہوگا لیکن وقف شے کے متعلق حدیث میں آیا ہے۔ وَلَا یُبَاعُ اَصْلُهَا وَلَا یُوْرَثُ وَلَا یُوْهَبُ (بلوغ المرام باب الوقف) یعنی نہ اس کا اصل فروخت کیا جائے نہ وراثت میں لیا جائے نہ ہبہ کیا۔

عبداللہ امرتسری مدیر تنظیم روپڑ ضلع انبالہ ۱۴ ربیع الثانی ۱۳۶۰ھ

وقف میں تصرف اور تبدیلی کا حکم

سوال ۔ چک نمبر ۲۰۳ ماما نوالہ متصل نشاط مل ضلع لائل پور میں لوگ دوسری جگہ سے آکر آباد ہوئے یہاں دو مسجدیں تھیں۔ ایک بریلوی احناف کی، دوسری اہل حدیث اور دیوبندی حضرات کی مشترکہ۔ نئے آنے والے لوگ اپنے ہم عقیدہ سابق باشندوں کے ساتھ مل گئے یعنی بریلوی اپنی مسجد میں اور اہل حدیث و دیوبندی

ایک مشترکہ مسجد میں نمازیں پڑھنے لگے۔ شروع میں اتحاد و اتفاق سے وقت پاس ہوتا رہا۔ لیکن آخر مسلکِ اہلِ حدیث کے ساتھ بعض خصوصی مسائل کی بناء پر نزاع پیدا ہوگئی نئے آنے والے بعض اہلِ حدیث ذی علم تھے۔ ان کی وجہ سے سننِ نبویؐ کی تبلیغ و اشاعت کا سلسلہ جاری ہوا جو بعض احناف کو ناگوار گزرا۔ نئی آباد ہونے والی جماعتِ اہلِ حدیث نے ارادہ کیا کہ مشترکہ مسجد کی بجائے اپنا علیحدہ انتظام کیا جائے چنانچہ سابق باشندے سے ۴/۵ مرلہ زمین مبلغ چار صد روپیہ میں مسجد خریدی گئی لیکن وہاں نماز پڑھنے پڑھانے کا ارادہ رہا۔ گو بعض دفعہ کوئی شخص نماز پڑھ بھی لیتا۔ مگر باقاعدہ شروع نہ ہوا۔ کیونکہ مانانوالہ کی سابق جماعت اہلِ حدیث کا مطالبہ تھا کہ نماز بدستور مشترکہ مسجد میں اکٹھی پڑھی جائے تاکہ دوسرے لوگوں میں تبلیغ ہوتی رہے۔ یہ مطالبہ تسلیم کرتے ہوئے نزاع کے باوجود نماز بدستور مشترکہ پڑھی جاتی رہی، آخر انقلاب حالات کے باعث یہ مسجد بریلویوں نے چھین لی۔ دیوبندی اپنی کسی دوسری مسجد میں چلے گئے اور اہلِ حدیث باشندوں نے خریدی تھی۔ دو وجہ سے قابلِ اطمینان نہ رہی۔

اوّل : یہ کہ جگہ تھوڑی ہے۔

دوم : اہلِ حدیث آبادی سے دور ہونے کی وجہ سے نماز خمسہ میں شرکت مشکل ہے۔

لہٰذا ، متفقہ فیصلہ ہوا کہ اس کی بدل کوئی دوسری موزوں جگہ خریدی جائے چنانچہ باہمی مشورہ سے قریباً ۲۰/۲۵ مرلے جگہ خرید کر اس میں نماز کا سلسلہ شروع کیا گیا۔ اور طے پایا کہ جماعت متفقہ طور پر یہاں مسجد تعمیر کرے، سابق اہلحدیث باشندوں نے پہلی مشترکہ مسجد کے متعلق بذریعہ قانونی چارہ جوئی اپنا حق طلب کیا، مقدمہ کا فیصلہ یوں ہوا کہ ان کو دو ہزار روپیہ نقد مل گیا، اس رقم کے ساتھ کچھ مقامی اور بیرونی چندہ جمع ہو کر مسجد کا ایک کمرہ فوری تیار ہوگیا۔ اس دوران میں پہلی جگہ جو نئے باشندوں نے خریدی تھی۔ وہاں نماز کا سلسلہ تین چار ماہ جاری رہا۔ لیکن جیسا کہ عرض کیا گیا، وہ جگہ ناکافی اور غیر موزوں ہے نئی جگہ وسیع اور ہر اعتبار سے مناسب ہے اس بنا پر متفقہ فیصلہ ہوا کہ پہلی جگہ فروخت کر کے اس کا روپیہ نئی مسجد پر خرچ کیا جائے چنانچہ انجمن نے مولوی عبدالباسط اور عبدالجبار سے چار صد روپیہ کی بجائے مبلغ ۳۲۵/ روپے میں سودا کیا۔ لیکن جب رقم کا مطالبہ کیا گیا تو لیت ولعل شروع ہوا کبھی کہا گیا کہ:

اس سودے پر بعض حضرات ناراض ہیں اس لئے یہ کینسل ہے۔

اور کبھی یوں کہا گیا، کہ یہ مسجد کی نیت پر خریدی گئی تھی لہٰذا یہاں مسجد ہی بنے گی آخر کار جماعت سے مشورہ

کے بغیر مولوی عبدالباسط، عبدالجبار، عبدالمنان، پسران مولوی حکیم غلام محمد صاحب نے اس جگہ پر قبضہ کر کے سامنے بازار کی طرف دیوار اور دروازہ لگا دیا جماعت نے انکار کیا کہ تم جماعت سے مشورہ کئے بغیر اس جگہ کسی قسم کا تصرف نہیں کر سکتے لیکن انہوں نے بضد ہو کر وہاں پر اذان و نماز کا سلسلہ شروع کر دیا۔

اب سوال یہ ہے کہ

کیا جماعت کے مشورہ کے بغیر ان کا تصرف اور موجودہ قبضہ درست ہے یا نہیں؟

اور یہ کہ۔ اس زمین کو فروخت کر کے نئی زمین پر خرچ کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

اور اگر شرعاً اس جگہ کو فروخت نہیں کیا جا سکتا۔ تو اس پر حق تصرف و قبضہ جماعت کا ہونا چاہیئے یا صرف ایک گھر کے افراد کا؟

اس مسئلہ پر از روئے کتاب و سنت روشنی ڈالتے ہوئے جواب سے مشرف فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اجر جزیل عطا فرمائے۔ آمین۔

نوٹ:۔ جماعت کے پاس دو اہل علم کا نظریہ حسب ذیل ہے کیا اس سے جگہ کے فروخت کرنے کے مسئلہ کی تائید ہو سکتی ہے؟

مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالجبار غزنوی رح

کے صفحہ ۱۴ پر باب باندھا ہے۔

بَاب حُکمِ المَسجِدِ الخَرِبِ الَّذِی لَا یُنْتَفَعُ بِہٖ،

عنوان باب کے بعد تحریر ہے کہ

"صورت مذکورہ میں اہل علم مختلف ہیں امام مالک رح اور امام شافعی رح اور امام ابو یوسف رح اور ایک قول امام ابو حنیفہ رح کا اس پر ہے کہ وہ زمین اسی طرح رہے نہ بیچی جاوے، نہ مکان بنایا جاوے بلکہ اپنے حال پر باقی رہے۔

اور امام محمد رح اور ایک قول امام ابو حنیفہ رح کا اس پر ہے کہ وہ زمین بانی اور اس کے ورثا کا حق اور ملک ہو جاتی ہے۔

در مختار میں ہے۔

وَلَوْ خَرِبَ مَا حَوْلَہٗ وَاسْتُغْنِیَ عَنْہُ یَبْقٰی مَسْجِدًا عِنْدَ الْاِمَامِ اَبَدًا اِلٰی قِیَامِ السَّاعَۃِ

وَبِهٖ یُفْتیٰ (حاوی القدس) وَعَادَ اِلَی الْمِلْکِ اَیْ مِلْکِ الْبَانِیْ اَوْ وَرَثَتِہٖ عِنْدَ مُحَمَّدٍ.

اور محقق شامی نے ردالمختار میں لکھا ہے کہ

قَالَ فِی الْاِسْعَافِ وَذَکَرَ بَعْضُھُمْ اَنَّ قَوْلَ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ رح کَقَوْلِ اَبِیْ یُوْسُفَ وَبَعْضُھُمْ ذَکَرَہٗ کَقَوْلِ مُحَمَّدٍ رح

(د) امام احمد رح کے نزدیک وہ زمین بیچی جائے اور اس کی قیمت مسجد جدید پر خرچ ہو جائے رحمۃ الامامہ میں ہے۔ اِخْتَلَفُوْا فِیْ جَوَازِ بَیْعِہٖ وَصَرْفِ ثَمَنِہٖ فِیْ مِثْلِہٖ وَکَذٰلِکَ فِی الْمَسْجِدِ اِذَا کَانَ لَا یُرْجٰی عَوْدُہٗ۔

میرے فہم میں امام احمد رح کا قول سب اقوال سے راجح اور حِکَم اور مصالح شرعیہ کے بہت موافق معلوم ہوتا ہے لہٰذا عاجز امام احمد رح کے قول پر فتویٰ دیتا ہے، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ عبدالجبار بن عبداللہ الغزنوی رضی اللہ عنہما

مولانا عبدالجبار صاحب اس فتویٰ کے ساتھ ہی باب ھٰذا کا عنوان باندھ کر تحریر فرماتے ہیں۔

الجواب: حُکْمُ اَشْیَاءِ الْمَسْجِدِ الَّتِیْ لَا یُمْکِنُ اَنْ یُّسْتَعْمَلَ بِذَاتِھَا فِی الْمَسْجِدِ عِنْدِیْ وَاللہُ اَعْلَمُ اَنْ یُّبَاعَ وَیُصْرَفَ ثَمَنُہٗ فِیْ ضَرُوْرِیَّاتِ ذٰلِکَ الْمَسْجِدِ اَوِ الْمَسْجِدِ الْاٰخَرِ اِذَا لَمْ تَکُنْ ضَرُوْرَۃُ الْمَسْجِدِ الَّذِیْ وُقِفَتْ تِلْکَ الْاَشْیَاءُ لَہٗ وَبِہٖ یَقُوْلُ اِمَامُ اَھْلِ الْحَدِیْثِ اَحْمَدُ ابْنُ حَنْبَلٍ رح کَمَا اخْتَلَفُوْا فِیْ جَوَازِ بَیْعِہٖ وَصَرْفِ ثَمَنِہٖ وَاِنْ کَانَ مَسْجِدًا فَقَالَ مَالِکٌ وَالشَّافِعِیُّ یَبْقٰی عَلٰی حَالِہٖ وَلَا یُبَاعُ وَقَالَ اَحْمَدُ یَجُوْزُ بَیْعُہٗ وَصَرْفُ ثَمَنِہٖ فِیْ مِثْلِہٖ وَکَذٰلِکَ فِی الْمَسْجِدِ اِذَا کَانَ لَا یُرْجٰی عَوْدُہٗ وَھٰذَا ھُوَ الَّذِیْ یَقْتَضِیْہِ حسن الشریعہ وحکمھا۔

۲۔ مولانا محمد اسمٰعیل ناظم جمعیت اہلِ حدیث اپنے رسالہ (اسلامی حکومت کا مختصر خاکہ) کے ص ۲۹ پر وقف میں تصرف کا عنوان باندھ کر تحریر فرماتے ہیں، وقف کی شرعی حیثیت معلوم ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رح کی اس مسئلہ میں احتیاط اہل علم سے مخفی نہیں، وہ وقف میں کوئی تبدیلی جائز نہیں سمجھتے۔ امام احمد رح کا مسلک ہے کہ اگر وقف کی حیثیت اور واقف کے مقصد کو تبدیلی سے فائدہ ہو تو بدلنا درست ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رح نے حضرت عمر رض کا ایک فیصلہ ذکر فرمایا ہے جس سے امام احمد رح کی تائید ہوتی ہے۔

تَدْجَوَّزَ اَحْمَدُ اِبْدَالَ مَسْجِدٍ بِمَسْجِدٍ لِمَصْلِحَةٍ كَمَا جَوَّزَ تَغْيِيْرَهٗ بِالْمَصْلِحَةِ وَاحْتَجَّ بِاَنَّ عُمَرَ رضؓ بْنَ الْخَطَّابِ اَبْدَلَ مَسْجِدَ الْكُوْفَةِ الْقَدِيْمَةِ بِمَسْجِدٍ اٰخَرَ وَصَنَعَ الْمَسْجِدَ الْاَوَّلَ سُوْقًا لِلتَّمَّارِيْنَ، (فتاویٰ ابن تیمیہ ۳ ص۳۸۸)

امام احمدؒ مسجد کو دوسری عمارت یا جگہ سے تبدیل کرنے کو جائز سمجھتے ہیں.

جس طرح مصالح کی بنار پر اس کے اندر تبدیل کرنا درست ہے حضرت عمرؓ نے کوفہ کی پرانی مسجد کو دوسری مسجد سے بدلوایا. پہلی مسجد شارع عام اور بازار بن گئی.

وقف کے مسائل شیخ الاسلامؒ نے فتاویٰ کی دوسری جلد ص۲۱۶ میں کسی قدر لبسط لکھے ہیں.

علی الطالب ان یرجع الیہ محمد اسحٰق چیمہ امیر جمعیت اہلحدیث لائل پور

جواب ۔ یہاں پر دو مسئلے ہیں۔

ایک یہ کہ مجبوری کی حالت میں وقف میں فروخت وغیرہ کے ساتھ تبدیلی ہوسکتی ہے یا نہیں؟

دوسرا یہ کہ پہلی جگہ اگر مسجد بنا دی جائے تو تولیت کا حق کس کو ہوگا؟

پہلے مسئلہ میں اختلاف ہے چنانچہ سوال میں مولانا عبدالجبار غزنویؒ وغیرہ کے فتویٰ سے ظاہر ہے لیکن یہاں ایک اصول مشہور ہے کہ

اِھمال سے اِعمال بہتر ہے

یعنی کوئی شے بیکار چلی جائے۔ اور ضائع ہو جائے اس سے بہتر ہے کہ کسی کام پر لگادی جائے اور اس سے کوئی فائدہ اٹھالیا جائے. امام احمدؒ وغیرہ کا فتویٰ اسی اصول پر مبنی ہے.

اگرچہ وقف کے احترام کا تقاضا تو یہی ہے کہ وقف میں کوئی ایسا تصرف نہ کرنا چاہیئے جو وقف کے منافی ہو جیسے وراثت یا ہبہ یا بیع شراء وغیرہ - لیکن اصول مذکورہ بھی اٹل ہے۔ اس کا تقاضا بھی پورا کرنا چاہیئے.

پس مناسب یہی ہے کہ کوئی ایسا راستہ اختیار کیا جائے. جس میں حتی الوسع دونوں تقاضے پورے ہو جائیں سو وہ امام احمدؒ وغیرہ کا مذہب ہے تفصیل اس کی یہ ہے کہ:۔

تصرف منافی وقف دو طرح کا ہے :۔

(۱) ایک حقیقۃً

(۲) ایک صورۃً

حقیقۃً تو یہ ہے کہ وقف سرے سے وقف ہی نہ رہے جیسے امام احمدؒ وغیرہ کا خیال ہے کہ وقف بیکار ہونے کی صورت میں ملک واقف کی طرف لوٹ آتی ہے۔

اور صورۃً یہ ہے فروخت کر کے اس کی قیمت وقف کی جگہ خرچ کی جائے، جیسے امام احمدؒ وغیرہ فرماتے ہیں یا جیسے حضرت عمرؓ نے مسجد کا کچھ حصہ ضرورت کے لئے بازار میں داخل کر دیا۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ امام شافعیؒ وغیرہ کے مذہب میں اصول مذکور کا تقاضا پورا نہیں ہوتا،

اور امام محمدؒ کے مذہب میں وقف کا احترام بالکل نہیں رہتا،

اور امام احمدؒ وغیرہ کے مذہب میں دونوں تقاضے پورے ہو جاتے ہیں۔ پس یہی مذہب راجح ہے

دوسرا مسئلہ متفقہ ہے کہ تولیت کا حق ساری جماعت کو ہے کیونکہ مشکوۃ باب احیاء الموات میں حدیث ہے

وَلَيْسَ لِعِرْقٍ ظَالِمٍ حَقٌّ (یعنی ظالم جڑ کا کوئی حق نہیں)

اس کا مطلب یہ ہے کہ بیگانی زمین میں کوئی درخت لگائے یا کھیتی کرے یا عمارت وغیرہ بنائے تو اس کا کوئی حق نہیں۔

چونکہ یہ زمین ساری جماعت کی ہے اس لئے جماعت کی اجازت کے بغیر کسی کو تصرف کا اختیار نہیں،

لیکن جماعت کو بھی شریعت کے دائرہ کے اندر رہنا چاہیئے۔ شریعت کا دائرہ یہاں دو چیزیں ہیں۔

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، محلہ، محلہ مسجدیں بناؤ اگر یہ جگہ محلہ سے الگ ہے تو اس حدیث کی بنا پر جماعت کو چاہیئے کہ مسجد بنائیں اور جس کو چاہیں امام یا متولی مقرر کریں لیکن محلہ محلہ جمعہ جائز نہیں بلکہ جمعہ ایک ہی جگہ ہوگا جہاں سب سما سکیں،

(۲) اگر یہ جگہ الگ محلہ نہیں تو پھر تین صورتوں میں سے جون سی چاہیں اختیار کریں۔

اول : آئے گئے مسافر اور مہمان کے لئے کمرہ بنا دیا جائے۔

دوم : امام کے لئے مکان بنا دیا جائے جو مسجد کے متعلق وقف ہو۔

سوم : اگر ان دو صورتوں کی گنجائش نہ ہو یا مناسب نہ ہوں تو پھر اس کو فروخت کر کے اس کی قیمت نئی مسجد پر خرچ کر دی جائے۔ ——— یا مسجد کے ساتھ آئے گئے مسافر یا امام کے لئے مکان بنا دیا جائے، اور جماعت کا ایک امیر بنالیں جو جماعت کے مشورہ سے کام کرے، واللہ الموفق

(عبداللہ امرتسری روپڑی)

وقفؔ زمین میں عشر کا مسئلہ

سوال ۔ اراضی موقوفہ خصوصاً اراضی موقوفہ بالمسجد میں عشر واجب ہے یا نہیں بادلائل تحریر فرمائیں۔

جواب ۔ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عُمَرَ عَلَی الصَّدَقَةِ فَقِیْلَ مَنَعَ ابْنُ جَمِیْلٍ وَخَالِدُ بْنُ الْوَلِیْدِ وَالْعَبَّاسُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا یَنْقِمُ ابْنُ جَمِیْلٍ اِلَّا اَنَّہٗ کَانَ فَقِیْرًا فَاَغْنَاہُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَاَمَّا خَالِدٌ فَاِنَّکُمْ تَظْلِمُوْنَ خَالِدًا فَقَدِ احْتَبَسَ اَدْرَاعَہٗ وَاَعْتُدَہٗ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَاَمَّا الْعَبَّاسُ فَهِیَ عَلَیَّ وَمِثْلُهَا مَعَهَا ثُمَّ قَالَ یَا عُمَرُ اَمَا شَعَرْتَ اَنَّ عَمَّ الرَّجُلِ صِنْوُ اَبِیْہِ (متفق علیہ)

یعنی حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو صدقہ پر عامل بناکر بھیجا۔ کہا گیا ابن جمیل رضؓ خالد بن ولیدؓ اور عباس رضؓ نے صدقہ ادا نہیں کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ابن جمیل رضؓ نے تو یہی عیب پکڑا ہے کہ خدا اور رسولؐ نے اس کو (غنیمتوں کے مال کے ساتھ) غنی کر دیا۔ اور خالد پر تم خواہ مخواہ ظلم کرتے ہو اس نے تو اپنی زرہیں اور سامانِ جنگ ہتھیار گھوڑے اونٹ (وغیرہ) کو فی سبیل اللہ وقف کر دیا ہے اور عباس کا میرے ذمہ ہے اور اس کی مثل اور اس سے معلوم ہوا کہ وقف میں صدقہ نہیں، اگرچہ یہاں سامانِ جنگ کا ذکر ہے۔ مگر وجہ آپ نے یہ بتائی ہے کہ وہ وقف ہے۔ پس معلوم ہوا کہ وقف مانع صدقہ ہے پس زمین بھی اس کے تحت آگئی۔ نیز حضرت عمر رضؓ نے خیبر میں جو زمین وقف کی تھی اس کی آمد کے مصارف کی تفصیل میں انہوں نے عشر کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ ملاحظہ منتقیٰ مع نیل الاوطار کتاب الوقف وغیرہ اس سے بھی تائید ہوتی ہے کہ وقف میں عشر نہیں۔ نیز وقف خود ایک قسم صدقہ ہے پس صدقہ میں صدقہ کے کچھ معنی نہیں۔ اس لئے عشر زکوٰۃ جو بیت المال میں جمع ہوتا ہے۔ اس میں کسی قسم کا صدقہ نہیں۔

(عبداللہ امرتسری روپڑی لاہور ۲۱ محرم الحرام ۱۳۸۰ھ)

ؔ اس مسئلہ کا بیان فتاویٰ اہلحدیث جلد دوم ص ۵۲۹ پر بھی ہو چکا ہے۔

مزارعت کا بیان

مزارع کا مالک زمین کی اجازت کے بغیر سبزی وغیرہ استعمال کرنا

سوال - جو زمیندار بٹائی پر زمین بوتے ہیں. خواہ زمین مسلمان کی ہو یا ہندو سکھ کی. اگر وہ مالک زمین کا زیادہ نقصان کریں تو وہ بہت گنہ گار ہیں لیکن جو زمیندار بغیر مالک کے پوچھے معمولی معمولی چیزیں کھا لے مثلاً روزانہ دو چار گنے یا مکئی کے دنوں میں مکئی کی گگڑیاں ایسی اور مختلف چیزیں استعمال کرلے. تو کیا وہ گنہ گار ہے یا نہیں؟

جواب ۔ اگر مالک زمین بُرا نہ منائے تو دو چار گنے یا اس قسم کی کوئی اور چیز لینے میں کوئی حرج نہیں. اگر مالک بُرا منائے تو پھر بچنا چاہیئے. کیونکہ بیگانہ حق ہے کبھی اتفاقیہ ہو تو شاید مالک خیال نہ کرے روزانہ نقصان خواہ تھوڑا ہی ہو. مالک ضرور خیال کرتا ہوگا. ہاں بعض کشادہ دل ہوتے ہیں. وہ شاید روزانہ کا بھی خیال نہ کریں بہرصورت بیگانہ حق ہے سوچ سمجھ کر ہاتھ ڈالنا چاہیئے بہتر ہے کہ اگر پرہیز نہ ہوسکے تو بٹائی کی بجائے زمین ٹھیکہ پر لے لی جائے تاکہ کھٹکا ہی نہ رہے یا مالک سے اجازت لے لے. کہ اگر تھوڑا بہت عام دستور کے مطابق بچوں وغیرہ کے لئے گھر لے جاؤں تو بُرا نہ منایا جائے.

عبداللہ امرتسری روپڑی ۲۸ جمادی الاول ۱۳۸۰ھ

زمین کی نصف یا کم وبیش بٹائی پر ملازم رکھنا

سوال ۔ زید کہتا ہے کہ ہر مزارع سے نہری زمین تو بارہ ماہ پانی دیتی ہو. نصف حصہ ہر جنس سے لینا اور اڑھائی سیر فی من خرچ اور معاملہ نہری و مالکانہ و محنتانہ پٹواری وغیرہ نصف و نصف مزارع سے لینا جائز ہے. کیونکہ اس سے یہ پہلے شرط لگائی جاتی ہے. اور بیگار ہر قسم مثلاً ہل، گدھا. لیپائی مکان پتائی وغیرہ وغیرہ بھی لینی جائز ہے کیونکہ یہ بھی شرطوں میں زمین دینے کے وقت لکھدی جاتی ہیں اور وہ منظور کرتا ہے.

بکر کہتا ہے کہ صرف نصف حصہ ہر جنس سے اور معاملہ سے مالک لے سکتا ہے باقی تمام ظلم میں شامل ہیں۔ از روئے شریعت اس کا کیا حکم ہے۔

جواب ۔ مشکوٰۃ میں ہے۔ عن ابی سعید قال نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن استیجار الاجیر حتی یبین لہ اجرہ وعن النجش واللمس والقاء الحجر رواہ احمد (فصل رابع ص۲۵۷) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزدور کو اجرت پر لانے سے منع کیا ہے۔ یہاں تک کہ اس کی اجرت بیان کرے نیز تیز کرنے اور بیع ملامسہ اور کنکر ڈالنے کی بیع سے منع کیا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مجہول اجرت کے ساتھ مزدور رکھنا جائز نہیں۔ بلکہ ہر طرح سے اس کی وضاحت ہونی چاہیئے پس سوال میں جس صورت کا ذکر ہے وہ شرعاً منع ہے کیونکہ ہل، گڈا لیپائی مکان وغیرہ جب اس کے ذمہ کر دیا۔ تو وہ اس کا مزدور بن گیا اور اس کی اجرت زمین کی آمد سے ہوگی۔ اور وہ دو طرح سے مجہول ہے نہ تو یہ معلوم ہے کہ وہ ہوگی یا نہ اور نہ یہ معلوم ہے کہ ہوگی تو کتنی ہوگی۔ ہاں اگر اس طرح کر لیا جائے کہ زمین کی بٹائی میں اس کا حصہ کم کر دیا جائے اور جب بیگار وغیرہ لینی ہو اس وقت بیگار وغیرہ کی اجرت حسبِ دستور الگ دے دی جائے تو یہ جائز ہے۔ عبداللہ امرتسری روپڑی ۲۷ رمئی ۱۹۳۸ء

حکومت وقت کو زمین کا لگان ادا کرنا

سوال ۔ کیا حکومت وقت کو زمینوں کا لگان ادا کرنا جذیہ کی قسم سے ہے جس کے برداشت کرنے سے مسلمان کو ممانعت ہے؟ (محی الدین لکھنوی)

جواب ۔ زمین کا لگان حکومت وقت کو ادا کرنا مجبوراً جائز ہے۔ حضرت علی رضؓ فرماتے ہیں۔ مجھے ایک دفعہ سخت فاقہ پہنچا۔ میں محنت مزدوری کے لئے عوالی مدینہ کی طرف گھر سے نکلا ایک عورت نے مٹی کے ڈلے جمع کئے ہوئے تھے۔ میں نے خیال کیا۔ کہ وہ انہیں بھگونا چاہتی ہے۔ میں نے اس سے ایک ڈول کے عوض ایک کھجور پر فیصلہ کر لیا۔ میں نے سولہ ڈول کھینچے، یہاں تک کہ میرے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے میں اس کے پاس آیا۔ اس نے مجھے سولہ کھجوریں گن دیں۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ اور آپ کو خبر دی۔ آپ نے بھی وہ کھجوریں میرے ساتھ کھائیں۔ اس حدیث میں جس عورت کا ذکر ہے بظاہر وہ یہودیہ ہے ورنہ مسلمہ حضرت علی رضؓ پر ایسی تنگی نہیں کر سکتی تھی۔ نیز اور روایتیں اس کی موید ہیں۔ چنانچہ ابن ماجہ میں

ابن عباس رضا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فاقہ پہنچا۔ حضرت علی رضا کو خبر ہوئی۔ آپ اسی وقت محنت ومزدوری کی تلاش میں نکلے تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے طعام حاصل کریں۔ ایک یہودی کے باغ میں آئے ۱۷ ڈول بحساب فی ڈول فی کھجور نکالے۔ یہودی نے عمدہ کھجوریں عجوہ قسم کی حضرت علی رضا کو چن دیں۔ حضرت علی رضا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ حضرت علی رضا سے یہ بھی روایت ہے کہ ایک کھجور کے عوض ایک ڈول نکالنا اور عمدہ کھجور کی شرط کرتا۔ اور حضرت ابوہریرہ رضا سے روایت ہے کہ ایک انصاری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ اس نے کہا یا رسول اللہ! آپ کا رنگ متغیر کیوں ہے؟ فرمایا بھوک سے متغیر ہے۔ انصاری اپنے گھر آیا۔ وہاں کچھ نہیں ملا۔ پس مزدوری کی تلاش میں نکلا۔ ایک یہودی کو دیکھا۔ اپنی کھجوروں کو پانی پلا رہا تھا۔ کہا میں پانی پلا دوں؟ اس نے کہا ہاں۔ کہا ایک ڈول کے عوض ایک کھجور۔ انصاری نے شرط کی کہ کھری ہو۔ قریباً دو صاع کے عوض پانی پلایا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آیا۔ اس قسم کی احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حکومت وقت کو لگان دینا اس کا کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ کفار کی مزدوری سے لگان ادا کرنا بہر حالت ہے۔ اور اس میں مزدوری کی نسبت عزت ہے۔ رہا جو خراج مسلمان بادشاہ کفار سے لیتا ہے تو وہ اس لگان کی قسم کا نہیں۔ کیونکہ وہ خراج مذہبی امتیاز کی بناء پر لیا جاتا ہے اور اس سے مقصود کفار کی تحقیر ہے۔ چنانچہ آیت کریمہ یُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ اور حدیث مَنْ نَزَعَ صِغَارَ كَافِرٍ مِنْ عُنُقِهِ سے معلوم ہوتا ہے۔ اس آیت میں فرمایا ہے کہ کفار اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں اور وہ ذلیل ہوں۔ اور اس حدیث میں مسلمان کو کافر کی گردن سے اس خراج کی ذلت کو نکالنے کی ممانعت فرمائی ہے۔ یعنی اس خراجی زمین کو خرید کر کافر کی ذلت اپنے گلے میں نہ ڈالے۔ عبداللہ امرتسری روپڑی

کم قیمت سے ٹھیکہ پر زمین

سوال ,, خرید کی زمین ایک بیگہ ہے اسے مبلغ اسی روپے پہلے ادا کر دیئے اور بیس سال کی میعاد مقرر کرلی، کہ میعاد گزرنے کے بعد خود بخود چھوڑ دوں گا۔ کیا یہ شرعاً جائز ہے۔ نیز گاؤں میں نرخ آٹھ روپیہ فی بیگہ ہے لیکن بکر رعائتاً لیتا ہے کیونکہ وہ قبل ہی روپیہ ادا کر دیتا ہے۔ کیا میعاد مقرر کر فی روپیہ پیشگی ادا کرنا اور زمین بجائے آٹھ روپیہ فی بیگہ کے چار روپیہ میں رعایۃً لینا جائز ہے یا نہیں؟

عبداللہ ککا کرڈیالہ ڈاکخانہ خاص ضلع امرتسر

جواب ۔ عدم جواز کی وجہ سود کا شبہ ہے مگر مدت بہت لمبی ہے ممکن ہے بیس سال تک ۴ روپیہ فی بیگہ بھی نہ رہے۔ بلکہ دو روپیہ یا تین روپیہ فی بیگہ ہو جائے اسلئے میرے خیال میں جواز کو ترجیح ہے ہاں اگر میعاد تھوڑی ہوتی جس میں زمین کے نرخ میں کمی بیشی کا خطرہ نہ ہوتا تو پھر سود کا شبہ قوی تھا۔ موجودہ صورت میں حرج معلوم نہیں ہوتا۔

عبداللہ امرتسری از روپڑ ۲۸ ربیع الاول ۱۳۵۶ھ

چکوتہ میں نقصان آنے پر مالک کو مقررہ رقم سے کم کردی جاسکتی ہے

سوال ۔ ایک شخص نے اپنی کچھ زمین نہری چکوتہ یعنی ٹھیکہ پر دی اور ٹھیکہ چار سو دس روپے بلا خرچ معاملہ مقرر کیا اور معاملہ سرکار بھی بذمہ ٹھیکہ چکوتہ پر لینے والے کے مقرر کیا اور ان سے فرضی قرض کا پرامیسری نوٹ تحریر کرا لیا۔ کہ ہم نے بیلوں کے خریدنے کے لئے اس قدر روپے عند الطلب قرض لئے ہیں۔ ادا کر دیں گے حالانکہ روپے بالکل قرض نہیں لئے ویسے ہی فرضی پرامیسری نوٹ تحریر کروا لیا ہے۔ اب اس ٹھیکہ کی زمین کو بوجہ کمی پانی اور زیادتی معاملہ سرکار نقصان پہنچ گیا ہے چکوتہ پر لینے والے کو معاملہ سرکار ادا کرنے کے بعد زر چکوتہ زمین مالک کو ادا کرنے کے لئے رقم نہیں بچتی۔ اپنا منافع تو ایک طرف رہا۔ اب سوال یہ ہے کہ مالک زمین کو بچت پیداوار سے زائد لینا جرم ہے یا نہیں اور مالک زمین کو بچت معاملہ سرکار کے علاوہ میں سے چکوتہ پر لینے والے کو دینا چاہیئے تو کس قدر۔ اب اگر چکوتہ پر لینے والا چکوتہ پورا مقررشدہ نہ دے تو مالک زمین فرضی پرامیسری نوٹ کے دعویٰ کی دھمکی دیتا ہے اور پرامیسری نوٹ کے کاتب کو کہتا ہے۔ کہ تو میرے نقد قرض دینے کی شہادت دے جیسا کہ پرامیسری نوٹ میں لکھا ہے اور لوگوں کو بھی اس شہادت کے لئے تیار کرتا ہے۔ کیا اس کا یہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب ۔ چکوتہ پر جو کچھ روپیہ خرچ ہوا ہے وہ چکوتہ پر زمین لینے والے کو دینا پڑے گا۔ کیونکہ ایسے معاملات میں ہمیشہ نفع و نقصان ہوتا ہے اگر اس کو نفع ہو جاتا تو یہ نفع کا روپیہ مالکِ زمین کو کبھی نہ دیتا۔ پس نقصان کی صورت میں اس کو نقصان بھی برداشت کرنا چاہیئے۔ ہاں اگر چکوتہ پر زمین لینے دینے میں شرعاً کوئی شبہ ہوتا تو پھر مالک زمین کو سارا روپیہ لینا درست نہ تھا۔ چنانچہ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے جو باغوں کی خرید کی بابت آئی ہے۔

ملاحظہ ہو بلوغ المرام رخصۃ فی العرایا ــــــــــ جب سارا روپیہ دینا ضروری ہوا تو چکوتہ پر زمین لینے والے کو بغیر چون و چرا کے ادا کرنا چاہیئے۔ اگر ادا نہ کرے تو مالک زمین کو جائز ہے کہ چکوتہ کا دعویٰ کر کے وصول کر لے۔ اس میں جو شہادتیں گزریں وہ ظاہر و باطن درست ہوں گی۔ کیونکہ چکوتہ کا معاملہ سچا ہے۔ اگر مالک زمین

کو حکومت کا دعویٰ کرنے سے روپیہ ملنے کی امید نہیں تو اس صورت میں پرامیسری نوٹ کا دعویٰ کر کے وصول کر سکتا ہے اور پرامیسری نوٹ کا کاتب شہادت دے دے یہ شہادت اس وقت جھوٹی نہیں ہوگی۔ کیونکہ مجبوری ہے بغیر اس صورت کے حق وصول نہیں ہوتا۔ اور حق واقعی ہے کسی پر ظلم نہیں صرف نام پرامیسری نوٹ کا ہے، سو ایسی صورت مجبوری کی وجہ سے اتنا فرق کوئی حرج نہیں جیسے ابراہیم علیہ السلام کے تین جھوٹ مشہور ہیں اسی طرح کا یا اس کے قریب قریب جھوٹ ہوگا۔

عبداللہ امرتسری مدیر تنظیم از روپڑ ضلع انبالہ

غیر آباد زمین جو کسی کی ملکیت نہ ہو اگر اس کو کوئی آباد کرے تو کیا صرف اتنے سے اس کی ملکیت ثابت ہو جائے گی یا کوئی اور بھی شرط ہے

سوال ۔ ہمارے گاؤں کے ارد گرد ٹنڈر (یعنی) خالی زمین کے ٹکڑے تھے۔ سرکار انہیں فروخت نہیں کرتی تھی۔ جنگ عالمگیر (یعنی برطانیہ اور جرمنی کے درمیان جنگ) شروع ہوئی تو گورنمنٹ انگلشیہ نے جنگ کے لئے اناج زیادہ پیدا کرنے کی سکیم پر عمل کرتے ہوئے اراضی مذکور کاشت کے لئے تقسیم کی، زمیندار ایک پرچی پر فی ایکڑ کے حساب سے کچھ رقم لکھ کر گورنمنٹ کو پیش کرتے۔ جس کی قیمت فی ایکڑ زیادہ ہوتی گورنمنٹ اس کے نام ٹنڈر تقسیم کر دیتی اور باقی محروم رہ جاتے سرکار جو زمین اسے دیتی۔ اس کی رقم پیشگی (جو اس نے پرچی پر لکھی ہوتی۔) وصول کر لیتی۔ لگان اراضی (آبیانہ مطالبہ) اس کے علاوہ ہوتا۔

ہم بستی والوں نے اس طرح کچھ زمین (برائے خرچ مدرسہ خادم القرآن وحدیث) ٹنڈر سرکار سے حاصل کر کے اس کو آباد کیا۔ اراضی چند اشخاص کے نام ہوتی جس کی تمام آمدنی وہ درس کے لئے دے دیتے۔ پہلی رقم اور دو لگان اراضی وغیرہ مدرسہ ہی ادا کرتا۔ یہ اس لئے کیا گیا کہ سرکار مدرسہ کے نام زمین آباد کرنے کے لئے نہیں دیتی تھی۔ آٹھ دس سال اسی طرح عمل ہوتا رہا۔ پھر پاکستان کی حکومت بننے کے بعد بھی ایسا ہی عمل رہا۔ اب گورنمنٹ پاکستان نے اعلان کیا کہ تمام ٹنڈر مہاجرین کے لئے تقسیم کئے جائیں چنانچہ تمام ٹنڈر مہاجرین کو تقسیم کر دیئے گئے۔

اب بعض علماء کہتے ہیں کہ زمین غیر آباد کو آباد کرایا ہے اس لئے سرکار کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ کسی مہاجر وغیرہ کو تقسیم کرے۔ کیونکہ جو زمین غیر آباد کو آباد کرے۔ وہ اسی کی ہے جو اس پر قبضہ کرے گا۔ وہ شخص مدرسے کے حق کا غاصب شمار ہوگا۔

بعض کہتے ہیں کہ بادشاہ کا حق ہے جس کسی کو دے اسی کو حلال ہے اگرچہ درس کے قبضہ کو آٹھ دس سال گزر چکے ہیں۔
ان دونوں میں کون حق پر ہے جواب مفصل اور بادلائل لکھیں۔ بینوا توجروا۔
سائلان:۔ محمد باقر مہتمم مدرسہ خادم القرآن والحدیث واہل دیہہ چک ۲۴۲ گ۔ب جھوک دادو ڈاکخانہ تاندلیانوالہ تحصیل سمندری ضلع لائل پور ۵/۵۰/۱۲

جواب۔ یہ مسئلہ مختلف فیہا ہے۔ امام شافعی، امام ابو یوسف، امام محمدؒ اور اہلحدیث کہتے ہیں کہ اذن امام کی ضرورت نہیں۔ بے آباد زمین کو جو آباد کرے اس کا حق ہے خواہ آبادی سے نزدیک ہو یا دور، اور امام ابو حنیفہؒ کہتے ہیں کہ اذن امام شرط ہے خواہ دور ہو یا نزدیک اور امام مالکؒ کہتے ہیں کہ نزدیک کے لئے اذنِ امام شرط ہے نہ دور کے لئے۔

دلیل نمبرا مذہب اوّل

عن عائشۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم من عمر ارضا لیست لاحد فھو احق قال عروۃ قضی بہ عمر فی خلافتہ۔ (رواہ البخاری مشکوٰۃ باب احیاء الاموات والشرب ص۲۰۹)

حضرت عائشہ رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو غیر زمین کو آباد کرے (جو کسی کے ملک میں نہیں ہے) بس وہ اس کا زیادہ حقدار ہے۔

دلیل نمبر۲ مذہب ثانی۔ (جو علامہ عینی نے پیش کی ہے)

عن ابن عباس، ان الصعب بن جثامۃ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا حمی الا للہ و لرسولہ۔ (رواہ البخاری حوالہ مذکور)

(صعب بن جثامہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا۔ چراگاہ نہیں ہے مگر اللہ و رسول کے لئے۔

قال فی اللمعات لابی حنیفۃ قولہ صلی اللہ علیہ وسلم لیس للمرء الا اطاب بہ نفس امامہ۔
شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں کہ ابو حنیفہ کی دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ مرد کے لئے وہی چیز ہے جس کے ساتھ اُن کے امام کا دل خوش ہو۔ اسی طرح ملا علی قاریؒ نے شرح مشکوٰۃ میں لکھا ہے مرقاۃ ج ۳ ص ۳۶۶

دلیل۳ مذہب ثالث

ان کی دلیل یہی ہے۔ جو مذہب اول کی ہے صرف حدیث کے معنی میں انہوں نے کچھ تاویل کی ہے زرقانی ج ۴ صہ ۲۹ میں ہے۔

قال مالکؒ معنے الحدیث فی فنا فی الصحن اما لبعد من العمران فان قرب فلا یجوز احیاءہ الا باذن الامام (یعنی معنی حدیث کا یہ ہے کہ جنگلات کی زمین اور جو آبادی سے دور ہے۔ اس کے آباد کرنے والا اس کا حقدار ہے اور جو آبادی کے قریب ہے اس کا آباد کرنا اذن امام کے بغیر جائز نہیں۔ امام مالکؒ کا مطلب یہ ہے کہ جو آبادی کے قریب ہے اس کے ساتھ بعض موقعہ پر عام مسلمانوں کے مصالح وابستہ ہوتے ہیں اس لئے اس میں اذن امام کی ضرورت ہے جیسے امام کو عام مسلمانوں کے لئے چراگاہ بنانی ہو یا چھاؤنی کی ضرورت ہو۔ اس قسم کی ضروریات کے لئے نزدیک کی زمین کسی مسلمان کو اپنے مفاد کے لئے آباد کرنے کا حق نہیں کیونکہ اس میں عام مسلمانوں کا نقصان ہے۔

فیصلہ

امام شافعیؒ فرماتے ہیں جب شرع سے اذن ہو چکا۔ تو پھر امام سے اذن لینے کی کیا ضرورت ہے؟ اصل امام رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں بس ان کا فیصلہ کافی ہے۔ امام زرقانیؒ امام شافعیؒ کا یہ قول نقل کر کے فرماتے ہیں۔ اصل نزاع اس میں ہے کہ حدیث من عمر ارضا یا من احیا ارضا۔ یہ حکم ہے یا فتویٰ ہے اگر حکم ہو تو اذن ضروری ہے کیونکہ حکم اپنے محل پر بند رہتا ہے یعنی جن لوگوں کے حق میں آپ نے یہ فیصلہ دیا ہے، بحیثیت حاکم وقت اور بادشاہ ہونے کے ان کے حق میں اذن ہو گیا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ دوسروں کے لئے بھی اذن ہو جائے اور اگر فتویٰ ہو تو فتویٰ عام ہوتا ہے جس کی حیثیت عام مسئلہ کی ہوتی ہے۔ جو موجودہ لوگوں کے علاوہ قیامت تک سب لوگوں کے لئے یکساں ہے جیسے شریعت کے عام مسائل ہوتے ہیں۔ اس صورت میں حدیث کا مطلب یہ ہو گا کہ شرع نے ایک اصول مقرر کر دیا ہے کہ جو بھی غیر آباد زمین کو آباد کرے، وہ اس کا مالک ہے جیسا یہ اصول مقرر ہے کہ کوئی شخص کوئی چیز خریدے تو وہ اس کا مالک ہو جاتا ہے یا نہر سے پانی کی مشک بھرے یا کنوئیں سے پانی لے لے یا بارش کا پانی جو اوپر سے آتا ہو۔ جس کا کھیت پہلے آئے گا۔ وہ اس کا پہلے حقدار ہو گا۔ کہ اپنا کھیت پہلے بھر لے۔

اس قسم کی صورتوں میں اذن امام کی ضرورت نہیں۔ جمہور علماء نے اس حدیث کو فتویٰ کی صورت دی ہے، اور امام ابو حنیفہؒ نے اس کو حکم کی صورت دی ہے جو خاص لوگوں کے حق میں بطور فیصلہ حاکم وقت کی طرف سے ہوتا ہے لیکن یہ بات ظاہر ہے کہ حدیث کے الفاظ عام ہیں ان کو خاص لوگوں کے حق میں فیصلہ بنانا بغیر کسی دلیل کے جائز نہیں۔ علامہ عینیؒ نے شرح بخاری میں حدیث لا حما الا اللہ ولرسولہ اس کی دلیل پیش کی ہے اور شیخ عبدالحق محدث

دہلوی اور ملا قاری نے حدیث لیس للمرءِ الا ما طاب بہ نفس امامہ پیش کی ہے لیکن علامہ عینی رحہ نے جو حدیث پیش کی ہے، وہ اگرچہ صحیح ہے لیکن اس سے استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ وہ غیر امام کے لئے چراگاہ کی نفی کرتی ہے نہ اس بات کی کہ کوئی زمین آباد کرے تو اس کا حق نہیں جب حدیث سے ثابت ہوگیا تو ایسا ہوگیا جیسے ان کی ملکیت میں بادشاہ دخل دے کر چراگاہ نہیں بنا سکتا ایسے ہی وہ اس آباد کرنے والے کی زمین میں بھی دخل نہیں دے سکتا۔

بہرصورت علامہ عینی رحہ کی دلیل صحیح نہیں پس صحیح فیصلہ سوال مذکور کے متعلق یہی ہے کہ زمین مدرسہ کی ہے حکومت کو چاہیے کہ زمین مدرسہ کے حوالہ کر دے اور مہاجرین کو کسی اور جگہ آباد کرے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی ۲۴ شعبان ۱۳۸۳ھ

زمین دریا برد ہونے کے بعد دوبارہ نکل آئے تو اس پر دوسرا شخص قبضہ کر سکتا ہے

سوال:۔ ایک شخص زمین دار نے دو تین ہزار بیگہ زمین رعایا کو دی جس کی رعایا کے نام موروثی جمع بندی تھی۔ چونکہ زمین دریا کے کنارے تھی۔ کل زمین دریا برد ہوگئی کچھ عرصہ کے بعد دریا ہٹ گیا۔ زمین پُر ہوگئی۔ اور پہلے سے بھی زیادہ عمدہ ہوئی۔ زمیندار نے ظلم کر کے رعایا کو بے دخل کر دیا اور خود قبضہ کر لیا۔ اور اس زمین کا خراج اب تک ظلم کر کے لیتا ہے کیا زمین دریا بُرد ہونے کے بعد دوبارہ نکل آئے تو دینے والا اس زمین پر دوبارہ قبضہ کر سکتا ہے؟

جواب:۔ حدیث میں ہے جو شخص ایک بالشت بھر کسی کی زمین لے لے۔ قیامت کے دن ساتوں زمینوں سے اتنی اس کے گلے کا طوق بنایا جائے گا۔ نیز حدیث میں ہے کہ عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی سمیت کفار پکڑ کر لے گئے۔ اس عورت نے نذر مانی۔ اگر خدا نے اسے اس اونٹنی پر نجات دی۔ تو اس کو اللہ کے راستہ میں ذبح کر دے گی، خدا تعالیٰ نے اس کے لئے رہائی کی صورت بنا دی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی تو فرمایا بِئْسَ مَا جَزَتْهَا یعنی تو نے اس اونٹنی کو برا بدلا دیا۔ پھر فرمایا۔ لَا نَذْرَ فِيمَا لَا يَمْلِكُ ابْنُ آدَمَ یعنی جس شے کا ابن آدم مالک نہ ہو، اس میں اس کی نذر کا اعتبار نہیں۔

دیکھئے ایک شے کو کفار لے گئے۔ پھر عورت نے اس پر قبضہ کر لیا۔ لیکن اس سے وہ اس کی ملک نہیں ہوئی یہاں تک کہ اس کی نذر کا بھی اعتبار نہیں کیا۔ تو دریا بُرد زمین نکلنے کے بعد دوسرے کا حق کس طرح ہو سکتی ہے۔ حالانکہ دریا کوئی ایسی شے نہیں کہ وہ زمین کا مالک بننے کی صلاحیت رکھے بخلاف کفار کے وہ مالک بننے کی صلاحیت رکھتے ہیں پس زمیندار کو چاہیئے۔ کہ رعایا کی زمین رعایا کے حوالے کر دے ہاں اگر اصل زمیندار کی ہو اور رعایا نے اس پر دیسے

قبضہ کیا ہوا تھا۔ جیسے آج کل انگریزوں کے ہاں بارہ سال تک کسی کا دوسرے کی زمین یا مکان پر قبضہ رہے تو وہ موروثی مالک ہوجاتا ہے تو اس صورت میں زمیندار ظالم نہیں۔ کیونکہ اس کی اپنی شے اس کو واپس ملی ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی ۸۔ شوال ۱۳۵۲ھ

رہن کا بیان

گروی زمین سے سولہ سال نفع کھانے کے بعد فیصلہ کی صورت

سوال: عرصہ تقریباً ۱۶ سال ہوا کہ زید کے پاس بکر کی زمین بیگہ بعوض مبلغ ۲۹۱ روپے میں گروی ہے۔ اب زید چاہتا ہے چونکہ گروی شرعاً جائز نہیں۔ لہٰذا اس کا فیصلہ شرع کے مطابق ہوجائے اور ہمارے ہاں زمین کی شرح یعنی ٹھیکہ کا نرخ کم سے کم تین روپیہ فی بیگہ ہے اور زیادہ سے زیادہ چار روپیہ یا پانچ روپیہ فی بیگہ بھی ہے لیکن یہ زمین اوسط درجہ کی ہے۔ اور معاملہ سرکاری ٹھیکہ کی صورت میں مالک زمین دیتا ہے۔ جس کی شرح ۱۲/ فی بیگہ کچے ناپ سے ہے۔ چونکہ مذکورہ بالا زمین پکے ناپ سے ۴ بیگہ ہے جو تقریباً ۶ بیگہ خام ہوتی ہے ٹھیکہ کی شرح ناپ سے ہے جو مرقوم ہے۔ زید کے لئے شرعی فیصلہ کس طرح ہونا چاہیئے؟ کیا زید پیشگی روپیہ دینے کی وجہ سے ٹھیکہ (جو مذکور ہوا) میں فائدہ کے طور کمی کر سکتا ہے یا نہیں؟ جس طرح ایک شخص کوئی جنس فروخت کرتا ہے۔ نقد ایک من کی دیتا ہے اور ادھار والے کو وہی جنس ۳۰ / سیر دیتا ہے، اس طور پر کیا زید نقد روپیہ دینے کی وجہ سے کوئی فائدہ اٹھا سکتا ہے یا نہیں؟

السائل عبداللہ نعمت پوری مورخہ ۱۸/ مارچ سنہ ۱۹۴۰ء

جواب: صورت مذکورہ میں ۱۶ سال کا ٹھیکہ بحساب ۳۰ روپے فی بیگہ سے ۱۲/ فی بیگہ کاٹ کر باقی ۲۹۱ روپے قرض سے وضع کر دیئے جائیں۔ اس کے بعد جو کچھ باقی رہے اس کا قرض خواہ حق دار ہے زیادہ کا حق دار نہیں جنس نقد یا ادھار والی صورت یہاں نہیں کیونکہ جنس نقد یا ادھار والی صورت بیع شراء کی صورت ہے اور یہاں قرض اور گروی کی صورت ہے کیونکہ روپے قرض دے کر اس پر منافع کھانا سود ہے جو شرعاً حرام ہے، گروی صرف اس خاطر ہوتی ہے کہ قرض دیا روپیہ وصول ہوجائے اگر مقروض بدنیت ہوجائے یا ادائیگی اس کی طاقت سے باہر ہوجائے تو قرض خواہ اپنی رقم اس گروی سے پوری کرلے، پس گروی شرعاً اس لئے جائز ہے منافع کی خاطر جائز نہیں پس گروی کا منافع

کھانا شرعاً جائز نہیں گروہ میں میعاد ضرور ہونی چاہیئے تاکہ اس میعاد تک اگر قرض وصول نہ ہو تو قرض خواہ اس گروسے اپنا قرض وصول کرلیسے۔

عبداللہ امرتسری روپڑ ضلع انبالہ مورخہ ۱۹، مارچ سنہ ۱۹۴۰ء

رہن سے نفع اٹھانا

سوال۔ نقد روپیہ دے کر زمین رہن لینا اور زمین مرہونہ کا انتفاع کھانا میں اس کو منع جانتا ہوں۔ آپ اپنی رائے سے مطلع فرمائیں۔ جب زمین دینے والا کہہ دے کہ منافع زمین کا جو حاصل ہو اور جتنے سال تیرے پاس رہے اتنے سال میں نے منافع زمین کا جو حاصل ہو، اور جتنے سال تیرے پاس رہے اتنے سال میں نے منافع زمین تجھے بخش دیا، جب تجھے روپیہ دوں گا، اتنی زمین چھڑالوں گا۔ جتنی مدت تیرے پاس زمین رہے میں نے منافع زمین کا تجھے بخش دیا۔ قیامت کو مواخذہ نہ کروں گا۔ آیا اس طریقے سے مرہونہ زمین کا منافع کھانا جائز ہے ایک سکھ ہماری زمین کاشت کرتا ہے۔ اور ٹھیکہ پر ہماری زمین لیتا ہے۔ اس پر ٹھیکہ کا قرض جمع ہوگیا ہے، روپیہ اس کے پاس نہیں کچھ زمین اپنی دیتا ہے۔ جس پر کچھ روپیہ اوپر مانگتا ہے تب دیتا ہے صرف قرضہ میں نہیں دیتا اگر کچھ روپیہ دے کر اور قرضہ میں زمین لی جاوے اور نفع زمین کا سکھ بخش دے تو اس طرح انتفاع زمین مرہونہ کا مجھے لینا جائز ہوگا یا نہیں۔

عبداللہ غفرلہٗ کھپیانوالی ڈاکخانہ بکتر ضلع فیروزپور

جواب۔ رہن کا منافع اس لئے حرام ہے کہ وہ سود ہے اور آپ جانتے ہیں کہ سود خواہ خوشی سے کوئی دے جائز نہیں پس منافع رہن کی صورت جائز نہیں خواہ مالک اجازت دے یا نہ اگر سکھ ٹھیکہ نہیں ادا کرسکتا تو اس کی زمین کچھ بیع کرالیں، یا پرامیسری نوٹ بنوالیں یا کوئی اور صورت مناسب پیدا کرلیں۔ مگر منافع رہن ہرگز نہ کھائیں۔

عبداللہ امرتسری از روپڑ ضلع انبالہ ۱۰، صفر ۱۳۵۱ھ

وراثت کا بیان

حادثہ کی صورت میں ترکہ کی تقسیم

سوال۔ جو لوگ بیڑی میں غرق ہوجائیں یا دیوار کے نیچے دب کر مرجائیں اور پتہ نہ چلے کہ کون پہلے

مرا کون پیچھے تو موطاء امام مالک بر حریں لکھا ہے ان کی ورثہ ترکہ تقسیم نہ کیا جائے اور یہ نہیں لکھا کہ پھر کیا کرے بیت المال میں رکھے یا کسی کو دیوے جب بیت المال مقرر نہیں تو پھر کیا کرے۔ محمد شریف

جواب ۔ موطاء کی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ اگر ایسے ڈوبنے والے آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہوں تو ان کا آپس میں ترکہ تقسیم نہ کیا جائے۔ اور یہ مطلب نہیں کہ ان ڈوبنے والوں یا دب کر مرنے والوں کے جو دوسرے وارث ہیں ان کو بھی ان کا ورثہ پیچھے نہ پہنچے۔ عبداللہ امرتسری

ترکہ میں سے کوئی شے کسی کے قبضہ میں ہو اور وہ واپس کرنے پر آمادہ نہ ہو اس کی تقسیم کا مسئلہ

سوال ۔ ایک عورت کو نکاح کے وقت جہیز میں باپ سے ایک بھینس، برتن، چارپائی اور پارچات و چرخہ وغیرہ ملا۔ حسب رواج ملک اس عورت کے سُسر نے بھینس بیچ کر اپنا قرضہ اتار لیا۔ جو اس بیٹے کے نکاح پر خرچ کیا تھا۔ پھر اس عورت کا خاوند نوکر ہوگیا وہ عورت کو اپنے پاس لے گیا والدین کا لحاظ کرتے ہوئے اس نے برتن وغیرہ باہر سے خرید لئے گھر سے کچھ نہیں لیا۔

والدین فوت ہوگئے۔ وہ اسباب کچھ تلف ہو چکا تھا۔ جو باقی رہا، وہ خاوند کے بھائیوں نے قبضہ میں کر لیا۔ اس کے خاوند نے کچھ خیال نہ کیا۔ اب وہ عورت بھی فوت ہوگئی۔ اور اس کا خاوند ترکہ اس عورت کا بروئے قرآن وحدیث بانٹنا چاہتا ہے اسباب جہیز سے ایک چارپائی اور کچھ برتن بھائیوں کے گھر موجود ہیں، مگر برتنوں کا پتہ نہیں کہ کون کون سا ہے اور ان سے لینا بھی مشکل ہے مہر ۳۲ روپیہ تھا، اس عورت نے خاوند کو بخش دیا تھا۔ اب بھینس اور اسباب کی قیمت کا اندازہ تقسیم کیا جائے تو عنداللہ چھٹکارا ہے یا نہیں۔

جواب ۔ جب اصل شے کا حاصل ہونا مشکل ہو جائے۔ تو قیمت ہی قائم مقام ہے بھائیوں سے دریافت کر لینا چاہیئے۔ شاید وہ برتن وغیرہ دے دیں، خواہ کچھ لے کر ہی دیں یا عورت کے وارثوں سے دریافت کر لینا چاہیئے کہ تم قیمت پر راضی ہو۔ اگر وہ راضی ہوں تو بھائیوں سے لینے کی ضرورت نہیں، اگر ناراض ہو تو بھائیوں سے لینے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اگر نہ دیں تو قیمت کا اندازہ کر کے ورثہ تقسیم کرنے سے چھٹکارا ہو جائے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا یعنی خدا تعالیٰ کسی نفس کو اس کی طاقت سے زیادہ

تکلیف نہیں دیتا رہا مہر تو اگر عورت نے خوشی سے اپنی تندرستی میں معاف کر دیا ہے تو معاف ہے ورنہ وہ بھی عورت کے ترکہ میں شمار کر لیا جائے۔

عبداللہ امرتسری

ولد الزنا کا وارث

سوال۔ زنا سے جو بچہ یا بچی پیدا ہو اس کا کون وارث ہے؟

جواب۔ مشکوٰۃ شریف باب اللعان فصل دوم میں حدیث ہے جس میں یہ الفاظ ہیں۔

فَاِنْ كَانَ مِنْ اَمَةٍ لَمْ يَمْلِكْهَا اَوْ مِنْ حُرَّةٍ عَاهَرَ بِهَا فَاِنَّهٗ لَا يُلْحَقُ وَلَا يَرِثُ وَاِنْ كَانَ الَّذِيْ يُدْعٰى لَهٗ هُوَ ادَّعَاهُ فَهُوَ وَلَدُ زِنْيَةٍ مِنْ حُرَّةٍ كَانَ اَوْ اَمَةٍ۔ اگر لونڈی یا آزاد عورت سے زنا کیا تو بچہ زانی کا نہیں کہلائے گا۔ نہ اس کا وارث ہوگا۔ اگرچہ زانی دعویٰ کرے کہ یہ میرا ہے کیونکہ وہ زنا کی اولاد ہے۔ خواہ آزاد عورت سے ہو یا لونڈی سے

اس سے معلوم ہوا کہ بچے کا کوئی وارث نہیں ہاں بطور ہمدردی ہر مسلم کے ذمہ اس کی پرورش ہے اس بنا پر زانی پرورش کرے یا مزنیہ۔

نوٹ:۔ زانی کا بچہ نہ بننے سے یہ بھی معلوم ہوا کہ زانی کے ساتھ بھی حاملہ بالزنا کا نکاح درست نہیں، کیونکہ جب شرعاً یہ حمل زانی کا نہ ہوا تو یہ ایسا ہی ہوگیا جیسے غیر کا حمل ہے؟

عبداللہ امرتسری مدیر تنظیم اہلحدیث از روپڑ ۲۸ رجب ۱۳۵۶ھ ۵ ستمبر ۱۹۳۷ء

شریعت کے خلاف تقسیم ہونے والے ترکہ کا مسئلہ

سوال۔ ہندوستان میں بعض لوگ فوت ہوئے اور ان کی بیویاں کل جائیداد کی وارث بنیں اور انتقال ہوئے اب ان بیوگان کی موت پر جائیداد ان کے خاوندوں کی جائیداد تصور کر کے تقسیم ہوگی، یا انہی کی ملکیت سمجھی جائے گی۔ اور ان کے ورثاء میں تقسیم ہوگی۔

عبداللطیف علوی

جواب۔ جتنا حصہ شرعاً بیوہ کا ہے صرف اتنا ہی بیوہ کے ورثاء میں تقسیم ہوگا۔ باقی خاوند کے ورثہ میں۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

بیٹے کی موجودگی میں نواسا کا وارث نہ ہونا

سوال :۔ بکر متوفی کی اولاد میں سے ایک لڑکا موجود ہے لڑکی فوت ہو چکی ہے اس کا ایک لڑکا زندہ ہے جو بکر کا نواسا ہے بکر فوت ہو گیا ہے کیا بکر کے ترکہ میں سے اس کے نواسے کو بھی ترکہ ملتا ہے؟

عبدالعزیز فیروز وٹواں ضلع شیخوپورہ

جواب :۔ اس نواسا کو شرعاً کچھ نہیں ملتا اگر مرنے والا تہائی یا چوتھائی وصیت کر جاتا تو بہتر ہوتا۔ اب خود بیٹا سلوک کرے تو کرے ورنہ کوئی صورت نہیں۔ عبداللہ امرتسری روپڑی

لڑکی کی وفات کے بعد جہیز میں کس کا حق ہے؟

سوال :۔ لڑکیوں کو حصہ لڑکوں سے نصف دیا جاتا ہے۔ یہ حصہ اراضی لڑکی کی وفات کے بعد مرحومہ کی اولاد کا حق ہے یا کہ واپس والدین کو جائے گا۔

۲۔ تقسیم اراضی سے پہلے اگر لڑکی کی وفات ہو جائے اور مرحومہ کی اولاد سے لڑکا موجود ہو تو لڑکے کے حصہ کا کیا حکم ہے؟

جواب :۔ یہ سوال وراثت کی بابت ہے یا والدین اپنی حیات میں بطور ہبہ جو کچھ اپنی اولاد کو دیں۔ اس کی بابت ہے؟ اگر وراثت کی بابت ہے تو پھر لڑکی کی وفات کے بعد والدین کی طرف لوٹنے کے کیا معنی؟ وراثت تو اولاد کو والدین کی وفات کے بعد ملتی ہے اگر سوال ہبہ کی بابت ہے تو اس کا لڑکوں سے نصف ہونا ضروری نہیں، اس میں اختلاف ہے بعض لڑکوں سے نصف کہتے ہیں بعض مساوی کہتے ہیں بہرصورت سوال کچھ مبہم سا ہے خیر کوئی صورت ہو۔ جواب یہ ہے کہ اس بارہ میں لڑکے لڑکیوں کا ایک ہی حکم ہے یعنی جو جائیداد لڑکوں کے حصہ میں آتی ہے خواہ وراثت کے ساتھ یا ہبہ کے ساتھ یا ان کی اپنی کمائی ہے جیسے یہ ان کی وفات کے بعد ان کی اولاد کا حق ہے اگر ماں باپ زندہ ہوں تو ان کو بھی کچھ ملتا ہے اس طرح لڑکیوں کی وفات کے بعد لڑکیوں کی جائیداد تقسیم ہوگی، کیونکہ میت مرد ہو یا عورت ہو ان کے ترکہ کی تقسیم میں شرع نے کوئی فرق نہیں کیا اگر فرق ہے تو صرف اتنا ہے کہ میت عورت ہو اور وارث خاوند تو اس کو زیادہ ملتا ہے اور اس کے برعکس عورت کو تھوڑا ملتا ہے اس کے سوا جو ولادت وغیرہ کی وجہ سے وارث ہوتے ہیں ان کا مورث خواہ مرد ہو یا عورت اس میں فرق نہیں پڑتا۔

۲ :۔ اس کا جواب نمبر اول میں آچکا ہے کہ اس بارہ میں لڑکے لڑکی کا ایک ہی حکم ہے جس چیز کے یہ مالک ہیں۔ خواہ کسی طریق سے ہوں ان کی وفات کے بعد ان کی اولاد کا حق ہے اور والدین وغیرہ کو بھی حسب تفصیل قرآن وحدیث کچھ

ملتا ہے وفات خواہ تقسیم سے پہلے ہو یا بعد جیسے دو شخصوں کی مشترکہ تجارت ہو، دونوں میں سے ایک مر جائے تو اس کے حق دار اس کے ورثہ ہوں گے۔ ٹھیک اسی طرح صورت مذکورہ کو سمجھ لینا چاہیئے۔ عبداللہ امرتسری روپڑی

ایک شخص نے مجلس میں کہا کہ میں نے اپنی عورت کا فیصلہ کر دیا، دو سال بعد مر گیا اس

عرصہ میں رجوع ثابت نہیں کیا یہ عورت خاوند کے ترکہ کی حق دار ہے

سوال :۔ ایک شخص نے گواہوں کے روبرو مختلف مجالس میں کہا کہ میں نے اپنی عورت کا فیصلہ کر دیا ہے ـــــــ اس کے بعد شخص مذکور کا اپنی عورت کے ساتھ کوئی رجوع ثابت نہیں ہوتا۔ نہ ہی عورت نے اس عرصہ میں نان و نفقہ کا مطالبہ کیا ہے اب شخص مذکور کو فوت ہوئے دو سال ہو گئے ہیں گویا اس عورت کے متعلق یہ الفاظ مذکورہ کہے کو عرصہ چار سال کا ہو گیا ہے۔ اب عورت متوفی مذکورہ کی میراث متوفی سے اپنے حصہ میراث کا دعویٰ کرتی ہے یعنی کہتی ہے کہ مجھے طلاق نہیں ہوئی ہے۔ میں بھی ترکہ کی برابر کی حق دار ہوں۔ حل طلب امر یہ ہے کہ کیا واقعی شخص مذکور کے مندرجہ بالا الفاظ کہنے سے اور رجوع نہ کرنے سے طلاق واقعہ نہیں ہوئی اور کیا یہ عورت اپنے متوفی خاوند کے ورثہ پانے کی حقدار ہے یا نہیں؟

حاجی عبدالحق منڈی جمال ڈاکخانہ پنج تور ضلع فیروز پور

جواب :۔ سوال میں چونکہ اجمال ہے اس لئے اگر مگر سے جواب دیا جاتا ہے میں نے اپنی عورت کا فیصلہ کر دیا ہے یہ صریح طلاق نہیں اس لئے خاوند کی نیت معلوم کرنی ضروری ہے کہ اس کی مراد اس سے طلاق ہے یا کچھ اور اب خاوند چونکہ مر چکا ہے اس لئے نیت کا پتہ قرائن سے لگانا چاہیئے مثلاً جن گواہوں کے سامنے اس نے یہ بیان دیا ہے ـــــــ ان کے سامنے اس مجلس میں طلاق وغیرہ یا عورت کے چھوڑ دینے کا یا اس سے ہمیشہ کے لئے قطع تعلق وغیرہ کا ذکر آیا ہو گا۔ جس سے خاوند کی نیت کا پتہ چل سکتا ہے۔ مگر گواہ ایسے ہونے چاہئیں۔ جو شرعاً معتبر ہوں مثلاً نمازی ہوں۔ ان کی ڈاڑھی اور وضع قطع سنت کے مطابق ہو کسی کبیرہ گناہ پر مداومت نہ کرتے ہوں کسی موقعہ پر ان کا جھوٹ بولنا ثابت نہ ہو۔

۲۔ ان الفاظ سے اگر خاوند کی نیت سے طلاق ثابت ہو جائے اور کوئی معاملہ ایسا نہ ہوا ہو۔ جس سے خاوند کا رجوع طلاق سے ثابت ہو تو پھر دیکھنا چاہیئے کہ اس کا یہ کہنا کہ میں نے اپنی عورت کا فیصلہ کر دیا ہے مرض الموت

میں ہے یا صحت و تندرستی میں. اگر مرض الموت میں ہے خواہ مرض کتنی ہی طویل ہو گئی ہو تو پھر یہ طلاق شبہ سے خالی نہیں معلوم ہوتا ہے۔ کہ خاوند کا مقصود عورت کو وراثت سے محروم کرنا ہے۔

۳۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو صلح حدیبیہ کے دو سال بعد پہلے نکاح کے ساتھ اپنے خاوند کی طرف لوٹا دیا تھا. حالانکہ صلح حدیبیہ ہوتے ہی کافر مسلم کے درمیان فسخ نکاح کی آیات اتر آئیں۔ اور زینب رضی اللہ عنہا کے خاوند صلح حدیبیہ کے دو سال بعد اسلام لائے۔ اس کے متعلق بعض علماء نے کہا ہے کہ چونکہ عدت دو سال تک طویل ہو سکتی ہے اور عدت کے اندر نکاح قائم رہتا ہے اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب رضی اللہ عنہا کو پہلے ہی نکاح کے ساتھ لوٹا دیا. سوال کی صورت میں بھی خاوند دو سال بعد فوت ہوا ہے اگر عورت کی عدت دو سال طویل ہو گئی ہو یعنی تین حیض دو سال تک پورے نہ ہوئے ہوں. تو عورت کا نکاح باقی ہے اور وہ وارث ہو گی۔

عبداللہ امرتسری روپڑ ضلع انبالہ

پوتا نہ ہو تو دادا کی وراثت کا کیا حکم ہے؟

سوال ۔ دادا کی میراث میں ابو بکرؓ کے قول کو کیوں ترجیح دی گئی ہے؟

جواب ۔ وجہ ترجیح یہ ہے کہ دادا پوتا کے مقابلہ میں ہے اور باپ بیٹے کے مقابلہ میں ہے پس جو حکم بیٹے کے نہ ہونے کی صورت میں باپ کا ہے وہی پوتے کے نہ ہونے کی صورت میں دادا کا ہونا چاہیئے۔ الا اذا صرف صارف۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

بیٹی کے ساتھ بہن ہو تو کیا چچا وارث ہو گا؟

سوال ۔ ایک شخص مر گیا اس کی بہن اور دو لڑکیاں زندہ ہیں اور ایک چچا حقیقی کیا چچا وارث ہو گا. نز کہ متوفی کا خود پیدا کردہ ہے جدی نہیں ہے۔

مفتی فضل عظیم قریشی

جواب ۔ بہن لڑکیوں کے ساتھ عصبہ ہے. سراجی فصل فی النساء صنا میں ہے۔ وَلَهُنَّ الْبَاقِي مَعَ الْبَنَاتِ اَوْ بَنَاتِ الْاِبْنِ لِقَوْلِهِ السَّلَامُ اجْعَلُوا الْاَخَوَاتِ مَعَ الْبَنَاتِ عَصَبَةً "یعنی بیٹیوں اور پوتیوں کے ساتھ بہنوں کے لئے ترکہ سے باقی ہے کیونکہ حدیث میں ہے کہ بہنوں کو بیٹیوں کے ساتھ عصبہ بناؤ. اس حدیث کی بنا پر جب بہن عصبہ ہوئی. تو اب چچا کو کچھ نہیں مل سکتا کیونکہ عصبہ اصحاب الفروض کے بعد سارے مال پر قابض

ہوتا ہے۔ رہا جدی غیر جدی کا فرق تو اسلام میں اس کا کوئی نام و نشان نہیں۔ نہ کسی نے آج تک یہ فرق کیا ہے۔ یہ محض کفر کا رواج ہے جس کو قانون کی صورت پہنائی گئی ہے اسلام اس سے بالاتر ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی ضلع انبالہ ۲۹ رمضان المبارک ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۵ دسمبر ۱۹۳۶ء

بیٹیوں کے ساتھ بہنیں بھائی عصبہ ہیں

سوال :۔ ایک شخص کی وفات ہوئی اور ورثاء ذیل موجود ہیں۔

ایک بیوی۔ دو بیٹیاں۔ دو بھائی ایک بہن پس تقسیم میراث کی کیا صورت ہوگی۔

جواب :۔ رسول اللہ علیہ وسلم نے بیٹیوں سے بچا ہوا میت کی بہنوں کو دیا ہے یعنی میت کی بیٹیوں کے ساتھ میت کی بہنوں کو عصبہ بنایا ہے۔ (ملاحظہ ہو مشکوٰۃ باب الفرائض فصل اوّل)

جب بیٹیوں کے ساتھ بہنیں اکیلی عصبہ ہیں۔ تو بھائیوں کے ساتھ بطریق اولیٰ ہوں گی اور بھائی ان کے لئے حاجب نہیں، کیونکہ میت کی اگر بالکل اولاد نہ ہو، صرف بھائی بہنیں ہوں تو بہنیں بدستور حقدار ہیں چنانچہ قرآن مجید میں ہے وَاِنْ كَانُوْٓا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَاۗءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۔ اگر بہنیں بھائی مخلوط ہوں تو مرد کیلئے دو عورتوں کے حصے کے برابر ہے پس جب بھائی حاجب نہ ہوئے تو صورتِ مسئولہ میں دو تہائی دو بیٹیوں کو اور آٹھواں حصہ بیوی کو دے کر بقیہ للذکر مثل حظ الانثیین کے اصول پر بھائیوں بہنوں میں تقسیم ہوگا۔ جس کی صورت یہ ہے کہ کل جائیداد کے ۲۴ حصے کر کے ۳ بیوی کے ۱۶ لڑکیوں کے ایک بہن کا، دو، دو بھائیوں کے [علیٰ]

مسئلہ ۲۴۔ تصحیح ۲۴

زوجہ	بنت	بنت	اخ	اخ	اخت
۳	۸	۸	۲	۲	۱

عبداللہ امرتسری مدیر تنظیم روپڑ ضلع انبالہ یکم صفر ۱۳۵۸ھ مطابق ۲۳ مارچ ۱۹۳۹ء

مسئلہ وراثت از قسم مناسخہ

سوال :۔ دس سال ہوئے سید محمد اسحٰق فوت ہو گئے اور حسب ذیل رشتہ دار دو حقیقی بھائی سید محمد اسماعیل

علیٰ مسئلہ ۲۴ ہے تصحیح کی ضرورت نہیں۔ مرتب

وسید محمد ابراہیم ایک حقیقی بہن جنت خاتون ایک زوجہ زہرہ بیگم ایک پسر محمود بشیر تین بیٹیاں حمیدہ بیگم، سعیدہ بیگم وحیدہ بیگم چھوڑ گئے اس کے بعد سید محمد اسحٰق کی بیوہ زہرہ بیگم بھی فوت ہو گئی اس نے حسب ذیل رشتہ چھوڑے فیروز بیگم والدہ خود، محمود بشیر بیٹا حمیدہ بیگم، سعیدہ بیگم وحیدہ بیگم دختران اس کے بعد محمود بشیر پسر سیّد محمد اسحٰق وزہرہ بیگم فوت ہو گیا اور حسب ذیل رشتہ دار چھوڑے تین حقیقی ہمشیرگان حمیدہ بیگم سعیدہ بیگم، وحیدہ بیگم ایک نانی فیروز بیگم دو حقیقی تائے محمد اسماعیل محمد ابراہیم ایک حقیقی پھوپھی جنت خاتون اتنے عرصہ میں جائیداد خود ساختہ پیدا کردہ سید محمد اسحٰق تقسیم نہیں ہوئی بدستور تینوں دختران اور فیروز بیگم دختران کے قبضہ تصرف میں ہے جس کی آمدنی کا اب تک کوئی حساب نہیں ہوا خورد و نوش و تعلیم تینوں دختران کی اور شادی دو بڑی دختران کی اس جائیداد کی آمدنی کرایہ وغیرہ سے ہوتی ہے اب بروئے شرع سید محمد اسحٰق متوفی کی جائیداد موجودہ سات رشتہ داروں کے درمیان (۱) سید محمد اسماعیل برادر حقیقی سید محمد اسحٰق متوفی و تایا حقیقی محمود بشیر

۲۔ سید محمد ابراہیم برادر حقیقی سید محمد اسحٰق متوفی و تایا حقیقی محمود بشیر متوفی

۳۔ جنت خاتون حقیقی ہمشیرہ سیّد محمد اسحٰق متوفی و پھوپھی محمود بشیر متوفی

۴۔ فیروز بیگم خوش دامنہ سید محمد اسحٰق متوفی والدہ زہرہ بیگم متوفیہ زوجہ سید محمد اسحٰق متوفی و نانی محمود بشیر متوفی

۵۔ حمیدہ بیگم دختر سید محمد اسحٰق و زہرہ بیگم متوفیان و ہمشیرہ محمود بشیر متوفی۔

۶۔ سعیدہ بیگم " " " " " "

۷۔ وحیدہ بیگم " " " " " "

ان سب کے درمیان ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا، ترکہ بیس ہزار روپیہ ہے

سید محمد ابراہیم معرفت قاضی احمد اللہ قریشی پروفیسر فیروز پور کوچہ اکبر شاہ۔

جواب۔ کل جائیداد کے چار ہزار تین سو بیس حصے ہوں گے ان میں سے ایک ہزار دو سو بائیس حمیدہ بیگم کے اتنے اتنے سعیدہ بیگم اور وحیدہ بیگم کے تین سو ستر فیروز بیگم کے۔ ایک سو اکتالیس محمد اسماعیل کے اور اتنے ہی محمد ابراہیم کے بھذالصورۃ

سیّد محمد اسحٰق مسئلہ ۸ تصحیح ۴۰ ۲۴۰/۴۳۲۰

زہرہ بیگم زوجہ ۵ — محمود بشیر (ابن) ۱۴ — حمیدہ بیگم بنت ۷ — سعیدہ بیگم بنت ۷ — وحیدہ بیگم بنت ۷

محمد اسماعیل (اخ) محروم — محمد ابراہیم اخ محروم — جنت خاتون (دختر) محروم

زہرہ بیگم مسئلہ ۶ - مافی الید ۵ × ۶ = ۳۰

مسـ

افروز بیگم ام	محمود بشیر ابن	حمیدہ بیگم بنت	سعیدہ بیگم بنت	وحیدہ بیگم بنت
۱/۵	۲/۱۰	۱/۵	۱/۵	۱/۵

محمود بشیر ۶ تصحیح ۳۶ بینھما توافق بالنصف حاصل ضرب ۱۶۹۲ ماقی الید ۹۴

مسـ

افروز بیگم (نانی)	حمیدہ بیگم اخت	سعیدہ بیگم اخت	وحیدہ بیگم	محمد اسماعیل چچا	محمد ابراہیم چچا
۶	۸	۸	۸	۳	۳

الاحیاء	فیروز بیگم	حمیدہ بیگم	سعیدہ بیگم	وحیدہ بیگم	محمد اسماعیل -	محمد ابراہیم
	۳۷۲	۱۲۲۲	۱۲۲۲	۱۲۲۲	۱۴۱	۱۴۱

یہ حصص اصل جائیداد کے ہیں رہی اس کی آمد تو اسی نسبت سے اس کے حصص قائم کر کے جتنی کسی طرف زیادہ نکلتی ہو اس سے مجرا لیا جائے یا ورثاء خوشی سے معاف کر دیں اگر حساب پورا محفوظ نہ ہو تو تخمینہ لگا کر کمی بیشی معاف کرالی جائے جس کی نگرانی میں یہ جائیداد رہی ہے دستور کے مطابق نگرانی کا معاوضہ بھی اس کو کچھ دینا چاہیے۔ مورث کی وفات کے بعد ہر وارث اپنے حصہ سے اپنی ضرورت پوری کرے دوسرے کے حصہ میں اس کا کوئی حق نہیں خواہ چھوٹا ہو یا بڑا مرد ہو یا عورت اور ضرورت خواہ شادی کی قسم سے ہو یا خوراک وغیرہ کی قسم سے۔

عبداللہ امرتسری ۳ رجون ۱۹۳۸ھ

دو بیویوں کی اولاد میں وراثت کس طرح تقسیم ہوگی

سوال ۔ ایک شخص کی دو عورتیں ہیں ایک تو پہلی شادی سے ہے اور دوسری عورت اس کے بھائی کی بیوہ تھی اس کے ساتھ شادی کر لی۔ پہلی کے ہاں ایک لڑکی اور ایک لڑکا ہے اور دوسری کے ہاں تین لڑکے ہیں تو ورثہ میں ان کی تقسیم کا کیا حکم ہے؟

جواب ۔ دونوں عورتوں کی اولاد سے پہلے اس کی موجودہ بیویوں کو تمام جائیداد کا آٹھواں حصہ دیا جائے گا۔ اگر ماں باپ موجود ہوں تو ان سے ہر ایک کو تمام جائیداد کا چھٹا حصہ دیا جائے گا۔ اگر ایک موجود ہو تو

ایک چھٹا دیا جائے گا۔ بیویوں اور ماں باپ سے جو بچا ہے اس کے نو حصے ہو جائیں گے ایک لڑکی کا اور آٹھ چار لڑکوں کے فی لڑکا۔ دو حصے اگر ماں باپ بیویوں سے کوئی موجود نہ ہو تو پھر بھی تمام جائیداد کے نو حصے ہو جائیں گے ایک لڑکی کا آٹھ چار لڑکوں کے فی لڑکا دو حصے اگر ایک بیوی کی اولاد ہوتی تو ان میں بھی وراثت اس طرح تقسیم ہوتی۔

عبداللہ امرتسری مدیر تنظیم روپڑ مورخہ ۲۹ رمضان ۱۳۵۷ھ مطابق ۲۳ دسمبر ۱۹۳۸ء

بیٹے کی موجودگی میں پوتا وارث ہو سکتا ہے؟

سوال ۔ دادا نے بیٹوں کی موجودگی میں ایک پوتے کو تندرستی میں کچھ زمین بیٹوں کے برابر ہبہ کی اور قبضہ کرا دیا اور ایک مکان دیا باقی ترکہ سے حصہ نہیں دلایا۔ اب وہ پوتا تمام ترکہ سے حصہ مانگتا ہے اور زمین کی تبدیلی چاہتا ہے کیونکہ اس زمین کی حیثیت کم ہے دوسری زمین کی حیثیت زیادہ ہے۔ محمد شریف از گھڑیالہ

جواب ۔ مشکوٰۃ باب الفرائض میں حدیث ہے۔

اَلْحِقُوا الْفَرَائِضَ بِاَهْلِهَا فَمَا بَقِيَ فَهُوَ لِاَوْلٰى رَجُلٍ ذَكَرٍ (متفق علیہ) یعنی فرائض کو ان کے اہل کے ساتھ ملا دو جو باقی بچے وہ زیادہ قریبی مرد کے لئے ہے۔" اور ظاہر ہے کہ پوتے سے بیٹا اقرب ہے پس بیٹے کے ہوتے ہوئے پوتے کا کوئی حق نہیں جو کچھ دادا نے پوتے کو بیٹوں کی موجودگی میں صحت و تندرستی کے وقت ہبہ کر دیا ہے وہ اس کا ہو چکا۔ اب ترکہ میں سے اس کو کچھ نہیں مل سکتا ہاں مرض موت میں وصیت ہو سکتی تھی جو مرنے والے نے نہیں کی۔

عبداللہ امرتسری روپڑی ۲۷ شعبان ۱۳۵۶ھ

کوئی شخص دوسرے کی منکوحہ کو گھر میں رکھے پھر طلاق حاصل کر کے عدت کے اندر نکاح کر لے تو کیا اس کو اور نکاح سے پہلی پچھلی اولاد کو ترکہ ملے گا

سوال ۔ آج کل اکثر لوگ دلیری کرتے ہیں کہ جن میاں بیوی کا نشوز ہوتا ہے اس کا ولی اپنی بیٹی یا بہن منکوحہ کو کسی کے حوالہ کر دیتا ہے کہ پہلے خاوند سے تم طلاق لے لو وہ بلا نکاح اس کے گھر آباد ہوتی ہے اولاد بھی ہو جاتی ہے۔ پھر اس کے خاوند کو طلاق کے لئے کہتے ہیں۔ وہ مال لے کر طلاق دے دیتا ہے۔ پھر حنفی ملاں اس طرح نکاح کرا دیتے ہیں نہ اس کی طلاق کی عدت رکھاتے ہیں، نہ جدا کر کے رحم کی برءیت کراتے ہیں اور فتویٰ دیتے ہیں کہ زانیہ

زانی کا نکاح ہو جاتا ہے۔ خواہ وہ حاملہ بھی ہو کیا ایسی تمام اولاد کو باپ کا حصہ مل جاتا ہے حالانکہ نکاح سے پہلے کی اولاد ولد الزنا ہوتی ہے اور حمل بھی زنا کا ہوتا ہے۔ ویسے نکاح سے پہلی اور پچھلی اولاد کو اور اس عورت کو ترکہ ملے گا

جواب ۔ حاملہ بالزنا کا نکاح درست نہیں۔ نہ وہ بچہ وارث ہوتا ہے نہ اس کی نسبت ثابت ہوتی ہے۔ عبداللہ امرتسری روپڑ ضلع انبالہ ۲۷ر شعبان ۱۳۵۶ھ

عدت کے نکاح کی منکوحہ وارث ہوگی یا نہیں

سوال ۔ جو نکاح عدت میں ہو اور ناکح مرجائے اس کی منکوحہ اولاد کو ترکہ ملے گا یا نہیں؟

جواب ۔ اگر کسی نے فتویٰ دیا ہے کہ عورت سے رجوع ہو سکتا ہے یا کوئی اور غلطی لگی ہے تو اولاد حلال کی ہوگی اور وارث بھی ہوگی۔ مگر مرد عورت میں وراثت جاری نہیں ہوگی۔ عبداللہ امرتسری روپڑی

انگریزی قانون کے مطابق تقسیم شدہ وراثت کیا شریعت کے نزدیک صحیح ہے

سوال ۔ حاجی حشمت علی اپنی وفات کے بعد اپنے پیچھے دو بیٹے عبدالرحیم اور بشیر احمد چھوڑ جاتا ہے جو مختلف بیویوں سے ہیں کچھ سال بعد بشیر احمد فوت ہو جاتا ہے اور ۱۹۴۴ء کے انگریزی قانون کے مطابق بشیر احمد کا تمام حصہ اس کی والدہ کے نام لگ جاتا ہے یہاں پر قانون شریعت کیا ہے۔؟ اور کیا قانون شریعت ایک بیوی کو ایک بیٹے کے موجود ہوتے ہوئے نصف حصہ دیتا ہے۔

جواب ۔ شرعی قانون کے مطابق حشمت علی کی جائیداد بعد ادا قرض واجب الادا وصیت ترکہ حسب ذیل صورت میں تقسیم ہوگا۔

بیوی کے لئے دو حصے اور عبدالرحیم اور بشیر احمد کے لئے سات سات حصے بشیر احمد کے مرنے کے بعد بشیر احمد کی جائیداد کے تین حصے ہوں گے ایک اس کی والدہ کا اور دو حصے اس کے دوسرے بھائی عبدالرحیم کے ہوں گے عبدالرحیم کے مرنے کے بعد عبدالرحیم کی جائیداد کے بعد ادا قرض وصیت (اگر ہوں) مالک اس کی اولاد اور اس کی بیوی ہے آٹھواں حصہ بیوی کا اور باقی اولاد کا سوتیلی دادی کا اس میں کوئی حق نہیں۔ کیونکہ نہ وہ اصحاب الفروض سے ہے اور نہ وہ عصبہ میں سے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی جامعہ اہلحدیث لاہور ۱۴ ر جمادی الثانی ۱۳۸۳ھ

وارث لڑکی ، بیوہ ، دو چچا ، ماں ، ہمشیرہ

سوال ۔ سلیمان مرگیا اور اس کی سوا آٹھ ایکٹر اراضی ہے اس کی صرف ایک لڑکی اور ایک بیوہ ہے اور دو چچا ہیں ، ایک ماں ہے ایک ہمشیرہ ہے جو اپنے اپنے گھر آباد ہیں شرعی ایکٹ کے حساب سے جائیداد کتنی کتنی آتی ہے

خوشی محمد ، چک نمبر ، ڈھولن

جواب ۔ پہلے قرض اتارا جائے اگر ہو اگر مہر نہ دیا ہو تو وہ بھی ادا کیا جائے اس کے بعد وصیت پوری کی جائے (اگر کوئی وصیت کی ہو) لیکن وصیت تہائی حصے سے زیادہ ہو تو بھی تہائی ترکہ تک پوری کی جائے اس کے بعد جو ترکہ ہو ، خواہ زمین ہو یا مکان یا گھر کا سامان اس کے چوبیس حصے کر دیئے جائیں ۔ بارہ حصے لڑکی کے اور تین بیوہ کے چار ماں کے باقی پانچ ہمشیرہ کے بروئے قرآن وحدیث وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ پ ۴ ع ۱۳

اِجْعَلُوا الْأَخَوَاتِ مَعَ الْبَنَاتِ عَصَبَةً (حدیث)

عبداللہ امرتسری روپڑی حال جامع قدس چوک دالگراں لاہور ۱۴ جمادی الثانی ۱۳۸۳ھ

وارث بھائی اور بہن جدی اور زر خرید جائیداد

سوال ۔ بہمان علی کی اولاد چار لڑکے حاجی محمد ابراہیم ، محمد شریف ، محمد صدیق ، عبدالغفور اور ایک لڑکی سلامت بی بی ہے ۔

سب سے پہلے محمد شریف فوت ہوا ۔ اس کے بعد محمد صدیق فوت ہوا اس کے بعد حاجی محمد ابراہیم فوت ہوا ، جو لاولد تھا ، ان کا ایک بھائی عبدالغفور اور ایک ہمشیرہ سلامت بی بی دونوں زندہ ہیں ۔ لاولد تایا کی جائیداد میں محمد شریف اور محمد صدیق کی اولاد کا شرعاً کوئی حق ہے جو کہ جائیداد جدی تقسیم شدہ تھی آیا جدی اور اس کی اپنی زر خرید یا نقد رقم میں محمد صدیق اور محمد شریف کی اولاد کا کوئی حق ہے ؟

جواب ۔ حاجی محمد ابراہیم لاولد کا ترکہ اس کے بھائی عبدالغفور اور اس کی ہمشیرہ سلامت بی بی کا ہے اگر اس کی بیوی زندہ ہو تو چوتھے حصے کی مالک وہ بھی ہوگی ۔ کل ترکہ کے بارہ حصے ہوں گے خواہ جدی ہو یا غیر جدی شریعت میں اس کا کوئی فرق نہیں تین حصے بیوی کے اور تین سلامت بی بی کے اور چھ عبدالغفور کے ۔ عبداللہ امرتسری

سوال: ایک شخص نے اپنے جوان بیٹے کو علیحدہ کر دیا۔ قریباً سو بیگہ زمین گزارہ کے لئے بیٹے کو دی اور ایک پختہ مکان دیا جس میں اس کی رہائش تھی اس کا ایک اور بیٹا تھا۔ اور تین بیٹیاں بیاہی ہوئی تھیں ان کو کچھ نہیں دیا اب یہ لڑکا فوت ہو گیا۔ متوفی صاحب اولاد تھا۔ دادا نے وہ زمین گزارہ کے لئے ان کو دے چھوڑی اب دادا بھی مر گیا متوفی کی اولاد کا چچا سے تقاضا ہے نصف حصہ مانگتی ہے شرعاً اس کو وہ زمین جو دادا نے اس کو دے رکھی ہے ملے گی یا بالکل محروم رہیں گے۔

جواب: مشکوٰۃ باب الفرائض میں حدیث ہے۔ اَلْحِقُوا الْفَرَائِضَ بِاَهْلِهَا فَمَا بَقِیَ فَهُوَ لِاَوْلٰی رَجُلٍ ذَکَرٍ (متفق علیہ) یعنی فرائض کو ان کے اہل کے ساتھ ملا دو۔ جو باقی بچے وہ زیادہ قریبی مرد کے لئے ہے۔ اور ظاہر ہے کہ پوتے سے بیٹا اقرب ہے پس بیٹے کے ہوتے ہوئے پوتے کا کوئی حق نہیں۔ جو کچھ دادا نے پوتے کو بیٹوں کی موجودگی میں صحت و تندرستی کے وقت ہبہ کر دیا ہے۔ وہ اس کا ہو چکا اب ترکہ میں سے اس کو کچھ نہیں مل سکتا۔ ہاں مرض موت میں وصیت ہو سکتی تھی جو مرنے والے نے نہیں کی۔

نکاح متعہ کی اولاد

سوال: نکاح متعہ کی اولاد کو امام ابن تیمیہ رح نے لکھا ہے کہ حصہ ترکہ ملے گا۔ مگر عورت کی بابت کچھ فیصلہ نہیں کیا۔ کیا اس کو بھی حصہ ملے گا یا نہیں؟

جواب: مشکوٰۃ باب الاستبراء میں ہے۔

عن ابی الدرداء قال مر النبی صلی اللہ علیہ وسلم بامرأۃ مجح فسال عنها فقالوا امة لفلان قال ایلم بها قالو نعم قال لقد هممت ان العنه لعنا یدخل معه فی قبره کیف یستخدمه وهو لا یحل له ام کیف یورثه وهو لا یحل له (رواہ مسلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک حاملہ کے پاس سے گزرے جو قریب الولادت تھی آپ نے اس کے متعلق پوچھا لوگوں نے کہا یہ فلاں شخص کی لونڈی ہے فرمایا کیا وہ اس سے ہمبستری کرتا ہے؟ لوگوں نے کہا ہاں، فرمایا کہ میں نے قصد کیا کہ اس کو ایسی لعنت کروں کہ قبر میں اس کے ساتھ جائے۔ اس کے بیٹے کو کس طرح خادم (غلام) بنایا جائے گا، حالانکہ اس

کے لئے حلال نہیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بیگانے حمل کی حالت میں صحبت لعنت کا باعث ہے اور نمبر اول سے ثابت ہو چکا۔ کہ زنا کا حمل ہر صورت میں بیگانہ ہے خواہ ناکح کا ہو یا کسی اور کا ہو پس حاملہ بالزنا کے ساتھ کسی حالت میں صحبت کرنا درست نہیں اور نہ یہ بچہ وارث ہو گا۔ غیر مذاہب اور گمراہ فرقوں کے متعلق یہ اصول ہے کہ اپنے مذہب کے موافق جو رشتہ ناطہ کریں اور اس سے اولاد پیدا ہو جائے۔ تو وہ اولاد حلال کی ہے اور ان کے نکاح صحیح ہیں اسلام لانے کے بعد تجدید نکاح کی ضرورت نہیں۔ ہاں اگر اسلام لانے کے بعد بھی خرابی موجود ہو تو وہ پھر معتبر نہیں مگر جو اولاد ہو چکی ہے وہ حلال ہی کی کہلائے گی۔

مثلاً کسی شخص کے نکاح میں دو بہنیں ہوں یا چار ہوں یا ان سے زیادہ ہوں یا کسی مجوسی نے اپنی بیٹی یا بہن سے نکاح کیا ہو۔ یا کسی نے اپنی سوتیلی والدہ سے نکاح کیا ہو۔ تو ان صورتوں میں اسلام لانے کے بعد فوراً جدائی کرا دی جائے گی۔ مگر گذشتہ اولاد کو حرام کی نہیں کہا جائے گا۔ اسی بناء پر قرآن مجید میں ہے۔ الا ما قد سلف یعنی جو پہلے ہو چکا ہے۔ ہو چکا آئندہ کے لئے حرام ہے اس اصول پر نکاح متعہ کی اولاد بھی حلال ہے رہا نکاح تو یہ میعادی ہے اور شرعاً میعادی نکاح نکاح نہیں۔ اور یہ خرابی توبہ کے بعد بھی موجود ہے اس لئے فوراً جدائی کرا دی جائے۔ بلکہ توبہ میں یہ جدائی بھی داخل ہے پس اس نکاح سے وہ ایک دوسرے کے وارث نہیں ہو سکتے

ہاں دو صورتیں محل تامل ہیں ایک یہ کہ میاں۔ بیوی دونوں اپنے مذہب پر ہیں اور اس حالت میں ان سے ایک مر گیا۔ اور ہم سے آکر مسئلہ دریافت کیا جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اہل کتاب مسائل دریافت کرتے تھے جیسے یہودی مرد عورت نے زنا کیا۔ تو آپ کے پاس آئے اس طرح خوارج نے ابن عباس رضؓ سے کئی مسائل دریافت کئے مثلاً جنگ میں بچوں۔ عورتوں کا قتل کرنا وغیرہ کئی مسائل پوچھے۔

دوسری صورت یہ کہ وہ اپنے مذہب ہی میں تھے۔ کہ ایک ان سے مر گیا اس کے بعد دوسرا تائب کہ دوسری صورت میں مسلم اور کافر کے متعلق صاف آگیا ہے۔ لا یرث المسلم الکافر ولا الکافر المسلم (مسلمان کافر کا وارث نہیں اور کافر مسلمان کا وارث نہیں) تو اس کی بابت عرض ہے کہ وراثت تو مرنے کے وقت ثابت ہوتی ہے اور اس وقت یہ اپنے مذہب پر تھا پھر بعد کو اسلام لے آیا۔ صرف تقسیم باقی ہے تو اس کا فیصلہ کس طرح ہو سکتا ہے؟ بظاہر یہ دو صورتیں ہیں لیکن مال ان دونوں کا ایک ہی ہے کیونکہ جب وراثت موت کے وقت ثابت ہوتی ہے تو پھر بعد کو اسلام لائے یا نہ لائے۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کہ اسلام

لانے کے بعد مسئلہ دریافت کرے تو اس کو اختیار ہے قرآن مجید میں ہے۔ فان جاؤک فاحکم بینھم او اعرض عنھم یعنی اگر تیرے پاس فیصلہ لے کر آئیں تو تیری مرضی ہے کہ فیصلہ کر یا ان سے اعراض کر۔ محل تامل ان دونوں صورتوں میں صرف یہ بات ہے کہ ایک شخص نے نکاح متعہ کیا ہوا ہے۔ یا اس کے نکاح میں اس کی لڑکی یا بہن ہے یا اس کے نکاح میں چار سے زیادہ عورتیں ہیں یا دو بہنیں ہیں ان سے کوئی مر جائے اور ہم سے آ کر کوئی مسئلہ پوچھیں تو ہم کیا جواب دیں؟ اگر نکاح کی موجودہ حالت دیکھیں تو شرعاً ناجائز ہے اس بنار پر تو یہ جواب ہونا چاہیئے کہ وراثت جاری نہیں ہوگی۔ اور اگر یہ بات دیکھی جائے کہ ان نکاحوں کی اولاد حلال کی ہے اور وہ وارث بھی ہو گی۔ تو اس بنار پر وراثت جاری ہو جائے گی۔ ہاں جو نکاح اسلام کے بعد قائم رہتے ہیں اور موجودہ حالت میں ان میں کوئی خرابی نہیں تو ایسے نکاحوں میں وراثت جاری ہونے میں کوئی تامل نہیں۔

تنبیہ

اگر کسی کے نکاح میں دو بہنیں ہوں یا چار سے زیادہ عورتیں ہوں تو حنفیہ کہتے ہیں کہ اسلام ان کے بعد وقت جو پیچھے نکاح میں آئی ہے وہ جدا کر دی جائے گی کیونکہ اس کا نکاح باطل ہے تو اس بنار پر جو پہلے نکاح میں آئی ہے اس کی وراثت میں کوئی تامل نہیں اور جو پیچھے آئی ہے وہ محل تامل رہے گی اور اہل حدیث کہتے ہیں کہ پہلی پچھلی یکساں ہے اگر دو بہنیں نکاح میں ہیں تو جس کو چاہے جدا کر دے اسی طرح پانچ عورتیں نکاح میں ہیں جونسی چار چاہے اختیار کرے خواہ پہلی یا پچھلی۔ اور حدیث میں بھی اسی طرح آیا ہے ملاحظہ ہو مشکوٰۃ باب المحرمات اور امام محمد شاگرد امام ابوحنیفہ کا بھی یہی مذہب ہے اور امام ابن الہمام نے بھی اس کو ترجیح دی ہے تو اس بنار پر مبہم طور پر ایک کا نکاح باطل نہیں کہہ سکتے کیونکہ باطل ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اس کے نکاح ہی نہیں تو ایسی صورت میں ایک کو یا چار کو اختیار کرنے کے کچھ معنی نہیں مثلاً ایک شخص کا کسی سے نکاح ہو جائے اور کسی دوسری عورت سے اس کا اشتباہ ہو جائے جس سے اس کا نکاح نہیں تو اس صورت میں دونوں اس پر حرام حرام ہوں گی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ جونسی چاہے اختیار کرے ٹھیک اسی صورت کو سمجھ لینا چاہیئے پس مذہب اہل حدیث کی بنار پر ماننا پڑے گا کہ دونوں بہنوں کا نکاح یا چار سے زیادہ عورتوں کے نکاح باطل نہیں مگر شرع نے ان پر قائم رہنے کی ممانعت کر دی ہے اس لئے اسلام لانے کے وقت جدائی کرا دی جائے گی پس جب نکاح باطل نہ ہوئے تو وراثت جاری ہونی چاہیئے ہاں اگر کوئی یہ کہہ دے کہ وراثت جاری ہونے کے وقت دو بہنوں سے ایک کا

اختیار کرنا یا پانچ عورتوں سے چار کا اختیار کرنا یہ نئے سرے سے نکاح ہے تو اس وقت مبہم طور پر ایک کے نکاح کو باطل کہہ سکتے ہیں اور جب مبہم طور پر ایک کا نکاح باطل ہوا جس کا مطلب دوسرے لفظوں میں یہ ہے کہ ہر ایک کے نکاح کی قیمت میں شبہ ہے تو اس صورت میں ہر ایک کی وراثت بھی محل تامل ہوگی لیکن ایک بہن کو اختیار کرنے یا پانچ سے چار کو اختیار کرنے کا نام نکاح رکھنا شرائط نکاح کے خلاف ہے کیونکہ شرائط نکاح میں عورت کی رضامندی بھی شرط ہے اور ایک بہن کو اختیار کرنا یا پانچ عورتوں سے چار کو اختیار کرنا اس میں عورتوں کی رضامندی کا کوئی دخل نہیں ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ صورت مخصوص ہے اسلام لانے کے وقت بہت سی مراعات دی جاتی ہیں جن سے ایک یہ بھی ہے کہ کفر کے نکاح قائم رکھے جاتے ہیں خواہ ان میں شرائط نہ پائے جائیں اسی طرح یہ رعایت سمجھ لینی چاہیئے کہ ایک بہن کو اختیار کرنے یا پانچ عورتوں میں سے چار کو اختیار کرنے کا نام نکاح رکھ دیا۔ بہرصورت یہ مسئلہ محل تامل ہے اور اسی بنا پر وراثت کا جاری ہونا بھی محل تامل ہے مگر وراثت کے جاری ہونے کا کچھ پلڑا بھاری ہے۔

نوٹ:۔ یہ جو کچھ نزاع ہے غیر مذاہب کے نکاحوں میں ہے اگر اہل حق سے کوئی ایک بہن کے اوپر دوسری بہن سے نکاح کرے یا چار عورتوں کے ہوتے ہوئے پانچویں سے نکاح کرے تو اس کے بطلان میں کوئی اختلاف نہیں، اہل حدیث اور احناف وغیرہ سب متفق ہیں کہ جس سے پیچھے نکاح ہوا اس کا نکاح باطل ہے۔

عبداللہ امرتسری لاہور ۲۲ صفر ۱۳۷۹ھ

نافرمان اولاد کو محروم الارث کرنا کیسا ہے

سوال: بے فرمان بیٹی بیٹے کو اپنی زندگی میں ناراض ہو کر محروم الارث کر دینا جائز ہے یا نہیں

جواب: اولاد جب تک مسلمان ہے محروم الارث نہیں ہو سکتی ہاں اگر مسرف ہو تو امام شافعی رحمہ اللہ کے مذہب پر بحکم آیت کریمہ وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَامًا۔ اس پر حجر ہو سکتا ہے یعنی اس کے تصرفات روکے جا سکتے ہیں۔ جب تک اس کی حالت قابل اطمینان نہ ہو۔ اس کا حصہ ولی کے پاس محفوظ رہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

مرتد اولاد کا حکم

سوال ۔ جو بیٹا مرتد یا بیٹی مرتد ہوجائے اس کو قانون حکومت میں محروم الارث لکھا دینا جائز ہے۔ یا نہیں؟

جواب ۔ مرتد کو حکومت میں محروم الارث لکھا دینا درست ہے۔ لیکن اگر والدین کی زندگی میں اسلام کی طرف لوٹ آیا تو وارث ہوگا۔ عبداللہ امرتسری روپڑی

متوفی کے بعد جس جائیداد سے مشترکہ خرچ ہوتا رہا اس کی تقسیم

سوال ۔ ایک شخص ۱۹۲۷ء میں فوت ہوا جس کے مندرجہ وارث ہیں۔ دو برادر حقیقی ایک ہمشیرہ حقیقی ایک بیوی ایک نابالغ لڑکا تین نابالغ لڑکیاں ایک سال بعد ۱۹۲۸ء میں اس کی بیوی بھی فوت ہوگئی۔ پھر اس سے ایک سال بعد ۱۹۲۹ء میں اس کا نابالغ لڑکا بھی فوت ہوگیا۔ دونوں لڑکیوں کی شادی ہوچکی ہے۔ ایک لڑکی ابھی نابالغ اور غیر شادی شدہ ہے جائیداد متوفی سے آج تک لڑکیوں پر خرچ ہوتا رہا ہے اور شادی بھی اسی جائیداد اور اس کی آمدنی وغیرہ سے ہوتی ہے۔ جائیداد تاحال تقسیم تک نہیں ہوئی۔ بدستور لڑکیوں کے قبضہ میں ہے اب متوفی کی خود ساختہ پیدا کردہ منقولہ وغیر منقولہ جائیداد ہر قسم برائے شریعت باقی رشتہ داروں دو بھائیوں، تین لڑکیوں ایک بہن میں کس طرح تقسیم ہوگی۔ سید محمد ابراہیم خلیل ریڈر عدالت سب جج موگہ ضلع فیروزپور

جواب ۔ اس استفتاء میں یہ ذکر نہیں کہ شخص مذکور کی بیوی جو ۱۹۲۸ء میں فوت ہوئی ہے وہ اس کے لڑکے اور تین لڑکیوں کی والدہ ہے یا نہیں؟ اگر ان کی والدہ ہے اور ان کے سوا اس کا کوئی وارث نہیں تو کل جائیداد کے نوّے حصے کئے جائیں چھبیس چھبیس تینوں لڑکیوں کے اور چھ دونوں بھائیوں کے اور اس کی ہمشیرہ محروم ہے اس کو کچھ نہیں ملتا۔ آٹھواں حصہ جو اس کی بیوی کا ہوگا وہ بیوی کے ورثاء کا ہوگا۔

نوٹ ۔ متوفی کی جائیداد سے مشترکہ طور پر آج تک جو خرچ ہوا ہے اگر اس کا حساب محفوظ ہے تو اس کا فیصلہ بھی اسی نسبت سے ہونا چاہیئے۔ جو وراثت کی بابت بتائی گئی ہے۔ یعنی نوّے حصے کر کے بدستور تقسیم ہو اور کمی بیشی ٹھیک کر لی جائے۔ اور ہر ایک کی شادی وغیرہ بھی اپنے ہی حصہ سے ہو اور اگر وہ حساب محفوظ نہیں۔ تو اندازہ سے حساب ٹھیک کر لیا جائے۔ اور اگر آپس میں ایک دوسرے کو معافی دیدیں۔ تو نابالغہ کا حساب تو پھر بھی دینا پڑے گا۔ کیونکہ اس کی معافی معتبر نہیں۔ عبداللہ امرتسری روپڑی

مدیر تنظیم اہلحدیث روپڑ ۲۵ ر شعبان ۱۳۵۶ھ

دھوکا سے یا غلطی سے عدت میں نکاح ہو جائے تو ایسی عورت وارث ہے؟

سوال ، جو نکاح عدت کے اندر ہوا تھا کہ مر جائے اس کی اس منکوحہ کو اور اولاد کو ترکہ ملے گا یا نہیں

جواب ، اگر جہالت سے یا کسی فتویٰ سے دھوکا ہوا ہے تو عدت کے نکاح کی اولاد وارث ہو گی۔ ورنہ نہیں دلیل اس کی یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بے خبری سے ایک معاملہ بالزنا کا ایک نکاح ہو گیا اور ناکح اس کے پاس گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں میں تفریق کرا دی اور فرمایا۔ لَهَا الصَّدَاقُ بِمَا اسْتَحْلَلْتَ مِنْ فَرْجِهَا (ابوداؤد) یعنی اس کو مہر ملے گا۔ بوجہ اس کے کہ تو نے اس کی شرمگاہ کو حلال کیا۔ حاملہ بالزنا کے ساتھ نکاح جائز نہیں اور اس لیے تفریق کرا دی، مگر باوجود اس کے مہر دلا دیا۔ اور وجہ اس کی یہ بیان کی کہ تو نے اس کی شرمگاہ کو حلال کیا۔ اور ظاہر ہے کہ جب شرمگاہ حلال ہو گئی۔ تو اولاد بھی حلال ہو گئی۔ اور جب اولاد حلال ہو گئی تو وارث ہو گی ٹھیک اسی طرح عدت کے نکاح کو سمجھ لینا چاہیئے۔ جو جہالت سے یا کسی کے فتویٰ سے دھوکا لگ کر ہوا ہے رہی یہ بات کہ اس عورت کو ترکہ سے حصہ ملے گا یا نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ نہیں کیونکہ شریعت جدائی کا حکم دیتی ہے اور جدائی میں وراثت جاری نہیں ہوتی۔ عبداللہ امرتسری روپڑی

باطل اور فاسد نکاح میں منکوحہ اور اولاد کو ترکہ ملے گا؟

سوال ، جو نکاح شریعت میں باطل اور فاسد ہیں اس کی منکوحہ اور اولاد کو ترکہ ملے گا یا نہیں؟

جواب ، نکاح باطل اور فاسد کا فیصلہ واضح ہے کہ غلطی کی صورت میں اولاد حلال کی ہوگی اور وارث بھی ہوگی۔ مگر مرد عورت میں وراثت جاری نہیں ہوگی، جیسا کہ اوپر کے فتویٰ میں بیان ہو چکا ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی۔

مسئلہ وراثت اور عورت کی جائیداد

سوال ، ہندہ شادی کے بعد چند دن خاوند کے گھر رہ کر بوجہ بے اتفاقی والدین کے گھر چلی آئی۔ اور کچھ والدین نے بطور جہیز کے دیا تھا۔ اس میں سے کچھ حصہ روبرو سسرال کے واپس لے آئی۔ کچھ دن کے بعد وہ لاولد فوت ہو گئی گیا والدین کا دیا ہوا حصہ یعنی مال جو والدین کے گھر آچکا ہے وہ والدین لڑکی کی وفات کے بعد اس کی

روح کو فی سبیل اللہ دے سکتے ہیں یا نہیں؟ دیگر والدین اپنی لڑکی کو شادی کے موقع پر دیتے ہیں وہ لڑکی کا ہوتا ہے یا خاوند کا؟

جواب :۔ لڑکی کے والدین جو کچھ لڑکی کو دیتے ہیں۔ وہ لڑکی کا مال ہے اور مہر بھی لڑکی کا مال ہے یہ مجموعہ ملا کر مذکورہ صورت میں خاوند پر اور والدین پر تقسیم ہوگا۔ قرآن مجید میں ہے۔ فَاِنْ لَّمْ یَکُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗۤ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ فَاِنْ كَانَ لَهٗۤ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ یعنی اگر میت کی اولاد نہ ہو اور والدین وارث ہوں تو ماں کو تہائی ہے اگر میت کے متعدد بھائی یا بہنیں یا مخلوط ہوں تو اس وقت ماں کا چھٹا حصہ ہے اس کے بعد کی آیت میں خاوندوں کو خطاب ہے۔ وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ یَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ۔ یعنی اگر تمہاری بیویوں کی اولاد نہ ہو تو ان کے ترکہ میں تمہارا نصف حصہ ہے۔

صورت مذکورہ میں اختلاف ہے اور ابن عباس رض تو کہتے ہیں پہلے ماں کو تہائی دے کر باقی کا نصف خاوند کا ہے اور دیگر علماء کہتے ہیں کہ پہلے خاوند کو نصف دے کر بقیہ کی تہائی ماں کی ہے گویا کل چھ حصے ہوں گے دیگر علماء کے مذہب پر تین خاوند کے ایک ماں کا دو باپ کے اور ابن عباس رض کے مذہب پر دو ماں کے والدین کے چھ حصے سے چار ہیں، اور دیگر علماء کے مذہب پر والدین کے چھ حصے سے تین ہیں۔ اب والدین کو اختیار ہے جو کچھ ان کے حصہ میں آیا ہے وہ خواہ لڑکی کی روح کو ثواب پہنچانے کی غرض سے فی سبیل اللہ دیں یا اپنے قبضہ میں رکھیں۔

عبداللہ امرتسری از روپڑ ۲۳ رمضان ۱۳۵۵ھ

فوت شدہ بیوی کا مہر کس طرح تقسیم ہوگا

سوال :۔ ایک بیوی میرے نکاح میں آئی۔ اور چار پانچ سال زندہ رہی اور حق مہر تیس روپے شرعی مقرر ہوا۔ بیوی مذکورہ اچانک فوت ہوگئی گویا غلطی سے اس کو حق مہر مذکور ادا نہیں کیا گیا۔ اس کے بطن سے ایک لڑکی عمر چار سال ایک لڑکا عمر دو سال نابالغ میرے پاس موجود ہیں آپ بتائیں کہ کس قدر حق مہر ادا کروں اور کیا مسجد میں خرچ کروں یا اور اولاد موجودہ پر خرچ کروں یا کسی اور جگہ اور کس قدر مہر مجھ پر واجب الادا ہے۔

خدا بخش راجہ سانسی تحصیل انبالہ ضلع امرتسر

جواب :۔ آپ کی بیوی کا مہر اور اس کا دوسرا مال جو اس کے والدین نے اس کو دیا اور یا کسی اور طرح سے اس کی ملک میں آیا، جس کو وہ چھوڑ کر فوت ہوئی ہے اس مجموعہ کے چار حصے ہو کر ایک آپ کو ملے گا ایک

اس کی لڑکی کو اور دو لڑکے کو لیکن یہ تقسیم اس صورت میں ہے کہ آپ کی بیوی کے والد یا والدہ نہ ہوں۔ اگر یہ دونوں ہوں یا دونوں سے ایک ہو تو آپ کی بیوی کے مجموعہ مال کے چھتیس حصے ہوں گے۔ جن سے ۹ آپ کے اور چھ والد کے اور چھ والدہ کے باقی پندرہ بچے ان سے پانچ لڑکی کے اور دس لڑکے کے اگر صرف والد ہو والدہ نہ ہو یا والدہ ہو والد نہ ہو۔ تو پھر باقی اکیس بچتے ہیں۔ جن سے سات لڑکی کے اور چودہ لڑکے کے۔ قرآن وحدیث سے اسی طرح ثابت ہے۔ اگر آپ کی بیوی مال چھوڑ کر نہیں مری صرف مہر ہی ہو تو بھی اسی طریق پر تقسیم ہونا چاہیئے یعنی والدین نہ ہوں تو مہر کے چار حصے کئے جائیں اگر والدین سے ایک یا دو ہوں تو چھتیس حصے کئے جائیں۔

عبداللہ امرتسری روپڑ ضلع انبالہ مورخہ ۳۰ ستمبر ۱۹۳۴ء

دو لڑکوں سے ایک والد کو اپنی کمائی سے کچھ پیسے دے اور والد اس سے اپنے نام پر جائیداد خریدے تو کیا والد کے مرنے کے بعد اس میں وراثت جاری ہوگی یا وہ صرف اس لڑکے کا حق ہے جسکے پیسے ہیں

سوال۔ ایک شخص مسمی عبداللطیف جس کا دوسرا بھائی عبدالرحمٰن اس کی سوتیلی والدہ سے ہے ہر دو کے والد مسمی عبداللہ نے ایک مربعہ زمین آبادکاری پر بادائے پیشگی مبلغ اڑھائی صد روپیہ مسمی عبداللطیف کے کسب وکمائی سے بشرط ادائیگی اقساط آئندہ خرید کیا ہے اور مربعہ مذکور کو بھی محض عبداللطیف مذکور نے ہی اپنے خرچ اور محنت وغیرہ سے آباد کیا ہے اور مسمی عبدالرحمٰن کا نہ پیشگی اڑھائی سو میں کوئی حصہ شراکت ہے اور نہ ہی زمین کے آباد کرنے میں مسمی عبدالرحمٰن کا دخل ہے۔ اب صرف مربعہ کی نامزدگی والد کے نام پر تحریر ہے۔ مقصود سوال سے یہ ہے کہ والد کے رخصت ہو جانے کے بعد مربعہ مذکور کا ہر دو میں سے کس کو پہنچتا ہے۔ کیا دونوں کو مساوی پہنچتا ہے یا محض عبداللطیف مذکور کو۔

جواب۔ عبداللطیف نے یہ روپیہ والد کو دے دیا اور والد ہی کے نام پر زمین خریدی گئی اس لئے یہ زمین والد ہی کی ہوگی پس وراثت میں عبدالرحمٰن برابر کا حصہ دار ہوگا۔ معاملات میں جس کے نام کی چیز ہوتی ہے اس کی سمجھی جاتی ہے۔ خاص کر اولاد عموماً والدین کو دیتی رہتی ہے تو ایسے موقع پر محض ایک لڑکے کا حق قائم رہنے کے کچھ معنی نہیں ہاں اگر اس پر والد کی ملکیت نہ ہوتی۔ اور لڑکا دیتے وقت تصریح کر دیتا کہ میں صرف امانت کے طور پر یہ چیز آپ کے حوالہ کرتا ہوں، ملکیت میری ہی رہے گی تو اس صورت میں اس لڑکے

کا حق بدستور قائم رہ سکتا تھا۔ مگر اس صورت میں والد کے نام کرانے کا کچھ مطلب نہیں بلکہ اپنے نام کرتا۔ اگر کوئی قانونی رکاوٹ ہوتی، تو پھر والد کے نام کرا سکتا تھا۔ لیکن پھر بھی امانت کی تصریح کرنا ضروری تھی۔ مگر جب کوئی بات ہی نہ ہوئی تو والد کی ملکیت سمجھی گئی۔ اور جب والد کی ملکیت سمجھی گئی تو لامحالہ دونوں بھائی برابر کے حقدار ہو گئے۔ حدیث میں ہے کہ جب آقا غلام کو فروخت کرے اور غلام کے پاس مال ہو تو وہ مال آقا کا ہے مگر یہ کہ خریدار شرط کرے اسی طرح کوئی تابیر کیا ہوا باغ فروخت کرے تو اس سال کا پھل مالک کا ہوگا۔ مگر یہ کہ خریدار شرط کرے۔ مال آقا کا اور اس سال کا پھل مالک کا کیوں ہے اس کی وجہ صرف یہی ہے۔ کہ مال غلام سے اور تابیر سے پیدا شدہ پھل اصل باغ سے الگ شے ہے مال کا غلام سے الگ ہونا تو ظاہر ہے اور پھل اس لئے الگ ہے کہ اس کے لئے الگ محنت کرنی پڑتی ہے اور الگ شے تصریح کے بغیر خرید کے تحت نہیں آسکتی۔ ٹھیک اسی طرح اولاد کما کر جو کچھ والدین کو دیتی ہے عام دستور کے مطابق والدین کا اس پر پورا اختیار ہوتا ہے۔ جو چاہیں کریں اس کو امانت سمجھنا عام دستور سے الگ شے ہے۔ پس اس کے لئے تصریح ہونی چاہیئے تھی۔ لیکن بجائے تصریح کے والد کے نام پر زمین خریدی گئی ہے تو یہ پوری طرح سے والد کی ملکیت ہوگئی پس بلاشبہ یا والد کے ترکہ میں سمجھی جائے گی، جس میں سب ورثاء شریک ہوتے ہیں۔

عبداللہ امرتسری ۴ ذی قعدہ ۱۳۵۹ھ عبداللہ امرتسری مدیر تنظیم اہلحدیث روپڑ

مسئلہ وراثت از قسم مناسخہ

شجرہ نسب نور محمد مورث اعلیٰ برائے تقسیم وراثت جو غلام رسول متوفی کے بعد بروئے شریعت محمدی ورثاء کو پہنچتی ہے علماء دین شرع متین نسبت جائداد متروکہ غلام رسول متوفی بروئے شجرہ نسب ذیل کیا حکم صادر فرماتے ہیں بملاحظہ کیفیت،

نور محمد
آمیر بخش
مسماۃ بھری
مسماۃ میر بی بی
غلام رسول
کریم بی بی
علی محمد لاولد مر گیا
محمد دین لاولد مر گیا
اللہ رکھی
غلام محمد
علی محمد
محمد بخش زندہ
کریم بی بی زندہ
محمد رمضان زندہ
لاولد مر گیا جس کی تقسیم مقصود ہے
غلام مصطفیٰ
ثناء اللہ زندہ
اقبال زندہ
صفیہ زندہ
رضیہ زندہ
اللہ دتہ
کریم بخش
عبدالرحمٰن زندہ
ص ۱۳۲ پر

علی محمد

محمد دین فقیر یار زندہ	اسماعیل زندہ	ابراہیم زندہ	امام الدین زندہ

ثناء اللہ زندہ	بشیر زندہ	مسماۃ زینب زندہ	مسماۃ جنتے زندہ

کیفیت

(۱) جائیداد پیدا کردہ نور محمد ہے امیر بخش کو فوت ہوئے عرصہ ۴۴ سال کا ہوا ہے مسماۃ امیر بی بی کو عرصہ ۴۰ سال کا ہوا اور مسماۃ بھری کو عرصہ پندرہ سال کا ہوا کہ فوت ہو گئے ہیں۔

(۲) مسمیان علی محمد و عمر بخش و محمد دین پسران مسماۃ بھری اپنی والدہ کی زندگی میں مر گئے۔

(۳) مسماۃ کرم بی بی دختر امیر بخش اپنے باپ دادا کی زندگی میں ہی فوت ہو چکی تھی۔

(۴) علی محمد پسر امیر بی بی اپنی والدہ کی زندگی میں ہی مر گیا تھا۔

بصورتِ متذکرہ بالا جن جن موجودہ زندہ اصحاب کے نام ورثہ بروئے شرع محمدی پہنچتی ہے۔ مقرر فرمائی جائے۔ بغرض حصص دختروں کے گرد حلقہ مثلث یا مربع کر دیا ہے۔ احمد دین کاتب

صورت مندرجہ سوال بالا کا جواب حسب ذیل ہے۔

مسئلہ ۴ نور محمد

ابن امیر بخش	بنت امیر بی بی	بنت بھری
۲	۱	۱

مسئلہ (۲) امیر بخش

غلام مصطفیٰ ابن	کرم بی بی دخت غلام رسول
۲	

غلام مصطفیٰ

ابن
ثناء اللہ
۲
۱۴
۴۲
۱۶۸
۵۰۴

مسئلہ ۷ — امیر بی بی

غلام محمد	محمد بخش	محمد رمضان	کرم بی بی
۲ ابن	ابن	ابن	بنت
	۲/۶	۲/۶	۱/۳
	۲۴/۷۲	۲۴/۷۲	۱۲/۳۶

مسئلہ ۳ تصحیح ۶ — غلام محمد

اللہ دتہ	کرم بخش	عبدالرحمٰن
ابن	ابن	ابن
۲/۸	۲/۸	۲/۸
۲۴	۲۴	

مسئلہ ۶، تصحیح ۲۴ — عبدالرحمٰن

ثناء اللہ	بشیر	زینب	جنتے
ابن	ابن	بنت	بنت
۸	۸	۴	۴

مسئلہ ۳ (۷، تصحیح ۲۱) بحری ۱×۷ = ۷

محمد دین	اللہ رکھی
پوتا	پوتی
۱۴/۵۶	۷/۲۸/۵۶

مسئلہ ۵۶ — محمد دین

اخت اللہ رکھی

۵۶

مسئلہ ۸۴ — اللہ رکھی — ۵۶ + ۲۸ = ۸۴

اقبال	صفیہ	رضیہ
ابن	بنت	بنت
۴۲/۱۲۶	۲۱/۶۳	۲۱/۶۳

الاحیاء

ثناء اللہ	محمد بخش	محمد رمضان	کرم بی بی	اللہ دتہ	کرم بخش	ثناء اللہ	بشیر
۵۰۴	۷۲	۷۲	۳۶	۲۴	۲۴	۸	۸
زینت	جنتے	اقبال	صفیہ	رضیہ			
۴	۴	۱۲۶	۶۳	۶۳			

نوٹ :۔ (۱) سوال میں یہ ذکر نہیں کہ محمد دین اور اللہ رکھی ان دونوں سے پہلے کون فوت ہوا لیکن آخر ان کی جائیداد اقبال، صفیہ، رضیہ، کو پہنچتی تھی اس لئے ایک صورت لکھ دی ہے۔

نوٹ :۔ (۲)، اگر مورث اعلیٰ نور محمد کی وفات کے وقت اس کی بیوی زندہ ہو تو آٹھواں حصہ کل جائیداد سے اس کا ہوگا اور اس کی وفات کے وقت جو ورثاء زندہ ہوں گے وہ حقدار ہوں گے۔ اور ان کے بعد ان کے وارث۔

عبداللہ امرتسری ۶؍ رجب ۱۳۵۶ھ

میت کے دو بھائی ایک ماں، دو بیویاں ایک بیوی سے دو لڑکیاں اور دوسری سے چار لڑکیاں ترکہ کیسے تقسیم ہو۔

سوال :۔ ایک شخص فوت ہوگیا ہے اور اس کے دو بھائی اور ایک مائی اور دو بیویاں ہیں۔ ایک بیوی سے دو لڑکیاں اور دوسری سے چار لڑکیاں ہیں لڑکا کوئی نہیں ان میں ترکہ کیسے تقسیم ہوگا؟

جواب :۔ خرچ کفن دفن اور ادائیگی قرض اور وصیت (اگر ہو) کے بعد تمام جائیداد زمین مکان نقدی و دیگر سامان کے ۱۴۴ حصے ہوں گے جن سے ۹۶ چھ لڑکیوں کے اور ۱۸ دو بیویوں کے اور تیس دو بھائیوں کے بایں صورت :۔

عـلـہ مسئلہ ۲۴ تصحیح ۱۴۴

دختران :	ہر ایک کو سولہ سولہ
ازواج	ہر ایک کو نو نو
اخوان	ہر ایک کو پندرہ پندرہ

عبداللہ امرتسری از روپڑ ضلع انبالہ ۱۴؍ جمادی الثانی ۱۳۵۴ھ

عـلـہ سوال میں والدہ کا بھی ذکر ہے۔ جواب میں والدہ کا حصہ بیان نہیں کیا گیا ترکہ کے چوبیس حصے تصحیح ایک سو چوالیس سے ہوگی والدہ کو چوبیس ہر ایک بیوی کو نو ہر ایک لڑکی کو سولہ ہر بھائی کو تین حصے ملیں گے۔ مرتب

ایک بیوی دو لڑکے پانچ لڑکیاں

سوال ۔ متوفی کے وارث ایک بیوی ۔ دو لڑکے اور پانچ لڑکیاں ہیں، ان میں ترکہ کیسے تقسیم ہوگا۔

نوٹ ۔ وراثت تقسیم کرنے کا رواج نہیں بوجہ رواج اگر کوئی مسلمان بحالتِ مجبوری تقسیم جائیداد نہ کرے۔ تو مسلمان رہ سکتا ہے یا نہیں ؟ برکت علی مقام چاہڑکے ضلع جالندھر

جواب ۔ جو شخص شرع کے مطابق تقسیم نہ کرے اس کے لئے سخت وعید آیا ہے قرآن مجید میں تقسیم وراثت کا مسئلہ ذکر کے آخر میں فرمایا۔ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ جو خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے ۔ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا اور اس کی حدود سے تجاوز کرے وہ اس کو آگ میں داخل کرے گا۔ خَالِدًا فِيْهَا وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۔ وہ ہمیشہ کے لئے عذاب میں داخل ہوگا۔ اور اس کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔

جن ورثاء کا سوال میں ذکر ہے ان پر تمام جائیداد یوں تقسیم ہوگی۔ کہ بیوی کا آٹھواں حصہ اور باقی للذکر مثل حظ الانثیین یعنی آٹھ حصے کر کے ان سے ایک حصہ بیوی کا ہے اور بقایا سات سے ۴/۹ دو لڑکوں کا اور ۵/۹ لڑکیوں کا۔

آسان صورت اس کی یہ ہے کہ میت کا قرض اور اس کی وصیت اور کفن دفن کا خرچ الگ کر کے باقی تمام جائیداد پیسہ ٹکہ تک جو کچھ چھوٹی موٹی شے ہو اس کے برابر بہتر حصے کر دیئے جائیں خواہ قیمت کے حساب سے یا ویسے ان سے نو بیوی کے چودہ چودہ دونوں لڑکوں کے اور پینتیس پانچ لڑکیوں کے جس کا نقشہ یہ ہے۔

ورثاء ۔ حصص ۷۲

زوجہ	ابن	ابن	بنت	بنت	بنت	بنت	بنت
۹	۱۴	۱۴	۷	۷	۷	۷	۷

عبداللہ امرتسری روپڑی ۱۸ جمادی الاوّل ۱۳۵۵ھ

جہیز میں عورت کا کیا حق ہے نکاح ثانی سے اس کا حق رہتا ہے یا نہیں؟

سوال ۔ عورت بیوہ ہے اولاد نہیں ہے اور اس کے خاوند کی چار ہمشیرگان اور والدہ ہے ہمشیرگان اپنے اپنے گھر آباد ہیں۔ جو زیورات اس عورت کے ہوں، اور جو کچھ زیورات اور پارچات والدین نے دیئے

ہوں تو ان دونوں زیورات و پارچات میں اس عورت کا کیا ہے۔ اور دوسری صورت میں اگر وہ عورت نکاح ثانی کرے تو زیورات و پارچات مذکور میں حق قسم اوّل ہے یا نہیں؟ اللہ بخش مورخہ ۸ ربیع الاخر ۳۵۶ھ

جواب ۔ عورت کے زیورات و پارچات جو والدین کی طرف عورت کو ملے ہیں۔ وہ عورت کا مال ہے اور جو زیورات خاوند کی طرف سے ملے ہیں۔ وہ مہر کا حصہ یعنی عورت کا مال ہے ورنہ خاوند کا ہے ہبہ کے لئے شرط یہ ہے کہ جس بیماری میں وہ فوت ہوا ہے اس سے پہلے ہبہ کیا ہو اگر اس بیماری میں یہ ہبہ کیا ہو تو یہ ہبہ معتبر نہیں۔ عورت کا مال خاوند کے مال سے علیحدہ کر کے باقی مال خاوند کا ہے خواہ زمین مکان ہو یا گھر کا سامان ہو یا نقدی وغیرہ ہو اس تمام کے تیرہ حصے کئے جائیں۔ تین اس عورت کے دو اسکی والدہ کے آٹھ اس کی چار بہنوں کے بھذا الصورت

۱۲ عول ۱۳

زوجہ	ام	اخت	اخت	اخت	اخت
۳	۲	۲	۲	۲	۲

عورت کا حصہ وراثت ہر صورت میں اس کو ملتا ہے خواہ نکاح کرے یا نہ کرے شرع کی رو سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ عبداللہ امرتسری از روپڑ مورخہ ۹ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ

مسئلہ وراثت از قسم مناسخہ

سوال ۔ زید مر گیا۔ مندرجہ ذیل وارثان چھوڑ گیا۔ ایک بیوی۔ ایک لڑکا۔ دو لڑکیاں۔ چونکہ بچے نابالغ تھے۔ ان کی پرورش ہونا مشکل تھی اس لئے زید کی بیوی نے نکاح ثانی کر لیا۔ جو کچھ زید از قسم زیورات پارچات اور ظروف علاوہ مکان کے چھوڑ گیا تھا۔ اس میں سے کچھ تو زید کی بیوی نے اپنے بچوں کی پرورش پر خرچ کیا۔ اور باقی لڑکے نے اپنے خرچ میں استعمال کیا۔ اور مکان گر گیا۔ لڑکے نے اس کو مبلغ یکصد پچاس روپیہ میں گروی رکھ دیا۔ اس رقم سے مکان تعمیر کیا اور اپنے خرچ میں لایا۔ دیگر حصہ داروں کو کچھ نہیں دیا۔ مکان گرو رکھنے سے پہلے زید کی بیوی انتقال کر گئی تھی۔ اور ایک لڑکا اور ایک لڑکی جو دوسرے شوہر سے پیدا ہوئے تھے۔ چھوڑ گئی تھی۔ جو اب تک زندہ ہیں۔ زید کی لڑکی بھی انتقال کر گئی جس کے دو بچے ایک لڑکا اور ایک لڑکی موجود ہیں۔ اب تک باقاعدہ طور پر شرعی تقسیم نہیں ہوئی تھی۔ لڑکے نے بکر کے پاس مکان مذکور مبلغ چار سو روپیہ میں فروخت کر دیا۔ جس میں سے مبلغ دو سو روپیہ بروقت رجسٹری روبروئے عدالت بکر سے لے کر مبلغ یک صد پچاس روپیہ ادا کر کے مکان واگذار کرایا اور باقی پچاس روپے اپنے خرچ میں لایا اور مکان کا قبضہ بکر کو دیدیا۔ اور باقی دو صد کی تحریر بکر سے لے

لی۔ جس میں بکر نے یہ تحریر کیا۔ کہ چھ ماہ کے بعد میں ادا کر دوں گا۔ چنانچہ چھ ماہ کے بعد لڑکے نے حسب وعدہ اپنی رقم طلب کی جس پر بکر نے کہا کہ چونکہ رجسٹری میں تم نے لکھا ہے کہ ہمشیرگان کا اگر کوئی حق شرعی ہوگا۔ تو اس کی ادائگی کا میں ذمہ دار ہوں گا۔ اس لئے اب یہ رقم میں تمہیں نہیں دے سکتا تا وقتیکہ تم ان کی رضامندی حاصل نہ کر لو۔ اسی اثنا میں دیگر حصہ داران نے دعویٰ دیوانی دائر کر دیا۔ جس کا فیصلہ بموجب شرع دو سال چار ماہ کے بعد یہ ہوا کہ نصف مکان مع خرچ دیگر حصہ داروں کو دیدیا جائے۔ اب صرف سوال یہ ہے کہ چونکہ بکر نے صرف نصف قیمت مکان ادا کی تھی۔ اور کرایہ مکان کا کل تا تصفیہ مقدمہ اور تا حال بکر ہی لیتا رہا ہے۔ اور لے رہا ہے۔ آیا شرعی طور پر کرایہ میں سے نصف حصہ کے دیگر حصہ داروں جن کے حق میں عدالت سے نصف مکان ملنے کا فیصلہ ہوا ہے۔ حقدار ہیں یا کہ بکر ہی مکان کی نصف قیمت ادا کرنے پر مکان کا پورا کرایہ حاصل کرنے کا حقدار رہے؟

عبد الغفور چکن دوز سڑک توپخانہ۔ پٹیالہ

جواب۔ سوال میں جس فیصلہ کو شرعی کہا گیا ہے، وہ درحقیقت شرعی نہیں ہے بلکہ شرعی صورت اور ہے وہ یہ کہ اگر ورثاء وہی ہیں۔ جو سوال میں مذکور ہیں اور زید کی لڑکی نے اپنی والدہ کے بعد وفات پائی ہے تو زید کی کل جائیداد منقول و غیر منقول کے چھ سو بہتر حصے ہوں گے۔ جن کی تقسیم یوں ہے:۔

زید کے لڑکے کے ۳۱۸، زید کی لڑکی کے جو زندہ ہے ۱۵۹ اور جو لڑکی وفات پا چکی ہے اس کے ۱۰۶ اور لڑکی کے ۵۳ اور زید کی بیوی کا لڑکا جو دوسرے خاوند سے ہے اس کے ۲۴ اور جو لڑکی دوسرے خاوند سے ہے اس کو بارہ ملیں گے۔ بھذہ الصورۃ

زید مسئلہ ۸ تصحیح ۳۲/۲۲۴/۶۷۲

زوجہ ہندہ	ابن عمر	بنت زینب	بنت خالدہ
۴	۱۴	۷	۷
	۹۸	۴۹	۴۹
	۲۹۴		۱۴۷

ہندہ مسئلہ ۷/۲۸ تباین مافی الید ۴

ابن عمر	ابن خالد	بنت زینب	بنت خالدہ	بنت سارا
۲	۲	۱	۱	۱
۸	۸	۴	۴	۴
۲۴	۲۴		۱۲	۱۲

زینب مسئلہ ۱۵۹/۳ تباین مافی الید ۵۳

ابن	بنت
حامد	عائشہ
۱۰۶	۵۳

الاحیاء

عمر	خالد	حامد	خالدہ	سارہ	عائشہ
۳۱۸	۲۴	۱۰۶	۱۵۹	۱۲	۵۳

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ زید کا لڑکا نصف کا مالک نہیں بلکہ نصف سے کم ہے کیونکہ ۶۷۲ حصوں سے زید کے لڑکے کے تین سو اٹھارہ ہیں۔ دیگر ورثاء کے ۳۵۴ زید کے لڑکے نے دیگر ورثاء کی اجازت کے بغیر مکان فروخت کیا ہے تو دیگر ورثاء کا حصہ فروخت نہیں ہوا بلکہ زید کے لڑکے کے حصے میں بکر پر یہ شفعہ کر سکتے ہیں اگر شفعہ نہ چاہیں۔ تو ان کی مرضی ان کا حق ضرور ہے نیز اپنے حصے کا کرایہ بکر سے وصول کر سکتے ہیں۔ بکر کو چاہیئے کہ مکان سے ان کا حصہ بھی ان کے حوالہ کرے۔ اور کرایہ بھی اور زید کے لڑکے نے مکان گرو رکھ کر جس قدر مرمت مکان پر خرچ کیا ہے وہ مشترکہ کھاتے سے ادا کیا جائے اور جو اس لڑکے نے زیورات وغیرہ سے زائد خرچ کیا ہے جس سے دیگر ورثاء کو حصہ نہیں ملا۔ وہ یہ لڑکا مجرا دے ——— بہرصورت زید کی تمام جائیداد منقولہ غیر منقولہ کا حساب باقاعدہ مندرجہ حصوں کے مطابق ہونا چاہیئے اور کرایہ وغیرہ کی آمد کا حساب بھی اسی نسبت سے کیا جائے۔

عبداللہ امرتسری مدیر تنظیم مورخہ یکم رمضان ۱۳۵۶ھ

بیوی سے مہر اور ہمشیرہ سے اس کا حصہ بخشوانا

سوال ۔ اگر کوئی شخص منت کر کے ہمشیرہ سے ترکہ والدین کا بخشوالے یا عورت سے سوال کر کے مہر بخشوالے تو عند اللہ چھٹکارا ہو سکتا ہے یا نہیں؟

جواب ۔ منت کر کے یا سوال کر کے معاف کرانے میں شبہ ہے کیونکہ ہمشیرہ کو یا بیوی کو یہ خیال ہوگا کہ بھائی یا خاوند ناراض ہو جائے گا۔ خصوصاً ہمشیرہ کو تو یہ بھی خیال ہوگا کہ میں نے معاف نہ کیا تو پھر مجھے کونسا مل جائے گا، اس لئے اپنی طرف سے دینے پر پوری آمادگی ظاہر کرنی چاہیئے۔ اگر خوشی سے بغیر کہے کہلائے معاف کر دیں تو بلا کھٹکا درست ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی ۱۰/ ذی قعد ۱۳۵۲ھ

(۱) وارث - لڑکا - بیوی - بھتیجے

(۲) وارث - بیوی - سوتیلی والدہ - چچازاد بھائی

سوال - مندرجہ مسئلہ کی اشد ضرورت ہے اس لئے عرض ہے کہ اس کا جواب جلد فرماویں۔

(۱)

لڑکا	بیوی	بھتیجے ۴

(۲)

بیوی	سوتیلی والدہ	چچازاد بھائی

(محمد اکرم پٹیالہ)

جواب - سوال نمبر ۱ میں ترکہ کے آٹھ حصے اور نمبر ۲ میں سولہ حصے ہوکر مندرجہ ذیل طریق پر تقسیم ہوں گے۔

مسئلہ ۸

(۱)

ابن	زوجہ	ابن الاخ	ابن الاخ	ابن الاخ	ابن الاخ
۷	۱	محروم	محروم	محروم	محروم

مسئلہ ۴ تصحیح ۱۶

(۲)

زوجہ	زوجۃ الاب	ابن العم	ابن العم	ابن العم	ابن العم
۴	محروم	۳	۳	۳	۳

۲۴ / اپریل ۱۹۳۸ء عبداللہ امرتسری روپڑ ضلع انبالہ

ذوی الفروض اور عصبہ کے ہوتے ہوئے ذوی الارحام وارث نہیں۔ بچا ہوا ترکہ زوجین پر رد نہیں ہوتا۔

سوال - صاحب جائیداد بابا محمد علی فوت ہوگیا ہے اس کی جائیداد کے وارث ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہے لڑکے کا نام فقیر علی ہے اور لڑکی کا نام امیر بی بی ہے لڑکے نے جائیداد میں سے اپنی بہن امیر بی بی کو حصہ نہیں دیا۔

فقیر علی جب فوت ہوا۔ اور تمام جائیداد اس کی لڑکی نتھو کے قبضے میں آگئی۔ نتھو کے فوت ہونے کے بعد جائیداد پر اس کا خاوند برکت علی قابض ہوگیا۔ برکت علی کے فوت ہونے کے بعد اس کی دوسری بیوی قبضہ جما بیٹھی اب تک بدستور جائیداد اس کے قبضہ میں ہے۔

(۲) محمد علی مرحوم کی دوسری شاخ جو اس کی بیٹی امیر بی بی سے چلتی ہے اس شاخ میں سے امیر بی بی کی لڑکی حاکم بی بی تھی۔ جو کہ امیر بی بی کی زندگی میں ہی فوت ہوگئی تھی۔ اور حاکم بی بی کی لڑکی زینب بی بی زندہ ہے امیر بی بی فقیر علی کی زندگی میں ہی فوت ہوگئی تھی۔ سوال یہ ہے کہ از روئے شرع شریف زینب بی بی اس کی جائیداد میں سے وراثت لے سکتی ہے یا نہیں اگر لے سکتی ہے تو اسے کس قدر حصہ ملنا چاہیئے۔

جواب :۔ حاکم بی بی چونکہ امیر بی بی کی حیات میں فوت ہوگئی ہے اس لئے امیر بی بی کو جو جائیداد کی تہائی اپنے بھائی فقیر علی کے ساتھ شرعاً ملتی تھی۔ وہ سب فقیر علی کی طرف لوٹ آئی کیونکہ زینب بی بی امیر بی بی کی نواسی ہے جو ذوی الارحام سے ہے اور فقیر علی امیر بی بی کا بھائی امیر بی بی کا عصبہ ہے اور عصبہ کے ہوتے ہوئے زینب بی بی کو حق نہیں پہنچتا۔ فقیر علی کے بعد اس کی لڑکی نتھو تمام جائیداد پر قابض ہوگئی۔ کیونکہ اصحاب الفروض کے ہوتے ہوئے ذوی الارحام وارث نہیں ہوتے۔ ہاں خاوند بیوی اس سے مستثنیٰ ہیں ان کے ہوتے ہوئے ذوی الارحام وارث ہو سکتے ہیں۔ —— اس کے بعد نتھو کا خاوند برکت علی نصف جائیداد کا شرعاً مالک ہے۔ باقی نصف کی زینب حق دار ہے کیونکہ خاوند پر باقی جائیداد شرعاً نہیں لوٹائی جاتی۔ برکت علی کا کوئی اور قریبی رشتہ دار بہن یا بھائی وغیرہ ہو تو اس کو دے دیئے جائیں۔ ورنہ کسی نیک مد میں خرچ کر دیئے جائیں تاکہ میت کی روح کو ثواب پہنچتا رہے۔

عبداللہ امرتسری مدیر تنظیم روپڑ ضلع انبالہ ۱۷ رمضان المبارک ۱۳۵۸ھ مطابق ۳۱ اکتوبر ۱۹۴۱ء

ورثہ نہ دینے یا کوتاہی کرنے والا امامت کا اہل نہیں ہے

سوال :۔ زید نے پھوپھی اور بہن کو ورثہ دیا۔ مگر بھتیجوں کی بابت اس کا تنازع پڑا ہوا ہے۔ ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں ہوا۔ کیونکہ ترکہ کچھ تو دے دیا اور کچھ نہیں دیا اور عمرو نے بالکل ہی نہیں دیا۔ بلکہ اوروں کا ورثہ بھی غصب کر کے کھالیا ہے ان دونوں میں سے نماز کس کے پیچھے جائز ہے؟

عبدالعزیز گل کلاں تحصیل موگا ضلع فیروز پور

جواب ۔ زید اور عمرو دونوں ہی امامت کے لائق نہیں ۔کیونکہ دونوں گنہ گار ہیں ، کوئی کم کوئی زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو قبلہ کی طرف تھوکنے کی وجہ سے امامت سے معزول کر دیا تھا۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

علم فرائض کے متعلق بخاری کی احادیث میں تطبیق اور کلالہ کی تعریف

سوال ۔ ایک حدیث ترمذی میں بروایت جابر بن عبداللہ کتاب الفرائض میں آئی ہے کہ حضرت جابر بیمار ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو حضرت جابر رضی نے دریافت کیا ۔یا رسول اللہ کہ میں اپنا مال کس طرح تقسیم کروں اپنی اولاد میں ۔پس آپ نے کوئی جواب نہ دیا ۔اور آیت یُوصیکم اللہ ..... الآیۃ اُتری اور دوسری روایت ترمذی میں جابر بن عبداللہ رضی سے اس طرح مروی ہے کہ میں بیمار ہوا ۔اور میں نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ میں اپنا مال کس طرح سے تقسیم کروں میری تو بہنیں ہیں ، پس آیت میراث یستفتونک قل اللہ یفتیکم ..... الایۃ اُتری ۔اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ دونوں حدیثیں نزول آیت میں متعارض ہیں اور واقعہ ایک ہے ۔ دوسرے ایک میں اولاد کی تقسیم کا ذکر ہے اور ایک میں صرف بہنوں کا ۔ اگر دو واقعے بنائے جائیں تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے ۔کہ نزول آیت یستفتونک ..... کا مسئلہ میراث میں آخری ہے ۔تو اولاد کا وجود واقعتین میں آخر ہو سکتا ہے تو آیتین کا تعارض رفع نہیں ہو سکتا ۔اور رفع تعارض درمیان اولاد اور اخوات کے بیان فرماویں ۔ مسلم بخاری اور ابو داؤد میں صرف اخوات کا ذکر ہے اولاد کا ذکر نہیں ہے نیز یہ بھی تحریر فرمائیں کہ جابر رض خود کلالہ تھے یا ان کا ورثا کلالہ تھے ۔مسلم کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جابر رض کے ورثا کلالہ تھے ۔ کیونکہ مسلم میں ہے ۔ میں نتی کلالۃ اور کیا کلالہ وہ شخص بھی ہو سکتا ہے جس کی اولاد اناث بھی ہو ۔یا کلالہ صرف وہی شخص ہے جس کے لڑکا یا والد نہ ہو ۔

جواب ۔ جب آیت یُوصِیکُمُ اللہُ ..... اتری اس وقت جابر رض کی اولاد تھی ۔پھر فوت ہو گئی ۔ دوسری آیت کے اترنے کے وقت صرف بہنیں تھیں ، واقعہ دو ہیں کیونکہ یستفتونک ..... آیت آخر میں اتری ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ جابر رض کے بارے میں صرف آیت یستفتونک ..... اتری ہو اور چونکہ بعض رواتیوں میں نزلت آیۃ المیراث کا لفظ آیا ہے اور آیت المیراث مشہور یُوصِیکُمُ اللہُ ہے اس کے بعض ساتھیوں کو دھوکا لگا ۔ تو انہوں نے نزلت یُوصِیکُمُ اللہُ ..... کہ دیا ۔ اور یُوصِیکُمُ اللہُ ..... میں

اولاد کی تقسیم کا ذکر ہے اس بناء پر کیف اقسم بین ولدی ۔۔۔۔ کا ذکر آگیا۔ بہرصورت یہ راوی کی غلطی ہے جس کی وجہ معقول ہے۔ ابن کثیرؒ کا رجحان اپنی تفسیر میں اس طرف ہے۔

نمبر ۲۔ کلالہ کی صحیح تفسیر اس آیت میں یہ ہے کہ جس کی اولاد نہ ہو۔ اور باپ نہ ہو۔ تفسیر ابن کثیر میں ابوبکرؓ اور عمرؓ وغیرہم بڑے بڑے صحابہؓ سے یہی معنی نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ اس میں ایک حدیث مرفوع بھی آئی ہے اور مسلم کی روایت کلالہ مفعول کی ضمیر سے حال ہے اور فاعل غیب کی ضمیر ہے۔ مرجع بوجہ معلوم ہونے کے ذکر نہیں کیا۔ اور اگر بالفرض فاعل ہو تو اس سے یہ نہیں سمجھا جاتا۔ کہ آیت میں کلالہ سے مراد وارث ہے کیونکہ آیت میں وَلَہٗ اَخٌ اور اُخْتٌ اس بارے میں کالنص ہے کہ میت مراد ہے ہاں فاعل بنانے کی صورت میں اس حدیث سے اتنا نکلتا ہے کہ وارث پر بھی کلالہ کا اطلاق آتا ہے۔ سو اس میں کوئی ہرج نہیں لغت میں اس پر بھی اطلاق ہوتا ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑ

وارث خاوند، ماں، دو بھائی، ایک بہن

سوال۔ ایک عورت فوت ہوگئی اس کے وارث حسب ذیل ہیں۔ خاوند، ماں، دو بھائی ایک بہن ترکہ ان میں کس طرح تقسیم ہوگا۔

جواب۔ میت کا ترکہ یعنی جو چیز وفات کے وقت لڑکی کی ملک ہے۔ اس میں تیس حصے ہو جائیں گے۔ پندرہ حصے خاوند کے پانچ ماں کے چار چار بھائیوں کے اور دو اس کی بہن کے۔

نوٹ۔ لڑکی کا ترکہ مہر ہے اور اس کے علاوہ جو کچھ لڑکی کے والدین نے اس کو دیا ہو یا خاوند کی طرف سے دی گئی ہو۔ جو خاوند نے اس کی ملک کر دیا ہو تو وہ بھی اس میں شامل ہے اگر ملک نہیں کیا بلکہ صرف عاریت ہے تو وہ ترکہ میں شامل نہیں ہوگا۔ بلکہ خاوند کا ہے۔ اس کے متعلق تحقیق کر لی جائے۔ کہ وفات کے وقت کیا کیا چیز اس کی ملک تھی خواہ چھوٹی ہو۔ خواہ بڑی چارپائی۔ صندوق وکیسہ وغیرہ سب ترکہ میں شامل ہوں گے۔

عبداللہ امرتسری جامع اہلحدیث چوک دالگراں

وصیّت کا بیان

وارث کیلئے وصیّت

سوال ، زید اپنی تمام جائیداد میں اس طرح وصیت کرنا ہے کہ اس وقت میری کوئی اولاد نہیں۔ اگر میری زندگی میں میری اولاد ہو جائے تو وہ میری مذکورہ جائیداد کی مالک و مختار ہوگی۔ اور اگر میری اولاد نہ ہو۔ تو میری بیوی بشرطیکہ میرے حق میں بیٹھی رہے مذکورہ جائیداد سے صرف اپنا گزارہ کر سکتی ہے اسے بیچنے کا کوئی حق نہیں ۔ اور میری بیوی کے مرنے کے بعد میری تمام جائیداد کی مالک و مختار مسجد ہوگی۔ اور مسجد بھی مذکورہ جائیداد کو فروخت کرنے کی مجاز نہ ہوگی۔ اس کی آمدنی مسجد مذکورہ کی ضروریات میں یا اس کے طلباء پر خرچ ہو سکتی ہے زید کا وارث سوائے اس کی بیوی کے اور کوئی نہیں ہے ہاں متوفی وصیت کنندہ کے باپ کا حقیقی بھانجا موجود ہے کیا یہ وصیت ازروئے قرآن وحدیث درست ہے؟ امام الدین، محمود احمد گل کانوانوالی وزیر آباد

جواب ، صورت مسئولہ میں وصیت شرعاً بالکل غلط ہے اس کی وجہ حسب ذیل ہے ۔

اولاد اگر ہوگئی تو وہ شرعاً وارث ہے وصیت سے اس کا کوئی تعلق نہیں اور عورت کے حق میں وصیت کرنا یہ بھی غلط ہے حدیث میں ہے لَا وَصِیَّۃَ لِوَارِثٍ یعنی وارث کے لئے وصیّت نہیں ۔ عورت چونکہ خاوند کے مرنے کے بعد وارث ہوتی ہے اس لئے وصیت مذکورہ جائز نہیں ۔ نیز عورت سارے مال کی مستحق نہیں ہو سکتی ۔ اگر خاوند کی اولاد ہو ۔ تو اس صورت میں وہ آٹھویں حصے کی وارث ہوگی۔ اور اگر اولاد نہ ہو تو چوتھا حصہ کی مالک ہوگی ۔ اور عورت کے مرنے کے بعد یہ اس کے وارثوں کا حق ہو گا ۔ مسجد وغیرہ کا اس میں کوئی حق نہیں اور اگر عورت اپنی زندگی میں اس کو فروخت کرنا چاہے یا ہبہ کرنا چاہے تو ہر قسم کے تصرفات کا اسے اختیار ہے کیونکہ وراثت میں جو حصہ آتا ہے وہ وارث کی ملک ہوتا ہے اگر خاوند کی اولاد نہ ہو تو بیوی کا حصہ دینے کے بعد جو بچے گا ، وہ حقیقی بھانجے کا حق ہے ۔

نوٹ ، صورت مسئولہ میں مسجد وغیرہ کے متعلق جو وصیّت ہے وہ عورت کے مرنے کے بعد ہے اس میں دو احتمال ہیں ۔ ایک یہ کہ عورت کے لئے جو وصیّت کی ہے اس کے ساتھ مسجد وغیرہ کی وصیت معلق

عورت کے لئے چونکہ وصیت باطل ہے اس بناء پر مسجد وغیرہ کی وصیت بھی باطل ہو جائے گی۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ متوفی کی نیت معلق کرنے کی نہ ہو بلکہ مسئلہ میں غلطی کی وجہ سے اس لئے یہ سمجھا کہ آخر یہ جائیداد عورت کے مرنے کے بعد فارغ ہو سکتی ہے اور راہِ اللہ صرف ہو گی، اس بناء پر اس نے عورت کے مرنے کے بعد مسجد وغیرہ کی وصیت کا ذکر کیا۔ اس صورت میں عورت کے لئے وصیت باطل ہونے سے ——————

مسجد وغیرہ کی وصیت باطل نہیں ہو گی۔ جب یہ باطل نہ ہوئی تو سارے ترکہ سے تہائی مال مسجد وغیرہ کے لئے الگ کر کے باقی ترکہ میں وراثت جاری رہے گی۔ چوتھا حصہ عورت کو ملے گا، باقی حقیقی بھانجے کا۔ اور اگر اولاد ہو گئی تو آٹھواں حصہ عورت کا اور باقی اولاد کا۔ چونکہ مسجد وغیرہ کی وصیت میں دو احتمال ہیں اس لئے وصیت کنندہ سے دریافت کرنا چاہیئے۔ کہ اس کی نیت معلق کرنے کی تھی یا نہیں۔ جیسا وہ بیان دے اس کے مطابق عمل کرنا چاہیئے اور اگر مر چکا ہو تو پھر محتمل وصیت مشکوک ہے، مشکوک وصیت کے ساتھ وارثوں کی حق تلفی نہیں ہو سکتی۔ ان کو وراثت کا حق پورا ملنا چاہیئے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی حال لاہور، جمادی الثانی ۱۳۸۳ھ

مرضِ موت میں پوتے کو بیٹے کے قائم مقام کرنا وصیت ہے یا نہیں؟

سوال زید کے دو بیٹے بکر اور عمرو ہیں اور تین بیٹیاں زینب، کلثوم، فاطمہ ہیں زید کے عین حیات میں بکر، خالد نامی ایک لڑکا چھوڑ کر انتقال کر گیا۔ اب زید نے دیکھا کہ اس کا پوتا خالد اس کی میراث سے محروم ہو جاتا ہے اس لئے زید نے اپنی مرضِ موت میں یہ وصیت کی، کہ میں خالد کو اس کے باپ کی جگہ رکھتا ہوں۔ یعنی جو حصہ خالد کے باپ کی زندگی میں اس کو ملنا تھا۔ وہی حصہ میرے بعد خالد کو ملے گا۔ میرے انتقال کے بعد جتنا حصہ میرے لڑکے عمرو کو ملے گا۔ اسی قدر میرے پوتے خالد کو بھی ملے گا۔

اس وصیت میں عبداللہ اور عبدالرحمن میں تنازع واقع ہوا۔ عبداللہ کہتا ہے کہ یہ وصیت صحیح نہیں ہوتی، اس لئے کہ غیر وارث کو وارث قرار دینا شارع کا کام ہے اس کے سوا اور کسی کو اس بات میں کچھ دخل نہیں ہے۔ خواہ وہ توریث بالوصیت ہو یا بلا وصیت ہو ہاں اگر زید اپنے پوتے خالد کو بالتعیین کچھ نقد یا کچھ جائیداد وصیت کرنا چاہے تو جائز ہے لیکن ثلث سے زائد نہ ہو اور عبدالرحمن کا قول ہے کہ زید اپنی میراث سے ثلث تک

وصیّت کرسکتا ہے جس طرح وہ چاہے ۔حاصل کلام یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی میراث میں محروم عن الارث کو دیگر وارث کے برابر یا دو گونہ یا سہ گونہ یا نصف یا ربع حصص کی وصیّت کرسکتا ہے یا نہیں ؟ جواب مدلل ہونا چاہیئے

فقط والسّلام ، ابوالقاسم محمد حسین رحمانی مرشد آبادی خریداری ۱۱۵۹

جواب ، قرآن مجید میں ہے ۔

فَمَنْ خَافَ مِن مُّوصٍ جَنَفًا أَوْ إِثْمًا فَأَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (پ ۲ ع ۶)

ترجمہ :- جو شخص وصیت کرنے والے کی غلطی یا گناہ سے ڈر کر فریقین میں صلح کرادے اُس پر کوئی گناہ نہیں بیشک خدا غفور رحیم ہے ۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جب وصیت صحیح طریق پر نہ ہو توکسی شخص کے درمیان پڑ کر مصالحت کرادینے کا حق حاصل ہے ۔

اس میں شبہ نہیں کہ مرنے والے کا مقصد یہ ہے کہ اس کے پوتے خالد کو کچھ ملے اور اس میں شبہ نہیں کہ مرنے والے کو شریعت کی طرف سے تہائی تک دینے کا اختیار ہے ،مگر جو صورت اس نے اختیار کی ہے کہ میں خالد کو اس کے باپ کی جگہ رکھتا ہوں ،جس سے اس کا مقصد یہ ہے کہ جتنا حصّہ اس کے باپ کا ہے اتنا حصّہ اس کو ملے ۔ یہ تو خالد اس کا حقدار نہیں بلکہ اس کا حصّہ تہائی ہے ۔

پس اب دیکھنا چاہیئے کہ خالد کے باپ کو ترکہ کی تہائی حصّہ آتا ہے کم وبیش اگر تہائی یا تہائی سے زائد آتا ہے تو صرف تہائی دے دیا جائے زائد نہ دیا جائے ۔

رہا عبداللہ کا یہ کہنا کہ غیر وارث کو وارث قرار دینا شارع کا کام ہے اس کے سوا کسی کو کچھ دخل نہیں اس کلام سے اگر عبداللہ کا یہ منشا ہے کہ خالد کو بالکل محروم کر دیا جائے ، نہ اس کو تہائی مل سکتی ہے نہ کم ،تو یہ منشا آیت مذکورہ کے خلاف ہے کیونکہ آیتِ مذکورہ اس بات کو چاہتی ہے کہ اگر وصیت غیر صحیح طریق پر ہو تو اس کو صحیح طریق پر لانے کا حق حاصل ہے جس کا بیان ہم اوپر کر دیا ہے کہ خالد کے باپ کو اگر تہائی یا تہائی سے کم حصّہ آتا ہے تو خالد کو یہ دے دیا جائے اگر زائد آتا ہے تو صرف تہائی دیدی جائے زائد نہ دیا جائے ۔

اور اگر عبداللہ کا منشا مذکورہ بالا کلام سے خالد کو بالکلیہ محروم کرنے کا نہیں بلکہ منشا یہ ہے کہ خالد کے باپ کی تین حالتیں ہیں (۱) یہ کہ اس کا حصّہ ترکہ میت سے تہائی ہو (۲) یہ کہ تہائی سے کم ہو (۳) یہ کہ تہائی سے زائد ہو پہلی دو حالتوں میں اپنے باپ کے قائم مقام ہوسکتا ہے ،یعنی تہائی یا تہائی سے کم حصّہ لے سکتا ہے ،تیسری حالت میں باپ

کے قائم مقام نہیں ہوسکتا ہے بلکہ اس حالت میں صرف تہائی کا حقدار ہے تو عبداللہ کا یہ منشاء آیت مذکورہ کے بالکل موافق ہے اس کے مطابق عملدرآمد ہونا چاہیئے۔ چنانچہ اوپر بیان ہوچکا ہے۔

عبداللہ امرتسری مدیر تنظیم روپڑ ۲۹ ذیقعدہ ۱۳۵۸ھ مطابق ۱۰ جنوری ۱۹۴۰ء

مورث کی امانت پر وارث قبضہ کرلیں تو ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا کیا اس کی زندگی میں وراثت جاری ہوسکتی ہے۔

سوال۔ زید کے والدین نے اپنی حیات میں کچھ روپیہ۔ زیور اپنی دو لڑکیوں کو دے دیا۔ بلکہ ایک لڑکی نے اپنی دو عدد ڈنڈیاں طلائی ۲ تولہ وزنی جو کہ اسے رکھنے کو دیں۔ قبضہ کرلیا واپس نہیں دیں اور بھی جو کچھ ملا رکھ لیا۔ دوسری لڑکی نے کچھ رقم دوصد یا زیادہ جو کہ اس کے پاس امانت رکھی ضبط کرلی واپس نہیں دی۔ اب زید ہر دو لڑکیوں کے والدین فوت ہوگئے۔ وہ اپنے بعد ۱۶ بیگہ خام اراضی چھوڑ گئے جس کو وہ اپنی حیات میں رہن کر گئے۔ اراضی ابھی تک رہن ہے زید نے اس کو واپس نہیں لیا۔ نیز وہ اپنی جدی جائیداد کا ایک مکان چھوڑ گئے۔ لیکن زید نے اپنی کمائی سے ایک مکان خریدا۔ اور کچھ اور مکان بنوایا۔ اب زید کے تین لڑکے اور پانچ لڑکیاں ہیں زید کی بیوی کہتی ہے کہ مجھ کو ایک مکان میرے مہر میں دو۔ جو کہ دو ہزار کا مہر ہے۔ زید نے بڑے لڑکے کو پڑھایا۔ اور اس کی شادی میں اس کی بیوی کو ۶۰۰ یا ۷۰۰ کا زیور ڈالا اور پارچہ جات بھی۔ ایک لڑکی کی شادی کی اور اس کو زیور تقریباً ۲۰۰ روپے کا ڈالا اور تقریباً پارچہ جات وبرتن وغیرہ جہیز میں دیے جو ۲۰۰ روپے کی مالیت کے ہوں گے۔ اب ایک لڑکا ۱۸ سالہ ہے جو کہ پڑھتا ہے اور ایک چھوٹا پانچ سالہ اور تین لڑکیاں ہیں ایک اور لڑکی کی شادی کی جس کو جہیز میں زیور و برتن و پارچہ جات دیئے جو تین صد روپیہ کی مالیت ہوں گے۔

زید دریافت کرتا ہے کہ زمین کی نسبت تقسیم کے متعلق کیا کرے اور تینوں مکانوں میں بیوی۔ لڑکے و لڑکیوں کی بابت کس طرح سے حصہ تقسیم کرے۔ قرآن وحدیث کے مطابق فتویٰ صادر فرمایا جائے کہ وہ بیوی کو مہر میں کیا دے اور حصہ کیا دے۔ اور لڑکے لڑکیوں و بہنوں کو کیا دے۔ ہر بات کا خیال فرماکر جواب باصواب سے مشکور فرمایا جائے تاکہ اللہ کے ہاں سے سرخروئی حاصل ہو۔ اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کو جزا خیر دے اور ثواب عظیم عطا کرے۔ آمین

مرسلہ آپ کا خادم حبیب الرحمٰن روپڑ معرفت بابو حبیب اللہ ۲۸/۱/۴

جواب ۔ زید کے والدین نے اگر زید کو کچھ نہیں دیا اور اس کی ہمشیرگان نے امانتوں پر قبضہ کر لیا ہے تو امانتیں اور زمین مذکورہ اور ان کے علاوہ جو کہ والدین کا ترکہ ہو۔ اس تمام کے ۴ حصے کیے جائیں۔ ایک ایک زید کی ہمشیرگان کا ہے اور دو زید کے۔ مگر یہ چار حصے والدین کا قرض اتارنے کے بعد ہوں گے۔ جس میں گروی زمین والا قرض بھی داخل ہے اس زمین کی قیمت لگائی جائے اور اس کے علاوہ جو کچھ والدین نے چھوڑا ہے اس کی بھی قیمت لگائی جائے۔ اور دونوں قیمتوں سے قرض کا اندازہ الگ کر کے باقی کے چار حصے بنائے جائیں پھر دیکھا جائے کہ لڑکیوں نے جس چیز پر ناجائز قبضہ کیا ہے وہ اس کے حصوں کے برابر ہے یا کم وبیش ہے۔ اگر برابر ہے تو زید اپنے دو حصے لیلے اور لڑکیوں کے حصوں کو پھر چار پر تقسیم کر کے ایک ایک لڑکیوں کو دے دے اور دو خود زید لیلے۔ اور اگر کم ہے تو زید یہ کمی ان کے دو حصوں سے ان کو پوری کر دے۔ اور باقی کے چار حصے کر کے بدستور بانٹ دے۔ اور اگر زیادہ ہے تو زید ان کے دو حصوں سے اپنا حق پورا کرے۔ یعنی جتنا ان دونوں نے لیا ہے اتنا یہ اکیلا لیلے۔ اور باقی کے بدستور چار حصے کر دے۔ لڑکیوں نے جس چیز پر ناجائز قبضہ کیا ہے اگر وہ بھی کم وبیش ہو تو جس لڑکی کے پاس کم ہے اس کی کمی بھی ان کے دو حصوں سے اسی طرح پوری کر دی جائے۔ یہ تو زید کے والدین کی جائداد کا فیصلہ ہے۔ رہی زید کی اپنی جائداد سو اس میں وراثت ابھی تک جاری نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ وراثت مرنے کے بعد ہوتی ہے۔ ہاں بیوی کو جو کچھ مہر دینا ہے، وہ جس طرح بیوی رضامند ہو اس طرح ادا کر دے۔ خواہ نقدی کی صورت میں یا مکان وغیرہ کی صورت میں۔ باقی اس کی اپنی جائیداد ہے جس طرح چاہے تصرف کرے۔ صرف اتنی بات ہے کہ اولاد کو دینے میں انصاف کرے اس کی تفصیل مطلوب ہو تو اخبار تنظیم جلد نمبر ۶ کا نمبر ۲۸ ملاحظہ ہو۔ عبداللہ امرتسری مدیر تنظیم روپڑ

وراثت میں حیلہ سازی

سوال ۔ یتیمہ لڑکی کے ولی زید کو اس ڈر سے یتیمہ کا نکاح نہیں کرتا۔ کہ کہیں جائیداد سے حصہ نہ دینا آجائے اگر رشتہ طلب کرنے والا یہ کہے کہ اس حصہ کے برابر فرضی طور پر میں دے دیتا ہوں۔ بعد نکاح ہمیں واپس آجائے۔ تو کیا ایسی حیلہ سازی درست ہے؟

جواب ۔ اس طریق سے لڑکی کا حق ادا نہیں ہوتا نہ زید امین بری ہوتا ہے۔ البتہ لڑکی کی شے جب لڑکی کے حوالے کی جائے۔ پھر وہ خوشی سے چھوڑ دے۔ تو اس طرح سے زید بری ہو سکتا ہے۔ ہاں اگر اس حیلہ سازی سے نکاح ہو گیا ہے تو نکاح صحیح ہے اور جو کچھ زید کو دیا ہے وہ مہر میں شامل ہے کیونکہ حدیث میں ہے۔ ایما امرأۃ

نَكَحَتْ عَلٰى صَدَاقٍ أَوْ حِبَاءٍ أَوْ عِدَةٍ قَبْلَ عِصْمَةِ النِّكَاحِ فَهُوَ لَهَا وَمَا كَانَ بَعْدَ عِصْمَةِ النِّكَاحِ فَهُوَ لِمَنْ أُعْطَاهُ وَأَحَقُّ مَا اُكْرِمَ الرَّجُلُ عَلَيْهِ اِبْنَتُهٗ اَوْ اُخْتُهٗ رواہ احمد والا ربعۃ الا الترمذی بلوغ المرام صـ۸

ترجمہ:۔ جونسی عورت مہر پر یا عطیہ یا وعدہ پر نکاح کرے عقد نکاح سے پہلے جو کچھ ہے اُس کا ہے اور عقد نکاح کے بعد جو کچھ ہے وہ اس کا ہے جس کو دیا جائے اور بہت حقدار شے جس پر انسان کی عزت ہو اس کی بیٹی ہے یا بہن ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ احمد دین نے جو کچھ دیا ہے یا وعدہ کیا ہے وہ چونکہ عقد نکاح سے پہلے ہے اس لئے وہ عورت کا ہے اس میں نہ احمد دین کا حق ہے نہ زید کا۔ فقط عبداللہ امرتسری روپڑ

نکاح کا بیان

خطبہ منگنی

منگنی وعدہ ہے یا نکاح

سوال: عرصہ بارہ سال کا ہوا کہ زید نے بکر کو کہا کہ آپ اپنی لڑکی کا رشتہ میرے لڑکے سے کر دیں۔ بکر نے جواباً کہا کہ جاؤ میں نے اپنی لڑکی تم کو دیدی، چنانچہ رواج کے مطابق زید کا منہ میٹھا کر دیا۔ کچھ عرصہ کے بعد زید نے بکر کی لڑکی کو زیورات و پارچات پہنا دیئے، جس کو منگنی کہتے ہیں اب زید نے بکر کو کہا کہ نکاح کی تاریخ مقرر کر دیں جواباً بکر نے کہا کہ میں اپنی لڑکی کا رشتہ تمہیں نہیں دیتا کسی اور جگہ کروں گا۔ اپنے کپڑے اور زیور واپس لے لو، چنانچہ اس پر زید نے مولوی صاحب سے فتویٰ لیا۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ چونکہ لڑکے والا لڑکی والے کے پاس بطریق سائل گیا، اور اس نے کہا کہ جاؤ میں نے تم کو لڑکی دیدی، پس نکاح ہو گیا اب وہ دوسری جگہ لڑکی کا نکاح نہیں کر سکتا لیکن مہر کا سوال باقی ہے سو اس کا فیصلہ یہ ہے کہ مہر مثل ہو گا۔ اس فتویٰ پر اختلاف پیدا ہو گیا۔ ایک فریق تو یہ کہتا ہے کہ ابھی نکاح نہیں ہوا، صرف منگنی ہوئی ہے ایسی صورت میں لڑکی والے کو اختیار ہے چاہے کچھ کرے۔ دوسرا فریق یہ کہتا ہے کہ جب لڑکی والے نے اقرار کر لیا تھا۔ اور یہ کہہ دیا تھا۔ کہ میں نے اپنی لڑکی تم کو دیدی تو لڑکی والا دوسری جگہ نکاح نہیں کر سکتا، شریعت کی رو سے بتائیں کہ صورتِ مذکورہ بالا میں نکاح ہو گیا یا نہیں؟ اگر ہو گیا تو دوبارہ لڑکی

اور لڑکے کو ایجاب و قبول کرانے کی ضرورت ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو لڑکی والے کو دوسری جگہ وعدہ کے خلاف نکاح کر دینے کا اختیار ہے یا نہیں؟ محمد اکرم خان ناظر اسسٹنٹ سیکرٹری انجمن اہلحدیث پٹیالہ سڑک توپخانہ پٹیالہ

جواب :- اس سوال میں تنقیح طلب امر یہ ہے کہ آج کل کی مروجہ منگنی شرعاً نکاح ہے یا وعدہ۔ اگر نکاح ہو تو دوبارہ نکاح کی ضرورت نہیں، بلکہ جس کے ساتھ منگنی ہوئی ہے اس کی بیوی ہو چکی اب دوسری جگہ اس کا نکاح نہیں ہو سکتا۔ اگر وعدہ ہو تو اگرچہ وعدہ پورا کرنا ضروری ہے اور وعدہ خلافی نفاق کی علامت ہے لیکن اگر کوئی وعدہ خلافی کر کے لڑکی کا نکاح دوسری جگہ کر دے تو نکاح ہو جائے گا کیونکہ جس کے ساتھ منگنی ہوتی ہے وہ ابھی تک اس لڑکی کا خاوند نہیں بنا۔ قرآن مجید میں ہے۔

یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّا اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِیْۤ اٰتَیْتَ اُجُوْرَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ یَمِیْنُكَ مِمَّاۤ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَیْكَ وَبَنٰتِ عَمِّكَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَبَنٰتِ خَالِكَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِكَ الّٰتِیْ هَاجَرْنَ مَعَكَ وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِیِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِیُّ اَنْ یَّسْتَنْكِحَهَا خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ۔ یعنی اے نبی ہم نے تیری بیویاں تیرے لئے حلال کر دیں، جن کو تو نے مہر دیئے اور قیمت سے جس لونڈی کا تو مالک ہو جائے وہ بھی تیرے لئے حلال ہے اور تیری چچازاد اور پھوپھی زاد، ماموں زاد، خالہ زاد جنہوں نے تیرے ساتھ ہجرت کی یہ سب تیرے لئے حلال ہیں اور جو مومنہ اپنے نفس کو نبی کے لئے ہبہ کر دے وہ بھی نبی کے لئے حلال ہے اگر نبی کا ارادہ اس سے نکاح کا ہو اے نبی یہ خاص تیرے لئے ہے اس آیت میں ہبہ کا الگ ذکر ہے اور نکاح کا الگ۔ اس سے معلوم ہوا کہ صرف اتنا کہہ دینا کہ میں نے اپنی لڑکی دے دی یا میں راضی ہوں، اس سے نکاح نہیں ہوتا جب تک کہ نکاح کا ارادہ نہ ہو۔

الرحمۃ المھداۃ فصل رابع مشکوٰۃ میں ہے عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو کہا گیا تو راضی ہے کہ میں فلاں عورت سے تیرا نکاح کر دوں کہا ہاں راضی ہوں اور عورت کو کہا گیا کہ تو راضی ہے کہ میں فلاں مرد سے تیرا نکاح کر دوں عورت نے کہا ہاں میں راضی ہوں پھر ایک کا دوسرے سے نکاح کر دیا۔ اور یہ شخص حدیبیہ میں حاضر ہوا تھا اس کا حصہ خیبر میں تھا۔ فوت ہوتے وقت اس نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا نکاح فلاں عورت سے کر دیا تھا۔ میں نے نہ اس کا مہر مقرر کیا نہ اس کو کچھ دیا، تم گواہ رہو میں نے اپنا خیبر کا حصہ اس کو مہر میں دیدیا۔ پس عورت نے وہ حصہ لے کر ایک ہزار میں فروخت کر دیا۔ ابوداؤد نے اس کو روایت کیا ہے۔

مسند احمد میں ہے حضرت انسؓ فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جلیبیبؓ کے لئے انصار کی ایک عورت کا اس کے باپ سے رشتہ مانگا، باپ نے کہا میں لڑکی کی ماں سے مشورہ کر لوں آپؐ نے فرمایا بہت اچھا،

لڑکی کی ماں کے پاس جاکر ذکر کیا۔ تو اس نے کہا خدا کی قسم یہ نہ ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو (ہمارے لئے) جلیبیبؓ کے سوا اور کوئی نہ ملا۔ ہم نے فلاں فلاں کو جواب دے دیا۔ (جلیبیبؓ کیا ہے) انسؓ کہتے ہیں لڑکی یہ سارا قصہ اپنے پردے میں سُن رہی تھی۔ جب لڑکی کا باپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس معاملہ کی خبر دینے کے لئے جانے لگا۔ تو لڑکی نے کہا کیا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات رڈ کرنا چاہتے ہو۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جلیبیبؓ کو تمہارے لئے پسند کیا ہے تو نکاح کر دو۔ گویا اس بارے میں لڑکی ماں باپ سے بڑھ گئی۔ ماں باپ نے کہا تو سچی ہے۔ لڑکی کا باپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور کہا کہ اگر آپ جلیبیبؓ کو پسند فرماتے ہیں تو ہم بھی راضی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں نے اس کو پسند کیا۔ انسؓ کہتے ہیں پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جلیبیب سے اس لڑکی کا نکاح کر دیا۔

نیز مسند احمد میں ہے کہ ابو برزہ اسلمی کہتے ہیں۔ جلیبیب نام ایک شخص عورتوں پر داخل ہوتا۔ ان سے ملتا اور خوش طبعی کرتا۔ میں نے اپنی بیوی سے کہا کہ جلیبیب کو گھر نہ آنے دینا۔ ورنہ میں بُری طرح پیش آؤں گا۔ اور انصار کی عادت تھی کہ جب کسی کے ہاں قابلِ شادی لڑکی ہوتی۔ تو نکاح نہ کرتے جب تک یہ نہ معلوم ہوتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی حاجت ہے۔ یا نہیں ایک شخص انصاری کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مجھے اپنی لڑکی کا نکاح کر دے۔ کہا یا رسولؐ اللہ مجھے خوشی سے منظور ہے یہ میرے لئے عزت کا باعث اور آنکھوں کا آرام ہے فرمایا میں اپنے لئے نہیں چاہتا۔ اس شخص نے کہا اور کس کیلئے؟ فرمایا۔ جلیبیب کے لئے۔ کہا میں لڑکی کی ماں سے مشورہ کرلوں۔ لڑکی کی ماں کے پاس آکر کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تیری لڑکی کا رشتہ مانگتے ہیں۔ لڑکی کی ماں نے کہا منظور ہے۔ آنکھوں کی ٹھنڈک ہے باپ نے کہا اپنے لئے نہیں چاہتے بلکہ جلیبیبؓ کے لئے چاہتے ہیں۔ کہا جلیبیب کے لئے؟ خدا کی پناہ کیا وہ رشتہ جلیبیب کے لئے ہے؟ خدا کی قسم ہم جلیبیب کو کبھی نکاح نہیں دے سکتے۔ لڑکی کا باپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانے لگا۔ تاکہ آپؐ کو لڑکی کی والدہ کی ناراضگی کی خبر دے۔ لڑکی نے کہا میرا رشتہ تم سے کس شخص نے مانگا ہے لڑکی کی ماں نے بتایا تو کہا کیا تم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو رد کرنا چاہتے ہو؟ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے کر دو۔ وہ مجھے ضائع نہیں کریں گے۔ لڑکی کے والد نے جاکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا میں نے لڑکی آپ کے حوالے کر دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نکاح جلیبیب سے کر دیا۔ پھر کوئی جنگ کا موقع ہو گیا جب خدا نے آپ کو فتح دی تو صحابہؓ کو کہا گیا۔ کیا تم اپنا کوئی آدمی گم پاتے ہو؟ صحابہؓ نے کہا نہیں۔ فرمایا میں جلیبیب کو گم پاتا ہوں (کفار) کے مُردوں میں تلاش کرو۔ تلاش کیا تو (دیکھا) سات آدمیوں کے کنارہ میں مرا پڑا ہے۔ اس نے

ان کو قتل کیا۔ اور انہوں نے اُس کو۔ صحابہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع دی تو آپ خود اس کی نعش کے پاس آئے اور اس کے پاس کھڑے ہو کر فرمایا۔ (تعجباً) اس نے بڑی بہادری کی ہے سات کو مار کر مرا ہے یہ مجھ سے ہے اور میں اُس سے ہوں۔ تین مرتبہ یا چار مرتبہ فرمایا۔ پھر اپنی کلائی مبارک پر اُس کو اٹھایا۔ اُس کی چارپائی کی طرف اُس کی کلائی تھی اور خود ہی آپ نے اُس کی قبر تیار کی پھر قبر میں اتارا۔ راوی نے جنازے کا ذکر نہیں کیا۔ انصار میں یہ عورت (جس نے جلیبیبؓ سے نکاح کیا) سب سے زیادہ شہرت والی تھی۔ اور اسحاق بن عبداللہ بن ابی طلحہ نے اس کو حدیث سنائی کہ تمہیں معلوم ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کے وقت جلیبیبؓ اور اس کی بیوی کے لئے دعا کی فرمایا یا اللہ ان پر اپنی رحمت بہا اور ان کی گزران ایسی ایسی فراخ کر دے۔"

ان حدیثوں سے پہلی حدیث میں فریقین نے بصیغۂ ماضی رضامندی نکاح کا اظہار کیا ہے جس کا مطلب دوسرے لفظوں میں یہ ہے کہ میں نے خود کو آپ کے حوالہ کر دیا۔ اس کے بعد نکاح پڑھا گیا اور دوسری حدیث میں بھی لڑکی کے باپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو (جو جلیبیبؓ کی طرف سے کار مختار تھے) صاف کہ دیا کہ اگر آپ جلیبیبؓ کو ہماری لڑکی کے لئے پسند کرتے ہیں تو ہم بھی پسند کرتے ہیں،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بصیغۂ ماضی فرمایا، میں نے پسند کیا۔ لیکن اس کو نکاح نہیں سمجھا گیا۔ بلکہ نکاح بعد ہوا اور تیسری حدیث میں تو لڑکی کے باپ نے وہی لفظ استعمال کیا ہے۔ جو سوال میں مذکور ہے۔ یعنی میں نے اپنی لڑکی آپ کے حوالے کر دی۔ مگر اس کو نکاح نہیں سمجھا گیا۔ بلکہ نکاح اس کے بعد پڑھا گیا۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ فریقین کی رضامندی نکاح نہیں۔ بلکہ وعدہ ہے نکاح الگ شے ہے۔

تیسری حدیث میں ایک اور عجیب بات ہے وہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑکی کے والد کو فرمایا کہ مجھے اپنی لڑکی نکاح کر دے اس نے کہا مجھے خوشی سے منظور ہے۔ گویا نکاح کے لفظوں سے منگنی ہو رہی ہے اس سے معلوم ہوا کہ منگنی میں نکاح کا لفظ بول دے تو بھی منگنی ہوگی نکاح نہیں ہوگا۔ تو پھر سوال کی صورت میں منگنی کو نکاح کس طرح سمجھا جا سکتا ہے۔ سوال کی صورت میں تو نکاح کا لفظ نہیں،

پس ثابت ہوا کہ جب منگنی کی نیت ہوگی تو منگنی ہی رہے گی خواہ الفاظ کچھ بولے۔

عبداللہ امرتسری از روپڑ ضلع انبالہ مورخہ ۲۱ ذی الحجہ ۱۳۵۳ھ مطابق ۲۷ مارچ ۱۹۳۵ء

لڑکی والوں کا برات کو کھانا کھلانا ولیمہ میں داخل ہے؟

سوال ۔ بارات کو جو کھانا لڑکی والوں کی طرف سے دیا جاتا ہے، وہ ولیمہ میں داخل ہے یا نہیں۔ اگر نہیں تو اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟ مواہب لدنیہ میں ہے کہ جب نجاشی نے مہر کے دینار حضرت خالد بن سعید کے سپرد کیے اور حضرت خالدؓ نے قبضہ کر لیا۔ تو سب نے اٹھنے کا ارادہ کیا تو نجاشی نے کہا اِجْلِسُوا فَاِنَّ سُنَّةَ الْاَنْبِيَاءِ اِذَا تَزَوَّجُوا اَنْ يُؤْكَلَ طَعَامٌ عَلَى التَّزْوِيْجِ فَدَعَا بِطَعَامٍ فَاَكَلُوا ثُمَّ تَفَرَّقُوْا۔ بیٹھو پس انبیاء کی سنت ہے کہ جب نکاح کریں۔ نکاح پر کھانا کھایا جاتا۔ پھر کھانا لایا پس انہوں نے کھانا کھایا اور چلے گئے نیز ابن حجر عسقلانی اصابہ میں لکھتے ہیں کہ ابن سعد نے اسمٰعیل بن عمرو بن سعید الاموی کے واسطے سے ام المومنین ام حبیبہؓ کے عقد کا قصہ نقل کیا ہے اس میں ہے کہ نجاشی رح نے صحابہ رضؓ کے لئے کھانا تیار کیا اور صحابہ رضؓ نے کھایا۔

جواب ۔ اصابہ میں ابن سعد کے حوالہ سے جو روایت ذکر کی ہے اس میں اسماعیل بن عمر واموی ہے جو طبقہ رابعہ کا ہے۔ اور ام حبیبہؓ صحیح قول پر ۴۴ھ میں فوت ہوئی ہیں، پس یہ روایت منقطع ہوئی جو ضعیف کی قسم ہے اور مواہب لدنیہ کی روایت کی کوئی سند ہی معلوم نہیں پس اس کی بناء پر برات کا کھانا لڑکی والوں کی طرف سے سُنت ثابت نہیں ہوتا۔ اس کے علاوہ اسی روایت میں جو اصابہ میں ابن سعد کے حوالہ سے ذکر کی ہے، یہ مذکور ہے کہ مہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے چار سو دینار نجاشی نے ادا کیا، اور مشکوٰۃ باب الصداق میں بھی ہے۔ کہ مہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے نجاشی نے ادا کیا۔ جب مہر نجاشی نے ادا کیا تو نجاشی لڑکے والا ہوا یا لڑکی والا؟ پس یہ کھانا لڑکے کی طرف سے ولیمہ ہوا، اور یہ ولیمہ بہت علماء کے نزدیک عقد کے وقت درست ہے۔ اور کئی کہتے ہیں اس کا وقت فراخ ہے خواہ عقد کے وقت کرے یا عقد کے بعد کرے یا دخول کے بعد کرے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زینبؓ پر دخول کے بعد کیا تھا۔ اور اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امِ حبیبہؓ پر ولیمہ کرنا ثابت نہیں۔ گویا نجاشی کا کھانا کھلانا کافی سمجھ لیا۔ جیسے مہر کا ادا کرنا کافی سمجھ لیا۔ نیل الاوطار جلد ۶ صـ۹۳ میں ہے کہ حافظ ابن حجر رح فتح الباری میں فرماتے ہیں۔ ولیمہ کے وقت میں اختلاف ہے کیا وہ عقد کے وقت ہے یا عقد کے بعد ہے یا دخول کے وقت ہے یا ابتداء عقد سے دخول تک اس میں فراخی ہے نووی رح نے کہا ہے کہ علماء نے اس میں اختلاف کیا ہے قاضی عیاضؒ نے حکایت کی ہے کہ زیادہ صحیح مالکیہ کے نزدیک یہ ہے کہ بعد دخول مستحب ہے، اور ایک جماعت سے عقد کے نزدیک روایت ہے اور ابن جندب سے روایت ہے کہ عقد کے وقت ہے اور دخول کے بعد بھی ہے یعنی اس میں فراخی ہے، سبکی رح نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل دخول کے بعد منقول ہے، اور بخاری وغیرہ میں انسؓ کی حدیث میں تصریح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ وسلم نے زینب رضؓ کے ساتھ شادی میں صبح کی پس

قوم کو دعوت دی اس عبارت میں علامہ شوکانی رح نے ولیمہ کے وقت میں اختلاف بتایا ہے اور ایک قول یہ بھی
نقل کیا ہے کہ اس وقت فراخ ہے خواہ عقد کے وقت کرے یا دخول کے وقت کرے اور اس کی سند یہی معلوم
ہوتی ہے۔ کہ ام حبیبہ رض کے عقد کے وقت ہوا اور اس روایت میں جو اصابہ میں ابن سعد کے حوالہ سے ذکر کی ہے
یہ بھی ہے کہ ام حبیبہ رض نے وکیل یعنی ولی خالد بن سعید بن عاص کو بنایا۔ اور نجاشی نے مہر انہی کے سپرد کیا اس سے
بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ نجاشی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ولی تھے اور نجاشی کا کھانا کھلانا
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے تھا۔ اور اگر بالفرض ام حبیبہ رض کی طرف سے بھی نجاشی رض ولی ہوں تو بھی
کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ ایک شخص دونوں طرف سے بھی ولی ہو سکتا ہے تو جیسے مہر نجاشی رض نے دیا ولیمہ بھی کر دیا پس
جب اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ولیمہ ہونے کا احتمال ہے تو اس کو لڑکی والوں کی طرف سے
کھانے کی دلیل بنانا درست نہیں۔ اور اسد الغابہ سے جو حبشہ میں عثمان بن عفان رض کے عقد اور ولیمہ کرنے کی روایت
ذکر کی گئی ہے اس میں بھی کوئی تصریح نہیں کہ وہ ام حبیبہ رض کی طرف سے تھا۔ پس اس کو بھی لڑکی والوں کی طرف
سے کھانے کی دلیل بنانا درست نہیں۔ اس کے علاوہ یہ روایت بالکل غلط ہے کیونکہ ام حبیبہ رض کا نکاح رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ استیعاب جلد ۴ میں لکھا ہے کہ ۶ھ میں ہوا اور اصابہ جلد ۴ میں لکھا ہے کہ ۷ھ
میں ہوا یا ۶ھ میں ہوا۔ اور زاد المعاد جلد اول میں لکھا ہے کہ ۷ھ میں ہوا۔ بلکہ اصابہ میں کہا ہے۔ کہ
۷ھ میں زیادہ مشہور ہے اور عثمان بن عفان اس وقت مدینہ میں تھے ہاں مدینہ میں دوبارہ نکاح ہوا ہو
اور وہیں عثمان بن عفان نے ولیمہ کیا ہو۔ چنانچہ اصابہ میں لکھا ہے تو اس صورت میں عثمان بن عفان کی طرف
نسبت صحیح ہو سکتی ہے۔ مگر اس کو بھی لڑکی والوں کی طرف سے دلیل نہیں بنا سکتے کیونکہ اس میں بھی وہی
احتمال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ولیمہ کرنا ثابت
نہیں پھر دوبارہ نکاح ہونا بہت بعید بات ہے۔ کیونکہ حلال شدہ شے کو پھر حلال کرنا کچھ معنیٰ نہیں رکھتا۔ بہر
صورت ان روایات کو لڑکی والوں کی طرف سے کھانے کی دلیل بنانا بڑی ڈبل غلطی ہے اور مدارج النبوۃ کو
ہم نے دیکھا اس میں بھی ہم کو کوئی روایت لڑکی والوں کی طرف سے کھانے کی نہیں ملی۔ اور مولوی عبد الحی
صاحب نے بھی اپنے فتاویٰ میں کوئی روایت اس مضمون کی ذکر نہیں کی۔ رہا مولوی عبد الحی صاحب کا یہ لکھنا کہ
بارات کے لوگوں کو کھانا کھلانا دلہن والوں کی طرف سے درست ہے۔ سو اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ کوئی مسنون
کھانا ہے۔ بلکہ جب کوئی دور سے کسی کے گھر آتا ہے۔ تو اکثر گھر والے اس کو کھانا دیتے ہیں سو اسی قسم کا برات کا

کھانا ہے نہ یہ کہ دلہا دلہن ایک ہی گاؤں یا شہر کے ہوں اور یہاں سے اٹھ کر وہاں نکاح کے لئے گئے ہوں تو ان کے لئے کھانے کا اہتمام کیا جائے پھر بہت سے لوگوں کو دعوت دی جائے اور کھانے میں شامل کیا جائے یا برات زیادہ بلا کر کھانا کھلایا جائے۔ یہ سب فضول خرچی ہے اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ ہاں لڑکے والوں کی طرف سے حسب حیثیت جو کچھ ہو سنت ہے اس میں بے شک برادری کو بھی شامل کیا جائے غرباء و مساکین بھی بلائے جائیں۔ لڑکی والے ناحق اپنا مال ضائع نہ کریں بلکہ ضرور دینا ہو تو دولہا دلہن کو کوئی شے بنا دیں۔ اگر زیادہ مال ہو تو غرباء کی خدمت کر دیں بغیر حکم شرع کے ایک شے کو اتنی اہمیت دینی مسلمان کی شان نہیں۔

عبداللہ امرتسری از روپڑ۔ ضلع انبالہ

عورت کو نکاح سے پہلے دیکھنا

سوال: اگر زید زینب سے نکاح کرنا چاہے تو زینب کو قبل نکاح دیکھنا چاہے تو شریعت محمدیہ کی رو سے اس کو دیکھنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: جس سے نکاح کرنا ہو اس کو دیکھنا جائز ہے بلکہ مستحسن ہے تاکہ آئندہ کوئی نقص نہ نکالے مسلم شریف جلد اول ص۴۵۶ میں ہے کہ ایک شخص نے کہا حضورؐ! میں نے انصار کی عورت سے نکاح کیا حضور نے فرمایا کہ کیا تو نے پہلے دیکھ لیا؟ اس نے کہا نہیں آپ نے فرمایا۔ اُنْظُرْ اِلَیْھَا فَاِنَّ فِی اَعْیُنِ الْاَنْصَارِ شَیْئًا۔ آپ نے فرمایا جاؤ اس کی طرف دیکھو۔ کیونکہ انصار کی عورتوں کی آنکھ میں کچھ نقص ہوتا ہے یا مطلق انصار کی آنکھ میں نقص ہوتا ہے یہی مذہب ہے امام شافعی رح، امام احمدؒ۔ امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہ رح اور تمام کوفیوںؒ کا اور جمہور علماء کا ہے۔

دولہا کے ہاتھ پاؤں پر مہندی لگانا

سوال: شادی کے وقت جو دولہا اور دلہن کے ہاتھوں کو اور پاؤں پر مہندی لگائی جاتی ہے یہ جائز ہے؟

جواب: مردوں کے لئے ہاتھ پیر میں مہندی لگانا حرام ہے حدیث میں ہے۔

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ اُتِیَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِمُخَنَّثٍ قَدْ خَضَبَ یَدَیْہِ وَرِجْلَیْہِ بِالْحِنَّاءِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا بَالُ ھٰذَا قَالُوْا یَتَشَبَّہُ بِالنِّسَاءِ فَاَمَرَ بِہٖ فَنُفِیَ

اِلَى النَّقِيعِ فَقِيلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلَا نَقْتُلُهٗ فَقَالَ اِنِّيْ نُهِيْتُ عَنْ قَتْلِ الْمُصَلِّيْنَ ۔ (رواہ ابو داؤد) (مشکوٰۃ باب الترجل) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مخنث لایا گیا اس نے ہاتھ پاؤں مہندی سے رنگے ہوئے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو کیا ہوا؟ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ! یہ عورتوں سے مشابہت کرتا ہے، فرمایا اس کو نقیع جگہ کی طرف نکال دو (یعنی شہر سے باہر کر دو) کسی نے کہا یا رسول اللہ اس کو قتل نہ کر دیں؟ فرمایا میں نمازیوں کے قتل سے منع کیا گیا ہوں۔ چونکہ عورتوں کو مہندی لگانے کا حکم ہے اس لئے مردوں کو منع ہے۔

حدیث میں ہے، عن عائشۃ قالت اومئت امرأۃ من وراء ستر بیدھا فقبض النبی صلی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَدَہٗ فَقَالَ مَا اَدْرِیْ اَیَدُ رَجُلٍ اَمْ یَدُ امْرَأَۃٍ قَالَتْ بَلْ یَدُ امْرَأَۃٍ قَالَ لَوْ کُنْتِ امْرَأَۃً لَغَیَّرْتِ اَظْفَارَکِ یَعْنِیْ بِالْحِنَّاءِ (رواہ ابو داؤد النسائی) (مشکوٰۃ باب الترجل) ایک عورت پردہ کے پیچھے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک خط پکڑانے لگی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نہیں جانتا یہ مرد کا ہاتھ ہے یا عورت کا۔ اس نے کہا عورت کا ہاتھ ہے فرمایا اگر عورت ہوتی تو اپنے ناخن مہندی سے رنگ لیتی۔ جو مرد عورتوں سے مشابہت کرے۔ اس پر لعنت آئی ہے عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رض قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَنَ اللّٰهُ الْمُتَشَبِّهِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ بِالنِّسَاءِ وَالْمُتَشَبِّهَاتِ مِنَ النِّسَاءِ بِالرِّجَالِ رواہ البخاری (مشکوٰۃ باب الترجل) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ لعنت کرے ان مردوں پر جو عورتوں کے ساتھ مشابہت کریں اور ان عورتوں پر جو مردوں سے مشابہت کریں۔ —— ایک اور روایت میں ہے اَخْرِجُوْهُمْ مِنْ بُيُوْتِكُمْ رواہ البخاری (مشکوٰۃ باب الترجل) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایسے مردوں کو جو عورتوں سے مشابہت کریں ان کو اپنے گھروں سے نکال دو۔ ایسے لوگوں کا نکاح پورے طور پر شرعی نہیں بلکہ مشتبہ سا ہے کیونکہ اس میں ایسی شے داخل ہو گئی جو شریعت کے خلاف ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

نکاح میں خطبہ کا سُنت ہونا

سوال: نکاح میں خطبہ پڑھنا بدعت ہے یا سُنّت؟

جواب: نکاح میں خطبہ سنّت ہے۔ مشکوٰۃ میں حدیث موجود ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

برأت کی ضیافت

سوال۔ جب لڑکی کی شادی کی جاتی ہے اس وقت برأت آتی ہے کیا اس برأت کی ضیافت کا ذمہ دار لڑکی والا ہے؟ اور برأت منگانی کیسی ہے؟

جواب۔ نجاشی نے امِ حبیبہ رضہ کا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ پڑھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تھے۔ حبشہ سے رخصت کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے پاس بھیج دیں۔ (مشکوٰۃ باب الصداق) اس سے معلوم ہوا، برأت ضروری نہیں لیکن کسی روایت میں منع بھی نہیں اس لئے اگر لڑکے کے ساتھ ضروری آدمی لڑکی کو لینے کے لئے چلے جائیں تو کوئی حرج نہیں مگر اب جو رواج ہو گیا ہے بہت سے آدمی ناموری کے لئے جاتے ہیں۔ اور فضول خرچی کرتے ہیں یہ جائز نہیں اور چونکہ دلہن کے لینے کے لئے جو ضروری آدمی جاتے ہیں وہ مہمان ہوتے ہیں، ان کا کھانا بحیثیت مہمان ہونے اسی کے ذمہ ہے جس کے مہمان ہیں یعنی لڑکی والوں کے مہمان ہیں انہی کے ذمہ ان کا کھانا ہے اس کھانے کو شادی یا نکاح کا کھانا نہ کہنا چاہیئے۔ بلکہ عام مہمان نوازی ہوتی ہے یہ بھی ایک مہمان نوازی ہے ہاں دلہن کو گھر میں لاکر جو کھانا کھلایا جاتا ہے یہ بے شک شادی یا نکاح کا کھانا ہے جسے ولیمہ کہتے ہیں یہ بے شک اس موقع پر سنت ہے حسب طاقت کھلانا چاہیے۔ عبداللہ امرتسری روپڑی

ولی کا بیان

ولی کی ولایت ختم ہونے کی صورت

سوال۔ ایک شخص نے اپنی نابالغہ لڑکی کا کسی شخص کو رشتہ دینا کیا تھا۔ اس کے بعد وہ شخص فوت ہو گیا۔ اب مرحوم کا وارث ایک بھتیجا ہے وہ اس جگہ نکاح کرنے میں ناراض ہے وجہ ناراضگی کی یہ ہے کہ لڑکی کے نکاح کرنے سے چچا کی زمین لڑکی ہی کو ملتی ہے وہ اس وجہ سے نکاح دینے سے ناراض ہے مگر لڑکی نابالغہ اور اس کی والدہ خوش ہیں۔ لڑکی کی عمر تقریباً دس گیارہ سال کی ہے جس جگہ لڑکی کا والد رشتہ کر گیا ہے اس جگہ لڑکی کی بڑی ہمشیرہ بھی شادی شدہ ہے الغرض لڑکی اپنے والد کے رشتہ کر دینے کے سبب خوش ہے اور لڑکی کی والدہ بھی اپنے خاوند کے رشتہ کر دینے کے سبب اس جگہ نکاح کرنے پر خوش ہے لیکن مرحوم کا بھتیجا جو اس

وقت لڑکی کا ولی ہے وہ ناراض ہے اور ناراضگی صرف زمین کے چلے جانے کے باعث ہے ورنہ اور کوئی ناراضگی کی وجہ نہیں ہے نیز بغیر اس مرحوم کے بھتیجے کے قریبی کوئی ولی نہیں اگر ولی بعید ہیں وہ بھی ناراض ہیں پس اب جواب طلب امر یہ ہے کہ ایسا ولی جو محض دنیا کے لالچ کے باعث ناراض ہے۔ شریعتِ محمدی اس کی ولایت توڑ کر کسی دوسرے کو ولی بنا کر نکاح کی اجازت دیتی ہے یا نہیں اگر وہ نکاح غیر ولی کے ذریعے کرے تو جائز ہے یا نہیں؟

ابو العطاء اللہ بخش

جواب ۔ حدیث میں ہے لَا نِکَاحَ اِلَّا بِوَلِیٍّ مُرْشِدٍ فتح الباری ورحمۃ المہداۃ فصل رابع مشکوٰۃ صـ۱۶۲ یعنی ولی مرشد کے بغیر نکاح نہیں۔ جو اپنے لالچ سے نکاح نہیں ہونے دیتا وہ ولی مرشد نہیں، کیونکہ مرشد وہ ہوتا ہے جو لڑکی کا خیر خواہ ہو۔ پس اس کی جگہ کوئی چوہدری یا نمبردار یا کوئی اور صاحب جس کے کچھ اختیارات ہوں وہ بطور خیر خواہی ولی ہو کر نکاح کر دے تو نکاح صحیح ہو جائے گا۔ عبداللہ امرتسری روپڑی

والدہ ولی بن سکتی ہے؟

سوال ۔ اگر نابالغہ کا والد بوقتِ وفات نابالغہ کی والدہ کو ولی بنا دے اور اختیار دے دے کہ جہاں چاہے اس کی والدہ نکاح کر دے تو کیا یہ جائز ہے اور والدہ کا نکاح کر دینا درست ہے

جواب ۔ اگر نابالغہ کا والد وفات کے وقت کل جائیداد کا مالک نابالغہ کی والدہ کو بنا جاتا۔ تو یہ کسی صورت صحیح نہ ہوتا بلکہ اس کی وجہ سے وہ ظالم ٹھہرتا یہاں تک کہ حدیث میں آیا ہے کہ وصیت میں کوتاہی سے سال کی عبادت ضائع ہو جاتی ہے اور خاتمہ خراب ہو کر جہنمی ہو جاتا ہے۔ مشکوٰۃ باب الوصایا ولایت کا حق بھی تو وراثت کی طرح کا ایک تعلق ہے اس کی وصیت وہ بے محل کس طرح کر سکتا ہے یہ عصبات کا حق ہے پہلے باپ ہے یا بیٹا ہے اس میں اختلاف ہے اس کے بعد بھائی پھر چچا وغیرہ۔ خاص کر جب عورت نکاح میں ولی بننے کی اہلیت نہیں رکھتی تو اس کی وصیت کرنا اور ظلم ہے اگر عورت ولی ہو سکتی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوں کیوں فرماتے۔ لَا نِکَاحَ اِلَّا بِوَلِیٍّ یعنی ولی کے بغیر نکاح نہیں بہر صورت سوال میں ولایت چچا کا حق ہے والدہ کا نہیں۔ ہاں حدیث میں والدہ سے مشورہ لینا آیا ہے ولایت اس کا حق نہیں۔

چچا کی اجازت سے والدہ ولی بن سکتی ہے؟

سوال ۔ اگر نابالغہ کے چچا نے نابالغہ کی والدہ کو اجازت دیدی کہ وہ جہاں چاہے نکاح کر دے تو اس صورت میں بھی والدہ کو نکاح کر دینے کی اجازت ہے یا نہیں؟

جواب ۔ چچا نے اگر اجازت دے دی ہو تو پھر نکاح صحیح ہے کیونکہ حدیث میں ولی کے اذن کی شرط ہے خود ولی کا نکاح پڑھانا یا اس کا حاضر ہونا شرط نہیں۔ نہ کسی کا یہ مذہب ہے حنفیہ تو فضولی[1] کا نکاح پڑھایا ہوا بھی جائز قرار دیتے ہیں۔ شرح وقایہ جلد ۲ باب الولی صنہ ۳۔

اور اہلحدیث کا مذہب حدیث ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ اَیُّمَا امْرَأَۃٍ نَکَحَتْ بِغَیْرِ اِذْنِ وَلِیِّھَا فَنِکَاحُھَا بَاطِلٌ الحدیث (مشکوٰۃ باب الولی فی النکاح) یعنی جو عورت ولی کے اذن کے بغیر نکاح پڑھے اس کا نکاح باطل ہے۔

الرحمۃ المھداۃ فصل رابع مشکوٰۃ میں ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا نِکَاحَ اِلَّا بِاِذْنِ وَلِیٍّ مُرْشِدٍ اَوْ سُلْطَانٍ۔ رواہ البیہقی فی المختصر صـ ۱۶۲ یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ولی مرشد یا سلطان کے اذن کے بغیر نکاح نہیں۔ اس قسم کی کئی ایک روایت ہیں۔ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ولی کا اذن کافی ہے اس کا ایجاب وقبول کرانا یا حاضری شرط نہیں۔ عبداللہ امرتسری از روپڑ

دادا کی موجودگی میں ماموں ولی بن سکتا ہے؟

سوال ۔ زید کے انتقال کے بعد دادا کی زندگی میں بغیر مشورہ دادا کے ماموں زید کی لڑکی کا نکاح اپنے لڑکے سے کر دے جب کہ لڑکی نابالغہ ہو۔ دادا اس نکاح پر ناراض ہو۔ لڑکی بالغہ ہوتے ہی اس نکاح سے انکاری ہو گئی ہو اور متواتر دو سال انکار کرتی رہے مگر اس کے بعد جبراً شوہر کے گھر بھیج دیا گیا ہو کیا یہ

---

[1] فضولی اس کو کہتے ہیں جو دوسرے کے لئے کام کرے۔ نہ دوسرے کا ولی ہو جیسے ایک بیگانہ شخص کسی بالغ یا نابالغ کا ویسے ہی نکاح کر دے اور یا اس سے یا اس کے ولی سے اذن نہ لے تو یہ نکاح حنفیہ کے نزدیک بالغ کی یا ولی کی اجازت پر موقوف رہے گا۔ اگر وہ اجازت دے دیں تو درست ہو جائے گا۔

عبداللہ امرتسری

نکاح جائز ہے یا نہیں؟

جواب ۔ صورتِ مسئولہ میں نکاح نہیں ہوا کیونکہ دادا کی موجودگی میں ماموں ولی نہیں ہو سکتا اور حدیث میں ہے لَا نِکَاحَ اِلَّا بِوَلِیٍّ (مشکوٰۃ) یعنی ولی کے بغیر نکاح نہیں ہو سکتا پس لڑکی کو اختیار ہے کہ باجازت ولی جہاں چاہے نکاح کر لے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی حال ماڈل ٹاؤن لاہور

غیر شخص کو ولی بنانا

سوال ۔ ایک عورت بیوہ ہے اور اس کے والدین زندہ ہیں اور وہ ان کی اجازت کے بغیر نکاح کر سکتی ہے؟ یا کہ نہیں؟ اگر اس نے بغیر رضامندی والدین کے کسی دوسرے کو ولی بنا کر نکاح کر لیا۔ تو آیا یہ نکاح شرعاً جائز ہے یا کہ نہیں؟ دیگر بیوہ کو ولی کی ضرورت ہے یا نہیں؟ جواب بدلائل قرآن و حدیث مفصل ارشاد فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

جواب ۔ قرآن مجید میں ہے۔

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ۔ جب عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں تو تم عورتوں کو اپنے خاوندوں کیساتھ نکاح کرنے سے نہ روکو جب آپس میں وہ اچھی طرح سے راضی ہوں۔

ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی جب عدت گزر گئی اور رجوع کا موقع نہ رہا۔ تو پھر دونوں آپس میں راضی ہو گئے لیکن رجوع کا وقت چونکہ گزر چکا تھا۔ اس لئے نکاح کرنا چاہا عورت کا بھائی ولی تھا۔ اُس سے نکاح کی درخواست کی۔ اس نے درخواست منظور نہ کی اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری کہ تم نکاح سے نہ روکو جب وہ آپس میں راضی ہیں۔ تمہارا کیا حرج ہے جب اس پر آیت پڑھی گئی۔ تو اس نے خوشی سے نکاح کر دیا۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ عورت ولی کے بغیر نکاح نہیں کر سکتی۔ اگر ولی کے بغیر نکاح ہو سکتا۔ تو اللہ تعالیٰ یوں فرماتا۔ وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ یعنی ...... جب تم عورتوں کو طلاق دو۔ اور وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں تو ان کو اپنے خاوندوں سے نکاح کا اختیار ہے جب آپس میں راضی ہو جائیں۔

نیز حدیث میں ہے۔ لَا نِکَاحَ اِلَّا بِوَلِیٍّ پر حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں ابن پر یہ اعتراض کیا ہے کہ حضرت

عائشہ رض جو اس حدیث کی روایت کرنے والی ہیں، انہوں نے اس حدیث پر عمل نہیں کیا۔

امام مالک نے روایت کیا ہے۔ اِنَّھَا زَوَّجَتْ بِنْتَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَخِیْھَا وَھُوَ غَائِبٌ فَلَمَّا قَدِمَ قَالَ مِثْلِی یفتات علیہ فی بناتہٖ یعنی حضرت عائشہ رض نے اپنے بھائی عبدالرحمن رض کی لڑکی کا نکاح کر دیا اور عبدالرحمن موجود نہ تھے۔ جب آئے تو کہا کہ کیا مجھ پر میری لڑکی کی بابت سبقت کی جاتی ہے۔ یعنی میرے پوچھے بغیر میری لڑکی کا نکاح کیا جاتا ہے۔ جب حضرت عائشہ رض نے خود عمل نہیں کیا تو معلوم ہوا یہ روایت ٹھیک نہیں۔

یہ اعتراض کرکے حافظ ابن حجر رح خود اس کا جواب دیتے ہیں فرماتے ہیں۔ واجیبُ بِاَنَّہٗ لَمْ یَرِدْ فِی الْخَبَرِ التَّصْرِیْحُ بِاَنَّھَا باشرت العقد فقد یحتمل ان تکون البنت المذکورۃ ثیبًا ودعت الی کفو وابوھا غائب فانتقل الولایۃ الی الولی الابعد والی السلطان وقد صح عن عائشہ رض انھا انکحت رجلا من بنی اخیھا فضربت بینھم بستر ثم تکلمت حتی اذا لم یبق الا العقد امرت رجلا فانکح ثم قالت لیس الی النساء نکاح اخرجہ عبدالرزاق (فتح الباری جز ۲۱ صـ۶۹)

یعنی اس کا جواب یہ ہے کہ امام مالک رح کی روایت میں یہ تصریح نہیں کہ حضرت عائشہ رض نے خود لڑکی کا عقد کیا۔ بلکہ احتمال ہے کہ لڑکی بیوہ ہو اور اس نے اپنی کفو میں نکاح کی خواہش کی ہو۔ باپ چونکہ غائب تھا اور موقعہ ہاتھ سے جانے کا خطرہ تھا۔ اس لئے ولایت (دوسرے) بعید ولی کی طرف نقل ہو گئی۔ کیونکہ حضرت عائشہ رض سے صحیح سند سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنے بھتیجوں میں سے ایک مرد کا نکاح کیا۔ تو پردے میں لڑکی والوں کے ساتھ تمام بات چیت طے کرکے عقد کے لئے دوسرے شخص کو حکم دیا۔ پھر فرمایا۔ کہ نکاح عورتوں کا کام نہیں۔ اس سے صاف معلوم ہوا۔ کہ عبدالرحمن رض کی لڑکی کا نکاح خود حضرت عائشہ رض نے نہیں کیا۔ بلکہ کسی دوسرے ولی نے کیا۔ لیکن حضرت عائشہ رض چونکہ بڑی تھیں اور انہی کی رائے سے سب معاملہ طے ہوا اس لئے نکاح کرنے کی نسبت ان کی طرف کر دی۔ بیہقی رح نے بھی امام مالک رح والی روایت کا یہی مطلب بیان کیا ہے اور اس کی تائید میں عبدالرحمن رح بن قاسم سے ایک روایت ذکر کی ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں۔ عن عبد الرحمٰن بن القاسم قال کُنْتُ عِنْدَ عائِشۃ رض تخطب الیھا المرأۃ من اھلھا فتتشھد فاذا بقیت عقدۃ النکاح قالت لبعض اھلھا زوج فان المرأۃ لا تلی عقد النکاح وفی لفظ فَاِنَّ النِّسَاءَ لا ینکحن (مغنی علی دار قطنی صـ۳۸۴)

عبدالرحمن بن قاسم رح کہتے ہیں، کہ میں حضرت عائشہ رض کے پاس تھا۔ ایک عورت جو حضرت عائشہ رض کے قریبیوں سے تھی۔ حضرت عائشہ رض سے اُس کا رشتہ طلب کیا گیا، حضرت عائشہ رض نے خطبہ پڑھ کر ایک قریبی کو کہا کہ نکاح پڑھ

دے۔ کیونکہ عورت عقد کی ولی نہیں ہوتی اور ایک روایت میں ہے کہ عورتیں نکاح نہیں پڑھتی۔

یہ روایت لکھ کر امام بیہقی رح فرماتے ہیں۔ جب حضرت عائشہ رض کا یہ مذہب ہوا کہ عورت نکاح کی ولی نہیں ہوتی تو وہ عبدالرحمن رض کی لڑکی کا نکاح کس طرح کر سکتی تھیں۔ پس اس سے مراد یہی ہے۔ کہ بات چیت کرنے والی وہی تھیں۔ پس اس سے مراد یہی ہے۔ کہ بات چیت کرنے والی وہی تھیں۔ اور انہی کے صلاح مشورہ سے تو یہ کام ہوا۔ اس لئے نکاح کی نسبت ان کی طرف کی گئی۔ (جیسے قرآن میں ہے فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ الآیہ۔ یعنی ان کو نہ روکو کہ وہ اپنے خاوندوں سے نکاح کریں۔ فافہم)

بعض کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رض نے شاید اس اعتماد پر نکاح کر دیا ہو۔ کہ جو میں کروں۔ عبدالرحمن رض اس کو ناپسند نہیں کر سکتا۔ تو گویا اُس کی اجازت سمجھی اور ولی کی اجازت ہی شرط ہے۔ لیکن اس جواب میں دو شبے ہیں ایک یہ کہ شاید اس محل میں یہ خیالی اجازت شرع میں معتبر ہو یا نہ ہو۔ کیونکہ نکاح کا معاملہ نازک ہے اس میں شرع نے بہت احتیاط برتا ہے دوسرا یہ کہ جب حضرت عائشہ رض کا مذہب یہ ہے کہ عورتیں عقد کی ولی نہیں ہوتیں تو پھر وہ نکاح کس طرح کر سکتی تھیں۔ بعض کہتے ہیں کہ شاید حضرت عائشہ رض نے اس خیال سے نکاح کر دیا ہو۔ کہ یہ نکاح عبدالرحمن رض کے آنے تک معلق رہے گا۔ اگر اس نے اجازت دے دی تو نافذ ہو جائے گا۔ ورنہ نہیں لیکن اس جواب میں بھی یہی شبہ ہے کہ جب عورتیں عقد کی ولی نہیں تو نکاح کا وجود نہ ہوا۔ تو معلق کیا شے ہوگی۔ پس صحیح جواب وہی ہے جو حافظ ابن حجر رح اور امام بیہقی نے دیا ہے کہ نکاح کسی اور ولی نے پڑھا ہے حضرت عائشہ رض کی طرف نسبت محض اس لئے کی ہے کہ وہ بڑی تھیں۔ اور سارا معاملہ ان کے ہاتھ سے طے پایا تھا۔ پس حضرت عائشہ رض نے اپنی روایت لا نکاح الا بولی کے خلاف عمل نہیں کیا۔

اس کے علاوہ حضرت عائشہ رض کے سوا بڑے بڑے صحابہ رض سے یہ روایت اور اس کے ہم معنی اور روایت مروی ہیں جن کی تعداد تیس تک پہنچ گئی ہے۔ ترمذی ص۱۳ میں ابوموسیٰ اشعری رض سے یہ روایت کر کے ذکر کیا ہے۔ وفی الباب عن عائشۃ رض وابن عباس رض وابی ھریرۃ رض وعمران بن حصین رض وانس رض یعنی اس بارے میں حضرت عائشہ رض حضرت ابن عباس رض حضرت ابوہریرہ رض حضرت عمران بن حصین رض اور حضرت انس رض سے روایت ہے، حافظ ابن حجر رح تلخیص الحبیر ص۲۹۵ میں اور امام شوکانی نیل الاوطار جلد ۶ ص ۲۵ میں لکھتے ہیں قال الحاکم وقد صحت الروایۃ فیہ عن ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم عائشۃ رض وام سلمۃ رض وزینب رض بنت جحش قال و فی الباب عن علی وابن عباس ثم سرد تمام ثلثین صحابیا وقد جمع طرقہ الدمیاطی من

المتاخرین۔ یعنی حاکم کہتے ہیں، ازواج مطہرات حضرت عائشہ رضؓ حضرت ام سلمہ رضؓ حضرت زینب بنت جحش رضؓ سے یہ روایت صحیح ہو گئی ہے اور اس بارے میں حضرت علی رضؓ حضرت ابن عباس رضؓ سے بھی روایت ہے یہاں تک کہ تیس صحابہ رضؓ کے نام ذکر کئے۔ اور متاخرین میں سے دمیاطیؒ نے اس کے تمام طرق ذکر کئے ہیں ان روایتوں سے بعض صحیح ہیں۔ بعض ضعیف لیکن سب مل کر مجموعہ صحیح ہیں۔ تو اگر فرضی طور پر مان لیا جائے کہ اگر حضرت عائشہ رضؓ سے یہ روایت صحیح نہ ہو۔ نہ یہ کہ کسی صحابی رضؓ سے بھی صحیح نہ ہو۔ فافہم۔ پھر بڑے بڑے صحابہ رضؓ کا اس پر عمل ہے۔ عبداللہ بن مسعود رضؓ کی بابت فقہ حنفیہ درمختار کے مقدمہ میں لکھا ہے۔ کہ فقہ کا بیج انہوں نے بویا ہے ان کا یہی مذہب ہے۔ کہ ولی کے بغیر نکاح نہیں، اور ان کے علاوہ اور بہت سے اسی کے قائل ہیں۔ نیل الاوطار میں ہے فقد ذھب الی هذا علی و عمر وابن عباس وابن عمر وابن مسعود والبوهریرة و عائشة والحسن البصری و ابن المستیب و ابن شبرمة وابن ابی لیلیٰ والعترة واحمد واسحاق و الشافعی وجمهور اهل العلم فقالو الایصح العقد بدون ولی قال ابن المنذر لایعرف عن احد من الصحابة خلاف ذالك (نیل الاوطار جلد ۶ صـ۲۶) یعنی حضرت علی رضؓ، حضرت عمر رضؓ، حضرت ابن عباس رضؓ، حضرت ابن عمر رضؓ، حضرت ابن مسعود رضؓ، حضرت ابوہریرہ رضؓ، حضرت عائشہ رضؓ، حسن بصریؒ، ابن مسیبؒ، ابن شبرمہؒ، ابن ابی لیلیٰؒ۔ اہلبیت رضؓ، امام احمدؒ، امام اسحٰقؒ۔ امام شافعیؒ اور جمہور اہل علم کا یہی مذہب ہے کہ ولی کے بغیر نکاح نہیں۔ ابن منذرؒ کہتے ہیں۔ کسی صحابی رضؓ سے اس کا خلاف ثابت نہیں۔

غرض حدیث لا نکاح الا بولی نہایت قوی دلیل ہے اور عام ہے خواہ کنواری ہو یا بیوہ ہو۔ بڑی ہو یا چھوٹی ہو۔ کسی کا نکاح بغیر ولی کے صحیح نہیں اور ایک حدیث میں ہے الایم احق بنفسها من ولیها (مشکوٰۃ صـ۲۹۲)، اس کا مطلب یہ ہے کہ بیوہ کا حق ولی سے زیادہ ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ ولی کا کوئی حق ہی نہیں بلکہ ولی کی اجازت ہے کیونکہ افعل تفضیل ہے۔ یعنی زیادتی کو ثابت کرتا ہے بالکل نفی نہیں کرتا۔ اور ایک حدیث میں ہے۔ کہ لیس للولی مع الثیب (منتقیٰ)، اس کا مطلب یہ ہے کہ مہر اور دیگر شرائط نکاح اور جس کے ساتھ نکاح پڑھنا ہو۔ اس کی تعیین یہ سب معاملہ بیوہ کے مشورہ سے طے ہونا چاہیئے۔ کیونکہ کنواری شرم کی وجہ سے کسی بات میں مشورہ نہیں دے سکتی۔ بخلاف بیوہ کے وہ کھل کر بات چیت کر سکتی ہے اس لئے ولی کو چاہیئے کہ جو کچھ بیوہ کہے وہ کرے اور اس کی رضا کو مقدم رکھے اور درمیان رکاوٹ نہ ڈالے۔ بلکہ اجازت دے دے۔ بہر صورت ولی کا درمیان ہونا ضروری ہے تاکہ عورتیں دلیر ہو کر آزاد نہ ہو جائیں۔ کیونکہ مردوں کا اگر درمیان واسطہ

نہ ہو اور خود بخود سب کچھ کرنے لگ جائیں، تو ہر ایک سمجھ سکتا ہے۔ کہ کتنی آزادی پھیلے۔ طبیعت ان کی نرم ہے عقل ان کی کم ہے۔ میلان رغبت زیادہ ہے۔ اگر ان باتوں کے ساتھ طبیعت میں دلیری آجائے اور شرم و حیا کم ہو جائے، تو پھر شر کا دروازہ کھلتا ہے اس لئے نکاح میں ولی کا ہونا ضروری ہے۔ البتہ اپنے مال میں تصرف کے لئے ولی کی ضرورت نہیں کیونکہ اس میں طبیعت کی نرمی اور میلان و رغبت کو کوئی دخل نہیں، نہ اس میں پردے اور ستر کی کوئی بات ہے کہ شرم و حیا پر اس کا بُرا اثر پڑے۔ ہاں اگر ولی ظلم و زیادتی کرے، تو شرعاً وہ ولی نہیں رہتا۔ کیونکہ ولی سے مقصود خیر خواہی اور بھلا ہے۔ جب وہ ہی ظلم پر آمادہ ہو تو ولی کا ہے کا۔ مثلاً وہ کچھ پیسے لینا چاہتا ہے۔ یا برادری کی رسم کا پابند ہے۔ جیسے بیوہ کا نکاح نہیں ہونے دیتے۔ یا کسی فائدے کے لئے نفع نقصان کی پرواہ نہیں کرتا۔ تو شرع اس کو ولی قرار نہیں دیتی، اس لئے حدیث شریف میں ہے فَاِنِ اشْتَجَرُوا فالسلطان ولی من لاولی لہ یعنی اگر ولیوں کا آپس میں جھگڑا ہو جائے پس سُلطان اس شخص کا ولی ہے۔ جس کا کوئی ولی نہیں۔ گویا جھگڑے سے ولی ولی نہیں رہتا۔ کیونکہ ان سے لڑکی کو نفع پہنچنے کی اُمید نہیں، اس سے معلوم ہوا کہ جس ولی سے نفع کی اُمید نہ ہو وہ ولی شرعاً اپنی ولایت سے معزول ہو جاتا ہے اور دارقطنی میں ابن عمرؓ سے روایت ہے۔ اذا کان ولی المرأۃ مضاراً فولت رجلا وانکحھا فنکاحہ جائز (دارقطنی ص۴۲۵)

جب عورت کا ولی نقصان دینے والا ہو اور وہ کسی دوسرے کو ولی مقرر کر کے نکاح کر لے تو جائز ہے اس سے معلوم ہوا۔ کہ نقصان دینے والا ولی نہیں رہ سکتا۔ بلکہ اس وقت کوئی اور ولی ہوگا۔ امام شافعیؒ کتاب الام میں فرماتے ہیں عن ابن عباسؓ قال لا نکاح الا بشاھدی عدل و ولی مرشد (کتاب الام جلد ۵ ص۱۹) یعنی ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ دو عادل گواہوں اور ہدایت والے ولی کے بغیر نکاح نہیں۔ نیز فتح الباری میں ہے۔ (اخرجہ سفیان فی جامعہ ومن طریق الطبرانی فی الاوسط باسناد حسن عن ابن عباسؓ بلفظ لا نکاح الا بولی مُرشد اور سلطان (جز ۲۱ ص۷۲) یعنی ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ہدایت والے ولی یا سلطان کے بغیر نکاح نہیں، اس سے معلوم ہوا کہ ولی ہدایت والا ہونا چاہیئے۔ اگر ہدایت والا نہ ہو۔ تو ولی ہونے کے لائق نہیں اور ظاہر ہے کہ ظالم ہدایت والا نہیں۔ پس وہ ولائت سے علیحدہ ہے اس وقت بادشاہ ولی ہے اگر حکومت اسلامی ہو۔ نہ ہو تو پنچایت کا سرپنچ ولی ہے اگر اس کا بھی اتفاق نہ ہو تو نمبردار یا چوہدری جس کا کچھ سایہ سکہ ہو۔ وہ ولی ہو جائے۔ بہر صورت عورت کے لئے ولی کا ہونا ضروری ہے اول نمبر والد ہے بعض اول نمبر بیٹے کو کہتے ہیں، اگر یہ ظلم کریں تو بھائی اس کے بعد چچا پھر چچا کا بیٹا۔ پھر دادے کی اولاد اس طرح

سے رجوع کر لیا۔ اور کہا کہ کفو میں بلا ولی صحیح ہے۔ غیر کفو میں صحیح نہیں پھر اس سے بھی رجوع کر لیا اور کہا کہ کفو اور غیر کفو دونوں میں صحیح ہے۔

امام محمدؒ سے دو روائتیں ہیں ایک یہ کہ بالغہ ولی کی اجازت بغیر نکاح کر لے تو وہ نکاح معلق رہے گا۔ اگر ولی اجازت دیدے تو صحیح ہوجائے گا۔ ورنہ باطل ہو گا۔ ہاں اتنی بات ہے کہ اگر بالغہ نے کفو میں نکاح کیا ہے تو ولی کے اجازت دینے کی صورت میں اگرچہ یہ باطل ہو گیا مگر قاضی نئے سرے سے نکاح کروا سکتا ہے پھر اس سے رجوع کر لیا۔ اور کہا۔ کہ بالغہ اپنا نکاح بھی کر سکتی ہے اور دوسری کا بھی کرا سکتی ہے۔ خواہ کفو ہو یا غیر کفو۔ مگر یہ مستحب کے خلاف ہے یعنی امام ابوحنیفہ رح کی پہلی روایت کی طرف رجوع کر لیا۔

یہ سات روائتیں پہلی پچھلی ملا کر بنتی ہیں۔ اگر پہلی پچھلی نہ ملائیں بلکہ موجودہ حالت کو دیکھیں تو کل دو روائتیں بنتی ہیں۔ اور وہ دو وہی ہیں جو امام ابوحنیفہ رح سے مروی ہیں کیونکہ امام ابو یوسف رح اور امام محمد رح نے آخر ظاہر الروایت کی طرف رجوع کر لیا ہے لیکن امام ابو یوسف رح کے رجوع کے بارے میں اختلاف ہے۔ سرخسی رح کہتے ہیں کہ امام ابو یوسف رح سے آخری روایت ظاہر الروایت ہے اور طحاوی رح اور کرخی رح کہتے ہیں امام ابو یوسف رح سے اخیری روایت یہ ہے کہ ولی کے بغیر نکاح نہیں۔ اس بنا پر کل تین ہوں گی۔ یہ تفصیل فتح القدیر شرح ہدایہ میں موجود ہے اور ردّ المختار میں بحوالہ بحر الرائق کہا ہے کہ بہت سے مشائخ کا فتویٰ ظاہر الروایت پر ہے لیکن حسن بن زیاد والی روایت میں احتیاط زیادہ ہے اور اس سے چند سطریں پہلے فتح القدیر کا حوالہ دیتے ہوئے کہا ہے۔ کہ فتوے کے لئے مختار حسن بن زیاد والی روایت ہے کیونکہ آزادی بہت زیادہ ہو گئی ہے اگر غیر کفو میں بلا ولی نکاح بالغہ کے صحیح ہونے کا فتوے دیدیا جائے۔ تو آزادی کی وجہ سے بہت عورتیں جس کے ساتھ چاہیں نکاح کریں گی۔ پھر ولی بیچارہ کہاں مقدمات کرتا پھرے گا۔ نیز سارے ولی ہوشیار بھی نہیں ہوتے کہ پوری طرح مقدمہ کر سکیں اور بعض ہوشیار ہوتے ہیں لیکن ہر حاکم عادل نہیں ہوتا۔ اس لئے وہ ناکام رہتا ہے اور بعض دفعہ ولی مقدمات کی تکلیف سے ڈر کر مقدمہ نہیں کر سکتا۔ اور بعض ولی حکام کے دروازوں پر گھومنا عار سمجھتے ہیں اس لئے مقدمہ چھوڑ دیتے ہیں۔ سو اس قسم کی خرابیوں کی وجہ سے فتوے کے لئے یہی مختار ہے کہ غیر کفو میں بغیر ولی کے نکاح ہوتا ہی نہیں۔ ملاحظہ ہو رد المختار جلد ۲ ص ۳۲۳ و فتح القدیر جلد ۲ ص ۳۷

اہلِ حدیث وغیرہ کہتے ہیں۔ ولی کا درمیان ہونا ضروری ہے تاکہ عورتیں دلیر ہو کر آزاد نہ ہو جائیں، کیونکہ اگر مردوں کا درمیان واسطہ نہ ہو اور خود بخود سب کچھ کرنے لگ جائیں تو ہر ایک سمجھ سکتا ہے کہ کتنی آزادی پھیلے۔

اوپر جہاں تک اپنے نسب کا علم ہو۔ غرض باپ کی طرف سے حق ولایت ہے۔ ماں کی طرف سے نہیں۔ کیونکہ ماں کی قرابت کمزور ہے اس لئے ماموں یا نانا وارث نہیں ہوتے ہاں اگر باپ کی طرف سے کوئی نہ ہو۔ تو پھر ماموں یا نانا ولی ہوسکتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ رح صاحب کا بھی یہی مذہب ہے اگر یہ بھی نہ ہوں تو پھر بادشاہ پھر سرپنچ۔ پھر نمبردار۔ چوہدری وغیرہ جیسے اوپر بیان ہوا ہے۔ عبداللہ امرتسری ۲۶ ربیع الاول ۱۳۵۱ھ

نابالغہ کا نکاح ماں کا پڑھا ہوا صحیح ہے یا چچا کا؟ کیا مہر کے عوض عورت کو لڑکی کا ولی بنانا درست ہے؟ نابالغہ کے نکاح میں ولی کا کیا حکم ہے؟ اس کے متعلق فقہی روایات

سوال ۔ ایک لڑکی نابالغہ کا باپ مرگیا اس کے بعد ولی اقرب چچا موجود ہے اور اس کی والدہ بھی ہے والدہ نے لڑکی کا نکاح کسی سے کر دیا اس کے تقریباً پندرہ روز بعد چچا نے کسی دوسرے سے نکاح کر دیا۔ والدہ لڑکی کہتی ہے کہ میرے خاوند نے مجھے کہا تھا۔ کہ مہر کے بدل میں تمہیں لڑکی کی ولایت سپرد کرتا ہوں کہ میرے پاس مہر کے لئے روپیہ موجود نہیں، اور کہ لڑکی کے چچا نے نان و نفقہ بھی دینے سے انکار کر دیا ہے اور کہہ دیا ہے کہ جاؤ تمہاری مرضی جہاں چاہو۔ اپنی لڑکی کا نکاح کر دو۔ میرے پاس تمہارے دونوں کے لئے نان و نفقہ نہیں۔

اب کیا نکاح اول درست ہے یا ثانی؟

دوسرا۔ بالغہ باکرہ لڑکی کا نکاح بغیر اجازت ولی منعقد ہو سکتا ہے یا اجازت ضروری ہے۔ اس میں جو اختلاف مابین صاحبین اور امام ابوحنیفہ رح ہے۔ قول مفتی بہ کس پر ہے۔ کتب فقہ سے جواب درکار ہے۔ فقیر کا ناقص خیال یہ ہے کہ ولی کی ضرورت ضرور ہے۔ عورتوں کو آزادی دینی سخت مضر ہے۔ مگر کتب فقہ سے اس کا حل مشکل ہے۔

تابعدار مفتی فضل عظیم قریشی عثمانی از برہ ضلع ہوشیارپور

جواب ۔ روایات فقہیہ سات ہیں۔ دو امام ابوحنیفہ رح سے ہیں۔ ایک یہ کہ بالغہ اپنا نکاح بھی کر سکتی ہے۔ اور دوسری عورت کا بھی کرا سکتی ہے مگر مستحب کے خلاف ہے اور یہ ظاہر روایت ہے۔

دوسری روایت امام ابوحنیفہ رح سے یہ ہے کہ بالغہ کفو میں نکاح کرے۔ تو صحیح ہے۔ غیر کفو میں صحیح نہیں۔ یہ حسن بن زیاد نے امام ابوحنیفہ رح سے روایت کیا ہے۔ اور فتویٰ اسی پر مختار ہے۔

تین روائتیں امام ابو یوسف رحمہ سے ہیں ایک یہ کہ بالغہ کا اگر ولی ہو تو بلا ولی نکاح درست نہیں۔ پھر اس

طبیعت ان کی نرم ہے عقل ان کی کم ہے میلان رغبت زیادہ ہے اگر ان باتوں کے ساتھ طبیعت میں دلیری آ جائے۔ اور شرم وحیا کم ہو جائے تو پھر شر کا دروازہ کھلا ہے اس لئے نکاح میں ولی کا ہونا نہایت ضروری ہے البتہ مال میں تصرف کے لئے ولی کی ضرورت نہیں کیونکہ اس میں طبیعت کی نرمی اور میلان ورغبت کو کوئی دخل نہیں۔ نہ اس میں پردے اور ستر کی کوئی بات ہے کہ شرم وحیا پر .... اس کا بڑا اثر پڑے۔ برخلاف نکاح کے وہ نہایت نازک معاملہ ہے عمر کا تعلق ہے اس میں بہت سی اونچ نیچ دیکھنی پڑتی ہے ایسے معاملے کو عورت کے سپرد کرنا سراسر بربادی ہے۔ خاص کر آزادی کے زمانہ میں جیسے آج کل آزادی کی رو چل رہی ہے۔ غیر کفو میں عورت کو خود بخود نکاح کرنے کی اجازت سے اگر شر کا دروازہ کھلتا ہے تو کفو میں اس سے کم نہیں۔ بلکہ زیادہ خرابیوں کا باعث ہے۔ کیونکہ برادری میں سخت ہیجان کا باعث ہو کر ہمیشہ کیلئے عداوت اور دشمنی کا بیج بو دیتا ہے جن کی لڑکی خود بخود کسی کے ساتھ نکل کر نکاح پڑھ لیتی ہے وہ کبھی چین کی زندگی نہیں گزار سکتے۔ عورت انسان کی ننگ وناموس ہے اس کی ایسی حرکات سارے گھرانے کی خفت کا موجب ہیں اگر ولی کی اجازت بغیر برادری میں کسی سے جا ملی۔ تو فریقین ہمیشہ کی نزاع میں مبتلا ہو کر برباد ہو جائیں گے۔ اگر ولی کی اجازت سے نکاح ہوگا تو اس طرح کی کوئی خرابی پیدا نہیں ہو سکتی۔ خواہ کفو میں ہو یا غیر کفو میں۔ نیز معاملہ کی نزاکت پر نظر کرتے ہوئے ولی جو کچھ کر سکتا ہے۔ اور اونچ نیچ سمجھ سکتا ہے عورت اس سے بہت دور ہے پس اس لحاظ سے ولی نہایت ضروری ہے پھر جب احادیث میں ولی ضروری قرار دیا ہے۔ تو پھر اس قسم کی کرید کی ضرورت ہی نہیں۔ تفصیل کے لئے "تنظیم اہلحدیث" جلد اول نمبر ۴۱ محولہ بالا ملاحظہ ہو۔

یہ تو بالغہ کا فیصلہ ہوا رہا نابالغہ کا فیصلہ تو اس کا نکاح کسی کے نزدیک ولی کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ فقہا حنفیہ کے نزدیک نہ کسی اور کے نزدیک۔ لیکن حنفیہ کے نزدیک چونکہ عورت بھی ولی ہو سکتی ہے اس لئے عورت کا نکاح پڑھایا ہوا ان کے نزدیک صحیح ہوگا۔ مگر صورت سوال میں ماں کا نکاح پڑھا ہوا ان کے نزدیک بھی درست نہیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک عصبہ کے ہوتے ہوئے غیر عصبہ ولی نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ ہدایہ وغیرہ میں اس کی تصریح ہے اور صورت سوال میں چچا عصبہ ہے اور ماں غیر عصبہ ہے پس چچا کا نکاح معتبر ہوگا نہ ماں کا۔ ہاں اگر ماں نے چچا کی اجازت سے پڑھا ہے تو پھر ماں کا صحیح ہے نہ چچا کا۔

رہا میت کا مرتے وقت مہر کے عوض اپنی بیوی کو ولایت سپرد کرنا تو یہ اس شغار یعنی بٹہ کی قسم سے ہے جس سے حدیث میں نہی آئی ہے کیونکہ نکاح شغار میں لڑکی بدلے لڑکی ہوتی ہے یعنی ایک لڑکی کی شرمگاہ

کو دوسری لڑکی کا مہر بنایا جاتا ہے خواہ ساتھ اور مہر بھی ہو یا نہ۔ اور صورت سوال میں مرنے والے نے بھی اپنی بیوی کو مہر کے عوض لڑکی سپرد کی ہے یعنی لڑکی کی شرمگاہ کا اس کو اختیار دیا ہے کہ جس کے ساتھ چاہے اس کا تعلق پیدا کر دے۔ پس یہ بھی ایک طرح کا شغار بن گیا۔

تنبیہ۔ صورت سوال میں چچا کا نکاح اس وقت صحیح ہوگا۔ جب چچا ولی مرشد ہو یعنی لڑکی کی مصلحت سوچنے والا ہو۔ ملاحظہ ہو اخبار کا نمبر مذکور اور رسالہ نکاح بٹہ[عہ] ص ۳۲۔۳۴۔ اگر اس نے لڑکی کی مصلحت نہیں دیکھی بلکہ اپنی کوئی غرض پوری کی ہے تو وہ ولایت سے معزول ہے۔ اس صورت میں دوسرا کوئی ولی نکاح پڑھائے۔

چنانچہ اخبار کے نمبر مذکور میں ہم نے تفصیل کی ہے اور بتلایا ہے۔ کہ نکاح کے لئے جیسے ولی ہونا ضروری ہے اسی طرح اس ولی کا مرشد ہونا بھی ضروری ہے اور رد المختار جلد ۳ ص ۳۲۳ میں بحوالہ بزازیہ کہا ہے۔ باپ دادا فاسق ہوں تو حاکم کفو میں نکاح کر دے۔ یعنی فاسق ہونے سے ان کی ولایت ساقط ہو جاتی ہے اس لئے حاکم کو چاہیئے کہ کفو میں نکاح کر دے۔ اور بحوالہ فتح القدیر ذکر کیا ہے کہ جب باپ متہتک (حد شرعی توڑنے والا) ہو یعنی سیئی الاختیار (اپنی مختاری کو برے طریق سے برتنے والا ہو) تو اس کی ولایت نافذ نہیں ہوتی اور برے طریق سے برتنے کے یہ معنی ہے کہ لڑکی کا مہر پورا یا مہر مثل نہ باندھے یا غیر کفو میں نکاح کر دے تو اس کا نکاح پڑھا ہوا معتبر نہیں ہاں اگر مہر مثل باندھے یا نکاح کفو میں کرے تو اس صورت میں معتبر ہوگا۔ مگر یہ بزازیہ کے خلاف ہے کیونکہ بزازیہ کی اوپر کی عبارت میں کہا ہے کہ باپ دادا فاسق ہوں تو حاکم کفو میں نکاح کر دے جس کا مطلب یہ ہے کہ باپ دادا فسق کی وجہ سے بالکل معزول ہوتے ہیں۔ خواہ مہر مثل کے ساتھ کفو میں نکاح کریں۔ تو بھی اعتبار نہیں تب ہی کہا گیا ہے کہ حاکم کفو میں نکاح کر دے۔ انتہیٰ

خلاصہ یہ کہ ولی کے لئے شرط ہے کہ وہ لڑکی کی مصلحت دیکھے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو وہ ولی ہونے کے قابل نہیں۔

تنبیہ ثانی۔ نابالغہ کے نکاح میں بلوغ کے بعد نابالغہ کو اختیار ہے۔ خواہ نکاح قائم رکھے یا فسخ کرے۔ اہلحدیث کے نزدیک تو کوئی نکاح پڑھائے فسخ ہو سکتا ہے۔ چنانچہ ۲۶ اپریل ۳۲ء میں تفصیل کر چکے ہیں۔ حنفیہ کے نزدیک، باپ دادے کا پڑھا ہوا فسخ نہیں ہو سکتا۔ باقی کا فسخ ہو سکتا ہے۔ پس سوال کی صورت میں نکاح پڑھنے والا چونکہ چچا ہے اس لئے اس میں اہلحدیث اور حنفیہ متفق ہیں کہ اس میں بعد البلوغ لڑکی کو فسخ کا اختیار ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی ضلع انبالہ

[عہ] یہ رسالہ الگ چھپ چکا ہے۔

ولی کا مرشد ہونا باطل ہے؟

سوال۔ چچا نے نابالغہ کا نکاح کسی ایسے مرد سے کیا جو پہلے شادی شدہ ہے تو کیا چچا ولی مرشد ہو سکتا ہے کیونکہ اس مرد کی پہلی بیوی موجود ہے؟

جواب۔ یہ بات حالات دیکھنے پر موقوف ہے اگر امیر آدمی ہے لڑکی کے ہر طرح سے آرام کا خیال ہے دونوں کو الگ الگ خرچ اور مکان ملنے کی امید ہے تو اس صورت میں سوکن ہونے کا کوئی حرج نہیں اور اگر چچا کی نیت خیرخواہی کی نہیں بلکہ اپنا کچھ مطلب ہے تو وہ ولی مرشد نہیں اس کا نکاح باطل ہے۔

عبداللہ امرتسری از روپڑ

باپ کی موجودگی میں ماموں کا ولی ہونا

سوال۔ باپ خود غرض اور لالچی ہے لڑکی کی والدہ جو زید کی بیوی ہے وہ اپنے بھائی کو جو لڑکی کا حقیقی ماموں ہے ولی بنا کر کسی رشتہ دار کے ہاں جو نیک چلن ہمدرد کارکن ہو نکاح کر دے جبکہ وہ لڑکی اپنے ماموں کے ہی گھر پلی ہے اور اس کو باپ خیال کرتی ہے کیا اس صورت میں ماموں کا پڑھا ہوا نکاح درست ہے یا نہیں۔

جواب۔ دارقطنی کے صـ۲۵ میں ابن عمر سے روایت ہے کہ اگر ولی نقصان دینے والا ہو تو عورت دوسرے کو ولی بنا کر نکاح کر سکتی ہے۔ اور کتاب الام امام شافعی جلد دہم صـ۱۹ میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ دو گواہوں اور ولی ہدایت والے کے بغیر نکاح نہیں اس طرح فتح الباری جزء ۲۱ صـ۴۲ میں بحوالہ طبرانی ابن عباس سے روایت کیا ہے اور اس کی اسناد کو حسن کہا ہے اس سے معلوم ہوا کہ سوال میں جو صورت ذکر ہوئی ہے۔ اس میں باپ کی موجودگی میں ماموں ولی بن سکتا ہے کیونکہ باپ خیرخواہ اور ہدایت والا نہیں بلکہ وہ اپنا مطلب نکالنا چاہتا ہے اس لئے اس کی جگہ ماموں ولی ہو کر نکاح پڑھا سکتا ہے۔

عبداللہ امرتسری از روپڑ

مَا لَكُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ ۔ آیت کا مطلب

سوال۔ اللہ کے ولی اور انسان کے ولی ہونے میں کیا فرق ہے؟

جواب۔ باپ یا کوئی اور ولی ہوتا ہے۔ تو صرف وفات تک ہوتا ہے اور وہ بھی صرف ان کاموں میں جو اس کے اختیار میں ہیں اور عادت کے مطابق ہیں۔ نہ وفات کے بعد اور نہ بشری

اختیار سے بالاتر جیسے کسی کو شفا دینا۔ بیٹا دینا۔ بارش اتارنا وغیرہ سوایسی ولایت اور مدد خُدا کا خاصہ ہے اور آیت مَا لَکُم مِّن دُونِ اللّٰہِ مِن وَّلِیٍّ سے یہی مراد ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی حال لاہور
ماڈل ٹاؤن سی بلاک کوٹھی نمبر ۱۱۹ - ۲ ذی الحج ۱۳۸۰ھ ۲۶ اگست ۱۹۶۰ء

ماں ولی بن سکتی ہے؟

سوال۔ نہ لڑکی بالغہ ہے نہ لڑکا۔ نہ ان کا باپ زندہ ہے نہ کوئی بھائی بالغ ہے صرف لڑکی کی والدہ نکاح کرتی ہے لڑکی اب اکیس برس کی ہوگئی ہے وہ لڑکا لڑکی اب تک ہمبستر نہیں ہوئے اب ان کی عداوت ہے اب وہ لڑکی دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے۔

جواب۔ حدیث میں ہے لانکاح الابولی۔ یعنی ولی کے بغیر نکاح نہیں اس حدیث کی رو سے ماں کا نکاح پڑھا ہوا صحیح نہیں۔ کیونکہ عورت عورت کی ولی نہیں ہو سکتی اگر ہو سکتی تو ولی کی محتاج نہ ہوتی۔ پس صورتِ سوال میں عورت جہاں چاہے نکاح کرلے۔ عبداللہ امرتسری روپڑی ۹ ذی الحجہ ۱۳۵۷ھ

کیا بیوہ عورت ولیوں سے پوشیدہ نکاح کر سکتی ہے

سوال۔ ایک بیوہ عورت جس کے دو بھائی موجود ہوں، کیا یہ بیوہ عورت دونوں بھائیوں کے مشورہ کے بغیر ان سے پوشیدہ نکاح کر سکتی ہے۔ عبدالرزاق ہزاروی

جواب۔ حدیث میں ہے لَا نِکَاحَ اِلَّا بِوَلِیٍّ یعنی ولی کے بغیر نکاح نہیں ہوتا ہاں اگر اصل ولی نکاح سے مانع ہو یا بٹہ وغیرہ چاہے یا جہاں عورت کی خواہش ہے اور شرعاً وہ جگہ ٹھیک ہے بے دین نہیں اور اصل ولی وہاں نہ ہونے دے۔ تو اس قسم کی صورتوں میں اصل ولی کی ولایت ٹوٹ جاتی ہے چونکہ حدیث میں ولی مرشد کی شرط آئی ہے یعنی ایسا ولی ہونا چاہیئے۔ جو عورت کا بھلا سوچے نہ کہ خود غرض ہو اگر ایسا ہوگا تو اس جگہ دوسرا ولی بنا کر نکاح پڑھا جا سکتا ہے۔ عبداللہ امرتسری روپڑی

اغوا کنندہ کے ساتھ بلا اصلی ولی کے نکاح ہوسکتا ہے؟

سوال۔ ایک بیوہ لڑکی کو کوئی شخص اغوا کر کے لے گیا۔ بعدہ اس کے بھائی اور برادری نے

بہت کوشش کے بعد اس عورت کو اس سے واپس لے لیا. عورت کی رضا واپس آنے کو نہ تھی. بلکہ ایک مرتبہ پھر بھاگ کر اسی آدمی کے پاس چلی گئی. لیکن اس کی برادری نے اس کا پیچھا نہ چھوڑا. چنانچہ لے آئے. اب وہ دوسری جگہ اس کا نکاح پڑھنا چاہتے ہیں اور لوگ کہتے ہیں، اس کا پہلا نکاح اس شخص سے ہے. جو اس کو اغوا کر کے لے گیا تھا. اغوا کرنے والا کہتا ہے میں طلاق نہیں دوں گا. اور لڑکی والے کہتے ہیں. بغیر ہماری مرضی کے اس کا نکاح کیسے ہو سکتا تھا. کیونکہ ہم ولی ہیں لڑکی اغوا کرنے والے کو ہم نہیں دیں گے. شریعت اس بارہ میں کیا رہنمائی کرتی ہے.

جواب ، بعض دفعہ اولیاء بیوہ کے نکاح پر ناراض ہوتے ہیں. یا بٹہ یا پیسہ لینا چاہتے ہیں یا بے دین سے رشتہ کرنا چاہتے ہیں یا اس میں کوئی جسمانی عیب ہوتا ہے یا اس قسم کی کوئی اور خرابی ہوتی ہے جس کی وجہ سے عورت نکاح کے لئے تیار نہیں ہوتی. تو اس صورت میں عورت اپنی حسب منشاء کسی کو ولی بنا کر کسی اچھے نیک آدمی سے نکاح کرے تو یہ نکاح صحیح ہے، کیونکہ حدیث میں ہے. لا نکاح الا بولی مرشد رشد اور بھلائی والے ولی کے بغیر نکاح نہیں، رشد و بھلائی والا ولی وہ ہے جو شریعت کے مطابق لڑکی کی بہتری سوچے نہ کہ اپنی خود غرضی پوری کرے. ایسے ولی کی ولایت فسخ ہو جاتی ہے کیونکہ اس میں رشد و بھلائی نہیں ہے،

اگر معاملہ اس کے الٹ ہے یعنی عورت عیاش بدکار ہے کسی کے ساتھ بگڑ گئی ہے اولیاء اس کی بھلائی چاہتے ہیں ایسی حالت میں اولیاء کی اجازت کے بغیر نکاح پڑھا ہوا صحیح نہیں. اس حالت میں دوسری جگہ نکاح ہو سکتا ہے طلاق کی ضرورت نہیں. عبداللہ امرتسری روپڑی

کیا عورت اپنے نفس کو ولی بنا کر نکاح کر سکتی ہے

سوال ، زینب نے اپنا نکاح خود اپنے نفس کو ولی بنا کر کر لیا ہے آیا اس کا نکاح درست ہے،

جواب ، حدیث میں ہے لا نکاح الا بولی ولی کے بغیر نکاح نہیں. بعض اور احادیث میں ہے جو اپنا نکاح خود کرے وہ زانیہ ہے (مشکوٰۃ باب الولی)

غرض ولی کے بغیر نکاح نہیں اور اپنے نفس کو ولی بنانے کے کچھ معنی نہیں بلکہ ولی وہی ہوتا ہے جس کو شرع نے ولی بنایا ہے ہاں بعض صورتیں ایسی ہیں جس میں عورت ولی بنا سکتی ہے ورنہ عام طور پر اس کی اجازت

نہیں۔ تلخیص الجبیر میں ہے یعنی امام شافعی، دارقطنی بیہقی نے روایت کیا ہے کہ ایک عورت ایک قافلہ میں تھی اس نے اپنا کام ایک شخص کے سپرد کیا یعنی اس کو اپنا ولی بنا لیا۔ اس نے نکاح پڑھ دیا حضرت عمرؓ کو پتہ لگا۔ تو انہوں نے نکاح کرنے والے اور نکاح پڑھنے والے دونوں کو درّے مارے اس روایت میں اگرچہ انقطاع ہے، جس کی وجہ سے اس روایت میں ضعف آگیا۔ لیکن اس میں شبہ نہیں کہ اصل ولی وہی ہے جس کو خدا نے ولی بنایا ہے۔ پس اصلی ولی ہوتے ہوئے عارضی ولی کا اعتبار نہیں۔ مشکوٰۃ میں حدیث ہے فالسلطان ولی من لا ولی لہ یعنی جس کا کوئی ولی نہیں اس کا ولی بادشاہ ہے اگر اپنے آپ ولی بنانا درست ہوتا۔ تو پھر اس فرمان کی کیا ضرورت تھی کہ جس کا کوئی ولی نہیں اس کا ولی بادشاہ ہے۔ پس معلوم ہوا کہ سوال کی صورت میں اگر ولی ہوتے ہوئے دوسرے کو ولی بنایا گیا ہے تو نکاح درست نہیں جب نکاح درست نہ ہوا تو دونوں کو حضرت عمرؓ کے فعل کے مطابق درّے لگنے چاہئیں۔ عبداللہ امرتسری روپڑی

حرام رشتے

دودھ سے کون کون سے رشتے حرام ہیں؟

سوال: ایک لڑکے اور لڑکی نے ایک ایک عورت کا دودھ تقریباً چار یا پانچ روز پیا ہے کیا اس عورت کی مشترکہ دودھ پلانے والی عورت کی دوسری لڑکی کے ساتھ مشترکہ دودھ پینے والے لڑکے کا نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اگر پہلے نکاح ہو چکا ہو تو کیا کیا جائے؟

جواب: مشکوٰۃ میں ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا يَحْرُمُ مِنَ الْوِلَادَةِ رواہ البخاری (مشکوٰۃ باب المحرمات)

یعنی حضرت عائشہؓ سے روایت ہے رسول اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا جو شے ولادت سے حرام ہوتی ہے وہی رضاعت سے بھی حرام ہوتی ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رضاعت سے وہ تمام تعلقات حرام ہوں گے۔ جو ولادت سے ثابت ہوتے ہیں، مثلاً ولادت میں ایک عورت کی اولاد سب آپس میں بہن بھائی ہوتے ہیں ٹھیک اسی طرح جس لڑکے

یا لڑکی نے کسی عورت کا دودھ پیا ہے وہ گویا اس عورت کی اولاد ہوگئی جب اولاد ہوگئی تو اب اس عورت کے کسی لڑکے یا لڑکی سے اس کا رشتہ درست نہیں ہوگا۔ اسی طرح جن دو نے کسی عورت کا دودھ پیا، خواہ ایک وقت پیا یا الگ الگ اور الگ الگ کی صورت میں دونوں کے درمیان خواہ تھوڑا وقت ہو یا کئی سالوں کا ان سب صورتوں میں ان کا رشتہ آپس میں اور اس عورت کی باقی اولاد کے ساتھ درست نہیں ہوگا۔ بلکہ اس عورت کا خاوند ان دودھ پینے والے بچوں کا باپ اور خاوند کا بھائی چچا ہوگا۔ اس طرح باقی تعلقات خالہ، ماموں والے ثابت ہوجائیں گے۔ کیونکہ رضاعت ولادت کے قائم مقام ہے۔

مشکوٰۃ میں ہے۔

وَعَنْهَا قَالَتْ جَاءَ عَمِّي مِنَ الرَّضَاعَةِ فَاسْتَأْذَنَ عَلَيَّ فَأَبَيْتُ اَنْ اٰذَنَ لَهٗ حَتّٰى اَسْئَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَاءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَاَلْتُهٗ فَقَالَ اِنَّهٗ عَمُّكِ فَأْذَنِيْ لَهٗ قَالَتْ فَقُلْتُ لَهٗ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّمَا اَرْضَعَتْنِي الْمَرْاَةُ وَلَمْ يُرْضِعْنِي الرَّجُلُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّهٗ عَمُّكِ فَلْيَلِجْ عَلَيْكِ وَذَالِكَ بَعْدَ مَا ضُرِبَ عَلَيْنَا الْحِجَابُ۔ (متفق علیہ)

یعنی حضرت عائشہ رضہ فرماتی ہیں، میرا رضائی چچا آیا اس نے اندر آنے کے لئے مجھ سے اذن طلب کیا میں نے اذن دینے سے انکار کیا یہاں تک کہ رسول اللہ علیہ وسلم سے دریافت کروں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئے۔ تو میں نے دریافت کیا فرمایا وہ تیرا چچا ہے اذن دیدے میں نے کہا مجھے عورت نے دودھ پلایا ہے، مرد نے نہیں پلایا تو پھر چچا کس طرح ہوگیا۔ فرمایا تیرا چچا ہے اس کو داخل ہونے دے اور یہ واقعہ پردے کے حکم کے بعد کا ہے۔

نیز مشکوٰۃ میں ہے۔

عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّهٗ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلْ لَكَ فِي بِنْتِ عَمِّكَ حَمْزَةَ فَاِنَّهَا اَجْمَلُ فَتَاةٍ فِي قُرَيْشٍ فَقَالَ لَهٗ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّ حَمْزَةَ اَخِي مِنَ الرَّضَاعَةِ وَاَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا حَرَّمَ مِنَ النَّسَبِ (رواہ مسلم)

حضرت علی رضہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کیا آپ کو اپنے چچا حمزہ رضہ کی بیٹی میں نکاح کی رغبت ہے وہ قریش میں نہایت خوبصورت لڑکی ہے فرمایا تجھے معلوم نہیں کہ حمزہ میرا رضائی بھائی ہے اور اللہ تعالیٰ نے جو رشتہ نسب کی وجہ سے حرام کیا ہے وہ رضاعت سے بھی حرام کیا ہے۔ اس قسم کی روائتیں بہت ہیں جن سے

ثابت ہوتا ہے باپ چچا، تایا، خالہ ماموں بھانجا بھتیجا وغیرہ یہ تمام تعلقات، جیسے ولادت سے ثابت ہوتے ہیں ویسے رضاعت سے بھی ثابت ہوتے ہیں، دونوں میں کچھ فرق نہیں۔ پس سوال کی صورت میں رشتہ جائز نہیں اگر پہلے ہو چکا ہو تو جدائی کرا دی جائے چنانچہ مشکوٰۃ کے اسی باب میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کے بعد ایک مرد عورت میں جدائی کا ارشاد فرمایا۔ عبداللہ امرتسری روپڑی

رضاعت کا بیان

رضاعت کی تعریف

سوال ، رضاعت کسے کہتے ہیں؟

جواب ، مسئلہ رضاعت کی بابت یہاں کئی اختلاف ہیں،

(اختلاف اوّل) پہلا اختلاف یہ ہے کہ صرف پستان سے دودھ چوسنے سے حرمت ثابت ہوگی یا برتن میں ڈال کر پلانے سے یا لٹا کر چمچے وغیرہ کے ذریعہ منہ میں ڈالنے سے یا ناک میں ٹپکانے سے یا حقنہ کرنے سے یا کسی دوائی میں دینے سے بھی حرمت ثابت ہوجائے گی۔ سبل السلام شرح بلوغ المرام کے ص۱۲۱ میں لکھا ہے کہ اس میں اختلاف ہے۔ جمہور علماء کہتے ہیں جب بدن کی غذا بن جائے خواہ کسی طرح بن جائے۔ اس سے حرمت ثابت ہوجائے گی، حنفیہ اور ہدویہ کہتے ہیں حقنہ سے حرمت ثابت نہیں ہوگی گویا کہ وہ رضاعت کے لفظ کو دیکھتے ہیں جیسے اہل ظاہر کا بھی یہی خیال ہے وہ کہتے ہیں۔ رضاعت کے معنی پستان سے دودھ چوسنے کے ہیں پس پستان سے دودھ چوسے تو حرمت ثابت ہوگی، ورنہ نہیں۔ لیکن حنفیہ کہتے ہیں منہ میں ڈالنا اور ناک میں ٹپکانا بھی پستان سے چوسنے کے حکم میں ہے صرف حقنہ سے حرمت ثابت نہیں ہوگی اور اہل ظاہر کہتے ہیں منہ میں ڈالنے، ناک میں ٹپکانے بلکہ برتن میں ڈال کر پینے سے بھی حرمت ثابت نہیں ہوگی صرف پستان سے چوسنے سے حرمت ثابت ہوگی کیونکہ رضاعت کے یہی معنیٰ ہیں۔

جمہور علماء کی دلیل ترمذی اور ابوداؤد کی احادیث ہیں۔ ترمذی میں ہے۔

لَا يُحَرِّمُ مِنَ الرَّضَاعِ إِلَّا مَا فَتَقَ الْأَمْعَاءَ (بلوغ المرام)

جو رضاعت آنتوں کو پھاڑ دے یعنی جس رضاعت سے دودھ سے آنتیں بھر کر ایک دوسری سے جدا ہو جائیں اس سے حرمت ثابت ہوتی ہے ابوداؤد میں ہے۔ لَا رَضَاعَ اِلَّا مَا اَنْشَزَ الْعَظْمَ وَاَنْبَتَ اللَّحْمَ (بلوغ المرام) یعنی معتبر رضاعت وہ ہے جو ہڈیاں پیدا کرے اور گوشت اگائے ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مقصود رضاعت سے بدن میں گوشت پوست پیدا ہونا ہے۔ پس جس طریق سے گوشت پوست پیدا ہو خواہ پستان سے چوسنے سے ہو یا منہ میں ڈالنے یا ناک میں ٹپکانے یا حقنہ وغیرہ کرنے سے ہو ان سب صورتوں میں حرمت ثابت ہو جائے گی۔

(اختلاف دوم) دوسرا اختلاف یہ ہے کہ ایک دفعہ پینے سے حرمت ثابت ہو جائے گی یا اس کے لئے کوئی تعداد مقرر ہے اس میں تین مذہب ہیں۔

اوّل۔ حنفیہ وغیرہ کہتے ہیں۔ اس کے لئے کوئی تعداد مقرر نہیں۔ ایک دفعہ سے بھی حرمت ثابت ہو جاتی ہے زیادہ سے بھی حضرت علیؓ حضرت ابن عباسؓ حضرت ابن عمرؓ۔ امام ثوریؒ۔ اہلبیتؓ امام مالکؒ زید بن اوسؒ۔ سعید بن مسیب حسنؒ زہریؒ قتادہؒ۔ حکمؒ حمادؒ۔ اوزاعیؒ ان سب کا یہی مذہب ہے بلکہ جمہور علماء اس طرف گئے ہیں اور مغربی نے اپنی کتاب بدر میں لیث بن سعد سے نقل کیا ہے کہ اس پر سب مسلمانوں کا اجماع ہے مگر یہ نقل غلط ہے کیونکہ ابن قیمؒ نے لیث بن سعد سے نقل کیا ہے کہ کم سے کم پانچ دفعہ پینے سے حرمت ثابت ہوگی۔ اگر ان کے خیال میں تعداد نہ مقرر ہونے پر اجماع ہوتا تو خود اجماع کا خلاف کر کے پانچ دفعہ کی تعداد کے کس طرح قائل ہوئے۔ ان لوگوں کی دلیل قرآن مجید کی آیت ہے۔ وَاُمَّهَاتُكُمُ الّٰتِیْ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِنَ الرَّضَاعَةِ یعنی دودھ کی مائیں اور بہنیں تم پر حرام ہیں۔ اس آیت میں مطلق فرمایا ہے۔ تعداد کوئی مقرر نہیں کی اس طرح اوپر کی دونوں حدیثوں ترمذی اور ابوداؤد میں مطلق فرمایا ہے تعداد کوئی ذکر نہیں کی۔ اس قسم کی اور احادیث بھی آتی ہیں۔ جو مطلق ہیں پس معلوم ہوا کہ خواہ ایک دفعہ پیئے یا زیادہ حرمت ثابت ہو جائے گی۔

(دوم) امام داؤد اور ان کی جماعت اور دیگر بعض علماء کہتے ہیں تین دفعہ یا زیادہ پینے سے حرمت ثابت ہو گی اس سے کم کا اعتبار نہیں۔ دلیل مسلم وغیرہ کی یہ حدیث پیش کرتے ہیں لَا تُحَرِّمُ الْمَصَّةُ وَلَا الْمَصَّتَانِ (منتقیٰ) ایک دفعہ چوسنا یا دو دفعہ چوسنا حرمت پیدا نہیں کرتا۔

ایک اور حدیث میں ہے۔ لَا تُحَرِّمُ الْاِمْلَاجَةُ وَالْاِمْلَاجَتَانِ (منتقیٰ) ایک دفعہ پستان منہ میں

دینا اور دو دفعہ دینا حرمت پیدا نہیں کرتا۔

غرض اس قسم کی حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں اور کہتے ہیں۔ ان حدیثوں میں ایک، دفعہ دو دفعہ کی نفی کی ہے اس سے معلوم ہوتاہے کہ تین دفعہ یا زیادہ سے حرمت ثابت ہوتی ہے۔

(سوم) بہت سے علماء کہتے ہیں پانچ کی تعداد مقرر ہے۔ اگر اس سے کم ہے تو حرمت ثابت نہیں ہوگی۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت عائشہؓ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ۔ عطاءؒ طاؤسؒ۔ سعید بن جبیرؒ عروہ بن زبیرؒ لیث بن سعدؒ۔ امام شافعیؒ امام احمدؒ ظاہر روایت میں امام اسحٰق اور حزم اور دیگر ایک جماعت علماء کا یہی مذہب ہے اور حضرت علیؓ کے دو قول ہیں ایک پہلے مذہب کے موافق ہے یعنی کوئی تعداد مقرر نہیں کرتے۔ ایک اس کے موافق ہے یعنی کم سے کم پانچ کی حد رکھی ہے ان لوگوں کے دلائل بہت سی روایات ہیں ان سے دو مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) مسلم وغیرہ میں ہے حضرت عائشہؓ کہتی ہیں، پہلے قرآن میں دس کی تعداد تھی پھر پانچ کی اتر آئی دس میں سے پانچ منسوخ ہوکر رہ گئیں، اس مذہب والے کہتے ہیں اگرچہ پانچ کی آیت قرآن مجید میں موجود نہیں، مگر حکم باقی ہے جیسے رجم زانی کی آیت موجود نہیں، مگر حکم باقی ہے (منتقیٰ)

(۲) مسند احمد میں روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوحذیفہؓ کی بیوی کو کہا کہ تو سالم کو دودھ پلا دے، اس نے سالم کو پانچ دفعہ دودھ پلا دیا اس سے وہ اس پر داخل ہونے لگا۔ مسند احمد اور موطاء میں ہے ابوحذیفہؓ نے سالم کو متبنیٰ بیٹا بنالیا۔ جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری اُدْعُوهُمْ لِآبَاءِ هِمْ یعنی بیٹا بنانے سے کوئی بیٹا نہیں بنتا تو ابوحذیفہؓ کی بیوی سہلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی، اور کہا یا رسول اللہ ہم سالم کو بیٹا سمجھتے ہیں مجھے سادگی کی حالت میں دیکھتا تھا۔ یعنی میں اس سے پردہ نہیں کرتی تھی، اب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتار دی ہے فرمایا سالم کو پانچ دفعہ دودھ پلا دے پس اس سے سالم اس کی اولاد کے حکم میں ہوگیا (منتقیٰ)

مسلم میں ہے ابوحذیفہؓ کی بیوی سہلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہا یا رسول اللہ! سالم جوان ہوگیا ہے فرمایا اس کو دودھ پلا دے تو اس پر حرام ہوجائے گی۔ (بلوغ المرام)

ان روایتوں سے ثابت ہوا کہ پانچ ادنیٰ حد ہے اس سے کم میں حرمت ثابت نہیں ہوتی قرآن مجید میں اور بعض احادیث میں اگرچہ مطلق فرمایا ہے لیکن ان حدیثوں نے اس کی تشریح کر دی کہ مراد پانچ دفعہ ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے قرآن مجید میں ہے۔ یا ایہا الذین آمنوا ارکعوا واسجدوا (پ۱۷) اے ایمان والو!

رکوع کرو اور سجدہ کرو، حدیث نے بیان کر دیا کہ رکوع ایک ہے اور سجدے دو ہیں، ٹھیک اسی طرح رضاعت کے مسئلہ کو سمجھ لینا چاہیئے اور جن حدیثوں میں آیا ہے کہ ایک دفعہ چوسنا اور دو دفعہ چوسنا ایک دفعہ پینا یا دو دفعہ پینا یا ایک دفعہ پستان منہ میں دینا اور دو دفعہ دینا حرام نہیں کرتا تو اسکا یہ مطلب نہیں کہ تین دفعہ حرام کر دیتا ہے اگر یہ مطلب ہوتا تو اتنا کہنا کافی تھا، کہ دو دفعہ حرام نہیں کرتا یوں کہنے کی ضرورت نہ تھی، کیونکہ یہ ایسا ہے جیسے ہمارے محاورے میں ایک دو بولتے ہیں، مثلاً کہتے ہیں میں نے اس کو ایک دو دفعہ کہا، ایک دو روپے دیئے جیسے اس سے تین کی تحدید نہیں سمجھی جاتی، اس طرح ان احادیث کا خیال کر لینا چاہیئے اور اگر بالفرض تسلیم کر لیں کہ تین مفہوم ہوتے ہیں تو یہ مفہوم ہے صریح اور منطوق نہیں اور یہ قاعدہ مسلم ہے کہ مفہوم منطوق کا مقابلہ نہیں کر سکتا، پس جن احادیث میں پانچ کی تصریح ہے۔ وہ ان احادیث پر مقدم ہوں گی جن سے تین مفہوم ہوتے ہیں، اس تفصیل سے واضح ہو گیا، کہ دلائل کی رُو سے تیسرا مذہب راجح ہے اور پہلے دو مذہب کمزور ہیں، سبل السلام اور نیل الاوطار میں اس مسئلہ پر بہت بحث کی گئی ہے اور آخر اسی تیسرے مذہب کو راجح قرار دیا ہے ہم نے ان کی بحث کا خلاصہ لے لیا ہے اور کچھ اپنی طرف سے بھی تفصیل کی ہے۔

ایک دفعہ دودھ پینے کی تشریح

ب ایک دفعہ دودھ پینے کی تشریح بھی سنیئے نیل الاوطار جلد ۶ صہ ۲۴۶ میں ہے۔

اَلرَّضْعَةُ هِيَ الْمَرَّةُ مِنَ الرَّضَاعِ كَضَرْبَةٍ وَجَلْسَةٍ وَاَكْلَةٍ فَمَتَى الْتَقَمَ الصَّبِيُّ الثَّدْيَ فَامْتَصَّ مِنْهُ ثُمَّ تَرَكَهُ بِاخْتِيَارِهٖ بِغَيْرِ عَارِضٍ كَانَ ذَالِكَ رَضْعَةً ۚ وَفِي الضِّيَاءِ اَنَّ الْمَصَّ الْوَاحِدَةَ مِنَ الْمَصِّ وَهِيَ اَخْذُ الْيَسِيْرِ مِنَ الشَّيْئِ

یعنی رضعہ کے معنی ہیں ایک دفعہ دودھ پینا جیسے ضربۃ۔ جلسۃ۔ اکلۃ کے معنی ہیں ایک دفعہ مارنا، ایک دفعہ بیٹھنا ایک دفعہ کھانا پس بچہ ایک دفعہ پستان منہ میں لے کر چوسے پھر اپنے اختیار سے بغیر کسی عارضہ کے چھوڑ دے، تو یہ ایک رضعہ ہوا، اور ضیاء میں ہے کہ مصہ ایک دفعہ چوسنا ہے یعنی تھوڑی شے لینا، اسی صفحہ پر املاجہ کا معنی لکھا ہے، اَلْاِمْلَاجَةُ اَلْاِرْضَاعَةُ مِثْلُ الْمَصَّةِ یعنی املاجہ ایک دفعہ منہ میں پستان دینے کو کہتے ہیں، جیسے مصہ ایک دفعہ چوسنے کو کہتے ہیں، ان عبارتوں سے رضعہ، مصہ۔ املاجہ کے معنی معلوم ہو گئے کہ جب بچہ ایک دفعہ پی کر خود بخود چھوڑ دے تو رضعہ۔ مصہ۔ املاجہ ہے اس طرح سے جب پانچ دفعہ دودھ پی

لے تو حرمت ثابت ہو جاتی ہے، اگر پانچ سے کم پیئے تو حرمت ثابت نہیں ہوتی۔

(اختلاف سوم) تیسرا اختلاف یہ ہے کہ رضاعت کی مدت کیا ہے بڑے کی رضاعت سے حرمت ثابت ہوتی ہے یا نہیں نیل الاوطار جلد ۶ ص ۲۵۲ میں اس میں نو مذہب ذکر کئے ہیں۔

اوّل۔ دو سال کے اندر پیئے تو حرمت ثابت ہو گی ورنہ نہیں۔ دلیل ان کی کئی حدیثیں ہیں، دارقطنی میں ہے۔ لَا رِضَاعَ اِلَّا مَا کَانَ فِی الْحَوْلَیْنِ (منتقی) یعنی رضاعت دو سال کے اندر ہے بخاری و مسلم وغیرہ میں حضرت عائشہ رضی کی حدیث ہے۔ اِنَّمَا الرَّضَاعَۃُ مِنَ الْمَجَاعَۃِ رضاعت بھوک سے ہے۔ یعنی رضاعت ایسی معتبر ہے جب رضاعت کے سوا کوئی اور ذریعہ بھوک کے دور ہونے کا نہ ہو سو یہ دو سال کے اندر ہے کیونکہ بعد کو انسان غذا اور خوراک کھانے لگ جاتا ہے۔

ابوداؤد میں حدیث ہے لَا رِضَاعَ اِلَّا مَا اَنْشَزَ الْعَظْمَ وَاَنْبَتَ اللَّحْمَ (بلوغ المرام) معتبر رضاعت وہ ہے جو ہڈیاں پیدا کرے اور گوشت اگائے یعنی جب ہڈیاں پیدا ہونے کا اور گوشت اگانے کا ذریعہ صرف رضاعت ہو، اس وقت کی رضاعت معتبر ہے سو یہ بھی دو سال کے اندر ہے۔ اس قسم کی احادیث بہت ہیں جن سے اس مذہب والے استدلال کرتے ہیں اور آیت کریمہ وَالْوَالِدَاتُ یُرْضِعْنَ اَوْلَادَھُنَّ حَوْلَیْنِ کَامِلَیْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ یُّتِمَّ الرَّضَاعَۃَ سے بھی استدلال کرتے ہیں، کیونکہ اس میں مدت رضاعت کی دو سال بتائی ہے اگرچہ بعض نے کہا ہے کہ یہ مدت رضاعت نفقہ کی ہے یعنی خاوند اگر عورت کو طلاق دیدے اور عورت کی گود میں بچہ ہو تو عورت دو سال تک رضاعت کے عوض نفقہ لے سکتی ہے۔ بعد کو نفقہ نہیں لے سکتی۔ یہ مطلب نہیں کہ دو سال کے بعد رضاعت کا زمانہ ہی نہیں لیکن یہ ان کی غلطی ہے کیونکہ بعد کو نفقہ اس لئے نہیں لے سکتی کہ رضاعت کی مدت شرع میں دو سال تک ختم ہے۔ اس لئے لِمَنْ اَرَادَ اَنْ یُّتِمَّ الرَّضَاعَۃَ دو سال اس کے لئے ہیں، جو رضاعت کی مدت پوری کرنی چاہیئے۔ یعنی اگر والدین دو سال کے اندر دودھ چھڑانا مناسب سمجھیں جس میں بچہ کا نقصان نہ ہو تو کوئی حرج نہیں اگر مدت پوری کرنا چاہیں تو دو سال ہیں۔ حضرت عمر رضی حضرت ابن عباس رضی، حضرت ابن مسعود رضی۔ حضرت ابوہریرہ رضی حضرت ابن عمر رضی اہلبیت رضی۔ امام شافعی رح امام احمد رح امام مالک رح امام ابوحنیفہ رح امام ثوری رح حسن بن صالح رح امام زفر رح امام محمد رح امام ابویوسف رح سعید بن مسیب رح ابن شبرمہ رح امام اسحٰق رح امام ابو عبید رح امام ابن المنذر رح یہ سب اسی مذہب کے قائل ہیں۔ ان کے نزدیک مدت رضاعت دو سال ہے۔

(دوم) دوسرا مذہب یہ ہے کہ دودھ چھڑانا حد ہے اگر دو سال کے اندر چھڑائے تو دو سال کے اندر مدتِ رضاعت ختم ہو جائے گی۔ اگر دو سال پورے کر کے چھڑائے تو مدت رضاعت دو سال ہو گی۔ حضرت ام سلمہ رض کا یہی مذہب ہے اور حضرت علی رض سے بھی ایک روایت اس کے موافق آتی ہے۔ مگر صحت کو نہیں پہنچی اور ابنِ عباس رض کے دو قول ہیں۔ ایک پہلے مذہب کے موافق ہے ایک اس مذہب کے حسن رح اور زہری رح اوزاعی رح عکرمہ رح قتادہ رح کا بھی یہی مذہب ہے ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ لَا رِضَاعَ بَعْدَ فِصَالٍ (منتقی) دودھ چھڑانے کے بعد رضاعت نہیں ایک اور حدیث میں ہے۔ لَا یُحَرِّمُ مِنَ الرَّضَاعِ اِلَّا مَا فَتَقَ الْاَمْعَاءَ فِی الثَّدْیِ وَ کَانَ قَبْلَ الْفِطَامِ منتقی وہ رضاعت حرمت پیدا کرتی ہے جو آنتوں کو پھاڑ دے اور چھاتی میں ہو اور دودھ چھڑانے سے پہلے ہو۔ اس مذہب والے اس قسم کی احادیث پیش کرتے ہیں۔ مگر یہ کوئی تسلی بخش دلائل نہیں کیونکہ دودھ عموماً دو سال پورے کر کے چھڑایا جاتا ہے اس لئے دودھ چھڑانے سے مراد دو سال ہی ہیں اور چھاتی میں ہونے سے بھی یہی مراد ہے۔ کیونکہ چھاتی میں بچہ عموماً دو سال ہی دودھ پیتا ہے۔ اور یہی مراد آنتوں کے پھاڑنے سے ہے کیونکہ آنتوں کے پھاڑنے کا یہ مطلب ہے کہ دودھ سے آنتیں بھر کر ایک دوسرے سے جُدا ہو جائیں اور اس غذا کے سوا۔ اس وقت دوسری غذا نہ ہو سکے۔ اور یہ بھی عموماً دو سال کے اندر ہی ہے پس یہ احادیث درحقیقت پہلے مذہب والوں کے دلائل ہیں۔

(سوم) تیسرا مذہب یہ ہے کہ بچپن میں پئے تو حرمت ثابت ہوتی ہے اور بچپن کی کوئی خاص حد مقرر نہیں۔ بلکہ جس کو عام طور پر عرف میں بچپن کہتے ہیں۔ وہ مراد ہے۔ حضرت عائشہ رض کے سوا باقی ازواج مطہرات سے یہ روایت ہے۔ اور عبداللہ بن عمر رض سے بھی ایک روایت اس کے موافق آئی ہے اور سعید بن مسیب رح کا بھی ایک قول اس کے موافق ہے۔ لیکن یہ مذہب درحقیقت پہلے مذہب والوں کی طرف لوٹتا ہے۔ کیونکہ بچپن سے مراد ان کی وہی دو سال ہیں۔ ورنہ مطلق بچپن تو بلوغ تک چلا جاتا ہے اور ایسی کوئی روایت نہیں۔ جس میں یہ ذکر ہو کہ بلوغت تک رضاعت معتبر ہے بعد کو نہیں۔

(چہارم) چوتھا مذہب مدت رضاعت اڑھائی سال ہے امام زفر رح اسی کے قائل ہیں اور ایک روایت امام ابو حنیفہ رح سے بھی اس کے موافق آئی ہے دلیل ان کی یہ آیت کریمہ ہے۔ حَمْلُهٗ وَ فِصَالُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا آیت کا ترجمہ یوں کرتے ہیں۔ حمل بھی تیس ماہ ہے اور دودھ چھڑانا بھی تیس ماہ میں ہے۔ لیکن یہ ترجمہ بالکل غلط ہے کیونکہ اس سے لازم آتا ہے کہ حمل کی مدت دو سال ہے بلکہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ حمل اور دودھ چھڑانا

دونوں کی مدت تیس ماہ ہے حمل کی ادنیٰ مدت چھ ماہ ہے اور دودھ چھڑانے کی چوبیس ماہ (دو سال) ہے پس یہ کل تیس ماہ ہوئے صحابہ رضؓ سے یہ تفسیر مروی ہے، ملاحظہ ہو ابن کثیر وغیرہ۔

(پنجم) پانچواں مذہب یہ کہ دو سال اور دو سال کے قریب مدت رضاعت ہے امام مالک رحؒ سے ایک روایت اس قسم کی آئی ہے، دلیل اس کی قیاس ہے وہ یہ کہ دو سال تو حدیث میں آ گئے اور کچھ تھوڑا بہت اوپر ہو جائے تو عرفاً وہ بھی دو ہی سال سمجھے جاتے ہیں لیکن حدیث پر زیادتی ٹھیک نہیں، اس لئے راجح قول امام مالک رحؒ کا وہی ہے جو پہلے مذہب کے موافق ذکر ہو چکا ہے۔

(ششم) چھٹا مذہب یہ ہے کہ مدت رضاعت تین سال ہے ایک جماعت اہل کوفہ سے یہ مروی ہے اور حسن بن صالح سے بھی اس کے موافق ایک روایت آئی ہے دلیل ان کی وہی ہے، جو چوتھے مذہب والوں کی ہے چھ ماہ اس لئے زیادہ کئے ہیں کہ اڑھائی سال جب دودھ کے ہوئے تو اڑھائی سال عورت کو حمل سے بچانا چاہیئے تاکہ بچہ کی رضاعت خاطر خواہ پوری ہو اور اڑھائی سال کے بعد حمل ہو تو چھ ماہ تک دودھ پھر بھی اُتر سکتا ہے اس لئے یہ چھ ماہ بھی گویا رضاعت کے ہوئے اس طرح سے تین سال ہو گئے لیکن چوتھے مذہب کا ضعف واضح ہو چکا ہے اس لئے اس کا بھی اعتبار نہ رہا، نیز آیت سے مدت رضاعت اڑھائی سال لے کر پھر اپنی رائے سے چھ ماہ اور زیادہ کرنے یہ کتاب اللہ کی تحریف ہے۔

(ہفتم) ساتواں مذہب یہ ہے کہ مدت رضاعت سات سال ہے یہ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز تابعی سے مروی ہے شاید انہوں نے نماز کا لحاظ کیا ہے، ساتویں سال نماز کے حکم دینے کا ارشاد ہے تو گویا سات سال کا ہو کر بڑوں میں شامل ہے لیکن یہ قیاس بہت دور ہے۔ رضاعت کو نماز سے کیا تعلق؟ نماز تمیز سے تعلق رکھتی ہے اور رضاعت دودھ کے غذا بننے سے۔

(ہشتم) آٹھواں مذہب یہ ہے کہ مدت رضاعت دو سال بارہ دن ہے۔ یہ ربیعہ سے روایت ہے اس کی دلیل وہی ہے جو پانچویں مذہب کی ہے بارہ دن معین کرنے کی وجہ یہ ہے، کہ بہت دفعہ نصف یا نصف سے زائد شے کا حکم پوری شے کا ہوتا ہے جیسے قربانی میں نصف یا نصف سے زائد کان کٹا ہو یا سینگ ٹوٹا ہو، تو قربانی نہیں لگتی تو اس اعتبار سے پندرہ دن اور زائد پورے ماہ کے حکم میں ہوئے اور سال مہینوں سے مرکب ہوتا ہے تو پندرہ دن یا اوپر ملا کر پچیس ماہ ہو جائیں گے جو دو سال شمار نہیں ہو سکتے۔ اگر بارہ دن ہوں گے تو یہ الگ مہینہ شمار ہونے کے قابل نہیں، اس صورت میں یہ مدت دو سال سے زائد نہیں سمجھی جائے گی۔

تیرہ دن اور چودہ دن بھی اسی حکم میں ہیں لیکن ان کو نصف کے قریب سمجھ کر بارہ پر مدار رکھا۔ لیکن اس قسم کے تکلفات فضول ہیں۔ جو قرآن وحدیث میں صراحۃً آگیا۔ اسی پر مدار رکھنا چاہیئے سو دہ پہلا مذہب ہے۔[1]

(نہم) نواں مذہب بعینہٖ پہلا مذہب ہے۔ مگر یہ اتنا زیادہ کرتے ہیں۔ کہ ضرورت کے موقع پر بڑے کی رضاعت بھی ثابت ہو جاتی ہے۔ مثلاً کوئی لڑکا گھر ہی میں پلا ہے اس سے پردہ ہونا مشکل ہے یا کوئی ہر وقت کاروبار کے لئے اندر باہر آتا جاتا ہے اس سے پردہ کرنے میں دقت ہے یا کسی لڑکے کی بابت کسی عورت کا ارادہ ہے کہ میں خود اس کی علمی پرورش کروں یا خود اس سے پڑھوں یا اس قسم کی کوئی ضرورت ہو تو ایسے موقع پر اس کو پانچ دفعہ دودھ پلا کر اس کو اپنا محرم بنا سکتی ہے خواہ بالغ ہو دلیل اس کی وہی روایات ہیں۔ جو اختلاف دوم کے مذہب سوم میں گزر چکی ہیں۔ جن میں ذکر ہے کہ ابو حذیفہ رضؓ کی بیوی سہلہ نے سالم کو دودھ پلایا حالانکہ وہ بالغ تھا۔ مسند احمد اور مسلم میں ہے کہ حضرت امّ سلمہ رضؓ نے حضرت عائشہ رضؓ کو کہا تجھ پر ایک نوجوان لڑکا داخل ہوتا ہے میں دوست نہیں رکھتی کہ مجھ پر یہ لڑکا داخل ہو۔ حضرت عائشہ رضؓ نے جواب دیا کیا تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم میں اچھی اقتداء نہیں۔ ابو حذیفہ رضؓ کی بیوی نے کہا یا رسول اللہ! سالم بالغ ہے وہ مجھ پر داخل ہوتا ہے اور ابو حذیفہ رضؓ کچھ عزت کرتے ہیں۔ فرمایا سالم کو دودھ پلادے تاکہ وہ تجھ پر داخل ہو۔ اور ایک روایت میں ہے   بیویوں نے کہا یہ خالص سالم کے لئے رخصت تھی۔ ہم ایسی رضاعت کے ساتھ کسی کو اپنے اوپر داخل نہیں ہونے دیں گی۔ نہ ہمیں کوئی ایسی رضاعت کے ساتھ دیکھ سکتا ہے۔ (منتقیٰ)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ باقی بیویوں کو سالم کے واقعہ میں یہی شبہ تھا کہ یہ سالم کا خاصہ ہے بعض نے جو یہ کہا ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے غلط ہے اگر منسوخ ہوتی تو باقی بیویاں حضرت عائشہ رضؓ کو یہ جواب ضرور دیتیں۔ رہی یہ بات کہ باقی بیویوں کا خاصہ ہونے کا شبہ صحیح ہے یا نہیں تو اس کی بابت عرض ہے کہ یہ شبہ صحیح نہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے فرمانے کے بغیر خاصہ ثابت نہیں ہوتا۔

نیل الاوطار جلد ۶ صہ ۲۵۱ میں ہے کہ ابو بردہ رضؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے بکری کا چھوٹا بچہ قربانی کرنے کی اجازت دے دی اور ساتھ ہی فرمایا کہ تیرے بعد کسی کے لئے جائز نہیں اسی طرح خذیمہ رضؓ کو ایک

---

[1] باستثناء رضاعت کبیر جیسے نویں مذہب میں آتا ہے۔ ۱۲

مقدمہ میں فرمایا کہ تیرے اکیلے کی شہادت رد کے قائمقام ہے تو جب تک اس طرح سے آپ خصوصیت نہ کریں، خاصہ ثابت نہیں ہوتا۔ اس لئے حضرت عائشہ رضؓ نے اس کی پرواہ نہیں کی۔ اور برابر ایسی رضاعت کے ساتھ داخل ہونے کی اجازت دیتی رہیں۔

سبل السلام کے صـــ۱۲۱ میں بحوالہ موطا ر ذکر کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضؓ جب کسی کو اپنے اوپر داخل کرنا چاہتیں تو اپنی ہمشیرہ امّ کلثوم کو اور اپنی بھتیجیوں کو حکم دیتیں کہ اس کو دودھ پلائیں۔ نیل الاوطار جلد ۶ صـــ۲۵۱ میں ہے کہ حضرت علی رضؓ کا بھی یہی مذہب ہے ابن عبدالبر نے حضرت علی رضؓ سے اس کا انکار نقل کیا ہے لیکن ابن حزم ؒ نے اس کو حضرت علی رضؓ کا مذہب قرار دیا ہے اور عروہ بن زبیر رحؒ۔ عطا بن ابی رباح رحؒ لیث بن سعد رحؒ اور ابن علیہ رحؒ کا بھی یہی مذہب ہے امام نووی رحؒ نے کہا ہے امام داؤد ظاہری بھی اسی طرف گئے ہیں اور ابن حزم رحؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔

جن حدیثوں سے رضاعت کی مدت دو سال ثابت ہوتی ہے ان سے بعض حضرت عائشہ رضؓ سے مروی ہیں۔ جیسے یہ حدیث اِنَّمَا الرَّضَاعَةُ مِنَ الْمَجَاعَةِ چنانچہ پہلے مذہب میں گذر چکی ہے پھر باوجود اس کے حضرت عائشہ رضؓ رضاعت کبیر کو جائز رکھتی ہیں اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اصل مدت رضاعت دو سال ہے مگر جب ضرورت ہو تو رضاعت کبیر بھی ثابت ہو جاتی ہے۔ سبل السلام جلد ۲ صـــ۱۲۲ میں اور نیل الاوطار جلد ۶ صـــ۲۵۲ میں ابن تیمیہ رحؒ یہ تقریر نقل کر کے کہ اصل مدت رضاعت دو سال ہے مگر ضرورت کے وقت رضاعت کبیر بھی ثابت ہو جاتی ہے" کہا ہے کہ یہ نہایت عمدہ ہے اور راجح ہے اس سے تمام احادیث میں موافقت ہو جاتی ہے یعنی سالم کے واقعہ کو ضرورت پر حمل کر دیا جائے۔ جب کسی سے بوجہ کسی ضرورت کے پردہ مشکل ہو تو ایسے موقع پر بڑے کی رضاعت بھی ثابت ہو جائے گی۔ اور عام طور پر مدت رضاعت کے لئے دو سال کی شرط ہوگی یہ نہایت جچا تلا فیصلہ ہے جس میں تمام خدشات رفع ہو جاتے ہیں اور کسی قسم کا تردد یا کھٹکا دل میں باقی نہیں رہتا۔ کیونکہ جو لوگ مطلقاً رضاعت کبیر کے قائل ہیں، ان کے مذہب پر وہ احادیث چھوٹ جاتی ہیں، جن سے مدت رضاعت دو سال ثابت ہوتی ہے اور جو رضاعت کبیر کے بالکل منکر ہیں، ان کے مذہب پر سالم کے واقعہ کی روایات رہ جاتی ہیں۔ اگر اس فیصلہ پر عمل کیا جائے۔ تو ہر حدیث اپنی اپنی جگہ قابل عمل رہتی ہے۔

یہاں تک تین اختلافات کی تفصیل ہوئی ہے۔ اختلافات تو اور بھی ہیں لیکن سوالات کے جوابات

میں یہ تین ہی کافی ہیں اس لئے اب ہم انہی پر اکتفاء کر کے سوالات کے جوابات دیتے ہیں۔

سوال :۔ رضاعت کسے کہتے ہیں؟

جواب :۔ رضاعت کے معنی قاموس منجد وغیرہ میں یہ لکھے ہیں۔ کہ پستان سے دودھ کا چوسنا لیکن برتن میں ڈال کر پینا یا چمچے وغیرہ سے منہ میں ڈالنا یا ناک میں ٹپکانا یا حقنہ کرنا جس سے غذا پہنچانا مقصود ہو یہ سب صورتیں پستان سے چوسنے کے حکم میں ہیں جیسے اختلاف اول میں اس کی تفصیل ہو چکی ہے ـــــ مدت رضاعت اصل دو سال ہے لیکن ضرورت اور مجبوری کی صورت میں دو سال کے بعد بھی ثابت ہو سکتی ہے۔ بلکہ بالغ کی بھی ثابت ہو سکتی ہے جیسے اختلاف سوم کے مذہب پنجم میں تفصیل ہو چکی ہے۔

سوال :۔ کیا ختم رضاعت کے بعد اگر عورت اپنے بچہ کو دودھ پلا دے تو حرام ہوگا؟

جواب :۔ ضرورت اور مجبوری میں ختم رضاعت کے بعد بھی رضاعت ثابت ہو سکتی ہے۔ چنانچہ ابھی تفصیل ہوئی ہے۔

سوال :۔ کیا عورت کا دودھ پینا مطلقاً حرام ہے سوائے رضیع کے؟

جواب :۔ حرام نہیں کہہ سکتے۔ حرمت کی کوئی دلیل نہیں ملی۔

سوال :۔ کیا عورت کے دودھ کو دواءً استعمال کرنا جائز ہے؟

جواب :۔ جب حرمت کی کوئی دلیل نہیں تو بلاشبہ درست ہے۔

سوال :۔ کیا شوہر کو اپنی بیوی کا دودھ پینا جائز ہے؟

جواب :۔ ابھی گزرا ہے کہ جب حضرت عائشہ رضؓ کسی کو اپنے اوپر داخل کرنا چاہتیں تو اپنی ہمشیرہ ام کلثوم کو اور بھتیجیوں کو امر فرماتیں کہ دودھ پلا دیں اس سے بعض نے یہ سمجھا ہے کہ حضرت عائشہ رضؓ بغیر ضرورت کے بھی رضاعت کبیر کی قائل ہیں اور اسی سے وہ مطلقاً رضاعت کبیر کے قائل ہو گئے ہیں۔ اگرچہ راجح یہی ہے کہ حضرت عائشہ رضؓ کی مراد یہ نہیں بلکہ ضرورت کے وقت ایسا کرتی تھیں اور ابن تیمیہ رحؒ سے بھی یہی ذکر کر چکے ہیں کہ رضاعت کبیر ضرورت کے بغیر ثابت نہیں ہوتی لیکن بظاہر ایک اختلاف کی صورت قائم ہو گئی ہے۔ اس لئے احتیاط اسی میں ہے کہ خاوند اپنی عورت کا دودھ نہ پیے، ہاں اگر دوا وغیرہ کے لئے ضرورت ہو تو استعمال میں کوئی حرج نہیں۔

سوال :۔ کیا شوہر اپنی زوجہ کا دودھ پینے سے اپنی زوجہ پر حرام ہو جائے گا۔ اور وہ اپنی زوجہ کا رضیع ہو جائیگا۔

جواب :۔ حرام نہیں ہوتا نہ اپنی زوجہ کا رضیع بنتا ہے کیونکہ رضاعت کبیر بغیر ضرورت کے ثابت نہیں ہوتی مگر خاوند کو اپنی بیوی کے دودھ سے احتیاط چاہیئے ۔ جیسے ابھی نمبرہ میں تفصیل ہوئی ہے۔

سوال :۔ کیا چند قطرے پیتے ہی رضاعت ثابت ہو جاتی ہے ؟

جواب :۔ چند قطروں سے رضاعت قائم نہیں ہوتی ۔ چنانچہ اختلاف دوم میں تفصیل ہو چکی ہے ۔

سوال :۔ اگر مسئلہ نہ جاننے کی صورت میں شوہر اپنی زوجہ کا دودھ پی لے تو وہ گنہ گار ہے یا نہیں اور جس حالت میں کہ وہ اپنی زوجہ پر حرام ہو جاتا ہو ۔ دوبارہ کیونکر رجوع کر سکتا ہے ؟ یا نہیں کر سکتا ؟

جواب :۔ گنہ گار نہیں ہوتا نہ اپنی زوجہ پر حرام ہوتا ہے اگر حرام ہو جاتا تو رجوع کی کوئی صورت نہ تھی ہاں آئندہ احتیاط چاہیئے ۔

سوال :۔ کیا شوہر اپنی زوجہ پر حرام ہونے کی صورت میں زوجہ کا محرم بھی ہو جائے گا ؟

جواب :۔ اگر اپنی زوجہ پر حرام ہو جاتا تو ضرور محرم ہو جاتا ۔ لیکن حرام نہیں ہوتا چنانچہ اوپر گزرا ہے ۔

سوال ۔ کیا خون اور گوشت کی مانند عورت کا دودھ حرام ہے یا حرمت میں فرق ہے ؟

جواب :۔ نمبر ۴ میں گزرا ہے کہ حرمت کی کوئی دلیل نہیں ۔

سوال :۔ کیا دودھ مثل خون پسینہ آنسو کے انسان کے جسم کا جزء ہے ؟

جواب :۔ دودھ بے شک جزء ہے بلکہ اعلیٰ قسم کا جزء ہے لیکن جزء ہونے سے حرمت لازم نہیں آتی ۔ ورنہ بچے کے لئے کس طرح جائز ہوتا ؟ اور سالم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح اجازت دیتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضؓ کی زبان چوستے ۔ چنانچہ مشکوٰۃ باب تنزیہ الصوم میں ہے یہ تھوک کس طرح جائز ہوتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسواک کر کے جب حضرت عائشہ رضؓ کو دھونے کے لئے دیتے تو حضرت عائشہ رضؓ پہلے بغیر دھوئے مسواک کر لیتیں پھر دھوتیں چنانچہ مشکوٰۃ باب السواک میں ہے اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت حضرت عائشہ رضؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ میں مسواک داخل کی آپ پر سخت ہو گئی ۔ حضرت عائشہ رضؓ نے اس کو چبا کر نرم کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کرائی اور خدا کا شکر کیا کہ آخر وقت خدا نے میری تھوک اور آپ کی تھوک جمع کر دی ۔ ملاحظہ ہو بخاری معہ فتح الباری باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم ووفاتہ ، اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہنڈیا میں اور آٹے میں تھوکا جیسے مشکوٰۃ باب المعجزات میں ہے اور ام سلیم رضؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا

خوشبو میں ملاتیں چنانچہ مشکوٰۃ باب اسماء النبی میں ہے اسی طرح کسی بزرگ سے بچہ کی تحنیک[علہ] کرانی جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے اور مومن کا جوٹھا یہ حلال طیب ہے پس معلوم ہوا کہ انسان کے جزء کو مطلقاً حرام کہنا بڑی غلطی ہے ہاں جو جزء حرام ہے مثلاً خون بالاتفاق حرام ہے کیونکہ حدیث میں ہے رسول اللہؐ نے دو شخصوں کی نسبت جنکو قبر میں سخت عذاب ہو رہا تھا۔ فرمایا۔ اما فلان فانہ کان لا یستبری من البول وفلان او فلانۃ فانہ کان یاکل لحوم الناس (ترغیب منذری) یعنی فلاں کو اس لئے عذاب ہو رہا ہے کہ وہ پیشاب سے پرہیز نہیں کرتا تھا۔ اور فلاں کو اس لئے عذاب ہو رہا ہے کہ وہ لوگوں کا گوشت کھاتا تھا یعنی چغلی کرتا تھا اس باب میں ایک اور حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دو عورتوں کے روزہ کا ذکر ہوا تو فرمایا انہوں نے روزہ نہیں رکھا جو سارا دن لوگوں کا گوشت کھاتے اس کا روزہ کیا؟ اس باب میں ایک اور حدیث ہے کہ جو شخص بھائی کا گوشت کھائے قیامت کے دن وہ بھائی میت کی حالت میں اس کے سامنے رکھا جائے گا اور کہا جائے گا۔ جیسے تو نے اس کو زندہ کھایا اب مردہ کھا —— اس قسم کی احادیث بہت ہیں جن میں چغلی کو لوگوں کا گوشت کھانا کہا ہے اگر گوشت حرام نہ ہوتا تو چغلی کو گوشت خوری نہ کہا جاتا اور قرآن مجید میں بھی کہا ہے۔ ایحب احدکم ان یاکل لحم اخیہ میتا کیا تم سے کوئی مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند کرتا ہے مردہ کا ذکر زیادہ مذمت کے لئے ہے ورنہ زندہ کا بھی وہی حکم ہے کیونکہ حلال جانور کی نسبت حدیث میں آیا ہے کہ اگر زندہ سے کوئی عضو کاٹا جائے۔ تو مردار ہے جب حلال جانور کا یہ حکم ہے تو انسان تو پہلے ہی حرام ہے جیسے اوپر کی احادیث سے ثابت ہے پس معلوم ہوا کہ مردہ کا ذکر زیادہ مذمت کے لئے ہے نیز اس آیت میں میت کے لفظ میں ذبح کیا ہوا انسان بھی داخل ہے تو جب ذبح کئے ہوئے انسان کا گوشت اصل میں حرام ہے رہا خون تو وہ حلال اشیاء کا بھی حرام ہے تو حرام کا بطریق اولیٰ حرام ہوگا۔

سوال:۔ کیا شوہر جبکہ اپنی زوجہ کا دودھ پینے سے زوجہ کا رضیع ہوگیا ہو تو زوجہ سے مقاربت کرتا رہے

علہ تحنیک کہتے ہیں بچہ کے پیدا ہوتے ہی نہلانے دھلانے کے بعد کوئی نیک آدمی کھجور وغیرہ اپنے منہ میں نرم کرکے بچہ کے تالو سے لگا دے تاکہ پہلے اس کے پیٹ میں متبرک غذا جائے اور اس کی صلاحیت کا باعث ہو۔

باوجود مسئلہ جاننے کے تو ایسی صورت میں دونوں پر حد شرعی کیا ہوگی؟

جواب :۔ اگر رضیع ہو کر عورت کا محرم بن جاتا تو مقاربت کی صورت میں کوئی حد یا تعزیر بھی ماری جاتی۔ لیکن اوپر کے بیان سے معلوم ہو چکا ہے کہ رضاعت کبیر بغیر ضرورت کے ثابت نہیں ہوتی۔

سوال۔ اگر مرد پر عورت دودھ پینے سے حرام ہوجاتی ہے اور مرد کی زندگی کا انحصار دودھ پینے ہی پر ہے اور دوسری کوئی عورت دودھ پلانے کو رضامند نہیں تو ایسی حالت میں وہ اپنی بیوی کا دودھ پی سکتا ہے؟

جواب :۔ اوپر ثابت ہو چکا ہے کہ رضاعت کبیر بغیر ضرورت کے ثابت نہیں ہوتی۔ اگر خاوند کو عورت کے دودھ کی دوا کیلئے ضرورت ہے تو بے شک استعمال کرے۔ اس میں کوئی حرج نہیں۔ ہاں اگر خاوند دو سال کے اندر ہے اور عورت بڑی ہے جس کو دودھ اترا ہوا ہے اور وہ اس بچہ سے نکاح کا ارادہ رکھتی ہے تو وہ اس بچہ کو دودھ نہ پلائے اگر پلائے گی تو اس پر حرام ہوجائے گی کیونکہ دو سال کے اندر رضاعت بغیر ضرورت کے بھی ثابت ہوجاتی ہے۔ عبداللہ امرتسری مقیم روپڑ ضلع انبالہ ۲۴ محرم الحرام ۱۳۵۲ھ مطابق ۲۰ رمئی ۳۳ء

نانی کا دودھ پینے والی لڑکی سے نانی کے پوتے کا نکاح جائز ہے؟

سوال :۔ زینب کی والدہ فوت ہوگئی اور وہ اپنی نانی کے پاس چلی گئی اس نے نانی کا دودھ پیا زینب کی نانی کا ایک پوتا ہے زینب کا نکاح اس سے جائز ہے؟ محمد شفیع اثر پوری چک ۴۷۲ سمندری

جواب :۔ پوتے پر زینب حرام ہے کیونکہ زینب پوتے کے لئے رضاعی پھوپھی ہے حدیث میں ہے یحرم من الرضاعۃ ما یحرم من النسب یعنی رضاعت سے بھی وہ شئے حرام ہوجاتی ہے جو نسب سے حرام ہوتی۔ (مشکوٰۃ) عبداللہ امرتسری روپڑی

عورت کا خاوند کو پوت کہنا

سوال :۔ اگر عورت خاوند کو پوت کہہ دے تو شرع میں اس کا کیا حکم ہے؟

جواب :۔ اگر عورت مرد کو پوت کہہ دے تو اس میں مرد پر کوئی جرم نہیں لگتا اگر مرد کہتا تو کفارہ دینا پڑتا۔ عبداللہ امرتسری روپڑی

کیا رضاعت میں ایک چھاتی شرط ہے

سوال:- تین عورتیں ہیں جن کے نام یہ ہیں۔ فاطمہ۔ گابی۔ نورو۔ نمبرا کی دو دختر ہیں اوّل و دوم پیدائش میں ایک لڑکا نمبر ۲ کی ایک دختر نمبر ۲ کے پسر نے نمبرا کی دختر اول سے شیر مل کر پیا۔ یعنی رضاعی بھائی بہن بنے اور نمبر ۳ کی لڑکی کا نمبرا کی دختر دوم سے شیر پی کر رضاعی تعلق ہوا کیا نمبر ۲ کا لڑکا نمبر ۳ کی دختر سے نکاح کر سکتا ہے۔

مفتی فضل عظیم قریشی عثمانی از بھیرہ

جواب:- بعض بے علموں کا یہ مسئلہ ہے کہ اس دودھ سے حرمت ثابت ہوتی ہے جو ایک چھاتی سے پیا ہو، حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ آدم علیہ السّلام کے زمانہ میں ایک بطن کے دو بچے آپس میں بھائی بہن سمجھے جاتے تھے۔ دو بطن کا حکم الگ الگ کا تھا۔ اس لئے نکاح کی یہ صورت تھی کہ ایک بطن کا لڑکا اور دوسرے بطن کی لڑکی کا نکاح آپس میں ہوتا تھا۔ اگر ایک بطن کے ہوتے تو ان کا نکاح نہیں ہوتا تھا۔ اور اسی وجہ سے قابیل کو ہابیل پر حسد آیا۔ اب بعض نے اس کو رضاعت کی طرف منتقل کر دیا ہے حالانکہ اس بارہ میں رضاعت اور ولادت میں کوئی فرق نہیں۔ حدیث میں ہے۔ یَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا یَحْرُمُ مِنَ الْوِلَادَةِ رواہ البخاری۔ یعنی جو ولادت سے حرام ہوتا ہے وہ رضاعت سے بھی حرام ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ ولادت میں اب ایک بطن میں یا دو بطن میں کوئی فرق نہیں پس رضاعت کا بھی یہی حکم ہونا چاہیئے۔ جب نمبر ۲ کے لڑکے نے اور نمبر ۳ کی لڑکی نے فاطمہ کا دودھ پیا ہے خواہ اول نے دختر اول کے ساتھ پیا ہو اور دوم نے دوم کے ساتھ بہر صورت یہ لڑکا لڑکی فاطمہ کی رضاعی اولاد ہوگئی اب ان کا نکاح آپس میں درست نہیں۔ قرآن مجید سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے چنانچہ ارشاد ہے۔ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِیْۤ اَرْضَعْنَكُمْ۔ یعنی جن ماؤں نے تمہیں دودھ پلایا ہے وہ تم پر حرام ہیں۔ اس آیت کی بنا پر فاطمہ دونوں لڑکی لڑکے کی ماں ہے کیونکہ اس نے دونوں کو دودھ پلایا ہے پس جب یہ دونوں کی ماں ہوگئی تو یہ آپس میں بھائی بہن بن گئے پس کسی صورت ان کا نکاح آپس میں درست نہیں۔

عبداللہ امرتسری روپڑ ۲۸ شعبان ۱۳۵۸ھ

رضاعت کا اعتبار مرد کی طرف سے بھی ہے؟

سوال:- صورت مسئولہ یہ ہے

(۱)

زید خاوند

بیوی زینب — بیوی فاطمہ

رضاعی لڑکا — لڑکی

نوٹ :۔ ہر دو بیویوں میں زید کا دودھ پیدا کیا ہوا ہے یہ لڑکی بھی زید کے نطفہ سے ہے ۔

(۲)

کذالک

خاوند

عورت — عورت

نواسی — پوتا

نواسی نے اپنی حقیقی نانی کا دودھ پیا کیا یہ نواسی دوسری عورت کے پوتے کے نکاح میں آسکتی ہے یا کہ حرام ۔

جواب، اقول و باللہ التوفیق ۔ صورت مسؤلہ میں یعنی عورت اگر کسی بچہ کو دودھ پلاسئے تو اس کا حکم رضاعت اسی تک محدود رہتا ہے یا اس عورت کے خاوند کی طرف منتقل ہو جاتا ہے؟ اس مسئلہ میں صحابہ رض کرام میں اختلاف تھا۔ اور اس طرح ان کے بعد تابعین اور دوسرے علماء میں بھی اختلاف رہا۔ حافظ ابن حزمؒ فرماتے ہیں۔ وقد رای قوم من السلف هذا لا یحرم شیئاً (محلی ابن حزم جلد ۱۰ ص ۲) اس کے بعد حضرت عائشہ رض کا وہ قول نقل کیا ہے جسے امام مالک رح نے موطاء میں نقل کیا ہے کہ حضرت عائشہ رض ان لوگوں سے پردہ نہیں کرتی تھی۔ جن کو ان کی بہنوں نے اور بھتیجیوں نے دودھ پلایا تھا۔ اور جن کو ان کی بھاوجوں نے دودھ پلایا تھا۔ ان سے پردہ کرتی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ رض ان لڑکوں کی جنہوں نے حضرت عائشہ رض کی بھاوجوں کا دودھ پیا تھا۔ اپنے آپ کو پھوپھی نہیں سمجھتی تھی۔ کیونکہ عورت کے دودھ پلانے سے اس کا خاوند رضاعی باپ نہیں بن جاتا۔ اس طرح کا ایک فتویٰ حضرت عمر رض کے پوتے سالم بن عبداللہ اور اس طرح حضرت عبداللہ بن عمر رض سے انہوں نے نقل کیا ہے۔ ان لوگوں کی دلیل جو سب سے زیادہ اہم سمجھی جاتی ہے، وہ حدیث ہے جو ام سلمہ رض ام المومنین کی بیٹی زینب رض کی ہے زینب بنت ام سلمہ رض نے اسماء بنت ابوبکر صدیق رض جو زبیر رض کی بیوی تھی اس کا دودھ پیا تھا۔ عبداللہ بن زبیر رض نے اپنے بھائی حمزہ بن زبیر رض کے لئے جو دوسری والدہ کلبیہ میں سے تھا۔ زینب کی بیٹی ام کلثوم کے لئے پیغام نکاح بھیجا زینب نے کہا کیا یہ اس کے لئے حلال ہے عبداللہ بن زبیر رض نے قاصد کو کہا کہ میں یا میری والدہ اسماء سے جو اولاد ہو وہ تو بے شک تمہارے رضاعی بہن، بھائی ہو سکتے ہیں لیکن زبیر کی جو اولاد

سے نہیں بلکہ دوسری بیوی سے ہے وہ تمہارے بھائی نہیں اور اگر تمہیں شک ہو تو صحابہ کرام سے فتویٰ پوچھ لو۔ زینب کہتی ہے۔ فَاَرْسَلْتُ فَسَاَلْتُ وَاَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم مُتَوَافِرُوْنَ وَاُمَّهَاتُ الْمُؤْمِنِيْنَ فَقَالُوْا اِنَّ الرَّضَاعَةَ مِنْ قِبَلِ الرِّجَالِ لَا يُحَرِّمُ شَيْئًا فَاَنْكَحْتُهَا اِيَّاهُ فَلَمْ تَزَلْ عِنْدَهٗ حَتّٰى هَلَكَتْ یعنی میں نے مسئلہ دریافت کرنے کے لئے بھیجا اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کثرت سے موجود تھے اور امہات المؤمنین بھی کثرت سے موجود تھیں سب نے یہی کہا کہ رضاعت کا حکم مردوں کی طرف منتقل نہیں ہوتا۔ اور مردوں کی طرف سے جو رشتہ دار ہوں وہ حرام نہیں ہوئے اس کے بعد میں نے اپنی بیٹی کا نکاح حمزہ بن امیہ سے کر دیا یہی فتویٰ سعید بن مسیب رح۔ عطاء بن یسار رح سلیمان بن یسار رح۔ ابو سلمہ رح عبد الرحمٰن بن عوف رض۔ ابراہیم رح۔ نخعی رح۔ مکحول رح شعبی رح۔ قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیق رض سے مروی ہے۔ اور اسی طرح سے بہت سے علماء سلف مثلاً سفیان ثوری رح۔ اوزاعی رح لیث بن سعد رح۔ امام ابوحنیفہ رح۔ امام شافعی رح، امام مالک رح اور ان کے علاوہ اور بہت سے علماء کے نزدیک عورت کے دودھ پلانے سے خاوند کی طرف بھی حکم رضاعت منتقل ہو جاتا ہے۔ اور اس کی اولاد جو دوسری بیوی سے ہو۔ حرام ہو جاتی ہے ان کا استدلال حضرت عائشہ رض کی اس حدیث سے ہے۔ جس میں وہ فرماتی ہیں کہ افلح جو ان کے رضاعی باپ ابوالقیس کا بھائی تھا۔ ان سے ملنے کے لئے آیا اور اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ حضرت عائشہ رض نے فرمایا کہ ۔ ابوالقیس نے تو دودھ نہیں پلایا۔ مجھے تو اس کی بیوی نے دودھ پلایا ہے۔ میں جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ دریافت نہ کر لوں میں افلح کو اندر آنے کی اجازت نہیں دے سکتی جب آپ تشریف لائے تو آپ نے فرمایا وہ تیرا چچا ہے اس کو اجازت دیدے اس سے معلوم ہوا۔ کہ حکم رضاعت خاوند کی طرف منتقل ہو جاتا ہے یہ حدیث صرف حضرت عائشہ رض سے مروی ہے اور حضرت عائشہ رض کا عمل اس کے خلاف ہے اس لئے پہلا گروہ اس حدیث کو محل نظر سمجھتا ہے کہ جب اس حدیث کے راوی حضرت عائشہ رض خود اس حدیث پر عمل نہیں کرتی تو کوئی نہ کوئی وجہ ضرور ہے اس لئے پہلا گروہ اس سے استدلال صحیح نہیں سمجھتا۔ اس تعارض ادلہ یا فریقین کے قوی دلائل کو دیکھ کر بعض اجلہ تابعین مثلاً مجاہد رح اور ابن سیرین رح اس میں توقف فرماتے ہیں میرے نزدیک بہتر تو یہی ہے کہ حضرت عائشہ رض نے جو حدیث نقل کی ہے اسکو پیش نظر رکھا جائے لیکن اگر کوئی شخص حضرت عائشہ رض کے عمل اور اسی طرح دوسری امہات المومنین صحابہ کرام اور عبد اللہ بن زبیر رض کے مذکورہ بالا واقعہ کی بنا پر جائز قرار دے تو اس پر اعتراض نہ کیا جائے واللہ اعلم وعلمہ اتم،

محمد داؤد غزنوی خطیب ومفتی جامع اہلحدیث لاہور

للہ در المجیب اتی بجواب عجیب ابو عبد اللہ احمد ہتوی زبدۃ الحکماء مدرس دار الحدیث مسجد جینیانوالی ۲ ذی الحجہ ۱۳۵۰ھ

جواب: قال اللہ تبارک و تعالیٰ حرمت علیکم...... اخواتکم من الرضاعۃ

مستفتی و مفتی دونوں نے طول کلام میں کمال کر دکھایا ہے اور جواب پھر بھی مبہم و مذبذب سوال صرف اسی قدر ہے کہ مرضعہ کی سوتیلی لڑکی سے نکاح جائز ہے یا نہیں؟ جواب یہ ہے کہ ہاں جائز ہے دلیل یہ ہے کہ بہنیں چار قسم کی حرام ہیں حقیقی، علاتی، اخیافی، رضاعی مسئول عنہا ان چاروں میں سے کوئی بھی نہیں رضاعی بہن جب ہوتی کہ لڑکے نے لڑکی کی سگی (حقیقی) ماں کا یا لڑکی نے لڑکے کی سگی (حقیقی) ماں کا دودھ پیا ہوتا یا ان دونوں نے کسی تیسری عورت کا دودھ پیا ہوتا۔ جب یہ سب کچھ نہیں تو وہ رضاعی بھائی بہن نہیں ہیں اور نکاح جائز ہے رضاعت دو بچوں کا منہ ایک سینہ سے لگنے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے قرآن کریم میں اخواتکم من الرضاعۃ فرمایا گیا ہے و بنت اٰبائکم من الرضاعۃ نہیں آیا ہے۔ فافھم و تدبر۔ مجیب فاضل نے بلاشبہ معلومات کا ایک بیش بہا خزانہ سامنے رکھ دیا ہے لیکن استفتاد قرآنی کے بغیر کوئی مقالہ مزین نہیں ہوتا۔ فقط

محمد جعفر پھلواروی خطیب جامع کپورتھلہ ۹ دسمبر ۱۹۳۸ء

اقول و باللہ التوفیق

صورت مذکورہ بالا میں نکاح درست ہے صحیح ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔ کیونکہ قرآن کریم میں محرمات کا ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اُحِلَّ لَکُمْ مَّا وَرَاءَ ذٰلِکُمْ (سورۃ نساء) یعنی جو رشتہ قرآن نے حرام کیا اس کے سوا سب جائز اور حلال ہے صورت مذکورہ محرمات میں ذکر نہیں ہے اس لئے جائز اور حلال ہے رضاعت کا وہ رشتہ حرام ہے جس میں دو بچوں نے ایک عورت کا دودھ پیا ہو۔ اور صورت مذکورہ بالا میں دونوں نے جدا جدا دو عورتوں کا دودھ پیا ہے اس لئے رضاعت ثابت نہیں ہوئی اور نکاح جائز ہے۔

ھذا ما علمنی ربی و علمہ اتم و اکمل فقط محمد علی عفی اللہ عنہ جالندھری نائب مہتمم مدرسہ خیر المدارس جالندھر

سوال: زید کی دو بیویاں ہیں ہر دو میں سے ایک کا رضاعی بیٹا دوسری بیوی زید کی لڑکی سے نکاح کر سکتا ہے یا کہ اس پر حرام ہے۔

جواب: صورت مسئولہ میں اس لڑکے رضاعی پر دوسری عورت کی لڑکی حرام ہے قرآن مجید میں فقط آتا ہے واخواتکم من الرضاعۃ اور بحکم نبی علیہ الصلوۃ والسلام یہ قانون نافذ ہے۔

وعن عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یحرم من الرضاعۃ ما یحرم من الولادۃ رواہ البخاری وعنہا قالت جاء عمی من الرضاعۃ فاستاذن علی فابیت ان

اذن لہ حتیٰ اسأل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فسألتہ فقال انہ عمك فاذنی لہ قالت فقلت لہ یا رسول اللہ انما ارضعتنی المرأۃ ولم یرضعنی الرجل فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیلج علیك وذالك بعد ماضرب علینا الحجاب (متفق علیہ)

پہلی حدیث کی رو سے اس عورت کی لڑکی حرام تھی۔ اگر اس عورت کا رضاعی لڑکا ہے تو اس پر بھی اسی طرح حرام ہے اور دوسری حدیث کی رو سے بھتیجی ولادت سے جب حرام ہے تو بھتیجی رضاعی بھی حرام ہے اور حرام ابدیہ ہے۔ ھذا ما عندی من الکتاب والسنۃ ومن خالف فعلیہ البینۃ عبداللہ ابوالزبیر از بنی پور

مجیب کا جواب قرآن وحدیث کے حکم سے صحیح ہے۔ تاج الدین بقلم خود

محاکمہ بین الفریقین اجمالاً از محدث روپڑی

شروع میں دو سوال کئے گئے ہیں مگر دوسرا سوال پہلے سے الگ نہیں کیونکہ بنت البنت نے جب نانی کا دودھ پی لیا۔ تو وہ نانی کی رضاعی لڑکی ہو گئی پس یہ پہلا سوال بن گیا۔ پہلے سوال کے متعلق پہلے کچھ اجمالاً سن لیں۔ اس کے بعد تفصیل ہوگی انشاء اللہ

مغنی میں ہے ابن عباس رضؓ سے سوال ہوا کہ ایک شخص کی دو لونڈیاں ہیں ایک لونڈی نے ایک لڑکی کو دودھ پلایا اور دوسری نے لڑکے کو تو ان کے نکاح کا کیا حکم ہے؟ فرمایا نہ کیونکہ دودھ ایک شخص کا ہے ترمذی نے کہا ہے لبن الفحل مرد کی طرف سے دودھ کے اعتبار کرنے کا یہی مطلب ہے اور جو لبن الفحل کی تحریم کے قائل ہیں۔ ان سے حضرت علی رضؓ ابن عباس رضؓ ہیں۔ نیز عطاء رحؒ۔ طاؤس رحؒ مجاہد رحؒ۔ حسن رحؒ۔ شعبی رحؒ قاسم رحؒ۔ عروہ رحؒ، مالک رحؒ ثوری رحؒ۔ اوزاعی رحؒ۔ شافعی رحؒ۔ اسحٰق رحؒ۔ ابو عبید رحؒ۔ ابو ثور رحؒ۔ ابن المنذر رحؒ اصحاب الرائے (حنفیہ) ابن عبد البر کہتے ہیں شہروں کے فقہاء حجاز۔ عراق شام میں اسی تحریم کی طرف گئے ہیں۔ اور جماعت اہلحدیث کا بھی یہی مذہب ہے اور سعید رحؒ بن مسیب ابو سلمہ رحؒ بن عبدالرحمٰن سلیمان بن لیسار، عطاء رحؒ بن لیسار نخعی رحؒ ابو قلابہ رحؒ یہ سب جواز کے قائل ہیں اور عبداللہ بن زبیر رضؓ اور ایک جماعت صحابہ رضؓ سے بھی یہی مروی ہے جن کے نام نہیں لئے گئے دلیل ان کی یہ ہے کہ "دودھ عورت سے ہے نہ کہ مرد سے" اس کے بعد مغنی میں حضرت عائشہ رضؓ کے چچا ابو قعیس والی حدیث ذکر کر کے لکھا ہے۔

یعنی یہ حدیث ابو قیس محل نزاع میں فیصلہ کن ہے پس اس کے خلاف پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ رہی زینب کی روایت تو وہ بھی تحریم کی دلیل ہے کیونکہ اس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ زبیر رض زینب کو اپنی بیٹی سمجھتے تھے۔ اور وہ ان کو اپنا والد سمجھتی تھی اور ظاہر یہی ہے کہ یہ شے ان کے ہاں مشہور تھی اور زبیرؓ کا قول اور ان کے بیٹے کے قول سے اور صحابہ رض غیر معلوم کے قول سے اولیٰ ہے"

محاکمہ بین الفریقین تفصیلاً

فریق اول سے مولانا محمد جعفر پھلواری کا فتویٰ دو دلیلوں پر مشتمل ہے جو نہایت کمزور ہیں۔ اول رضاعت کی تعریف کی ہے کہ "دو بچوں کا منہ ایک سینہ سے لگنا" یہ تعریف آج تک کسی نے نہیں کی بلکہ یہ واقعہ کے خلاف ہے مثلاً ایک بچہ نے اپنی ماں کا دودھ نہیں پیا اس کی ماں اس کے پیدا ہوتے ہی مر گئی یا یہ پیدا ہوتے ہی کسی دایہ کے حوالہ کر دیا گیا۔ اگر اس کی ماں کا کسی بچہ نے پہلے یا پیچھے دودھ پیا ہو تو ان دونوں بچوں میں رضاعت ثابت ہو جائے گی حالانکہ پہلے بچہ کا منہ اپنی ماں کے سینہ سے نہیں لگا۔ اسی طرح ایک بچہ کو ایک عورت نے دودھ پلایا۔ دوسرے کو اس کی لڑکی نے دودھ پلایا اس قسم کے فروعات میں رضاعت ثابت ہو جائے گی۔ حالانکہ تعریف مذکور ان کو شامل نہیں۔

دوسری دلیل یہ دی ہے کہ خدا نے اخواتکم من الرضاعة فرمایا وبنت اباءکم من الرضاعة نہیں فرمایا۔ اس پر کہنے والا کہہ سکتا ہے وبنت امھاتکم من الرضاعة بھی تو نہیں فرمایا بلکہ عام فرمایا۔ واخواتکم من الرضاعة کا مضمون آگیا جس کو حضرت عائشہ روایت کر رہی ہیں۔ تو پھر کیا اعتراض؟ رہا مولانا داؤد صاحب کا اعتراض کہ حضرت عائشہ رض کا عمل اس کے خلاف ہے تو یہ اصول سے ناواقفی کی وجہ سے ہے امام شوکانی رح لکھتے ہیں۔

واما عمل عائشة بخلاف ماروت فالحجة روایتھا لا رایھا وقد تقرر فی الاصول ان مخالفة الصحابی لما رواہ لا تقدح فی الروایة وقد صح عن علی القول بثبوت حکم الرضاع للرجل وثبت ایضا عن ابن عباس کما فی البخاری (نیل الاوطار جلد ۶ صفحہ ۲۵۷)

یعنی حضرت عائشہ رض کا عمل اپنی حدیث کے خلاف معتبر نہیں کیونکہ حجت حدیث ہے۔ نہ کہ ان کی رائے اور اصول میں یہ بات طے شدہ ہے کہ صحابی کی مخالفت اپنی روایت سے یہ روایت کو کچھ نقصان نہیں پہنچاتی۔ اور حضرت علی رض سے یہ بات صحت کو پہنچ چکی ہے۔ کہ رضاع کا حکم مرد کو بھی شامل ہے اور ابن عباس رض سے بھی یہ بات ثابت ہے جیسے

بخاری میں ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب حضرت عائشہ رضؓ کے عمل کے متعلق لکھتے ہیں کہ یہ بطور احتیاط تھا اس سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ حرمت ثابت نہ ہو اس کی مثال ایسی ہے جیسے حضرت سودۃ رضؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بھائی ابن زمعہ سے بطور احتیاط پردہ کا حکم دیا تھا۔ کیونکہ اس کی نسبت میں کچھ شبہ آگیا تھا حالانکہ بھائی سے نکاح جائز نہیں ٹھیک اسی طرح حضرت عائشہ رضؓ نے بطور احتیاط پردہ کیا۔ کیونکہ انہوں نے خیال کیا کہ اگرچہ دودھ میں مرد کا دخل ہے لیکن دور کا تعلق ہے اس لئے پردہ میں احتیاط کرنا کوئی حرج نہیں۔

شاہ ولی اللہ رحؒ کی عبارت کا ترجمہ یہ ہے۔

میں کہتا ہوں حضرت عائشہ رضؓ جن کو بھاوجوں نے دودھ پلایا ان سے اس لئے پردہ کرتیں کہ مرد حمل کا سبب ہے اور حمل دودھ کا سبب ہے اور دودھ بچہ کے بدن کی جزء بنتا ہے پس یہ سبب بہت دور ہے تو گویا یہ حضرت عائشہ رضؓ کا زیادہ احتیاط تھا شرع کے حکم سے نہ تھا۔ خاص کر جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے اپنے چچا کی نسبت مسئلہ دریافت کر چکی تھیں اور آپؐ نے اجازت دیدی تھی تو پھر شرعی حکم سے پردہ کس طرح کر سکتی تھیں اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے سودۃ رضؓ کو آپؐ نے فرمایا کہ ابن زمعہ کو جو زمعہ کی لونڈی سے ہے اذن نہ دے کیونکہ اس کی نسبت میں شبہ ہوگیا تھا جیسے یہ اذن نہ دینا احتیاط تھا حالانکہ شرعاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اس کو سودہ کا بھائی بنا دیا تھا ایسے ہی حضرت عائشہ رضؓ کا پردہ تھا اور اس سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ رضاعی چچا کو اذن دینا جائز ہے ضروری نہیں اگر اذن نہ دے تو کوئی گناہ نہیں۔

شاہ ولی اللہ صاحب کا مطلب یہ ہے کہ پردہ میں احتیاط کرنا حرمت کے منافی نہیں جیسے سودۃ رضؓ کا نکاح ابن زمعہ سے بوجہ بھائی ہونے کے حرام تھا اور باوجود اس کے احتیاط پردہ کرتی تھیں۔ غرض نکاح حرام ہونا الگ شے ہے اور پردہ میں احتیاط الگ شے ہے۔ دیکھئے قرآن مجید میں خدا تعالیٰ نے ان مردوں کا ذکر کیا ہے جن سے عورت کو پردہ نہیں۔ مگر ماموں اور چچا کا ذکر نہیں کیا اس لئے بعض علماء نے کہا ہے کہ چچا اور ماموں سے پردہ میں احتیاط کرنا چاہیئے۔ حالانکہ چچا اور ماموں سے نکاح قطعاً درست نہیں اور حضرت عائشہ رضؓ تو کسی اور معاملات میں بھی احتیاط کیا کرتی تھیں۔ اگر پردہ میں احتیاط کیا تو یہ کوئی نئی شے نہیں سفر میں بالاتفاق دوگانہ کی رخصت ہے مگر حضرت عائشہ رضؓ احتیاطاً سفر میں پوری پڑھتی تھیں تو کیا اس کے یہ معنیٰ ہیں کہ وہ دوگانہ کی قائل نہ تھیں؟ ٹھیک اسی طرح پردہ کے معاملہ کو سمجھ لینا چاہیئے۔ کہ وہ بھی احتیاطاً تھا۔

رہی وجہ احتیاط سو ایک تو شاہ ولی اللہ صاحب نے بیان کی ہے اگرچہ وہ بھی درست ہے مگر میرے نزدیک ایک اور وجہ بھی ہے جو اس سے معقول تر ہے وہ یہ کہ اگرچہ دودھ میں مرد کا دخل ہے لیکن کبھی بغیر دخل مرد کے بھی دودھ اتر آتا ہے۔ اس بناء پر حضرت عائشہ رضؓ پردہ میں احتیاط کرتی تھیں کیونکہ شبہ تھا کہ شاید مرد کے دخل بغیر ہو اس بنا پر یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ احتمال ہے۔ حضرت عائشہ رضؓ صرف انہی سے پردہ کرتی ہوں جن کو بھاوجوں نے اس قسم کا دودھ پلایا ہے یا جن کے متعلق پتہ نہ ہو کہ انہوں نے کس قسم کا دودھ پیا ہے غرض حضرت عائشہ رضؓ کے عمل میں اس قسم کے کئی احتمال ہیں۔ ایسی محتمل شے سے حدیث کا خلاف بالکل جائز نہیں اور یہی وجہ ہے کہ اصول میں یہ بات طے ہو چکی ہے۔ وقائع الاعیان لا یحتج بھا علی العموم (نیل الاوطار) یعنی خاص واقعات سے عام استدلال صحیح نہیں۔ جیسے حضرت عائشہ رضؓ کے عمل کا یہ واقعہ ہے کیونکہ اس قسم کے واقعات میں کئی احتمالات ہوتے ہیں۔ اور قاعدہ مشہور ہے۔ اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال ــــــــ خلاصہ یہ کہ سوال کی صورت میں حضرت عائشہ رضؓ کی حدیث پر عمل ہونا چاہیئے۔ جنہوں نے حضرت عائشہ رضؓ کے عمل کو دیکھ کر حدیث کے خلاف فتویٰ دیا ہے ان کو اپنا فتویٰ واپس لینا چاہیئے۔ کیونکہ حدیث کے خلاف ایسے فتووں کا کوئی اعتبار نہیں خاص کر اہلحدیث ہو کر جن کا دعویٰ ہے کہ دَعْ کُلَّ قَوْلٍ عِنْدَ قَوْلِ مُحَمَّدٍ وآخر دعوینا ان الحمد للہ رب العٰلمین

عبداللہ امرتسری روپڑی ۱۱ ربیع الاول ۱۳۵۸ھ

چچازاد بہن کی لڑکی سے نکاح

سوال: زید اور عمرو دونوں بھائی ہیں بعدہ زید کا بیٹا بکر ہوا پھر بکر سے دختر ہندہ ہے۔ ادھر عمرو سے بیٹا محمد ہوا۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا ہندہ بنت بکر کا نکاح محمد بن عمرو سے ہو سکتا ہے یا نہیں۔

جواب: صورتِ مذکورہ میں نکاح جائز ہے۔ قرآن مجید میں ہے۔ وَاُحِلَّ لَکُمْ مَا وَرَاءَ ذٰلِکُمْ یعنی محرمات مذکورہ کے سوا تمہارے لئے حلال ہیں اور محرمات مذکورہ میں صورتِ مذکورہ شامل نہیں پس وہ بھی حلال ہوگی۔

عبداللہ امرتسری مدیر تنظیم روپڑ انبالہ ۸ محرم ۱۳۶۰ھ

نکاح کے متفرق مسائل

نکاح دھوکہ

سوال :- زید کی بیوی اس سے فرار ہو کر عمرو کے گھر میں چلی گئی اور عرصہ دو سال تک عمرو کے پاس رہی دو سال کے بعد کچھ خیال آنے پر عمرو نے زید کی بیوی سے نکاح کر لیا۔ اور قبل از نکاح اس مفرورہ نے یہ ظاہر کیا کہ مجھے میرے خاوند زید نے طلاق دیدی ہے چنانچہ زید سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ اس نے طلاق نہیں دی۔ کیا شریعت میں اس کا نکاح جائز ہے یا نہیں۔

جواب :- اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ یعنی خاوند والیاں تم پر حرام ہیں۔ مگر جن کے تم مالک بن جاؤ"۔ جنگ میں کافروں کی عورتیں پکڑی جائیں تو ان کے خاوند خواہ موجود ہوں وہ اہلِ اسلام کے لئے حلال ہیں، کیونکہ ان کے نکاح اپنے خاوندوں سے فسخ ہو جاتے ہیں۔ بغیر لونڈی بننے کے خاوند والی عورت حلال نہیں۔ پس سوال کی صورت میں اگر باوجود علم کے نکاح پڑھا گیا ہے تو سب مجرم ہیں نکاح کرنے والا اس میں شامل ہونے والے زانی اور زانی کی امداد کرنے والے ہیں اس ملک میں حدود اور تعزیر کا اجراء مشکل ہے اس لئے کسی اور ممکن طریق سے تنبیہ کرنی چاہیئے۔ خواہ تاوان کے ذریعہ سے یا قطع تعلق کے ذریعہ سے یا دونوں ذریعوں سے کیونکہ حدیث میں منکر کام بدلنے کا حکم ہے ——— اگر ان کو علم نہیں تھا کہ اس کا خاوند زندہ ہے اور تحقیقات میں بھی کوئی کمی نہیں کی تو وہ معذور ہیں مجرم نہیں لیکن جب پتہ لگا۔ کہ اس کا خاوند حیات ہے تو فوراً جدا ہو جانا چاہیئے۔ سوال کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ صرف اس عورت کے کہنے پر نکاح کر لیا گیا ہے تحقیقات نہیں کی گئی اگر ایسا کیا گیا ہے تو بڑے جرم کا ارتکاب ہوا ہے گویا یہ ایسا ہے جیسے باوجود علم کے نکاح کیا۔

نکاح حاملہ بالزنا

سوال :- ایک لڑکی باکرہ بعمر سولہ سال زنا سے حاملہ ہو گئی جب اس کے والدین پر یہ امر ظاہر ہوا۔ تو

تو انہوں نے جلدی سے اس کا کسی دوسری بستی میں نکاح کر کے رخصتی کر دی. آیا اس کا نکاح بحالت حمل زنا جائز ہے یا نہیں. اگر جائز ہے تو کیا اس شخص کے ساتھ جائز ہے جس سے زنا کیا تھا. اور حمل ٹھہرایا. کسی اور شخص کے ساتھ جائز ہے.

جواب ۔ حالتِ حمل میں نکاح جائز نہیں. ابوداؤد میں حدیث ہے کہ ایک شخص نے کنواری لڑکی سے نکاح کیا. اس کے قریب گیا تو اس کو حاملہ پایا. رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کے درمیان جدائی کرا دی. ابوداؤد مع عون المعبود جلد ۲ صفحہ ۲۰۸ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زنا سے حاملہ کا نکاح صحیح نہیں اور چونکہ شریعت میں زانی کا حمل نہ زانی کا وارث ہوتا ہے. نہ زانی کے ساتھ اس کی نسبت ملتی ہے. اس لئے وہ زانی سے بیگانہ ہوا. تو اگر زانی نکاح پڑھنا چاہے اس کا نکاح بھی صحیح نہیں. قرآن مجید میں بھی عام ارشاد ہے. وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ یعنی حمل والیوں کی عدت وضع حمل ہے. اس آیت میں مطلق حمل والیوں کی عدت وضع حمل بتائی ہے خواہ مطلقہ ہوں یا ان کے خاوند فوت ہو گئے ہوں اور حمل خواہ حلال ہو یا حرام ہو اور حرام اس کا ہو یا کسی دوسرے کا ہو کیونکہ جو ظاہر میں اس کا ہے شرع میں اس کا نہیں. لا یلحق ولا یرث (مشکوٰۃ) یعنی نہ زنا کا بچہ نہ زانی کی طرف نسبت ہوگا. نہ زانی کا وارث ہوگا۔

عبداللہ امرتسری از روپڑ ضلع انبالہ

یکم صفر ۱۳۵۱ھ مطابق ۷، جون ۱۹۳۲ء

حاملہ بالزنا کا نکاح زانی سے

سوال ۔ دو شخص ایک مکان میں رہتے ہیں ایک شخص کا دوسرے کی بیوی سے ناجائز تعلق ہو گیا پھر بیوی والے شخص کو لوگوں نے اس مکان سے علیحدہ کر دیا. لیکن عورت کا دل اس زانی کی طرف راغب رہا. بعدازاں زانی نے حسب خیال عورت اس عورت کا خلع کرا لیا جس کے لئے اس کو کہا گیا کہ یا تو ایک حیض کے لئے عورت کو کسی اور جگہ رہنے دو یا تم ایک ماہ کے لئے کہیں چلے جاؤ. نہ وہ شخص کہیں باہر گیا نہ ہی عورت کو کہیں باہر چھوڑا بلکہ اسی دن اپنے مکان میں لے آیا جس دن خلع ہوا. ایک مکان میں وہ مرد عورت اور مرد کا باپ قریباً چار ماہ تک رہے بعدازاں ایک شخص نے ان کا نکاح کر دیا. اور کہتا ہے کہ اس نے اس وقت دونوں سے توبہ کرا کر نکاح کیا ہے کیا یہ نکاح جائز ہے؟

عبدالجبار از ملک پور

جواب ۔ یہ نکاح ناجائز ہے کیونکہ زانی و زانیہ میں جدائی نہیں کرائی گئی ویسے توبہ کا کیا فائدہ نیز استبراء

رحم ضروری ہے تاکہ حرام حلال میں تمیز ہو جائے اس نکاح میں اس کا لحاظ بھی نہیں کیا گیا۔ اس لئے یہ نکاح ناجائز ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک حاملہ بالزنا کا نکاح ایک زانی سے ہو گیا۔ آپ نے ان میں تفریق کرا دی۔ (ابوداؤد) اگرچہ یہ حمل دوسرے کا تھا۔ مگر شرعاً زانی کا حمل دوسرے ہی کا ہوتا ہے کیونکہ نہ زانی کی طرف اس کی نسبت ہوتی ہے نہ زانی کا یہ وارث ہوتا ہے۔ عبداللہ امرتسری روپڑی

جائز و ناجائز شروط نکاح کی تفصیل

سوال۔ مندرجہ ذیل شرائط پر نکاح ہوا تھا۔ مگر ان میں سے ایک بھی شرط پوری نہیں ہوئی۔ کیا یہ نکاح بدستور قائم ہے۔ شرائط حسب ذیل ہیں۔

میں اس شرط پر نکاح کرتا ہوں کہ میں گھر جوائی رہوں گا۔ دوسری شرط یہ ہے کہ میں تمام زیور اپنے گھر سے پاؤں گا۔ تیسری شرط یہ ہے کہ میری ایک لڑکی ہے۔ جو کہ میری پہلی عورت سے ہے۔ وہ بھی میں محمد بخش کی رائے کے بغیر نہ کروں گا۔ نیز اب اس کو تین سال ہو گئے ہیں وہ جس دن عقد ہوا تھا۔ تین دن بعد وہ یہاں سے محمد بخش کے ساتھ برخلاف ہو کر چلا گیا ہے۔ اور اپنی تمام شرائط توڑ گیا ہے۔ یعنی نہ تو وہ گھر جوائی رہا ہے اور نہ ہی اس نے کوئی زیور ڈالا ہے اور اپنی لڑکی کی رائے بھی محمد بخش سے نہیں لیتا۔ اہالیان موضع ہرچوکی تحصیل چونیاں ضلع لاہور

جواب۔ بخاری باب الشروط فی النکاح میں ہے۔ اَحَقُّ مَا وَفَّيْتُمْ مِنَ الشُّرُوطِ اَنْ تُوْفُوا بِهِ مَا اسْتَحْلَلْتُمْ بِهِ الْفُرُوجَ حق دار شرطوں کی جن کو تم پورا کرتے ہو وہ شرطیں ہیں۔ جن کے ساتھ تم نے شرمگاہوں کو حلال کیا ہے۔ نیز بخاری کے اسی باب میں ہے۔ قَالَ عُمَرُ مَقَاطِعُ الْحُقُوْقِ عِنْدَ الشُّرُوطِ۔ یعنی حقوق کا فیصلہ شرطوں پر ہے یعنی جیسی شرطیں کی ہیں۔ ویسے ہی فیصلہ ہو گا۔ حافظ ابن حجر رح فتح الباری میں اس پر لکھتے ہیں۔

"عبدالرحمٰن بن غنم سے روایت ہے کہ میں عمر رض کے پاس بیٹھا تھا میرا گھٹنا ان کے گھٹنے سے لگتا تھا ان کے پاس ایک شخص آیا پس کہا اے امیر المومنین رض! میں نے اس عورت کو اس شرط پر نکاح کیا ہے کہ اس کو اس کے وطن سے دوسری جگہ نہ لے جاؤں گا۔ اب میرا ارادہ فلاں ملک کو لے جانے کا ہے حضرت عمر رض نے فرمایا اس کے لئے اس کی شرط ہے اس شخص نے کہا کہ مرد ہلاک ہو گئے کیونکہ کوئی عورت اپنے خاوند سے طلاق نہیں چاہے گی مگر وہ طلاق دی جائے گی۔ حضرت عمر رض نے فرمایا۔ مومن اپنی شرطوں پر ہیں جب ان کے حقوق کے فیصلے ہوں گے۔ تو شرطوں پر ہوں گے۔

ترمذی میں حضرت عمرؓ سے روایت ہے. قَالَ إِذَا تَزَوَّجَ الرَّجُلُ الْمَرْأَةَ وَشَرَطَ أَنْ لَا يُخْرِجَهَا لَزِمَهُ وَبِهِ يَقُولُ الشَّافِعِيُّ وَأَحْمَدُ وَإِسْحٰقُ. حضرت عمرؓ فرماتے ہیں. جب کوئی شخص کسی شرط پر نکاح کرے تو وہ شرط اس پر لازم ہوگی. یہی مذہب امام شافعیؒ امام احمدؒ اور امام اسحٰقؒ کا ہے.

ان روایتوں سے معلوم ہوا کہ جو شخص نکاح میں کوئی شرط کرکے اس کا خلاف کرے تو اس کی عورت کو طلاق پڑ جاتی ہے اور بخاری کی اوپر کی حدیث کا ظاہر بھی اسی کو چاہتا ہے. حضرت عمرؓ سے صاحب فتح الباری نے ایک روایت[1] میں اس کے خلاف بھی نقل کیا ہے لیکن وہ ظاہر حدیث کے خلاف ہے اس لئے معتبر نہیں اور یہی مذہب عمرو بن عاص رضؓ صحابی اور طاؤسؒ تابعی اور ابوشعثا تابعیؒ کا ہے اور امام اوزاعیؒ بھی اسی کے قائل ہیں ان سب کا مذہب فتح الباری میں یہی لکھا ہے کہ شرط لازم ہوگی. اور یہی راجح ہے ہاں جن شرائط میں نسل کی بندش ہو یا شرع کے خلاف ہوں ان کا اعتبار نہیں بخاری میں باب الشروط التی لا تحل فی النکاح میں ہے عن ابی هریرة عن النبی صلی الله علیه وسلم لَا تَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تَسْأَلُ طَلَاقَ أُخْتِهَا لِتَسْتَفْرِغَ صَحْفَتَهَا فَإِنَّمَا لَهَا مَا قُدِّرَ لَهَا. یعنی کسی عورت کو حلال نہیں کہ اپنی بہن کی طلاق کا سوال کرے. تاکہ اس کا برتن الٹا دے کیونکہ اس کے لئے اس کی قسمت ہے اور منتقیٰ میں ہے. وفی لفظ متفق علیه نهى أَنْ تَشْتَرِطَ الْمَرْأَةُ طَلَاقَ أُخْتِهَا (باب الشروط فی النکاح) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے کہ کوئی عورت بہن کی طلاق کی شرط کرے یعنی کہ میں اس شرط پر نکاح کرتی ہوں کہ میری بہن کو طلاق دے اور بہن سے مراد اسلامی بہن ہے کیونکہ ابن حبان نے اس حدیث کے آخیر میں یہ لفظ زیادہ کیا ہے فَإِنَّ الْمُسْلِمَةَ أُخْتُ الْمُسْلِمَةِ فتح الباری جز ۲۱ صـ۲۷ یعنی مسلمان عورت مسلمان عورت کی بہن ہے.

ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ ایسی شرط نہ کرے جس میں نسل کی بندش ہو مثلاً کہے کہ اپنی دوسری بیوی کو طلاق دیدے ہاں اگر پہلی عورت فاسق ہو یا اس کی حالت شکی ہو یا کوئی اور وجہ ہو جس سے عورت کو طلاق دی جاتی ہے

---

[1] اس کے الفاظ یہ ہیں. عن عبید بن السباق أَنَّ رَجُلًا تَزَوَّجَ امْرَأَةً فَشَرَطَ لَهَا أَنْ لَا يُخْرِجَهَا مِنْ دَارِهَا فَارْتَفَعُوا إِلَى عُمَرَؓ فَوَضَعَ الشَّرْطَ قَالَ الْمَرْأَةُ مَعَ زَوْجِهَا (فتح الباری جز ۲۱ صـ۸۶) یعنی ایک شخص نے ایک عورت سے اس شرط پر نکاح کیا کہ اس کو اس کے وطن سے نہیں نکالے گا. اس کا جھگڑا حضرت عمرؓ کے پاس گیا. حضرت عمرؓ نے شرط کو موقوف کردیا. اور فرمایا کہ عورت اپنے خاوند کے ساتھ رہتی ہے.

تو اس صورت میں طلاق کی شرط کرنا کوئی حرج نہیں (فتح الباری جز ۱۱ ص ۸۶ و نیل الاوطار جلد ۶ ص ۵۲) یا میری سوکن کو باری نہ دے یا لونڈی سے ہمبستری نہ کر: یا میری حقیقی بہن یا رضاعی بہن جو تیرے نکاح میں ہے اس کو چھوڑ دے۔ اور مجھ سے نکاح کرے یا مرد شرط کرے کہ میرے مرنے کے بعد تو نے دوسرا نکاح نہیں کرنا ہوگا۔ یہ سب شرطیں خلاف شرع ہیں،

فتح الباری میں ہے،

واخرج الطبرانی فی الصغیر باسناد حسن عن جابرؓ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَطَبَ اُمَّ بِشْرٍ بِنْتَ الْبَرَاءِ بْنِ مَعْرُوْرٍ فَقَالَتْ اِنِّی اشْتَرَطْتُ لِزَوْجِی اَنْ لَّا تَزَوَّجَ بَعْدَہٗ فَقَالَ النَّبِیُّ اَنَّ ھٰذَا لَا یَصِحُّ (فتح الباری جز ۱۱ ص ۸۶ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ام بشر سے نکاح کی خواہش ظاہر کی اس نے کہا کہ میں نے خاوند سے شرط کی ہے کہ اس کے بعد کسی سے نکاح نہ کروں گی فرمایا یہ شرط درست نہیں، اسی طرح کوئی اور شرط ہو جیسے مجھے دوسری بیوی سے زیادہ نفقہ دینا ہوگا۔ یا تیرے بعد میری اولاد تیری جانشین ہو یا تیری تیری اولاد جو مجھ سے ہو اس کو خاص طور پر فلاں شے ہبہ کر دے۔ اس قسم کی شرطیں جائز نہیں اور اس سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ جو عورتیں یہ کر لیتی ہیں کہ ہمارے اوپر دوسرا نکاح نہ کرنا ہوگا۔ اس شرط کا بھی اعتبار نہیں کیونکہ اس میں نسل کی بندش ہے۔

عبداللہ امرتسری مقیم روپڑ ضلع انبالہ ۱۱ جمادی الاول ۱۳۵۱ھ

سات سالہ لڑکے کا ایجاب و قبول

سوال : ایک لڑکی عمر تقریباً دو سال کا نکاح باپ نے ایک لڑکے سے جس کی عمر سات سال کی ہوگی کرا دیا۔ لڑکے کا باپ مجلس نکاح میں موجود تھا۔ مگر اس نے ولایتاً نکاح کا ایجاب و قبول نہیں کیا۔ بلکہ لڑکے نے خود اپنی زبانی قبول کیا۔ اب مجلس برخواست ہوگئی۔ لڑکے والے اپنے گھر چلے گئے اور لڑکی اپنے ماں باپ کے گھر بدستور رہی شادی وغیرہ اور لین دین کچھ نہیں ہوا کچھ مدت کے بعد اس لڑکے کی شادی اور جگہ ہوئی۔ دوسری بیوی اب اس کے گھر آباد ہے۔ اس پہلے نکاح کو اٹھارہ سال کا عرصہ ہو گیا ہے اب وہ لڑکی جو پہلے نکاح میں آ چکی تھی۔ اس نکاح سے اب بالکل انکاری ہے اور بار بار کہتی ہے کہ وہ نکاح مجھ کو بالکل منظور نہیں اور نہ ہی وہ خاوند مجھ کو قبول ہے لڑکی نے اپنا نکاح اور جگہ کرا لیا ہے اور لڑکی کو سسرال روانہ کر دیا ہے آیا یہ نکاح ثانی لڑکی کا درست ہے یا نہیں۔

جواب ۔ اگر واقعی لڑکا نابالغ تھا خواہ سات سال ہو یا کچھ زیادہ تو اس کا ایجاب وقبول معتبر نہیں۔ کیونکہ قرآن مجید میں ہے وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰى إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ یعنی یتیموں کو آزماؤ۔ یہاں تک کہ نکاح کو پہنچ جائیں۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ نابالغ ایجاب وقبول کی صلاحیت نہیں رکھتا ہاں ولی اس کی طرف سے اہلیت رکھتا ہے مگر صورت سوال میں ولی نے بھی ایجاب وقبول نہیں کیا پس صورتِ سوال میں بلا تردد نکاح ثانی صحیح ہے۔

عبداللہ امرتسری از روپڑ ۲۰ ربیع الاول ۱۳۵۶ھ

نکاح کے وقت تجدید ایمان کی نیت سے کلمات پڑھانا

سوال ۔ بوقتِ نکاح لڑکے ولڑکی کو کلمہ وغیرہ پڑھاتے ہیں بعض اہلحدیث بھی ایسا کرتے ہیں کہ تجدید ایمان ہے کیا ایسا کرنا جائز ہے؟

جواب ۔ نکاح کے وقت تجدید ایمان یہ خیر قرون کے خلاف ہے اور ان لوگوں کی رسم ہے جو ساری عمر غافل رہتے ہیں، کلمہ نہیں سیکھتے۔ نماز تک نہیں پڑھتے نکاح کے وقت نئے سرے سے مسلمان ہوتے ہیں یہ کیسی بری رسم ہے مومن تو ہر وقت تازہ ہوتا رہتا ہے نمازوں میں توحید کا اقرار ہے۔ ثناء فاتحہ وغیرہ یہ سب توحید سے پُر ہیں نمازوں کے بعد اور دیگر مواقع پر لا الٰہ الا اللہ کا ورد آیا ہے کیا ایک بری رسم کو تقویت دے کر ہی تجدید ایمان ہوتی ہے یہ تجدید نہیں بلکہ تقلید ہے۔ تجدید خیر القرون کی اتباع میں ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی ۲۸ شوال ۱۳۵۱ھ

پھوپھی بھتیجی یا خالہ بھانجی ایک نکاح میں

سوال ۔ ایک عورت اپنی حقیقی بھتیجی یا بھانجی کا نکاح اپنے خاوند سے کرنا چاہتی ہے یہ جائز ہے یا کہ نہیں؟

جواب ۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُجْمَعُ بَيْنَ الْمَرْأَةِ وَعَمَّتِهَا وَلَا بَيْنَ الْمَرْأَةِ وَخَالَتِهَا (متفق علیہ) (مشکوٰۃ باب المحرمات) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورت اور اس کی پھوپھی کے درمیان جمع نہ کیا جائے اور نہ عورت اور اس کی خالہ کے درمیان جمع کیا جائے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى أَنْ تُنْكَحَ الْمَرْأَةُ عَلَى عَمَّتِهَا أَوِ الْعَمَّةُ

عَلیٰ بِنْتِ اَخِیْھَا وَ الْمَرْأَۃُ عَلیٰ خَالَتِھَا اَوِ الْخَالَۃُ عَلیٰ بِنْتِ اُخْتِھَا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا ہے کہ پھوپھی پر بھتیجی نکاح کی جائے یا بھتیجی پر پھوپھی، اس طرح منع کیا ہے کہ بھانجی خالہ پر نکاح کی جائے یا خالہ بھانجی پر نکاح کی جائے۔ عبداللہ امرتسری از روپڑ ۱۲ رجب ۱۳۵۲ھ

شادی کے چڑھاوے کا حکم

سوال ۔ زید سفر میں تھا اور اس کی عدم موجودگی میں عابد مرحوم کی زوجہ نے کچھ سامان تو فروخت کر دیا، اور کپڑے وغیرہ اپنے باپ کے یہاں لے گئی اور کچھ معمولی چھوڑ دیا جب زید سفر سے آیا تو اس نے کہا کہ میں نے جس قدر اس کے کپڑے بنائے تھے۔ سب ندارد اور ایک چمپاکلی اور بٹن دونوں چیزیں سونے کی شادی میں عاریۃً دیدیے گئے تھے۔ عابد مرحوم کو میں نے ہبہ نہیں کئے تھے۔ بلکہ صرف شادی میں چڑھا دیئے تھے۔ دراصل وہ میرے ہیں وہ عابد کے ترکہ میں داخل نہیں وہ مجھ کو ملنے چاہئیں، مگر عابد کی زوجہ اور خسر دینے سے انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب تم نے چڑھا دیئے بس تمہاری ملکیت سے نکل گئے زید کہتا ہے کہ شرعی قاعدہ یہ نہیں ہے کہ اگر باپ اپنے بیٹے کو کچھ عاریتاً دیدے تو بیٹا اس کا مالک ہو جائے۔ دوسری بات یہ ہے کہ نکاح سے پہلے عابد مجھ سے الگ تھا۔ اس کا کھانا پینا بھی جدا تھا، میرے ساتھ نہ تھا جو کچھ کماتا مجھے کچھ نہ دیتا، اور اس کا نکاح بھی میری عدم موجودگی میں ہوا تھا۔ الغرض میں نے اس کو جو کچھ عاریتاً دیا تھا۔ اس کا میں مالک ہوں۔ عابد کی زوجہ اور اس کا والد کہتا ہے کہ وہ ہمارا ہے میری مالیت کو ہضم کرنا چاہتے ہیں۔ اس کا جواب حدیث سے مدلل دیں۔

جواب ۔ جب دوسرے کو ویسے کوئی چیز دی جاتی ہے تو اس کے متعلق عاریتاً یا ہبہ ہونے کا کئی طرح سے پتہ چلتا ہے اگر تصریح کر دے تو تصریح کے مطابق فیصلہ ہوگا۔ اگر تصریح نہ کرے تو پھر عام دستور دیکھا جاتا ہے مثلاً گھروں میں استعمال کے لئے ایک دوسرے کے برتن وغیرہ لے لئے جاتے ہیں تو اس موقع پر عاریت کی تصریح نہ کرے تو بھی عاریت ہی سمجھی جاتی ہے۔ نمک اور مرچ دیا سلائی وغیرہ ہبہ سمجھا جاتا ہے شادی کے موقع پر لڑکی کے والدین جو کچھ لڑکی کو دیتے ہیں وہ حسب دستور ہبہ ہے اور لڑکی کا مال ہے اور جو کچھ لڑکے والے دیتے ہیں۔ اس کی ایک حالت نہیں بعض دفعہ وہ بھی لڑکی کا مال سمجھا جاتا ہے بعض دفعہ عاریت سمجھا جاتا ہے۔ کئی لوگ لکھوا لیتے ہیں کہ یہ سب کچھ لڑکی کا ہوگا۔ عام رواج یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ اگر لڑکی کا خاوند مر جائے تو ہر ایک کو اپنی اپنی شے سپرد کر دی جاتی ہے۔ مگر یہ اس وقت جب اولاد چھوڑ کر نہ مریں۔ اگر اولاد چھوڑ کر مریں تو وہ شے اولاد کی سمجھی جاتی

ہے اور کئی جگہ انگریزی قانون کے مطابق بیوہ ساری جائیداد پر قابض ہو کر بیٹھی رہتی ہے جبکہ خاوند کے نام مکان یا زمین ہو تو اس پر بھی قبضہ کر لیتی ہے اگر نکاح کرلے تو قبضہ ٹوٹ جاتا ہے ورنہ ساری عمر کھاتی رہتی ہے غرض شادی کے وقت جو کچھ چڑھایا جاتا ہے رواج سے اس کا کوئی فیصلہ نہیں ہو سکتا۔ اس سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ اگر لڑکی آباد رہی تو اس سے وہ واپس نہیں لیا جاتا بلکہ کپڑے وغیرہ پھٹ جاتے ہیں اور زیورات گھس کر ٹوٹ جاتے ہیں اگر باقی رہیں تو آگے اولاد کے کام آتے ہیں اگر اس کو ہبہ سمجھا جائے تو ظاہر ہے۔ کہ لڑکی اس کی مالک ہے اگر ہبہ نہ سمجھا جائے۔ تو اس کی صورت عمریٰ کی ہے جس کا ذکر مندرجہ ذیل حدیث میں ہے۔

عَنْ جَابِرٍ رضؓ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْعُمْرٰی مِیْرَاثٌ لِاَھْلِھَا (رواہ مسلم) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ عمریٰ اس کے اہل کے لئے وراثت ہے نیز آپ نے فرمایا جو شخص کسی کو اور اس کی اولاد کو عمر بھر کے لئے دیدے وہ اس کی طرف واپس نہیں ہوگی جس نے دی ہے دینے والے کی طرف نہیں آتی کیونکہ اس نے ایک ایسی شے دی ہے جس میں اولاد کا ذکر کرنے سے وراثت جاری ہو گئی ہے۔

منتقیٰ میں جابر رضؓ سے روایت ہے اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَضٰی بِالْعُمْرٰی اَنْ یَھَبَ الرَّجُلُ لِلرَّجُلِ وَلِعَقِبِہٖ الْھِبَۃَ وَیَسْتَثْنِیَ اِنْ حَدَثَ بِكَ حَدَثٌ وَلِعَقِبِكَ فَھِیَ اِلَیَّ وَاِلٰی عَقِبِیْ اِنَّھَا لِمَنْ اُعْطِیَھَا وَلِعَقِبِہٖ رواہ النسائی (منتقیٰ باب فی العمریٰ والرقبیٰ ص۲۰۴)

یعنی ایک شخص دوسرے شخص کو اور اس کی اولاد کو عمر بھر کے لئے ہبہ کر دے اور اس میں یہ شرط کرے کہ تیرے اور تیری اولاد کے بعد میری اور میری اولاد کی طرف لوٹ آئے گا تو اس کی بابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ کیا کہ یہ اسی کا ہے جسے دیا گیا ایک حدیث میں ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمریٰ کی بابت یہ فیصلہ کیا کہ یہ اسی کا ہے جس کو دیا گیا ہے۔ اس کی حیات میں بھی اور وفات کے بعد بھی اسی کا اور اس کی اولاد کا ہے (احمد و مسلم)

عمریٰ کی تین صورتیں ہیں ایک یہ کہ صرف اتنا کہے کہ عمر بھر کے لئے یہ شے میں نے تجھے دیدی ہے دوسری یہ کہ تیرے مرنے کے بعد میری طرف لوٹ آئے گی۔ تیسری یہ کہ عمر بھر کے لئے میں نے تیرے بعد تجھے اور تیری اولاد کو دیدی۔

پہلی صورت میں علماء اس بات پر متفق ہیں کہ وہ اس کے لئے ہے جس کو دی گئی ہے دینے والے کی طرف نہیں لوٹے گی۔ امام مالک رحؒ اور امام شافعی رحؒ کچھ خلاف ہیں۔ امام شافعی رحؒ کے دو قول ہیں ایک جمہور علماء

کے خلاف ہے دوسرے قول میں کہتے ہیں کہ یہ اسی کی ہے جس کو دی گئی ہے اس کے مرنے کے بعد اسی کی طرف لوٹ آئے گی اور امام مالک رحؒ جمہور کے موافق ہیں۔ تیسری صورت میں امام مالکؒ سے روایت جمہور کے خلاف آئیؒ ہے کہتے ہیں کہ اس کا حکم وقف کا ہے۔ جب وہ شخص نہ رہا اور نہ اس کی اولاد رہی تو یہ شے اس کی ہے جس نے دی ہے۔ مگر یہ روایت اوپر کی احادیث کے خلاف ہے کیونکہ ان احادیث میں تصریح ہے کہ جو شے عمر بھر کے لئے ایک شخص کو اور اس کی اولاد کو دی جائے۔ تو وہ موت وحیات میں اس کی رہتی ہے دوسری صورت تو اس میں حنفیہ کا یہی مذہب ہے جو جمہور کا پہلی اور تیسری صورت میں ہے یعنی وہ شے اس کی رہے گی جس کو دی گئی اور دینے والے کی طرف نہیں لوٹے گی، اور اکثر شافعیہ کے نزدیک بھی یہی ہے دلیل انہوں نے یہ دی ہے کہ لوٹنے کی شرط فاسد ہے کیونکہ معلوم نہیں کہ پہلے کون مرے گا۔ اور ایک دلیل حضرت جابرؓ کی یہ حدیث پیش کی جاتی ہے کہ ایک شخص نے اپنی ماں کو اس کی حیات تک ایک باغ دیا جب وہ مرگئی تو دینے والے کے بھائی کہنے لگے کہ ہم بھی اس میں برابر کے حصہ دار ہیں اس نے انکار کیا۔ آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مقدمہ لے گئے۔ آپ نے وراثت کے طریق پر سب بھائیوں میں باغ تقسیم کر دیا۔

اس حدیث میں حیات تک کی شرط کا ذکر ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شرط کی پرواہ نہیں کی۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ شرط فاسد ہے اور اس کی تائید نسائی کی حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ جو اوپر بیان ہو چکی ہے کیونکہ اس میں شرط کی تصریح ہے کہ تیرے اور تیری اولاد کے بعد میری اور میری اولاد کی طرف لوٹ آئے گی۔ مگر باوجود اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ نہ لوٹنے کا کیا ہے لیکن ایک جماعت شافعیہ اور دیگر تمام علماء دوسری صورت کو عاریت کہتے ہیں، اور کہتے ہیں جس کو دی گئی ہے اس کے مرنے کے بعد دینے والے کی طرف لوٹ آئے گی۔ دلیل ان کی حضرت جابرؓ کی یہ حدیث ہے جو منتقیٰ میں ہے یعنی جس عمریٰ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نافذ کیا ہے وہ یہ ہے کہ کہے عمر بھر کے لئے یہ شے تیری اور تیری اولاد کی ہے اگر صرف اتنا کہے کہ یہ شے تیری حیات تک تیرے لئے ہے تو یہ دینے والے کی طرف لوٹ آئے گی۔ نیز اوپر کی احادیث میں فرمایا ہے کہ جو شے عمر بھر کے لئے کسی شخص کو اور اس کی اولاد کو دی جائے وہ دینے والے کی طرف نہیں لوٹتی۔ کیونکہ اس نے عمر بھر کے لئے جو شے دی ہے جس میں اولاد کا ذکر کرنے سے عاریت ختم ہو گئی ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اولاد کا ذکر نہ کرے تو پھر وہ عاریت ہے جو دینے والے کی طرف لوٹ آتی ہے لیکن یہ اس وقت ہے جب تصریح کرے کہ هِیَ لَکَ مَا عِشْتَ یعنی یہ شے تیری

عہ نیل الاوطار میں امام مالکؒ کا مذہب اسطرح لکھا ہے اور نووی میں ہے کہ امام مالک تینوں صورتوں میں کہتے ہیں کہ یہ شے دینے والے کی طرف لوٹ جائے گی۔

حیات تک تیری ہے اگر تصریح نہ کرے بلکہ صرف اتنا کہے کہ اَعْمَرتُکَ یعنی عمر بھر کے لئے یہ شے میں نے تجھے دیدی تو یہ نہیں لوٹے گی کیونکہ عمر بھر کا لفظ عام ہے اولاد کی عمر کو بھی شامل ہے جیسے اوپر کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ جمہور کے نزدیک پہلی اور تیسری صورت میں وہ شے اس کی ہے جس کو دی گئی ہے۔ دینے والے کی طرف نہیں لوٹے گی۔ صرف امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کچھ خلاف ہیں اور دوسری طرف جمہور لوٹنے کے قائل ہیں اور حنفیہ کے نزدیک تینوں صورتوں میں ایک ہی حکم ہے کہ وہ شے نہیں لوٹے گی خیر یہ تو مذاہب کی تفصیل اور ان کے دلائل کا بیان تھا۔

اصل تحقیق یہ ہے کہ اگر ہبہ یا عطیہ کے لفظ سے ہو تو پھر حیات تک شرط کرنا باطل ہے اگر عمریٰ وغیرہ کے لفظ سے ہو تو پھر حیات کی شرط معتبر ہے جیسے جمہور کا خیال ہے کیونکہ عمریٰ کا لفظ عاریت کا بھی احتمال رکھتا ہے۔ اس طرح میں سب احادیث میں موافقت ہو جاتی ہے اور کسی طرح کا اعتراض بھی نہیں پڑتا۔ اور انصاری نے جو اپنی ماں کو باغ دیا تھا۔ وہ بھی ہبہ پر محمول ہے اس لئے اس میں وراثت جاری ہوئی اور دینے والے کی طرف نہیں لوٹایا گیا۔ جب عمریٰ کی حقیقت معلوم ہوگئی تو اب شادی میں جو زیور وغیرہ چڑھایا جاتا ہے۔ اس کا حال سنئے۔ اس کو خواہ ہبہ سمجھا جائے یا عمریٰ وہ کسی صورت لڑکے والوں کا حق نہیں بنتا۔ ہبہ ہونے کی صورت میں تو ظاہر ہے کیونکہ ہبہ موہوب لہٗ (جس کو دیا گیا ہے) کی ملک ہو جاتا ہے اور عمریٰ ہونے کی صورت میں بھی ملک ہو جاتا ہے اس لئے کہ دینے کے وقت یہ شرط نہیں ہوئی، کہ یہ زیور وغیرہ لڑکی کی حیات تک لڑکی کا ہے پھر ہم لے لیں گے۔ پس لڑکے والوں کو چاہیئے کہ جو کچھ لڑکی کو دیں پہلے ہی سوچ سمجھ لیں۔ پیچھے ہاتھ ملا کچھ فائدہ نہیں۔

عبد اللہ امرتسری مقیم روپڑ ضلع انبالہ ۵ / شوال ۱۳۵۳ھ

زانی مرد عورت سے رشتہ ناطہ کا حکم — اولادِ زنا کو رشتہ میں لے سکتے ہیں

سوال۔ دو حقیقی بھائی ہیں ایک کے گھر بیس پچیس سال سے ایک عورت غیر منکوحہ آباد ہے جس کے بطن سے آٹھ بچے بھی ہو چکے ہیں کیا از روئے شریعت دوسرا بھائی اپنے اس بھائی سے رشتہ ناطہ کر سکتا ہے؟ عبد الغنی چک ۴۹۳ ڈاک خانہ چک ۵۰۷ ضلع لائل پور

جواب ۔ جب تک شرعی طریق پر پوری طرح سے توبہ نہ کریں ان سے میل ملاپ رشتہ، ناطہ حرام ہے اصل توبہ تو یہ ہے کہ حد جاری ہو مگر حکومت غیر میں یہ کام مشکل ہے اس لئے مجلس میں سب کے سامنے توبہ کریں۔ آئندہ کے لئے الگ الگ ہو جائیں۔ عورت مرد کا آپس میں کوئی تعلق نہ رہے۔ اس مرد کے پاس بالکل نہ رہے نہ اس سے خرچ لے بچے خواہ اس کے پاس چھوڑے یا اپنے ساتھ لے جائے جب لوگ شہادت دیں کہ اب ان کی حالت اچھی ہو گئی ہے تو پھر نکاح کی کوئی صورت ہو سکتی ہے بچے اگر نیک ہو جائیں۔ تو ان کو رشتہ ناطہ میں لینا کوئی حرج نہیں مگر حرام کا نیک کم ہوتا ہے بہر صورت نیک ہونے کی صورت میں ان پر کوئی طعن نہیں قصور ہے تو ماں باپ کا ہے۔ عبداللہ امرتسری روپڑی

بھانجے کی لڑکی سے نکاح

سوال ۔ بھانجے کی (خواہ عینی یا علاتی یا اخیافی ہو) لڑکی سے نکاح جائز ہے یا نہیں؟

جواب ۔ جب اپنی بھانجی سے نکاح درست نہیں تو بھانجے کی لڑکی سے بھی درست نہیں

عبداللہ امرتسری روپڑی

جمع بین الاختین

سوال ۔ دو حقیقی بھائی ایک ہی گھر میں دو حقیقی بہنوں سے شادی ہوئی ہے ان میں سے ایک کا انتقال ہوا ہے اب متوفی کا دوسرا بھائی متوفی کی بیوہ عورت سے شادی کرنا چاہتا ہے یعنی دو بہنوں کو اپنے نکاح میں جمع کرنا چاہتا ہے۔ کیا عند الشرع دو حقیقی بہنوں کا ایک نکاح میں جمع کرنا درست ہے؟

جواب ۔ از روئے شریعت اسلامیہ دو حقیقی بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے قرآن مجید میں ہے وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَیْنَ الْاُخْتَیْنِ یعنی دو حقیقی بہنوں نکاح میں جمع نہ کرو، ہاں اگر ایک مر جائے تو دوسری سے نکاح ہو سکتا ہے۔ عبداللہ امرتسری مدیر تنظیم ۹ صفر ۱۳۶۰ھ

باپ کا نکاح نانی سے درست ہے؟

سوال ۔ اگر باپ کے گھر لڑکی کی نانی ہو اور بیٹے کے گھر نانی کی نواسی ہو اسی باپ کے حقیقی بیٹے کا عقد جائز ہے یا نہیں ؟

جواب ۔ لڑکی کی نانی باپ کے لئے اور اس نانی کی نواسی بیٹے کے لئے درست ہے کیونکہ قرآن مجید میں پندرہ رشتے حرام کر کے فرمایا، کہ ان کے سوا سب درست ہیں اور یہ پندرہ میں سے نہیں ہیں۔ پس یہ بھی درست ہوئے۔

(عبداللہ امرتسری روپڑی)

روپیہ لے کر بیٹی کا نکاح کرنا

سوال ۔ بعض لوگ اپنی بیٹیوں کا روپیہ لے کر نکاح کرتے ہیں کیا شریعت میں جائز ہے یا نہیں ؟

جواب ۔ اس قسم کا روپیہ لینا جائز نہیں بلکہ یہ رشوت میں داخل ہے اور ایسا آدمی لڑکی کا ولی ہونے کے لائق نہیں ۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

بوڑھے مرد کے ساتھ جوان عورت کا نکاح

سوال ۔ جو شخص بوڑھا ہو اور عورت نوجوان ہو یعنی عورت کی حاجت کسی طرح پوری نہ کر سکتا ہو عمر ستر سال کی اور عورت کی عمر بائیس سال کی وہ بیمار رہتی ہے اور تنگ ہے اس طرح عورت بند رکھنی جائز ہے؟ ایسے شخص کی امامت جائز ہے ؟

جواب ۔ اگر یہ بوڑھا عورت کی حاجت روائی نہیں کر سکتا تو یہ نامرد کے حکم میں ہے اور نامرد کی بابت فیصلہ یہ ہے کہ سال کی مہلت دی جاتی ہے تاکہ اپنا علاج کرے اگر آرام نہ ہو تو عورت کو فسخ نکاح کا اختیار ہے بڑھاپے کی وجہ سے جس کی شہوت ختم ہو چکی ہے وہ قابلِ علاج نہیں اس لئے اس کی بیوی ابھی سے فسخ نکاح کا اختیار رکھتی ہے۔ جب عورت کو فسخ کا اختیار ہوا تو خاوند خواہ طلاق دے یا نہ دے عورت فسخ کے بعد دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے اور اس کا طریق یہ ہے کہ پنچایت میں مرد عورت کو بلایا جائے فریقین کے بیان اور شہادتیں لی جائیں اگر عورت سچی ہو تو پنچایت فیصلہ دے دے کہ نکاح فسخ ہے اگر خاوند پنچایت میں نہ آئے تو پنچایت یک طرفہ ڈگری دیدے ۔ اگر پنچایت نہ ہو سکے تو کسی عالم فاضل یا چوہدری ، نمبردار یا کسی اور ذی اثر صاحب کی معرفت یہ کام کرا لیا جائے ہاں اگر عورت کو فسخ نکاح کا اختیار نہ ہوتا اور اس

صورت میں خاوند طلاق نہ دیتا توامامت سے معزول ہو سکتا تھا. لیکن جس صورت میں اس کے نکاح سے نکلنے کے لئے دوسرا رستہ کھلا ہے یعنی عورت کو فسخ کا اختیار ہے تو اتنے پر اس کو معزول کرنے کی ضرورت نہیں۔

(عبداللہ امرتسری روپڑی)

نکاح بٹہ

سوال۔ زید اپنے لڑکے کا نکاح بکر کے بٹے میں کر دے یعنی زید کی لڑکی بکر کے لڑکے کو اور بکر کی لڑکی زید کے لڑکے کو جسے عرف عام میں بٹہ کہتے ہیں مقرر ہو. کیا وہ نکاح جائز ہے یا حرام؟ جب نکاح حرام ہے تو دونوں میں تفریق ہے یا نہیں کیا وہ لڑکیوں کا نکاح دوسری جگہ بلا بٹہ کر سکتے ہیں؟

جواب۔ نکاح بٹہ شرعاً حرام ہے جو ناواقفی مسئلہ نکاح ہو چکے ہیں وہ قائم رہ سکتے ہیں اور بعض صورتوں میں فسخ بھی ہو سکتے ہیں سوال میں جن دو لڑکیوں کا ذکر ہے ان سے لڑکی نمبرا چونکہ صاحب اولاد ہے اس کے نکاح فسخ کرنے میں اولاد کی ویرانی کا خطرہ ہے اس لئے فسخ نہ کیا جائے تو گنجائش ہے۔ دوسری کا فسخ کر دینا بہتر ہے اگر وہ فسخ نہ کرنا چاہے تو اس کو بھی اس کی حالت پر چھوڑ دیا جائے کیونکہ عموماً یہ نکاح (بٹہ) ناواقفی میں ہوتا ہے اور ناواقفی شرعاً عذر ہے اس لئے اگر اسی نکاح کے ساتھ قائم رہیں تو اولاد حلال کی ہو گی اور پہلے جو اولاد ہو چکی ہے وہ بھی حلال کی ہے،

عبداللہ امرتسری روپڑی

نکاح بٹہ کے بعد فریقین میں ناچاقی ہونا

سوال۔ علم دین کی ہمشیرہ چراغ بی بی کا نکاح اسماعیل سے اور اسماعیل کی ہمشیرہ عزیزہ کا نکاح علم دین سے بطور بٹہ ہوا اور دونوں کے مہر مساوی پرانے رواج کے مطابق تیس روپے ہیں نکاح کے چند ماہ بعد فتنے شروع ہو گئے علم دین نے اپنی بیوی عزیزہ کو مارا اور پہنے ہوئے کپڑے اتروا کر جلا دیئے اور دوسرے معمولی کپڑے پہنا کر میکے بھیج دیا اسماعیل نے بھی بدلہ میں علم دین کی بہن کو مار پیٹ کر میکے بھیج دیا. کئی ماہ تک بربادی رہی دس گیارہ مہینوں سے لڑکیاں اپنے اپنے والدین کے گھر بیٹھی ہیں اب کوئی جائز صورت اصلاح کی نظر نہیں آتی، فتنہ کے طول پکڑنے سے بعض جانوں کے اتلاف کا خطرہ ہے ہر دو میں سے کوئی خاوند اپنی بیوی پر اور کوئی بیوی اپنے خاوند پر راضی نہیں ہے ہر دو کی اصلاح ناممکنات سی ہو گئی ہے. ہر اصلاحی صورت

سے مایوس ہو کر شریعت کا فتویٰ طلب کیا جاتا ہے۔

بقلم صمصام از ککہ کڑیالہ ڈاک خانہ ترنتارن (امرتسر) ۱۹۴۱ء

جواب ۔ اس کا فیصلہ شریعت میں بڑی آسانی سے ہو سکتا ہے وہ یوں کہ لڑکیاں بغیر طلاق کے اپنی جگہ بیٹھی بٹھائیں ولیوں کی اجازت سے اپنا اپنا نکاح دوسری جگہ پڑھ لیں کیونکہ حدیث میں ہے لَا شِغَارَ فِی الْاِسْلَامِ یعنی اسلام میں نکاح بٹہ نہیں جب اسلام میں بٹہ کا وجود ہی نہ ہوا تو طلاق یا فسخ نکاح کی کیا ضرورت۔ پہلے نکاح کا شرعاً وجود ہو پھر طلاق یا فسخ کی ضرورت ہوتی ہے ورنہ نہیں۔

عبداللہ امرتسری مدیر تنظیم اہلحدیث روپڑ ضلع انبالہ

بغیر شرط دونوں کی طرف سے رشتہ بٹہ ہے یا نہیں؟

سوال ۔ زید نے اپنی لڑکی عمرو کے لڑکے سے بغیر کسی شرط بٹہ وغیرہ کے منگنی کی ہوئی تھی قبل نکاح شرعی کچھ مدت کے بعد زید مذکور کے کہنے کے بغیر عمرو مذکور نے اپنی لڑکی بھی زید کے لڑکے کو دے دی۔ بٹہ وغیرہ کا کوئی ذکر نہیں آیا۔ اور نہ ہی طرفین نے کوئی شرط لگائی ہے۔ اب ہر طرف سے شادی کی تاریخ اس طرح بغیر شرط مقرر ہے کہ جب زید کی لڑکی کے براتی آئیں تو دوسرے یا تیسرے دن عمرو کی لڑکی کی برات آئے گی تقرر تاریخ کے وقت بعض لوگوں نے کہا کہ یہ بٹہ ہے شرعاً ناجائز ہے تو زید نے کہا یہ بالکل بٹہ نہیں۔ میں نے اپنی لڑکی عمرو کے لڑکے کو دیدی ہے اگر عمرو نہ دینا چاہے تو اس کی مرضی ہے میں راضی ہوں اب عرض یہ ہے کہ یہ صورت ممنوع بٹہ میں داخل ہے یا نہ؟

جواب ۔ صورت مذکورہ اگرچہ بٹہ نہیں مگر بٹہ کا شبہ اس میں ضرور ہے اس لئے مناسب ہے کہ سرے دست ایک ہی نکاح ہو۔ دوسرا نہ ہو بلکہ اس کے متعلق صاف لفظوں میں کہہ دیا جائے کہ سرے دست میں قبول نہیں کرتا۔ آئندہ دیکھا جائے گا۔ جب ایک لڑکی گھر آباد ہو جائے اور خاوند بیوی کا اچھی طرح دل مل جائے اور خوشی رہنے سہنے لگ جائیں تو پھر دوسری لڑکی کے متعلق بات چیت میں کوئی حرج نہیں

عبداللہ امرتسری روپڑی

طرفین کی طرف سے نکاح میں شرط

سوال ۔ محمود نے اپنی لڑکی حامد کے لڑکے کو اس شرط پر دی ہے کہ زیور طرفین سے برابر ہو گا۔ اور براتی مساوی ہوں گے۔ اگر تم یہ نہ کرو گے ہم یہ نہ کریں گے وغیرہ وغیرہ سنگین شرائط مقرر کی گئی ہیں، یہ طریقہ جائز ہے یا نہ۔

جواب ۔ مذکورہ صورت قطعاً بٹہ ہے جس کو عربی میں شغار کہتے ہیں سو وہ کسی صورت میں جائز نہیں ہمارا رسالہ نکاح شغار ملاحظہ ہو۔ عبداللہ امرتسری روپڑی

زانی زانیہ کا نکاح

سوال ۔ ایک لڑکی ایک ہندو کے ساتھ نکل گئی چار سال کے بعد یہ لڑکی مسلمان ہو گئی اس کے اسلام قبول کرنے کا ذریعہ بہت برا ہے ایک مسلمان لڑکے کے ساتھ اس کا ناجائز تعلق ہو گیا تھا۔ اس کے ساتھ نکاح کرنے کے واسطے اس لڑکی نے اسلام قبول کیا ہے جس دن وہ مسلمان ہوئی ہے اسی دن اس لڑکی کو دوسری جگہ بٹھا دیا ہے ایک حیض کے بعد دونوں سے توبہ تائب کرا کر نکاح کر دیا ہے لوگ کہتے ہیں کہ یہ نکاح نہیں ہوا۔ کیونکہ زانی زانیہ تھے اب سوال یہ ہے کہ یہ نکاح جائز ہے یا نہیں؟

جواب ۔ جب توبہ تائب کرا کر ایک حیض جدا رکھ کر نکاح پڑھا گیا ہے تو نکاح صحیح ہے حدیث میں ہے۔ اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَہٗ یعنی گناہ سے توبہ کرنے والا مثل بے گناہ کے ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

نکاح بٹہ کے فتویٰ پر تعاقب

سوال ۔ جب آپ کے نزدیک نکاح بٹہ باطل ہے تو پھر آپ کا یہ کہنا کس طرح درست ہے کہ

ہماری رائے اس موقع پر احتیاط ہے وہ یہ کہ ملاپ سے پہلے تو قطعاً جدائی کرا دی جائے اور ملاپ کے بعد جو کچھ پہلے ہو چکا ہو آئندہ کے لئے ایک حیض کے انتظار کے بعد ولیوں کی اجازت سے نئے مہر کے ساتھ دوبارہ نکاح پڑھ دیا جائے۔ مگر دوبارہ نکاح اس وقت مفید ہو سکتا ہے جب لڑکیاں آباد ہو کر خود مختار ہو جائیں اور اپنے اولیا کے ناجائز قبضہ سے نکل جائیں تاکہ تبادلہ کا شبہ نہ رہے۔ ورنہ پھر جدائی مناسب ہے اور ولیوں کے ناجائز قبضہ سے نکلنے کے بعد جب

دوبارہ نکاح کی تجویز ہو جائے تو ان کے اولیاء کی اجازت ضروری ہے اگر ان کے اولیاء دوبارہ نکاح کی اجازت نہ دیں تو کسی دوسرے کو ولی بنا کر دوبارہ نکاح پڑھ لیں۔ اگر لڑکیاں دوبارہ اس نکاح پر راضی نہ ہوں تو ان کی رضا کے موافق دوسری جگہ نکاح کی تجویز کی جائے۔

نکاح بٹہ ہو جانے کے بعد ملاپ کر لینے کے باوجود جدائی بھی جائز جس کا نتیجہ یہ ہے کہ بلا طلاق وہ عورت دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ نکاح شغار سرے ہی سے منعقد نہیں سمجھا گیا۔ اور معافی بھی جائز جس کا نتیجہ صاف ہے کہ دوسری جگہ وہ عورت نکاح نہیں کر سکتی کیونکہ نکاح شغار بوجہ نااتفاقی قائم رکھا گیا ہے اور وہ منعقد ہو گیا پس یہ حنفیوں والی احتیاطی ہے ورنہ اصل احتیاط تو یہ ہے کہ اقویٰ دلیلین پر عمل کیا جائے۔

ایک جگہ آپ نے یہ لکھا ہے۔

ہاں مسئلہ سے بے خبری میں جو کچھ ہو چکا وہ معاف ہے۔

ایک جگہ آپ نے لکھا ہے۔

نکاح بٹہ شرعاً حرام ہے نکاح بٹہ میں اگر یہ لڑکی آباد بھی ہو چکی ہوتی تو بھی نکاح فسخ ہے اس لئے اس لڑکی کا نکاح جہاں مرضی ہو کر دیا جائے اور جو لڑکی اس کے بٹہ میں ہے اس کا نکاح بھی دوسری جگہ کر دیا جائے۔

جواب : مشکوٰۃ میں ہے۔

عَنِ السَّائِبِ قَالَ كُنْتُ قَائِمًا فِي الْمَسْجِدِ فَحَصَبَنِي رَجُلٌ فَنَظَرْتُ فَإِذَا هُوَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ فَاذْهَبْ فَأْتِنِي بِهٰذَيْنِ فَجِئْتُهُ بِهِمَا فَقَالَ مِمَّنْ أَنْتُمَا أَوْ مِنْ أَيْنَ أَنْتُمَا قَالَا مِنْ أَهْلِ الطَّائِفِ قَالَ لَوْ كُنْتُمَا مِنْ أَهْلِ الْمَدِيْنَةِ لَأَوْجَعْتُكُمَا تَرْفَعَانِ أَصْوَاتَكُمَا فِي مَسْجِدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رواہ البخاری (باب المساجد فصل اول

سائب کہتے ہیں میں مسجد نبوی میں سویا ہوا تھا مجھے ایک شخص نے کنکر ماری میں نے دیکھا تو وہ عمر بن خطاب تھے فرمایا ان دو شخصوں کو لاؤ میں لایا ان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا، تم کن لوگوں سے ہو یا کہاں کے رہنے والے ہو انہوں نے کہا ہم اہل طائف سے ہیں فرمایا اگر تم اہل مدینہ سے ہوتے تو میں سزا دیتا کیا تم مسجد نبوی میں اپنی آوازیں بلند کرتے ہو؟۔

اس حدیث میں حضرت عمر رضؓ نے یہ نہیں کہا کہ تمہیں آواز بلند کرنے کا مسئلہ معلوم ہے یا نہ بلکہ کہا اگر تم اہلِ مدینہ سے ہوتے تو تمہیں سزا دی جاتی لیکن طائف میں چونکہ علم کا اتنا چرچا نہیں اس لئے تمہیں معافی دی جاتی ہے اس سے معلوم ہوا کہ بے خبری کے بھی مراتب ہوتے ہیں ایک بیخبری قابلِ معافی ہے ایک نہیں اسی بناء پر فقہاء حنفیہ نے خیار بلوغ اور خیار عتق میں فرق کیا ہے یعنی اگر شادی شدہ لونڈی آزاد ہو جائے تو اس کو اختیار ہے کہ اپنا نکاح قائم رکھے یا فسخ کر دے اس طرح قبل بلوغ جس لڑکی کا نکاح ہو گیا اس کو بھی بعد بلوغ فسخ کا اختیار رہے۔ مگر ان دونوں میں دو طرح سے فرق ہے ایک یہ کہ لونڈی خود بخود اپنا نکاح فسخ کر سکتی ہے اور لڑکی بواسطہ حاکم یا پنچایت وغیرہ فسخ کر سکتی ہے دوسرا یہ کہ اگر لونڈی کو خیار عتق کا مسئلہ معلوم نہ ہو تو اس کا حق زائل نہیں ہوتا۔ جب اس کو علم ہو گا وہ اپنا حق لے سکتی ہے برخلاف لڑکی کے اگر لڑکی بالغہ ہوتے ہی اپنا حق نہ لے تو بعد اس کو فسخ کا کوئی اختیار نہیں، خواہ اس کو مسئلہ معلوم ہو یا نہ کیونکہ لونڈی مملوکہ ہونے کی وجہ سے آقا کی خدمت سے فارغ نہ تھی کہ علم سیکھتی برخلاف آزاد کے اس کو علم سیکھنے سے کوئی مانع نہیں اس لئے لونڈی کی بے خبری عذر ہے اور آزاد کی بے خبری عذر نہیں۔ اگرچہ فقہاء کا یہ فرق معتبر نہیں۔ کیونکہ اگر لونڈی کی خدمت مانع تھی تو آزاد کو لڑکپن مانع تھا اس لئے نابالغ بلوغ سے پہلے کسی حکم کا مکلف نہیں ہوتا، مگر فقہاء کے اس فرق سے اتنا تو معلوم ہوا کہ بے خبری سب جگہ برابر نہیں۔ اگر لڑکی بالغ ہونے کے بعد بھی بے خبر رہے تو اس میں لڑکی کا قصور وار ہونا قرین قیاس ہے۔ ٹھیک اس طرح نکاح بٹہ کو سمجھ لینا چاہیئے۔ جو نکاح بٹہ ایسی جہالت کے موقع پر ہوئے ہیں کہ نہ اس طرف علم کا چرچا تھا نہ عدم جواز کی آواز سے کبھی کان آشنا ہوئے۔ تو ایسے نکاحوں میں اگر خانہ آبادی نہ ہوئی ہو تو اس صورت میں جدائی سہل ہے لیکن خانہ آبادی خاص کر اولاد ہونے کے بعد سوا معافی کے کیا چارہ ہے جب سے ہمارا رسالہ نکاح بٹہ شائع ہوا ہے۔ یہ مسئلہ منصہ شہود پر آ گیا ہے کسی عالم کو اس کے دلائل توڑنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ ایسے حال میں کوئی ویسے ہی کسی کے فتویٰ کو بہانہ بنا کر جواز کا رستہ ڈھونڈے تو یہ جہالت نہیں بلکہ خجالت ہے ہاں کسی جگہ یہ رسالہ نہ پہنچا ہو نہ کسی اور عالم کے فتویٰ سے دلائل پر اطلاع ہوئی ہو اور وہ ایسے ہی بے خبر ہوں جیسے جاہلیت کا زمانہ ہوتا ہے تو ان کی جہالت بھی عذر ہو سکتی ہے جس نکاح کی بابت معاویہ رضؓ نے تفریق کرائی تھی وہ ایسے وقت میں ہوا تھا، کہ آفتاب علم اس وقت پوری روشنی پر تھا، نیز اس کی ابتدائی حالت تھی جس میں جدائی سہل ہے۔

نکاح بلا ولی کا مسئلہ یہ بھی اسی حکم میں ہے کیونکہ فقہ حنفیہ کے مطابق انگریزی قانون میں بالغہ خود مختار قرار دی گئی ہے اور فقہ حنفیہ کے زیادہ مروج ہونے کی وجہ سے بہت سی دنیا پر اس کا انکشاف نہیں ہوا گویا اس مسئلہ میں بھی بہت سی دنیا قریب قریب جاہلیت کے زمانہ میں ہے سو اس کے لئے بھی نکاح بٹہ کی تفصیل ملحوظ ہے اس طرح حاملہ بالزنا وغیرہ کا مسئلہ جو نکاح بلا ولی کی طرح قدیم سے علماء اہلسنت کے اختلاف کی زد میں آیا ہوا ہے اس کا بھی یہی حکم ہے۔ رہے وہ نکاح جو علماء اہلسنت میں بالاتفاق حرام ہیں جیسے محرمات ابدیہ اور متعہ وغیرہ تو ان میں سوا جدائی کے کوئی اور رستہ نہیں ہاں جو کفر بدعت کی حالت میں ہوئے ہوں ان میں بعض حالات میں فوراً جدائی کرا دینی چاہیئے۔ جیسے مجوسی کے نکاح میں کوئی محرمات ابدیہ ہو یا کسی کے نکاح میں چار سے زیادہ عورتیں ہوں تو یہ نکاح قائم نہیں رہتا۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

پچی یا بھتیجے کی لڑکی سے نکاح

سوال۔ پچی کے ساتھ نکاح جائز ہے یا نہیں اور بھتیجے کی لڑکی سے نکاح کا کیا حکم ہے؟

جواب۔ پچی[عہ] کے ساتھ نکاح درست ہے کیونکہ یہ ان محرمات سے نہیں جن کا قرآن وحدیث میں ذکر ہے۔ قرآن مجید میں ہے۔ واحل لکم ما وراء ذالکم بھتیجے کی لڑکی چونکہ بنات الاخ میں داخل ہے اس لئے حرام ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

پچھلگ لڑکی کسی صورت حلال ہے؟

سوال۔ غلام محمد نے ایک عورت نکاح کی اس کے دو بیٹے اور ایک بیٹی تھی۔ وہ ساتھ آئے اور وہ عورت قریباً دس سال غلام محمد کے گھر رہی بعد میں مرگئی اب غلام محمد اس لڑکی سے نکاح کرنا چاہتا ہے اور ایک دو مولوی صاحبان حضرت علی رضؓ کا قول فی حجورکم کی تفسیر میں پیش کر کے نکاح کرنے کا فتویٰ دیتے ہیں کیا یہ نکاح صحیح ہے؟

ابراہیم خلف الرشید مولوی خدا بخش از مہمد ڈاکخانہ رملاس ضلع امرتسری

جواب۔ مغنی مع شرح الکبیر ابن قدامہ جلد ۷ صہ۴۷۳ میں اس مسئلہ کی کافی تفصیل ہے، ہم

عہ بشرطیکہ چچا کے گھر خالہ نہ ہو۔

اسی سے کسی قدر تشریح کرتے ہیں

ربیبہ (پچھلگ) کی چار صورتیں ہیں۔

۱۔ یہ کہ اس کی ماں سے نکاح کرنے والا اس کی ماں سے ہمبستری کر چکا ہو اور یہ ربیبہ اس کی پرورش میں ہو۔

۲۔ یہ کہ ہمبستری نہ کی ہو۔ نہ یہ اس کی پرورش میں ہو۔

۳۔ یہ کہ ہمبستری کر چکا ہو لیکن یہ ربیبہ اس کی پرورش میں نہ ہو۔

۴۔ یہ ربیبہ اس کی پرورش میں ہو لیکن اس کی ماں سے ہمبستری نہ ہوئی ہو۔

پہلی صورت میں تو ربیبہ بالاتفاق حرام ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ نہ کسی صحابی کا نہ کسی اور کا نیز نص قرآنی اس میں ناطق ہے چنانچہ ارشاد ہے۔ وربائبکم التی فی حجورکم الایۃ یعنی پچھلگیں تم پر حرام ہیں جو تمہاری پرورش میں ہیں۔ تمہاری عورتوں سے جن سے تم ہمبستری کر چکے ہو۔

دوسری صورت میں اور چوتھی صورت میں بالاتفاق حلال ہے اس میں بھی کسی کا اختلاف نہیں۔ ہاں اگر ربیبہ کی ماں ہمبستری سے پہلے مر جائے تو اس میں اختلاف ہے۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس حالت میں ربیبہ حرام ہے اور حضرت ابوبکر رضؓ نے بھی اس کو اختیار کیا ہے کیونکہ موت ہمبستری کے قائم مقام ہے اور حضرت علی رضؓ کہتے ہیں کہ اس حالت میں بھی حلال ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہمبستری کی شرط ذکر کی ہے موت کا ذکر نہیں کیا۔ اس لئے موت کی حالت میں حرام نہ ہوگی اکثر علماء کا یہی مذہب ہے امام مالک رحؒ امام ثوری امام اوزاعی ۔ امام شافعی رحؒ امام احمد رحؒ امام اسحٰق رحؒ ۔ امام ابو ثور وغیرہم سب اسی کے قائل ہیں۔

رہی تیسری صورت سو اس میں حضرت علی رضؓ اور حضرت عمر رضؓ سے مروی ہے کہ پچھلگ حلال ہے۔ اور داؤد ظاہری کا بھی یہی قول ہے باقی تمام اس پر متفق ہیں کہ یہ حرام ہیں آئمہ اربعہ رحؒ کا بھی یہی مذہب ہے وجہ اختلاف فی حُجُورِکُمْ کی قید ہے یعنی خدا نے پچھلگوں کی حرمت کے ذکر میں پرورش ہونے کی قید ذکر کی ہے پہلا فریق کہتا ہے کہ اس بنا پر جب پرورش میں نہ ہو تو حلال ہونی چاہیئے۔ دوسرا فریق کہتا ہے کہ جب انسان کسی بیوہ عورت سے نکاح کرتا ہے تو عموماً اس کی اولاد ساتھ آتی ہے اور اس نکاح کرنے والے کی پرورش میں ریتی ہے اس لئے اس قید کا ذکر کر دیا ہے یہ مطلب نہیں کہ اگر پرورش میں نہ ہوں تو حلال ہیں اس کی مثال ایسی ہے جیسے دوگانہ میں خدا تعالیٰ نے کفار سے خوف کا ذکر کر دیا ہے کیونکہ اس وقت کفار سے خوف رہتا تھا۔ یہ مطلب نہیں کہ کفار سے خوف نہ ہو پھر دوگانہ ناجائز ہے اس طرح قرآن مجید میں ہے کہ اپنی اولاد کو

خوفِ محتاجی سے قتل نہ کرو۔ چونکہ اکثر خوف محتاجی سے قتل کرتے تھے۔ اس لئے خوفِ محتاجی کا ذکر کر دیا غرض جو قید کثرت کی بنا پر ذکر ہو۔ اس کو حلت وحرمت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کے ذکر کا کوئی اور فائدہ ہوتا ہے۔ چنانچہ اس جگہ پرورش کی قید کے ذکر کا فائدہ یہ ہے کہ اگر بیوہ سے نکاح کے بعد خاوند یہ کہہ دے کہ میں تیرے نان ونفقہ کا ذمہ وار ہوں۔ تیری اولاد کا نہیں تو یہ کہنا اس کا ٹھیک نہیں کیونکہ اولاد عموماً ماں کے ساتھ رہتی ہے ہاں اگر وہ اس کے نان ونفقہ سے مستغنی ہو مثلاً لڑکیاں شادی شدہ ہوں یا لڑکے بڑے ہوں اور کاروبار کر سکتے ہیں یا مالدار ہوں تو پھر ان کا نان ونفقہ ان کے ذمہ نہیں۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ دوسرے فریق کے مذہب کو ترجیح ہے کیونکہ پہلے فریق کا استدلال اسی قید سے تھا۔ جب یہ قید اکثری ہے اور اس کا فائدہ دوسرا ہے تو اس سے استدلال صحیح نہ ہوا۔ اس کے علاوہ بعض احادیث بھی دوسرے مذہب کی موید ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیوی ام حبیبہ رضؓ کو فرمایا۔ لَا تَعْرِضْنَ عَلَیَّ بَنَاتِکُنَّ وَ اَخَوَاتِکُنَّ یعنی اپنی بیٹیاں اور بہنیں مجھ پر پیش نہ کرو" اس حدیث میں مطلق بیٹیاں فرمایا ہے پرورش کی کوئی قید نہیں۔

نیز ایک حدیث عبداللہ بن عمرو رضؓ سے مروی ہے۔ مَنْ تَزَوَّجَ اِمْرَاَۃً فَطَلَّقَھَا قَبْلَ اَنْ دَخَلَ بِھَا لَا بَاْسَ اَنْ یَّتَزَوَّجَ رَبِیْبَتَہٗ وَلَا یَحِلُّ لَہٗ اَنْ یَّتَزَوَّجَ اُمَّھَا۔ رواہ ابوحفص باسنادہ یعنی جو شخص کسی عورت سے نکاح کرے پھر ہمبستری سے پہلے اسے طلاق دیدے۔ تو اس حالت میں لڑکی اپنی پچھلگ سے نکاح لے سکتا ہے اور عورت کی ماں سے نکاح نہیں کر سکتا۔ اس حدیث میں بھی صرف ماں کے ساتھ ہمبستری کی شرط کی ہے پرورش میں ہونے کی کوئی شرط نہیں پس صحیح یہی ہے کہ پرورش میں ہونے کی کوئی شرط نہیں بلکہ اس کے بغیر بھی حرام ہے۔

خیر یہ تفصیل تو ان چاروں صورتوں کے متعلق تھی۔ سوال کی صورت کو دیکھنا چاہیئے کہ ان چار میں سے کس میں داخل ہے ظاہر ہے کہ پہلی صورت میں داخل ہے جو بالاتفاق حرام ہے پس جس مولوی نے حضرت علی رضؓ کے مذہب کی آڑ لے کر حلت کا فتویٰ دیا وہ سخت غلطی میں ہے خدا محفوظ رکھے۔ آمین۔

عبداللہ امرتسری مدیر تنظیم اہلحدیث روپڑ ضلع انبالہ ۱۴ ذیقعدہ ۱۳۵۸ھ

باپ کی دوسری بیوی کی پچھلگ لڑکی سے بیٹے کا نکاح

سوال ۔ کیا عمرو کے لڑکے کا نکاح عمرو کی دوسری بیوی کی لڑکی جو دوسرے خاوند سے ہے جائز ہے؟

جواب ۔ سوال کی صورت میں اس لڑکی کا نکاح عمرو کے لڑکے سے جو پہلی عورت سے ہے جائز ہے یہ ایسا ہی ہے کہ جیسے ایک عورت کے ساتھ ایک لڑکی ہو اور ایک مرد کے ساتھ ایک لڑکا ہو یہ مرد اس عورت سے نکاح کرلے اور اس کا لڑکا اس عورت کی لڑکی سے نکاح کرلے ۔ خواہ مرد پہلے نکاح کرے اور لڑکا پیچھے اور خواہ لڑکا پہلے کرے ۔ مرد پیچھے ۔ اس تقدم و تاخر سے حلت و حرمت میں کوئی فرق نہیں پڑتا صورت سوال میں مرد عمرو نے پہلے نکاح کیا ہے اور لڑکے کا بعد ہے ۔ قرآن مجید میں ہے ۔ وَاُحِلَّ لَکُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِکُمْ پ ۵ یعنی محرمات مذکور کے سوا باقی عورتیں تمہارے لئے حلال ہیں ۔ چونکہ یہ لڑکی قرآن مجید کی محرمات مذکورہ میں نہیں اور نہ کسی حدیث میں اس کی حرمت آئی ہے اس لئے بحکم آیت مذکورہ حلال ہوگی ۔

عبداللہ امرتسری مدیر تنظیم مورخہ ۱۹ ذی الحجہ ۱۳۵۸ھ

بھتیجے کی بیوی سے چچا کا نکاح

سوال ۔ ایک شخص کے مرنے کے بعد اس کی بیوی سے اس کا بھتیجا نکاح کرلے تو کیا بھتیجے کے مرنے کے بعد اس سے دوسرا چچا نکاح کرسکتا ہے ۔

جواب ۔ بھائی کی بیوی کو بھائی نکاح کرسکتا ہے اور بھتیجے کی بیوی کو چچا نکاح کرسکتا ہے تو یکے بعد دیگرے دو کے نکاح میں آنے سے حرمت پیدا نہیں ہوسکتی ۔ وہ بدستور حلال ہے خواہ بھائی کے نکاح میں پہلے ہو پھر بھتیجے کے نکاح میں آجائے یا اس کا الٹ ہو بہرحال یہ محرمات ابدیہ میں سے نہیں جن کا ذکر قرآن مجید میں ہے اس لئے بھتیجے کے قطع تعلق کے بعد چچا کے لئے درست ہے ۔

عبداللہ امرتسری روپڑی ، محرم الحرام ۱۳۵۷ھ مطابق ۹ ر مارچ ۱۹۳۸ء

بریلوی مشرک سے نکاح

سوال ۔ کیا بریلوی مشرک سے نکاح ہوجاتا ہے جو قبروں کا قائل ہے ۔

جواب ۔ قرآن مجید میں ہے ۔ وَلَا تُنْکِحُوا الْمُشْرِکِیْنَ حَتّٰی یُؤْمِنُوْا یعنی مشرکوں کو نکاح نہ دو ۔ یہاں تک کہ ایمان لائیں اس بناء پر سوال میں جس عورت کا ذکر ہے پس شرعاً عورت کو اختیار ہے جہاں

چاہیے کسی دیانت دار مرد کو ولی بنا کر نکاح کرلے۔ عبداللہ امرتسری روپڑی ۱۰رمضان المبارک ۱۳۵۶ھ

نکاح زانیہ بعد وضع حمل

سوال۔ کسی باکرہ عورت کو نکاح ہونے سے پیشتر اپنے منسوب شدہ خاوند سے ناجائز حمل قرار پا جائے اور حمل کے نمودار ہونے پر مرد عورت کو اپنے گھر لے جائے پھر بچہ پیدا ہونے پر بعد گذرنے ایام نفاس اس کے ساتھ نکاح پڑھا دے اور نکاح خواں کو ان کی کرتوت کا علم ہو اور مرد عورت نے توبہ بھی نہ کی ہو تو کیا یہ نکاح جائز ہے؟ اگر ناجائز ہے تو کیا مرد عورت اور نکاح خواہ ہو گواہان کسی شرعی جرم کے مجرم ہیں؟

جواب۔ یہ نکاح چونکہ وضع حمل کے بعد پڑھا گیا ہے اس لئے صحیح ہے ہاں توبہ ضروری تھی ان کو مجبور کیا جائے۔ کہ اگر انہوں نے توبہ نہیں کی تو اب توبہ کریں اور ان کی حسب حیثیت کچھ ان پر تاوان لگایا جائے یا تعزیر لگائی جائے تاکہ آئندہ کے لئے تنبیہ ہو جائے اگر توبہ یا تعزیر کو قبول نہ کریں تو ان کا بھانڈا چھیک دیا جائے اور جو دیدہ دانستہ ان میں شامل ہوئے ہوں ان کا بھی یہی حکم ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی ۲۹ رمضان المبارک ۱۳۵۶ھ

عدت کے اندر نکاح

سوال۔ ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین تحریر طلاقیں دیدیں اس کے بعد مطلقہ بیوی ہی کی عدت میں اس کی ہمشیرہ سے نکاح کر لیا شریعت میں اس کے متعلق کیا حکم ہے۔

احمد دین ولد نبی بخش سکنہ پٹی دیواناں خانقاہ ڈوگراں تحصیل حافظ آباد گوجرانوالہ

جواب۔ مسلم شریف میں ابن عباس رضہ سے روایت ہے کہ زمانہ نبوی خلافت صدیقی اور شروع خلافت فاروقی میں ایک مجلس کی تین طلاقیں ایک ہی طلاق شمار ہوتی تھی۔ پھر حضرت عمر رضہ فاروق نے بطور تعزیر تین جاری کر دیں۔ اس حدیث کی بنا پر خاوند مطلقہ بیوی کی طرف سے عدت کے اندر رجوع کر سکتا ہے بیوی کا اپنے پاس رکھنا ہی رجوع ہے نئے نکاح کی ضرورت نہیں اور اس کی ہمشیرہ سے عدت کے اندر جو نکاح ہوا ہے وہ نکاح باطل ہے کیونکہ جب پہلی بیوی سے نکاح باقی ہے تو اس کی

ہمشیرہ نکاح میں نہیں آسکتی قرآن مجید میں ہے وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَیْنَ الْاُخْتَیْنِ (پ ۴، رکوع آخری) یعنی دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی حال لاہور ماڈل ٹاؤن سی بلاک کوٹھی نمبر ۱۱۹ مورخہ ۲۷ ۱۳۷۸ھ بروز سوموار

اتباعِ سنت کی شرط پر بدعتی کے نابالغ لڑکے سے نکاح

سوال۔ زید نے بدعتیوں کو رشتہ دینا کرکے التزام کرالیا۔ کہ اگر تمہارا لڑکا بالغ ہونے کے بعد سنت کا پابند نہ رہے تو مجھے لڑکی بھیجنے نہ بھیجنے کا اختیار ہوگا۔ کیا یہ جائز ہے؟ قطب الدین

جواب۔ بدعتیوں کے ہاں چونکہ رشتہ حرام ہے اس لئے التزام وغیرہ کی شرط فضول اور شریعت کے خلاف ہے پس اس کا اعتبار نہیں زید کو چاہیئے کہ وہاں سے رشتہ سے بالکل انکار کر دے۔

عبداللہ امرتسری مدیر تنظیم روپڑ ۱۰ر صفر المظفر ۱۳۵۹ھ

مغویہ عورت کا نکاح

سوال۔ ایک آدمی ایک عورت کو اغوا کرکے لے گیا۔ کسی مولوی صاحب کے پاس جاکر اس عورت نے بیان کیا کہ میرا والد کسی مشرک سے میرا نکاح کرنے لگا تھا۔ اس لئے میں اس شخص کے ساتھ چوری بھاگ آئی ہوں۔ اب میرا اس سے نکاح کردو۔ مولوی صاحب اس عورت کی گواہی پر نکاح کر دے تو جائز ہے۔ صدرالدین شاہ قریشی

جواب۔ ایک عورت کی شہادت سے نکاح جائز نہیں۔ خاص کر جب اسی عورت کا نکاح ہو جس مولوی نے یہ نکاح پڑھا ہے وہ ناحق پر ہے۔ عبداللہ امرتسری روپڑی

بیوہ کو نکاح سے روکنا

سوال۔ بیوہ کو نکاح سے روکنا کیسا ہے؟

جواب۔ رانڈ عورت کو جو نکاح سے روکے یا جرمانہ کرے، وہ سخت گنہ گار ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضؓ کے سوا جن عورتوں سے نکاح کیا۔ وہ سب رانڈ تھیں اور آپ

کی بیٹیاں بھی دوسری جگہ بیاہی گئیں، صرف فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ایک شادی ہوئی ہے کیونکہ وہ حضرت علیؓ سے پہلے فوت ہوگئی تھیں۔ عبداللہ امرتسری روپڑی

نکاح میں دو گواہ، ایجاب و قبول

سوال :۔ ایک بیوہ کا نکاح اکبر کے ساتھ اس طرح ہوا کہ نہ گواہ بنائے گئے اور نہ عورت سے اجازت برموقع نکاح لی گئی کیا یہ نکاح صحیح ہے؟ قاضی احمد حسین سکنہ ماچھی واڑہ ضلع لدھیانہ

جواب :۔ بشرط صحت سوال اس عورت کا نکاح نہیں ہوا۔ کیونکہ عورت کی رضامندی دو گواہ ایجاب وقبول ضروری اور لازمی ہیں بلکہ ولی بھی شرط ہے حدیث میں ہے۔ لَا نِكَاحَ اِلَّا بِوَلِيٍّ یعنی ولی کے بغیر نکاح نہیں نیز حدیث میں ہے لَا نِكَاحَ اِلَّا بِشَاهِدَيْ عَدْلٍ وَوَلِيٍّ مُرْشِدٍ (کتاب الام جلد ۵ ص۱۹) یعنی نکاح نہیں مگر ساتھ دو عادل گواہوں کے اور ولی مرشد کے (جو محض لڑکی کی بھلائی کو مدِ نظر رکھے) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ ولی اور دو گواہوں کا ہونا ضروری ہے اور ایجاب وقبول کا ہونا اس لئے ضروری ہے کہ نکاح نام ہی ایجاب وقبول کا ہے۔ اگر ایجاب وقبول نہیں تو نکاح ہی کیا ہوا۔ رہی عورت کی رضامندی تو وہ اس لئے ضروری ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک کنواری لڑکی آئی اور شکایت کی کہ میرے والد نے میرا نکاح پڑھ دیا اور میں راضی نہیں آپ نے اس کا نکاح رد کر دیا۔ اس کے علاوہ اور بہت سی احادیث ہیں جس میں صراحتہً مذکور ہے کہ عورتوں سے اذن لے کر ان کے نکاح کرو یہاں تک کہ باپ کو بھی حکم دیا کہ وہ اذن لے کر نکاح کرے۔ عبداللہ امرتسری روپڑی ۱۳ رجمادی الاول ۱۳۶۰ھ

نکاح باطل اور فاسد

سوال :۔ نکاح باطل اور فاسد میں کیا فرق ہے؟

جواب :۔ نکاح فاسد وہ ہے جو منعقد ہو جائے لیکن جدائی واجب ہو۔ اور باطل وہ ہے جو منعقد ہی نہ ہو جیسے بیگانہ تھے ویسے ہی رہیں گے۔ عبداللہ امرتسری روپڑی

سوتیلی ساس سے نکاح

سوال ، زید کی دو بیویاں ہیں ، خاتون ، بانو ، خاتون کے بطن سے لڑکی ہوئی جس کا نام منور تھا جب لڑکی بڑی ہوئی تو بکر سے اس کی شادی ہوگئی اور زید فوت ہوگیا ۔ زید کی دوسری بیوی بانو سے اولاد نہیں ہوئی بکر اپنی منکوحہ کو چھوڑ کر اس بانو (سوتیلی ساس) سے نکاح کرنا چاہتا ہے اس نے مسئلہ پوچھا ایک مولوی صاحب کے فتویٰ کے مطابق نکاح کر لیا کیا یہ عقد عندالشرع جائز ہے ؟

جواب ، قرآن مجید میں جن محرمات کا ذکر ہے اس میں ان کو شمار نہیں کیا ۔ نہ حدیث میں اس کا ذکر ہے پس بحکم آیت کریمہ وَاُحِلَّ لَکُمْ مَّا وَرَاءَ ذٰلِکُمْ سوتیلی ساس حلال ہے ۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

نکاح حلالہ

سوال ، حلالہ کیا ہے اور اس کی تشریح کیا ہے ؟

جواب ، جس عورت کو تین طلاقیں مل ہوں خواہ کئی سال میں پوری ہوتی ہوں وہ خاوند پر حرام ہو جاتی ہے اگر دوسرا نکاح کر کے دوسرے خاوند سے ہمبستر ہو جائے یہ خاوند ناموافقت کی وجہ سے اپنی مرضی سے طلاق دیدے تو پہلے خاوند کے لئے نکاح کے ساتھ حلال ہے ۔ قرآن مجید میں ہے فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ یعنی اگر خاوند عورت کو تیسری طلاق دیدے تو اب اس کے لئے حلال نہیں یہاں تک کہ دوسرے خاوند سے نکاح کرے ۔۔۔ اور جو لوگ دوسرے خاوند سے نکاح کرنے کے وقت شرط کر لیتے ہیں کہ اس عورت کو تنہائی کے بعد طلاق دے دینی ہوگی یا ایک دفعہ دونوں کو مکان کے اندر داخل کر کے دروازہ بند کر دیتے ہیں ، پھر جلد دروازہ کھول کر مرد کو طلاق کے لئے مجبور کرتے ہیں یا طمع دی اور اس نے ڈر کے مارے یا طمع سے طلاق دیدی تو یہ شرعاً حلالہ نہیں ۔ ایسا کرنے والے پر حدیث میں لعنت آئی ہے ۔

عبداللہ امرتسری روپڑی مدیر تنظیم اہلحدیث روپڑ ضلع انبالہ

عورت کے عیسائی یا اکالن ہونے کا خطرہ ہو تو بغیر طلاق دوسری جگہ نکاح ہو سکتا ہے

سوال ، بوقت شقاق بین الزوجین غیر مسلم مرد مسلمان عورتوں کو اغوا کر کے اکالن یا عیسائی بنانے کے خوف سے اگر کوئی مولوی صاحب ان منکوحات کا نکاح بغیر طلاق کسی دوسرے مسلمان سے کر دے تو کیا

یہ جائز ہے اور مولوی صاحب پر کوئی گناہ تو عائد نہیں ہوتا۔

جواب :۔ نکاح پر نکاح اس لئے کیا جاتا ہے کہ عورت حلال ہو جائے کیوں؟ اگر حلال نہ ہو تو پھر نکاح پر نکاح کی ضرورت کیا تھی ویسے ہی کسی کے ساتھ رخصت کر دینی چاہیئے کہ کسی سے پوشیدہ یاری لگا لے تاکہ ہمیشہ بدکاری کرتی رہے جب ایسا نہیں کیا جاتا بلکہ نکاح کی آڑ لی جاتی ہے۔ تو گویا حرام کو حلال کیا جاتا ہے جو آیت والمحصنات کا انکار ہے اور آیت کا انکار کفر ہے پس اکالی یا عیسائی ہونے کے خوف سے نکاح پر نکاح درست نہیں ہو سکتا نیز اکالی یا عیسائی ہونے کا ابھی خوف ہے خدا جانے ہو یا نہ ہو تو پہلے ہی آیت مذکورہ کا انکار کر کے کافر ہو جانا گویا بارش سے بھاگ کر پرنالے کے نیچے کھڑا ہونا ہے۔

اس کے علاوہ اکالی یا عیسائی ہو کر کسی وقت اسلام کی طرف لوٹنے کی بھی امید ہے نکاح پر نکاح ہمیشہ کفر لازم آئے گا۔ ایسے مسائل نکالنے والے مولوی کو بالکل برطرف کر دینا چاہیئے۔ کیونکہ یہ کفر کا رستہ کھول کر خود بھی کفر کو پہنچ گیا۔ عبداللہ امرتسری روپڑی ۱۵، ذی قعدہ ۱۳۵۳ھ

لڑکے کی سالی سے لڑکے کے والد کا نکاح

سوال :۔ ایک شخص کی دو عورتیں ہیں اور دونوں کے ہاں اس خاوند کی ایک ایک لڑکی ہے لڑکیوں کے باپ نے جس وقت وہ بالغ ہو گئیں پہلے ایک لڑکی کی شادی کر دی تھوڑے دنوں کے بعد اپنی دوسری لڑکی کی شادی اپنے داماد کے والد کے ساتھ کر دی۔ یہ نکاح شریعت میں جائز ہو گا۔ یا نہیں؟

جواب :۔ اس کا کوئی حرج نہیں خواہ پہلے لڑکے کو رشتہ دے یا لڑکے کے والد کو قرآن مجید میں مندرجہ ذیل رشتے حرام ہیں۔ منکوحہ باپ۔ ماں، بیٹی۔ بہن۔ پھوپھی۔ خالہ۔ بھتیجی۔ بھانجی۔ رضاعی ماں، رضاعی بہن۔ ساس۔ پچھلگ لڑکی۔ بہو۔ دو بہنوں کا جمع کرنا۔ خاوند وال خدا تعالیٰ یہ پندرہ رشتے حرام کر کے فرماتا ہے وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ یعنی ان پندرہ کے علاوہ باقی رشتے تمہارے لئے حلال ہیں اور سوال میں جس رشتے کا ذکر ہے یہ پندرہ سے نہیں پس یہ بھی حلال ہو گا۔ عبداللہ امرتسری روپڑی

نکاح نابالغہ اور نکاح جبر

سوال :۔ ایک لڑکی کا نکاح ایک لڑکے سے ہوا۔ درانحالیکہ دونوں نابالغ تھے۔ اب لڑکی اور لڑکا

دونوں بالغ ہو گئے ہیں۔ لڑکی نکاح مذکورہ پر رضامند نہیں ہے نیز تاہنوز ملاقات کی نوبت بھی نہیں آئی

اندریں صورت طلاق کی ضرورت ہے یا نہیں؟

جواب۔ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا تُنْكَحُ الْاَیِّمُ حَتّٰی تُسْتَاْمَرَ وَلَا تُنْكَحُ الْبِكْرُ حَتّٰی تُسْتَاْذَنَ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَكَیْفَ اِذْنُهَا قَالَ اَنْ تَسْكُتَ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ (مشکوٰۃ) یعنی ابوہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بیوہ کا نکاح اس کے مشورہ کے بغیر نہ کیا جائے اور کنواری کا نکاح اس کے اذن کے بغیر نہ کیا جائے۔ صحابہ رضؓ نے کہا اذن اس کا کس طرح ہوگا۔ (کیونکہ شرم کے مارے بولتی نہیں) فرمایا چپ رہنا اس کا اذن ہے اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ لڑکی بالغہ ہو کر نکاح فسخ کرا سکتی ہے کیونکہ نکاح اس کے اذن سے ہونا چاہیئے اور بچپن میں وہ قابل اذن نہیں کہ اس سے اذن لیا جائے۔ ضروری ہے کہ وہ بڑا ہو کر وہ اپنا حق لے سکے۔ جس کی صورت یہ ہے کہ اس کو فسخ نکاح کا اختیار ہو۔ اور قریباً سب علما اس پر متفق ہیں کہ لڑکی بالغ ہو کر نکاح فسخ کرا سکتی ہے اور دلیل ان کی یہی حدیث ہے۔

بعض فقہاء کا اختلاف

ہاں بعض فقہاء بعض صورتوں میں اختلاف کرتے ہیں جن کے تین فریق ہیں ایک کہتا ہے کنواری لڑکی خواہ بالغ ہو اس پر باپ دادا جبر کر سکتا ہے۔ یعنی جبراً اس کا نکاح پڑھ سکتا ہے خواہ راضی ہو یا ناراض۔ دوسرے کہتے ہیں کہ اگر بچپن میں باپ دادے کا نکاح پڑھا ہوا ہو تو فسخ نہیں ہو سکتا۔ تیسرے کہتے ہیں کہ بھائی کا پڑھا ہوا نکاح بھی فسخ نہیں ہو سکتا۔ جیسے باپ دادے کا پڑھا ہوا نکاح فسخ نہیں ہو سکتا۔ لیکن ان فقہا کے پاس ان صورتوں کے خاص کرنے پر کوئی نص نہیں۔ صرف اپنی رائے اور قیاس ہے وہ یہ کہ باپ اور دادا کامل رائے نہایت شفیق خیر خواہ ہیں اور کنواری بوجہ شرم کے اپنا نفع نقصان نہیں معلوم کر سکتی اس لئے باپ یا دادا اس پر جبر کر سکتا ہے دوسرا فریق بھی یہی کہتا ہے کہ باپ اور دادا کامل رائے نہایت شریف اور خیر خواہ ہیں۔ اس لئے بلوغ سے پہلے کا نکاح فسخ نہیں ہو سکتا۔ تیسرا بھی یہی کہتا ہے لیکن وہ بھائی کو بھی اس حکم میں شامل کرتا ہے مگر اوپر کی مذکورہ حدیث عام ہے اس سے بعض صورتوں کی تخصیص رائے قیاس سے صحیح نہیں۔ بلکہ تخصیص کے لئے کوئی آیت و حدیث چاہیئے۔ کیونکہ آرار آپس میں ٹکراتی رہتی ہیں چنانچہ ان تین فریق

ہیں کوئی باپ دادا پر کفایت کرتا ہے کوئی بھائی کو بھی داخل کرتا ہے پھر کوئی کنواری پر جبر کا قائل ہے خواہ بالغہ ہو جیسے شافعیہ وغیرہ اور کوئی صرف نابالغہ پر جبر کا قائل ہے۔ خواہ کنواری ہو یا بیوہ جیسے حنفیہ کو وہ باپ دادا کے نکاح پڑھے ہوئے کے فسخ کے قائل نہیں۔

اس کے علاوہ اور سنیئے مشکوٰۃ کے صفحہ ۲۷۰ میں ابن عباس رضہ سے روایت ہے۔ قَالَ الثَّيِّبُ اَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِيِّهَا وَالْبِكْرُ تُسْتَأْذِنُهَا اَبُوْهَا فِيْ نَفْسِهَا وَاِذْنُهَا صُمَاتُهَا (رواہ مسلم) یعنی بیوہ اپنے نفس کی ولی سے زیادہ حق دار ہے اور کنواری سے اس کا باپ اس کے نکاح میں اذن مانگے اور اذن اس کا چپ رہنا ہے۔ اس حدیث میں تصریح ہے کہ باپ (بھی) اذن مانگے پس ثابت ہوا کہ جب بالغ کا نکاح باپ پڑھے تو بالغ ہونے کے بعد اس حق کی مستحق ہوگی جیسے چچا وغیرہ نکاح پڑھے تو بلوغ کے بعد وہ مستحق ہوگی جس کی صورت یہ ہے کہ فسخ نکاح کا اس کو اختیار ہو۔ اور جب بلوغ کے بعد اس کو اختیار ہوا تو بلوغ کے بعد جبر بھی صحیح نہ ہوا۔

نیز مشکوٰۃ میں ہے۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اِنَّ جَارِيَةً بِكْرًا اَتَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَتْ اَنَّ اَبَاهَا زَوَّجَهَا وَهِيَ كَارِهَةٌ فَخَيَّرَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (رواہ ابوداؤد) یعنی ابن عباس سے روایت ہے کہ ایک کنواری لڑکی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور ذکر کیا کہ میرا نکاح میرے باپ نے جبراً پڑھ دیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اختیار دیدیا کہ اپنے نکاح کو فسخ کرے یا قائم رکھے۔

عبداللہ امرتسری از روپڑ ضلع انبالہ ۲۲ ربیع الاول ۴۹ھ مطابق ۸ اگست ۱۹۳۰ء

ہندو عورتوں سے نکاح

سوال ۔ زید جو مسلمان ہو چکا ہے اپنی پہلی منسوبہ سے جو ہندو مذہب میں ہے شادی کر سکتا ہے؟ کیا ہندو اہل کتاب ہیں بعض لوگ کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں ہے وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ یعنی ہر قوم کے لئے ہادی ہے اس آیت کی رو سے ضروری ہے کہ ہندوستان میں بھی کوئی نبی آیا ہو۔ اس لئے ہندو اہل کتاب ہیں اور ان کی عورتوں سے نکاح جائز ہے۔ دوسرا فریق کہتا ہے کہ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو۔ حتی کہ وہ ایمان لائیں۔ اہل کتاب مشرک ہیں۔ عیسائی عیسیٰ کو اور یہودی عزیرؑ کو خدا کا بیٹا مانتے ہیں اس لئے عیسائی اور یہودی عورتیں مسلمانوں کے لئے حلال نہیں ہندو لوگ اول تو مشرک ہیں دوسرے

نہ وہ اہلِ کتاب میں داخل ہیں ان ہر دو میں سے کون حق پر ہے۔

محمد اکرم ناظر سیکرٹری انجمن اہلحدیث توپ خانہ روڈ پٹیالہ

جواب۔ دونوں کے خیالات درست نہیں نمبر اوّل اس لئے وَلِکُلِّ قَوْمٍ ھَادٍ کی بنا پر ہندوں کو اہل کتاب کہا جائے تو مشرکین مکہ بھی اہلِ کتاب میں داخل ہو سکتے خاص کر جب ان کا دعویٰ ملتِ ابراہیمی کا تھا۔ اور ابراہیم علیہ السلام پر صحف نازل ہوئے۔ پس وہ ہندوؤں کی نسبت اہلِ کتاب ہونے کے زیادہ اہل ہیں، حالانکہ وہ بالاتفاق اہل کتاب میں داخل نہیں اس بنار پر آیت کریمہ وَلَا تُمْسِکُوْا بِعِصَمِ الْکَوَافِرِ کافر عورتوں کو نکاح میں نہ رکھو؛ نازل ہوئی تو حضرت عمرؓ نے دو عورتوں کو چھوڑ دیا۔ قریبہ بنتِ ابی اُمیہ اور امِ کلثوم بنت عمرو اول الذکر کو معاویہ بن ابوسفیان نے نکاح کر لیا۔ اور ثانی الذکر کو ابوجہم بن حذیفہ نے اور یہ دونوں اس وقت مشرک تھے اور طلحہ بن عبید اللہ نے بھی ایک عورت چھوڑ دی۔ جس کا نام اروی بنتِ ربیعہ ہے اس کو خالد بن سعید بن العاص نے نکاح کر لیا۔ ابن کثیر ——— اس سے صاف معلوم ہوا کہ وَلِکُلِّ قَوْمٍ ھَادٍ کی بنا پر ہر ایک کو اہل کتاب نہیں کہہ سکتے۔ دوسرا فریق اس لئے صحیح نہیں کہ یہود و نصاریٰ بالاتفاق اہلِ کتاب ہیں خواہ عیسیٰؑ اور عزیرؑ کو خدا کا بیٹا کہیں یا نہ کہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نجران آئے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خدا کے بیٹا ہونے پر بحث کی اور یہودِ مدینہ بھی عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے، مگر باوجود اس کے ان دونوں کو اہلِ کتاب کے ساتھ خطاب کیا گیا۔ چنانچہ آیتِ کریمہ قل یا اھل الکتاب تعالوا الی کلمۃ الآیہ نصاریٰ، نجران اور یہود مدینہ ہی کے حق میں اتری (تفسیر خازن)، اور ہرقل روم کے بادشاہ کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت لکھی تھی۔ حالانکہ وہ بھی عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کا قائل تھا۔ تفسیر ابن کثیر جلد ۱ میں زیر آیتِ کریمہ والنخل ذات الاکمام حضرت عمرؓ کا خط ہرقل کے نام تحریر کیا ہے جس میں یہ الفاظ ہیں اِتَّقِ اللّٰہَ وَلَا تَتَّخِذْ اِلٰھًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ یعنی خدا سے ڈر اور عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کے سوا معبود نہ پکڑ" غرض کسی وصف کا پایا جانا اور شے ہے اور اس کا بمنزلہ اسم کے ہو کر اس سے موسوم ہونا شے اور ہے۔ اہلِ کتاب میں شرک کا وصف پایا جاتا ہے اس سے موسوم نہیں ہوئے اگر بالفرض ہم مان لیں کہ اہل کتاب کو بھی قرآن مجید میں مشرک کے لفظ سے موسوم کیا گیا ہے تو اس صورت میں بھی اہلِ کتاب عورتیں ولا تنکحوا المشرکات کے تحت نہیں آسکتیں کیونکہ دوسری آیت میں وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ

ان کا حکم آگیا ہے کہ وہ تمہارے لئے حلال ہیں پس وہ ولا تنکحوا المشرکات کے حکم سے خارج ہوگئیں اس کی مثال ایسی ہے جیسے قرآن مجید میں ہے۔ وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَیَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا یَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا۔ یعنی عورتوں کے خاوند فوت ہوجاتے ہیں ان کی عدت چار ماہ دس دن ہے بظاہر یہ حکم عام ہے مگر حمل والیاں اس میں داخل نہیں کیونکہ ان کا حکم دوسری آیت وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ یَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ؕ میں مذکور ہے یعنی حمل والیوں کی عدت وضع حمل ہے اور قرآن مجید میں ہے۔ کُلُّ نفس ذائقة الموت سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ خدا بھی اس کے تحت ہے حالانکہ خدا اس کے تحت نہیں کیونکہ دوسری آیت میں ہے کل شیء ھالك الا وجھه ٹھیک اسی طرح ولا تنکحوا المشرکات کو سمجھ لینا چاہیئے۔ کہ اہل کتاب عورتیں اس میں داخل نہیں کیونکہ ان کا حکم دوسری آیت میں مذکور ہے نتیجہ اس بحث کا یہ ہے کہ نہ نمبر اول کا قول صحیح ہے۔ نہ نمبر دو کا بلکہ صحیح یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ اہلِ کتاب ہیں اور ان کی عورتیں حلال ہیں اور ہندو نہ اہلِ کتاب ہیں اور نہ ان کی عورتیں حلال ہیں نمبر ا اس لئے صحیح نہیں کہ اس نمبر میں یہود و نصاریٰ کی عورتوں کی حلت کے لئے ان کے اسلام میں داخل ہونے کی شرط لگائی گئی حالانکہ یہ قرآن مجید کے صریحاً خلاف ہے۔ قرآن مجید میں ہے طعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم وطعامکم حل لھم والمحصنات من المومنات والمحصنات من الذین اوتوا الکتاب من قبلکم یعنی اہل کتاب کا ذبیحہ تمہارے لئے حلال ہے اور تمہارا اہل کتاب کے لئے اور ایمان والیاں اصل عورتیں بھی تمہارے لئے حلال ہیں اور اہل کتاب کی اصیل عورتیں بھی تمہارے لئے حلال ہیں اس آیت میں ایمان والی عورتوں کی حلت الگ بیان کی ہے اور اہلِ کتاب عورتوں کی الگ اگر اہلِ کتاب عورتوں کی بھی ایمان شرط ہو تو پھر وہ ایمان والی عورتوں میں آگئیں ان کے الگ بیان کرنے کے کیا معنی؟ پھر ذبیحہ بھی اہلِ کتاب کا اس آیت میں حلال کیا ہے تو کیا اس میں بھی ایمان شرط ہے؟ بالکل نہیں پس اسی طرح اہلِ کتاب کی عورتوں کو سمجھ لینا چاہیئے۔ رہی یہ بات کہ یہود و نصاریٰ عیسیٰ علیہ السلام اور عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں تو وہ انکے مشرک ہونے میں کوئی شبہ نہیں، مگر قرآنی اصطلاح میں عموماً ان کو مشرک کے الفاظ سے نہیں پکارا جاتا۔ اور مشرک لفظ ان کے غیر مراد ہوتے ہیں سورہ بقر میں ہے وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰی حَیٰوةٍ ۚ وَمِنَ الَّذِیْنَ اَشْرَكُوْا دوسری جگہ ہے مَا یَوَدُّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِیْنَ اس قسم کی بہت سی آیات ہیں جن میں اہل کتاب کو مشرک کے لفظ میں داخل نہیں کیا جاتا۔ گویا عام اصطلاح قرآن کی یہی

ہے کہ مشرک کے لفظ سے غیر مراد ہوتے ہیں پس اس طرح آیۃ کریمہ ولا تنکحوا المشرکات ۔ میں سمجھ لینا چاہیئے
خلاصہ یہ کہ کسی کے اندر کوئی وصف پائی جائے ۔ تو اس سے یہ لازم نہیں آتا ۔ کہ اس وصف سے وہ پکارا جائے دیکھئے شیر گندہ دہن ہے یعنی اس کے منہ سے سخت بو آتی ہے مگر عموماً اس کو ایسے الفاظ سے ذکر کرتے ہیں جن سے اس کی شجاعت و بہادری ٹپکے ۔ گندہ دہنی سے اس کا ذکر نہیں کیا جاتا کیونکہ شجاعت والی وصف اس کی غالب آگئی ہے ٹھیک اسی طرح اہل کتاب کے حق میں اہل کتاب یا یہود و نصاریٰ ہونے کی وصف غالب آگئی ہے اور ان کے غیر کے حق میں مشرک ہونے کی اس لئے ہر ایک اپنی غالب وصف سے پکارا جاتا ہے ۔

الّا ما شاء اللہ — عبداللہ امرتسری روپڑی

مہر کا بیان

ناجائز نکاح کی صورت میں طلاق دینے پر خاوند کو مہر دینا پڑے گا؟

سوال ۔ نکاح پر نکاح یا ناجائز نکاح ثابت ہونے پر اگر خاوند اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو اس کو حق مہر ادا کرنا پڑتا ہے یا نہیں ؟

جواب ۔ لعان کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ مہر دینا پڑے گا ۔ ملاحظہ ہو مشکوٰۃ جلد ۲ باب اللعان فصل اول بلکہ طلاق نہ دے تب بھی دینا پڑے گا ۔ کیونکہ لعان کی حدیث میں ، بِمَا اسْتَحْلَلْتَ مِنْ فَرْجِهَا کا لفظ ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ جب ایک دفعہ بیوی کے پاس چلا جائے تو مہر پختہ ہو جاتا ہے اور بخاری جلد ۲ ص ۸۰۱ باب المهر للدخول علیها الخ ۔ میں ہے ، فَقَدْ دَخَلْتَ بِهَا یعنی تو اس سے ہمبستری کر چکا ہے ۔ اس لئے مہر اس کے عوض میں ہو چکا ہے یہ لفظ بھی صاف دلالت کرتا ہے کہ عورت کی شرارت سے مہر معاف نہیں ہو سکتا ۔ ہاں خلع کی صورت میں خاوند کو مہر نہیں دینا پڑتا ۔ کیونکہ اس میں طلاق کے وقت مہر کی معافی کی شرط ہو جاتی ہے چنانچہ قرآن مجید پارہ ۲۵ رکوع ۱۳ میں اس کا ذکر ہے ۔ عبداللہ امرتسری روپڑی

معاف کر دینے کی شرط پر زیادہ مہر لکھوانا

سوال ۔ زید غریب آدمی ہے جب اس کی شادی ہونے لگی تو سسرال نے کہا بیشک ہم تم سے دو صد روپیہ لے چکے ہیں لیکن اب تم فرضی طور پر پندرہ سو روپیہ حق مہر منظور کر و تاکہ ہماری برادری ہم کو معمولی حق مہر پر طعن نہ کرے۔ گھر جاکر ہماری لڑکی حق مہر معاف کردے گی معافی کی اس شرط پر خاوند نے حق مہر منظور کر لیا اب اگر معاف نہ کرے تو اس حق مہر کے متعلق خاوند کے لئے کیا حکم ہے؟

جواب ۔ مہر درحقیقت وہی دو صد روپیہ ہیں پندرہ سو روپیہ شرعاً دینا نہیں آتا ایک تو وہ فرضی ہے حقیقتاً مہر نہیں۔ دوم وعدہ معافی کا ہو چکا ہے۔ جس کے ذمہ دار والدین ہیں، اگر عورت لینا چاہے تو والدین ہی سے لے سکتی ہے۔ عبداللہ امرتسری روپڑی ۲۲ رشعبان ۱۳۵۶ھ

خلع میں خاوند مہر سے زیادہ لے سکتا ہے یا نہیں؟

سوال ۔ اگر مہر ایک سو روپیہ ہو اور بوقتِ خلع خاوند مہر سے زائد روپیہ طلب کرے اور عورت رقم ادا نہیں کر سکتی مگر وہی جو مقرر ہوئی ہے تو کیا عورت نکاح بصورت خلع فسخ کرا سکتی ہے؟

جواب ۔ خلع میں مہر سے زیادہ لینا خاوند کا حق نہیں جتنا دیا ہے اتنا ہی لے سکتا ہے۔ بلکہ نیل الاوطار جلد ۶ ص۱۰۷ میں بحوالہ عبدالرزاق سعید بن مسیب سے نقل کیا ہے کہ خلع میں پورا لینا بھی درست نہیں اس سے کچھ چھوڑ دے کیونکہ عورت سے کچھ فائدہ اٹھا چکا ہے۔ تو مناسب ہے کچھ کم لے۔ تاکہ اس کا معاوضہ ہو جائے خاص کر جب قصور مرد کا ہو۔ عبداللہ امرتسری روپڑی

عورت کے قصور کی بنا پر مرد طلاق دے تو پھر بھی مہر دینا پڑے گا؟

سوال ۔ مرد اپنی عورت کو اس کے والدین کے گھر جانے سے روکتا ہے کہ وہاں پردہ کا اہتمام نہیں مگر عورت جانے پر بضد ہے بلکہ وہ اپنے والدین کے گھر چلی گئی ہے خاوند جب لینے گیا تو اس نے والدین کو ملنے کی شرط لگادی۔ مگر خاوند اس شرط کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔ اگر عورت کی شرط مرد نہ مانے اور ان کو جدا کیا جائے، تو کیا یہ جدائی طلاق ہوگی یا خلع؟ بصورتِ خلع عورت کا مہر ادا کرنا ہوتا ہے یا نہیں جب کہ خاوند بسانے کو تیار ہو، مگر عورت شرط مذکورہ کے ساتھ بسنا چاہتی ہو اور خاوند اس شرط پر بسانے کو

یہ اختلافی مسئلہ ہے سعید بن مسیبؒ فرماتے ہیں کہ کل مال وصول کرنے کے بجائے کچھ چھوڑ دینا چاہئے محدث روپڑی نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ خاص طور پر جبکہ خاوند قصوروار ہو۔ (م)

جواب: اگر واقعی یہ صحیح ہے کہ والدین کے ہاں بے پردگی ہے نیز صحبتِ بد ہے اور ماں باپ کے ورغلانے کا خطرہ ہے یا لڑکی والدین کے گھر بار بار جاتی ہے جس سے کرایہ وغیرہ کا خرچ ہوتا ہے اور جس کو خاوند برداشت نہیں کر سکتا یا گھر کی آبادی میں فرق آتا ہے یا خاوند کی اجازت کے بغیر گھر کی اشیاء ماں باپ کو پہنچاتی ہے غرض اس قسم کی تمام صورتوں میں خاوند کو روکنے کا حق حاصل ہے اگر بلا وجہ تنگ کرے یا روکے اور ماں باپ سے ملنے نہ دے تو ایسا کرنا جائز نہیں رہا طلاق وخلع کا مسئلہ تو یہ شرائط کے مطابق ہوگا۔ خواہ عورت کا قصور ہو یا نہ ہو دونوں صورتوں میں اگر طلاق دیدے اور طلاق دینے کے وقت عورت سے مہر معاف نہ کروایا ہو تو مہر دینا پڑے گا۔ اور اگر مہر معاف کرا کر عورت کو چھوڑے تو اس کو خلع کہتے ہیں اس صورت میں مہر عورت کو دینا نہیں پڑے گا۔ عبداللہ امرتسری روپڑی ۳ شعبان ۱۳۵۷ھ

مہر نکاح سے پہلے لے سکتے ہیں یا نہیں؟

سوال: جو لوگ اپنی دختروں کے مہر وقت نکاح سے پیشتر لے لیتے ہیں؟ کیا یہ جائز ہے کیا عرب میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت یہی دستور تھا؟

جواب: یہ بات ظاہر ہے کہ جب کسی کا حق ذمہ لازم ہو جائے تو اس کا دینا ضروری ہے خصوصاً مطالبہ کے وقت اور مہر بھی انہی حقوق سے ہے اس واسطے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً "یعنی عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے دو"۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ مہر کس وقت ذمہ لازم ہوتا ہے سو اس کی بابت دوسرے پارہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ پارہ ۲ رکوع ۵ یعنی اگر تم عورتوں کو صحبت سے پہلے طلاق دو اور ان کا مہر مقرر کر چکے ہو۔ تو آدھا مہر ادا کرو، صحبت سے پہلے آدھا ادا کرنے کا حکم دینے سے معلوم ہوتا ہے کہ صحبت کے بعد پورا ادا کر دے۔ چنانچہ چوتھے پارہ میں ہے۔ فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا یعنی تم مہر میں سے کچھ بھی نہ لو۔ بلکہ پورا ادا کر دو۔ اسی واسطے مشہور ہے کہ مہر دو طرح کا ہے معجل و مؤجل۔ ابو داؤد میں حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب حضرت فاطمہ کا مکلاوہ[1] دینے گئے۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کہا کہ فاطمہ کو کچھ دو تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے زرہ دیدی۔

اس حدیث اور اوپر کی آیتوں سے معلوم ہوا کہ نصف کا مطالبہ تو نکاح ہوتے ہی ہو سکتا ہے اور نصف کا

[1] رخصتی ۱۲

صحبت کے بعد جو نکاح کے وقت سارا لے لیتے ہیں وہ ٹھیک نہیں کرتے البتہ دو صورتوں میں نکاح کے وقت سارا لینا جائز ہے ایک یہ کہ لڑکے والے خوشی سے دیدیں دوسری صورت یہ ہے کہ لڑکی والے شرط کر لیں کہ نکاح ہوتے ہی سارا مہر ادا کرنا ہوگا۔

بخاری میں ہے اَحَقُّ الشُّرُوْطِ اَنْ تُوفُوابِهٖ مَا اسْتَحْلَلْتُمْ بِهٖ الْفُرُوْجَ یعنی سب شرطوں سے زیادہ ادا کرنے کے لائق وہ ہیں جن سے تم نے شرمگاہوں کو حلال کیا ہے پس حسب شرط نکاح کے وقت سارا ادا کرنا چاہیئے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

مہر کی ادائیگی شب وصال سے پہلے ضروری ہے؟ اور مہر کی مقدار کیا ہے؟

سوال۔ کیا مہر کی ادائیگی شب زفاف سے پہلے واجب ہے بعض لوگ مہر کی ادائیگی زیورات میں کردیتے ہیں بعض نصف مہر کی ادائیگی تو زیورات میں کردیتے ہیں نصف دورانِ زندگی میں؟

جواب۔ مہر کی ادائیگی تو کجا مہر مقرر کرنا بھی ضروری نہیں قرآن مجید میں پارہ ۲ رکوع ۱۵ میں اس کا ذکر ہے ہاں اگر مقرر نہ کیا ہو۔ اور مجامعت ہو چکی ہو تو پھر جتنا اس قوم کی عورتوں کا مہر ہے اتنا ادا کرنا ضروری ہے اسے مہر مثل کہتے ہیں اور مہر کی ادائیگی ہر طرح سے ہوسکتی ہے مگر اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ نکاح کے وقت طے پایا کہ فلاں شے مہر میں دی گئی یا دی جائے گی خواہ زیور ہو یا کچھ اور تو اس صورت میں طے شدہ چیز عورت کا حق ہوگا۔ اور اگر کوئی شے طے نہ پائی ہو تو پھر اصل تو رقم ہے آگے عورت کو اختیار ہے خواہ رقم لے یا اس کے عوض کوئی اور شے لے اور مہر حسب حیثیت باندھنا چاہیئے۔ جو ادا ہوسکے۔ جو لوگ نام کے لئے مہر زیادہ باندھ لیتے ہیں اور ادا کرنے کی نیت نہیں ہوتی وہ نکاح نہیں زنا ہے۔ چنانچہ بعض احادیث میں ایسے شخص کو زانی کہا گیا ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

فوت شدہ بیوی کا مہر کس طرح تقسیم ہو

سوال۔ ایک بیوی میرے نکاح میں آئی اور چار پانچ سال زندہ رہی بیوی مذکورہ اچانک فوت ہو گئی گویا غلطی سے اس کا حق مہر ادا نہیں کیا گیا اس کے بطن سے ایک لڑکی ایک لڑکا میرے پاس موجود ہیں۔ اس مہر کو کس طرح ادا کیا جائے بچوں پر خرچ کروں یا مسجد پر خرچ کروں یا کسی اور جگہ؟

جواب ۔ آپ[1] کی بیوی کا مہر اور اس کا دوسرا مال جو اس کے والدین نے اس کو دیا یا کسی اور طرح سے اس کی ملک میں آیا ہو جس کو وہ چھوڑ کر فوت ہوئی ہے اس مجموعہ کے چار حصے ہو کر ایک آپ کو ملیگا۔ ایک اس کی لڑکی کو اور دو لڑکے کو لیکن یہ تقسیم اسی صورت میں ہے کہ آپ کی بیوی کے والد یا والدہ نہ ہوں اگر یہ دونوں ہوں یا دونوں سے ایک ہو تو آپ کی بیوی کے مجموعہ مال کے ۳۶ حصے ہوں گے جن سے ۹ آپ کے اور ۶ والد کے ۶ والدہ کے باقی پندرہ بچے ان سے پانچ لڑکی کے اور دس لڑکے کے اگر صرف والد ہو اور والدہ نہ ہو یا والدہ ہو والد نہ ہو تو پھر باقی اکیس بچتے ہیں جن سے ۷ لڑکی کے ۱۴ لڑکے کے قرآن و حدیث سے اس طرح ثابت ہے۔ ——— اگر آپ کی بیوی مال چھوڑ کر نہیں مری تو صرف مہر ہی ہو تو بھی اسی طریق پر تقسیم ہونی چاہیئے۔ یعنی والدین نہ ہوں تو مہر کے چار حصے کئے جائیں اگر والدین سے ایک یا دو ہو تو ۳۶ حصے کئے جائیں

عبداللہ امرتسری روپڑی

بیوی سے مہر معاف کرانا

سوال ۔ اگر کوئی شخص منت سماجت کر کے بیوی سے مہر بخشوا لے تو اس کا کیا حکم ہے ؟

جواب ۔ منت کر کے یا سوال کر کے معاف کرانے میں شبہ ہے کیونکہ بیوی کو یہ خیال ہوگا کہ خاوند ناراض ہو جائے گا۔ اس لئے اپنی طرف سے دینے پر پوری آمادگی ظاہر کرنی چاہیئے۔ اگر خوشی سے بغیر کہے کہائے معاف کر دیں تو بلا کھٹکا درست ہے ۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

نابالغہ مطلقہ کے متعلق مہر کا مسئلہ

سوال ۔ کسی ولی نے نکاح نابالغہ کسی سے کر دیا کچھ عرصہ کے بعد نابالغہ کو اس کے خاوند نے طلاق دیدی کیا اس صورت میں خاوند کے ذمہ مہر کی ادائیگی آتی ہے ۔ مفتی فضل عظیم قریشی بھیرہ

جواب ۔ قرآن مجید میں ہے۔ لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ مَا لَمْ تَمَسُّوهُنَّ یعنی ہمبستری سے پہلے یا مہر مقرر کئے بغیر عورتوں کو طلاق دو تو اس کا تم پر کوئی گناہ نہیں اور اپنے حسب حال

---

[1] وراثت کے بیان میں بھی یہ فتویٰ درج ہو چکا ہے

کچھ ان کو فائدہ دو احسان کرنے والوں پر یہ حق ہے اور اگر ہمبستری سے پہلے طلاق دو اور مہر مقرر ہو چکا ہو تو نصف مہر دینا پڑے گا مگر یہ کہ عورتیں معاف کر دیں یا جن کے اختیار میں عقد نکاح ہے (خاوند یا ولی) معاف کر دے خاوند کا معاف کرنا یہ ہے کہ باقی نصف بھی عورت کو دیدے اور عورت کے ولی کا معاف کرنا یہ ہے کہ باقی نصف بھی خاوند کو چھوڑ دے۔

مذکورہ بالا آیات سے مہر کا مسئلہ اچھی طرح واضح ہو گیا خلاصہ اس کا یہ ہے کہ اگر ملاپ ہو چکا ہے تو مہر بہر صورت دینا پڑے گا، خواہ طلاق دے یا نہ دے۔ اور خواہ مہر مقرر ہو یا نہ ہو۔ اور اگر ملاپ نہیں ہوا تو دیکھنا چاہیئے کہ مہر مقرر ہے یا نہیں، اگر مہر مقرر ہے تو نصف مہر دینا پڑے گا۔ اگر مقرر نہیں تو ویسے اپنی حالت کے مناسب اس کو کچھ دیدے مثلاً کپڑوں کا جوڑا بنا دے یا کچھ اور دیدے۔ عبداللہ امرتسری روپڑی

مہر کا غیر مال ہونا

سوال۔ کیا مہر غیر مال بھی ہو سکتا ہے؟

جواب۔ غیر مال بھی مہر ہو سکتا ہے۔

۱۔ حدیث میں ہے۔

عَنْ اَنَسٍ اَنَّہٗ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَعْتَقَ صَفِیَّۃَ وَجَعَلَ عِتْقَھَا صَدَاقَھَا (بلوغ المرام باب الصداق) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صفیہ کا آزاد کرنا اس کا مہر کر دیا۔

۲۔ عَنْ اَنَسٍ قَالَ خَطَبَ اَبُوْطَلْحَۃَ اُمَّ سُلَیْمٍ فَقَالَتْ وَاللہِ مَا مِثْلُکَ یَا اَبَا طَلْحَۃَ یُرَدُّ وَلٰکِنَّکَ رَجُلٌ کَافِرٌ وَاَنَا امْرَاَۃٌ مُسْلِمَۃٌ وَلَا یَحِلُّ لِیْ اَنْ اَتَزَوَّجَکَ فَاِنْ تُسْلِمْ فَذَاکَ مَھْرِیْ وَلَا اَسْئَلُکَ غَیْرَہٗ فَاَسْلَمَ فَکَانَ ذَالِکَ مَھْرَھَا قَالَ ثَابِتٌ فَمَا سَمِعْتُ بِامْرَاَۃٍ قَطُّ کَانَتْ اَکْرَمَ مَھْرًا مِنْ اُمِّ سُلَیْمٍ اَلْاِسْلَامُ فَدَخَلَ بِھَا فَوَلَدَتْ لَہٗ (نسائی جلد ۲)

انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے ام سلیم سے نکاح کی درخواست کی ام سلیم رضی اللہ عنہا نے کہا اے طلحہ! تیرے جیسے شخص کو جواب نہیں دیا جا سکتا۔ لیکن تو کافر ہے اور میں مسلمان ہوں، میرے لئے تیرا نکاح حلال نہیں، اگر تو اسلام لائے تو یہی میرا مہر ہے، میں تجھ سے کچھ اور نہیں مانگتی۔ ابو طلحہ رضی اللہ عنہ اسلام لائے پس یہی ام سلیم کا مہر ہو گیا حضرت انس رضی اللہ عنہ کے شاگرد ثابت کہتے ہیں میں نے ام سلیم رضی اللہ عنہا سے زیادہ عزت والی مہر میں کوئی عورت نہیں سنی ابو طلحہ رضی اللہ عنہ اسی

مہر کے ساتھ امّ سلیم سے ہمبستر ہوا۔ اور ان کے اولاد ہوئی۔

۳۔ سہل بن سعدؓ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک عورت آئی کہا میں اپنے نفس کو آپ کے لئے ہبہ کرنے کو آئی ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے اوپر نیچے نظر کی پھر سر نیچے ڈال لیا جب عورت نے دیکھا کہ آپ نے اس کی بابت کچھ فیصلہ نہیں کیا۔ تو بیٹھ گئی ایک شخص صحابہؓ سے کھڑا ہوا کہا یا رسول اللہ اگر آپ کو حاجت نہیں تو مجھے نکاح کرا دو، فرمایا تیرے پاس کچھ ہے کہا خدا کی قسم میرے پاس کچھ نہیں فرمایا اپنے گھر میں جا کر دیکھ گھر میں گیا اور پھر واپس آیا کہا خدا کی قسم میں نے کچھ نہیں پایا فرمایا پھر جا کر دیکھ اگرچہ لوہے کی ایک انگوٹھی مل جائے۔ گیا پھر واپس آیا۔ کہا یا رسول اللہ! خدا کی قسم ایک انگوٹھی بھی نہیں ملی۔ ہاں میرا تہ بند ہے آدھا اس کو دے دوں گا سہل کہتے ہیں اس کے پاس چادر نہ تھی صرف تہ بند تھا۔ آپ نے فرمایا تہ بند کو کیا کرے گا اگر تو پہنے گا تو اس پر کچھ نہیں رہے گا اگر وہ پہنے گی تو تجھ پر کچھ نہیں رہے گا۔ وہ آدمی بیٹھ گیا جب بیٹھے کو دیر ہوگئی تو آخر مایوس ہو کر چل دیا جب رسول اللہ صؐ نے اس کو جاتے ہوئے دیکھا تو اس کو بلوایا جب آیا تو فرمایا تجھے قرآن مجید کتنا یاد ہے کہا فلاں فلاں سورۃ تو بے خیال پڑھ سکتا ہے؟ کہا ہاں فرمایا جا ہم نے تجھے اس قرآن کے عوض اس عورت کا مالک بنا دیا۔ اور ایک روایت میں ہے جا اس عورت سے تیرا نکاح کر دیا۔ اس کو قرآن مجید سکھا دے۔ ایک روایت میں ہے ہم نے اس عورت پر اس قرآن کے عوض تجھ کو قبضہ دیدیا۔ ابوداؤد کی روایت میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تجھے کتنا قرآن مجید یاد ہے اس نے کہا سورۃ بقر اور اس کے ساتھ کی سورۃ فرمایا اس عورت کو بیس آیتیں سکھا دے۔

ان تین احادیث سے معلوم ہوا کہ مال کے علاوہ بھی مہر ہو سکتا ہے خواہ آزاد کرنا ہو یا اسلام ہو، یا قرآن مجید ہو یا کوئی اور شے ہو جیسے آدم علیہ السلام کو حکم ہوا کہ تیری طرف سے مہر ذکر الٰہی ہے یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود ہے۔ قرآن مجید میں جو فرمایا اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ تو یہ اکثری اعتبار سے ہے اس لئے سوال کا ذکر کر دیا ایسی قید اتفاقیہ ہوتی ہے شرط نہیں ہوتی اکثر اعتبار سے اس آیت ______ میں مال کا ذکر ہوا کیونکہ تینوں حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ مال کے علاوہ بھی مہر ہو سکتا ہے اور جو لوگ کہتے ہیں جن کے نکاح کا ان تین حدیثوں میں ذکر ہے ان کا مہر بھی مال ہی تھا لیکن مہر مؤجل تھا جو خاوند کے ذمہ قرض ہوتا ہے تو یہ محض اپنی من گھڑت بات ہے ورنہ ان حدیثوں کا مطلب صاف ہے کہ مہر مال نہ تھا۔ عبداللہ امرتسری روپڑی

ؔ مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ سہل بن سعدؓ کی حدیث سے ظاہر ہے کہ غیر مال بھی مہر ہو سکتا ہے۔ (م)

مہر میں کمی وبیشی | **سوال** - مہر کی ایک مقدار مقرر ہے یا اس میں کمی بیشی بھی جائز ہے؟

جواب ، حالات کے مطابق مہر میں کمی بیشی جائز ہے۔ اس کی ایک مقدار مقرر نہیں۔

۱- عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ مَنْ أَعْطَى فِي صَدَاقِ امْرَأَةٍ سَوِيْقًا أَوْ تَمْرًا فَقَدِ اسْتَحَلَّ أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ وَأَشَارَ إِلَى تَرْجِيْحِ وَقْفِهِ (بلوغ المرام باب الصداق)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو شخص ستو یا کھجوریں مہر میں دیوے اس نے عورت کو حلال کر لیا۔

۲- عَنْ جَابِرٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْ أَنَّ رَجُلًا أَعْطَى امْرَأَةً صَدَاقًا مِلْأَ يَدَيْهِ طَعَامًا كَانَتْ لَهُ حَلَالًا رواه احمد وابوداؤد بمعناه (منتقی کتاب الصداق)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اگر کوئی شخص طعام کا ایک اونجلا (لپک) بھر کر کسی عورت کو مہر دے تو وہ عورت اس کے لئے حلال ہے۔

۳- عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَامِرِ بْنِ رَبِيْعَةَ عَنْ أَبِيْهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَجَازَ نِكَاحَ امْرَأَةٍ عَلَى نَعْلَيْنِ أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ وصححه وَخُوْلِفَ فِي ذَالِكَ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کا نکاح جوتے کے ایک جوڑے پر جائز رکھا۔

۴- عَنْ عَامِرِ بْنِ رَبِيْعَةَ أَنَّ امْرَأَةً مِنْ بَنِي فَزَارَةَ تَزَوَّجَتْ عَلَى نَعْلَيْنِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرَضِيْتِ بِنَفْسِكِ وَمَالِكِ بِنَعْلَيْنِ قَالَتْ نَعَمْ فَأَجَازَهُ رواه احمد وابن ماجہ والترمذی وصححہ (منتقی کتاب الصداق)

ایک عورت نے جوتے کے ایک جوڑے پر نکاح کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تو اپنا نفس اور مال خاوند کے حوالہ کر کے جوڑے پر راضی ہو گئی؟ کہا ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو جائز رکھا۔

۵- عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ زَوَّجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا امْرَأَةً بِخَاتَمٍ مِنْ حَدِيْدٍ أَخْرَجَهُ الْحَاكِمُ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کا نکاح لوہے کی انگوٹھی پر کر دیا۔

۶- عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى عَلَى عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ أَثَرَ صُفْرَةٍ فَقَالَ مَا هٰذَا قَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ إِنِّي تَزَوَّجْتُ امْرَأَةً عَلَى وَزْنِ نَوَاةٍ مِنْ ذَهَبٍ قَالَ بَارَكَ اللهُ لَكَ أَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ متفق علیہ (بلوغ المرام باب الولیمۃ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالرحمٰن بن عوف پر زردی کا نشان دیکھا فرمایا یہ کیا ہے کہا میں نے وزن نواۃ سونے پر نکاح کیا ہے فرمایا خدا برکت کرے۔ ولیمہ کر اگرچہ ایک بکری ہو۔

نوٹ

وزن نواۃ کی بابت بعض کہتے ہیں۔ کھجور کی گٹھلی قدر سونا مراد ہے مگر یہ قول ٹھیک نہیں کیونکہ کھجور کی گٹھلی چھوٹی بڑی ہوتی ہے سونے جیسی قیمتی شے کے لئے گٹھلی معیار نہیں بن سکتی وزن نواۃ سونے کا ایک سکہ ہے جس کی قیمت اس وقت کے نرخ سے پانچ درہم تھے۔ سبل السلام۔ نیل الاوطار میں ہے خطابی نے اسی کے ساتھ جزم کیا ہے اور زہری نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے اور قاضی عیاض نے اکثر علماء سے یہی نقل کیا ہے۔ اور بیہقی کی حدیث میں اس کی تصریح کی ہے کہ وزن نواۃ کی قیمت پانچ درہم ہے اور امام شافعی رحنے بھی پانچ درہم کے ساتھ تفسیر کی ہے اور بیہقی کی ایک روایت میں قتادہ سے تین درہم اور ایک تہائی ہے۔ اس روایت میں ضعف ہے لیکن امام احمد رحنے اسی کے ساتھ جزم کیا ہے اور طبرانی میں ہے حضرت انس رضؓ فرماتے ہیں۔ ہم نے اس کا اندازہ ربع دینار کیا ہے جو قریباً تین درہم ہوتے ہیں۔ بہر صورت وزن نواۃ پانچ درہم سے زیادہ نہیں۔ اس پر اتفاق ہے پس دس درہم کی کوئی شرط نہیں بلکہ لوہے کی انگوٹھی یا ایک او نجلا طعام یا ستو وغیرہ یا وزن نواۃ سونا یا جوتے کا جوڑا ان سب پر نکاح درست ہے اگرچہ ان حدیثوں سے بعض میں کچھ ضعف ہے لیکن بعض قوی ہیں خاص کر ۵۔ ۶ کی احادیث تو بہت قوی ہیں۔ مجموعہ مل کر اور تقویت ہو جاتی ہے۔ پس مہر کا کم از کم دس درہم ہونا کوئی شرط نہیں اور جو کہتے ہیں ان حدیثوں میں مہر معجل کا ذکر ہے مہر مؤجل باقی تھا تو یہ بھی محض من گھڑت بات ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

عشرۃ النساء کا بیان

سوال ۔ کسی مرد کی دو یا تین یا چار عورتیں ہیں ایک عورت رضامندی سے اپنے والدین کے گھر جاتی ہے دو چار مہینے وہاں رہتی ہے۔ ایک عورت ناراض ہے کہ دوسری شادی کیوں کی ایک عورت حاملہ ہے اس سے مجامعت کرنے سے حمل کے ضائع ہونے کا امکان ہے ایک عورت دودھ پلاتی ہے اس کو خطرہ ہے کہ خاوند کے قریب گئی تو حمل ہو کر دودھ خشک ہو جائے گا یا خراب ہو جائے گا۔ اس خطرہ سے بعض

عورتیں خاوند کو نزدیک نہیں آنے دیتیں اور ایک دوسری کو باری بھی نہیں دیتیں خاوند باری کے حقوق ادا کرنے سے معذور ہے تو کیا اس کو جائز ہے کہ جو عورت فارغ ہے یا ناراض نہیں ہے اس کے ساتھ اوقات گزاری کرے اس صورت میں وہ گنہ گار تو نہیں ہوتا۔ جو عورت ناراض ہے وہ پارچات اور خرچ مساوی لینے سے بھی انکاری ہے کیا کیا جائے۔

جواب ۔ حدیث میں ہے کہ حکیم بن حزام رضؓ پر حضرت ابوبکر رضؓ نے اور ان کے بعد حضرت عمر رضؓ نے کہا مسلمانو! گواہ رہو میں حکیم بن حزام رضؓ کو اس کا حق دیتا ہوں وہ نہیں لیتا۔ بخاری جزء ۶ ص ۴۴ ۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی اپنا حق نہ لے تو اس کی مرضی اگر کوئی عورت نزدیک نہیں آنے دیتی تو بیشک دوسری سے حاجت روائی کر سکتا ہے۔ ناراضگی فضول ہے جو محض سوکن ہونے کی وجہ سے ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ رضؓ کو اذن مانگنے پر باپ کے گھر جانے کی اجازت دی ان کے گھر ان کے بستر پر ماریہ قبطیہ سے مجامعت کی۔ (تفسیر ابن کثیر فتح الباری) زیر آیت کریمہ یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لِمَا تُحَرِّمُ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ لَکَ ۔ اس طرح خرچ کو سمجھ لینا چاہیے اگر کوئی نہ لے تو اس کی مرضی اس میں حیلہ ہو سکتا ہے۔ کہ کسی دوسری کی معرفت اس کو پہنچاتا رہے جس سے وہ لے سکتی ہے غرض اس کی طرف سے کوتاہی نہ ہونی چاہیے

عبداللہ امرتسری روپڑی ؕ

ایک عورت کی باری میں دوسری عورت سے بوس وکنار

سوال ۔ ایک عورت کی باری میں دوسری عورت سے سوائے صحبت کے باقی معاملہ بوس وکنار کر سکتا ہے کہ؟

جواب ۔ تھوڑی تھوڑی باتوں میں مساوات ضروری نہیں۔ شہد کی روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینب کے گھر زیادہ ٹھہرتے تھے۔ دوسرے گھروں میں کم حالانکہ دوسری بیویاں ناراض تھیں جس کا واقعہ سورۃ تحریم میں ہے لیکن ایسی باتیں اتفاقیہ ہیں، مثلاً کسی کام کے لئے دوسری بیوی کے گھر گیا یا وہ اتفاقیہ اس کے گھر آگئی اور اتفاقاً بوس وکنار ہو گیا تو یہ شہد والی حدیث پر قیاس کر کے جائز ہو سکتا ہے کیونکہ زینب رضؓ کے گھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قصد کر کے زیادہ نہیں ٹھہرتے تھے بلکہ شہد کے عارضہ سے ٹھہرتے تھے اگر قصد کر کے بوس وکنار کی خاطر دوسری بیوی کے گھر جائے تو ٹھیک نہیں۔ عبداللہ امرتسری روپڑی

مجامعت میں مساوات ضروری ہے؟

سوال ۔ ایک عورت حسین ہے اس کے ساتھ اس کی باری میں بہت دفعہ نزدیکی کرتا ہے دوسری سے کم کیا مجامعت میں بھی مساوات ضروری ہے اور بوس وکنار میں بھی مساوات ضروری ہے؟

جواب ۔ خدا تعالیٰ نے طبائع مختلف بنائی ہیں۔ طبی مسئلہ ہے کہ مادہ تولید اور قوۃ باہ کی کمی بیشی میں رغبتِ محبت کو بہت زیادہ دخل ہے طبیعت خوش ہو تو جتنی قوت باہ بڑھتی ہے اتنی غذاؤں سے بھی نہیں بڑھتی اور جماع کر کے طبیعت خوش ہو جائے تو بہت جلد قوت بحال ہو جاتی ہے اور ظاہر ہے کہ رغبتِ محبت اختیاری بات نہیں۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے یا اللہ! جس بات کا مجھے اختیار ہے اس میں ازواج کے درمیان برابری کرتا ہوں۔ جس بات کا مجھے اختیار نہیں۔ یعنی محبت رغبت اس میں مجھے نہ پکڑیو۔ پس مجامعت میں جب رغبتِ محبت کو بہت سا دخل ہوا تو گنتی مجامعت یا وقت مجامعت یا کیفیت مجامعت ان باتوں میں برابری اختیار سے باہر ہے اور قرآن مجید میں ہے لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا ہاں کسی عورت سے اگر بالکل مجامعت نہیں کر سکتا۔ گویا طبیعت سرے ہی سے رغبت نہیں کرتی جیسے سودہ رضؓ کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حاجت تھی۔ تو ایسے حال میں اس کو الگ کرنا چاہیئے یا واری بخشوا لے یا وہ خود دوسری بیویوں کو دیدے جیسے سودہ رضؓ نے حضرت عائشہ رضؓ کو دیدی تھی۔

حج میں مساوات کا مسئلہ

سوال ۔ ایک عورت کو سفر حج میں لے گیا ہے تو کیا دوسری عورت کو بھی حج کرانا ضروری ہے۔

جواب ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں جاتے تو قرعہ ڈال لیتے جس بیوی کے نام کا قرعہ نکلتا اسی کو ساتھ لے جاتے۔ مشکوٰۃ باب القسم ص ۲۷۹ چنانچہ غزوات میں عموماً ایسا ہی ہوتا تھا۔ اور سفر حج کوئی سفر جنگ سے بڑھ کر نہیں پس اس میں بھی قرعہ پر عمل کافی ہے ہاں اگر بغیر قرعہ کے کسی کو ساتھ لے جائے تو دوسری کو بھی لے جانا چاہیئے یا کسی اور طرح سے راضی کر لے غرض حتی الوسع ہر طرح سے برابری چاہیئے۔ ورنہ رسول اللہ علیہ وسلم کو سفر میں لے جانے کے لئے قرعہ ڈالنے کی ضرورت نہ تھی بلکہ جس کو چاہتے لے جاتے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

ضبطِ تولید

بیماری کے عذر سے دو ماہہ حمل ضائع کرنا

سوال: عورت حاملہ دو ماہ کی سخت مرض سے دوچار ہے ناچاری کی وجہ سے حمل کا نقصان از روئے شریعت کر سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب: خود اسقاط نہ کرنا چاہیئے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عزل کی اجازت ایسے الفاظ سے دی ہے جو کراہت کی طرف اقرب ہے بلکہ ایک حدیث میں ذالك الوأد الخفی فرمایا ہے یعنی پوشیدہ درگور کرنا ہے جب عزل کی یہ حالت ہے تو جس شے کا کچھ حصہ تیار ہو چکا ہے اس کے ضائع کرنے کی اجازت کس طرح ہو گی ہاں علاج کی اور کوئی صورت معلوم نہ ہو اور جو صورت معلوم ہو اس میں اسقاط کا خطرہ ہو تو اس وقت اسقاط میں کچھ حرج نہیں کیونکہ جان کا بچانا مقدم ہے حضرت معاویہ رضہ کو جب خارجیوں نے زہر آلود تلوار ماری تو طبیبوں نے کہا اس کا علاج تو ہو سکتا ہے مگر اس میں قطع نسل ہے تو فرمایا کوئی حرج نہیں۔ دو ماہ کے حمل کا ضائع کرنا قطع نسل سے ہلکا ہے جب یہ جائز ہے تو ایسے حمل کا ضائع کرنا بطریق اولیٰ جائز ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

پردہ کا بیان

خاوند کے ماموں سے پردہ کا حکم

سوال: خاوند کے ماموں سے عورت کو پردہ کرنے کا حکم ہے یا نہیں؟

جواب: خاوند کے ماموں سے عورت کو پردہ کرنا چاہیئے کیونکہ یہ محرمات سے نہیں۔

عبداللہ امرتسری روپڑی۔

خریداری کے وقت عورتوں کے سامنے یغضوا من ابصارھم پر عمل؟

سوال : بندہ ایک گاؤں میں دکانداری کرتا ہے خرید و فروخت کی حالت میں اکثر عورتوں سے ہی واسطہ پڑتا ہے باوجود کوشش کے نگاہ اوپر ہو جاتی ہے خصوصاً جھگڑالو عورتوں کے معاملہ میں تو بڑی مشکل ہے اب سوال یہ ہے کہ کیا بحکم آیت یغضوا من ابصارھم نگاہ ہر حالت میں نیچی ہی رکھنی چاہیئے یا اس مخصوص حالت میں شرعاً کوئی مواخذہ نہیں؟

جواب : يَغُضُّوا مِنْ اَبْصَارِهِمْ بے شک ایک ضروری حکم ہے مگر مرد اور عورت دونوں کو ہے آپ اپنی طرف سے حتی الوسع نظر نیچی رکھیں اگر مجبوراً نظر پڑ جائے تو معاف ہے اس تھوڑی بہت کمی کا کفارہ یہ ہے کہ آپ عورتوں کو پردہ کی تبلیغ کیا کریں۔ نرمی اور حکمتِ عملی سے سمجھاتے رہیں شاید کچھ آپ کے کہنے سے اور کچھ آپ کے عمل سے کسی کو خدا ہدایت کر دے۔ عبداللہ امرتسری روپڑی

علاج کے وقت عورتوں کا ہاتھ منہ وغیرہ دیکھنا

سوال : حکیم یا طبیب کو عموماً عورتوں کا علاج کرنا پڑتا ہے ان سے بعض پوشیدہ باتیں پوچھنی پڑتی ہیں اور ہاتھ چہرہ زبان بھی دیکھنی پڑتی ہیں کیا شریعت میں یہ کام جائز ہے یا نہیں؟

جواب : مجبوری کے وقت ستر کا کھولنا درست ہے مگر مرد عورت کا معاملہ نازک ہے اس لئے حتی الوسع پرہیز چاہیئے، زیادہ حالت نازک ہو تو اجازت ہے ورنہ نہیں حدیث میں ہے جنگوں میں عورتیں ساتھ جائیں زخمیوں کی مرہم پٹی کریں اور پانی پلائیں اس سے ظاہر ہے کہ عورتوں کے ہاتھ مردوں کو محل بے محل لگتے ہیں پس ایسے ہی مردوں کے ہاتھ عورتوں کے حق میں سمجھ لینے چاہئیں۔ عبداللہ امرتسری روپڑی

سوتیلے سُسر سے پردہ

سوال : سوتیلے سسرال سے عورت پردہ کر سکتی ہے یا نہیں؟

جواب : خاوند کے حقیقی باپ سے پردہ نہیں سوتیلے باپ سے پردہ ضروری ہے کیونکہ جن سے پردہ نہیں، ان کا ذکر قرآن مجید اور احادیث میں آیا ہے سوتیلا باپ ان میں ذکر نہیں نیز خاوند کے سوتیلے باپ

عورت کا نکاح جائز ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے و احل لکم ما وراء ذالکم یعنی مذکورہ بالا عورتوں کے سوا باقی عورتیں تمہارے لئے حلال ہیں اور یہ عورت خاوند کے سوتیلے باپ کے لئے ان محرمات مذکورہ سے نہیں پس حلال ہوگی جب ہوئی تو پردہ ضروری ہوا۔ عبداللہ امرتسری روپڑی ۹، محرم ۱۳۶۰ھ

پردہ کی ضرورت ہے یا تلوار کی

سوال۔ کیا پردے کی ضرورت ہے یا تلوار کی آج کل عورتوں نے بے پردگی کو ایک معمولی کام سمجھ رکھا ہے؟

جواب۔ قرآن مجید میں ہے۔ یَا اَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِاَزْوَاجِكَ وَ بَنَاتِكَ وَ نِسَاءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ اے نبی! اپنی بیویوں بیٹیوں اور ایمان والوں کی عورتوں کو کہدو کہ اپنے اوپر بڑی چادریں اوڑھیں۔

قرآن مجید میں دوسری جگہ ہے یَا اَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَ الْمُنَافِقِیْنَ وَاغْلُظْ عَلَیْهِمْ وَ مَاْوٰهُمْ جَهَنَّمَ وَ بِئْسَ الْمَصِیْرُ اے نبی کفار اور منافقوں سے جہاد کرو اور ان پر تشدد کرو، اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ رجوع کی بری جگہ ہے۔

ان دو آیتوں سے معلوم ہوا کہ پردہ اور جہاد یہ دونوں امر ضروری ہیں لیکن یہ سب کے لئے یکساں نہیں بلکہ پردہ کا حکم عورتوں کو ہے اور جہاد کا حکم مردوں کو ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی زیادہ تصریح کر دی ہے چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جہاد کی اجازت مانگی تو فرمایا۔ جِهَادُکُنَّ الْحَجُّ (مشکوٰۃ) یعنی تمہارا جہاد حج ہے ہاں اگر دشمن سر پر آجائے اور مجبوراً مقابلہ تک پہنچ جائے تو ایسی صورت میں اپنی عصمت بچانے کے لئے عورتیں بھی اپنی طاقت کے مطابق حصہ لے سکتی ہیں یا جہاد کے موقع پر کسی دشمن پر اتفاقیہ کسی عورت کو قابو مل جائے تو اس صورت میں بھی عورت ہتھیار استعمال کر سکتی ہے۔

بہر صورت عورتوں کے لئے جہاد کا حکم نہیں۔ اتفاقی موقعہ یا مجبوری الگ امر ہے ایسے موقعہ پر تھوڑے پردہ کی پابندی میں زیادہ بے پردگی یا عصمت کو داغ لگانا مناسب نہیں بلکہ اپنی طاقت کو ہر ممکن طریق سے استعمال کرنا چاہیئے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

عورت کے ہاتھ اور منہ ستر ہیں یا نہیں؟

سوال: کیا عورت کے ہاتھ اور منہ ستر ہیں؟ اس مسئلہ کو تفصیل سے بیان فرمایئے۔

جواب: اس بات میں تو کسی کا اختلاف نہیں کہ ہاتھ منہ یا پاؤں کے سوا عورت کا تمام بدن ستر ہے صرف ہاتھ منہ یا پاؤں میں اختلاف ہے ابن عباس رضؓ وغیرہ سے نقل کرتے ہیں کہ ہاتھ منہ ستر نہیں۔ اور عبداللہ بن سعود رضؓ وغیرہ ان کو بھی ستر وغیرہ میں شمار کرتے ہیں اور اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ پردہ کی آیت ولا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَھُنَّ میں دو قسم کی زینت بتلائی ہے ایک ظاہر ایک باطنی۔ باطنی زینت تو غیر محرم کے پاس ظاہر کرنے سے منع کیا ہے اور ظاہری زینت کی اجازت دی ہے اب اس ظاہری زینت میں اختلاف ہو گیا کہ اس سے کیا مراد ہے؟ جو ظاہری زینت سے ہاتھ منہ مراد لیتے ہیں وہ تو ہاتھ منہ کو ستر قرار نہیں دیتے اور جو ظاہر زینت سے عورت کے بدن کے کپڑے مراد لیتے ہیں وہ ہاتھ منہ کو ستر میں داخل کرتے ہیں۔ مثلاً عورت بڑی چادر لے کر باہر نکلے تو اس کا دوپٹہ کسی طرف سے ننگا ہو جائے یا ازار نیچے سے نظر آئے۔ تو اس کا کوئی حرج نہیں بدن تمام ڈھکا ہوا ہونا چاہیئے۔

اقوال کا بیان

ہم تفسیروں سے پہلے ان کے اقوال نقل کرتے ہیں پھر محاکمہ لکھیں گے جس سے راجح مرجوح ظاہر ہو جائے گا۔

فتح البیان جلد ۶ صـ ۲۹۹ میں ہے کہ ظاہر زینت میں لوگوں کا اختلاف ہے عبداللہ بن مسعود رضؓ اور سعید بن جبیر رحؒ کہتے ہیں کپڑے مراد ہیں۔ اور سعید بن جبیر رحؒ نے منہ بھی زینت میں شمار کیا ہے، عطاء رحؒ اور اوزاعی رحؒ کہتے ہیں۔ منہ اور ہتھیلیاں مراد ہیں، ابن عباس رضؓ قتادہ رضؓ مسور بن مخرمہ کہتے ہیں۔ سرمہ، انگوٹھی ہتھیلی کا خضاب نصف پنڈلی تک اور ان کے مثل مراد ہیں عورت ان اشیاء کو ظاہر کر سکتی ہے اور ابن عطیہ کہتے ہیں عورت اپنی زینت سے کوئی شے ظاہر نہ کرے اپنی تمام زینت کو چھپائے۔ اور ظاہر سے مراد مجبوراً ظاہر ہو جاتی ہے جیسے برقعہ یا بڑی چادر جس کے ساتھ پردہ کرے گی وہ ضرور ظاہر ہو گی حالانکہ عورت کے لئے وہ بھی زینت ہے نیز فتح البیان میں ہے ابنِ مسعود رضؓ فرماتے ہیں زینتِ باطنہ کنگن، بازو کا زیور، پازیب، بالی، ہار، اور

زینتِ ظاہرہ کپڑے اور اوپر کی بڑی چادر ہے ایک اور روایت میں عبداللہ بن مسعود رض فرماتے ہیں کہ زینت ظاہرہ کپڑے ہیں اور باطنہ پازیباں، بالیاں، کنگن ہیں اور ابنِ عباس رض اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ سرمہ۔ انگوٹھی، بالی، ہار اور ایک روایت میں فرماتے ہیں ہتھیلی کا خضاب اور انگوٹھی۔ ابن عمر رض فرماتے ہیں۔ زینتِ ظاہرہ منہ اور ہتھیلیاں اور انگوٹھی ہے اور ایک روایت میں فرماتے ہیں، شروع منہ کا اور ہتھیلی کی اندر کی طرف اور حضرت عائشہ رض فرماتی ہیں، کنگن، چھلا اور آستین کا کنارہ اکٹھا کر لیا گویا کنگن ننگا کر کے دکھایا۔ ابوداؤد۔ بیہقی اور ابن مردویہ نے حضرت عائشہ رض سے یہ روایت کیا ہے کہ اسماء بنتِ ابی بکر رض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر داخل ہوئی اور اس پر باریک کپڑے تھے۔ آپ نے اس سے منہ پھیر لیا۔ اور فرمایا اے اسماء! جب عورت بالغہ ہو جائے تو منہ اور ہتھیلی کے ماسوا اس کی کوئی جگہ دیکھنی جائز نہیں اور یہ حدیث منقطع ہے یعنی اس کی اسناد سے راوی گرا ہوا ہے کیونکہ اس کے راوی خالد بن دریک نے عائشہ رض سے نہیں سنا۔ تفسیر ابن جریر میں ہے وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا کی تفسیر میں ابنِ عباس رض نے کہا ہے زینتِ ظاہرہ سے منہ آنکھ کا سرمہ اور ہتھیلی کا خضاب اور انگوٹھی ہے پس اس زینت کو اسی شخص کے سامنے ظاہر کر سکتی ہے جو لوگوں سے گھر میں آئے نیز تفسیر ابن جریر میں ہے یعنی ابنِ عباس رض سے روایت ہے کہ ظاہر زینت سرمہ اور رخسار ہیں۔

محاکمہ

عبداللہ بن مسعود رض سے زینتِ ظاہرہ اور زینتِ باطنہ کی تفسیر میں مختلف روائیتیں نہیں آئیں بلکہ متفق روائیتیں ہیں زینتِ ظاہرہ کی بابت فرماتے ہیں کپڑے اور بڑی چادر مراد ہے اور زینتِ باطنہ کی بابت ایک روایت میں فرماتے ہیں، کنگن ٹاڈا (بازو کا زیور) پازیب۔ بالی۔ ہار مراد ہے ایک روایت میں ہار کا ذکر نہیں، ایک روایت میں ہے سرمہ کنگن۔ انگوٹھی مراد ہیں مگر ان تینوں روایتوں کا مطلب ایک ہی ہے وہ یہ کہ عورت کا تمام بدن ستر ہے سرمہ۔ کنگن، انگوٹھی وغیرہ کا ذکر صرف اس لئے کیا ہے کہ عورت عموماً ان اشیاء کو ظاہر کرنا چاہتی ہے اگر ظاہر کرنا نہ چاہے تو بے احتیاطی کے وقت اس سے یہ اشیاء ظاہر ہو جاتی ہیں۔

عبداللہ بن عمر رض کہتے ہیں زینتِ ظاہرہ سے مراد ہتھیلیاں ہیں۔

مسور بن مخرمہ رض کہتے ہیں سرمہ۔ انگوٹھی۔ کنگن۔ ہتھیلی کا خضاب مراد ہے۔

عائشہ رضؓ سے زینت کا سوال ہوا تو فرمایا کنگن چھلا یہ تصریح نہیں کہ زینت ظاہرہ سے سوال ہوا یا باطنہ سے سوال ہوا۔

عبداللہ بن عباس رضؓ ایک روایت میں فرماتے ہیں زینتِ ظاہرہ سے سرمہ۔ انگوٹھی۔ کنگن ہتھیلی کا خضاب مراد ہے ایک روایت میں فرماتے ہیں، منہ ہتھیلیاں انگوٹھی مراد ہے ایک روایت میں ہے منہ کا شروع اور ہتھیلی کی اندر کی طرف مراد ہے ایک روایت میں تصریح نہیں کہ زینتِ ظاہرہ کی بابت فرماتے ہیں یا باطنہ کی بابت بلکہ مطلق ہے کہ ابنِ عباس رضؓ آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں، سرمہ۔ انگوٹھی۔ بالی۔ ہار مراد ہے۔ ایک اور روایت اسی طرح ہے اس میں فرماتے ہیں ہتھیلی کا خضاب اور انگوٹھی مراد ہے ایک روایت میں ہے سرمہ اور رخسار مراد ہیں۔

عبداللہ بن عباس رضؓ سے یہ سات روائیتیں ہیں ان ساتوں کی حقیقت آگے آئے گی انشاءاللہ۔ پہلے تفسیر ابن کثیر کی عبارت سُن لیں۔ فرماتے ہیں۔

فرمانِ الٰہی وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ اِلَّا مَاظَهَرَ مِنْهَا کا مطلب یہ ہے کہ جس شے کا چھپانا ناممکن ہے اس کے سوا کوئی شے زینت سے اجنبی کے لئے ظاہر نہ کریں۔ عبداللہ بن مسعود رضؓ فرماتے ہیں جیسے چادر اور کپڑے یعنی جیسے عرب کی عورتیں بڑی چادر اوڑھتیں جو کپڑوں کو ڈھانک لیتی ہے وہ ظاہر ہوتی ہے۔ اور چادر کی حد سے نیچے کپڑے بھی ظاہر ہوتے ہیں اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اس کا چھپانا ناممکن ہے اس طرح عورتوں کے تہ بند کی وضع اور طرز میں نظر پڑنا بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ اس کا چھپانا بھی ناممکن ہے امام حسن رحؒ محمد بن سیرین رحؒ ابوالجوزی ابراہیم نخعی وغیرہ کا مذہب بھی یہی ہے جو عبداللہ بن مسعود رضؓ کا ہے اور سعید بن جبیر رحؒ سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عباس رضؓ فرمانِ الٰہی ولا یبدین زینتھن الا ما ظھر کی تفسیر میں فرماتے ہیں منہ، ہتھیلیاں انگوٹھی مراد ہے۔ عبداللہ بن عمر رضؓ، عطاء رحؒ عکرمہ رحؒ، سعید بن جبیر رحؒ ابوالشعثاء رحؒ ضحاک رحؒ ابراہیم نخعی رحؒ وغیرہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ چونکہ ابن عباس رضؓ وغیرہ نے فرمانِ الٰہی ولا یبدین زینتھن الا ما ظھر کی تفسیر کی ہے اس میں زینتِ باطنہ اور زینتِ ظاہرہ دونوں مذکور ہیں تو احتمال ہے کہ ابنِ عباس رضؓ تعالیٰ عنہ وغیرہ نے منہ ہتھیلیوں انگوٹھی کے ساتھ زینت باطنہ کی تفسیر کی ہو جیسے عبداللہ بن مسعود رضؓ نے زینتِ باطنہ کی یہی تفسیر کی ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔ بالی ٹاڈ۔ پازیب۔ ہار مراد ہے اور ایک روایت میں ہے زینت دو قسم ہے ایک زینت جس کو صرف خاوند

(محرم) دیکھتا ہے وہ انگوٹھی کنگن ہے اور ایک زینت جس کو اجنبی بھی دیکھتے ہیں وہ کپڑے ہیں اور زہری رح کا
مذہب بھی قریباً یہی ہے چنانچہ فرماتے ہیں صرف محرم کے لئے کنگن اوڑھنی. بالی ظاہر کر سکتی ہیں لیکن دکھانے
کی غرض سے نہیں بلکہ ویسے کیونکہ خاوند کے لئے ہوتی ہے نہ غیر کے لئے اور زینتِ ظاہرہ کی تفسیر میں زہری رح
کہتے ہیں اجنبی کے سامنے انگوٹھی کے سوا کچھ ظاہر نہ ہونا چاہیئے. اور امام مالک رح نے زہری رح سے زینتِ ظاہرہ
کی بابت روایت کیا ہے کہ انگوٹھی اور پازیب مراد ہے تو جیسے عبداللہ بن مسعود رض اور زہری رح نے کنگن انگوٹھی
وغیرہ کے ساتھ زینتِ باطنہ کی تفسیر کی ہے ایسے ہی منہ، ہتھیلی. انگوٹھی کے ساتھ عبداللہ بن عباس رض وغیرہ
نے کی ہو اور احتمال ہے کہ عبداللہ بن عباس رض وغیرہ نے زینت ظاہرہ کی تفسیر کی ہو جیسے جمہور کا مذہب
مشہور ہے کہ زینتِ ظاہرہ سے منہ ہتھیلیاں مراد ہیں اور اس پر باریک کپڑے تھے، آپ نے اس سے
منہ پھیرا، اور فرمایا! اے اسماء جب عورت بالغ ہو جائے تو منہ اور ہتھیلیوں کے سوا اس کا کوئی حصہ دکھایا
جانا درست نہیں لیکن ابو داؤد اور ابو حاتم رازی نے کہا ہے یہ حدیث منقطع ہے (کیونکہ اس کی سند میں ایک
راوی) خالد بن دریک ہے جو حضرت عائشہ رض سے روایت کرتا ہے اس نے حضرت عائشہ رض سے نہیں سُنا.

ابن کثیر کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ ابن عباس رض سے اس بارہ میں صریح روایت نہیں آئی. کہ
منہ اور ہتھیلی. انگوٹھی وغیرہ زینت ظاہرہ کی تفسیر ہے بلکہ محتمل روایت ہے. جو زینتِ ظاہرہ کی بھی تفسیر
ہو سکتی ہے اور زینتِ باطنہ کی بھی جن لوگوں نے ابن عباس رض کی یہ روایت صراحۃً زینت ظاہرہ کی تفسیر بتائی
ہے ان کو ڈبل غلطی لگی ہے. غلطی لگنے کا سبب یا تو یہ ہے کہ آیت ولا یبدین زینتھن الا ما ظھر منھا
میں زینتِ باطنہ پہلے ہے اور زینتِ ظاہرہ پیچھے ہے تو انہوں نے نزدیک کی تفسیر بنا دی کیونکہ نزدیک
ہونے کی طرف خیال زیادہ جاتا ہے یا یہ سبب ہے کہ بعض دفعہ ابن عباس رض نے صرف الا ما ظھر منھا
پڑھ کر یہ تفسیر کی جس سے سمجھنے والوں نے یہ سمجھا کہ جتنا لفظ انہوں نے پڑھا ہے اس کے معنی زینتِ
ظاہرہ کے ہیں، تو انہوں نے اس کی تفسیر کی ہے اور اس بنا پر بعض نے روایت بالمعنیٰ کرتے ہوئے ابنِ
عباس رض کی روایت الا ما ظھر منھا کی جگہ ما ظھر منھا کہا ہے اور بعض نے الا ما ظھر منھا کے بعد
والزینۃ الظاھرۃ کہا ہے یعنی ابنِ عباس رض کی روایت میں زینتِ ظاہرہ کا نام لے کر اس کی تفسیر
منہ، سرمہ. انگوٹھی وغیرہ کے ساتھ کی ہے. اور اخیر میں تصریح کی ہے کہ عورت ان اشیاء کو ظاہر کر سکتی
ہے جیسے تفسیر ابنِ جریر کے حوالہ سے گزر چکا ہے حالانکہ ہو سکتا ہے ابن عباس رض کی مراد الا ما ظھر منھا

کے پڑھنے سے اس کی تفسیر کرنا نہ ہو بلکہ آیت الا ماظھر منھا مراد ہے جس میں ولا یبدین زینتھن بھی داخل ہے جیسے کہتے ہیں آیت ولا الضالین کیونکہ ایک روایت میں ولا یبدین زینتھن بھی ساتھ ذکر کیا ہے اور ایک روایت میں ہے عن ابن عباس فی الایۃ یعنی اس آیت کی تفسیر میں ابن عباس رضؓ سے یہ روایت ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن عباس رضؓ کی مراد الا ما ظھر کے پڑھنے سے الا ماظھر منھا کی تفسیر نہیں بلکہ آیت الا ماظھر منھا مراد ہے اور اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ ایک روایت میں سرمے انگوٹھی کے ساتھ بال. ہار کا بھی ذکر ہے. اور ظاہر ہے کہ بال ہار زینتِ باطنہ میں داخل ہیں کیونکہ عام دستور کے موافق بالی. ہار کھلا رہنے سے کچھ اپنے سر کا حصہ بھی دکھائی دیتا ہے اور سر بالاتفاق ستر ہے نیز ہار گریبان کی جگہ ہوتا ہے. اور اسی آیت میں ارشاد ہے۔ وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوبِهِنَّ یعنی اپنے گریبانوں پر چادریں لیں. اس کے علاوہ تفسیر ابن جریر میں ہے

قَالَ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اِلٰى قَوْلِهٖ عَوْرَاتِ النِّسَاۗءِ قَالَ الزِّيْنَةُ الَّتِيْ يُبْدِيْنَهَا لِهٰؤُلَاۗءِ قُرْطَاهَا وَقِلَادَتُهَا وَسِوَارُهَا فَاَمَّا خَلْخَالُهَا وَمِعْضَدُهَا وَنَحْرُهَا وَشَعْرُهَا فَاِنَّهٗ لَا تُبْدِيْهِ اِلَّا لِزَوْجِهَا (ابن جریر جزء ۱۸ صہ ۸۵)

ابن عباس رضؓ فرماتے ہیں جس زینت کو عورت محرم کے لئے ظاہر کر سکتی ہے وہ بالیاں. ہار. کنگن ہیں اور پازیبیں اور ٹاڈیں (بازو کا زیور) اور سر کے سارے بال اور سینہ اور یہ صرف خاوندؑ کے لئے ظاہر کر سکتی ہے. اس روایت میں بالی ہار صرف محرم کے سامنے ظاہر کرنے کی اجازت دی ہے پس معلوم ہوا کہ یہ زینتِ باطنہ کی تفسیر ہے۔

اس تحقیق پر ابنِ عباس رضؓ کی ساتوں روایتیں عبداللہ بن مسعود رضؓ کی تین روایتوں کی طرح ہو جائیں گی یعنی جیسے ان تین کا یہ مطلب تھا کہ سارا وجود ستر ہے یہی مطلب ان سات کا ہے پس اب ان سات میں کوئی اختلاف نہ رہا اس طرح عبداللہ بن عمر رضؓ اور حضرت عائشہ رضؓ اور دیگر صحابہ رضؓ کی روایات کو سمجھ لیں بلکہ بہت سے دیگر علماء (تابعین تبع تابعین) کی روایات کا مطلب بھی یہی ہو سکتا ہے اور راجح بھی یہی ہو سکتا ہے. کیونکہ منہ تمام حسن کا مجموعہ ہے جب یہ ننگا ہو گیا تو سمجھ لو ساری زینت ظاہر ہو گئی اور کاروبار کے لئے

عہ حدیث سے محرم کے سامنے سر وغیرہ ننگا کرنا ثابت ہے شاید ابن عباس رضؓ کو حدیث نہیں پہنچی ہوگی۔

اس کے ننگا کرنے کی بیشک ضرورت ہے مگر یہ مسلّم ہے کہ مردوں عورتوں کا اختلاط منع ہے پس عورتیں الگ کام کریں، جب کوئی سامنے آئے کپڑا منہ پر لے لیں. جیسے عائشہ رضؓ کہتی ہیں کہ ہم حج کے موقعہ پر ایسا کرتی تھیں ہاں اس بارے میں اگر کوئی صحیح حدیث فیصلہ کن ہوتی تو پھر چون چرا کی گنجائش نہ تھی۔ لیکن ابوداؤد کی اوپر کی حدیث ضعیف ہے کیونکہ منقطع ضعیف ہوتی ہے اور ایک حدیث اس کے قریب تفسیر ابن جریر میں ہے اس میں منہ ہتھیلی کے ساتھ ایک مٹھی ہتھیلی سے آگے (قریباً نصف ذراع تک جگہ) کو بھی ستر سے خارج کر دیا ہے لیکن یہ حدیث بھی منقطع ہے کیونکہ اس میں ابن جریج ایک راوی ہے جو حضرت عائشہ سے روایت کرتا ہے وہ حضرت عائشہ کو ملا نہیں، اس کے علاوہ ابن جریج چوتھے درجے کا مدلس ہے جس کی روایت بغیر تصریح سماع کے بالکل ردی ہے[ع۲]۔ اور اس روایت میں سماع کی تصریح نہیں پس یہ بالکل ردی ہوئی یہی وجہ ہے کہ ابن جریر نے الا ما ظهر منها کی تفسیر کرتے ہوئے زینت ظاہرہ سے منہ ہتھیلی مراد ہونے پر اجتہادی دلیل پیش کی ہے . حدیث پیش نہیں کی اگر کوئی حدیث صحت کو پہنچتی تو اس سے استدلال کرتے اجتہادی دلیل اوپر گزر چکی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر نمازی کو (خواہ مرد ہو یا عورت) نماز میں ستر کا ڈھانکنا بالاجماع ضروری ہے اور اس بات پر بھی اجماع ہے کہ عورت نماز میں منہ ہتھیلی کھلی رکھے پس معلوم ہوا کہ منہ ہتھیلی ستر نہیں نہ خارج نماز میں نہ داخل نماز میں.

لیکن ابن جریر کی یہ دلیل کمزور ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ ستر دو طرح کا ہے ایک وہ جو حسن اور خوبصورتی کے باعث ستر ہے جیسے منہ، سرمہ، انگوٹھی وغیرہ اس ستر کو تنہائی کے وقت کھولنے میں کوئی حرج نہیں دوسرا وہ جو بلا ضرورت تنہائی کی حالت میں بھی ننگا کرنے کی اجازت نہیں کیونکہ اس کے کھولنے میں ایک طرح کی بے شرمی ہے چنانچہ مشکوٰۃ کی حدیث گزر چکی ہے کہ اپنی بیوی اور لونڈی کے سوا کسی کے سامنے اپنا ستر نہ کھول۔ راوی کہتا ہے میں نے کہا یا رسول اللہ اگر کوئی شخص اکیلا ہو تو پھر کیا حکم ہے؟ فرمایا اکیلا بھی نہ کھولے۔ کیونکہ خدا شرم کے زیادہ لائق ہے، اور ایک حدیث میں ہے پاخانہ پیشاب اور بیوی کے سوا اپنا ستر نہ کھول کیونکہ تمہارے ساتھ وہ (فرشتے وغیرہ) ہیں جو تم سے جدا نہیں ہوتے پس ان کی عزت کرو، جس ستر کے نماز میں ڈھانکنے پر اجماع ہے وہ دوسری قسم ہے پہلی قسم میں تفصیل ہے جس شے کے ڈھکنے میں

[ع۲] یہ تدلیس کا اعتراض ان محدثین کے مذہب پر ہوگا۔ جو تدلیس میں ملاقات کی شرط نہیں کرتے۔

ذرا حرج ہے اس کو نماز میں کھلا رکھنا چاہیئے۔ جیسے منہ ہاتھ ہے منہ ڈھکنے میں نماز کے اندر پڑھنے میں حرج ہے نیز سجدے وغیرہ کی جگہ نظر نہیں آتی۔ ہاتھ کپڑے کے اندر ہو تو نیچے اوپر ہونا مشکل ہے۔ ہاں جس شے کے ڈھکنے میں کوئی حرج نہیں اس کو ڈھکنا چاہیئے۔ جیسے پاؤں کی بابت حدیث میں ڈھکنے کا حکم آیا ہے۔ اس کے علاوہ جب عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہ کا مذہب ہے کہ ہاتھ منہ وغیرہ ستر ہے اور نماز میں وہ ستر نہیں کہتے تو پھر یہ دعویٰ کیونکر صحیح ہوگا۔ کہ ہر نمازی کو نماز میں ستر ڈھکنے پر اجماع ہے۔ خلاصہ یہ کہ ہتھیلی منہ وغیرہ کی بابت راجح مذہب یہی ہے کہ یہ زینت باطنہ کی قسم سے ہیں نہ ظاہرہ کی قسم سے۔ اور اگر فرضی طور پر مان لیا جائے کہ یہ زینتِ ظاہرہ کی قسم سے ہیں، اور ان کا ننگا کرنا جائز ہے تو بھی آزادی کے ساتھ ننگا نہیں کر سکتی۔ بلکہ صرف اتنا ننگا کر سکتی ہے جو ڈھکے ہوئے کے قریب ہو کیونکہ ننگا کرنے کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ مثلاً منہ ٹھوڑی سے ماتھے تک اور ایک سے دوسرے کان تک ننگا رکھے دوسری صورت یہ کہ صرف آنکھیں اور ان کا ارد گرد تھوڑا سا کھلا رکھے جس سے اپنا کاروبار کر سکے۔ وہ بھی قدرے گھونگٹ کی شکل میں۔

پہلی صورت تو بالکل مراد نہیں ہو سکتی اگر ہوگی تو دوسری صورت ہوگی۔ تفصیل ان کی یہ ہے کہ ابن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ المرأۃ عورۃ (مشکوٰۃ باب النظر الی المخطوبۃ) یعنی عورت کا وجود ستر ہے جب عورت کا وجود ستر ہوا تو اس کے وجود سے کسی حصہ کو غیر ستر بنانے کے لئے کوئی معقول وجہ ہونی چاہیئے۔ جن لوگوں نے منہ ہتھیلی وغیرہ کو زینتِ ظاہرہ میں شمار کیا ہے۔ ان کے مذہب کی تین وجہیں بتائی گئی ہیں۔ ایک تو وہی جو ابنِ جریر نے بیان کی ہے دوسری یہ کہ بیماری کے موقعہ پر یا مقدمات وغیرہ کے وقت شہادت وغیرہ کے لئے پہچان کی ضرورت پڑتی ہے تیسری، یہ کہ کاروبار کے وقت اکثر یہ اشیا کھل جاتی ہیں۔

ابن جریرؒ نے جو وجہ بیان کی ہے وہ تو وجہ بننے کے قابل نہیں چنانچہ اوپر معلوم ہو چکا۔ دوسری وجہ بھی ٹھیک نہیں کیونکہ بیماری یا کسی اور مجبوری کے لئے تو زینتِ باطنہ کا اظہار بھی جائز ہے جیسے حکیم ڈاکٹر کو سر یا کوئی جگہ دکھلانے کی ضرورت ہو یا شہادت کے موقعہ پر چہرے کی پہچان میں اشتباہ پڑ جائے اور بازو یا پنڈلی کے داغ وغیرہ سے پہچان ہو سکتی ہو تو ایسے موقعہ پر بحکم (الضرورات تبیح المحذورات) ان اشیاء کا اظہار جائز ہے۔ تو کیا یہ اشیاء بھی زینتِ ظاہرہ میں شمار ہوں گی؟ ہرگز نہیں اس سے صاف معلوم ہوا کہ دوسری وجہ بھی ٹھیک نہیں۔ رہی تیسری وجہ سو اس کے لئے سارا چہرہ

کھولنے کی ضرورت نہیں بلکہ گھونگٹ کی شکل میں صرف آنکھیں اور ان کا اردگرد تھوڑا سا کھلا رکھنا کافی ہے پس ثابت ہوا کہ پہلی صورت مراد نہیں ہو سکتی۔ اگر ہوگی تو دوسری صورت ہوگی اور ظاہر ہے کہ دوسری صورت اس لحاظ سے اگرچہ زینتِ ظاہرہ سے ہے کہ اس پر نظر پڑسکتی ہے لیکن نتیجہ کے لحاظ سے زینتِ باطنہ میں داخل ہے کیونکہ اس صورت میں نظر پڑنے سے نہ پورا چہرہ پہچان ہو سکتا ہے۔ نہ چہرے کی بناوٹ اور خوبصورتی کا پتہ لگ سکتا ہے۔ پس یہ قریباً ایسا ہی ہوگیا۔ جیسے چہرہ بالکل ڈھکا ہوا ہو پس ثابت ہوا کہ اگر عورت کے لئے منہ وغیرہ ننگا کرنا جائز ہو۔ تو آزادی کے ساتھ ننگا نہیں کرسکتی بلکہ اتنا کرسکتی ہے جو ڈھکے ہوئے کے قریب ہو۔

ایک اور شرط

اس کے لئے ایک اور شرط ہے وہ یہ کہ اتنا منہ ننگا کرنے کی اجازت صرف گھر میں ہے قرآن مجید ہے۔ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ ذَالِكَ أَدْنَىٰ أَنْ يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُورًا رَحِيمًا (پارہ ۲۲ رکوع ۵) اے نبی اپنی بیویوں بیٹیوں، مومنوں کی عورتوں کو کہہ دے اپنی بڑی چادریں اپنے اوپر اوڑھیں قریب تر ہے کہ اس طریق سے (لونڈیوں سے)، ان کا امتیاز ہو جائے پس ایذاء نہیں دی جائیں گی، "ابن کثیر میں اس آیت کے نیچے لکھا ہے ابن عباس رضؓ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ایمان والیوں کو حکم دیا ہے کہ جب اپنی ضرورت کے لئے گھروں سے نکلیں تو سر کے اوپر سے چادروں سے منہ ڈھانک لیں۔ اور ایک آنکھ ننگی رکھیں، اور محمد بن سیرین رح فرماتے ہیں کہ میں نے عبیدہ سلمانی سے اس آیت کا مطلب پوچھا۔ تو اپنا منہ ڈھانک لیا اور بائیں آنکھ ننگی کی، یعنی عورت اس طرح پردہ کرے۔"

تفسیر فتح البیان میں ہے۔ محمد بن کعب رح فرماتے ہیں، منافقوں سے ایک شخص عورتوں سے چھیڑ چھاڑ کرتا اور ان کو ایذاء دیتا۔ جب اس کو کہا جاتا کہ ایسا کیوں کیا؟ تو کہتا کہ میں نے خیال کیا کہ یہ لونڈی ہے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتار کر اصیل عورتوں کو حکم دیا کہ لباس میں اپنی وضع لونڈیوں کے خلاف بنائیں اپنے اوپر بڑی چادریں اوڑھیں اور ایک آنکھ کے سوا سارا منہ ڈھانکیں۔ اس طرح اصیل کا لونڈی سے امتیاز ہو جائے گا۔ اور کوئی ان سے چھیڑ چھاڑ نہ کرے گا۔ ابن عباس رضؓ فرماتے ہیں جب اپنی ضرورت کے

لئے باہر نکلیں تو بڑی چادروں سے سارا منہ ڈھانکیں اور ایک آنکھ کھلی رکھیں،

اُمّ سلمہ رضؓ فرماتی ہیں جب یہ آیت اتری تو انصار کی عورتیں سیاہ کمبل اوپر لے کر نکلیں گویا ان کے سروں پر بوجہ اطمینان کے کوّے ہیں۔

حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں جب یہ آیت اُتری تو عورتوں نے اپنے کمبلوں کی اوڑھنیاں بنا کر سر منہ ڈھانکا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے پیچھے جا کر نماز پڑھتیں گویا ان کے سر پر کوے ہیں۔

ابنِ عباس رضؓ فرماتے ہیں، اصیل عورت لونڈی والا لباس پہنتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ایمان والیوں کو حکم دیا کہ بڑی چادروں سے منہ ڈھانکیں اور ماتھے پر باندھیں۔

انس رضؓ فرماتے ہیں حضرت عمر رضؓ کی خلافت کے دنوں میں) حضرت عمر رضؓ کے پاس سے نقاب پہن کر ایک لونڈی گزری حضرت عمر رضؓ نے اس پر درہ اٹھایا اور فرمایا اے کمینی! تو اصیل عورتوں کے ساتھ مشابہت کرتی ہے نقاب اُتار دے،

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ عورت کا بے نقاب ننگے منہ باہر نکلنا کسی صورت جائز نہیں خلفاء اس پر ڈانٹتے لونڈی اور اصیل میں امتیاز پر زور دیتے۔ گویا اس آیت پر عمل برابر جاری رہا۔ اگرچہ شانِ نزول اس کا خاص ہے مگر حکم عام ہے اور باقی ہے۔

اس تفصیل سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ابنِ عباس رضؓ وغیرہ بھی اس میں متفق ہیں وہ سبھی اس بات کی اجازت نہیں دیتے، کہ عورت بے نقاب ننگے منہ باہر نکلے۔ حضرت عائشہ رضؓ اور حضرت امّ سلمہ رضؓ کی حدیث میں یہ لفظ کہ "گویا ان کے سر پر کوے ہیں" اس کا بھی یہی مطلب ہے۔ کہ عورتیں ننگے منہ نہیں نکلتی تھیں، کیونکہ کمبل سیاہ ہوتے جب منہ ڈھانک کر صرف ایک آنکھ کھلی رکھتیں تو چونچ سی نکل کر کوے کی شکل معلوم ہونے لگتی اور یہ مطلب نہیں کہ صرف کمبل سیاہ ہونے سے سروں پر کوے معلوم ہوتے کیونکہ اس صورت میں سر کو خاص کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ وہی سیاہ کمبل باقی اعضاء پر بھی ہوتے تھے۔ تو باقی اعضاء پر بھی کوے کہنا چاہیئے تھا۔ اور حضرت عائشہ رضؓ کی حدیث لفظ اعتجون سے بھی یہی مُراد ہے پس ابنِ عباس رضؓ وغیرہ کی روایت کہ عورت منہ اور ہتھیلیاں ظاہر کر سکتی ہے یہ باہر نکلنے کے وقت نہیں بلکہ گھر میں ہے۔ اور تفسیر ابنِ جریر کی گذشتہ روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے جو ابنِ عباس رضؓ سے مروی ہے اس کے اخیر میں یہ الفاظ ہیں فَهٰذَا تُظْهِرُ فِي بَيْتِهَا لِمَنْ دَخَلَ مِنَ النَّاسِ عَلَيْهَا۔ یعنی منہ وغیرہ اس شخص

کے پاس ظاہر کر سکتی ہے جو لوگوں سے اس کے گھر آئے یہ الفاظ اگر ابنِ عباس رضہ کے ہوں ابن جریرؒ نے اپنی طرف سے تشریح کے طور پر نہ کہے ہوں۔ تو ان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ابن عباس رضہ کے نزدیک عورت منہ وغیرہ باہر ننگا نہیں کر سکتی۔ ہاں گھر میں کر سکتی ہے، مگر گھر میں بھی گھونگٹ کی شکل میں آنکھیں اور کچھ ان کا ارد گرد نہ سارا چہرہ کیونکہ گھر میں منہ وغیرہ کھولنے کی ضرورت اس لئے ہے کہ رشتہ دار قریبی اکثر گھروں میں آتے جاتے ہیں۔ اور عورتوں کا کام بھی عموماً گھروں میں ہوتا ہے تو اگر گھروں میں باہر کی طرح پورا سر منہ ڈھانکنے کا حکم ہو تو عورتوں کو کاروبار میں کچھ تکلیف ہوگی۔ سو اس تکلیف کے رفع کرنے کے لئے سارا چہرہ کھولنے کی ضرورت نہیں بلکہ اتنا کھولنا کافی ہے جس میں عورت کے حسن وجمال کا اظہار نہ ہو اور ضرورت بھی پوری ہو جائے۔ سو اس کے لئے گھونگٹ کی شکل میں آنکھیں اور قدرے ارد گرد سے کھولنا کافی ہے چنانچہ اوپر تفصیل ہو چکی ہے۔ لیکن یہ ساری تقریر اس صورت میں ہے کہ ابن عباس رضہ نے منہ اور ہتھیلی کے ساتھ زینتِ ظاہرہ کی تفسیر کی ہو جیسے ابنِ مسعود رضہ وغیرہ نے کی ہے تو پھر ابنِ عباس رضہ وغیرہ کے نزدیک کسی حال میں منہ کا کھولنا درست نہ ہوگا نہ گھر نہ باہر نہ تھوڑا نہ بہت اور جس روایت میں یہ تصریح ہے کہ زینتِ ظاہرہ سے مراد ہتھیلی وغیرہ ہے وہ روایت بالمعنیٰ ہوگی یعنی وہ روایت ابنِ عباس رضہ کے الفاظ نہیں، بلکہ ان کے الفاظ کا یہ مطلب سمجھ کر اپنے الفاظ میں ادا کیا گیا ہے، ورنہ حقیقت میں انہوں نے منہ ہتھیلیوں کے ساتھ زینت باطنہ کی تفسیر کی ہے۔

راجح مذہب بھی یہی ہے کہ عورت کو ہر صورت میں اپنا چہرہ غیر محرم سے چھپانا چاہیئے۔ خواہ اندر ہو یا باہر کیونکہ ساری خوبصورتی بدصورتی چہرے میں ہے اس کے مقابلہ میں باقی اعضاء کی خوبصورتی بدصورتی کالعدم ہے اس پر نظر پڑنا دل کا تیر ہے۔

ترغیب منذری کتاب النکاح باب غض البصر میں حدیث ہے کہ نظر ابلیس کا زہریلا تیر ہے یعنی اس کے اثر سے بچنا مشکل ہے اور ظاہر ہے کہ اس کا زیادہ تر تعلق چہرہ سے ہے تو کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ عورت کو بے نقاب رہنا درست ہے۔ اس کے علاوہ حدیث میں ہے۔

عَنْ اُمِّ سَلَمَۃَ قَالَتْ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حِیْنَ ذَکَرَ الْاِزَارَ فَالْمَرْاَۃُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ تُرْخِیْ شِبْرًا فَقَالَتْ اِذًا تَنْکَشِفُ عَنْھَا قَالَ فَذِرَاعًا لَا تَزِیْدُ عَلَیْہِ رواہ مالک وابوداؤد والنسائی وابن ماجۃ وَفِیْ رِوَایَۃِ التِّرْمِذِیِّ وَالنَّسَائِیِّ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اِذًا تَنْکَشِفُ

أَقْدَامُهُنَّ قَالَ فَيُرْخِيْنَ ذِرَاعًا لَا يَزِدْنَ عَلَيْهِ (مشکوٰۃ کتاب اللباس) جب تہ بند کی بابت ذکر ہوا کہ مرد کا تہ بند نصف پنڈلی تک ہے اور ٹخنوں تک بھی گناہ نہیں تو امّ سلمہ رضؓ نے کہا یا رسول اللہ اور عورت کا کیا حکم ہے؟ فرمایا (نصف پنڈلی سے) ایک بالشت نیچے رکھیں اس سے نہ بڑھائیں۔ اس حدیث میں پاؤں کے ڈھکنے کا بھی حکم ہے اگر ڈھکنے کا حکم نہ ہوتا تو امّ سلمہ رضؓ کے سوال پر آپؐ فرماتے پاؤں کے کھلنے کا کوئی حرج نہیں اور قرآن مجید کی اس آیت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ یعنی عورتیں (پاؤں کی) پوشیدہ زینت ظاہر کرنے کے لئے ایڑی زمین پر نہ ماریں۔ اس آیت میں پاؤں کے زیور کو پوشیدہ زینت کہا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ پاؤں کا زیور (بانکیں مچھلیاں) پاؤں کی پیٹھ پر پڑتا ہے جب عورتوں کو یہاں تک ڈھانکنے کا حکم ہے تو منہ کی نزاکت ظاہر ہے۔ اس تاکید سے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ منہ کا ڈھانکنا ضروری ہے خواہ اس کے ڈھکنے میں کسی وقت کچھ تکلیف ہی ہو۔

منہ وغیرہ کو ستر نہ کہنے والوں کے دلائل اور ان کا جواب

بخاری میں حدیث ہے فضل بن عباس رضؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سوار تھے، ایک عورت خثعم قبیلہ کی آئی۔ فضل بن عباس رضؓ اس عورت کی طرف دیکھنے لگے اور عورت فضل بن عباس رضؓ کی طرف دیکھنے لگی۔ آپؐ نے فضل بن عباس رضؓ کا منہ دوسری طرف پھیر دیا۔ عورت نے سوال کیا یا رسول اللہ! فریضہ حج نے میرے باپ کو بڑھاپے میں پایا ہے وہ سواری پر نہیں بیٹھ سکتا۔ کیا میں اس کی طرف سے حج کروں؟ فرمایا ہاں۔ (بخاری باب حج المرأۃ عن الرجل)

نیز بخاری میں ہے انس رضؓ فرماتے ہیں جب احد کا دن ہوا تو لوگ شکست کھا کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر بھاگے عائشہ رضؓ اور امّ سلیم رضؓ کو میں نے دیکھا اپنی پنڈلیوں سے کپڑا اٹھاتے ہوئے مشکوں میں پانی لاکر زخمیوں کے منہ میں ڈالتیں۔ پھر بھر کر لاتیں اور زخمیوں کے منہ میں ڈالتیں۔

ان دونوں حدیثوں سے اور ان جیسی اور احادیث سے آج کل بعض لوگ منہ اور پاؤں کے ستر نہ ہونے پر استدلال کرتے ہیں۔ لیکن یہ استدلال بالکل غلط ہے کیونکہ دوسری حدیث ۳ھ کا واقعہ ہے پردہ کا حکم سورۃ نور اور سورۃ احزاب میں ہے جو اس کے بعد اتری ہیں نیز یہ مجبوری پر محمول ہے بہت لوگ زخمی تھے

پانی زیادہ اٹھانا اور دوڑ کر لانا پڑتا تھا۔ ایسے وقت کپڑا ضرور اوپر کرنا پڑتا ہے یہی وجہ ہے کہ انہوں نے پنڈلیوں سے کپڑا اٹھایا ہوا تھا۔ حالانکہ پنڈلیاں بالاتفاق ستر ہیں اور اوپر کی آیت وَلَا یَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ اور حدیث ام سلمہ رض جو اوپر گزر چکی ہے۔ اس پر دلالت کرتی ہے۔ اس کے علاوہ ازواج مطہرات کے چہرے وغیرہ کے ستر ہونے میں تو کسی کا اختلاف نہیں اور قرآن مجید میں بھی ہے۔ وَ اِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَاسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَاءِ حِجَابٍ یعنی ازواج مطہرات سے جب کوئی شے مانگو تو پردے کے پیچھے مانگو۔ تو اگر یہ حدیث چہرے اور پنڈلی کے ستر نہ ہونے پر دلالت کرے تو لازم آئے گا۔ کہ ازواجِ مطہرات بھی اس میں داخل ہوں،

رہی پہلی حدیث سو اس سے بھی استدلال غلط ہے کیونکہ وہ لوگ نئے نئے مسلمان ہوئے تھے۔ مسائل سے ناواقف تھے۔ اگر وہ عورت بے خبری کی وجہ سے ننگے منہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آگئی ہو۔ تو کوئی جواز کی دلیل نہیں۔ اگر کہا جائے جائز نہ ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو منع نہ کرتے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ فضل بن عباس رض کی طرف دیکھتی تھی۔ حالانکہ قرآن میں حکم ہے "ایمان والیاں نظر نیچی رکھیں۔" یعنی غیر محرم کی طرف نہ دیکھیں اور مشکوٰۃ (باب النظر الی المخطوبۃ") میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ام سلمہ رض اور میمونہ رض تھیں اس حال میں ایک نابینا صحابی ابن ام مکتوم آپؐ کے پاس آیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس سے پردہ کرو، بیویوں نے کہا اس سے کیا پردہ کریں یہ نابینا ہے ہمیں نہیں دیکھتا فرمایا کیا تم بھی نابینا ہو کیا تم اس کو نہیں دیکھتیں۔ جب نظر ناجائز ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیوں اس کو منع کیا؟ اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ لوگ ابھی ابھی مسلمان ہوئے تھے۔ آپؐ نے خیال کیا۔ کہ دفعۃً ان پر اس قسم کے بوجھ ڈالنے مناسب نہیں جوں جوں مسائل سے واقف ہوں گے اور پرانے مسلمانوں کے میل جول سے ان کے راہ رسم سے انس پکڑیں گے جوں جوں خود ہی ان باتوں کی پابندی کریں گے اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فضل بن عباس رض کے منہ کو دوسری طرف پھیرا۔ عورت کو کچھ نہیں کہا بس بعینہٖ یہ وجہ منہ ننگا رکھنے سے منع نہ کرنے کی سمجھ لینی چاہیئے۔ اگر کہا جائے فضل بن عباس رض کے منہ کو دوسری طرف پھیرنا یہ نظر سے منع کرتا ہے اور اسی سے عورت بھی سمجھ گئی ہوگی کہ نظر منع ہے اس لئے عورت کو الگ منع کرنے کی ضرورت نہ رہی برعکس منہ کے اس سے منع نہیں کیا پس اس کا ننگا کرنا جائز ہوا تو اس کا جواب یہ ہے کہ منع نہ کرنے سے دھوکہ لگتا ہے۔ کہ عورت کو جو منع نہیں کیا تو اس حکم میں مرد عورت میں فرق ہے، مرد کو عورت کا دیکھنا جائز نہیں۔ اور عورت کو مرد کا دیکھنا جائز ہے چنانچہ آج کل اس کے جواز پر

اس قسم کی احادیث پیش کی جاتی ہیں جن سے ایک حدیث یہ ہے اور دوسری مشکوٰۃ باب عشرۃ النساء کی حدیث ہے جس میں حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں۔ حبشی مسجد میں نیزہ بازی کر رہے تھے۔ رسول اللہ صلیٰ اللہ علیہ وسلّم نے اپنی چادر کے ساتھ مجھے پردہ کیا۔ میں نے اپنا منہ آپؐ کے کندھے اور کان کے درمیان رکھ کر ان کی نیزہ بازی دیکھی[1] جب اس قسم کے دھوکہ لگنے کا اندیشہ تھا تو ضروری تھا کہ جیسے آپؐ نے فضل بن عباس رضؓ کا منہ دوسری طرف پھیرا، عورت کو بھی کرتے لیکن منع نہیں کیا تو معلوم ہوا کہ آپؐ کا مقصود یہ تھا کہ دفعتہً اس قسم کے بوجھ ان پر ڈالنے مناسب نہیں۔

حقیقی جواب

یہاں تک جو کچھ جواب دیا گیا ہے یہ سرسری نظر سے دیا گیا ہے حقیقت کچھ اور ہے وہ یہ کہ اس حدیث میں باپ سے مراد اس عورت کا دادا ہے اور یہ عورت اکیلی نہیں تھی، بلکہ اس کا باپ بھی ساتھ تھا۔ اس کے باپ نے اس کو مسئلہ دریافت کرنے کے لئے ننگے منہ پیش کیا۔ جس سے اس کا مطلب یہ تھا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم اس کو دیکھ کر نکاح کے لئے پسند کریں، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی مرضی نہ ہوئی۔

حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری جلد ۷ صد ۲۲۲ میں قوی سند کے ساتھ ابو یعلیٰ کی ایک روایت ذکر کی ہے جس میں تصریح ہے کہ اس عورت کا باپ ساتھ تھا۔ اور اس کی غرض نکاح کی تھی۔ اور ظاہر ہے کہ نکاح کی غرض سے دیکھنا دکھانا جائز ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ پس اس حدیث کو عام طور پر منہ ننگا رکھنے کے لئے پیش کرنا اور اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ منہ ستر نہیں یہ بالکل غلط ہے اس روایت کے اصل الفاظ یہ ہیں۔ عَنِ الفضل بن عباس قَالَ كُنْتُ رِدْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَاءَ اَعْرَابِيٌّ مَعَهٗ بِنْتٌ لَهٗ حَسْنَاءُ فَجَعَلَ الْاَعْرَابِيُّ يَعْرِضُهَا لِرَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجَاءَ اَنْ يَتَزَوَّجَهَا وَجَعَلْتُ اَلْتَفِتُ اِلَيْهَا

---

[1] نظر دو طرح کی ہوتی ہے ایک بالتبع ایک بالقصد، پہلی جائز دوسری منع ہے مثلاً رستہ میں چلتے وقت یا مسجد میں باجماعت پڑھنے کے موقع پر یا مجلس وغیرہ میں عارضی طور پر مردوں پر نظر پڑتی ہے۔ مگر مقصود رستہ وغیرہ کا دیکھنا ہوتا ہے اس لئے یہ نظر جائز ہے اور اگر مقصود ہی مردوں کا دیکھنا ہو تو یہ نظر منع ہے۔ مشکوٰۃ کی حدیث میں پہلی ہے نہ دوسری کیونکہ مقصود نیزہ بازی کا دیکھنا تھا پس اس حدیث کو پیش کرنا ٹھیک نہیں۔

وَ یَأْخُذُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِرَأْسِیْ وَ کَانَ یُلَبِّیْ حَتّٰی رَمٰی جَمْرَۃَ الْعَقَبَۃِ. فضل بن عباس رضؓ کہتے ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے تھا ایک اعرابی آیا اس کے ساتھ اس کی خوبصورت لڑکی تھی وہ اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس لئے پیش کرتا تھا کہ نکاح کر لیں میں اس کی طرف دیکھنے لگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری گردن پھیرتے تھے، پھر آپ لبیک کہتے رہے یہاں تک کہ جمرہ عقبہ کو کنکر مارے اس روایت نے مطلب بالکل صاف کر دیا۔ اب کسی قسم کا شبہ نہ رہا۔

عبداللہ امرتسری روپڑی ۱۰ر جمادی الاول ۱۳۵۲ھ

طلاق کا بیان

طلاق ثلاثہ

سوال :۔ ایک شخص نے اپنی عورت کو طلاق دی، اور تین ماہ چھ دن کے بعد اس شخص نے برضامندی فریقین، پھر نکاح کر لیا حنفی علماء اس نکاح کو ناجائز قرار دیتے ہیں اس شخص کو کہتے ہیں کہ وہ حلالہ کرے کیا یہ جائز ہے؟

جواب :۔ سوال میں یہ ذکر نہیں کہ ایک وقت تین طلاقیں دی ہیں یا ایک دی یا پہلے کسی وقت دو دے چکا تھا۔ اور اب تیسری دی ہے اگر تین کی تعداد ایک مجلس میں یا متفرق طور پر پوری ہو گئی تو ائمہ رحؒ اربعہ کے نزدیک وہ عورت حرام ہو چکی ہے جب تک دوسری جگہ نکاح پڑھ کر دوسرا خاوند ہمبستری نہ کرے پہلے کے لئے حلال نہیں۔ ہاں بعض اہلحدیث اس طرف گئے ہیں کہ اگر ایک مجلس میں تین طلاقیں اکٹھی دے تو یہ ایک ہی طلاق ہے۔ تین حیض کے اندر رجوع ہو سکتا ہے تین حیض کے بعد برضامندی فریقین نکاح ہو سکتا ہے جب عورت کو حیض آتا ہو۔ تو مہینوں کا حساب معتبر نہیں، بلکہ حیضوں کا اعتبار ہے ان اہلحدیث کی دلیل ایک مسلم کی حدیث ہے جس کے راوی ابن عباس رضؓ ہیں فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور حضرت ابوبکر رضؓ کی خلافت میں اور شروع خلافت حضرت عمر رضؓ میں تین طلاقیں ایک ہوتیں ان کے مذہب پر گنجائش ہے کہ خاوند بیوی کا تعلق قائم رہے۔ عبداللہ امرتسری روپڑی

جماع والے طہر میں طلاق کا حکم

سوال ۔ چندروز ہوئے حضرت شاہ صاحب غریب خانہ پر تشریف فرما تھے یہاں ایک عورت کو تیسری طلاق ایسی حالت میں ملی جب کہ اس کی گود میں اڑھائی ماہ کی لڑکی تھی ۔رات کو میاں بیوی نے صحبت کی ۔ صبح عورت کے والد کے کہنے پر خاوند نے عورت کو تیسری طلاق دے دی چونکہ شیر خوارگی کی حالت میں حیض وغیرہ کی توقع نہیں ہوتی اس لئے مطلقہ کی عدت تین ماہ طے کی گئی بعد تین ماہ کے نکاح دوسرے سے کر دیا گیا۔ اس صورت میں شاہ صاحب نے فرمایا کہ نکاح صحیح نہیں ہے اس لئے عورت کو علیحدہ کر دینا چاہیئے وجہ یہ بیان فرمائی وَالّٰئِیْ یَئِسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ مِنْ نِّسَآئِکُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُھُنَّ ثَلٰثَۃُ اَشْھُرٍ وَّالّٰئِیْ لَمْ یَحِضْنَ (سورہ طلاق) تین ماہ کی عدت صرف نابالغ اور حیض سے ناامید بوڑھی عورتوں کے لئے ہے ۔اور عورت مذکورہ چونکہ جوان ہے اس لئے اس کی عدت حیض ہی سے شمار ہونی چاہیئے تھی ۔ اگرچہ طلاق کے چھ سات ماہ بعد ہی کیوں نہ حیض آتا ۔اور یہ بھی فرمایا کہ صحبت کے بعد چونکہ استبراء رحم ضروری ہے اور یہ شرط حیض ہی سے پوری ہوتی ہے چونکہ نکاح استبراء سے پہلے ہوا ہے اس لئے نکاح باطل ہے پس عورت کو ضرور علیحدہ کر دو ۔ بوالپسی جواز یا عدم جواز کے متعلق لکھ کر مشکور فرمائیے ۔ محمد اشرف سندوبلو کے لاہور

جواب ۔ جس عورت کے متعلق سوال کیا گیا ہے اس کو دوسرے مرد سے فوراً علیحدہ کر دینا چاہیئے ۔ کیونکہ نکاح ثانی بالکل صحیح نہیں اور طلاق میں بھی شبہ ہے کیونکہ یہ طلاق طہر میں ہمبستری کے بعد دی گئی ہے حالانکہ حکم ہے کہ جس طہر میں طلاق دینی ہو ۔ اس سے ہمبستری نہ کرے پس یہ طلاق بدعی ہے اور کئی علماء اس طرف گئے ہیں کہ طلاق بدعی واقعہ نہیں ہوتی چنانچہ نیل الاوطار جلد ۶ ص ۱۴۶ لغایت ص ۱۵۰ میں اس کی تفصیل ہے ابن حزم رح ۔ ابن القیم رح ۔ ابن تیمیہ رح وغیرہم کا یہی مذہب ہے ۔ اگر خاوند بیوی کو رکھنا چاہے تو ان لوگوں کے مذہب پر اس کو گنجائش ہے ۔ اور اگر نہ رکھنا چاہے تو بھی گنجائش ہے کیونکہ جمہور علماء اس طرف گئے ہیں کہ طلاق بدعی واقعہ ہو جاتی ہے دلائل دونوں جانب زبردست ہیں اس لئے ہر طرف گنجائش ہے اگر نہ رکھنا چاہے تو تین حیض کے بعد نکاح دوسری جگہ ہو سکتا ہے کیونکہ جس عورت کو حیض آنے کی امید ہو ۔ خواہ جلدی یا دیر سے اس کی عدت حیضوں کے ساتھ پوری ہوتی ہے حبان بن منقذ نے اپنی بیوی کو طلاق دی اس کی گود میں دودھ پیتا بچہ تھا ۔ ایک سال تک اس کو حیض نہیں آیا پھر حبان بن منقذ

بیمار ہو کر مر گیا۔ حضرت عثمان رضہ حضرت علی رضہ حضرت زید رضہ نے فیصلہ دیا کہ اس کی عدت پوری نہیں ہوئی۔ ملاحظہ ہو کتاب احکام القرآن لابن العربی جلد ۲ صہ ۲۶۵۔ اس سے معلوم ہوا کہ دودھ پلانے والی کی عدت حیضوں کے ساتھ ہے خواہ دیر سے آئے یا جلدی آئے۔

تنبیہ

اگر دونوں مذہب پر عمل کی گنجائش ہے۔ مگر خاوند کی حالت دیکھنا ضروری ہے اگر خاوند ظالم ہے اور عورت کو تنگ کرتا ہے اور عورت اس سے جُدا ہونا چاہتی ہے تو اس صورت میں جمہور کے قول کے مطابق اس عورت کو جدا کر دینا چاہیئے۔ اگر ایسا نہیں تو پھر عورت مرد کا میل کرا دینا چاہیئے غرض مصلحت دیکھ کر مناسب طریق پر عمل کرنا چاہیئے۔ کیونکہ بدعی طلاق میں دونوں طرف زبردست دلائل ہیں اس لئے مصلحت سے ایک جانب کو ترجیح دی جائے گی۔ اور یہی حکم ایک مجلس کی تین طلاق کا ہے۔ اور مصلحت دیکھنے کا ثبوت حدیث سے ملتا ہے۔ ملاحظہ ہو مشکوۃ باب تنزیہ الصوم فصل ۲ حدیث ۲۔

عبداللہ امرتسری از روپڑ ضلع انبالہ ۱۷ رفروری ۱۹۲۵ء

جبراً طلاق کا حکم

سوال۔ عمرو نکاح کے بعد تارک صوم وصلوٰۃ ہوگیا۔ شراب نوشی بھی کرتا ہے زید نے عمرو سے جبراً طلاق لکھوائی اور ہندہ کو کئی ماہ اپنے پاس رکھا اب عمرو اپنی کرتوت سے تائب ہوگیا۔ اور کہتا ہے کہ ہندہ کو میرے ہاں بھیج دو۔ لیکن زید کو عمرو کا اعتبار نہیں اور اس نے ایک حنفی سے ڈیڑھ سو روپیہ لے کر نکاح کر دیا۔ آیا طلاق واقعہ ہوئی یا نہیں؟

جواب۔ نیل الاوطار جلد ۶ صہ ۱۶۰ میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں رُفِعَ عَنْ اُمَّتِیَ الْخَطَاءُ وَالنِّسْیَانُ وَمَا اسْتُکْرِھُوا عَلَیْہِ اخرجہ ابن ماجۃ وابن حبان والدارقطنی والحاکم یعنی میری امت سے خطا اور نسیان اور جس پر جبر کئے جائیں معاف ہے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جبراً طلاق واقع نہیں ہوتی۔ اس قسم کی اور بعض روائتیں بھی منتقیٰ وغیرہ میں مذکور ہیں لیکن ایک شُبہ یہاں قوی ہے وہ یہ کہ تارک الصلوٰۃ بہت علماء کے نزدیک کافر ہو جاتا ہے اور جو شخص کافر ہو جائے اس کا نکاح فسخ ہو جاتا ہے تو اس بنا پر طلاق کی ضرورت ہی نہ رہی۔ عبداللہ امرتسری روپڑی

کیا غضب کی حالت میں دی گئی طلاق کا اعتبار ہے؟

سوال۔ زید نے اپنی بیوی کو حالتِ غصہ میں طلاق دیدی اور رجوع کر لیا پھر ایک برس کے بعد بیوی سے غصہ ہو کر طلاق دیدی اور پھر رجوع کر لیا۔ پھر دو ایک برس کے بعد آپس میں جھگڑا ہوا اور اس جھگڑے میں بیوی نے شوہر کو کہا کہ تیری ماں تیری بیوی ہے اب یہ بات سن کر اس کا خاوند غصہ ہو گیا اور طلاق دیدی اب تین طلاق کے بعد بیوی کو لے سکتا ہے یا نہیں؟

جواب۔ غصہ کی حالت میں طلاق ہو جاتی ہے کیونکہ طلاق عموماً غصہ میں ہوتی ہے ہاں اگر غصہ دیوانگی کی حد تک پہنچ گیا ہو اور اس کے ہوش و حواس بالکل قائم نہ رہے ہوں۔ یہاں تک کہ یہ بھی معلوم نہ ہو کہ میرے منہ سے کیا نکلا ہے کسی دوسرے نے بتایا کہ تو نے اپنی بیوی کو طلاق دی ہے خود اس کو پتہ نہیں۔ تو ایسی حالت میں طلاق واقعہ نہیں ہوئی کیونکہ وہ دیوانہ کے حکم میں ہے اور ایک حدیث میں لَا طَلَاقَ فِی اِغْلَاقٍ ہے اس کے معنیٰ ابوداؤد نے غضب کے کئے ہیں اگرچہ یہ معنی کمزور ہیں مگر جب اس حد کو غضب پہنچ جائے جس کا اوپر ذکر ہوا ہے۔ تو اس پر لغوی معنیٰ کے لحاظ سے اغلاق کا اطلاق آسکتا ہے پس اس حدیث سے اس بات کی تائید ہو جائے گی کہ اگر غضب مذکورہ بالا حد کو پہنچ جائے۔ تو طلاق نہیں ہوتی مگر غضب والی طبیعت کوئی شاذ و نادر ہی ہوتی ہے اور اس کا اتفاق بھی بہت کم ہوتا ہے سو اگر سوال کی صورت ایسی ہو۔ تو پھر تیسری طلاق واقع نہیں ہوگی اور عورت حلال رہے گی۔ عبداللہ امرتسری روپڑی

سوال۔ ایک شخص اپنی بیوی کو اس طرز پر طلاق دیتا ہے کہ ایک طلاق دے کر قبل از عدت رجوع کرتا ہے اور ایک سال یا کم و بیش مدت کے بعد دوسری طلاق دیتا ہے اور پھر رجوع کرتا ہے جب پھر مدت گزر جاتی ہے پھر اس کے گھر میں نزاع پیدا ہوتا ہے تو غصہ کی حالت میں اپنی بیوی کو تیسری طلاق کہہ دیتا ہے۔ پہلی دو طلاقوں میں جو اس نے رجوع کیا ہے وہ رجوع ان دو طلاقوں کو منسوخ کرتا ہے۔

جواب۔ جب تین طلاقیں متفرق ہوں تو عورت بالاتفاق حرام ہو جاتی ہے خواہ تھوڑی تھوڑی مدت کے بعد دے یا کئی سالوں میں دے اور خواہ درمیان میں رجوع کیا ہو یا نہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ یعنی تیسری طلاق کے بعد حلال نہیں، یہاں تک کہ کسی اور خاوند سے نکاح پڑھے۔ عبداللہ امرتسری روپڑی ۹ ربیع الثانی ۱۹۵۴ھ

نابالغ کی طلاق

سوال ۔ لڑکا لڑکی نابالغ تھے ۔جس وقت ان کی لڑکی کا نکاح کیا گیا تھا مگر کچھ عرصہ کے بعد لڑکی بالغہ ہوگئی اور لڑکا نابالغ رہا ۔ پھر ان میں عداوت ہوگئی پھر لڑکے کے باپ نے ولی ہو کر طلاق دیدی اور لڑکی نے طلاق لے لی ، آیا یہ طلاق ہوگئی ہے یا نہیں ؟ ۔

جواب ۔ امام احمدؒ کے مذہب پر لڑکا نابالغ باتمیز جو مرد و عورت کے تعلق کو سمجھتا ہو طلاق دے سکتا ہے صورتِ سوال میں اگر لڑکے سے طلاق حاصل کی جاسکے تو بہتر ورنہ لڑکے کے والد ہی کی طلاق کافی ہے ۔ جیسے مفقود الخبر میں حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ چار سال کے بعد اس کا ولی طلاق دیدے ۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

بیوی بالغہ اور خاوند نابالغ

سوال ۔ ایک عورت کا نکاح اس کے والد نے چودہ برس کی عمر میں کیا جس شخص سے نکاح کیا گیا اس کی عمر نکاح کے وقت سات برس کی تھی ۔ اب عورت کی عمر انیس برس کی ہے ۔ زوج کی عمر بارہ برس کی ہے زوج نابالغ ہونے کی وجہ سے عورت کی حسبِ خواہش نہیں عورت نکاح ثانی کی خواہش مند ہے نہ تو وہ آباد کرنے کے قابل ہے کہ عورت کو اپنے گھر آباد کر سکے ۔ اور نہ وہ طلاق دیتے ہیں زوج کے وارث اس زوج کی دوسری جگہ شادی کرنا چاہتے ہیں عورت اس بات کو گوارا نہیں کرتی وہ بہرصورت نکاح ثانی کی طالبہ ہے کیا ایسی صورت میں عورت کو نکاح فسخ کا اختیار ہے ۔

فتح محمد ولد اسماعیل پردیز نگر ڈاک خانہ بھوانی پور ریاست کپورتھلہ

جواب ۔ اگر نکاح کے وقت عورت چودہ سال کی ہو تو غالباً بالغہ ہوگی ۔ کیونکہ عورت چودہ سال کی عموماً بالغہ ہو جاتی ہے ۔ اس صورت میں دیکھنا چاہیئے ۔ کہ عورت اس نکاح پر راضی تھی یا ناراض اگر ناراض تھی تو اس کو اس نکاح کے رکھنے اور فسخ کرنے کا اختیار ہے کیونکہ حدیث میں ہے عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اِنَّ جَارِيَةً بِكْرًا اَتَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَتْ اَنَّ اَبَاهَا زَوَّجَهَا وَهِيَ كَارِهَةٌ فَخَيَّرَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رواہ ابوداؤد (مشکوٰۃ باب الولی) ایک کنواری

لڑکی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور ذکر کیا کہ اس کے باپ نے جبراً اس کا نکاح کر دیا ہے، اور وہ پسند نہیں کرتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اختیار دیدیا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو نکاح عورت کی رضامندی سے نہ ہو اس کے فسخ کرنے کا اس کو اختیار ہے۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی شرط ہے کہ نکاح کے بعد راضی نہ ہو گئی ہو اگر نکاح کے بعد راضی ہو گئی۔ تو نکاح پختہ ہو گیا اب اس کو توڑنے کا اختیار نہیں، اگر اس طرح اختیار ہو تو ساری عمر میں جب خاوند سے ناراض ہو نکاح توڑ لے گی۔ حالانکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں۔

اس کے علاوہ بریرہ رضہ جب آزاد ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بریرہ رضہ کو اپنے خاوند کے پاس رہنے نہ رہنے کا اختیار دیدیا اور ساتھ ہی فرمایا۔ اِنْ قَرِبَكِ فَلَا خِيَارَ لَكِ (مشکوٰۃ باب المباشرہ) یعنی تیرا خاوند اگر تیرے قریب آگیا تو پھر تجھے اختیار نہیں رہے گا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اختیار کی حد رضامندی ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بریرہ رضہ کو یہ فرمانا کہ تیرے قریب آگیا تو تجھے اختیار نہیں رہے گا۔ اس کا یہ مطلب تو ہو نہیں سکتا۔ کہ خواہ جبراً تیرے قریب آجائے تو بھی تجھے اختیار نہیں رہے گا، کیونکہ یہ تو بریرہ رضہ کے بس کی کوئی شے نہیں۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تیری خوشی سے تیرے قریب آگیا، تو تجھے اختیار نہیں رہے گا جس کا مقصد یہ ہے کہ کسی طرح سے تیری رضامندی پائی گئی تو پھر تجھے اختیار نہیں رہے گا۔ اور قریب آنے کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور پر اس لئے کیا کہ بریرہ رضہ کی بات چیت سے خاوند کے پاس نہ رہنے کی معلوم ہوتی تھی۔ چنانچہ مشکوٰۃ کے اسی باب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش وغیرہ کا ذکر ہے جو بریرہ رضہ کے خاوند کے لئے بریرہ رضہ کے پاس کی تھی۔

خلاصہ یہ کہ اگر عورت کا نکاح بغیر رضامندی ہو تو عورت کو فسخ کا اختیار ہے۔ اگر ایک دفعہ نکاح کے بعد راضی ہو گئی تو پھر اختیار نہیں۔ سو سوال کی صورت میں اگر چودہ سال کی عمر میں لڑکی بالغہ تھی اور اس کی رضامندی کے بغیر نکاح ہوا ہے اور نکاح کے بعد وہ بدستور ناراض رہی۔ اور خلوت نہیں ہوئی تو وہ مختار ہے۔ جہاں چاہے نکاح کر لے اگر نکاح کے بعد راضی ہو گئی، خواہ کسی کی سفارش سے یا ویسے تو پھر نکاح پختہ ہو گیا۔ اب فسخ ہونا مشکل ہے۔ لڑکے کے بالغ ہونے کے بعد دیکھا جائے۔ کہ وہ حقوق ادا کر سکتا ہے یا نہیں۔ اگر کر سکتا ہے تو پھر عورت کو طلاق لینے کا کوئی حق نہیں۔ اگر ادا نہیں کر سکتا تو عورت کو طلاق لینے کا

حق حاصل ہے۔

امام احمد بن حنبل رح۔ ہاں امام احمد رح کے مذہب پر دو صورتیں رہائی کی ہو سکتی ہیں۔

صورت اوّل لڑکا طلاق دیدے۔ کیونکہ امام احمد رح کے نزدیک طلاق کے لئے بالغ ہونا شرط نہیں بلکہ تمیز والا ہونا چاہیئے جس کو اتنا پتہ ہو کہ بیوی اس غرض کے لئے ہوتی ہے۔ اور طلاق سے بیوی جدا ہو جائے گی۔ کشاف القناع علی متن الامتناع میں ہے۔

يَصِحُّ الطَّلَاقُ مِنْ زَوْجٍ عَاقِلٍ مُخْتَارٍ وَلَوْ مُمَيِّزًا يَعْقِلُهُ دُوْنَ عَشْرٍ لِعُمُوْمِ قَوْلِهٖ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ اَنَّ الطَّلَاقَ لِمَنْ اَخَذَ بِالسَّاقِ وَقَوْلِهٖ كُلُّ الطَّلَاقِ جَائِزٌ اِلَّا طَلَاقَ الْمَعْتُوْهِ وَالْمَغْلُوْبِ عَلٰى عَقْلِهٖ وَعَنْ عَلِيٍّ رض اُكْتُمُوا الصِّبْيَانَ النِّكَاحَ فَيُفْهَمُ اَنَّ فَائِدَتَهٗ اَنْ لَّا يُطَلِّقُوْا وَلِاَنَّهٗ طَلَاقٌ مِنْ عَاقِلٍ صَادَفَ مَحَلَّ الطَّلَاقِ فَوَقَعَ كَطَلَاقِ الْبَالِغِ (کشاف القناع جلد ۳) یعنی خاوند عاقل مختار کی طلاق صحیح ہے خواہ وہ دس سال سے کم عمر کا ہو۔ مگر تمیز والا ہو اور طلاق کو سمجھتا ہو۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان کہ طلاق کا اختیار عورت کی پنڈلی پکڑنے والے (خاوند) کو ہے یہ عام ہے اس میں بالغ غیر بالغ میں کوئی فرق نہیں کیا۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ دیوانہ اور جس کی عقل ٹھکانے نہ ہو۔ ان دونوں کے سوا ہر قسم کی طلاق نافذ ہو جاتی ہے اور حضرت علی رض سے روایت ہے کہ لڑکوں سے نکاح چھپاؤ۔ پس اس سے یہ فائدہ سمجھا جاتا ہے یہ کہ نہ طلاق دیں اور اس لئے کہ عاقل کی طلاق محل طلاق کے موافق ہوتی ہے پس اس کی طلاق بالغ کی طلاق جیسی ہوتی ہے۔ حضرت علی رض کا یہ فرمان اس وجہ سے ہے کہ کہیں ان کو پتہ لگ گیا تو بے پرواہی کی وجہ سے طلاق دے دیں گے اگر لڑکے کی طلاق نافذ نہ ہوتی تو حضرت علی رض کو اس کے فرمانے کی کیا ضرورت تھی۔ اس کے علاوہ جب لڑکا عاقل ہے اور بیوی طلاق کا محل ہے تو پھر جیسے بالغ کی واقع ہو جاتی ہے۔ اس لئے لڑکے کی بھی واقع ہو جائے گی۔

صورت دوم

لڑکے کا ولی طلاق دیدے ولی کو جب معلوم ہو جائے کہ لڑکی لڑکے کے گھر بسنے والی نہیں اور لڑکے کے حق میں بہتر یہی ہے کہ اس کو چھوڑ دیا جائے تو اس صورت میں ولی لڑکے کے قائم مقام ہو کر طلاق دے سکتا ہے۔ ابن تیمیہ علیہ الرحمۃ اختیارات میں لکھتے ہیں۔

وَيَصِحُّ الطَّلَاقُ مِنَ الزَّوْجِ وَعَنِ الْاِمَامِ اَحْمَدَ رِوَايَةٌ وَمِنَ الْعَبْدِ الصَّبِيِّ وَالْمَجْنُوْنِ

وَسَيِّدِ هِمَا وَلَعَلَّ الْعِبَارَةَ الصَّحِيحَةَ وَمِنَ الْعَبْدِ وَالصَّبِيِّ وَسَيِّدِ هِمَا وَذِكْرُ الْمَجْنُونِ غَلَطٌ فَإِنَّ الْمُطَلِّقَ لَابُدَّ أَنْ يَكُوْنَ عَاقِلاً كَمَا مَرَّ فِي عِبَارَةِ كَشْفِ الْقِنَاعِ وَالَّذِي يَجِبُ أَنْ يُسَوّٰى فِي هٰذَا الْبَابِ بَيْنَ الْعَقْدِ وَالْفَسْخِ فَكُلُّ مَنْ مَلَكَ الْعَقْدَ عَلَيْهِ مَلَكَ الْفَسْخَ عَلَيْهِ فَإِنَّ هٰذَا قِيَاسُ هٰذِهِ الرِّوَايَةِ وَهُوَ مُوْجِبُ شَهَادَةِ الْأُصُوْلِ (کتاب الاختیارات)

یعنی خاوند کی طرف سے طلاق صحیح ہے اور امام احمدؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ غلام اور لڑکے کی طلاق بھی صحیح ہے اور ان کے ولی کی بھی صحیح - اصول اس بارہ میں یہ ہے کہ جو عقد کا مالک ہے وہ فسخ کا بھی مالک ہے غلام اور لڑکے کا چونکہ ولی نکاح کراتے ہیں اس لئے ان کو طلاق کا بھی اختیار ہوگا۔ اگر غلام کا آقا اور لڑکے کا ولی طلاق میں غلام کی اور لڑکے کی مصلحت دیکھیں تو طلاق دے سکتے ہیں امام احمدؒ کی اس روایت کا قیاس اس کو چاہتا ہے اور اصول کا مقتضیٰ بھی یہی ہے۔

دارقطنی میں ہے۔

عَنْ اَبِي عُثْمَانَ قَالَ اَتَتِ امْرَأَةٌ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ فَقَالَتِ اسْتَهْوَتِ الْجِنُّ زَوْجَهَا فَأَمَرَهَا أَنْ تَتَرَبَّصَ أَرْبَعَ سِنِيْنَ ثُمَّ أَمَرَ وَلِيَّ الَّذِي اسْتَهْوَتْهُ الْجِنُّ أَنْ يُطَلِّقَهَا ثُمَّ أَمَرَهَا أَنْ تَعْتَدَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا دارقطنی ص۴۲۱ یعنی ابی عثمان سے روایت ہے کہ عمرؓ بن خطاب کے پاس ایک عورت آئی اس نے کہا کہ میرے خاوند کو جن لے گئے ہیں حضرت عمرؓ نے فرمایا چار سال انتظار کر پھر اس کے خاوند کے ولی کو حکم دیا کہ اس عورت کو طلاق دیدے پھر عورت کو حکم دیا کہ چار ماہ دس روز عدت بیٹھے۔

نیز دارقطنی میں ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ وَجَدُوْا فِي كِتَابِ عُمَرَ إِذَا مَاعَبَثَ طَلَّقَ عَنْهُ وَلِيُّهُ (ص۵۳)

یعنی عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں حضرت عمرؓ کی کتاب میں یہ لکھا پایا کہ جب دیوانہ بیوی سے فضول حرکت کرے تو دیوانہ کا ولی عورت کو طلاق دیدے۔ ان روایتوں سے بھی امام احمدؒ کے مذہب کو تائید ہوئی کہ ضرورت کے وقت ولی بھی طلاق دے سکتا ہے۔ اگرچہ یہ روائیتیں دیوانے کے بارہ میں یا گم شدہ خاوند کی بابت ہیں لیکن وہی ضرورت بعض دفعہ لڑکے کی بابت پیدا ہو جاتی ہے۔ پس اس کا بھی یہی حکم ہوگا۔

نابالغی کا نکاح و نکاح بالجبر

یہاں تک تو جو کچھ ذکر ہوا ہے وہ اس بناء پر ہے کہ لڑکی چودہ سال کی عمر میں بالغ ہو گئی ہو اگر بالغ نہ ہوئی ہو تو پھر اس کو خیار بلوغ حاصل ہے پس وہ بالغہ ہو کر مختار ہے۔ عبداللہ امرتسری روپڑی

میرا تیرا کوئی علاقہ نہیں ان الفاظ سے طلاق پڑ جاتی ہے؟

سوال ۔ ایک شخص نے چار پانچ سال سے اپنی عورت کو بہت تکلیف میں رکھا ہوا ہے آباد تو کرتا ہے مگر بہت بدسلوکی کے ساتھ تین چار دفعہ تو اسے گھر سے ہی نکال دیا۔ اور ساتھ یہ بھی کہتا رہا کہ میں اس کو آباد نہیں کروں گا۔ اب عرصہ ایک سال کا ہو گیا ہے کہ عورت کا زیور اور جوتی بھی اس سے چھین لی ہے اور عورت کا ہاتھ پکڑ کر گھر سے باہر کر دیا ہے اور منہ سے یہ کلمات کہے ہیں کہ میرا اور تیرا کوئی علاقہ نہیں میں تجھ کو نہیں چاہتا۔ کیا ایسا کہنے سے طلاق پڑ جائے گی؟ عورت سے رجوع ہو سکتا ہے؟

باقر جھوک دادو طور، چک نمبر ۲۴۴ ڈاکخانہ منڈی تاندلیانوالا ضلع لائلپور

جواب ۔ خاوند کے یہ الفاظ کہ میرا تیرا کوئی علاقہ نہیں اس لئے گھر سے نکال رہا ہوں۔ یہ شرعاً طلاق ہے عدت کے بعد عورت کو اختیار ہے کہ جہاں چاہے نکاح کر لے۔ اب اور طلاق کی ضرورت نہیں۔ حنفی مذہب کی رو سے یہ طلاق بائنہ ہے۔ جس میں عدت کے اندر خاوند کو رجوع کا حق نہیں رہتا کیونکہ یہ طلاق کنایہ ہے۔ جو ایسے الفاظ کے ساتھ بائنہ واقع ہوتی ہے جو قطع تعلق پر دلالت کرتے ہیں جیسے میرا تیرا کوئی علاقہ نہیں اور جن کے نزدیک یہ رجعی ہے تو ان کے نزدیک بھی خاوند کا رجوع صحیح نہیں

کیونکہ رجوع اگر عدت کے بعد کیا ہے یعنی جب لینے آیا ہے اس وقت تین حیض گزر چکے تھے تو اس صورت میں رجوع صحیح نہیں کیونکہ حق رجوع عدت کے اندر ہے اور اگر تین حیض پورے نہیں ہوئے اور اس سے پہلے اس نے رجوع کر لیا ہے تو بھی معتبر نہیں کیونکہ جب ارادہ بسانے کا نہ ہو محض دکھ دینا چاہے تو یہ شرعاً رجوع نہیں۔ قرآن مجید میں ہے۔ وَبُعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِي ذَٰلِكَ إِنْ أَرَادُوا إِصْلَاحًا۔ یعنی خاوند عدت کے اندر رجوع کے بہت حق دار ہیں۔ بشرطیکہ وہ اصلاح کا ارادہ کریں۔ اس آیت کریمہ میں خدا تعالیٰ نے اصلاح کی شرط کی ہے جب دکھ دینا چاہے تو اس آیت کی رو سے اس کا رجوع بالکل صحیح نہیں۔

پس ہر مذہب پر عورت آزاد ہو چکی ہے۔ جہاں چاہے عدت کے بعد نکاح کر سکتی ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی ضلع انبالہ

طلاق کنائی

سوال ۔ میں تجھے نہیں رکھتا یا اس قسم کا کوئی لفظ کہنے سے طلاق پڑ جاتی ہے یا نہیں۔

جواب ۔ خاوند کے الفاظ کہ میں اس کو نہیں رکھتا یہ طلاق ہے۔ طلاق کے لئے لفظ طلاق شرط نہیں عدت کے بعد لڑکی دوسری جگہ نکاح لے سکتی ہے۔ عبداللہ امرتسری روپڑی

میں نہ آباد کروں گا نہ بساؤں گا

سوال ۔ بکر کا نکاح زینب سے ہوا پھر آپس میں اختلاف ہو گیا بکر نے اپنے والد کو مجبور کیا اور کہا کہ زینب کو اس کے بھائی کے گھر چھوڑ آؤ۔ بکر کا والد زینب کے گھر چھوڑ آیا۔ زینب کے بھائی نے بکر کو سمجھایا۔ کہ زینب کو لے آؤ۔ مگر بکر نے ایک نہ مانی زینب بالغ ہے اور بکر آباد نہیں کرتا اور کہتا ہے طلاق نہ دوں گا اب کیا کرنا چاہیئے۔ بکر کے یہ الفاظ کہ میں نہ طلاق دوں گا نہ آباد کروں گا۔ ان الفاظ سے نکاح ٹوٹتا ہے یا نہیں؟

جواب ۔ کسی شخص کا اپنی بیوی کو یہ کہنا کہ نہ میں تجھے طلاق دوں گا۔ نہ آباد کروں گا۔ اس سے طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ کیونکہ یہ کہنا کہ میں آباد نہیں کروں گا یہ بعینہ طلاق ہے پس بکر کا یہ کہنا کہ میں طلاق نہیں دوں گا۔ بیوقوفی ہے کیونکہ طلاق کا مطلب عورت کو چھوڑ دینا ہے۔ سو اس کے کہنے سے کہ میں تجھے آباد نہیں کروں گا۔ چھوڑنا سمجھا گیا پس طلاق پڑ گئی قرآن مجید میں ہے یَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ إِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا ۔ اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی بیویوں کو کہہ دے کہ اگر تم حیات دنیا اور اس کی زینت چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں چھوڑ دوں۔ چھوڑنا اچھا۔ یہ آیت ازواج مطہرات کے طلاق دینے کی بابت اتری ہے۔ مگر طلاق کا لفظ استعمال نہیں کیا بلکہ چھوڑنے کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کوئی لفظ بول دے جس کا مطلب چھوڑنا ہو بس اس سے طلاق ہو جائے گی۔ حضرت عمر رضی کی خلافت کے زمانہ کا واقعہ ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی چھوڑنے کی نیت سے حَبْلُكِ عَلَىٰ غَارِبِكِ کہہ دیا۔ یعنی تیری رسی تیرے کندھے پر، تو حضرت عمرؓ اور حضرت علی رضی نے اس

ف "میں تجھے نہیں رکھتا" اس کلمہ میں طلاق اور وقتی تفریق کا ہر دو معنی کا احتمال ہے۔ اس کلمہ کے قائل کی نیت پر انحصار ہے۔ اگر نیت طلاق کی ہے تو طلاق ہے ورنہ وقتی تفریق۔ (م)

کے متعلق یہی فتویٰ دیا کہ تیری عورت تجھ سے جدا ہو گئی۔

عبداللہ امرتسری روپڑی ضلع انبالہ مورخہ ۱۷ شعبان ۱۳۵۵ھ

دو مجلس میں الگ الگ طلاقیں

سوال ۔ ایک شخص نے ایک دفعہ اپنی زوجہ کے والد کے سامنے پھر اسی وقت اپنے مکان پر جاکر اپنی زوجہ کو طلاق دی اور طلاق کا لفظ تین چار مرتبہ کہہ دیا۔ تو کیا اس صورت میں طلاق ہوئی یا نہیں ؟

جواب ۔ سوال میں ذکر ہے کہ طلاق دو مرتبہ علیحدہ علیحدہ مقام پر دی گئی ایک ہی مجلس کی دو یا تین طلاقیں بہت علماء کے نزدیک ایک ہی شمار ہوتی ہیں۔ جس کی دلیل ان علماء کے ہاں مسلم شریف کی ابن عباس رضہ والی حدیث ہے لیکن متعدد مجالس کی دو یا تین طلاقیں متعدد ہی شمار ہونی چاہئیں۔ پس مندرجہ بالا صورت میں دو مقام میں جو متعدد طلاقیں دی گئی ہیں وہ دو ہی شمار ہوں گی دو کے بعد عدت کے اندر رجوع ہو سکتا ہے اگر تیسری طلاق دیدی۔ تو عورت حرام ہو جائے گی ہاں جن کے نزدیک طلاق بدعی واقع نہیں ہوتی ان کے نزدیک حرام نہیں ہوگی۔

عبداللہ امرتسری مدیر تنظیم از روپڑ ۲۸ اگست ۱۹۳۹ء

حاملہ کو تین مجلسوں میں ایک ایک گھنٹہ کے فاصلہ سے تین طلاقیں دی گئیں

اُن کا حکم

سوال ۔ زید نے اپنی زوجہ مدخول بہا کو تین مجالس میں تین کاغذوں پر تین گھنٹے میں تین طلاقیں تحریر کر دیں۔ اب سوال یہ ہے کہ اس قسم کی تین طلاقیں تین ہوں گی۔ یا ایک؟ اگر ایک ہو تو سنی ہو گی۔ یا بدعی اگر صورت مسئولہ میں غیر حبلیٰ ہو تو کیا حکم ہو گا اور طریقہ طلاق حبلیٰ کا کیا ہے؟

جواب ۔ منتقیٰ "باب النھی عن الطلاق فی الحیض" میں ابن عمر رضہ کی حدیث میں ہے ثُمَّ لِيُطَلِّقْهَا طَاهِرًا أَوْ حَامِلًا۔ رواہ الجماعۃ الا البخاری یعنی طلاق طہر میں دے یا حمل میں ——— اس سے معلوم ہوا کہ طہر یا حمل میں دی گئی طلاق سنی ہے بدعی نہیں۔ جب حمل طہر کے حکم میں ہوا تو جیسے ایک

طہر میں تین طلاقیں بدعت ہیں۔ اسی طرح ایک حمل میں تین طلاقیں بدعت ہوں گی بلکہ ہر طہر میں ایک طلاق دینا یہ بھی حدیث کے خلاف ہے کیونکہ حدیث میں طلاق کو ابغض الحلال کہا گیا ہے ہر طہر میں ایک طلاق دینے تک اس کی پہلی طلاق کی عدت قریب الاختتام ہوگی اور اس عدت کے ختم ہوتے ہی عورت اپنے خاوند سے جدا ہو جائے گی۔ کیونکہ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔ وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ الایۃ یعنی مطلقہ عورتیں تین حیض انتظار کریں اور ان کے رحموں میں خدا تعالیٰ نے خون حیض یا حمل جو کچھ پیدا کیا ہے اگر وہ خدا اور رسول پر ایمان رکھتی ہیں تو اس کو نہ چھپائیں اور اس عدت کے دنوں میں خاوند زیادہ حق رکھتے ہیں کہ عورتوں کو اپنی طرف پھیر لیں یعنی رجوع کر لیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ طلاق رجعی سے عدت کے بعد عورت جدا ہو جاتی ہے خواہ ایک ہی ہو۔ پس جب ایک ہی طلاق جدائی کے لئے کافی ہے تو پھر خواہ مخواہ اَبْغَضُ الحلال کو بار بار استعمال کرنا تاکہ حرمت مغلظہ پیدا ہو جائے یہ کیونکر درست ہوگا۔ اور اگر اس سے حرمت مغلظہ پیدا نہیں ہوتی تو پھر یہ کتاب اللہ کے ساتھ استہزاء ہے جیسے کوئی سو طلاق دیدے بہر صورت طہر میں بھی طلاق سنت کے مطابق نہیں جب طہر میں طلاق سنت کے مطابق نہ ہوئی حالانکہ درمیان حیض کا فاصلہ ہے تو پھر ایک حمل میں تین کس طرح جائز ہوں گی۔ پس جن طلاقوں کا سوال میں ذکر ہے ان سے پہلی تو اپنے محل پر ہے اور مسنون ہے اور دوسری بلاشبہ بدعی ہے اب بدعی کا حال سنیئے۔

بدعی طلاق

اس میں سخت اختلاف ہے جمہور تو کہتے ہیں کہ بدعی طلاق واقع ہو جاتی ہے امام باقرؒ۔ امام صادقؒ امام ابن حزمؒ امام ابن تیمیہؒ۔ امام ابن القیمؒ اور بعض تابعینؒ کہتے ہیں واقع نہیں ہوتی۔ نیل الاوطار جلد ۶ ص۱۴۶ تا ص۱۵۰۔ فریقین کا مدار ابن عمرؓ کی روایت پر ہے انہوں نے حیض میں طلاق دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو آپؐ نے رجوع کا حکم دیا۔ اب اس طلاق کے متعلق مختلف روائتیں ہیں۔ ایک روایت میں ہے ابن عمرؓ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ هِيَ وَاحِدَةٌ یعنی ایک طلاق شمار ہوگی۔ اور ایک روایت میں ہے۔ رَدَّهَا عَلَيَّ وَلَمْ يَرَهَا شَيْئًا یعنی عورت کو مجھ پر لوٹا دیا اور اس طلاق کو کچھ نہ سمجھا اور ایک روایت میں ہے آپؐ نے فرمایا لَيْسَ بِشَيْءٍ یعنی یہ طلاق کچھ نہیں اور ابن حزمؒ

محلی میں نافع رح سے روایت کیا ہے کہ ابن عمر رض نے طلاق حائضہ کی بابت کہا۔ لَا یُعْتَدُّ بِذَالِکَ یعنی یہ شمار نہیں ہوگی، اور ابن عبدالبر نے عامر شعبی رح سے روایت کیا ہے لَا یعتد بها فی قول ابن عمر رض یعنی عامر شعبی رح کہتے ہیں، ابن عمر رض کے قول میں طلاق حائضہ شمار نہیں ہوگی۔ جمہور نے ھی واحدۃ والی روایت کو لیا ہے اور باقی روایتوں کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اس کو کچھ نہیں دیکھا۔ یعنی کوئی معتبر شئے نہیں سمجھا۔ جو مسنون طریق پر ہو اور اس سے رجوع ضروری نہ ہو۔ امام خطابی رح نے یہ تاویل کی ہے اور امام بیہقی رح نے امام شافعی رح سے بھی اسی کے قریب قریب تاویل نقل کی ہے امام باقر رح اور امام صادق رح وغیرہ انہی روایتوں کو لیتے ہیں۔ اور ان کی کوئی تاویل نہیں کرتے۔ اور ھی واحدۃ والی روایت کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ سند میں ان روایتوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی اور بات بھی یہی ہے کہ سند کے لحاظ سے ان کو ترجیح ہے۔ نیل الاوطار میں ترجیح سند کے علاوہ ان سے ترجیح کی اور وجوہات بھی نقل کی ہیں۔ مگر موافقت ہر صورت میں بہتر ہے اس لئے جمہور کا قول بہتر معلوم ہوتا ہے، صاحب فتح الباری کا بھی یہی فیصلہ ہے نیل الاوطار میں ہے۔ قَالَ فِی الْفَتْحِ مُتَعَیِّنٌ وَھُوَ اَوْلٰی مِنْ تَغْلِیْطِ بَعْضِ الرُّوَاۃِ یعنی فیصلہ شدہ بات موافقت ہی ہے کیونکہ ترجیح کی صورت میں بعض کو غلطی پر کہنا پڑے گا۔ بس ترجیح سے موافقت بہتر ہوئی ہاں اگر ھی واحدۃ والی روایت، کو سیاست اور زجر پر حمل کیا جائے، جیسے حضرت عمر رض کی ایک مجلس کی تین طلاق کو نافذ کرنے کی بابت کہا جاتا ہے تو اس صورت میں امام باقر رح امام صادق رح وغیرہ کا قول بہتر ہوگا۔ کیونکہ اس صورت میں ان کے قول پر بھی موافقت ہو جائے گی، ایک روایت میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حیض میں طلاق دینے کی وجہ سے ابن عمر رض پر ناراض ہوگئے، گویا اتنے بڑے جلیل القدر صحابی رض سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں ایسی بے احتیاطی مناسب نہ تھی، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوئے اس سے بھی کچھ تائید ہوتی ہے، کہ ھی واحدۃ والی روایت سیاست اور زجر پر محمول ہے۔ ابن عمر رض کی اسی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن عمر رض کو اس (حیض کی) طلاق سے رجوع کا حکم دیا اور فرمایا، اگر طلاق دینی ہو تو اس حیض کے بعد طہر اور اس طہر کے بعد حیض گزار کر آئندہ طہر میں جماع سے پہلے طلاق دے، بعض نے اس کو سیاست اور زجر پر محمول کیا ہے کیونکہ جب طہر میں طلاق کا حکم ہے جس میں جماع نہ کیا ہو، تو اس میں پہلا طہر اور آئندہ طہر برابر ہے تو پھر آئندہ طہر کہنے کی کیا ضرورت تھی معلوم ہوتا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس جلد بازی پر ناراض ہوئے کہ طہر کی انتظار نہ کی،

تو ابن عمرؓ کو اس عورت کو ایک خاص مدت تک پاس رکھنے کی سزا دی اور اس میں یہ فائدہ بھی تھا کہ حمل کا پتہ لگ جائے اور اس وجہ سے طلاق سے رک جائے۔ یا آئندہ طہر تک شاید آپس میں محبت پیدا ہوجائے اور طلاق تک نوبت ہی نہ پہنچے۔ نیز اس سے رجوع کا فائدہ ظاہر ہوجائے کیونکہ رجوع کرکے کچھ مدت پاس رکھے تب ہی دل کا رنج دور ہونے کی امید ہوسکتی ہے اگر رجوع کرکے جلدی طلاق دیدی جائے تو ایسا رجوع بیکار ہے غرض اس قسم کے فوائد تھے۔ جن سے ایک سیاست اور زجر بھی ہے جیسے آئندہ طہر تک رکھنے کا حکم زجراً ہوسکتا ہے۔ اس طرح اس طلاق کا نافذ کرنا بھی زجراً ہوسکتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ فریقین کے دلائل قریب قریب مساوی ہیں اس لئے صاف فیصلہ کسی جانب نہیں ہوسکتا۔ پس اس موقعہ پر مصلحت دیکھنی چاہیئے اگر خاوند ظالم ہے اور عورت جدائی چاہتی ہے تو جمہور کے مذہب پر عمل کیا جائے۔ ورنہ مصالحت ہر صورت بہتر ہے۔

عبداللہ امرتسری از روپڑ ضلع انبالہ ۲۷ رمضان ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۳ دسمبر ۱۹۳۶ء

تین طلاق کا مالک یا دو طلاق کا

سوال ۔ ہندہ کو زید نے ایک طلاق دی اور عدت بھی گزر گئی اب زید ہندہ کو اپنی زوجیت میں لے سکتا ہے یا نہیں بعد عقد ثانی زید مستحق تین طلاق ہوگا یا نہیں؟

جواب ۔ عدت کے بعد زید ہندہ کو ہندہ کی رضامندی سے نکاح کرسکتا ہے چنانچہ آیت کریمہ وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوفِ" اس بارہ میں اتری ہے یعنی تم اپنی عورتوں کو طلاق دو پس وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں۔ یعنی ان کی عدت پوری ہوجائے تو ان کو دوبارہ نکاح سے نہ روکو۔ جب کہ وہ اچھی طرح آپس میں راضی ہوجائیں رہی یہ بات کہ یہ طلاق شمار ہوگی یا نہیں اور اب وہ کتنی طلاقوں کا مالک ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تین طلاق شمار ہوگی اور اس کے بعد دو طلاقیں اور دے سکتا ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے۔ اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ کے بعد فرمایا فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ یعنی تیسری طلاق کے بعد پہلے خاوند کے لئے عورت حلال نہیں۔ جب تک کہ اور جگہ نکاح نہ کرلے۔ اس میں یہ شرط نہیں کہ یہ تین طلاقیں ایک ہی نکاح میں ہوں یا متعدد نکاحوں میں ہوں اس سے معلوم ہوا کہ سوال کی صورت میں نکاح کے بعد دو ہی طلاقوں کا مالک ہوگا۔ اور اس میں کسی کا اختلاف بھی نہیں صرف ایک صورت میں امام

شافعی رح کا اختلاف ہے وہ یہ کہ عدت کے بعد عورت پہلے خاوند سے نکاح نہ کرے، بلکہ کسی اور جگہ نکاح کرلے پھر دوسرا خاوند طلاق دیدے یا مرجائے اس کے بعد پہلے خاوند سے نکاح کرے تو کیا اب پہلا خاوند تین طلاقوں کا مالک ہوگا. یا پہلی طلاق شمار ہوکر صرف دو طلاقوں کا مالک ہوگا. امام شافعی رح وغیرہ کہتے ہیں. تین کا مالک ہوگا. اور دوسرے کہتے ہیں. دو کا مالک ہوگا چنانچہ اصول فقہ میں یہ مسئلہ بہت تفصیل سے مذکور ہے اور سوال کی صورت چونکہ باقی صورتوں سے ہے اس لئے اس میں بھی کوئی اختلاف نہیں.

عبداللہ امرتسری، روپڑی ۲۲ر رمضان المبارک ۱۳۵۶ھ

جو طلاق عورت تک نہ پہنچے وہ واقع ہوجاتی ہے؟

سوال ۔ ایک شخص نے طلاق لکھ کر اپنے برادر خورد کی تحویل میں رکھی. پانچ سال کے بعد تنازعاتِ خانگی کے سلسلے میں برآمد ہوئی. لیکن اصل حالات صیغہ راز میں ہیں یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ اس تحریر کی خاص کیا ضرورت تھی. پانچ سال بعد عورت کو پتہ چلا. جب سے وہ جانے سے انکاری ہے. کیا طلاق نامہ لکھتے وقت طلاق واقع ہوئی یا جب عورت نے طلاق نامہ دیکھا یا سنا اس وقت طلاق واقع ہوئی.

عبدالمجید روپڑ

جواب ۔ اگر خاوند نے تحریر لکھ کر اپنے برادرِ خورد کے پاس امانت رکھی یا اس کو وکیل بنایا کہ یہ پہنچا دے اور اس نے نہیں پہنچائی تو ان دونوں صورتوں میں طلاق واقع نہیں ہوئی. کیونکہ اپنے محل پر نہیں پہنچی بلکہ رستہ میں رہ گئی. بیوی تک طلاق کا پہنچنا ضروری ہے. خواہ کسی ذریعہ سے پہنچے کیونکہ عدت کا تعلق عورت سے ہے طلاق کی خبر پہنچے بغیر وہ اس حکم کی تعمیل نہیں کرسکتی. اور اگر برادرِ خورد کا برادرِ کلاں کی بیوی کا مختار سمجھا جائے. یا برادرِ کلاں کا برادرِ خورد کو تحریر دینا اس لئے درست ہو کہ برادرِ خورد گواہ ہوجائے تو اس صورت میں طلاق واقع ہوگئی، مگر اس تحریر دینے کے بعد اگر عدت کے اندر خاوند کے ہاں بیوی کی آمد و رفت ہوگئی تو طلاق سے رجوع ہوگیا اور رجوع کی صورت میں دوسرے نکاح کی ضرورت نہیں پہلا ہی نکاح کافی ہے. قرآن مجید میں ہے. وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِیْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا۔ یعنی خاوند عدت کے اندر رجوع کے زیادہ حق دار ہیں بشرطیکہ آباد کرنے کی نیت ہو

عبداللہ امرتسری روپڑی

کنایہ کے الفاظ سے طلاق رجعی واقع ہوگی یا بائنہ

سوال ۔ طلاق دینے کے وقت لفظ طلاق کے علاوہ اور لفظ استعمال کئے جائیں جن کا مفہوم طلاق کا ہو اس سے طلاق رجعی[1] پڑے گی یا بائنہ؟

جواب ۔ طلاق بالکنایہ میں اختلاف ہے بعض کے نزدیک اس میں عدت کے اندر رجوع ہو سکتا ہے بعض کے نزدیک نہیں، بہرصورت اگر رجوع کرنا چاہے تو گنجائش نکل سکتی ہے۔ بشرطیکہ نیت آباد کرنے کی ہو، اور جن کے مذہب میں رجوع نہیں ہو سکتا ان کے نزدیک دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے مگر اس میں فریقین کی رضامندی شرط ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

مرض موت میں طلاق کا حکم

سوال ۔ مرض موت میں جو طلاق دی جائے اس کا کیا حکم ہے؟

جواب ۔ مرض وفات کی طلاق کا اعتبار نہیں، بلکہ مرض وفات سے پہلے کی طلاق معتبر ہوتی ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

تو مجھ پر حرام ہے اس کا حکم

سوال ۔ زید کو اپنی بیوی کا یہ کہنا کہ تو مجھ پر حرام ہے اس کا کیا حکم ہے؟ جب کہ مارپیٹ کے اس کو گھر سے نکال دیا ہے اور قرآن ہاتھ میں لے کر قسم کھا چکا ہے کہ تم مجھ پر حرام ہے پانچ ماہ کے بعد اس نے عدالت میں بازو کا دعویٰ کر دیا ہے۔

جواب تلخیص الجبیر میں ہے۔ اِخْتَلَفَ الصَّحَابَةُ فِی لَفْظِ الْحَرَامِ فَذَهَبَ اَبُوْ بَكْرٍ وَّعَائِشَةُ اِلٰى اَنَّهٗ يَمِيْنٌ وَّكَفَّارَتُهٗ كَفَّارَةُ يَمِيْنٍ وَذَهَبَ عُمَرُ اِلٰى اَنَّهٗ صَرِيْحٌ فِی الطَّلَقَاتِ وَقَالَ بِهٖ عَلِیٌّ وَزَيْدٌ وَاَبُوْ هُرَيْرَةَ ۔ یعنی حرام کے لفظ میں صحابہ رض کا اختلاف ہے حضرت ابوبکر رض حضرت عائشہ رض

---

[1] رجعی وہ ہے جس میں خاوند رجوع کر سکتا ہے بائنہ جس میں رجوع نہیں کر سکتا۔

کہتی ہیں کہ یہ قسم ہے اور اس میں قسم کا کفارہ ہے اور حضرت عمرؓ کہتے ہیں اس سے تین طلاقیں پڑجاتی ہیں حضرت علیؓ حضرت زیدؓ حضرت ابوہریرہؓ کا بھی یہی مذہب ہے۔ نیز تلخیص الجبیر میں ہے۔

اَمَّا ابْنُ مَسْعُوْدٍ نَرَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ مِنْ طُرُقٍ مِنْهَا نِيَّتُهٗ فِي الْحَرَامِ مَا نَوٰى اِنْ لَّمْ يَكُنْ نَوٰى طَلَاقًا فَهِيَ يَمِيْنٌ۔

یعنی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے بیہقی نے کئی سندوں سے روایت کیا ہے کہ حرام کے لفظ میں نیت کا اعتبار ہے اگر طلاق کی نیت کرے تو طلاق ہے (اگر) طلاق کی نیت نہ کرے تو قسم ہے۔

شرح وقایہ میں ہے یعنی باقی الفاظ بائن۔ بتہ، بتلتہ، حرام وغیرہ کے ساتھ ایک طلاق بائنہ واقع ہو گئی۔ اگر ایک کی یا دو کی نیت کرے اگر تین کی نیت کرے تو تین ہوں گی۔

نیز شرح وقایہ میں ہے وکنایتہ مالم یوضع لہ واحتملہ وغیرہ فلا تطلق الابنیۃ او دلالۃ الحال۔ (جلد ۲ ص ۸۶) یعنی کنایہ طلاق وہ لفظ ہے جو طلاق کے لئے مقرر نہیں کیا گیا۔ طلاق اور غیر طلاق کا احتمال رکھے ایسے لفظ کے ساتھ بغیر نیت کے یا کسی ظاہری قرینہ کے طلاق واقع نہیں ہو سکتی ان چار حوالہ جات سے پہلے صحابہؓ کے اختلاف کا ذکر ہے۔ مگر یہ اختلاف صرف حرام کے لفظ میں ہے بعض اس کو قسم کہتے ہیں۔ بعض تین طلاق۔ مگر سوال کی صورت میں قسم کا احتمال نہیں، کیونکہ سوال میں قسم الگ ہے جو حرام پر کھائی گئی ہے پس حرام کا لفظ بالاتفاق طلاق کے لئے ہوگا۔ دوسرے حوالہ میں عبداللہ بن مسعودؓ کے قول کا ذکر ہے جس میں نیت پر فیصلہ ہے لیکن سوال کی صورت میں قسم تو بن نہیں سکتی آخر طلاق بنے گی، کیونکہ چوتھے حوالہ میں ذکر ہے کہ نیت کی ضرورت اس وقت ہے جب ظاہر قرینہ نہ ہو سوال میں ظاہر قرینہ طلاق کا موجود ہے۔ تیسرے حوالہ میں بتایا ہے کہ حرام وغیرہ کے لفظ سے ایک طلاق بھی پڑ سکتی ہے۔ تین بھی پڑ سکتی ہیں۔ اگر ایک یا دو کی نیت کرے گا تو ایک اگر تین کی نیت کرے گا تو تین۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا، کہ سوال کی صورت میں حرام کا لفظ بالاتفاق طلاق کے لئے ہے۔

نوٹ

حنفی مذہب میں اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے قسم کھالے کہ میں اس کے قریب نہیں جاؤں گا، تو چار ماہ گزرنے کے بعد طلاق بائنہ پڑ جائے گی۔ اس بناء پر سوال کی صورت میں اگر صرف حرام کا لفظ ہوتا اور طلاق کی نیت نہ ہوتی۔ تو طلاق پڑ جاتی، کیونکہ چار ماہ کی بجائے پانچ ماہ کے بعد اس نے بازو دعویٰ کردیا۔ عبداللہ امرتسری

خاوند یا بیوی کا دیوانہ یا کوڑھی ہونا

سوال ، اگر خاوند دیوانہ یا کوڑھی ہو یا اس کو پھلبہری یا مرگی وغیرہ ہو تو اس کی بیوی کیا کرے ، اور اگر بیوی ایسے عوارض میں مبتلا ہو تو اس کا خاوند کیا کرے دونوں کا شرعاً کیا حکم ہے ۔

جواب ، منتقی میں ہے ۔

عَنْ عُمَرَ رض اَنَّہٗ قَالَ اَیُّمَا امْرَأَۃٍ غُرَّ بِھَا رَجُلٌ بِھَا جُنُوْنٌ اَوْ جُذَامٌ اَوْ بَرَصٌ فَلَھَا مَھْرُھَا بِمَا اَصَابَ مِنْھَا وَصَدَاقُ الرَّجُلِ عَلٰی مَنْ غَرَّہٗ رواہ مالک فی الموطا والدارقطنی وَفِیْ لَفْظٍ قَضٰی عُمَرُ رض فِی الْبَرْصَاءِ وَالْجَذْمَاءِ وَالْمَجْنُوْنَۃِ اِذَا دَخَلَ بِھَا فُرِّقَ بَیْنَھُمَا وَالصَّدَاقُ لَھَا بِمَسِیْسِہٖ اِیَّاھَا وَھُوَ لَہٗ عَلٰی وَلِیِّھَا (رواہ دارقطنی منتقی)

حضرت عمر رض فرماتے ہیں جو شخص دیوانی یا کوڑھی یا پھلبہری کی بیماری والی عورت کے ساتھ دھوکا دیا گیا ، تو اس عورت کے لئے مہر ہے اور اس کا خاوند اس شخص سے وصول کرے جس نے دھوکا دیا ہے امام مالک رح نے موطا میں اور دار قطنی نے اس کو روایت کیا ہے دار قطنی کی ایک روایت میں یوں ہے کہ جب پھلبہری والی یا کوڑھی یا دیوانی عورت کے ساتھ ہمبستر ہو جائے تو حضرت عمر رض نے اس کی بابت یہ فیصلہ کیا ہے کہ خاوند بیوی میں جدائی کرائی جائے اور بوجہ ہمبستر ہونے کے خاوند مہر دے اور خاوند ولی سے بھرے یعنی ولی سے وصول کرے ۔

مرگی بھی دیوانگی کا ایک حصہ ہے ۔ اگر جلدی جلدی دورہ ہوتا ہے تو انسان کوئی کام نہیں کر سکتا ، نہ کسی جگہ آجا سکتا ہے ، تو حضرت عمر رض کے اس فیصلہ کے مطابق ان کا نکاح فسخ ہو سکتا ہے ۔

حضرت عمر رض کے اس فیصلے میں اگرچہ عورت کا ذکر ہے لیکن مرد ایسا ہو تو وہ بطریق اولیٰ اس میں داخل ہے ، کیونکہ عورت میں اگر یہ بیماریاں ہوں تو مرد طلاق دے کر عورت کو جدا کر سکتا ہے ، اس کو فسخ نکاح کی ضرورت نہیں ، مگر باوجود ضرورت نہ ہونے کے مرد کو فسخ کا اختیار دیا گیا ہے ، تو عورت کو بطریق اولیٰ اختیار ہونا چاہیئے ، کیونکہ عورت کے ہاتھ میں طلاق نہیں ، تاکہ اپنے خاوند کو طلاق کے ساتھ جدا کر دے اس کے لئے سوائے فسخ کے جدائی کی کوئی صورت ہی نہیں پس اس کے لئے حضرت عمر رض کا یہ فیصلہ زیادہ لائق ہے ، ہاں اگر مرگی کبھی اتفاقیہ پڑتی ہے جو کام کاج کو مانع نہیں اور وہ کام کاج کر کے بیوی کو نان و نفقہ

دے سکتا ہے تو پھر حضرت عمرؓ کا یہ فیصلہ اس عورت کے کام نہیں آسکتا۔ اس کو اپنے خاوند کے گھر آباد ہونا چاہیئے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

تین طلاق کے بعد مجامعت کرنے والے اور اسکی اولاد کا حکم

سوال۔ تین طلاقوں کے بعد کوئی شخص اپنی عورت سے مجامعت کرے اور اولاد ہوجائے تو اس کا کیا حکم ہے۔

جواب۔ اگر اس کو کسی نے فتویٰ دیا ہے کہ عورت سے رجوع ہوسکتا ہے یا کوئی اور غلطی لگی ہے تو اولاد حلال کی ہوگی اور وارث بھی ہوگی، مگر عورت مرد میں وراثت جاری نہیں ہوگی۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

ناقابل برداشت شرائط لکھوانا

سوال۔ بکر کی شادی ہوچکی ہے دو ماہ کے بعد وہ اپنی بیوی کو لینے گیا تو اس کو ناقابل برداشت شرائط کا اقرار نامہ لکھ دینے کو کہا گیا۔ جس کی آخری شرط یہ تھی۔ کہ اگر ہماری لڑکی نے آپ کے سلوک کی ذرا بھی شکایت کی تو ہم کو بغیر طلاق اور بغیر کسی فیصلہ کے اپنی لڑکی کو کسی دوسری جگہ بیاہ دینے کا حق حاصل ہوگا۔ بکر نے کہا کہ یہ اقرار نامہ نہیں بلکہ آج ہی مجھ سے طلاق نامہ لکھوایا جا رہا ہے میں لکھنے کو تیار نہیں گھر والوں نے جبر و تشدد کرکے اقرار نامہ لکھوالیا ہے۔ اس قسم کی تحریر اور اس قسم کا جبر و اکراہ کے متعلق شرعاً کیا حکم ہے؟

جواب۔ اگر بکر نے اپنی بیوی پر ظلم کیا ہے اور اس وجہ سے اس کے سسرال نے یہ شرط لکھائی ہے۔ تاکہ آئندہ بکر کو فکر رہے تو اس صورت میں بیوی تنگ ہوکر کوئی شکایت کرے گی۔ تو واقعی طلاق پڑ جائے گی اور اگر لڑکی کے والدین کی نیت بد ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ اس طریق سے لڑکی کی خاوند پر حکومت رہے اور وہ اپنی من مانی کارروائی کرے اور بکر کا گھر لوٹ کر اپنے والدین کا گھر بھرتی رہے یا طلاق ہوجائے تو کسی اور جگہ بٹھا کر مفاد حاصل کریں۔ تو ایسی صورت میں یہ شرط درست نہیں۔ کیونکہ خلاف شرع ہے حضرت عائشہؓ نے ایک لونڈی جس کا نام بریرہ تھا۔ خرید کر آزاد کرنی چاہی اس کے مالکوں نے کہا ہم اس شرط پر فروخت کرتے ہیں کہ اس کا تعلق ولا ہم سے رہے گا۔ اس پر وہ مصر ہوئے۔ رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم کو پتہ لگا۔ تو حضرت عائشہ رضؓ کو فرمایا۔ اِشْتَرِطِی لَھُمُ الْوَلَاءَ یعنی ان کے لئے وِلاء کی شرط کر لے۔ پھر منبر پر چڑھ کر اس کی تردید کی اور فرمایا اَلْوَلَاءُ لِمَنْ اَعْتَقَ یعنی ولا کا تعلق آزاد کرنے والے سے ہوتا ہے جو خلاف شرع شرط کرے وہ باطل ہے۔ خواہ سو شرط ہو (بلوغ المرام کتاب البیوع باب شروطہ و ماہنی عنہ)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خلاف شرع شرط کا کوئی اعتبار نہیں۔ پس سوال کی صورت کو اس طرح سمجھ لیں۔

عبداللہ امرتسری روپڑی ۲۲ر شعبان ۱۳۵۶ھ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے جن عورتوں کو طلاق دی وہ امہات المومنین میں داخل ہیں؟

سوال۔ جن عورتوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات میں طلاق دیدی تھی وہ اُمت کے مردوں پر حلال ہیں یا نہیں؟ پس بصورتِ حلت وہ امہات المومنین تھیں نکاح درست نہ ہونا چاہیئے اور بصورت عدم حلت یہ اعتراض ہوتا ہے کہ جب وہ مطلقہ ہو چکی تھیں تو پھر ان کی عمر طبعی کو خواہش نفسانی سے روکنا عقلِ سلیم تسلیم نہیں کرتی لہٰذا جو علماء متقدمین نے لکھا ہے۔ وہ مدلل طور پر لکھیں۔

ابو محمد عبد الجبار مدرس مدرسہ دار الحدیث کھنڈیلہ ضلع جے پور شیخاواٹی

جواب۔ قرآن مجید میں ہے۔ وَلَا اَنْ تَنْكِحُوْا اَزْوَاجَهٗ مِنْ بَعْدِهٖ اَبَدًا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کی بیویوں کو نکاح کرنا تمہارے لئے لائق نہیں۔ اس کی تفسیر بعض مفسرین نے عام کی ہے۔ یعنی وفات کے ساتھ اور افتراق کے بعد۔ اور افتراق کے بعد طلاق کو بھی شامل ہے پھر طلاق ہمبستری سے پہلے ہوگی یا بعد۔ اگر پہلے ہو تو اس کے متعلق تفسیر جامع البیان وغیرہ میں تو لکھا ہے کہ بالاتفاق اس سے نکاح درست ہے لیکن تفسیر سراج المنیر وغیرہ میں عام لکھا ہے۔ خواہ ہمبستری سے پہلے ہو یا بعد دونوں صورتوں میں نکاح درست نہیں۔ میرے خیال میں راجح یہ ہے کہ جس کو ہمبستری سے پہلے طلاق ہو چکی و امہات المومنین میں داخل نہیں اور اس سے نکاح صحیح ہے اس کے متعلق ایک، دو واقعہ مشہور ہیں۔ ایک امیمہ بنت جون کا جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے پناہ مانگی۔ آپ نے اس کو ہمبستری سے

پہلے ہی طلاق دیدی حضرت عمرؓ کے زمانہ میں اس کو اشعث بن قیس نے نکاح کر لیا۔ حضرت عمرؓ نے اس کو سنگسار کرنے کا ارادہ کیا پھر پتہ لگا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے ہمبستری نہیں کی اس پر حضرت عمرؓ نے اس کو چھوڑ دیا۔ اور اس پر کسی نے اعتراض نہیں کیا۔ تو گویا رائے متفقہ ہوئی یہ واقعہ تو تفسیر بیضاوی وغیرہ میں لکھا ہے۔

دوسرا واقعہ قتیلہ بنت اشعث بن قیس کا ہے اس کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمبستری سے پہلے طلاق دیدی اس کو عکرمہ بن ابوجہل نے نکاح کر لیا۔ اس پر حضرت ابوبکرؓ کو بہت غیرت آئی۔ حضرت عمرؓ نے ان کی تسلی کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے ہمبستری نہیں کی۔ اس سے حضرت ابوبکرؓ کا جوش فرو ہو گیا۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ دونوں خصوصیت سے اقتداء کے اہل ہیں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ اِقْتَدُوْا بِالَّذِیْنَ مِنْ بَعْدِیْ اَبِیْ بَکْرٍ وَعُمَرَ۔ یعنی میرے بعد ابوبکرؓ و عمرؓ کی اقتداء کرو۔ پس جب اس مسئلہ میں یہ دونوں صاحب متفق ہیں تو یہی راجح ہوا۔

اس کے علاوہ تفسیر سراج المنیر میں ایک واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کا بھی لکھا ہے۔ کہ عالیہ بنت ضبیان کو رسول اللہ صلی اللہ وسلم نے ہمبستری سے پہلے طلاق دیدی۔ اس کو ایک شخص نے نکاح کر لیا۔ اس سے اس کی اولاد بھی ہوئی۔ اس واقعہ کے متعلق اگرچہ سراج المنیر میں لکھا ہے کہ یہ تحریم ازواج مطہرات سے پہلے کا ہے۔ لیکن یہ صرف اس بنا پر کہا ہے کہ آیت کریمہ وَلَآ اَنْ تَنْکِحُوْٓا اَزْوَاجَہٗ میں ازواج کا لفظ اس (سراج المنیر والے) کے نزدیک عام ہے خواہ اس سے ہمبستری ہوئی ہو یا نہ مگر یہ عام ہونا بھی تو محل نزاع ہے تو اس واقعہ کو تحریم ازواج مطہرات سے پہلے کہنا کیونکر صحیح ہوگا۔ بلکہ حضرت عمرؓ و حضرت ابوبکرؓ کے مذکورہ قول سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بعد کا ہے اور قرین قیاس بھی یہی ہے کیونکہ ہمبستری سے پہلے زوجیت پختہ نہیں ہوتی اس لئے طلاق کی صورت میں جس کا مہر مقرر نہ ہو اس کو مہر سے کچھ نہیں ملتا اگر مقرر ہو تو نصف ملتا ہے۔ پس راجح یہی ہے کہ جس کو ہمبستری سے پہلے طلاق ملی ہے وہ امہات المومنین سے نہیں نہ اس سے نکاح حرام ہے واللہ اعلم۔ عبداللہ امرتسری روپڑی

غصہ کی حالت میں قصد و ارادہ سے طلاق

سوال ۔ عورت کے گالی گلوچ کرنے پر خاوند نے سخت غصہ ہو کر کہا کہ ایسی بدزبانی سے باز آ ور

ورنہ تم کو طلاق دے دوں گا۔ اپنے بچوں کا خیال کرو، جب وہ باز نہ آئی تب طلاق دیدی یہ طلاق واقع ہو گی یا نہیں؟

جواب: حدیث میں ہے۔

ثلث جدھن جد وھزلھن جد النکاح والطلاق والعتاق یعنی تین چیزیں ہیں ان کا قصد بھی قصد ہے اور مخول بھی قصد ہے نکاح، طلاق، غلام آزاد کرنا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مذاق سے طلاق دی جائے وہ بھی ایسی ہے جیسے قصد ارادہ سے طلاق دی جائے۔ اور سوال کی صورت میں قصد و ارادہ سے طلاق دی ہے۔ تو یہ کیوں واقع نہ ہوگی؟ ہاں اگر پہلی یا دوسری طلاق ہے تو عدت کے اندر رجوع ہو سکتا ہے قرآن مجید میں ہے وبعولتھن احق بردھن فی ذالک یعنی عدت کے اندر خاوند رجوع کے زیادہ حقدار ہیں۔

عبداللہ امرتسری روپڑی ۸ر شوال ۱۳۵۲ھ

خلع کا بیان

خلع کس صورت میں ہو سکتا ہے

سوال: حقوق ادا نہ کرنے کی صورت میں کیا عورت کو فسخ نکاح کا حکم ہے؟

جواب: منتقیٰ میں ہے۔

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی الرَّجُلِ لَا یَجِدُ مَا یُنْفِقُ عَلٰی امْرَأَتِہٖ قَالَ یُفَرَّقُ بَیْنَھُمَا۔ (رواہ دارقطنی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ جو شخص عورت پر خرچ کرنے کے لئے کوئی شے نہ پائے اس میں اور اس کی عورت میں جدائی کروا دی جائے۔

نیز منتقیٰ میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہتر صدقہ وہ ہے کہ کچھ کفایت قدر اپنے پاس بھی رہ جائے اور اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے اور پہلے اپنے عیال سے شروع کر۔ سوال کیا گیا۔ عیال کون ہے فرمایا۔ اِمْرَأَتُکَ مِمَّنْ تَقُوْلُ اَطْعِمْنِیْ وَاِلَّا فَارِقْنِیْ۔ الحدیث۔ تیری بیوی ہے جو کہتی

مجھے کھلا یا مجھے الگ کر جارِیَتُکَ تَقُولُ اَطْعِمْنِی وَاسْتَعْمِلْنِی وَلَدُکَ یَقُولُ اِلٰی مَنْ تَتْرُکُنِی

رواہ احمد۔ تیری لونڈی جو کہتی ہے مجھے کھلا اور مجھ سے کام لے۔ تیری اولاد ہے جو کہتی ہے مجھے کس کے سپرد کرتا ہے۔

نیل الاوطار میں ہے۔

وفی الباب عَنْ سَعِیْدِ بْنِ الْمُسَیِّبِ عِنْدَ سَعِیْدِ بْنِ مَنْصُوْرٍ وَالشَّافِعِیِّ وَعَبْدِ الرَّزَّاقِ فِی الرَّجُلِ لَا یَجِدُ مَا یُنْفِقُ عَلٰی اَھْلِہٖ قَالَ یُفَرَّقُ بَیْنَھُمَا قَالَ اَبُو الزِّنَادِ قُلْتُ لِسَعِیْدٍ سُنَّۃٌ وَھٰذَا مُرْسَلٌ قَوِیٌّ

سعید بن مسیب سے روایت ہے۔ جس شخص کے پاس اپنے اہل پر خرچ کے لئے کچھ نہ ہو اس میں اور اس کی بیوی میں جدائی کرا دی جائے۔ اور ابو الزناد کہتے ہیں۔ میں نے سعید بن مسیب سے کہا کہ یہ سُنّت ہے؟ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا طریق ہے؟ فرمایا سُنّت ہے اور یہ مرسل روایت قوی ہے

وَعَنْ عُمَرَ عِنْدَ الشَّافِعِیِّ وَعَبْدِ الرَّزَّاقِ وَابْنِ الْمُنْذِرِ اَنَّہٗ کَتَبَ اِلٰی اُمَرَاءِ الْاَجْنَادِ فِی رِجَالٍ غَابُوْا عَنْ نِسَائِھِمْ اِمَّا اَنْ یُنْفِقُوْا وَاِمَّا اَنْ یُطَلِّقُوْا وَیَبْعَثُوْا نَفَقَۃَ مَا حُبِسَ۔ شافعی۔ عبدالرزاق اور ابن المنذر میں حضرت عمرؓ سے روایت یہ ہے کہ اس نے لشکر کے امراء کو لکھا کہ جو لوگ اپنی بیویوں سے غیر حاضر ہیں وہ خرچ دیں یا ان کو طلاق دیں اور جتنا عرصہ کا خرچ بند رکھا ہے اس کو ادا کریں۔

یہ احادیث آپس میں ایک دوسری کو تقویت دیتی ہیں باوجود اس کے ان میں کوئی ایسا اعتراض نہیں جس سے یہ ضعیف ہو جائیں، چہ جائیکہ ساقط ہو جائیں۔

جمہور علماء اسی طرف گئے ہیں کہ اگر عورت جدائی چاہے تو جدائی کرا دی جائے حضرت علیؓ۔ حضرت عمرؓ حضرت ابوہریرہؓ۔ حسن بصریؒ۔ سعید بن مسیبؒ۔ امام مالکؒ امام احمدؒ امام شافعیؒ امام یحییٰ کا یہی مذہب ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ جب خاوند نان و نفقہ نہ دے یا دیگر حقوق ادا نہ کرے تو نکاح فسخ ہو سکتا ہے۔ اس کو یہ حق حاصل نہیں کہ عورت کو تنگ کرے کیونکہ قرآن مجید ہے۔ وَلَا تُمْسِکُوْھُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا یعنی ضرر دینے کے لئے عورتوں کو نہ رکھو۔

یہ مسئلہ جو بیان ہوا ہے کہ خاوند نان و نفقہ وغیرہ نہ دے سکے۔ تو عورت کو فسخ نکاح کا اختیار ہے حنفیہ اس کے قائل نہیں وہ کہتے ہیں کہ عورت قرض لیکر گزارہ کرے۔ جب خاوند غنی ہو جائے، تو قرض ادا کر دے۔

جب انہوں نے دیکھا کہ غریب کو نہ کوئی قرض دیتا ہے نہ خاوند کے غنی ہونے کا کوئی پتہ ہے خاص کر ہمیشہ قرض لے کر کہاں تک گذارہ کرے، تو آخر امام شافعی رح کے مذہب پر فتویٰ دیدیا۔ یعنی اس بات کے قائل ہو گئے۔ کہ نان و نفقہ نہ ملنے کی صورت میں عورت نکاح فسخ کرا سکتی ہے لیکن اتنا کہتے ہیں کہ حنفی حاکم خود نکاح نہ فسخ کرے بلکہ حنفی حاکم کو چاہیئے کہ کسی شافعی حاکم کو اپنا قائم مقام کر دے۔ تاکہ خاوند بیوی میں وہ جدائی کرے۔ شرح وقایہ جلد ۲ صہ ۱۲۲ ا ر

یہ بات تو ظاہر ہے کہ خود کرے یا دوسرے سے کرا دے مقصود تو فسخ نکاح ہے سو وہ تو ہر صورت میں حاصل ہے تو گویا حنفیہ بھی اس مسئلہ میں مخالف نہ رہے، اگر بالفرض مخالف ہوتے کوئی حرج نہ تھا کیونکہ اوپر کی احادیث سے صاف ثابت ہو گیا۔ کہ نان و نفقہ نہ ملنے کی صورت میں عورت کو جدائی کا حق حاصل ہے اور بڑے بڑے صحابہ رض کا بھی یہی مذہب ہے تو پھر کسی کی مخالفت کیا نقصان دے سکتی ہے، مگر اختلاف نہ ہونا پھر بھی بہتر ہے۔ اور جب خاوند کی تنگ دستی کی حالت میں عورت کو جدائی کا حق حاصل ہے حالانکہ تنگدستی کسی کے بس کی بات نہیں۔ تو جان بوجھ کر قصد اور ارادہ سے عورت کو خرچ نہ دینا یا اپنے گھر میں نہ بسانا یا ناحق تنگ کرنا ان صورتوں میں عورت کو کیوں جدائی کا اختیار نہ ہو گا۔ بلکہ بطریق اولیٰ ہو گا۔ اور حضرت عمر رض کے اوپر کے قول سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جتنے روز عورت کو نان و نفقہ نہیں دیا وہ خاوند کے ذمہ قرض ہے کیوں کہ فرمایا ہے۔ وَ یَبْعَثُوْا النَّفَقَةَ مَا حُبِسَ یعنی جتنے روز بند رکھا۔ اتنے روز کا نفقہ بھیجیں لیکن اس میں دو احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ صرف طلاق کی صورت میں گذشتہ دنوں کا حساب دینا پڑے گا۔ دوسرا احتمال یہ کہ خواہ آباد رکھیں یا طلاق دیں دونوں صورتوں میں دینا پڑے گا۔ بظاہر پہلا احتمال راجح ہے کیونکہ جملہ وَیَبْعَثُوا النَّفَقَةَ مَا حُبِسَ طلاق کے متصل ذکر کیا ہے ہاں اگر عورت قرض لے کر کھاتی رہی، تو اس قرض کا ادا کرنا خاوند کے ذمہ ضروری ہے۔ خواہ اس کے گھر میں آباد رکھے یا چھوڑ دے، کیونکہ قرض لے کر کھانا گذشتہ کا نان و نفقہ نہیں سمجھا جاتا۔ بلکہ آئندہ کے نان نفقہ میں شامل ہے کیونکہ قرض بھی ادا کرنا ہے۔ بہر صورت عورت کے حقوق کا معاملہ نازک ہے۔ خواہ وہ نان و نفقہ کی قسم سے ہوں خواہ زوجیت کی قسم سے ہوں ان کے ادا نہ کرنے کی صورت میں عورت جدائی کا حق رکھتی ہے۔

عبد اللہ امرتسری روپڑی

گھر جوائی رہنے کی شرط

سوال ۔ گھر جوائی رہنے کی شرط پوری نہ ہونے پر عورت کو نکاح فسخ کا اختیار ہے؟

جواب ۔ جو شرط شرع کے خلاف نہ ہو اس کا پورا کرنا بھی ضروری ہے مثلاً گھر جوائی رہنے کی شرط خاوند کو پوری کرنی ہوگی ۔ اگر نہ کرے تو عورت کو نکاح فسخ کا اختیار ہے کیونکہ بخاری مسلم میں حدیث ہے اَحَقُّ الشُّرُوطِ یُوَفّٰی بِہٖ مَا اسْتَحْلَلْتُمْ بِہٖ الْفُرُوْجَ (بلوغ المرام) یعنی سب شرطوں سے زیادہ لائق وہ شرط ہے جس کے ساتھ تم نے شرمگاہوں کو حلال کیا ہے۔ اور ایک حدیث بخاری میں ہے ۔ اَلْمُسْلِمُوْنَ عَلٰی شُرُوْطِهِمْ مسلمان اپنی شرطوں پر ہیں ۔ اور بخاری میں حضرت عمرؓ سے روایت ہے ۔ مَقَاطِعُ الْحُقُوْقِ عِنْدَ الشُّرُوْطِ یعنی حقوق کے فیصلے شرائط کے مطابق ہیں ان روایتوں سے معلوم ہوا کہ گھر جوائی کی ــــــ جو شرط کی ہے یہ بھی پوری کرنی ضروری ہے ورنہ عورت کو نکاح فسخ کرانے کا اختیار رہوگا ۔

عبداللہ امرتسری از روپڑ ضلع انبالہ ۷ ، اکتوبر ۱۹۳۲ء

خاوند نامرد

سوال ۔ خاوند نامرد ہو ۔ تو کیا عورت کو نکاح فسخ کا اختیار ہے؟

جواب ۔ قرآن مجید میں ہے ۔ لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ یعنی جو لوگ قسم کھا لیتے ہیں ۔ کہ اپنی بیویوں کے قریب نہیں جائیں گے ان کی چار مہینے انتظار کی جائے ۔ اگر چار ماہ کے اندر رجوع کر لیں تو بہتر ورنہ حنفیہ کے نزدیک چار ماہ گزرتے ہی خود بخود طلاق بائنہ پڑ جائے گی ۔ جس میں رجوع نہیں ہو سکتا اور دیگر علماء کہتے ہیں کہ اس کو مجبور کیا جائے ۔ کہ رجوع کر یا طلاق دے ۔ اگر دونوں سے کوئی کام نہ کرے ۔ تو حاکم جدائی کرا دے ۔ اسی طرح اگر خاوند نامرد ہو اور حقوق زوجیت ادا کرنے پر قادر نہ ہو تو عورت کو جدائی کا حق حاصل ہے ۔

عَنْ عُمَرَ اَنَّهٗ قَضٰى فِى الْعِنِّيْنِ اَنْ يُّؤَجَّلَ سَنَةً " اَخْرَجَهٗ عَبْدُ الرَّزَّاقِ وَالدَّارَ قُطْنِىُّ وَمُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ فِى الْكِتَابِ الْاٰثَارِ وَفِىْ رِوَايَةٍ فَلَمَّا مَضَى الْاَجَلُ خَيَّرَهَا فَاخْتَارَتْ نَفْسَهَا فَفَرَّقَ بَيْنَهُمَا وَنَحْوَهٗ اَخْرَجَهُ ابْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ عَنْهُ وَعَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ عَلِىٍّ وَابْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ وَعَبْدُ الرَّزَّاقِ وَالدَّارَ قُطْنِىُّ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ (عمدہ الرعایۃ حاشیہ شرح وقدر ۳)

حضرت عمرؓ نے نامرد کی بابت یہ فیصلہ کیا ہے کہ اس کو ایک سال کی مہلت دی جائے (تا کہ تسلی سے

وہ اپنا علاج معالجہ کرلے) اس کو عبدالرزاق اور دار قطنی نے روایت کیا ہے اور امام ابوحنیفہ رح کے شاگرد محمد بن حسن نے بھی اس کو کتاب الآثار میں روایت کیا ہے اور ایک روایت میں ہے جب سال گزر گیا تو حضرت عمر رض نے عورت کو اختیار دیا کہ مرضی ہو خاوند کے پاس رہ مرضی ہو نہ رہ ۔عورت نے رہنا منظور نہیں کیا حضرت عمر رض نے جدائی کرادی اس طرح حضرت عمر رض سے ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے اور عبدالرزاق نے حضرت علی رض سے نیز ابن ابی شیبہ اور عبدالرزاق اور دار قطنی نے عبداللہ بن مسعود رض سے اسی طرح روایت کیا ہے ۔

اسی طرح بلوغ المرام اور اس کی شرح سبل السلام میں حضرت عمر رض اور عبداللہ بن مسعود رض کا یہی فیصلہ ذکر کیا ہے ۔کہ نامرد کو ایک سال کی مہلت دی جائے ۔ لیکن سال کی مہلت کی ضرورت اس وقت ہے جب پہلے کوشش سے اس نے اپنا علاج نہ کیا ہو۔ اگر کوشش سے اپنا علاج پہلے کرا چکا ہے اور صحت نہیں ہوئی تو اس وقت سال کی مہلت فضول ہے ۔ بلکہ اسی وقت عورت کو فسخ کا اختیار ہے

معلقہ عورت

جب نامردی کا یہ حکم ہے جو انسان کے بس کی شے نہیں تو دیدہ دانستہ عورت کو لٹکا رکھنے کی میں عورت کو فسخ کا اختیار کیوں نہیں ہوگا ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوهَا كَالْمُعَلَّقَةِ یعنی عورت بسا دیا چھوڑ دو لٹکتی ہوئی نہ رکھو ۔ دوسری جگہ فرمایا ۔ وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لاتمیلوا کل المیل انکو دکھ دینے کیلئے نہ روک رکھو ۔ لیکن اب ہندوستان میں حکومت کفار ہے حاکم مسلمان نہیں جس کے پاس مقدمہ جائے سو اس کا انتظام یوں ہونا چاہیئے کہ

فیصلہ کی صورت

پنچایت کرکے اس کے پاس فیصلہ لے جایا جائے ۔ اور پنچایت خاوند کو مجبور کرے کہ طلاق دے ۔ اگر خاوند طلاق نہ دے یا پنچایت میں نہ آئے یا کسی جرم کی پاداش میں لمبی مدت کے لئے جیل میں چلا گیا ہو تو ان صورتوں میں پنچایت فتوی شرعی کے رو سے عورت کو دوسری جگہ نکاح کی اجازت دے دے ۔ اگر پنچایت بھی نہ ہو سکے ۔ تو پھر وہاں کے کسی چوہدری یا نمبردار یا کسی عالم کی معرفت یہ کام کرائے اپنے آپ نہ کرے ۔

کیونکہ جدائی کا معاملہ نکاح سے زیادہ نازک ہے جب عورت نکاح ولی کے بغیر نہیں کرسکتی تو جدائی اپنے آپ کیونکر ٹھیک ہوگی پس ضرور ہے کہ حسب طاقت ضرور کسی کے درمیان لے۔ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا۔

عبداللہ امرتسری روپڑی ، ۲ اکتوبر ۱۹۳۲ء

خلع طلاق ہے یا فسخ

سوال۔ خلع طلاق ہے یا فسخ ؟ احناف کے نزدیک خلع طلاق ہے اور اس کی عدت تین حیض ہے حدیث میں لفظ طَلِّقْھَا آیا ہے۔ فسخ نکاح پر کوئی مرفوع روایت نہیں ہے اور جس روایت میں حیضۃ واحدۃ آیا اس میں تاء وحدت نہیں ہے بلکہ وحدت جنسی کی ہے نیز خلع طلاق بائن ہے یا طلاق رجعی ؟

جواب۔ دو باتوں میں تو کوئی شبہ نہیں ایک یہ کہ خلع میں رجوع نہیں کیونکہ قرآن مجید میں اس کو فدیہ کے لفظ سے ذکر کیا ہے اور فدیہ تبھی ہوسکتا ہے کہ رجوع نہ ہو ——— دوسری بات یہ ہے کہ اس کی عدت ایک حیض ہے کیونکہ حدیث میں صراحۃً آگیا ہے۔ (منتقی کتاب الخلع ترمذی) اور حیضۃ کی تاء وحدتِ جنسی کی نہیں ہوسکتی کیونکہ حیض کی کئی جنسیں ہیں بلکہ وحدت شخصی کی ہے۔

رہی یہ بات کہ خلع طلاق ہے یا فسخ تو اس کی بابت بھی ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے جو بخاری وغیرہ میں ہے فیصلہ ہوسکتا تھا۔ کہ وہ طلاق ہے کیونکہ اس میں طَلِّقْھَا تَطْلِیْقَۃً کا لفظ صریح موجود ہے مگر اس میں ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کا فتویٰ شبہ ڈالتا ہے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ خلع طلاق نہیں بلکہ فسخ ہے فتح الباری میں یہ فتویٰ نقل کیا ہے اب دو صورتیں ہیں یا تو حدیث میں طلاق سے لغوی معنیٰ (مطلق چھوڑنا) مراد ہو جیسے دوسری روائتوں خَلِّ سَبِیْلَھَا وَفَارِقْھَا وغیرہ کے الفاظ آئے ہیں۔ یا ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کا فتویٰ جس روایت سے مروی ہوا ہے۔ اس کو شاذ کہہ دیا جائے۔ جیسے فتح الباری میں ابن عبدالبر سے نقل کیا ہے مگر یہ دونوں توجیہیں فتویٰ اور حدیث میں تطبیق کی ہیں۔ ان سے مسئلہ طے نہیں ہوتا اس لئے مسئلہ میں احتیاط والی صورت اختیار کی جائے۔ مثلاً طلاق حیض میں جائز نہیں۔ فسخ جائز ہے اس صورت میں احتیاط یہ ہے کہ حیض میں خلع سے پرہیز کیا جائے۔ اور اگر کوئی شخص قسم کھائے کہ میں طلاق نہیں دوں گا۔ پھر خلع کر لیا تو اس صورت میں احتیاط یہ ہے کہ قسم کا کفارہ دیدیا جائے۔ اور اگر پہلے دو طلاقیں دے چکا ہے۔ پھر خلع کر لیا ہے۔ تو اس صورت میں احتیاط یہ ہے کہ حرمتِ مغلظہ کا حکم لگا کر حَتّٰی تَنْکِحَ زَوْجًا غَیْرَہٗ

پر عمل کیا جائے۔ اور بعض دفعہ ایسے موقع پر شر فساد پھیلنے کا زیادہ اندیشہ ہوتا ہے تو اس صورت میں خلع کو فسخ کا حکم دیدیا جائے تو بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ ابن عباس رضؓ نے باوجود راوی حدیث ہونے کے فسخ کا فتویٰ دیا ہے یہ کوئی کمزور دلیل نہیں، اور ابن عبدالبر رحؒ نے اگرچہ اس کو شاذ کہا ہے مگر حافظ ابن حجرؒ نے اس کو رد کر دیا ہے اور کہا ہے کہ اس فتویٰ کی روایت کرنے والا طاؤس ہے جو ثقہ حافظ، فقیہ ہے۔ پس اس کا منفرد ہونا مضر نہیں۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

گراموفون سُننے سے نکاح فسخ ہو جاتا ہے

سوال۔ اگر کوئی شخص گرافون سُنتا ہے تو کیا اس کا نکاح فسخ ہو جاتا ہے؟

جواب۔ گراموفون کا سُننا واقعی حرام ہے مگر اس کے سُننے سے انسان کافر نہیں ہوتا نہ فسخ نکاح ہوتا ہے۔ لیکن سننے والا چونکہ مجرم ہوتا ہے، اس لئے اس پر اس کی حسب حیثیت تعزیر لگانی چاہیئے۔ تاکہ آئندہ کے لئے اس کو تنبیہ ہو جائے خواہ جوتے مارے جائیں یا مناسب تاوان لگا دیا جائے یا اس کا بھانڈا چھیک دیا جائے۔ اگر گناہ کرکے اس پر اڑ جائے تو کفر کا خطرہ ہے اور اس صورت میں نکاح بھی خطرہ میں پڑ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی ۲۷، رمضان ۱۳۵۶ھ

شکل ناپسند ہونے پر خلع

سوال۔ خاوند خلیق اور دیندار ہو مگر عورت کو اس کی شکل پسند نہ ہو تو کیا عورت خلع کی مجاز ہے؟

جواب۔ اگر خاوند تمام حقوق عورت کے ادا کرتا ہو، اور عورت بھی نیک ہے مگر خاوند سے کسی عیب کی وجہ سے طبعًا اس کو نفرت ہے جس کو عورت نہ برداشت کر سکے، اور اس وجہ سے خطرہ ہو، کہ حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی ہوگی، مثلاً خاوند بہت بدصورت ہو یا گندہ دہن ہو یا اس کے وجود پر جذام کا یا برص کا اثر ہو یا مرگی کا یا مالیخولیا کا عارضہ ہو جو باوجود علاج کے قائم ہو یا اس قسم کی کوئی اور نفرت والی شے ہو۔ تو اس صورت میں بھی عورت کو بذریعہ پنچایت وغیرہ فسخ نکاح کا اختیار ہے۔

منتقی میں ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ جَمِيلَةَ بِنْتَ سَلُولٍ اَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ وَاللهِ مَا اَعْتَبُ

عَلَیٰ ثَابِتٍ فِی دِیْنٍ وَلَا خُلُقٍ وَّلٰکِنْ اَکْرَہُ الْکُفْرَ فِی الْاِسْلَامِ لَا اُطِیْقُہٗ بُغْضًا فَقَالَ لَھَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَتَرُدِّیْنَ عَلَیْہِ حَدِیْقَتَہٗ قَالَتْ نَعَمْ فَاَمَرَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنْ یَّاْخُذَ مِنْھَا حَدِیْقَتَہٗ وَلَا یَزْدَادَ رواہ ابن ماجۃ

یعنی ابن عباس رضؓ سے روایت ہے کہ جمیلہ بیٹی سلول کی نبی صَلَّی اللہ علیہ وَسَلَّم کے پاس آئی خدا کی قسم میں اپنے خاوند ثابت کو اس کے دین میں اور خلق میں کوئی طعن وملامت نہیں کرتی لیکن ناشکری کو اسلام میں مکروہ جانتی ہوں۔ مجھے اس سے سخت نفرت ہے جس کو میں برداشت نہیں کرسکتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کیا تو ثابت کا باغ (جو اس نے تجھے مہر میں دیا ہے) واپس کرتی ہے؟ کہا ہاں پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابت کو فرمایا کہ اپنا باغ اس سے لے لے، اور زیادہ نہ لے۔

۲۔ عَنْ اَبِی الزُّبَیْرِ اَنَّ ثَابِتَ بْنَ قَیْسِ بْنِ شَمَّاسٍ کَانَتْ عِنْدَہٗ بِنْتُ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ اُبَیِّ سَلُوْلٍ وَکَانَ اَصْدَقَھَا حَدِیْقَتَہٗ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَتَرُدِّیْنَ عَلَیْہِ حَدِیْقَتَہُ الَّتِیْ اَعْطَاکِ قَالَتْ نَعَمْ وَزِیَادَۃً فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَمَّا الزِّیَادَۃُ فَلَا وَلٰکِنْ حَدِیْقَتَہٗ قَالَتْ نَعَمْ فَاَخَذَھَا لَہٗ وَخَلّٰی سَبِیْلَھَا فَلَمَّا بَلَغَ ذَالِکَ ثَابِتَ بْنَ قَیْسٍ قَالَ قَدْ قَبِلْتُ قَضَاءَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَوَاہُ الدَّارَ قُطْنِیْ بِاِسْنَادٍ صَحِیْحٍ قَالَ سَمِعَہٗ اَبُو الزُّبَیْرِ مِنْ غَیْرِ وَاحِدٍ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تو اس باغ کو لوٹاتی ہے؟ کہا ہاں اور زیادہ دینے کو بھی تیار ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زیادہ نہیں بلکہ کہا صرف باغ کہا اچھا۔ آپ نے ثابت کے لئے باغ لے لیا اور عورت کو چھوڑ دیا۔ جب ثابت رضؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فیصلہ پہنچا تو کہا میں نے نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ منظور کیا۔ اس کو دار قطنی نے سند صحیح سے روایت کیا۔ پہلی حدیث سے معلوم ہوا کہ خاوند کی طرف سے اگرچہ عورت کے حق میں کوتاہی نہ ہو۔ مگر عورت کو جب کسی وجہ سے طبعی نفرت ہو جس کو وہ برداشت نہیں کرسکتی تو وہ خلع کرا سکتی ہے۔ عبداللہ امرتسری روپڑی

فسخ نکاح کی غرض سے عورت کا ارتداد

سوال ۔ جو تغیر مذہب صرف واسطے حیلہ فسخ نکاح کے منافقانہ طور پر کرتے ہیں کیا اس حیلہ سے واقعی شرع شریف میں نکاح اول فسخ ہوجاتا ہے؟ عبداللہ علی آباد چک ۱۱۲ ضلع شیخوپورہ

جواب ، بخاری میں ہے۔ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لِكَعْبِ بْنِ الْاَشْرَفِ فَاِنَّهُ قَدْ اٰذَى اللهَ وَرَسُوْلَهُ فَقَامَ مُحَمَّدُ بْنُ مَسْلَمَةَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ اَتُحِبُّ اَنْ اَقْتُلَهُ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَاْذَنْ لِيْ اَنْ اَقُوْلَ شَيْئًا قَالَ قُلْ فَاَتَاهُ مُحَمَّدُ بْنُ مَسْلَمَةَ فَقَالَ اِنَّ هٰذَا الرَّجُلَ قَدْ سَاَلَنَا صَدَقَةً وَاِنَّهُ قَدْ عَنَّانَا۔ الحدیث ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کون ہے جو کعب بن اشرف کا خاتمہ کر دے کیونکہ اس نے اللہ اور اس کے رسول کو ایذا پہنچائی ہے۔ محمد بن مسلمہ نے کہا یا رسول اللہ آپ دوست رکھتے ہیں کہ میں اس کو قتل کر دوں فرمایا۔ ہاں کہا مجھے آپ کے حق میں کچھ کہنے کی اجازت ہو جائے ؟ فرمایا اجازت ہے۔ محمد بن مسلمہ کعب بن اشرف کے پاس آیا۔ اور کہا محمد نے صدقہ خیرات مانگ کر ہمیں تنگ کر دیا ہے بس اس طرح سے اس کے ساتھ دوستی کا اظہار کر کے اس کو قتل کر دیا۔

۲، تفسیر خازن جلد ۲ ص۳ پر ہے۔

مثل هذا المثل الحواری الذی ورد علی قوم کانوا یعبدون صنما فاظهر تعظیمه فاکرموہ لذالک ..... الخ

یعنی ابراہیم علیہ السلام کا اپنی قوم کو سمجھانے کا واقعہ اس حواری کی طرح ہے۔ جو ایک بُت پوجنے والی قوم کے پاس آیا اور بُت کی تعظیم کا اظہار کیا۔ اس وجہ سے ان کے ہاں اس کی عزت ہو گئی۔ یہاں تک کہ ان کے دشمن نے ان پر چڑھائی کی ، انہوں نے اس حواری سے مشورہ لیا۔ حواری نے کہا کہ میرا مشورہ یہ ہے کہ اس بُت کو پکاریں، چنانچہ وہ اس بُت کے اردگرد جمع ہو کر اس کے پاس فریاد کرنے لگے بُت نے کچھ فائدہ نہ دیا۔ حواری نے جب دیکھا کہ وہ بت سے بدظن ہو گئے تو خدا کی طرف بُلایا انہوں نے خلوص دل سے خدا کو پکارا خدا نے ان کے دشمن کو دور کر دیا۔

۳، اسی کے قریب ایک شمعون کا واقعہ ہے، جو تفسیر خازن وغیرہ میں سورۃ یٰسین کی اس آیت کے تحت لکھا ہے۔

اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوْهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوْٓا اِنَّآ اِلَيْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ۔

یعنی پہلے ہم نے ان کے پاس رسول بھیجا انہوں نے ان کو جھٹلایا پھر تیسرے کے ساتھ ہم نے قوت پہنچائی ،

۴۔ تفسیر ابن کثیر میں آیت کریمہ اِلَّا مَنْ اُکْرِہَ وَقَلْبُہٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِیْمَانِ کے شان نزول کی بابت لکھا ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ هٰذِہِ الْاٰیَۃَ نَزَلَتْ فِیْ عَمَّارِ بْنِ یَاسِرٍ حِیْنَ عَذَّبَہُ الْمُشْرِکُوْنَ حَتّٰی یَکْفُرَ بِمُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَوَافَقَھُمْ عَلٰی ذٰلِکَ مُکْرَھًا وَجَاءَ مُعْتَذِرًا اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاَنْزَلَ اللّٰہُ هٰذِہِ الْاٰیَۃَ۔

یعنی یہ آیت عمار بن یاسر کے حق میں اُتری ہے جب مشرکوں نے اس کو عذاب دیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کفر کرے، تو قتل کے خوف سے مشرکوں کی موافقت کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر عذر کیا، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اُتار دی۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ کسی موذی سے اسلام کو شر پہنچے تو اس کے دفعیہ کے لئے زبان سے کلمہ کفر کہہ دینا کوئی حرج نہیں جیسے محمد بن مسلمہ نے کہا کہ ہمیں محمد نے تنگ کر دیا ہے، اسی طرح اسلامی اشاعت کی غرض سے بظاہر کوئی کفر کا کام کر لیا جائے۔ جس سے بعد کو پردہ اٹھ کر حق واضح ہو جائے تو اس کا بھی کوئی حرج نہیں۔ جیسے حواری اور شمعون کے واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے اس طرح قتل کے خوف سے ظاہر میں کفار کی موافقت جائز ہے۔ جیسے عمار بن یاسر رضؓ نے موافقت کی۔

ان تین صورتوں میں چونکہ شرع نے ظاہر پر مدار نہیں رکھا، بلکہ باطن کا اعتبار کیا ہے اس لئے ان تین صورتوں میں کفر کے احکام جاری نہیں ہو سکتے پہلی دو صورتیں تو ظاہر ہیں۔ کیونکہ وہ دونوں محض خدا کے لئے ہیں ان میں اپنے نفس کا حصہ نہیں۔ تیسری صورت اگرچہ اپنے نفس کے بچانے کے لئے ہے لیکن خدا نے محض اپنے فضل سے اپنے حق میں کمی کر کے بندے کو اپنی جان بچانے کی اجازت دیدی اور دل کے مطمئن ہونے پر اکتفا کر لی۔

فتح البیان میں ہے قرطبی کہتے ہیں۔ اس بات پر تمام مفسرین اور اہل علم کا اجماع ہے۔ کہ جو قتل کے خوف سے ظاہر میں کفر کرے اور دل میں ایمان کے ساتھ مطمئن ہو تو اس پر کوئی گناہ نہیں، نہ اس کی بیوی اس سے جدا ہوگی اور نہ اس پر کفر کا حکم لگایا جائے گا۔ اور محمد بن حسن رحؒ شاگرد امام ابوحنیفہ رحؒ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ شخص اگرچہ مسلمان ہے لیکن ظاہر میں اس کا حکم مرتد کا ہوگا۔ اور اس کی بیوی اس سے جدا ہو جائے گی۔ نہ اس کا جنازہ پڑھا جائے گا اور نہ اپنے باپ مسلمان کا وارث ہوگا اور یہ قول مردود ہے۔

کتاب وسنت کے خلاف ہے حنفی مذہب کی مشہور کتاب ہدایہ میں ہے۔ وَاِذَا اُکْرِہَ عَلَی الرِّدَّۃِ لم بتبن امراتہ لان الردۃ متعلق بالاعتقاد الاتری انہٗ لوکان قلبہ مطمئنا بالْاِیْمَانِ یَکْفُرُ وَفِی اعْتِقَادِہٖ الْکُفْرُ شَکٌّ فَلَا تَثْبُتُ الْبَیْنُوْنَۃُ بِالشَّکِّ (کتاب الاکراہ)

یعنی جب جبراً مرتد کیا جائے تو اس کی بیوی اس سے جُدا نہ ہوگی کیونکہ مرتد ہونا اعتقاد کے ساتھ ہوتا ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ اگر اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو تو وہ کافر نہیں اور جبر کی صورت میں یہ یقین نہیں ہو سکتا کہ اس کا اعتقاد بدل گیا۔ پس شک کے ساتھ اس کی بیوی جُدا نہیں ہو سکتی بعض کہتے ہیں جبر کا تعلق قول سے ہے فعل سے نہیں۔ یعنی کفار کے جبر کرنے کی صورت میں زبان سے کلمہ کفر کی اجازت ہے اگر کوئی کام کفر کا کرنا چاہیں۔ تو اس کی اجازت نہیں مگر یہ مذہب صحیح نہیں۔ کیونکہ آیت کریمہ اِلَّا مَنْ اُکْرِہَ میں قول وفعل میں کوئی فرق نہیں کیا صرف دل کے اطمینان کی شرط ہے باقی اعضاء کو آزاد کر دیا خواہ زبان سے کچھ کہے یا باقی اعضاء سے کچھ کرے وہ سب کچھ معاف ہے۔ تفسیر فتح البیان میں ہے۔

وَذَھَبَ الْحَسَنُ الْبَصْرِیُّ وَالْاَوْزَاعِیُّ وَالشَّافِعِیُّ وَسَحْنُوْنُ اِلٰی اَنَّ ھٰذِہِ الرُّخْصَۃَ اِنَّمَا جَاءَتْ فِی الْقَوْلِ وَاَمَّا فِی الْفِعْلِ فَلَا رُخْصَۃَ مِثْلُ اَنْ یُّکْرَہَ عَلَی السُّجُوْدِ لِغَیْرِ اللّٰہِ وَیَدْفَعُہٗ ظَاھِرُ الْاٰیَۃِ فَاِنَّھَا عَامَّۃٌ فِیْمَنْ اُکْرِہَ مِنْ غَیْرِ فَرْقٍ بَیْنَ الْقَوْلِ وَالْفِعْلِ (جلد ۵ صـ ۲۸۹)

حسن بصری رح اوزاعی امام شافعی اور سحنون رح کا یہ مذہب ہے کہ رخصت قول میں ہے فعل میں نہیں جیسے غیر اللہ کے لئے سجدہ پر مجبور کیا جائے تو اس کی رخصت نہیں اور یہ مطلب ظاہر آیت کے خلاف ہے کیونکہ آیت عام ہے اس میں قول وفعل میں فرق نہیں کیا۔

جب یہ معلوم ہو چکا کہ ان تین صورتوں میں ظاہر کفر کی بابت اذن ہے تو اب سوال کی صورت کو دیکھنا چاہیئے کہ ان تینوں میں سے کس میں داخل ہے یا نہیں۔ ظاہر ہے پہلی دو میں تو داخل نہیں۔ رہی تیسری (اکراہ کی) صورت سو وہ غور طلب ہے لیکن کسی عورت کا فسخ نکاح کی غرض سے سکھ مذہب میں یا کسی اور مذہب میں داخل ہو جانا اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ مظلومہ اپنے خاوند کے ظلم سے مجبور ہو کر مخالف مذہب میں داخل ہو گئی اگر عیاش ہے اور عیاشی کی وجہ سے مخالف مذہب میں داخل ہو گئی۔ تو اس کو اکراہ سے کوئی تعلق نہیں یہ حقیقتاً مرتد سمجھی جائے گی اور اس کا نکاح فسخ ہو جائے گا۔ ہاں اس پر تعزیر لگ سکتی ہے جیسے حضرت عمر رضہ نے ایک عورت پر لگائی تھی۔ جس کا قصہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضہ

کی خلافت میں ایک عورت نے اپنے غلام سے نکاح کر لیا اس نے اپنے غلام کو ہمبستری کے لئے مقرر کر لیا. حضرت عمرؓ کو پتہ چلا تو اس سے دریافت کیا. اس نے آیت وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ اِلَّا عَلٰى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ یعنی مومنوں کی ایک صفت یہ ہے کہ وہ اپنی بیویوں اور اپنے مملوکوں کے سوا اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں" استدلال میں پیش کی اور کہا عورتیں احکام میں مردوں کے تابع ہیں اور مرد اس آیت کی رو سے اپنے مملوک سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں. تو عورتیں بھی اپنے مملوک (غلام) سے فائدہ اٹھا سکتی ہیں حضرت عمرؓ نے صحابہؓ سے مشورہ کیا انہوں نے کہا اس آیت کا مطلب غلط بیان کیا گیا ہے حضرت عمرؓ نے اس عورت اور غلام کے درمیان جدائی کرا کر اس پر تعزیر لگائی کہ آئندہ کے لئے نکاح حرام کر دیا اور فرمایا اب تو کسی آزاد کے لئے حلال نہیں (کنز العمال جلد ۶ ص۳۰۶)

حضرت عمرؓ کے اس تعزیر لگانے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جو عورتیں اس قسم کی شرارتیں کریں ان کا علاج یہی ہے کہ ان پر نکاح حرام کر دیا جائے پس جو عیاش ہو کر نکاح فسخ کرانے کی غرض سے مذہب کو خیر باد کہہ دیتی ہیں وہ بطریق اولیٰ اس تعزیر کی مستحق ہیں.

رہی مظلومہ تو اس کی پھر دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ اس کو اپنے خاوند کی طرف سے قتل وغیرہ کا اندیشہ ہے دوسرے یہ کہ خاوند حقوق ادا نہیں کرتا اس لئے مذہب بدلتی ہے ثانی صورت اکراہ میں داخل نہیں پس یہ بھی حقیقۃً مرتد سمجھی جائے گی جس سے اس کا نکاح فسخ ہو جائے گا. اور اس پر تعزیر لگ سکتی ہے رہی پہلی صورت تو اس میں شرک کی اجازت ہے اس لئے عند اللہ نہ وہ مرتد ہے نہ اس کا نکاح فسخ ہے ہاں اس حیلہ سے عدالت میں خاوند کوئی چارہ جوئی نہیں کر سکتا. کیونکہ عدالت ظاہر ارتداد پر فسخ نکاح کا حکم دے گی، پس عورت کو چاہیئے کہ عند اللہ فسخ کے لئے پنچایت کی صورت اختیار کرے،

عبداللہ امرتسری روپڑی

نکاح پر نکاح کے گواہوں کا نکاح فسخ ہو جاتا ہے۔

سوال: زید نے مریم بی بی کے ساتھ نکاح کیا تھا کچھ عرصہ کے بعد ان کے درمیان تکرار ہو گئی مریم اپنے والد کے گھر چلی گئی اس عرصہ میں زید نے مریم کو نہیں بلایا اور مریم زید کے ہاں جانے سے انکار کرتی رہی اور نہ ہی زید نے مریم کو طلاق دی مریم نے سرکاری کورٹ میں سرکاری قانون کے موافق

نکاح دوسرے مرد سے کر لیا۔ اور دو گواہوں نے سرکار میں سرکاری کاغذ پر دستخط کر دیئے۔ باوجودیکہ ان گواہوں کو معلوم تھا کہ مریم کا نکاح زید کے ساتھ ہوا تھا۔ اور زید نے طلاق نہیں دی، کیا از روئے شرع ان دونوں گواہوں کا نکاح قائم رہا یا نہیں؟ اے۔ ای پٹیل ملک افریقہ

جواب۔ قرآن مجید سورۃ نساء پارہ ۴ رکوع ۳ اللہ تعالیٰ نے پندرہ رشتے حرام کئے ہیں جن سے ایک خاوند والی ہے چنانچہ ارشاد ہے۔ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ یعنی شادی شدہ عورتیں بھی تم پر حرام ہیں اس لئے جب تک منکوحہ عورت کا خاوند اپنی مرضی سے عورت کو طلاق نہ دیدے، اس وقت تک وہ دوسرے کے لئے کیسے حلال ہو سکتی ہے؟ پس مریم کا عدالت کی معرفت دو گواہ قائم کر کے نکاح کرنا از روئے قرآن حرام ہے کیونکہ مریم کے خاوند زید نے اسے طلاق نہیں دی جیسا کہ سوال میں مذکور ہے اور جب نکاح صحیح نہ ہوا تو مریم زانیہ اور اس کا موجودہ خاوند زانی اور نکاح کرانے والا اور دونوں نکاح کے گواہ زنا کے معاون ہوئے اور زانی زانیہ کی حد قرآن وحدیث میں صراحتہ آئی ہے کہ زانی یا زانیہ اگر شادی شدہ ہو تو اسے رجم کیا جائے اور کنوارہ ہو تو سو دُرّے لگائے جائیں اور معاون زنا کی حد قرآن وحدیث میں مقرر نہیں۔ اس کے لئے تعزیر ہے جتنی مناسب ہو لگائی جائے، جس سے آئندہ کے لئے تنبیہ اور گناہ سے روک تھام ہو جائے۔ جو تعزیر سے مقصود ہے لیکن صرف زنا سے زانی اور زانیہ کا نکاح شرع نہیں توڑا، مثلاً ایک آدمی کسی عورت سے زنا کرے تو اس کی اپنی منکوحہ بیوی سے نکاح نہیں ٹوٹتا۔ بلکہ اتنی ہی سزا مقرر کی ہے۔ جو اوپر لکھی گئی ہے جب زانی اور زانیہ کا نکاح شرع نے نہیں توڑا تو پھر معاون زنا ہونے سے کیسے ٹوٹ سکتا ہے؟ ہاں اس وجہ سے ان سب کا نکاح ٹوٹ سکتا ہے کہ نکاح پر نکاح کرنا اور کرانا اور اس کے معاون بننا گویا خاوند والی کو حلال کرنا ہے جو نص قطعی "والمحصنات" کا انکار ہے اور نص قطعی کا انکار کفر ہے پس اس بنا پر یہ مرتد ہوئے، اور مرتد کا نکاح فسخ ہو جاتا ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

عورت کو ناحق تنگ کرنا

سوال۔ میں اپنے والد کے گھر ہوں اور خاوند کے تشدد سے اس قدر تنگ آگئی ہوں کہ میرا آباد ہونا اس کے گھر سخت مشکل ہے نیز مجھے یہ بڑا سخت خطرہ ہے کہ اگر میں اس کے گھر چلی جاؤں تو مجھے فریب

میں لاکر کہیں فروخت کردے گا. مراد بی بی بنت شکردین ساکن مٹھے ڈاکخانہ مکھو ضلع فیروز پور

جواب ۔ جو شخص اپنی بیوی کو تنگ کرے اور اس کی نیت آباد کرنے کی نہ ہو ایسی حالت میں عورت کو فسخ نکاح کا اختیار ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوا یعنی عورتوں کو دکھ دینے کے لئے نہ روک رکھو اور جو ایسا کرے اس نے اپنی جان پر ظلم کیا دوسری آیت میں ہے۔ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ ۔ یعنی عورتوں کو اچھے طریق سے رکھنا ہے یا اچھے طریق سے چھوڑ دینا ہے ان دو طریق کے علاوہ شریعت میں تیسرا طریق نہیں۔ اگر کوئی تیسرا راستہ اختیار کرے یا تکلیف دینے کی خاطر روک رکھے یا دوسری جگہ فروخت کرنے کی کوشش کرے تو شریعت کی طرف سے وہ اس بات کا حقدار نہیں۔ بلکہ وہ ظالم ہے پس عورت کو اختیار ہے کہ ظلم سے بچنے کے لئے اپنا نکاح فسخ کرالے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

قبر کی پوجا اور غیر اللہ کی نذر و نیاز سے نکاح کا فسخ ہونا

سوال ۔ لڑکا قبر پرست پیر پرست ہے۔ ہمیشہ اس کی خوراک خانگاہ کا چورمہ ہے لڑکی اور اس کے والدین اہل توحید ہیں اور لڑکی کو جبراً پوجا کراتے اور چورمہ کھلاتے ہیں اور لڑکی کھانے اور پوجا کرنے سے انکار کرتی ہے اس بات سے ناراض ہو کر لڑکی اپنے والدین کے گھر آگئی ہے۔ اور اپنے مشرک سسرال میں جانا نہیں چاہتی اس ناچاقی کو ایک سال ہو گیا ہے۔ اب کیا صورت اختیار کی جائے۔

محمد الدین راجہ سانسی امرتسر

جواب ۔ مشرک اور کافر سے نکاح نہیں ہوتا۔ قرآن مجید میں ہے وَلَا تُنكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُؤْمِنُوا یعنی مشرکوں کو اپنی لڑکیاں نہ دو اور دوسری جگہ ہے لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ یعنی مسلمان عورتیں کافروں کے لئے حلال نہیں اور نہ کافر عورتیں مسلمانوں کے لئے حلال ہیں۔

ان آیتوں کی رو سے سوال میں جس نکاح کا ذکر ہے وہ تین حیض کے بعد فسخ ہے عورت کو دوسری جگہ بٹھا دینا چاہیئے۔ ہاں خاوند کے قبر کے پجاری ہونے کا اور چڑھاوا اور چورما کھانے کا اور لڑکی کو اس کام پر مجبور کرنے کا ثبوت پختہ ہونا چاہیئے۔ ایسا نہ ہو کہ معاملہ شکی ہو۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

سوتیلی ماں کے ساتھ زنا کرنے سے نکاح فسخ ہو جاتا ہے؟

سوال: ایک شخص شادی شدہ ہے اور وہ شیطان کے پنجہ میں آکر اپنی سوتیلی ماں سے زنا کر لیتا ہے لیکن بعد ازاں وہ پریشان ہوتا ہے۔ اور اپنے کئے پر پچھتاتا ہے تو اس فعل سے کیا اس کا نکاح باطل ہو گیا یا نہیں؟ اگر باطل نہیں ہوا تو ایسے شخص پر تعزیر لگے گی۔

جواب: قرآن مجید میں خدا تعالیٰ نے پندرہ رشتے حرام کئے ہیں باپ کی منکوحہ سے بدکاری کرنے کی صورت میں زوجہ کو ان میں داخل نہیں کیا جس سے معلوم ہوا کہ زوجہ اس صورت میں حرام نہیں ہوتی ہاں اگر اس کی زوجہ اس کی سوتیلی والدہ کی بیٹی۔ پوتی وغیرہ ہو تو اس صورت میں حنفیہ کے نزدیک اس کی زوجہ حرام ہو جائے گی۔ کیونکہ ان کے نزدیک جیسے کسی عورت کے ساتھ نکاح کرنے سے اس کے اصول و فروع حرام ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح زنا سے حرام ہو جاتے ہیں اور اگر اس کی زوجہ اس کی سوتیلی والدہ کی بیٹی۔ پوتی نہیں تو پھر کسی کے نزدیک اس کی زوجہ حرام نہیں۔ ہاں شرعی حد اس پر لگ سکتی ہے اگر اپنی سوتیلی ماں سے نکاح کرتا تو اس کی حد قتل اور اس کے مال و اسباب کی غارت تھی۔ اب یہ حد نہیں بلکہ نکاح کے بعد اگر اپنی بیوی سے ہمبستری کر چکا ہو تو اس کی حد سو درے اور رجم ہے ورنہ سو درے اور ایک سال کے لئے جلاوطن کرنا ہے لیکن اس وقت انگریزی راج ہے جس میں ایسی فوجداری مشکل ہے اس لئے کسی اور طریق سے تنبیہ کرنی چاہیئے۔ کیونکہ حتی الوسع برائی کی روک تھام کا حکم ہے۔ اگر تنبیہ کرنے سے پہلے خود بخود توبہ کر چکا ہو تو پھر تنبیہ کی ضرورت نہیں۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

خاوند چودہ سال کے لئے جیل میں

سوال: زید کا نکاح ہندہ سے ہوا زید کی عمر پنتیس برس اور ہندہ کی عمر تیرہ سال ہے نکاح کے ایک ہفتہ بعد زید قتل کے مقدمہ میں تین سال کی قید ہوا تو پھر زید نے اپیل کی۔ زید کے اپیل کرنے پر زید کی قید ۱۴ سال ہو گئی۔ ہندہ نے ایک سال کے بعد زید کو خط لکھا کہ مجھے طلاق دو یا خرچ دو زید نے ہر دو سے انکار کیا۔ اور زید کے وارثوں نے ہندہ کو مطلق خرچ نہیں دیا اور نہ کوئی ہندہ کا وارث بنا آخر کار بمشکل ہندہ

ایک شخص کے گھر بغیر طلاق آباد ہوئی اور مسلمانوں کے ہاتھ سے تنگ آکر مذہب تبدیل کیا۔ اب ہندہ سکھ مذہب رکھتی ہے نصیحت کرنے سے ہندہ اور اس کا خاوند دوبارہ مسلمان ہونے کو رجوع ہے۔ آپ بتائیں کہ ہندہ کے خاوند اوّل کے نکاح کا کیا حال ہے۔ نور احمد سُلطان خانوالہ ڈاکخانہ خاص ضلع فیروز پور

جواب۔ روش سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حقیقۃً سکھ ہوگئی۔ کیونکہ اب اس کا رجوع اسلام کی طرف سمجھنے سمجھانے سے ہیں اس صورت میں اس کا نکاح زید اول سے بالاتفاق فسخ ہوگیا۔ قرآن مجید میں ہے وَلَا تُمْسِكُوا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ (۲۸ ع ۸) یعنی کفار عورتوں کے نکاح قائم نہ رکھو۔ دوسرے زید کے گھر میں بے نکاحی بیٹھی ہے اس لئے اسلام لانے کے بعد ایک حیض تک عورت دوسرے زید سے الگ رہے اس کے بعد رضا ورغبت اس سے نکاح کر دیا جائے۔ اگر حمل ہو تو وضع حمل کے بعد نکاح کیا جائے۔ اگر حقیقت میں سکھ نہ ہوئی ہو۔ تو پھر ۱۲ سال جیل میں جانے کی وجہ سے نکاح فسخ ہو سکتا ہے۔

عبداللہ امرتسری مدیر تنظیم مورخہ ۲ جمادی الاوّل ۱۳۵۸ھ

شرط پورا نہ کرنے پر نکاح کا فسخ ہونا

سوال۔ ایک شخص مسمی بکر نے اپنی دختر ہندہ کا نکاح زید سے کر دیا۔ ہندہ موحدہ پابند صوم و صلوٰۃ ہے۔ مگر زید بالکل گندہ عقیدہ رکھتا ہے۔ بے نمازہے حالانکہ پیش از نکاح اس سے ان باتوں کا بطور شرائط تصفیہ کر لیا تھا کہ عقائد کا درست رکھنا اور صوم وصلوٰۃ کا پابند رہنا مگر نکاح کے کچھ عرصہ بعد اس نے اپنی پہلی حالت سی بنالی، ہندہ پریشان ہے۔ نماز روزہ کی تلقین شروع کی۔ بجائے تعمیل کرنے کے الٹی سزا ملنے لگی کچھ نامناسب جواب یعنی درشتی زبان درازی سے جواب ملنے لگا۔ گھر میں اتنا تفرقہ پیدا ہوگیا۔ کہ خاوند مذکور نے نہایت ظالمانہ دست درازی شروع کردی۔ بلکہ اکثر دفعہ فاقہ دیتا رہا۔ یہاں تک کہ اب لڑکی زید کے گھر آباد نہیں رہنا چاہتی شریعت ایسے ظالم سے لڑکی کو آزاد کراتی ہے یا نہیں؟

فضل دین لوہار از بہاری پور

جواب۔ بشرط صحت سوال عورت کو فسخ کا اختیار ہے کیونکہ بخاری میں ہے مقاطع الحقوق عند الشروط یعنی حقوق کے فیصلے شرائط کے موافق ہیں۔ نیز حدیث میں ہے احق الشروط ان توفوا بہ ما استحللتم بہ الفروج یعنی سب شرطوں سے زیادہ ایفاء کے لائق وہ شرطیں جن کے ساتھ تم

نے شرم گاہوں کو حلال کیا ہے۔

ان احادیث کی بناء پر عورت نکاح فسخ کر سکتی ہے۔ عبد اللہ امرتسری روپڑی ۱۴ اپریل ۱۹۳۹ء

جھوٹ بولنا اور جھوٹا قرآن مجید اٹھانا۔

سوال: ایک شخص نے بطور بٹہ ایک عورت سے نکاح کیا اور اپنی ہمشیرہ کا نکاح اس کے بھائی سے کیا پھر ان کی آپس میں ناچاقی ہو گئی یہاں تک نوبت پہنچی کہ اس شخص نے عدالت میں اپنی ہمشیرہ کے فسخ نکاح کا مقدمہ دائر کر دیا۔ اور عدالت میں بیان دیا کہ میں نے اپنی ہمشیرہ کا نکاح نہیں دیا قرآن مجید بھی اس نے جھوٹا اٹھا لیا۔ کہ میں نے نکاح نہیں دیا کیا اس صورت میں فریق ثانی اپنی ہمشیرہ کا نکاح دوسری جگہ کر سکتا ہے یا نہیں؟ اور عورت بھی انکاری ہو جائے۔ کہ میں ہرگز نہیں جا سکتی کیونکہ اس نے کلام الٰہی جھوٹا اٹھایا ہے۔

جواب: بصورت صحت سوال شخص مذکور کے انکار سے یا جھوٹا قرآن مجید اٹھانے سے جس نکاح کے متعلق سوال کیا گیا ہے وہ فسخ نہیں ہوتا کیونکہ اس کا عمل اس کے ساتھ ہے جس کی سزا وہ دنیا میں یا آخرت میں پائے گا، نکاح کا معاملہ اس سے بالکل الگ ہے اس کا اس پر کچھ اثر نہیں۔ ہاں ویسے نکاح بٹہ حرام ہے۔

عبد اللہ امرتسری روپڑی

عدّت کا بیان

مرضعہ مطلقہ کی عدت

سوال: جس عورت کو رضاعت (دودھ پلانے) کی وجہ سے حیض نہیں آتا اگر اس کو طلاق دی جائے تو اس کی عدت کتنی ہے؟

جواب: جس عورت کو حیض آنے کی امید ہو خواہ جلدی یا دیر سے اس کی عدت حیضوں کے ساتھ پوری ہوتی ہے۔ حبان بن منقذ نے اپنی بیوی کو طلاق دی۔ اس کی گود میں دودھ پیتا بچہ تھا۔

ایک سال تک اس کو حیض نہیں آیا پھر حبان بن منقذ بیمار ہو کر مر گیا حضرت عثمان رضؓ حضرت علی رضؓ حضرت زید رضؓ نے فیصلہ دیا کہ اس کی عدت پوری نہیں ہوئی کتاب احکام القرآن ابن عربی جلد ۲ صفحہ ۳۶۵۔

اس سے معلوم ہوا کہ دودھ پلانے والی کی عدت حیضوں کے ساتھ ہے خواہ دیر سے آئے یا جلدی

عبد اللہ امرتسری روپڑی ۱۷؍ فروری ۱۹۳۵ء

نابالغہ یا مجامعت سے پہلے مطلقہ کی عدت

سوال۔ کسی ولی نے نکاح نابالغہ کسی سے کر دیا کچھ عرصہ کے بعد نابالغہ کو اس کے خاوند نے مطلقہ کر دیا اب وہ چاہتے ہیں کہ عدت نابالغہ بروئے قرآن و حدیث بتائی جائے۔

مفتی فضل عظیم بھیرہ محلہ مقتیان ضلع شاہ پور

جواب۔ اگر نابالغہ زیادہ چھوٹی ہے اور ملاپ کے قابل نہیں تو طلاق کی صورت میں اس پر کوئی عدت نہیں، قرآن مجید میں ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّونَهَا (۲۲/۷)

اے ایمان والو! جب تم ایمان والیوں کو نکاح کرو پھر ہمبستری سے پہلے طلاق دیدو تو تمہارے لئے ان پر کوئی عدت نہیں جس کا تم شمار کرو۔

اور اگر نابالغہ قریب البلوغ ہے اور ملاپ کے قابل ہے اور خاوند اس سے ملاپ کر چکا ہے تو اس وقت طلاق کی صورت میں اس کی عدت تین ماہ ہے۔

قرآن مجید میں ہے۔

وَاللَّائِي يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيضِ مِنْ نِسَائِكُمْ إِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ وَاللَّائِي لَمْ يَحِضْنَ (۲۸/۵) یعنی جو عورتیں بڑھاپے یا کسی بیماری کی وجہ سے احیض سے ناامید ہو چکی ہیں ان کی عدت میں اگر تمہیں تردد ہے تو ان کی عدت تین ماہ ہے اسی طرح ان کی بھی تین ماہ ہے جن کو نابالغی کی وجہ سے ابھی حیض آنا شروع نہیں ہوا۔

عبد اللہ امرتسری روپڑی ضلع انبالہ

مطلقہ کی عدت

سوال۔ اگر خاوند اپنی بیوی کو طلاق دے تو وہ عورت نکاح ثانی کب کر سکتی ہے اس مسئلہ میں چار سوال ہیں۔

سوال ۱۔ دوران عدت عورت کس جگہ سکونت پذیر ہووے پہلے خاوند کے گھر رہے یا والدین کے گھر یا علیحدگی میں رہے یا جس سے نکاح ثانی کرنا چاہے اس جگہ رہے۔

جواب۔ رجعی طلاق میں اتفاق ہے کہ خاوند کے گھر عدت پوری کرے تین طلاق کی صورت میں اختلاف ہے، حنفیہ کہتے ہیں خاوند کے گھر میں پوری کرے اہلحدیث کہتے ہیں جہاں چاہے پوری کرے اور یہی صحیح ہے۔ کیونکہ حدیث کے موافق ہے مگر اتنی شرط ہے کہ ایسی جگہ نہ ہو جہاں غیر محرم کے ساتھ تنہائی کا موقعہ ملتا ہو دوسری شرط یہ ہے کہ وہ گھرانہ نیک ہو ان پر یہ شبہ نہ ہو کہ وہ فعل بد کے مرتکب ہونگے

سوال نمبر ۲۔ اگر عورت سابقہ خاوند کے گھر رہے اور ان دنوں میں دونوں مجامعت کریں یا نہ کریں، عورت مرد کے بیان پر اطمینان ہو سکتا ہے یا نہیں؟

جواب۔ رجعی طلاق میں عدت کے اندر مجامعت کر سکتا ہے یہ رجوع ہوگا اور اس سے بدستور سابق بیوی ہو جائے گی اور عدت نہیں گزارے گی۔

سوال نمبر ۳۔ ایسا ہی اگر جس جگہ عورت نکاح ثانی کرنا چاہتی ہے اس جگہ عدت گزارے اس جگہ بھی مرد عورت کے بیان پر یقین کیا جا سکتا ہے یا نہیں لیکن ان دونوں صورتوں میں شہوت نفسانی کا خطرہ ضرور ہے اس جگہ مشکل ضرور ہے۔

جواب۔ جہاں غیر محرم کے ساتھ تنہائی کا موقع ملے یا شبہ والا گھرانہ ہو وہاں عدت گزارنی درست نہیں۔

سوال نمبر ۴۔ بعض علماء ایک حیض کے بعد نکاح کرا دیتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے۔

جواب۔ خلع کی صورت میں حدیث میں ایک حیض عدت آئی ہے خلع اسے کہتے ہیں کہ عورت مہر معاف کر دے، اور خاوند اس کے عوض اسے طلاق دیدے حنفیہ کے نزدیک اس کی عدت بھی تین حیض ہے مگر چونکہ حدیث میں ایک حیض آگئی ہے اس لئے کوئی شخص ایک حیض کے بعد نکاح

کرلے تو کوئی حرج نہیں۔ ایک حیض ہو یا تین حیض ہوں کیونکہ عدت کا مقصد ہی یہ ہے کہ عدت کے دن گزار کر نکاح کرو۔

عبداللہ امرتسری روپڑی ۹ ربیع الثانی ۱۳۵۲ھ

نکاح بٹہ میں طلاق کے بعد عدت کا مسئلہ

سوال ۔ ایک شخص نے نکاح بٹہ کیا تھا بعد ازاں بوجہ نا اتفاقی کے دونوں کی عدالت کے ذریعہ طلاق ہوگئی۔ اب جس شخص نے روپیہ خرچ کرکے مطلقہ کو طلاق دیدی تھی اس کو یہ اندیشہ ہے کہ شاید یہ کسی شخص کے ورغلانے سے دوسری جگہ نکاح کرلے تو میرے ساتھ اقرار اور خرچ اخراجات کو بھول جائے تو اس کا کیا اعتبار ہے؟ اگر بوجہ شغار نکاح پہلے ہی ناجائز تھا تو طلاق اور عدت بھی فضول ہے کیا اس وقت میں اس مطلقہ کا نکاح ہو جاتا ہے یا نہیں۔ (محمد رمضان)

جواب ۔ بٹہ کا نکاح اگرچہ حرام ہے مگر طلاق کے بعد اس کی عدت پوری ہونی چاہیئے جیسے نکاح فاسد میں عدت ہوتی ہے مثلاً کسی عورت کا ایک مرد سے نکاح ہو گیا۔ اور کچھ مدت کے بعد معلوم ہو کہ اس عورت اور مرد نے کسی عورت کا دودھ پیا ہوا ہے۔ تو ان میں تفریق کرادی جائے گی۔ اور عدت بھی ہوگی کیونکہ یہ نکاح غلطی سے ہوا ہے اگر اس میں سے اولاد ہوگی، تو وہ حرام کی نہیں کہلائے گی۔ بس اسی طرح نکاح بٹہ اور طلاق کو سمجھ لینا چاہیئے۔ کیونکہ اس کی عدت بھی بنا بر شبہ ہے اس صورت مذکورہ میں عورت کو عدت کے بعد اختیار ہے خواہ مرد مذکور سے نکاح پڑھے یا کسی اور سے کیونکہ روپیہ ادا کرنے سے وہ اس کا مالک نہیں۔ نہ وہ اس کی لونڈی ہے پس ہر طرح سے مختار ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

حاملہ لونڈی کی عدت

سوال ۔ لونڈی حاملہ کے لئے آزاد حاملہ کی طرح وضع حمل عدت ہے یا نہیں؟

جواب ۔ عدت میں اور استبراء رحم میں فرق ہے عدت خاوند یا آقا کے احترام وغیرہ کے لئے ہوتی ہے، چنانچہ قرآن مجید میں ہے فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّونَهَا۔ اور استبراء رحم سے مقصود رحم کی فراغت ہوتی ہے تاکہ ایک نطفہ دوسرے نطفہ سے نہ ملے۔ لونڈیاں جو غنیمت میں آتی ہیں وہ اگر حاملہ ہوں تو ان کا استبراء رحم وضع حمل ہے، اگر حاملہ نہ ہوں تو ان کا استبراء رحم ایک حیض ہے۔ اس طرح لونڈیوں کا

حکم ہے جن کی خرید و فروخت ہوتی ہے کیونکہ ان لونڈیوں کی عدت نہیں اس لئے دوسرے کی ملک کا ان پر ثابت ہونا مفر نہیں، خواہ حاملہ ہوں یا غیر حاملہ۔ صرف اتنی بات ہے کہ جس کے حصے میں یہ غنیمت کی لونڈی آئے، یا خرید کے ساتھ اس کے قبضہ میں آئے، وہ بغیر ایک حیض آنے کے یا بغیر حمل کے صحبت کر سکتا ہے۔ برخلاف آزاد عورتوں کے خواہ مسلمہ ہوں یا کتابیات ان پر نکاح کے ساتھ قبضہ نہیں ہوسکتا۔ جب تک کہ اس کی عدت، حیضوں کے ساتھ یا وضع حمل کے ساتھ پوری نہ ہوجائے، کیونکہ عدت دوسرے کی خاطر ہے ہاں حنفیہ زنا کے حمل میں نکاح کے قائل ہیں مگر قرآن وحدیث کے یہ سراسر خلاف ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ لونڈیوں پر ملک ثابت ہوسکتی ہے خواہ حاملہ ہوں یا غیر حاملہ اور آزاد عورتوں پر حمل کی صورت میں ملک نکاح، ثابت نہیں ہوسکتا۔ عبداللہ امرتسری روپڑی انبالہ ۱۸، جمادی الثانی ۱۳۵۷ھ

ہر طہر میں طلاق کی عدت

سوال: ایک شخص نے ہر طہر پر اپنی عورت کو طلاق دی تو وہ عورت تیسری طلاق سے مطلقہ ہو گی، پس وہ بآیت کریمہ وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ الآیۃ

اب بعد اختتام طلاق ثالث تین حیض عدت بیٹھے یا طلاق ہوتے وقت جو اس کو حیض آتا رہا وہ اس کی عدت میں شمار ہوتی ہے۔ یہی ظاہر آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب عورت مطلقہ ہوجائے۔ تب اس کو تین حیض عدت کے گزارنے چاہئیں، ——— کسی صریح روایت میں عدت مطلقہ کی تفصیل آئی ہے یا نہیں۔

بعض علماء کا خیال ہے کہ طلاق درحقیقت وہ تیسری ہی ہے جس سے عورت کا رشتہ عقد ٹوٹ جاتا ہے پس بعد تیسری طلاق کے تین حیض عدت شمار کرے۔ تخلل عدت کا اثنا طلاق میں غیر معتبر ہے۔ مفصل لکھیں

ابو محمد عبد الجبار

جواب: ہر طہر میں طلاق حدیث کے خلاف ہے کیونکہ حدیث میں ہے۔ اَلطَّلَاقُ أَبْغَضُ الْحَلَالِ ہے۔ پس اس کو ضرورت سے زیادہ استعمال کرنا جائز نہیں اور ضرورت ایک طلاق سے پوری ہوجاتی ہے۔ کیونکہ جب اس کو ایک طلاق دے کر عدت میں رجوع نہیں کرے گا، تو خود ہی جدا ہوجائے گی۔ تین طلاق دے کر اپنے نفس پر حرام کرنا چہ معنیٰ؟ شاید پھر کسی وقت دل مل جائے، تو نکاح ہوسکتا ہے،

اگر بالکل حرام کر دی تو پھر مشکل ہے پس جب ہر طہر میں طلاق دینی حدیث کے خلاف ہوئی تو شارع پر اس کی تفصیل بھی ضروری نہ ہوئی بلکہ مجمل بیان کافی ہے سو وہ وہی ہے جو آپ نے لکھا ہے یعنی ظاہر یہی ہے کہ تیسری طلاق کے بعد تین حیض عدت گزارے اور جو پہلے حیض آتے رہے وہ پہلی طلاقوں کی عدت میں شامل ہیں اور یہ کہنا کہ طلاق درحقیقت تیسری ہے اس سے کیا مراد ہے کیا یہ مراد ہے کہ پہلی طلاقوں کی عدت نہیں تو یہ صریح قرآن کے خلاف ہے قرآن میں ہے۔ وَبُعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِي ذَٰلِكَ یعنی خاوند عدت میں رجوع کے زیادہ حق دار ہیں۔ اس میں پہلی طلاقوں کی عدت کی تصریح ہے اور اگر یہ مراد ہے کہ پہلی طلاقوں سے حرمت مغلظہ ثابت نہیں ہوگی تو یہ بالکل ٹھیک ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ پہلی تین طلاقوں کی عدت نہ ہو۔ ہاں، یہاں پوری عدتیں نہیں ہوں گی، بلکہ تداخل ہو جائے گا۔ جیسے کوئی شخص ظہر کے وقت مسجد میں آیا اور وضو کیا تو اس کے لئے تحیۃ المسجد اور تحیۃ الوضو دو نمازیں اکٹھی ہوگئیں، اس نے ظہر کی سنتیں پڑھیں تو پہلی دو بھی ضمن میں ادا ہوگئیں۔ ٹھیک اسی طرح پہلی طلاق کی عدت دوسری میں اور دوسری کی تیسری میں داخل ہوگئی، کیونکہ پہلی کی عدت ابھی ایک حیض گزری تھی اس نے دوسری طلاق واقع کر دی پھر تیسرے طہر میں تیسری کر دی اور جن کے نزدیک ایک مجلس کی تین طلاق ہوتی ہیں، ان کے نزدیک تینوں کی صرف تین حیض عدت ہوگی۔ عبداللہ امرتسری روپڑی۔

عدت وفات

سوال ۔ میری لڑکی کا خاوند فوت ہوگیا ہے اب لڑکی اپنے سسرال میں ہے کیونکہ عدت کے دن پورے کرنے ہیں۔ اور لڑکی کے نہ کوئی بچہ ہے نہ حمل لڑکی کی عمر پندرہ سال کی ہے ہم لڑکی کو عدت کے اندر اپنے گھر واپس لا سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب ۔ جس عورت کا خاوند فوت ہو جائے وہ بغیر عدت گزارے اپنے والدین کے گھر نہیں جا سکتی۔ بلکہ اس کے لئے حکم ہے کہ اپنے خاوند کے گھر چار ماہ دس یوم عدت گزارے چنانچہ مشکوۃ باب العدۃ صہ ۲۸۹ میں ہے کہ زینب بنت کعب سے روایت ہے۔ کہ فریعہ بنت مالک بن سنان نے جو ابو سعید خدری کی بہن ہے اسے خبر دی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مسئلہ پوچھنے کے لئے آئی کہ کیا وہ اپنے گھر جو بنی خدرہ ایک قبیلہ میں ہے چلی جائے۔ کیونکہ اس کا خاوند اپنے باغی غلاموں کو ڈھونڈنے

کے لئے آگیا تھا۔ تو انہوں نے اسے قتل کر دیا۔ کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا میں اپنے گھر جا سکتی ہوں؟ کیونکہ میرے خاوند نے ایسا کوئی مکان نہیں چھوڑا جو اس کی اپنی ملکیت ہو اور نہ ہی نان و نفقہ چھوڑا ہے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اجازت دیدی جب میں لوٹ کر تھوڑی دور آئی تو آپ نے مجھے دوبارہ بلا کر فرمایا کہ جب تک تیری عدت پوری نہ ہو جائے اس وقت تک تو والدین کے گھر نہیں جا سکتی۔ چنانچہ میں نے چار مہینے اور دس یوم خاوند کے گھر عدت پوری کی۔

عبداللہ امرتسری مدیر تنظیم روپڑ ضلع انبالہ

روپیہ لیکر طلاق دینے کی صورت میں عورت کی عدت

سوال ۔ ایک شخص نے اپنی گرہ سے روپیہ دیکر عورت کو طلاق دلوائی ہے اس کی عدت کتنی ہے

جواب ۔ جس شخص نے اپنی گرہ سے روپیہ دے کر طلاق لکھائی ہے اس کا عورت پر قبضہ نہیں عورت خود مختار ہے۔ اگر اس کی مرضی اس سے مرد سے نکاح کی ہو۔ تو نکاح کر لے اگر نہ ہو تو نہ کرے ہاں اگر نکاح کی مرضی ہو تو عدت ایک حیض کافی ہے کیونکہ خلع کی عدت حدیث میں ایک حیض آئی ہے

مفقود الخبر کی بیوی کی عدت

سوال ۔ مفقود الخبر کی بیوی کتنی مدت انتظار کرے اور اس کی عدت کتنی ہے؟

جواب ۔ موطاء امام مالک میں ہے۔

عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ اَيُّمَا امْرَاَةٍ فَقَدَتْ زَوْجَهَا فَلَمْ تَدْرِ اَيْنَ هُوَ فَاِنَّهَا تَنْتَظِرُ اَرْبَعَ سِنِيْنَ ثُمَّ تَعْتَدُّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَعَشْرًا ثُمَّ تَحِلُّ

حضرت سعید بن مسیب رح سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کہا جس عورت کا خاوند گم ہو جائے اور اس کا پتہ معلوم نہ ہو کہاں ہے تو جس روز سے اس کی خبر بند ہوئی چار برس تک عورت انتظار کرے بعد چار برس کے چار مہینے دس دن عدت گزار کر چاہیے تو دوسرا نکاح کرے اگر گم ہوئے کو چار سال یا اس سے زیادہ عرصہ ہو چکا ہو تو چار سال عدت گزارنے کی

ے اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ مفقود عنہا زوجہا کی عدت انقطاع خبر سے شروع ہوتی ہے یا حکم کے فیصلہ کے بعد حضرت سعید بن مسیبؓ کی روایت میں اجمال ہے۔ محدث روپڑی رح کا فتویٰ کہ انقطاع خبر سے عدت شروع ہوتی ہے مذکورہ اثر کے خلاف نہیں ہے۔ (م)

عبداللہ امرتسری ۵ مارچ ۱۹۸۱ء

عبداللہ امرتسری روپڑی

ضرورت نہیں

قسم کا بیان

جھوٹی قسم اور اس کا کفارہ

سوال۔ ایک شخص نے عدالت میں قرآن اٹھالیا ہے اور کہا ہے کہ میں نے کوئی قرضہ نہیں دینا حالانکہ اس نے قرضہ دینا ہے اس کاذب پر شرعی حد کیا ہے۔

جواب۔ مسند احمد جلد اوّل صـ۲۹۶ میں حدیث ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ اِخْتَصَمَ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَجُلَانِ فَوَقَعَتِ الْیَمِیْنُ عَلٰی اَحَدِھِمَا فَحَلَفَ بِاللّٰہِ الَّذِیْ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ مَالَہٗ عِنْدَہٗ شَیْئٌ قَالَ فَنَزَلَ جِبْرِیْلُ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّہٗ کَاذِبٌ اِنَّ لَہٗ عِنْدَہٗ حَقَّہٗ فَاَمَرَہٗ اَنْ یُّؤَدِّیَہٗ وَکَفَّارَۃُ یَمِیْنِہٖ مَعْرِفَتُہٗ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اَوْ شَھَادَتُہٗ

یعنی ابن عباس رضؓ سے روایت ہے کہ دو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مقدمہ لائے تو آپؐ نے ایک سے (مدعیٰ علیہ) سے قسم طلب فرمائی۔ اس نے کہا مجھے خدا کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں مدعی کی کوئی شے میرے پاس نہیں۔ ابن عباس رضؓ نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جبرئیل علیہ السلام آئے فرمایا قسم کھانے والا جھوٹا ہے۔ مدعی کا حق اس کے پاس ہے آپؐ نے اس کو مدعی کا حق ادا کرنے کا امر فرمایا جبرئیلؑ نے کہا اس کی قسم کا کفارہ لاَ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی معرفت یا لا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی شہادت ہے پس وہ بھی اخلاص سے لاَ اِلٰہَ الا اللّٰہ پڑھے اور خالص توبہ کرے اور آئندہ کے لئے عہد کرے کہ کبھی جھوٹ نہ بولوں گا۔ گناہ کی معافی ہو جائے گی۔

ہاں اگر جھوٹی قسم سے کسی کا حق دبایا ہو تو پھر اتنے سے گناہ معاف نہیں ہوگا۔ جب تک حق ادا نہ کرے چنانچہ اسی حدیث میں حق ادا کرنے کا ذکر ہے۔ اور مشکوٰۃ باب الکبائر صـ۹ میں ایسی قسم کو جو کسی کا حق دبانے کے لئے کھائی جائے۔ یمین غموس یعنی دوزخ میں ڈبو دینے والی فرمایا ہے اور اس کو شرک کے ساتھ بیان کیا ہے۔ نیز مشکوٰۃ باب الاقضیہ میں ہے کہ جو جھوٹی قسم کھا کر مسلمان کا حق دبائے وہ خدا کو اس

حال میں ملے گا۔ کہ وہ اس پر غضبناک ہوگا۔ نیز اسی باب میں شرک اور حقوق الوالدین کو یمین غموس کو اکبر الکبائر فرمایا ہے نیز فرمایا اگر مچھر کے پر کے برابر بھی جھوٹی قسم کھا کر کسی کا حق دبائے تو اس کے دل پر ایک داغ ہو جاتا ہے جو قیامت تک رہتا ہے۔

پس یہ گناہ سوائے حق ادا کئے معاف نہیں ہو سکتا۔ ایسے شخص کو چھیک دینا چاہیئے اور اس کے ساتھ میل جول قطع کرنا چاہیئے۔ جب تک خالص توبہ کر کے حق ادا نہ کرے اور ایسے شخص کو جو امداد دے گا اس کی بابت حدیث میں ہے کہ وہ اسلام سے خارج بس امداد دینے والے سے بھی میل جول نہ رکھا جائے ورنہ سب ظالم اور عذاب الٰہی کے مستحق ہوں گے۔ مشکوٰۃ میں ہے کہ جب لوگ ظالم کا ہاتھ نہ پکڑیں تو اللہ ان پر عام عذاب لاتا ہے اور سب ہلاک ہو جاتے ہیں۔ عبداللہ امرتسری روپڑی

ووٹ دینے میں جھوٹ

سوال۔ زید ووٹر ہے جب اس کو عدالت نے آواز دی وہ گیا عدالت نے پوچھا کس جگہ رہتے ہو اس نے کہا اس جگہ رہتا ہوں وکیل نے کہا تم اس جگہ نہیں رہتے جھوٹ بولتے ہو۔ زید نے کہا میں یہیں رہتا ہوں اس نے کہا کہ قرآن مجید اٹھاؤ۔ زید یکدم خاموش ہو گیا آخر چپکے سے قرآن مجید کو ہاتھ لگا دیا اور زبان سے کوئی بات نہیں کی، عدالت نے ووٹ منظور کر لیا۔ زید کو اس بات پر بہت افسوس ہوا کہ میں نے برا کیا ہے مگر اتنا ہے کہ ہاتھ لگاتے وقت بولا تو کچھ نہیں قسم اٹھائی ہے۔ اس کے متعلق شرعی فیصلہ کیا ہے

قادر بخش بازید پوری

جواب۔ قرآن مجید کو ہاتھ لگاتے وقت، اگرچہ کچھ نہیں بولا۔ مگر یہ ہاتھ لگانا عرف عام کی رو سے اسی پر سمجھا جاتا ہے۔ جو پہلے کہہ چکا ہے چنانچہ اسی بناء پر اس کا ووٹ منظور ہوا۔ اور قرآن مجید کو ہاتھ لگانا بھی ایک طرح کی قسم ہے کیونکہ قسم سے مقصود تاکید ہوتی ہے۔ جس میں ایک عظمت اور بڑائی پائی جاتی ہے سو وہی صورت قرآن مجید کو ہاتھ لگانے میں ہے پس اس کے جھوٹی قسم ہونے میں کوئی شبہ نہیں اب اس سے توبہ کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ جس کے حق میں ووٹ دیا ہے اگر وہ اپنے مقابل سے زیادہ لائق اور پبلک کے حق میں بہتر تھا۔ تو پھر صرف خدا کے سامنے توبہ کافی ہے اگر دوسرا شخص زیادہ لائق ہے اور پبلک کے لئے زیادہ بہتر تھا جس کے خلاف ووٹ دیا ہے تو اس میں حقوق العباد کا بھی دخل ہے

اس کی معافی کی صورت خدا کے حضور توبہ کرنے کے علاوہ حق والے کو راضی کرنا بھی ضروری ہے جس طرح بھی ہو سکے اسے راضی کرے خواہ معافی مانگ کر یا کچھ دے دلا کر اور اگر وہ یہ کہے کہ جس طرح جھوٹ بولا ہے اسی طرح عدالت کے سامنے جھوٹ کا اقرار کرو۔ تو اس کو یہ بھی حق حاصل ہے کیونکہ جن کے سامنے اس کو بے وقعت ظاہر کیا گیا ہے انہی کے سامنے خلاف ووٹ دیا ہے اس کا تدارک یہی ہے کہ آئندہ اس کے حق میں ووٹ دینے والے کھڑے کرے تاکہ دونوں برابر ہو جائیں یا ویسے اس سے معافی مانگ لے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

غیر مسلم سے ایسی قسم لینا جس کی اس کے مذہب میں عظمت ہو۔

سوال: امام ترمذی رح نے حدیث تمیم داری کو جس میں تحلیف غیر مسلم کا ذکر ہے بایں الفاظ روایت کیا ہے۔ فَاَمَرَهُمْ اَنْ يَسْتَحْلِفُوْهُ بِمَا يُعَظَّمُ عَلٰى اَهْلِ دِيْنِهٖ فَحَلَفَ۔ (عه) اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر مسلم شخص کو غیر اللہ کی قسم دے سکتے ہیں لیکن دیگر روایات میں قسم بغیر اللہ کو منع کیا گیا ہے بلکہ شرک کہا گیا ہے اور موحد شخص کسی مسلم یا غیر مسلم کو غیر اللہ کی قسم نہیں دلا سکتا۔ کیونکہ یہ امر اس کے ایمان کے منافی ہے۔ اب دریافت امر یہ ہے کہ قاضی مسلم کے پاس اگر کسی غیر مسلم کا مقدمہ آئے اور مدعی کے پاس گواہ نہ ہوں تو وہ مدعی علیہ غیر مسلم کو غیر اللہ کی قسم دلا سکتا ہے یا نہیں؟ کیونکہ اسلامی قسم اس کے نزدیک کوئی قسم نہیں۔

جواب: خلاف شرع کا ارتکاب جائز نہیں، اس سے جواز والی صورت مراد ہے۔ اگر کوئی اور صورت نہ ہو تو یوں کہلوانا چاہیئے کہ اگر میں جھوٹا ہوں تو میرا مال اولاد تباہ ہو جائے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

نذر کا بیان

عه پس ان کو حکم دیا کہ اس سے اس شے کی قسم لیں جس کی اس کے دین میں تعظیم کی جاتی ہے پس اس نے قسم کھائی۔

کام نہ ہونے کی صورت میں نذر پوری کرنا ضروری ہے یا نہ

سوال۔ اگر کسی شخص نے نذر مانی ہے کہ میرا کام ہو جائے تو میں خدا کے لئے شیرینی یا نقد روپیہ کسی مسکین کو دے دوں گا۔ پھر اس کا کام نہیں ہوا، اس صورت میں اس کو نذر کا پورا کرنا ضروری ہے یا نہ؟

جواب۔ صورت مذکورہ میں نذر پوری کرنی ضروری نہیں۔ اِذَا فَاتَ الشَّرْطُ فَاتَ الْمَشْرُوطُ۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

نذر کا مسئلہ

سوال۔ زید نے نذر مانی کہ مستقل ملازمت مل جانے پر تہائی تنخواہ فلاں مسجد میں دیا کروں گا۔ بعد ملازمت کے اس کے خرچ اخراجات بڑھ گئے سودی قرضہ اتارنا پڑا جس کی وجہ سے نذر نہ ادا کر سکا کیا عنداللہ کوئی مواخذہ ہوگا، اب وہ کیا کرے؟

جواب۔ اس نذر کا پورا کرنا ضروری ہے کیونکہ معین ہے اگر مبہم ہوتی تو قسم کا کفارہ کافی ہو جاتا مثلاً اس طرح مانتا، کہ میں کچھ دیا کروں گا تو قسم کے کفارہ سے رہائی ہو سکتی تھی۔ چنانچہ احادیث میں صراحت آئی ہے، حصہ معین کرنے کی صورت میں رہائی مشکل ہو سکتی ہے یہ شخص خرچ اخراجات بڑھنے کا عذر کرتا ہے اس کو چاہیئے کہ قرآن شریف میں سورہ نون میں باغ والوں کا قصہ یاد کرے۔ کہ انہوں نے خرچ اخراجات بڑھنے کے عذر سے اپنے والد کا سلسلہ خیرات بند کر دیا کرتا تھا۔ تو پھر کیا نتیجہ ملا، باغ ہی فنا ہو گیا۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

نذر میں تبدیلی

سوال۔ ایک شخص نے جب کہ وہ بالکل بے دین اور جاہل تھا منت مانی تھی کہ اگر فلاں مقدمہ میرے حق میں ہو جائے۔ تو میں آٹھ پہر اپنے گاؤں میں دیگیں چڑھاؤں گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی یہ آرزو پوری کر دی، اب وہ شخص اہلحدیث دیندار متبع سُنّت ہے بعض دوستوں نے سمجھایا کہ گاؤں چھوٹا ہے آٹھ پہر دیگیں چڑھانا اسراف ہے دو تین دیگیں پکا کر سارے گاؤں کو کھلا دو، باقی روپیہ کسی مسجد مدرسہ

وغیرہ میں خرچ کر دو، شرعاً اس کے متعلق کیا فیصلہ ہے، محمد یوسف گرو چک ڈاکخانہ قلعہ سوبھا سنگھ ضلع سیالکوٹ

جواب، حدیث میں ہے۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ اَنَّ رَجُلًا قَامَ يَوْمَ الْفَتْحِ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ نَذَرْتُ لِلّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ اِنْ فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكَ مَكَّةَ اَنْ اُصَلِّيَ فِيْ بَيْتِ الْمُقَدَّسِ رَكْعَتَيْنِ قَالَ صَلِّ هٰهُنَا ثُمَّ اَعَادَ عَلَيْهِ فَقَالَ صَلِّ هٰهُنَا ثُمَّ اَعَادَ عَلَيْهِ فَقَالَ شَاْنَكَ اِذًا۔ (رواہ ابوداؤد والدارمی)

فتح مکہ کے دن ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا۔ کہ میں نے اللہ کے لئے نذر مانی تھی، اگر اللہ تعالیٰ آپ کے لئے مکہ فتح کر دے تو میں بیت المقدس میں دو رکعت نماز پڑھوں گا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہاں (بیت اللہ میں) نماز پڑھ لو۔ اس شخص نے پھر وہی کہا، آپ نے فرمایا یہاں نماز پڑھ لو۔ اس شخص نے پھر وہی کہا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اب تمہاری مرضی۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جو نذر جائز اور شرعاً صحیح ہو اس کو بھی بہتر صورت میں تبدیل کرنا بہتر ہے صورت مسئولہ میں جس نذر کا بیان ہے اس کا تبدیل کرنا بطریق اولیٰ بہتر ہے کیونکہ اس میں ریا اور نمائش ہے نیز کھانے والوں میں بے نماز اور بے دین بھی ہوں گے، حدیث میں ہے لَا يَاْكُلُ طَعَامَكَ اِلَّا تَقِيٌّ تیرا کھانا پرہیز گار کھائیں، پس صورت مسئولہ میں جو نذر مانی گئی ہے، اس کو اسی طرح پورا کیا جائے کہ روپیہ کسی مسجد یا مدرسہ میں لگا دیا جائے۔ یا کوئی نیک غریب تنگ دست ہو تو اس کی امداد کر دی جائے اور رقم کا اندازہ دیگوں کے اندازہ سے کرنا چاہیئے یعنی جتنی دیگیں اس وقت، پکانے کا خیال تھا، ان کے مطابق رقم خرچ کرنی ضروری ہے

عبداللہ امرتسری روپڑی

نذر کی رقم جس کو دی جانی تھی وہ مر گیا اب یہ رقم کس کو دی جائے؟

سوال، نذر کے پیسے جس شخص کو دینے مانے تھے وہ مر گیا اب وہ پیسے کس کو دیئے جائیں؟

جواب، اگر مرنے والے کا کوئی وارث ہو تو یہ روپے اس کو دیدیے جائیں۔ ورنہ اس کی طرف سے بطور صدقہ کے کسی مسکین محتاج بیوہ عورت کو دیدیا جائے، یا کسی مدرسہ وغیرہ میں لگا دیا جائے تاکہ مرنے والوں کو ثواب پہنچ جائے کیونکہ اس نذر کے پیسے اس کا حق اور اس کا ترکہ ہے جو اس کے ورثاء کو ملنا چاہیئے۔ یا اس کی طرف سے کسی ثواب کی جگہ لگ جانا چاہیئے۔ عبداللہ امرتسری روپڑی ۹ محرم ۱۳۶۰ھ

مزار پر نذر نیاز اور قبر پر قرآن مجید پڑھنا

یہ فتویٰ جلد دوم کے صفحہ ۴۷۰ پر درج ہو چکا ہے۔

عقیقہ کا بیان

سات روز کے بعد عقیقہ

سوال۔ اگر کوئی شخص کسی عذر سے بعد سات روز کے عقیقہ کرے تو اس کا عقیقہ ہو گیا یا نہیں؟

جواب۔ نیل الاوطار وغیرہ میں بعض روائتیں ایسی ذکر کی ہیں کہ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ چار سال یا زیادہ کے بعد بھی عقیقہ درست ہے لیکن اس کی مثال قضا کی ہوگی نہ ادا کی۔ اس سے سات دن سے متجاوز نہ ہونا چاہیئے اگر کسی مجبوری سے رہ جائے تو پھر چودہ کو پھر اکیس کو سہی۔ نیل الاوطار میں ہے۔

وَيَدُلُّ عَلَى ذَالِكَ مَا اَخْرَجَهُ الْبَيْهَقِيُّ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْعَقِيْقَةُ تُذْبَحُ لِسَبْعٍ وَلِاَرْبَعَ عَشَرَةَ وَلِاِحْدٰى وَعِشْرِيْنَ۔

یعنی ساتویں دن کے بعد چودھویں پھر اکیسویں دن عقیقہ کرنے پر بیہقی کی حدیث دلالت کرتی ہے۔ جو عبداللہ بن بریدہ رض نے اپنے والد کے واسطے سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عقیقہ ساتویں و چودھویں و اکیسویں دن کیا جائے۔

فتح الباری میں ہے۔

وَوَرَدَ فِيْهِ حَدِيْثٌ اَخْرَجَهُ الطَّبْرَانِيُّ اَنَّهُ تَفَرَّدَ بِهٖ۔

یعنی طبرانی میں ساتویں دن کے بعد عقیقہ کی حدیث آئی ہے۔ جو اسماعیل بن مسلم نے عبداللہ بن بریدہ سے اس نے اپنے باپ کے واسطے سے روایت کی ہے اور اسماعیل ضعیف ہے اور طبرانی نے کہا ہے کہ روایت میں یہ اکیلا ہے اس کی موافقت کسی نے نہیں کی۔ فتح الباری کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ چودھویں اور اکیس دن کی روایت بیہقی والی بھی ضعیف ہے کیونکہ طبرانی کہتے ہیں۔ کہ عبداللہ بن مسلم اس روایت میں

اکیلا ہے تو معلوم ہوا کہ بیہقی میں بھی یہی راوی ہے پس یہ روایت ضعیف ہوئی اسی طرح وہ روایت بھی ضعیف ہے جس میں یہ لفظ ہیں۔ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَقَّ عَنْ نَفْسِہٖ بَعْدَ النُّبُوَّۃِ (فتح الباری جزء ۲۲) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کے بعد اپنا عقیقہ کیا اس میں عبداللہ بن محرر راوی ضعیف ہے چنانچہ فتح الباری کے اسی صفحہ میں اس کے ضعف کی تصریح کی ہے مناسب یہی ہے کہ عقیقہ ساتویں روز ہو۔ ورنہ بعد کو قضاء کے حکم میں ہوگا۔ یعنی اگر غلطی سے ساتویں دن رہ جائے تو پھر چودہویں یا اکیسویں سہی، ورنہ پھر جب چاہے کرے۔ کیونکہ قضاء کا کوئی وقت مقرر نہیں۔ مگر پھر بھی جلدی بہتر ہے کیونکہ کیا پتہ ہے موت آجائے اور یہ کام درمیان رہ جائے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

عقیقہ کے جانور میں شرکت

سوال: جس طرح قربانی میں شریک ہو جاتے ہیں اسی طرح عقیقہ میں شامل ہو سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب: عقیقہ کی بابت حدیث میں کوئی تفصیل نہیں آئی۔ صرف گائے کا ذکر ہے نیل الاوطار میں بحوالہ طبرانی اور ابوالشیخ حضرت انس رضؓ سے مرفوع روایت درج کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔ یُعَقُّ عَنْہُ مِنَ الْاِبِلِ وَالْبَقَرِ وَالْغَنَمِ (نیل الاوطار) یعنی لڑکے کی طرف سے اونٹ، گائے، بکری کا عقیقہ کیا جائے اس حدیث میں حصوں کا کوئی ذکر نہیں۔ نیل الاوطار میں اس محل پر لکھا ہے کہ امام احمدؒ پورے اونٹ اور گائے کے قائل ہیں اور بعض علماء عقیقہ کو قربانی پر قیاس کرتے ہیں ان کے نزدیک سات حصے ہوں گے۔ چنانچہ نیل الاوطار اس محل پر رافعیؒ کا قول ذکر کیا ہے وہ کہتے ہیں سات حصے ہو سکتے ہیں، پھر نیل الاوطار میں کہا ہے کہ اونٹ کی قربانی میں دس حصے بھی ہو سکتے ہیں اور جو عقیقہ کو قربانی پر قیاس کرتا ہے، وہ شاید عقیقہ میں اونٹ کے دس حصے کا بھی قائل ہو غرض علماء کے اسی قسم کے خیالات ہیں اس لئے پورا اطمینان نہیں کیونکہ ممکن ہے شارع کا مقصد دو جانیں ہوں۔ تو پھر ایک گائے اونٹ بھی لڑکے کی طرف سے کافی نہیں ہوں گے چہ جائیکہ ان میں حصے ہو سکیں پس ایسے موقع پر احتیاط پر عمل اور شبہات سے پرہیز چاہیئے۔ نعمان بن بشیر کی حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ حلال واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے ان دونوں کے درمیان شبہ والی اشیاء ہیں جن کو بہت لوگ نہیں جانتے پس جو شبہ والی اشیاء سے بچے اس نے اپنا دین اور اپنی عزت بچالی اور جو شبہ والی اشیاء میں واقع ہو گیا وہ گویا حرام

میں داقع ہوگیا جیسے چرواہا چراگاہ کے ارد گرد چرائے تو وہ وہی ہے کہ چراگاہ میں چرائے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس کام میں شبہ ہو اس سے پرہیزی مناسب ہے پس گائے میں حصوں سے پرہیز بہتر ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی ۹ رمضان المبارک ۱۳۵۴ھ

عقیقہ کے جانور میں قربانی کی شرائط

سوال۔ عقیقہ کا جانور کس عمر کا ہو۔ صاحب سبل السلام نے کہا ہے کہ شرائط اس کے صحیح حدیث سے ثابت نہیں۔ بالقیاس ہیں۔

جواب، عقیقہ کے جانور کے متعلق کسی حدیث میں تصریح نہیں آئی صرف مُکَافِئَتَان کا لفظ آیا ہے جس کا معنی کتب لغت حدیث (نہایہ۔ مجمع البحار وغیرہ) میں مسنّۃ وغیرہ کے لکھے ہیں، مجمع البحار میں ہے، وَفِی حَدِیْثِ عَنِ الغلام شَاتَانِ مُکَافِئَتَانِ یعنی مُتَسَاوِیَتَیْنِ فِی السِّنِّ ای لَا یُعَقُّ عَنْہُ اِلَّا بِمُسِنَّۃٍ وَاَقَلُّہٗ اَنْ یَکُوْنَ جَذَعًا کَمَا یُجْزِیُٔ فِی الضَّحَایَا وَقِیْلَ مُتَسَاوِیَتَانِ اَیْ مُتَقَارِبَتَانِ اَوْ یَکُوْنُ مَعْنَاہُ مُعَادِلَتَانِ لِمَا یَجِبُ فِی الزَّکوٰۃِ وَالْاُضْحِیَۃِ مِنَ الْاَسْنَانِ وَیَحْتَمِلُ مَعَ الْفَتْحِ اَنْ یُّرَادَ مَذْبُوْحَتَانِ من کافا الرجل بین بَعِیْرَیْنِ اِذَا نحر ھذا ثُمَّ ھٰذَا مَعًا مِنْ غَیْرِ تَفْرِیْقٍ کَاَنَّہٗ یُرِیْدُ شَاتَیْنِ یَذْبَحُھُمَا مَعًا حَ اَرَادَ التَّکَافُؤَ فِی السِّنِّ اَیْ تَکُوْنَانِ تَجْزِیَانِ فِی الضَّحَایَا لَا یَکُوْنُ اَحَدُھُمَا مُسِنَّۃً وَالْاُخْرٰی غَیْرَھَا۔ مجمع البحار جلد ۳ ص ۲۱۶ یعنی دونوں بکریاں سن میں برابر ہوں جس سے مقصد یہ ہے کہ عقیقہ کا جانور مسنہ ہونا چاہیئے اور اقل درجہ یہ ہے کہ (دنبہ) جزع ہو جیسے قربانی میں جزع کفایت کرتا ہے (یعنی دنبہ چھ سات ماہ کا کافی ہے) اور کہا گیا ہے کہ آپس میں برابر ہوں دونوں میں عمر کے لحاظ سے بڑا فرق نہ ہو۔ یا یہ معنیٰ ہے کہ زکوٰۃ اور قربانی کے جانور کے برابر ہوں اور فاکی فتح کے ساتھ یہ معنیٰ بھی ہو سکتے ہیں۔ کہ یکے بعد دیگرے جلدی ذبح کیئے جائیں، ایک کے ذبح کے بعد دوسرے کے ذبح کرنے میں تاخیر نہ کی جائے عرب کہتے ہیں کَافَا الرَّجُلُ بَیْنَ بَعِیْرَیْنِ (پے درپے دو اونٹ ذبح کئے) یہ اس وقت کہتے ہیں، جب ایک کے بعد متصل دوسرا اونٹ ذبح کیا جائے اور شرح جامع الاصول میں ہے کہ مسنہ ہونے میں مساوات مراد ہے یعنی بکریاں ایسی ہوں جو قربانی میں کفایت کر سکیں۔ ایک مسنہ اور دوسری غیر مسنہ نہ ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ مُکَافِئَتَان کے معنی میں اختلاف ہے کوئی کہتا ہے قربانی کے جانور کے برابر کوئی کہتا ہے ایک دوسرے

کے برابر کوئی کہتا ہے ذبح ہونے میں برابر یعنی ایک دوسرے کے متصل ذبح کیئے جائیں. جب اس لفظ کا ایک معنیٰ قربانی کے جانور کے برابر ہونا بھی ہے تو ایسے موقعہ پر احتیاط اسی میں ہے کہ مسنہ ذبح کرے تاکہ اختلاف سے نکل جائے بلکہ احتیاطاً مناسب ہے کہ باقی شرائط قربانی کا لحاظ بھی رکھا جائے میرا اپنا عمل اسی پر ہے اور ایک سال سے کم عمر کا جانور تو دنبہ کے سوا کسی صورت جائز ہی نہیں کیونکہ حدیث میں شاۃ کا حکم ہے بکریوں کی جنس میں چھوٹی عمر کے لئے عَنَاق عتود وغیرہ کا لفظ استعمال ہوتا ہے اور جب بچہ جننے کے لائق ہو جائے تو شاۃ کا لفظ بولتے ہیں جیسے انسان میں چھوٹی عمر کے لیے جاریۃ ۔ ولیدہ صبیۃ وغیرہ کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں، جب بلوغ کا زمانہ آجاتا ہے تو مرادۃ کا لفظ بولا جاتا ہے اور ہمارے محاورہ میں عورت کہتے ہیں. ٹھیک اسی طرح عربی محاورہ میں شاۃ کا لفظ ہے اور بکری عموماً سال کے اندر بچہ جننے کے قابل نہیں ہوتی پس اس حدیث سے ثابت ہوا کہ سال سے کم تو کسی صورت ہی جائز نہیں، اور قربانی کے جانور کے برابر ہو. یعنی مُسِنّہ ہو اور باقی شرائط قربانی کے جانور کے بھی پائے جائیں تو یہ اسلم طریق ہے اس میں کسی قسم کا شبہ اور تردد نہیں رہتا حدیث میں ہے. دَعْ مَا یُرِیْبُكَ اِلٰی مَا لَا یُرِیْبُكَ یعنی شکی کام کو چھوڑ کر وہ کام کر جس میں شک نہ ہو۔

عبد اللہ امرتسری روپڑی ضلع انبالہ

عقیقہ کو نسیکہ کہنے کی وجہ

سوال ، ایک حدیث میں عقیقہ نام کو مکروہ سمجھا گیا ہے اور عقیقہ کی بجائے نسیکہ کہا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عقیقہ کی وہی شرائط ہیں جو نسیکہ کی ہیں؟

جواب ، نسیکہ کہنے کی یہ وجہ نہیں کہ اس کے احکام قربانی کے ہیں بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ عقیقہ چونکہ عقوق سے جس کے معنی کاٹنے کے ہیں اور اس سے عاق ہے، اس لئے عقیقہ کے نام کو مکروہ جانا اور اس کی بجائے نسیکہ نام پسند کیا. پس اس سے قربانی کے احکام سمجھنا غلطی ہے علاوہ اس کے قربانی میں تو ایک بکری ایک گھر والوں کی طرف سے کافی ہے اور عقیقہ میں ایک بکری ایک لڑکے کی طرف سے کافی نہیں، چنانچہ حدیث میں دو بکریاں بتلائی ہیں تو پھر اس سے قربانی والے احکام کس طرح سمجھے جا سکتے ہیں. ہاں بعض اور روائیتوں سے پتہ چلتا ہے کہ عمر قربانی والی ہونی چاہیئے۔

کراہت تنزیہی

عقیقہ کے نام سے کراہت تنزیہی مراد ہے یعنی یہ نام بہتر نہیں. اگر بالکل منع ہوتا تو
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود اس کا استعمال نہ کرتے۔
حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے استعمال کیا ہے ملاحظہ ہو مشکوٰۃ وغیرہ۔ عبداللہ امرتسری روپڑی

عقیقہ واجب ہے یا سُنت؟

سوال، عقیقہ واجب ہے یا سُنت؟

جواب، عقیقہ کے واجب غیر واجب ہونے میں اختلاف ہے حسن بصری رحؒ تابعی اور ظاہریہ وجوب کے قائل ہیں اور جمہور کہتے ہیں سُنت ہے اور امام ابوحنیفہ رح کہتے ہیں نہ فرض ہے نہ سُنت اور کہا گیا ہے کہ امام ابوحنیفہ رح کے نزدیک نفل ہے۔ امام ابوحنیفہ رح کے شاگرد امام محمد رح کے نزدیک قربانی کے ساتھ منسوخ ہو گیا ہے اور امام ابوحنیفہ رح سے یہ بھی روایت ہے کہ یہ جاہلیت کی رسم تھی، اسلام نے اس کو مٹا دیا ہے شاید امام ابوحنیفہ رح کو عقیقہ کی احادیث نہ پہنچی ہوں یہ تمام اقوال امام شوکانی رح نے نیل الاوطار جلد ۴ صت ۳۶۷ میں ذکر کئے ہیں. امام شوکانی رح کا میلان جمہور کے مذہب کی طرف معلوم ہوتا ہے جمہور کی دلیل حدیث پیش کی ہے اس حدیث میں احب (جو دوست رکھے) کا لفظ چاہتا ہے کہ عقیقہ ضروری نہ ہو، مگر دلیل کمزور ہے کیونکہ دوسری احادیث سے ضروری ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ بعض روایتوں میں صیغہ امر آیا ہے۔ اَهْرِيقُوا عَنْهُ دَمًا (اس سے خون بہاؤ" آیا ہے. جو وجوب کے لئے ہے اور بعض میں رَهِيْنَة" کا لفظ آیا ہے جس کے معنیٰ ہیں کہ عقیقہ نہ ہو تو بچہ ماں باپ کی شفاعت نہیں کر سکتا یا عقیقہ ایسا لازمی ہے جیسے کوئی شے گرو ہوتی ہے اور قرض کی ادائیگی کے بغیر چھوٹ نہیں سکتی. اور بعض نے اس کے معنیٰ کئے ہیں کہ وہ گرو کی طرح بند ہے جب تک عقیقہ نہ کیا جائے۔ نہ نام رکھا جائے نہ بال اتارے جائیں. اور بال اتارنے سے تو چارہ نہیں پس عقیقہ بھی ضروری ہو گیا، اور بعض روایتوں میں اَمَرَنَا کا لفظ آیا ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ہمیں عقیقہ کا حکم دیا اس سے بھی وجوب ثابت ہوتا ہے۔ امام شوکانی رح نیل الاوطار جلد ۴ میں کہتے ہیں اگرچہ یہ الفاظ وجوب کے لئے ہیں. مگر مَنْ اَحَبَّ

کا لفظ قرینہ صارفہ ہے اس لفظ سے ثابت ہوتا ہے کہ الفاظ سے وجوب مراد نہیں بلکہ امر استحبابی مراد ہے

لیکن امام شوکانی رح کا یہ کہنا ٹھیک نہیں، کیونکہ امر کا صیغہ یا امر کا لفظ کبھی قرینہ کے ساتھ استحباب کے لئے آجاتا

ہے۔ لیکن رَهِينَةٌ کے معنی استحباب کیلئے مشکل ہے، علاوہ اس کے من احب کا لفظ استحباب کے

لئے تسلی بخش دلیل نہیں۔ دیکھئے قرآن مجید میں ہے

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ

"کہدے اگر تم خدا کو دوست رکھتے ہو تو میری اتباع کرو"

اس آیت میں وہی محبت کا لفظ ہے مگر باوجود اس کے آپ کی اتباع ضروری ہے ٹھیک اسی طرح حدیث

مذکور کو سمجھ لینا چاہیئے۔ اصل بات یہ ہے جیسے شرط ہوتی ہے ویسے ہی جزاء کا حکم ہوتا ہے اللہ کی محبت

چونکہ ضروری ہے اس لئے آپ کی اتباع بھی ضروری ہے اسی طرح عقیقہ چونکہ ضروری ہے۔

—— جیسا کہ ابھی بیان ہوا ہے اس لئے لڑکے کیطرف سے دو بکریاں ہم عمر (یعنی دونوں مسنہ) ہوں

اور لڑکی کی طرف سے ایک ضروری ہے یعنی کم نہ کرے۔ ہاں اگر حدیث یوں ہوتی کہ جو عقیقہ کرنا دوست رکھے

وہ عقیقہ کرے تو پھر یہ حدیث استحباب کی دلیل بن سکتی تھی، اب نہیں، علاوہ اس کے محبت کے لفظ سے

خلوص مقصود ہے پس اس صورت میں مطلب یہ ہوگا، جو اخلاص سے عقیقہ کرے وہ دو بکریاں ہم عمر لڑکے

کی طرف سے کرے اور ایک لڑکی کی طرف سے اور ظاہر ہے کہ اخلاص ضروری ہے پس عقیقہ خود ہی ضروری

ہو گیا۔ عبداللہ امرتسری مدیر تنظیم روپڑ انبالہ مورخہ ۶ شعبان ۱۳۵۶ھ

عقیقہ میں جانور کے عوض گوشت

سوال۔ عقیقہ کے لئے جانور ذبح کرنا ضروری ہے یا اس کے عوض گوشت بھی کافی ہے؟

جواب۔ حدیث میں لڑکے کی طرف سے دو جانور اور لڑکی کی طرف سے ایک جانور ذبح کرنے

کا ذکر ہے اس لئے گوشت کفایت نہیں کر سکتا، کیونکہ گوشت جانور نہیں۔ عبداللہ امرتسری روپڑی

ختنہ کی ضیافت

سوال۔ ختنہ کی دعوت کا کیا حکم ہے؟

جواب۔ ختنہ کرانے کے وقت ضیافت بدعت ہے اور ایک حدیث میں ہے ایک صحابی

کہتے ہیں۔ کہ ہم اس اجتماع کو نوحہ سمجھتے تھے۔ عبداللہ امرتسری روپڑی

غلام رسول، غلام الٰہی، مولابخش نام

سوال۔ کیا غلام رسول، غلام الٰہی، مولابخش جیسے نام رکھنا جائز ہے جبکہ غلام رسول اور غلام الٰہی سے مراد خادم رسول اور خادم الٰہی ہو۔ اگر اس قسم کے نام جائز نہیں۔ تو پہلے رکھے ہوئے نام تبدیل کرنا ضروری ہیں یا غیر ضروری؟

جواب۔ بعض لوگ غلام رسول وغیرہ قسم کے نام رکھنے کے جواز کی گنجائش اس حدیث سے نکالتے ہیں

عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یَقُوْلَنَّ اَحَدُکُمْ عَبْدِیْ وَاَمَتِیْ کُلُّکُمْ عَبِیْدُ اللّٰهِ وَکُلُّ نِسَاءِکُمْ اِمَاءُ اللّٰهِ وَلٰکِنْ لِیَقُلْ غُلَامِیْ وَجَارِیَتِیْ وَفَتَاتِیْ (مشکوۃ باب الاسامی) حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی شخص یوں نہ کہے مجھے میرا بندہ اور میری بندی ہے۔ تم مرد اللہ کے بندے ہو اور تمہاری عورتیں سب اللہ کی بندیاں ہیں لیکن یوں کہے میرا غلام اور میری لونڈی اور میری خادمہ۔

مگر اس حدیث سے پوری تسلی نہیں۔ کیونکہ اس میں نسبت وقتی ہے اور جب نام ہو گیا تو نسبت پختہ ہو گئی، اس بناء پر احتیاط اسی میں ہے کہ اس قسم کے ناموں سے پرہیز کیا جائے۔ نیز جو لوگ یہ نام رکھتے ہیں۔ ان کا عقیدہ بزرگوں کے متعلق کچھ تصرفات کا ہوتا ہے اس لئے وہ ان ناموں کے ذریعہ ان کی طرف نسبت کو محبوب اور باعث فخر سمجھتے ہیں اگر کسی شخص کا عقیدہ تصرفات کا نہ ہو تو ایسا عقیدہ رکھنے والوں سے مشابہت ہے اس لئے بھی اس قسم کے ناموں سے پرہیز چاہیئے اور حدیث مذکور میں جو نسبت ہے وہ صرف آپس میں امتیاز کے لئے ہے یعنی زید کا غلام ہے عمرو کا نہیں اس میں عقیدت کا دخل نہیں جس سے شرک کا شبہ پڑے بس احتیاط اسی میں ہے کہ ان ناموں سے پرہیز کیا جائے رہا یہ امر کہ جن لوگوں کے اس قسم کے نام سندوں سارٹیفکیٹوں، رجسٹریوں وغیرہ کاغذات میں درج ہو چکے ہیں ان کا تبدیل کرنا چونکہ اختیار سے باہر ہے اس لئے ان کاغذات میں وہ رہیں اور آپس میں گفتگو کر لینے کے لئے تبدیل کر لینے بہتر ہیں۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

صدقہ کے مال سے ضیافت

سوال ۔ ایک شخص نے کسی مسکین کو صدقہ دیا اس مسکین نے اسی مال سے اس معطی کی ضیافت کی۔ معطی کے لئے اس ضیافت کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

جواب ۔ اس مال سے ضیافت نہ منظور کرنی چاہیئے۔ حدیث میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے فی سبیل اللہ گھوڑا دیا، پھر اس کو خریدنا چاہا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روک دیا۔ (مشکوۃ باب من لا یعود فی الصدقۃ) جب صدقہ کھانا جائز نہیں تو مفت کھانا کیسے جائز ہوگا۔ عبداللہ امرتسری روپڑی

حلال اور حرام کا بیان

چوکڑی بیٹھ کر کھانا

سوال ۔ کیا چوکڑی بیٹھ کر کھانا جائز ہے؟ اتکاء میں تربع داخل ہے یا نہیں۔

جواب ۔ قاموس میں ہے۔ اَمَّا اَنَا فَلَا اٰکُلُ مُتَّکِئاً اَیْ جَالِسًا عَلٰی ھَیْئَۃِ الْمُتَمَکِّنِ وَنَحْوِھَا مِنَ الْھَیْئَاتِ الْمُسْتَدْعِیَۃِ لِکَثْرَۃِ الْاَکْلِ بَلْ کَانَ جُلُوْسُہٗ لِلْاَکْلِ مُقْعِیًا مُسْتَوْفِزًا غَیْرَ مُتَرَبِّعٍ وَلَا مُتَمَکِّنٍ وَلَیْسَ الْمُرَادُ الْمَیْلُ عَلٰی شِقٍّ کَمَا یَظُنُّہٗ عَوَامُ الطَّلَبَۃِ (قاموس مادہ وکاء جلد اول) یعنی حدیث میں جو آیا ہے رسول اللہ وسلم جو فرماتے ہیں۔ میں تکیہ لگا کر نہیں کھاتا تو اس کے معنیٰ اچھی طرح آلتی پالتی مار کر کھانے کے ہیں اور اس کے مثل جو ایسی صورت ہو جس میں زیادہ کھانا کھایا جاسکے۔ وہ بھی تکیہ لگا کر کھانے میں داخل ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح کھانا نہیں کھاتے تھے بلکہ آپ دونوں گھٹنے کھڑے کر کے پاؤں پر بیٹھتے جیسے کوئی اٹھنے کو تیار ہوتا ہے، آلتی پالتی مار کر تسلی اطمینان سے نہیں کھاتے تھے اور اس حدیث کے یہ معنی نہیں کہ ایک طرف جھک کر ٹیک لگا کر نہیں کھاتے تھے۔ جیسا عوام طلبہ خیال کرتے ہیں۔

تاج العروس شرح قاموس میں لکھا ہے۔

وَاِنَّمَا جُعِلَ لَہٗ مُتَّکَئاً لِاَنَّ الْقَوْمَ اِذَا قَعَدُوْا عَلَی الطَّعَامِ اتَّکَئُوْا وَقَدْ نُھِیَتْ ھٰذِہِ الْاُمَّۃُ عَنْ ذَالِکَ وَمِنْ ذَالِکَ قَوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اٰکُلُ کَمَا یَاْکُلُ الْعَبْدُ الخ

یعنی عرب کہتے ہیں فلاں شخص نے فلاں شخص کے لئے مُتَّکَاءُ (کھانا) تیار کر دیا یا اس کو دیدیا۔ کھانے کو

اس لئے کہتے ہیں کہ لوگ جب کھانے پر بیٹھتے ہیں تو تکیہ لگاتے ہیں اور اس امت کو اس سے منع کیا گیا ہے،
چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں غلام کی طرح کھاتا ہوں اور دوسری حدیث میں ہے تکیہ لگا کر نہیں
کھاتا۔ یعنی آلتی پالتی مار کر اور اچھی طرح تسلی کے ساتھ بیٹھ کر نہیں کھاتا۔ جس سے زیادہ کھایا جا سکے کیونکہ عربی
مُتَّکِئٌ اس شخص کو کہتے ہیں جو فرش پر اچھی طرح بیٹھا ہو جو پورے اطمینان و تسلی کی صورت ہے تو رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح نہیں کھاتے تھے۔ بلکہ دونوں گھٹنے کھڑے کر کے جیسے کوئی اٹھنے کے لئے تیار ہوتا ہے
اس طرح بیٹھ کر کھاتے۔ نہ آلتی پالتی مار کر اور اچھی طرح تسلّی سے بیٹھ کر جیسے کوئی زیادہ کھانا چاہتا ہے تو بیٹھتا
ہے۔ اور اس حدیث کا یہ معنیٰ نہیں کہ آپ جھک کر ٹیک لگا کر نہیں کھاتے تھے جیسے عوام طلبہ کا خیال ہے،
اگرچہ اتکاء کا ایک معنیٰ یہ بھی ہے لیکن یہ معنیٰ طب کی بنا پر ہے کیونکہ جب انسان ٹیڑھا ایک طرف جھک
کر کھاتا ہے تو کھانا اپنی اپنی جگہ آسانی سے اچھی طرح نہیں پہنچتا اور نہ آسانی سے گزرتا ہے اور بہت دفعہ انسان
بیمار ہو جاتا ہے اور اس کو اس سے تکلیف پہنچتی ہے۔

نہایہ ابن الاثیر میں ہے۔ لَا اٰکُلُ مُتَّکِئًا اَلْمُتَّکِیْ فِی الْعَرَبِیَّۃِ کُلُّ مَنِ اسْتَوٰی قَاعِدًا عَلٰی وِطَاءٍ مُّتَمَکِّنًا
وَالْعَامَّۃُ لَا تَعْرِفُ اِلَّا مَنْ مَالَ فِیْ قُعُوْدِہٖ مُعْتَمِدًا عَلٰی اَحَدِ شِقِّہٖ وَالتَّاءُ فِیْہِ بَدَلٌ مِنْ وَاوٍ الخ متکئ
عربی زبان میں اس شخص کو کہتے ہیں جو شخص ٹھیک ہو کر فرش پر بیٹھ جائے۔ اور عام طور پر لوگ متکئ اسی کو
سمجھتے ہیں، جو ایک طرف جھک کر اپنے ایک پہلو پر ٹیک لگائے اور تاء اس میں واؤ سے بدل ہے۔ اور
اصل اس کا مکاء ہے۔ مکاء بندھن کو کہتے ہیں جس سے کیسہ وغیرہ کا منہ بند کیا جاتا ہے۔ گویا متکئ اپنی دبر
کو پختہ طور سے فرش پر ٹکا کر بیٹھ جاتا ہے تو یہ ایسا ہو گیا جیسے اس نے دبر کے اوپر بندھن باندھ دیا۔ اور حدیث
کے یہ معنی ہیں کہ میں جب کھاتا ہوں تو پختہ ہو کر نہیں بیٹھتا جیسے بہت کھانے والا بیٹھتا ہے بلکہ اس طرح
سے بیٹھتا ہوں کہ چند لقمے کافی ہوں گویا اس طرح سے بیٹھتا ہوں جیسے اٹھنے کے لئے تیاری کرنے والا شخص بیٹھتا
ہے اور جو شخص اتکاء کا معنیٰ ایک پہلو پر ٹیک لگا کر بیٹھنے کا کرتا ہے اس نے اس حدیث کا مطلب طب
کے طریق پر بیان کیا ہے کیونکہ ٹیڑھا ہو کر کھانے کی صورت میں کھانا اپنی اپنی جگہوں میں آسانی سے نہیں
پہنچتا اور نہ آسانی سے گزرتا ہے اور بہت دفعہ اس طرح کھانے سے (بیمار ہو کر) تکلیف اٹھاتا ہے۔

مجمع البحار میں ہے۔

لَا اٰکُلُ مُتَّکِئًا اَیْ لَمْ اَقْعُدْ مُتَّکِئًا عَلَی الْاَوْطِئَۃِ حَالَ الْاَکْلِ فِعْلَ مَنْ یَّسْتَکْثِرُ مِنَ الْاَطْعِمَۃِ لٰکِنِّیْ اَقْعُدُ

مُسْتَوْفِزٌ أَوْ أَكْلُ عَلَقَةٍ مِنَ الطَّعَامِ وَلَيْسَ الْمُرَادُ مِنَ الْاِتِّكَاءِ الْمَيْلُ عَلَى أَحَدِ جَانِبَيْهِ وَمَنْ حَمَلَ عَلَيْهِ تَأَوَّلَ عَلَى مَذْهَبِ الطِّبِّ الخ یعنی حدیث کا معنیٰ یہ ہے کہ میں کھانے کے وقت فرش پر اچھی طرح نہیں بیٹھتا جیسا زیادہ کھانے والوں کی عادت ہے بلکہ میں اس شخص کی طرح بیٹھتا ہوں جو اٹھنے کے لیے تیار ہوتا ہے اور تھوڑا سا کھاتا ہوں اور اس حدیث میں تکیہ لگانے سے ایک طرف جھک کر بیٹھنا مراد نہیں اور جس نے اس حدیث سے یہ مراد لی ہے اس نے طبی طریق پر یہ مراد لی ہے کیونکہ اپنی جگہوں میں آسانی سے نہیں اترتا۔ نہ آسانی سے گزرتا ہے اور بہت دفعہ اس طرح کھانے سے تکلیف ہو جاتی ہے اور متکئ اس شخص کو کہتے ہیں۔ جو فرش پر اچھی طرح تسلی سے بیٹھ جائے اور ایک دوسری حدیث میں آیا ہے صحابہ رضی نے رسول اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کر کے ایک اعرابی کو کہا یہ سفید تکیہ لگا کر بیٹھنے والے خدا کے رسول ہیں۔ منجد میں ہے اِتَّكَا اِتِّكَاءً عَلَى السَّرِيرِ جَلَسَ مُتَمَكِّنًا أَوْ جَلَسَ وَأَسْنَدَ ظَهْرَهُ أَوْ جَنْبَهُ إِلَى شَيْءٍ وَعَلَى عَصَاهُ اعْتَمَدَ وَتَحَمَّلَ عَلَيْهَا الْقَوْمُ عِنْدَهُ أَكَلُوهُ یعنی تخت پر تکیہ لگانے کے یہ معنیٰ ہیں کہ اچھی طرح تخت پر ٹھیک ہو کر بیٹھ گیا یا کسی شے سے پیٹھ لگا کر یا پہلو پر ٹیک لگا کر بیٹھ گیا اور سوٹی پر تکیہ لگانے کے یہ معنی ہیں کہ اس پر سہارا کیا اور بوجھ ڈال دیا اور قوم نے فلاں شخص کے پاس تکیہ لگایا اس کے یہ معنی ہیں کہ اس کے پاس کھانا کھایا۔

ان سب عبارتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ تکیہ لگا کر بیٹھنے کے معنیٰ جو عام طور پر یہ سمجھے جاتے ہیں کہ کسی شے پر سہارا ________________ یا ٹیک لگا کر بیٹھنا تو اصل عربی معنیٰ نہیں بلکہ یہ اس کی صورتوں میں سے ایک صورت ہے اصل عربی معنیٰ اچھی طرح ٹھیک ہو کر پورے آرام وراحت کے ساتھ بیٹھنے کے ہیں جس کی کئی صورتیں ہیں۔ مثلاً نیچے نرم فرش ہو اکتی پالتی مار کر بیٹھے کسی شے کے ساتھ پیٹھ لگا کر بیٹھے یا ایک پہلو پر جھک کر ٹیک لگا کر بیٹھے یا کسی اور طرح سے بیٹھے جس میں پوری طرح سے آرام ہو یہ سب صورتیں اتکاء میں داخل ہیں۔ کھانے کی عمومی حالت جس میں تسلی واطمینان کے ساتھ حسب خواہش اچھی طرح کھایا جاتا ہے وہ آلتی پالتی ہے اس لئے حدیث میں یہ اول نمبر داخل ہے اور دوسری حالتیں دوسرے نمبر پر ہیں۔ کیونکہ وہ کھانے کی عمومی حالتیں نہیں اور اوپر عبارتوں میں جو یہ کہا ہے کہ حدیث میں ایک طرف جھک کر کھانا مراد نہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ ایک طرف جھک کر ٹیک لگا کر کھانا درست ہے بلکہ اس سے مقصود ان لوگوں کی تردید ہے جو حدیث کا

مطلب صرف یہ بیان کرتے ہیں کہ جھک کر ٹیک لگا کر کھانے سے ممانعت ہے ۔ اور آلتی پالتی کو اس میں داخل نہیں کرتے حالانکہ آلتی پالتی اس میں اول نمبر داخل ہے کیونکہ اِتّکَاءٌ کا اصل وِکَاءٌ ہے اور وِکَاءٌ بندھن کو کہتے ہیں جس سے کسی شئے کا بند باندھا جائے جیساکہ کیسہ ، مشک وغیرہ کی رسی یا دھاگا اور آلتی پالتی میں چونکہ انسان پورے طور سے پختگی اور مضبوطی سے بیٹھتا ہے جس سے گویا دبر پر بندھن پڑ جاتا ہے اس لئے یہ اس کے اصل معنیٰ کے زیادہ مناسب ہے پس یہ اول نمبر داخل ہوگا ۔ اور باقی حالتیں آرام کی ، جن میں انسان ٹیک وغیرہ لگا کر پختگی اور مضبوطی سے تسلی کے ساتھ بیٹھتا ہے یہ دوسرے نمبر میں داخل ہیں ۔ کیونکہ اگرچہ ان میں بندھن نہیں ۔ لیکن نفس کی پختگی مضبوطی تو ہے ۔ بہرصورت اتکاء کی کوئی صورت ہو اس میں کھانا اچھا نہیں ہاں اگر کوئی معذور ہو تو وہ جس طرح بیٹھ سکتا ہے بیٹھ جائے اگر دونوں گھٹنے کھڑے کر کے بیٹھنا مشکل ہو تو ایک کھڑا کرے اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو آلتی پالتی مارے ۔ دو زانوں التحیات کی طرح بیٹھنے کی بھی ایک صورت ہے ۔ جس میں سادگی ہے لیکن اس میں کھانا اگر ایک طرف رکھے تو ٹیڑھا ہو کر کھانا پڑتا ہے اور اگر سامنے رکھے تو دور سے لقمہ اٹھانا پڑتا ہے جس میں کپڑے وغیرہ کے خراب ہونے کا خطرہ ہے اس لئے یہ صورت کھانے کے لئے موزوں نہیں ۔

تنبیہ

بعض لوگ آلتی پالتی مار کر بیٹھنے کو متکبرانہ صورت خیال کرتے ہیں اور کہتے ہیں اس وجہ سے اس حالت میں کھانے سے ممانعت ہے ، حالانکہ اس حالت میں کھانے سے ممانعت اس وجہ سے ہے کہ یہ زیادہ کھانے والوں کی صورت ہے اگر یہ متکبرانہ حالت ہوتی ۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لَاآکُلُ مُتکئًا نہ فرماتے بلکہ لا اجلس متکئًا فرماتے یعنی کھانے کے ساتھ خاص نہ کرتے بلکہ عام فرماتے ، کہ میں اتکاء کی حالت میں نہیں بیٹھتا ، خواہ کھانے کا وقت ہو یا کوئی اور ۔ اس کے علاوہ اگر یہ متکبرانہ حالت ہوتی تو کھانے کے بغیر دوسرے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح نہ بیٹھتے حالانکہ آپ بیٹھتے تھے ، چنانچہ نہایہ ابن الاثیر اور مجمع البحار کی عبارت میں گزر چکا ہے ۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ متکبرانہ حالت نہیں ۔ پھر تکبر دل میں پیدا ہوتا ہے اور یہ ہر ایک شے سے پیدا ہوتا ہے مثلاً دولت ، حکومت ، عبادت ، علمیت ، حسن اور جوانی وغیرہ سے یہ پیدا ہو کر انسان کی ضلالت کا باعث بن سکتا ہے تکیہ لگا کر بیٹھنا معمولی بات ہے لیکن اگر اس میں بھی تکبر آجائے تو یہ بھی گمراہ کر دیتا ہے لیکن جس کے دل میں تکبر کا شائبہ تک نہیں وہ خواہ

شاہ ہفت اقلیم ہو اور خواہ تکیہ لگا کر بیٹھے جائز ہے۔ عبداللہ امرتسری روپڑی

شراب یا ذبح کے خون سے کشتہ تیار کرنا

سوال ۔ ایک شخص سم الفار یا شنگرف مارنا چاہتا ہے۔ اس میں شراب ڈال کر کھرل کیا جاتا ہے پھر اس کو آگ دی جاتی ہے یا جو ہر لیا جاتا ہے کیا وہ دوائی کھائی جا سکتی ہے؟

جواب ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب کے سرکہ بنانے سے منع کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شراب سے کشتہ مارنا جائز نہیں، خواہ کشتہ تیار ہونے کے بعد نشہ رہے یا نہ۔ رہی یہ بات کہ کوئی اس جرم کا ارتکاب کرے اور کشتہ تیار ہونے کے بعد نشہ کا نام و نشان نہ رہے تو اس صورت میں یہ کشتہ استعمال کرنا جائز ہے ورنہ اس کا حکم شراب سے تیار کردہ سرکہ کا ہے اس کے متعلق علماء مختلف ہیں، احتیاط اسی میں ہے کہ استعمال نہ کرے کیونکہ اختلاف سے نکل جانا بہتر ہے اور خون نجس سے جو کشتہ تیار ہوگا اس کا کھانا کسی صورت جائز نہیں کیونکہ خون نجس کا اثر کچھ نہ کچھ دوا میں رہتا ہے۔ پس وہ بالکل ناجائز ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

سانڈھا

سوال ۔ سانڈھا حلال ہے یا حرام؟

جواب ۔ عربی میں جس کو ضب کہتے ہیں حقیقتاً وہ سانڈھا ہے اور جس کو ہمارے ہاں گوہ کہتے ہیں اگرچہ اس کو بھی بہت علماء نے ضب لکھا ہے مگر میرے نزدیک اصل ضب سانڈھا ہے اور حدیث میں ضب کی بابت آیا ہے کہ حلال ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ کہ میری زمین میں نہیں ہوتی اس لئے میں اس کو نہیں کھاتا۔ مگر میں اس کو حرام بھی نہیں کرتا اور آپ کے دستر خوان پر کھائی بھی گئی اگر کوئی کھانا چاہیئے تو اس پر اعتراض بھی نہیں، عبداللہ امرتسری روپڑی

کوا اور اس کا جوٹھا

سوال ۔ کوا جو دیہات و قصبات میں پایا جاتا ہے اور نجاست وغیرہ کھاتا ہے اس نے ایک برتن

میں جس میں کہ چار پانچ سیر دودھ تھا چونچ ڈال دی اور وہ دودھ ایک مولوی صاحب نے پی لیا اور کہا کہ کوا حلال ہے کیا کوا حلال ہے اور جوٹھا پاک ہے؟ عنایت اللہ از چھانگا مانگا ضلع لاہور

جواب۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ قتل کے حکم سے حرمت ثابت نہیں ہوتی مگر ظاہر حرمت ہے کیونکہ قتل کا حکم خباثت کی وجہ سے ہے اور خباثت ہی زیادہ تر حرمت کا باعث ہے ہاں اس کے جوٹھے کو بلی پر قیاس کرنے کی کچھ گنجائش ہے اگرچہ پرہیز مناسب ہے مگر اس میں زیادہ تشدد اچھا نہیں۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

شراب کا سرکہ بنانا اور اس کا استعمال

سوال۔ مولانا امرتسری ؒ سے پوچھا گیا کہ شراب کا سرکہ حلال ہے یا حرام؟ آپ نے فرمایا۔ شراب کا سرکہ بنانا منع آیا ہے لیکن سرکہ بن جائے اور نشہ نہ رہے۔ تو اس کا پینا جائز ہے کیونکہ اب وہ نشہ آور نہ رہی اس کی مثال کھاد ہے جو در صورت کھاد کے حرام ہے جب کھاد کھیت میں پڑنے سے نباتات میں پہنچ جائے۔ تو نوعیت بدلنے سے سبزی حلال ہو جاتی ہے (اہلحدیث ۲۵ نومبر ۱۹۳۲ء ص ۱۳ کالم نمبر ۱) کیا ان کا یہ فتویٰ صحیح ہے؟

جواب۔ ان کا یہ اجتہاد صحیح نہیں جب حدیث میں شراب کا سرکہ بنانا منع ہو چکا ہے تو اس کا استعمال کس طرح حلال ہو سکتا ہے؟ انہوں نے کھاد کی مثال عجیب پیش کی ہے کیا کھاد کا ڈالنا بھی منع ہے جیسے شراب کا سرکہ بنانا منع ہے اگر کھاد ڈالنا منع ہے تو وہ جلدی فتویٰ شائع کریں تاکہ زمیندار فتویٰ پر عمل کر کے نجات حاصل کریں۔

کھاد مٹی سے مل کر مٹی ہو جاتی ہے اور سبزی اس مٹی سے نکلتی ہے تو سبزی جنس دیگر ہے۔ کھاد جو مٹی ——————— ہو کر پانی سے طہارت حاصل کر چکی ہے۔ وہ شے دیگر ہے سبزی میں نجاست کا اتر جانا ان کا ظن ہے۔ قدرت کے باطنی حالات سے آگاہی یقینی حاصل کر کے پھر فتویٰ صادر کر کے مسائل کی تفریع کریں۔ شراب کا سرکہ اگر حلال ہوتا۔ تو اس کے بنانے سے کیوں منع کیا جاتا۔ اسی واسطے منع کیا گیا ہے کہ وہ حرام اور نجس عین ہے بعد از سرکہ ہونے کے بھی حرام اور نجس ہی رہے گا۔ سرکہ بننے سے نشہ تو زائل ہو گیا۔ لیکن نجاست زائل نہیں ہوئی

کیونکہ شے وہی ہے جس کا وجود تبدیل نہیں ہوا قرآن مجید میں اس کو رجس کہا گیا ہے جس کے معنی نجس یعنی پلیدی کے ہیں تو یہ پاک اور حلال کس طرح ہو سکتا ہے؟ پھر یہ کہ قصداً سرکہ بنایا ہوا حلال کیونکر ہو گا۔ ہاں اگر خود بخود سرکہ ہو جاتا تو وہ کہہ سکتے تھے۔ جو شخص قصداً ایسی حیلہ سازی حرام کو حلال کرنے کی کرے اس کو حلال کس طرح ہو سکتا ہے؟ اگر یہ حلال ہے تو بنی اسرائیل کا ہفتہ کو حیلہ سازی سے شکار کرنا بھی حلال تھا، پھر اس کی مذمت کیوں کی گئی ہے فتامل، الحاصل شراب نجس ہے اور استحالہ سے وہ پاک نہ ہو گی اسی واسطے استحالہ سے منع کیا گیا ہے وہی جمہور کا مذہب ہے جو حدیث صحیح سے موید ہے چنانچہ امام شوکانی رح نیل الاوطار حدیث انس رض کے تحت فرماتے ہیں۔

فیہ دلیل للجمہور علی انہ لا یجوز تخلیل الخمر ولا یطہر بالتخلیل

یعنی حدیث انس رض جس میں سرکہ بنانا منع آیا ہے جمہور کی دلیل ہے کہ شراب کا سرکہ بنانا منع آیا ہے اور وہ سرکہ بننے سے پاک نہیں ہو سکتی۔

گھوڑا اور گوہ

سوال ۔ گھوڑا اور گوہ حلال ہے یا حرام؟

جواب ۔ گھوڑا اور گوہ حلال ہیں اس کے لئے مشکوٰۃ کتاب الصید والذبائح وغیرہ ملاحظہ ہوں۔

عبد اللہ امرتسری روپڑی

طوطا

سوال ۔ ذی مِخْلَب کی کیا تعریف ہے طوطا ذی مخلب میں داخل ہے یا نہیں؟

جواب ۔ مجمع البحار میں ہے۔ نَہٰی عَنْ کُلِّ ذِیْ مِخْلَبٍ ای کُلِّ طَائِرٍ یَصْطَادُ بِمِخْلَبِہٖ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذِی مِخْلَبٍ پرندے کھانے سے نہی کی ہے۔ ذی مخلب ہر وہ پرندہ ہے جو پنجہ سے شکار کرے۔ اس سے معلوم ہوا کہ طوطا[ع] ذی مخلب میں داخل ہے۔ عبد اللہ امرتسری روپڑی

ع ذِی مِخْلَب کی تعریف ہے کل طائر یصطاد بمخلبہ یعنی ہر پرندہ جو اپنے پنجہ سے شکار کرے طوطا اس لئے ذی مخلب نہیں کہ وہ پنجہ سے شکار نہیں کرتا بلکہ پھل وغیرہ کھاتا ہے جن علماء نے اس کی حرمت کا فتویٰ دیا ہے انہوں نے یہ وجہ بیان کی ہے کہ اس کا گوشت نکما اور دی ہے بعض علماء کے نزدیک طوطا حلال ہے انکی یہ دلیل ہے کہ وہ پاک اور ستھری اشیاء کھاتا ہے۔ نہ وہ زہریلا جانور ہے اور نہ ہی ذی مخلب جانوروں میں اس کا شمار ہے۔ (مرتب)

شراب سے کشتہ تیار کرنا اور دوا کے طور پر اس کا استعمال

سوال ,, بعض لوگوں کا خیال ہے کہ علاج کے طور پر شراب استعمال کی جاسکتی ہے؟

جواب ,, مشکوٰۃ کتاب الطب میں ہے

عَن ابی الدرداء قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّ اللّٰہَ اَنزَلَ الدَّاءَ وَالدَّوَاءَ وَجَعَلَ لِکُلِّ دَاءٍ دَوَاءً فَتَدَاوُوا وَلَا تَدَاوُوا بِحَرَامٍ رواہ ابوداؤد۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے بیماری اور دوا دونوں اتاری ہیں اور ہر بیماری کے لئے دوا بنائی ہے پس تم دوا کرو اور حرام کے ساتھ دوا نہ کرو۔

عن ابی ھریرۃ قال نھی رسولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنِ الدَّوَاءِ الْخَبِیْثِ رواہ الترمذی وابن ماجۃ۔

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام دوا سے منع فرمایا ہے۔

تمباکو

سوال ,, کیا تمباکو کا پینا یا کھانا حرام ہے یا حلال؟

جواب ,, تمباکو کے استعمال کا طریقہ عموماً آج کل عموماً حقہ یا سگرٹ پینا ہے یا پان وغیرہ کھانا ہے اور یہ تین وجہ سے حرام ہے۔

پہلی وجہ :- ابتدا میں عموماً جب حقہ وغیرہ کی عادت ڈالی جاتی ہے تو کوئی ضرورت مدنظر رکھ کر نہیں ڈالی جاتی نہ کوئی لذت والی شے سمجھ کر استعمال کیا جاتا ہے صرف اپنے دوستوں یاروں کی دیکھا دیکھی یہ کام شروع کیا جاتا ہے پھر جب اس کی عادت ہوجاتی ہے تو چھوٹنا مشکل ہوجاتا ہے اور اس وقت کہا جاتا ہے کہ ہمیں یہ فائدہ ہے وہ فائدہ ہے کیونکہ عادت کے بعد پینے والوں کو اس کی طلب ہوجاتی ہے اور نہ پینے کی صورت میں تکلیف ہوتی ہے جیسے شرابی کی حالت ہے مگر ابتداء اس کی دیکھا دیکھی۔ حکم شرعی کے لئے شے کی اصل حالت دیکھی جاتی ہے ورنہ شراب بھی عادت والے کے لئے حلال ہوتی کیونکہ نہ پینے سے اس کو تکلیف ہوتی ہے اور عادت والے کو بقدر ضرورت پینے سے نشہ بھی نہیں ہوتا، حالانکہ شراب بالاتفاق

جائز نہیں۔ پس تمباکو میں ابتداء میں (جو تمباکو کی اصل حالت ہے) جب کوئی فائدہ نظر نہ ہوا تو اسراف کرنے والے کو قرآن میں شیطان کا بھائی کہا ہے چنانچہ اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ یعنی اسراف کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں پس تمباکو کی حرمت میں کوئی شبہ نہ رہا۔ کیونکہ جس شے سے انسان شیطان کا بھائی بنے اگر وہ حرام نہ ہو تو اور کون سی شے حرام ہوگی۔ پھر قرآن میں اسراف سے نہی بھی آئی ہے جیسے ارشاد ہے وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِیْرًا یعنی اسراف بالکل نہ کرو۔ اور نہی تحریم کے لئے ہوتی ہے تو اس سے بھی حرمت ثابت ہوگئی۔

دوسری وجہ :۔ ابوداؤد میں حدیث ہے۔ نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمُسْکِرِ وَالْمُفْتِرِ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نشہ والی شے سے اور جس سے دماغ میں فتور پیدا ہو نہی کی ہے اور اس میں شبہ نہیں کہ حقہ سے دماغ میں فتور پیدا ہوتا ہے اور نہی میں اصل تحریم ہے پس اس سے بھی حرمت ثابت ہوئی۔

تیسری وجہ :۔ ایک وجہ حرمت کی یہ بھی ہے کہ اس کی بدبو سخت ہے جو لوگ حقہ یا سگریٹ پیتے ہیں یا پان میں کھاتے ہیں ان کو اگرچہ اس کی بدبو نہ آئے جیسے گندگی کی بو بھنگیوں کو نہیں آتی۔ لیکن دوسروں کو آتی ہے اور حدیث میں ہے کہ جس شے سے بنی آدم ایذاء پاتے ہیں اس سے فرشتے بھی ایذاء پاتے ہیں اور جس شے سے فرشتوں کو ایذا ہو اس کی حرمت میں کیا شبہ ہے یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کچا پیاز یا لہسن کھانے والے کی بابت فرماتے ہیں کہ ہماری مسجد کے قریب نہ آئے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ جو اس کو کھالیتا ہے وہ بقیع جگہ کی طرف نکالا جاتا لیکن پیاز یا لہسن کوئی ایسی شے نہیں جس کی انسان کو طلب ہو اور صبر مشکل ہو برخلاف حقہ یا سگریٹ وغیرہ کے کہ اس کی طلب ہوجاتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ رمضان شریف میں حقہ یا سگریٹ پیتے پیتے فجر کی نماز پڑھتے ہیں اور پیتے پیتے مغرب کی نماز پڑھتے ہیں اور صبر ہونا مشکل ہوجاتا ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے نفس کو مجبور کرکے نماز پر کھڑا بھی ہوجائے تو طبیعت میں دیوانے کتے کی طرح جوش اٹھتا ہے جس سے طبیعت بالکل بے قرار ہوجاتی ہے ایسی حالت میں نماز جائز نہیں پس حقہ یا سگریٹ پینے والا یا پان میں تمباکو کھانے والا دو خرابیوں کے درمیان ہے اگر پی کر نماز پڑھے تو بدبو پیدا ہوتی ہے اگر بغیر پئے پڑھے تو نماز میں بے قراری ہوتی ہے پھر ایک آدھ مرتبہ نہیں بلکہ ہمیشہ رمضان بھر یہی حالت رہتی ہے برخلاف کچے پیاز اور لہسن کے کہ اس میں یہ بات نہیں پس ایسی حالت میں حقہ یا سگریٹ وغیرہ کس طرح جائز ہوسکتا ہے۔

بعض لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ حقہ تازہ کر لیا جائے یا حقہ ہی کر کرلی کرلی جائے تو بدبو نہیں رہتی تو یہ ان کی غلطی ہے کیونکہ حقہ تازہ کرنے سے پانی کی بدبو نہیں رہتی لیکن تمباکو کی بدبو اس سے الگ ہے جیسا سگریٹ وغیرہ سے ظاہر ہے چونکہ یہ بدبو پیٹ سے آتی ہے اس لئے کرلی وغیرہ اس کے لئے مفید نہیں۔ اس کا حال ان لوگوں سے دریافت کرنا چاہیئے۔ جو نہ حقہ وغیرہ پیتے ہیں۔ نہ ایسے لوگوں کی مجلس کے عادی ہیں جب ان کو نماز وغیرہ میں ان کے ساتھ کھڑے ہونے کا اتفاق ہوتا ہے تو بڑی تکلیف پاتے ہیں۔ پس حقہ تازہ کرنے کا یا کرلی کرنے کا عذر فضول ہے۔ قرآن مجید میں شراب اور جوئے کی بابت فرمایا۔ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ یعنی شراب اور جوئے کی وجہ سے شیطان تمہیں اللہ کی یاد سے اور نماز سے روکتا ہے یہ وجہ بھی حقہ اور سگریٹ میں پوری ہے کیونکہ عموماً تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد حقے سگریٹ وغیرہ کی طلب ہوتی ہے اور اسی حالت میں نمازیں پڑھنی پڑتی ہیں اور اسی حالت میں اللہ کی یاد ہوتی ہے تو بدبو کی حالت میں سب کچھ ہوا جو جائز نہیں پس حقہ سگریٹ وغیرہ کی حرمت میں کوئی شبہ نہیں، اس قسم کے بعض اور وجوہ بھی حرمت کو چاہیئے ہیں۔ بنظر اختصار ترک کئے گئے۔ اگر در خانہ کس است یک حرف بس است ہیں۔

واللہ الموفق وھو الھادی الی سبیل الرشاد — عبداللہ امرتسری روپڑی

خدر، فتر، سم کی تعریفات اور ان کے احکام

سوال ۔ خدر، فتر، سم کی تعریفات کیا ہیں؟ مسکر، مخدر، مفتر، سمیات کے احکام میں بحالت منجمدات و مائعات کیا فرق ہے کیا امور بالا مذکورہ کے استعمال داخلی، خارجی کا حکم ایک ہے یا الگ الگ کیا ان کی حالت حرمت میں مقدار کو بھی داخل ہے؟

جواب ۔ سکر کے معنی نشہ کے ہیں قاموس میں لکھا ہے نقیض صحا یعنی سکر ہوش کا خلاف ہے۔ منجد میں ہے۔ اَلسُّكْرُ حَالَةٌ تَعْرِضُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَعَقْلِهٖ یعنی سکر ایک حالت ہے جو انسان اور اس کی عقل کے درمیان پردہ ہو جاتی ہے۔ کشف کبیر میں ہے کہ کہا گیا ہے کہ سکر اس خوشی کو کہتے ہیں۔ جو بعض اسباب کی وجہ سے عقل پر غالب آجاتی ہے جو اس خوشی کو پیدا کرتے ہیں پس انسان اپنی عقل کے موافق کام کرنے سے رک جاتا ہے۔ بغیر اس کے کہ عقل کو زائل کرے اور انسان احکام شرعیہ کے ساتھ خطاب کا اہل رہتا ہے۔

ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ سکر میں عقل ٹھکانے نہیں رہتی بلکہ عمل سے بیکار ہو جاتی ہے، خواہ دب کر بیکار ہو جائے یا بالکل زائل ہو جائے رہا اس میں سرور کا ہونا اور اس کا سبب کھانا پینا سو اس کو کسی نے ذکر کیا ہے کسی نے نہیں کیا مگر درحقیقت یہ سکر میں داخل نہیں کیونکہ مقصود شارع کی بقاء عقل ہے جو بُرے بھلے میں تمیز کرتی ہے اور جس کی وجہ سے انسان احکامِ شرعیہ کا مخاطب رہتا ہے عقل کا بیکار کرنا شرع پسند نہیں کرتی خواہ اس کے ساتھ خوشی ہو یا نہ خواہ اس کا سبب کھانا پینا ہو یا کوئی اور ہو یہی وجہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ اَلْخَمْرُ مَا خَامَرَ الْعَقْلَ یعنی شراب وہ شے ہے جو عقل کو ڈھانک لے۔ منتخب کنز العمال جلد ۲ صد ۴۳۰ میں بحوالہ طبری دو حدیثیں ذکر ہیں۔ ایک اشْرَبُوا مَا لَا يُسَفِّهُ أَحْلَامَكُمْ وَلَا يُذْهِبُ أَمْوَالَكُمْ یعنی وہ شے پیو۔ جو تمہاری عقلوں کو بیوقوف نہ کرے اور تمہارے مالوں کو نہ لے جائے دوسری إِشْرَبُوا مِنْهُ مَا لَا يُذْهِبُ الْعَقْلَ وَالْمَالَ یعنی پینے کی اشیاء سے وہ شے پیو جو عقل اور مال کو نہ لے جائے ان دونوں سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ شارع کا اصل مقصود عقل کا بقا ہے خوشی وغیرہ ایک زائد امر ہے۔ یہ سکر کے معنی ہیں

خدر کا معنی سنئے قاموس میں ہے اِضْمِحْلَالٌ يَغْشَى الْأَعْضَاءَ یعنی سستی اور ڈھیلا پن جو اعضاء کو ڈھانک لے۔ مصباح المنیر میں ہے۔ خدر العضو خدرا من باب تعب استرخی فلا یطیق الحرکۃ یعنی عضو کو خدر ہو گیا یعنی ڈھیلا ہو گیا پس حرکت کی طاقت نہیں رکھتا منجد میں ہے تَشَنُّجٌ يُصِيبُ الْعُضْوَ فَلَا يَسْتَطِيعُ الْحَرَكَةَ اَلْكَسَلُ وَالْفُتُورُ یعنی خدر کے دو معنی ہیں ایک عضو کا سکڑنا جس سے حرکت نہ کر سکے۔ دوسرے سستی اور فتور۔ ان عبارتوں سے خدر کے معنی واضح ہو گئے۔

اب فتر کے معنی سنئے قرآن مجید میں ہے۔

يُسَبِّحُونَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُونَ۔ یعنی فرشتے رات دن اللہ کی تسبیح پڑھتے ہیں سست نہیں ہوتے قاموس میں ہے۔ فتر فتورا وفتارا سکن بعد حدۃ ولان بعد شدۃ یعنی تیزی کے بعد ٹھہر گیا۔ اور سختی کے بعد نرم پڑ گیا۔ تاج العروس شرح قاموس میں ہے وَعَلَيْهِ يُحْمَلُ الْحَدِيثُ نَهَى عَنْ كُلِّ مُسْكِرٍ وَمُفْتِرٍ وَالْمُسْكِرُ الَّذِي يُزِيلُ الْعَقْلَ وَالْمُفْتِرُ الَّذِي يُفْتِرُ الْجَسَدَ إِذَا شَرِبَ أَيْ يُحْمِي الْجَسَدَ وَيَصِيرُ فُتُورًا یعنی حدیث نھی عن کل مسکر و مفتر کے یہی معنی ہیں۔

پس مسکر وہ ہے جو عقل کو زائل کر دے مفتر وہ ہے۔ جو جثہ کو گرم کر دے اور فتور پیدا کر دے مجمع

البحار میں ہے۔ هُوَ الَّذِیْ اِذَا شَرِبَ اَحْمَی الْجَسَدَ وَصَارَ فِیْهِ فُتُوْرٌ وَهُوَ ضُعْفٌ وَانْکِسَارٌ یعنی مفتر وہ ہے کہ جب پیئے تو جسم کو گرم کر دے اور اس میں فتور پیدا ہو جائے فتور کمزوری اور شکستگی کو کہتے ہیں ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ فتر کے معنی بھی وہی خدر کے ہیں سستی، کمزوری، شکستگی، اعضا ڈھیلاپن عقل اور دماغ میں خلل وغیرہ صرف اتنی بات ہے کہ خدر کے معنی تشنج بھی ہیں یعنی عضو کا سکڑنا اور عضو کا سو جانا نیز معلوم ہوا کہ خدر اور فتر تمام اعضا سے تعلق رکھتے ہیں برخلاف سکر کے اس کا تعلق عقل سے ہے سم کے معنی زہر ہے جو مشہور ہے کہ قتل کر دیتا ہے قاموس میں ہے هٰذَا الْقَاتِلُ الْمَعْرُوْفُ۔ یعنی زہر قاتل مشہور ہے، مصباح المنیر میں ہے مایقتل الاکثر یعنی زہر وہ شے ہے۔ جو اکثر قتل کر دے منجد میں ہے کُلُّ مَادَّةٍ اِذَا دَخَلَتِ الْجَوْفَ عَطَّلَتِ الْاَعْمَالَ الْحَیَاتِیَّةَ اَوْ اَوْقَفَتْهَا تَمَامًا یعنی زہر ہر وہ مادہ ہے جو پیٹ میں داخل ہو تو اعمالِ حیات کو بیکار کر دے یا بالکل موقوف کر دے پیٹ میں داخل ہونا شرط نہیں، اس کا ذکر صرف اس لئے کیا ہے اکثر ایسا ہی ہوتا ہے۔

جواب ۲۰۴: مسلم میں ہے کُلُّ مُسْکِرٍ خمر وکل خمر حرام یعنی ہر نشہ والی شے شراب ہے اور ہر شراب حرام ہے۔ نیز منتقی میں ترمذی ابوداؤد وغیرہ کے حوالہ سے ذکر کیا ہے مَا اَسْکَرَ کَثِیْرُهٗ فَقَلِیْلُهٗ حَرَامٌ یعنی جس شے کی زیادتی نشہ لائے اس کا تھوڑا حصہ بھی حرام ہے، ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر نشہ والی شے حرام ہے، خواہ مائع ہو یا منجمد یعنی پگلی ہوئی ہو یا جمی ہوئی۔ گاڑھی ہو یا پتلی اس کا کوئی فرق نہیں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جامع کلمات دیئے گئے ہیں آپ نے ایک جملہ میں مائع منجمد سب کو حرام کر دیا۔ کتب حنفیہ (شامی وغیرہ) میں جو پتلے اور جمے ہوئے ہیں فرق کیا ہے کہ پتلا تو قلیل ہو یا کثیر حرام ہے۔ اور جما ہوا کثیر حرام ہے قلیل حرام نہیں یہ فرق صحیح نہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر نشہ والی شے قلیل کثیر حرام کی ہے۔

اسی طرح کتب فقہ شامی وغیرہ میں جو یہ فرق کیا گیا ہے کہ پتلی اشیاء نشہ والی نجس ہیں جمی ہوئی نجس نہیں تو یہ ٹھیک نہیں کیونکہ یہ بھی بے دلیل ہے بعض جو یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ قرآن مجید میں جوئے۔ تیر فال اور بتوں کا بھی ذکر ہے حالانکہ یہ نجس نہیں ہیں۔ رجس سے مراد بری اور شرارت والی شے ہے، جو عام خرابیوں کی جڑ ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے مشرک کو نجس کہا ہے حالانکہ ظاہر میں نجس نہیں، بلکہ مراد اس سے شرارت نفس اور خباثت باطنی ہے ٹھیک اسی طرح شراب

کو سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ بھی ام الخبائث ہے منتخب کنز الاعمال جلد ۲ صفحہ ۴۲ میں بحوالہ طبرانی اوسط ابن عمرؓ سے روایت ہے۔ اَلْخَمْرُ اُمُّ الْخَبَائِثِ فَمَنْ شَرِبَ لَمْ تُقْبَلْ صَلٰوتُہٗ اَرْبَعِیْنَ یَوْمًا فَاِنْ مَاتَ وَ هِیَ فِی بَطْنِہٖ مَاتَ مِیتَۃً جَاہِلِیَّۃً یعنی شراب تمام خباثتوں کی ماں ہے جو اس کو پیئے چالیس روز تک اس کی نماز قبول نہیں ہوتی اور جو مر جائے اور شراب اس کے پیٹ میں ہو تو جاہلیت کی موت مرا اس حدیث سے ظاہر ہوگیا کہ شراب کی نجاست سے مراد وہی ہے جو ہم نے بیان کی ہے کہ وہ ام الخبائث ہے جیسے مشرک کو نجس کہا ہے نہ یہ کہ اس کا ظاہر پلید ہے۔

خلاصہ یہ کہ پتلی اور جمی ہوئی کا نہ تو قلیل کثیر کا فرق ہے نہ پاک پلید کا فرق ہے بلکہ دونوں کا ایک ہی حکم ہے کہ دونوں پاک شے سے تیار ہوں تو پاک ہیں اگر پلید سے تیار ہوں تو پلید ہیں۔ اور جمی ہوئی قلیل کثیر حرام ہے جیسے پتلی کا قلیل کثیر حرام ہے یہ تو مسکر کا بیان تھا۔ اب مخدر، مفتر، سمیات کا حال سنیئے منتخب کنز العمال جلد ۲/۱۴۷ میں بحوالہ مسند احمد اور ابوداؤد ام مسلمہ رضؓ کی روایت ذکر کی ہے نھی عن کل مسکر و مفتر یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر نشہ والی شے اور فتور پیدا کرنے والی شے سے منع کیا ہے نیز اسی صفحہ پر بحوالہ ابونعیم انس بن حذیفہ کی روایت ذکر کی ہے الا ان کل مسکر حرام و کل مخدر حرام ؎ وما اسکر کثیرہ حرام قلیلہ وما خمر العقل فھو حرام یعنی ہر نشے والی شے حرام ہے اور خدر پیدا کرنے والی شے حرام اور جس شے کی زیادتی نشہ لائے اس کا تھوڑا حصہ بھی حرام ہے۔ اور جو شے عقل کو ڈھانک لے وہ حرام ہے نیل الاوطار باب التداوی بالمحرمات میں ہے، عن ابی ھریرۃ قال نھیٰ رسول اللہ صلی اللہ عَلَیہ وسلم عَنْ دَوَاءِ الْخَبِیْثِ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوا خبیث سے منع فرمایا ہے۔ یعنی زہر اس سے مفتر، مخدر، سمیات کا حکم معلوم ہوگیا کہ یہ سب حرام ہیں نہ دوا کے لئے ان کا استعمال درست ہے نہ غیر دوا کے لئے جیسے مسکر کا حکم ہے کہ وہ بھی دوا و غیر دوا کے لئے استعمال کرنا جائز نہیں رہا قلیل کثیر کا فرق سو اس میں بھی یہ مسکر کی طرح ہیں کیونکہ مسکر قلیل کے حرام ہونے کی دو وجہیں ہیں۔

ایک یہ کہ تھوڑے سے بہت تک نوبت نہ پہنچ جائے کیونکہ جوں جوں مسکر کو استعمال کیا جائے۔ اس کی رغبت بڑھتی ہے رستہ بند کرنے کی غرض سے تھوڑے کو بھی حرام کر دیا۔ دوسری یہ کہ اس کے استعمال سے قویٰ پر بہت برا اثر پڑتا ہے ان کی اپنی طاقت کمزور ہو جاتی ہے اور مسکر ان کی غذا ہو جاتی ہے یہاں

تک کہ نہ ملنے کی صورت میں سخت تکلیف ہوتی ہے جیسے دیوانے کتے کی حالت ہوتی ہے کسی کو کم کسی کو زیادہ مفتر ومخدر میں یہ دونوں وجہیں مسکر سے زیادہ پائی جاتی ہیں۔ چنانچہ حقہ۔ سگریٹ پینے والوں اور افیون وغیرہ کھانے والوں کی حالت دیکھی گئی ہے کہ ان کو زیادہ ان شے کی طلب ہوتی ہے پس ان کا قلیل بطریق اولی حرام ہونا چاہیئے۔ یہی وجہ ہے کہ ابو نعیم کی حدیث میں مسکر اور مخدر کی حرمت بیان کر کے مسکر قلیل کی حرمت پر اکتفا کی ہے کیونکہ مخدر قلیل کی حرمت بطریق اولی سمجھی جاتی ہے رہا زہر قلیل کا استعمال جس سے جان کا خطرہ نہ ہو۔ تو اس کا کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ دو وجہیں اس میں نہیں پائی جاتیں نیز تھوڑی مقدار جس میں قتل کا خطرہ نہ ہو اس کے استعمال میں کوئی حرج نہیں۔ مثلاً کوئی شخص ٹیلے سے کودے یا پہاڑ سے کودے جس کے نیچے گہرا پانی ہو یا کوئی اور نرم شے ہو جس سے چوٹ لگنے کا اندیشہ نہ ہو تو یہ کسی کے نزدیک منع نہیں۔ ٹھیک اسی طرح زہر کو سمجھ لینا چاہیئے۔ نیل الاوطار جلد ۸ صفحہ ۱۲۵ میں ہے۔

قال الماوردی وغیرہ السموم علی اربعۃ ضرب الخ۔

یعنی زہر چار قسم ہے ایک وہ جو قلیل کثیر قتل کر دے پس اس کا کھانا ہر طرح حرام ہے دوسری قسم وہ ہے جو کثیر قتل کر دے قلیل قتل نہ کرے۔ اس کا کثیر حرام ہے تھوڑا دوا کے لئے جائز ہے تیسرا وہ جو اکثر قتل کر دے کبھی نہ کرے۔ تو اس کا پہلے والا حکم ہے چوتھا وہ جو اکثر قتل نہ کرے کبھی کر دے۔ اس کی بابت امام شافعیؒ کے دو قول ہیں۔ ایک میں مباح کہا ہے اور ایک جگہ حرام کہا ہے امام شافعیؒ کے بعض اصحاب نے اس کو دو حالتوں پر کر دیا ہے۔ مباح اس وقت ہے جب دوا کے لئے ہو حرام اس وقت جب دوا کے لئے نہ ہو۔ جس حدیث میں حضرت میمونہ کی لونڈی کی مری ہوئی بکری کا ذکر ہے حضورؐ نے فرمایا کہ اس کی کھال کیوں نہ اتار لی گئی۔ اس حدیث سے اگرچہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس طریق پر کسی شے کا استعمال کرنا حرام ہے۔ اس طرح کے علاوہ کسی دوسرے طریق پر استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ مگر چونکہ ان اشیاء کی حرمت سخت ہے یہاں تک کہ قلیل وکثیر حرام ہیں اور جب شراب کی حرمت اتری۔ اس وقت جن لوگوں کے پاس شراب تھی۔ بہا دی گئی تھی۔ اور کسی جگہ استعمال کرنے کی اجازت نہیں دی بلکہ منتقیٰ وغیرہ میں حدیث ہے۔ صحابہ رضؓ نے سرکہ بنانے کی اجازت چاہی اجازت نہیں ملی۔ اور خرید وفروخت بھی شراب کی حرام کر دی گئی۔ اس لئے کسی دوسرے طریق پر بھی استعمال کرنا ٹھیک نہیں۔ اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو منتخب کنز العمال جلد ۲ میں ہے۔

عن نافع قال قیل لابن عمرؓ اَنَّ النِّسَاءَ یَمْتَشِطْنَ بِالْخَمَارِ فَقَالَ ابْنُ عُمَرُؓ اَلْقَی اللّٰہُ فِی رُؤُسِھِنَّ الْحَاصَّۃَ یعنی ابن عمرؓ کو کہا گیا کہ یہ عورتیں شراب سے سر دھوتی ہیں فرمایا اللہ تعالیٰ ان کے سروں میں بیماری ڈالے۔ جس سے ان کے بال گر جائیں۔ عبد اللہ امرتسری روپڑی ضلع انبالہ

۲۷ر اگست ۱۹۳۱ء مطابق ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۵۱ھ

جندبیدستر

سوال : جندبیدستر کے استعمال کا کیا حکم ہے؟

جواب : جندبیدستر سگ آبی (لدھر) کا خصیہ ہے لدھر مچھلیوں کا شکار کرتا ہے اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ ہر دریائی جانور حلال ہے یا مچھلی کے اقسام اختلاف شدید ہے اس لئے احتیاط اسی میں ہے کہ جندبیدستر سے پرہیز کیا جائے۔ عبد اللہ امرتسری روپڑی

افیون، ڈوڈے اور بھنگ

سوال : افیون ڈوڈے بھنگ یا تخم یا برگ دھتورہ، تخم یا برگ بھنگ وغیرہ منشیات میں شامل ہیں یا مخدرات میں؟ بطور دوائی ان کا داخلی یا خارجی طور پر استعمال کیا جائز ہے؟

جواب : ان اشیاء کو بعض نشہ آور نہیں کہتے مگر میرا خیال ان کی بابت بین بین ہے۔ مجھے ان میں کچھ نشہ کا شبہ پڑتا ہے بعض کتب طب میں بھی ان کو منشیات میں لکھا ہے۔ جب یہ اشیاء نشہ آور ہوئیں تو ان کا استعمال داخل خارجی یا خاکستر کر کے کسی طرح درست نہ ہوا، خواہ تھوڑی مقدار ہو جو نشہ پیدا نہ کرے یا زیادہ ہو اور اگر نشہ کی خاصیت دور کر کے استعمال کی جائیں تو اس میں اختلاف ہے کوئی کہتا ہے کہ استعمال جائز ہے کوئی کہتا ہے ناجائز ہے احتیاط استعمال نہ کرنے میں ہے ہاں اگر خود بخود نشہ دور ہو جائے جیسے شراب اتفاقیہ دھوپ میں پڑی رہنے سے سرکہ بن جائے تو اس کے استعمال میں کوئی حرج نہیں اور اگر نشہ آور نہ ہوں بلکہ صرف مخدر ہوں تو بھی ان کا استعمال جائز نہیں ہاں تخدیر کی خاصیت دور کر دی جائے تو پھر کچھ گنجائش ہے خواہ داخلی استعمال ہو یا خارجی اگر تخدیر کی خاصیت باقی ہو تو پھر داخلی تو بالکل نہ چاہیئے۔ خارجی کی گنجائش ہے مگر احتیاط اسی میں ہے کہ نہ بچے، کیونکہ منشیات ہونے کا قوی

بیر بہوٹی۔ گنڈوئے۔ کچھوا۔ جونک۔ قضیب گاؤ۔ قضیب ریچھ۔ چربی شیر

سوال، مذکورہ بالا اشیاء کا استعمال بطور دوائی جائز ہے؟

جواب، بیر بہوٹی۔ کیچوے۔ جونکیں اور اس قسم کی دوسری اشیاء جن میں دم سائل (وہ خون جو ذبح کے وقت بہ جاتا ہے) نہیں، وہ سب پاک ہیں، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مکھی برتن میں یا کھانے میں گر جائے تو اس کو ڈبو دے کیونکہ اس کے ایک پر میں شفا ہے اور دوسرے میں بیماری ہے اور وہ بیماری والے پر کو آگے کرتی ہے اور اس کے بل گرتی ہے اور ظاہر ہے کہ بعض دفعہ شے گرم ہو تو مکھی مر جاتی ہے اور بعض دفعہ گرمی کو دیر ہو جائے۔ تو پھر مر جاتی ہے اس سے معلوم ہوا کہ ایسی اشیاء جن میں دم سائل نہیں۔ نجس نہیں پس ان کا داخلی خارجی ہر طرح سے استعمال جائز ہے۔

سانڈھا گوہ کی قسم ہے اس کا استعمال بھی ہر طرح سے جائز ہے نیز کچھوے کا کھانے کے علاوہ استعمال میں کوئی حرج نہیں قضیب گاؤ حنفیہ کے نزدیک مکروہ ہے مگر یہ مذہب صحیح نہیں بلکہ ماکول اللحم کا گوبر پیشاب تک پاک اور حلال ہے ریچھ اور شیر چونکہ قطعاً حرام ہیں، اس لئے ریچھ کی قضیب (آلت) اور شیر کی چربی وغیرہ بھی اسی حکم میں ہیں۔ ہاں کھانے کے علاوہ کسی اور طریق سے استعمال منع نہیں کیا جاتا۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

مینڈک۔ کچھوا

سوال، مینڈک۔ کچھوا کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟

جواب، مینڈک اور کچھوا اختلافی اشیاء سے ہیں اس لئے احتیاط بچنے میں ہے بلکہ مینڈک کے متعلق تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک طبیب نے دوائی کے لئے اجازت مانگی تو آپ نے اس کے قتل سے منع فرمایا۔ حیوۃ الحیوان میں بحوالہ بیہقی سہل بن ساعدی رضؓ سے روایت کیا ہے، کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ چیزوں کے قتل سے منع کیا ہے، چیونٹی۔ شہد کی مکھی، مینڈک صُرد (چکی بلا) اور ہد ہد اور بعض اور روائتیں بھی ذکر کی ہیں، جن میں قتل مینڈک کی ممانعت ہے اگر کہا جائے کہ اس

حدیث سے مینڈک کی حرمت ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ اس میں شہد کی مکھی اور چیونٹی کے قتل سے بھی منع فرمایا ہے۔ حالانکہ وہ کسی کے نزدیک حرام نہیں تو اس کے متعلق عرض ہے کہ اس حدیث سے تو اتنا ضرور ثابت ہوتا ہے، کہ مینڈک کا استعمال زیادہ خطرہ والی شے ہے کیونکہ یہاں پر تین حالتیں ہیں ایک یہ کہ مینڈک زندہ ہو، دوم یہ کہ مقتول ہو، سوم یہ کہ بغیر قتل کے مرگیا ہو۔ زندہ ہونے کی حالت میں تو وہ استعمال نہیں ہوتا۔ دوسری حالت کے متعلق تھوڑی سی تفصیل ہے وہ یہ کہ جو شے فی نفسہ حلال ہو۔ اگر اس کو گناہ کے طریق سے تیار کیا جائے تو اس میں علماء کا اختلاف ہے بعض اس کو حلال کہتے ہیں اور بعض حرام کہتے ہیں، مثلاً سرکہ حلال ہے مگر شراب کا سرکہ بنانے سے حدیث میں ممانعت آئی ہے اس لئے بعض علماء اس کو حلال کہتے ہیں، بعض حرام ٹھیک اسی طرح مینڈک کے مقتول ہونے کی صورت میں مینڈک کے حلال حرام ہونے میں اختلاف ہوگا۔ کیونکہ اس کے قتل سے ممانعت آئی ہے۔ ایک شبہ تو اس کی حلت حرمت میں تھا، اب ایک قتل سے پیدا ہوگیا، پس اس طریق سے مینڈک کا استعمال زیادہ خطرناک ہو گیا، رہی تیسری صورت سو اس میں اگر صُرد اور ہدہد کا لحاظ کیا جائے، تو وہ مرے ہوئے قطعاً حرام ہیں پس مینڈک بھی قطعاً حرام ہوگا، اور اگر شہد کی مکھی اور چیونٹی کا لحاظ کیا جائے تو ان کی طرح مینڈک بھی حرام نہ ہونا چاہیئے۔ اب اس کے ساتھ اصل حلت و حرمت اختلاف کو دیکھا جائے، تو وہی شبہ در شبہ والی حالت پیدا ہو گی، جیسے دوسری (مقتول ہونے کی) حالت تھی بہرصورت مینڈک کا معاملہ اس حدیث کی وجہ سے زیادہ نازک معلوم ہوتا ہے مگر یہ سب کچھ کھانے کے متعلق ہے اگر کسی اور طریق سے استعمال کرنا ہو تو پھر کوئی ایسی خطرے والی شے نہیں۔ عبداللہ امرتسری روپڑی

افیون

سوال ، افیون وغیرہ بطور دوا استعمال کی جاسکتی ہے؟

جواب ، مشکوٰۃ میں ہے،

عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ اَنْزَلَ الدَّاءَ وَالدَّوَاءَ وَجَعَلَ لِکُلِّ دَاءٍ دَوَاءً فَتَدَاوُوْا وَلَا تَدَاوُوْا بِحَرَامٍ۔ رواہ ابو داؤد (مشکوٰۃ باب الطب والرقی)

ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں خدا نے کوئی بیماری نہیں اتاری مگر اس

کی شفا بھی اتاری ہے پس دوا کرو اور حرام کے ساتھ دوا نہ کرو۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی حرام شے کے ساتھ دوا نہ کی جائے۔ عبداللہ امرتسری روپڑی

مدیر تنظیم، یکم جمادی الاول ۱۳۵۸ھ

اونٹنی نے گیدڑ کا گوشت کھالیا

سوال۔ ایک اونٹنی بیمار ہو گئی بیماری کی وجہ سے اس کو گیدڑ کا گوشت کھلایا گیا کیا گیدڑ کا گوشت کھانے سے اونٹنی حرام ہو گئی یا نہیں۔

جواب۔ اونٹنی حرام نہیں ہوئی اس کی مثال ایسی ہے جیسے کھیتوں میں گندگی وغیرہ ڈالی جاتی ہے اس سے ترکاری وغیرہ پیدا ہوتی ہے بھیڑیں میلا وغیرہ کھاتی ہیں۔ مرغیاں گندگی کھاتی ہیں جیسے یہ اشیاء حرام نہیں ہوتیں اس طرح اونٹنی کو سمجھ لینا چاہیئے۔ (عبداللہ امرتسری روپڑی)

کچھوا

سوال۔ کیا امام بخاری رح کے نزدیک کچھوا حلال ہے؟

جواب۔ امام بخاری رح نے کچھوے کی حلت کی بابت صرف حسن بصری رح کا مذہب نقل کیا ہے۔ شعبی وغیرہ کا نقل نہیں کیا۔ رہا یہ کہ امام بخاری رح کے نزدیک کچھوا حلال ہے یا نہیں سو اس باب سے جس میں یہ قول لائے ہیں کچھ پتہ نہیں چلتا۔ کیونکہ اس باب میں ابن عباس رح کا مذہب ذکر کیا ہے کہ دریا کا طعام جس کی حلت قرآن میں مذکور ہے۔ اس سے مراد دریا کا مردہ جانور ہے مگر جس سے تیری طبیعت نفرت کرے اور ظاہر ہے کہ کچھوے سے عموماً طبائع کو نفرت ہے پس یہ درست نہ ہوا نیز کسی کا مذہب نقل کرنے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ امام بخاری رح کا اپنا مذہب بھی یہی ہے۔ ہاں صحابی رض کا قول ہوتا تو یہ خیال ہو سکتا تھا۔ کیونکہ صحابی رض کا قول حجت ہے۔ عبداللہ امرتسری روپڑی

مچھلی اور نمک وغیرہ شراب میں ڈال کر سرکہ بنانا اور اس کا استعمال جائز ہے؟

سوال۔ نینان خمری (یعنی شراب والی مچھلیوں) کی حلت جو حضرت ابو الدرداء صحابی سے امام

بخاری رحمہ نے نقل کی ہے اس سے شراب کے سرکہ بنانے پر استدلال کرنا درست ہے اس سے یہ مسئلہ نکلتا ہے کہ انگریزی ادویہ جن میں شراب حل ہوتی ہے ان کا کھانا اور پینا درست ہے۔

جواب، حضرت ابو الدرداء کے قول میں نینان خمری کا ذکر نہیں بلکہ سرکہ شراب کا ذکر ہے۔ جو شراب میں مچھلیاں اور نمک ڈال کر تیار کیا جاتا ہے حافظ ابن حجر رحہ نے فتح الباری میں اس مقام پر لکھا ہے کہ ابو الدرداء اور ایک جماعت صحابہؓ اس کو کھاتی تھی، اور اس کے ایک دو سطر بعد لکھا ہے کہ ابو الدرداء اور ایک جماعت اس طرح سے شراب کا سرکہ بنانا جائز کہتے ہیں۔ حضرت ابو الدرداء اور ایک جماعت کا یہی مذہب ہے اور اس بناء پر شراب میں حل کی ہوئی ادویہ جائز ہوں گی مگر چونکہ حدیث میں شراب کے سرکہ بنانے سے صراحۃً نہی آئی ہے اس لئے پرہیز چاہیئے ہاں اگر کسی نے جرم کا ارتکاب کر کے دوا تیار کر لی ہو یا سرکہ بنا لیا ہو تو اس کے استعمال کی کچھ گنجائش ہے مگر پھر بھی پرہیز اچھا ہے کیونکہ اس میں اختلاف ہے۔

عبد اللہ امرتسری روپڑی

سودی قرض لینے والے کی ضیافت اور عطیہ

اس کا جواب اسی فتاویٰ میں ص۷۹ پر گزر چکا ہے۔

بکرا دیوی

سوال، غیر اللہ کے نام پر پکارے ہوئے جانور کا بچہ بھی حرام ہے یا نہیں؟ ہمارے علاقہ میں چونکہ ہندو لوگ زیادہ آباد ہیں بنا بریں سانڈھ اور بکرے بھینے جو یہاں پائے جاتے ہیں وہ نوے فیصدی غیر اللہ کے نام پر پکارے ہوئے ہیں ان تینوں حلال جانوروں کی نسل غیر اللہ جانوروں سے بڑھتی ہے اب ایسی صورت میں اگر غیر اللہ کی نسل بھی حرام ہے تو نہ صرف یہ کہ ہم حلال جانوروں کے گوشت سے محروم رہیں گے بلکہ قربانی کے لئے بھی ہمیں کوئی جانور نہیں ملے گا۔

محمد عبد اللہ از قصبہ روڑی ضلع حصار

جواب، اس قسم کی عام وبا جس سے پرہیز مشکل ہو یہ خاص غیر اللہ کے نام کے جانور سے تعلق نہیں رکھتی بلکہ عام طور پر ہر شے میں داخل ہو گئی ہے مثلاً سود۔ گردی زمین کے منافع۔ رشوت، چوری، خرچی

زانیہ خلاف شرع خرید وفروخت اور اس میں دغا، فریب، جھوٹ اور کئی قسم کی غیر شرعی حرفتیں، عدالتوں کی ملازمتیں، وکالتیں، عرضی نویسی وغیرہ جو قرآنی آیت وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰفِرُوْنَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ کے تحت ہیں سب اسی قسم سے ہیں۔ خاص کر ظلم پنجاب کا مسئلہ کہ وراثت شرعی طریق سے تقسیم نہیں کرتے نہ عشر زکوٰۃ دیتے ہیں بلکہ جھوٹے مقدمات کر کے بیگانے حقوق دبا لیتے ہیں۔ یہ باتیں عام ہو رہی ہیں اور کم وبیش ہر خاص وعام ان میں مبتلا ہے یا کم سے کم ان کا دھواں ہر ایک کو پہنچ رہا ہے سو ایسی حالت میں اگر کوئی شخص چاہے کہ میں پورا پرہیز کروں اور ہر قسم کی آمیزش اور اشتباہ سے بچوں تو مشکل ہے مگر یہ بھی نہیں کہ بے تکلف ہو کر بے پرواہی سے مال مشتبہ اور غیر مشتبہ جو کچھ سامنے آوے حلال طیب کی طرح کھا جائے بلکہ اپنی طاقت کے موافق پرہیز ضروری ہے

عبداللہ امرتسری روپڑی ۲۹ رجولائی ۱۹۳۶ء ۹ جمادی الاول ۱۳۵۵ھ

تبلیغ اسلام پر اجرت

اس کا جواب اسی جلد کے صـ ۲۷۰ پر گزر چکا ہے۔

مسجدوں میں تقسیم شدہ مٹھائی یا نذر

سوال۔ مسجدوں وغیرہ میں جو مٹھائی وغیرہ تقسیم ہوتی ہے یا کھانا دیا جاتا ہے یا بیماری کے موقع پر نذر مانی جاتی ہے اور شفا ہونے پر پوری کی جاتی ہے کیا اس کو غریب امیر سب کھا سکتے ہیں۔ یا صرف غریبوں کا حق ہے؟

جواب۔ اس مسئلہ میں اصل الاصول یہ ہے کہ اگر بطور ہدیہ اور بطور احسان ومروت ہو تو ہر ایک کھا سکتا ہے اگر صدقہ کی نیت ہو تو مساکین کا حق ہے عقیقہ قربانی کی طرح ہے اس کو غنی بھی کھا سکتے ہیں کیونکہ اس سے مقصد خون بہانا ہے۔ گوشت جو چاہے کھائے اور جو کسی خوشی کے موقع پر دیا جاتا ہے جیسے کعب بن مالک رضؓ نے توبہ قبول ہونے کے وقت خوشخبری دینے والے کو اپنے کپڑے اتار کر دے دیئے۔ ابن کثیر جلد ۵ زیر آیت کریمہ "وعلی الثلاثۃ الذین خلفوا" یا اس قسم کے کسی اور خوشی کے موقع پر جو کچھ دیا جاتا ہے یہ عموماً بطور شکریہ اور بطور ہدیہ اور بطور احسان ومروت

ہوتا ہے جس سے اپنے دوست یا خیر خواہ کے پاس یا اپنی برادری میں یا اسلامی بھائیوں میں خوشی کا اظہار مقصود ہوتا ہے اس کو ہر ایک کھا سکتا ہے اور کبھی خوشی کے موقع پر بطور صدقہ ہوتا ہے جیسے ابن کثیر میں اسی کعب بن مالک کے واقعہ میں ہے کہ انہوں نے توبہ قبول ہونے کی خوشی میں خیبر کے حصہ کے سوا سب مال صدقہ کر دیا۔

بیماری وغیرہ کے موقع پر جو کچھ دیا جاتا ہے یا نذر مانی جاتی ہے اس میں عموماً صدقہ کی نیت ہوتی ہے۔ تاکہ مصیبت ٹل جائے پس اغنیاء کو اس سے پرہیز چاہیئے غرض یہ شے نیت کے تابع ہے اس میں غریب امیر سب یکساں ہیں جیسے مسافر کی خدمت اور کھانا دینا وغیرہ گھر میں خواہ وہ کتنا امیر ہو، اس طرح کی روزہ کی افطاری ہے اس لئے ماہِ رمضان کا نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہر مواساۃ رکھا ہے یعنی ہمدردی اور خیر خواہی اور احسان و حرمت کا مہینہ۔

مشکوٰۃ میں ہے۔

اَنَّ امْرَأَةً قَالَتْ یَا رَسُولَ اللهِ وَنَذَرْتُ اَنْ اَذْبَحَ بِمَكَانِ كَذَا وَكَذَا مَكَانٌ تُذْبَحُ فِيْهِ اَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ ..... الخ

یعنی ایک عورت نے کہا، یا رسول اللہ! میں نے نذر مانی ہے کہ فلاں فلاں مکان میں ذبح کروں، جس میں اہلِ جاہلیت ذبح کرتے تھے۔ فرمایا کیا وہاں ان کا کوئی بت تھا۔ جس کی پوجا ہوتی ہو؟ کہا نہیں۔ فرمایا کیا وہاں ان کی کوئی عید تھی؟ کہا نہیں فرمایا اپنی نذر پوری کر۔

مشکوٰۃ کے اسی صفحہ پر ایک مرد کا ذکر ہے جس نے بُوانہ جگہ میں اونٹ ذبح کرنے کی نذر مانی اس کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح سوال کر کے آخر فرمایا نذر پوری کر۔

ان جگہوں میں نذر ماننے سے مقصود ان جگہوں کے لوگوں کو کھانا پلانا تھا جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دیدی امیر غریب کا آپ نے امتیاز نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ نذر ماننے والے کے اختیار میں ہے۔ جس کو چاہے کھلائے پلائے۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ جہاں کوئی چاہے کھلائے خواہ مسجد ہو یا کوئی اور جگہ ہو صرف اس چیز کا خیال رکھے کہ کوئی شرک و بدعت کا کام وہاں نہ ہو اور نہ کفار کے کسی تہوار کو رونق ہو اس قسم کے خرافات سے بچتا ہوا جہاں چاہے کھلائے پلائے مسجد تو نیک مجلس کی جگہ ہے اور بابرکت مجمع کا محل

ہے وہاں بطریق اولیٰ کھلانا پلانا ثابت ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عموماً لوگ مسجد نبوی میں اشیاء لاتے اور وہاں کھجوروں وغیرہ کے خوشے لٹکاتے چنانچہ آیت کریمہ وَلَا تَیَمَّمُوا الْخَبِیْثَ اسی بارہ میں اتری۔ عبداللہ امرتسری روپڑی ۱۸ ربیع الاوّل ۱۳۵۹ھ

گندگی کھانے والا جانور

سوال ۔ مشکوٰۃ میں ہے کہ پاخانہ کھانے والا چار پایہ حلال نہیں اور نہ ہی اس کی سواری جائز ہے اکثر گائے، بھینس گندگی کھاتی دیکھی ہیں کیا ان کی قربانی بھی درست نہیں اور مرغا مرغی ہمیشہ گندگی کرید کر کھاتے ہیں اور اس کے انڈے ہر شخص کھاتا ہے۔

جواب ۔ مشکوٰۃ میں گندگی کھانے والے جانور کی ممانعت ہے لیکن وہاں جلالہ کا لفظ ہے۔ اور جلالہ زیادہ گندگی کھانے والے کو کہتے ہیں یعنی جس کی اکثر خوراک گندگی ہو۔ یہاں تک کہ اس کے دودھ اور اس کے پسینہ سے گندگی کی بدبو آئے ایسا جانور بیشک حرام ہے رہی مرغی تو یہ جلالہ میں داخل ہی نہیں کیونکہ اس میں خدا نے ایسی حرارت رکھی ہے کہ اس سے اس کی اصلاح ہوتی رہتی ہے۔ اس لئے یہ خواہ کتنی گندگی کھائے۔ اس سے بدبو نہیں آتی اور اس کا گوشت بدستور لذیذ رہتا ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی ۵ ذی قعدہ ۱۳۵۶ھ

مزدوری میں غیر مسلم سے مشکوک یا حرام پیسے لینا

سوال ۔ میں ہندو دفتر میں ملازم ہوں اس دفتر سے ایک انگریزی رسالہ نکلتا ہے اور جو رسالہ کی آمد ہوتی ہے۔ مالک رسالہ ایک بنک میں جمع کروا دیتے ہیں اور ماہ کے بعد ملازموں کو تنخواہیں بنک سے روپیہ نکلوا کر دی جاتی ہیں، ہم دفتر کے ملازم اپنی مزدوری خیال کر کے تنخواہ لے لیتے ہیں اگر بنک والے مالک رسالہ کا روپیہ سود پر لگا کر روپیہ کو صرف کریں تو اس صورت میں جو ہمیں تنخواہیں ملتی ہیں ہمارے لئے جائز ہیں یا نہیں۔

جواب ۔ فتاویٰ ابن تیمیہؒ میں ہے کہ ذمی آپس میں پوشیدہ شراب کی خرید و فروخت کریں تو اس سے نہ روکا جائے۔ اور شراب کی قیمت جب ذمی کے قبضہ میں آجائے تو اب مسلمان کو اجازت ہے

کہ اس قیمت کو لین دین میں شمار کرے. جیسے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ شراب کی خرید و فرخت ذمیوں کے سپرد کرو اور ان سے قیمت لے لو.

اس سے معلوم ہوا کہ کفار آپس میں خواہ کوئی حرام کا سودا کریں، ہمیں جائز ہے کہ ہم اپنا حق وصول کرتے ہوئے وہی پیسے لے لیں آپ نے جس صورت کے متعلق سوال کیا ہے وہ اسی قسم سے ہے وہ آپس میں خواہ سود کا لین دین کریں یا کوئی اور معاملہ کریں آپ کو جو کچھ ملتا ہے وہ آپ کے لئے جائز ہے کیونکہ آپ کا اس معاملہ میں کوئی دخل نہیں. ہاں اگر آپ بنیک میں ملازم ہوتے تو یہ ناجائز تھا کیونکہ اس صورت میں آپ کے ہاتھ سے سودی کاروبار ہوتا جو قطعاً حرام ہے اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود لینے والے اور کاتب اور گواہوں کو لعنت کی ہے اور فرمایا یہ سب گناہ میں برابر ہیں.

عبداللہ امرتسری روپڑی ضلع انبالہ

حجامت کا بیان

لڑکی کا سر مُنڈانا

سوال ۔ کیا چھوٹی لڑکی کا سر منڈانا جائز ہے؟

جواب ۔ اَخْرَجَہٗ مَالِکٌ وَاَبُوْدَاوٗدَ فِی الْمَرَاسِیْلِ وَالْبَیْھَقِیُّ مِنْ حَدِیْثِ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ زَادَ الْبَیْھَقِیُّ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ جَدِّہٖ اَنَّ فَاطِمَۃَ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْھَا وَزَنَتْ شَعْرَ الْحَسَنِ وَالْحُسَیْنِ وَزَیْنَبَ وَاُمِّ کُلْثُوْمٍ رَضِیَ اللہُ عَنْھُمْ فَتَصَدَّقَتْ بِوَزْنِہٖ فِضَّۃً" (نیل الاوطار)

فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حسنؓ حسینؓ، زینبؓ، ام کلثومؓ کے بال تول کر ان کے وزن برابر چاندی صدقہ کی. اس حدیث سے معلوم ہوا کہ چھوٹی لڑکی کے بال اتروانے جائز ہیں اگر ناجائز ہوتے تو عقیقہ میں اتروا کر چاندی دینے کی ضرورت نہ تھی بلکہ اٹکل سے بھی دی جا سکتی ہے اس کے علاوہ چھوٹی لڑکی کے بال کہیں نہی نہیں آئی اور جس شے سے شارع منع نہ کرے اس کو ہم اپنی طرف سے منع نہیں کرتے پس اس وجہ سے بھی بال اتروانے کا جواز ثابت ہوا، نیز جس شے سے شارع ساکت ہو جائے وہ معاف

ہے (منتقی مع نیل کتاب الاطعمۃ) عبداللہ امرتسری روپڑی

ایک نوجوان کی ڈاڑھی منڈوانے کے متعلق درخواست

سوال ، آج کل یہاں ڈاڑھی منڈانے والے کو اسلام سے خارج بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسے خصوصاً ہمیں جن کی عمر اٹھارہ برس کی ہے بڑی لمبی ڈاڑھی رکھنے کے لئے کہتے ہیں اب ہم عمر کے لحاظ سے ڈاڑھی منڈاتے ہیں تاہم نماز پڑھتے ہیں جب ہم پر کفر کا فتوی لگ گیا ہم نے مسجدوں میں آنا چھوڑ دیا۔ کیا ڈاڑھی ہی کے چھوٹنے پر اسلام موقوف ہے جب ہماری عمر تیس برس کی ہو گی ڈاڑھی رکھ لیں گے اس وقت تک نماز روزہ بدستور بجالاتے رہیں گے کیا ایسا کرنا جائز ہے۔ عبدالرحمٰن بی اے بنگلور

جواب ، ہر ایک حکم میں اس کے مناسب فتوی ہوتا ہے ڈاڑھی منڈانے پر کفر کا فتوی نہیں آیا۔ جس مولوی نے یہ فتوی دیا ہے یا اس کی غلطی ہے یا اس کی یہ مراد ہو گی کہ ڈاڑھی منڈانے کو کوئی حلال جانے تو یہ کفر ہے اسی طرح اگر لمبی ڈاڑھی پر مذاق کرے تو یہ بھی کفر ہے کیونکہ رسول کی سُنت کو ہلکا سمجھنا اور اس کی توہین کرنا یہ رسولؐ کی توہین ہے۔ بہر صورت پورا عالم صرف ڈاڑھی منڈانے پر کفر کا فتوی نہیں دے سکتا۔ لیکن اس بات کو یاد رکھنا چاہیئے کہ جو گناہ اسلام کے دائرے کے اندر ہوتے ہیں ان کا معاملہ بھی بڑا خطرناک ہے۔ حدیث میں آیا ہے۔ جب انسان ایک دفعہ گناہ کرتا ہے تو ایک نقطہ دل پر پڑ جاتا ہے اگر توبہ کرے تو دل صاف ہو جاتا ہے جب دوبارہ گناہ کرتا ہے تو ایک اور نقطہ سیاہ پیدا ہو جاتا ہے اس طرح دل سیاہ ہوتے ہوتے خطرہ ہے کہ موت کے کنارہ تک پہنچنے تک سارا دل سیاہ ہو جائے اور توبہ کی توفیق نہ ملے۔ اور خاتمہ خراب ہو جائے خاص کر جو اعلانیہ اور دلیری سے گناہ ہوتا ہے اس کے متعلق حدیث میں سخت وعید ہے۔ کُلُّ اُمَّتِیْ مُعَافٰی اِلَّا الْمُجَاهِرُوْنَ۔ یعنی ساری امت کو معافی دی جا سکتی ہے مگر اعلانیہ گناہ کرنے والے۔

ڈاڑھی منڈانے کا گناہ ایسا اعلانیہ ہے کہ پہلے اسی پر نظر پڑتی ہے جب انسان پوشیدہ گناہ کرتا ہے تو اس کی بابت شاہ عبدالقادر جیلانی لکھتے ہیں کہ اس کو خدا کی طرف سے آواز آتی ہے۔ یَا ابْنَ اٰدَمَ اَجَعَلْتَنِیْ اَهْوَنَ النَّاظِرِیْنَ اِلَیْكَ یعنی اے بیٹے آدم کے جتنے تیری طرف دیکھنے والے ہیں۔ ان سب سے تو نے مجھے حقیر سمجھا، کیونکہ ان سے شرم کے مارے پوشیدہ گناہ کرنے لگا ہے اور میں تجھے اس حالت میں دیکھ رہا ہوں

مجھ سے تجھے شرم نہ آئی اور جب انسان اعلانیہ گناہ کرتا ہے تو گویا اس کو نہ لوگوں سے شرم رہی نہ خدا سے اس لئے وہ زیادہ مجرم ہوگیا۔

باقی یہ خیال کہ بڑی عمر میں ڈاڑھی رکھیں گے یہ شیطانی دھوکا ہے کیا پتہ ہے کہ بڑی عمر تک پہنچنا ہے یا نہیں۔ اگر پہنچ گئے تو کیا پتہ ہے کہ پھر توفیق ملے یا نہ اگر ڈاڑھی کی توفیق مل گئی تو خدا جانے اس وقت تک اس گناہ کی شامت سے اور کتنے گناہوں پر طبیعت دلیر ہوجائے۔ پھر اس وقت گناہ پر طبیعت راغب ہو اس وقت گناہ سے بچنے کی قدر جو کچھ خدا کے نزدیک پڑتی ہے وہ دوسرے وقت نہیں پڑتی۔ سو اب آپ پر بہت اچھا وقت ہے اس کو غنیمت سمجھیں اور خواہشات میں ضائع نہ کریں۔

تاریخ ابن جریر جلد ۳ صـ۱۹ میں ہے کہ فارس کے بادشاہ کسریٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دو شخص بھیجے ان کی ڈاڑھیاں منڈی ہوئی تھیں۔ اور لبیں بڑھی ہوئیں۔ آپ نے ان کی طرف دیکھنے سے نفرت کی پھر فرمایا تمہیں خرابی ہو اس بات کا حکم تمہیں کس نے دیا؟ انہوں نے کہا ہمارے رب نے یعنی کسریٰ نے فرمایا لیکن میرے رب نے تو مجھے ڈاڑھی بڑھانے اور لبیں کٹانے کا حکم دیا ہے۔

بھلا بتلائیے اگر آپ خدانخواستہ اس حالت میں مرگئے اور اس شکل کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حوض کوثر پر حاضر ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی طرف دیکھنے سے نفرت کی تو پھر معاذ اللہ کون ساٹھکانا ہوگا۔ خدا ہمیں اپنے آقا کی محبت دے اور اس کی سنتوں کی پیروی نصیب کرے آمین۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

مٹھی سے زائد ڈاڑھی کٹانے کا حکم کیا ہے

سوال۔ زید کہتا ہے کہ ایک مٹھی سے ڈاڑھی کے بال زیادہ ہوجائیں تو کترا دینے جائز اور درست ہیں یہ فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور اصحاب کرام سے بھی خاص کر عبداللہ ابن عمرؓ سے حدیث جو ترمذی میں ہے اور قول ابن عمرؓ بخاری میں عمرو کہتا ہے۔ بخاری ومسلم اور دیگر کتب میں قریباً چالیس حدیثوں میں موجود ہے۔ کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ ڈاڑھی نہ کترا ؤ۔ اپنی حالت پر چھوڑ دو واعفوا اللحی۔ بخاری۔ مسلم۔ ترمذی۔ نسائی۔ ابوداؤد وغیرہ اعفوا وادفوا وارجوا وارخوا وفروا۔ امام نودی رح شرح مسلم صـ۱۲۹ میں لکھتے ہیں ومعناھا کلھا ترکھا علی حالھا ھذا ھو الظاہر من الحدیث الذی

يقتضيه الفاظه اخرى (شرح مسلم ص۱۲۹ جلد۱)

ترمذی والی حدیث عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان

یاخذ من لحیتہ من عرضہا وطولہا ھذا حدیث غریب (ترمذی)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ڈاڑھی کے عرض وطول سے لیتے امام ترمذی خود فرماتے ہیں قال

ابو عیسیٰ من تکلم فی حدیث عمرو بن شعیب انما ضعفہ لانہ یحدث من صحیفۃ جدہ کانہم

رأوا انہ لم یسمع ھذہ الاحادیث من جدہ قال علی بن المدینی وذکر عن یحییٰ بن سعید انہ قال

حدیث عمرو بن شعیب عندنا واہ یعنی جس نے عمرو بن شعیب کی حدیث کو ضعیف کہا ہے اس نے اس

وجہ سے ضعیف کہا ہے کہ عمرو اپنے دادا کے صحیفہ سے حدیث سُناتا تھا اس سے سُنی نہیں اور علی بن عبداللہ

مدینی نے کہا یحییٰ بن سعید سے نقل کیا گیا ہے کہ عمرو بن شعیب کی حدیث ہمارے نزدیک کمزور ہے نیز اس

کی سند میں ایک راوی عمر بن ہارون ہے. تقریب میں ہے کہ عمر بن ہارون متروک ہے حافظ ابن حجر ضعیف

سخت فرماتے ہیں امام شوکانی رح نے کہا ہے. اس حدیث کو حجت مت پکڑو، امام بخاری رح فرماتے ہیں اس کا

کوئی اصل نہیں اور شیخ الاسلام ابو عبداللہ محمد ذہبی میزان الاعتدال فی نقد الرجال جلد۲ ص۲۸۰ میں فرماتے ہیں

قال ابن مہدی واحمد والنسائی انہ متروک الحدیث وقال یحییٰ کذاب خبیث وقال ابو داؤد

غیر ثقۃ وقال علی دارقطنی ضعیف جدا وقال ابن المدینی ضعیف جدا وقال صالح انہ کذاب وقال

ابن زکریا الساجی فیہ ضعف وقال ابو علی النیشابوری متروک وفی الخلاصۃ ضعف الدارقطنی

وفی الفتح وقد ضعف عمرو بن ہارون مطلقا جماعۃ

یعنی امام ابن مہدی رح. امام احمد رح. امام نسائی کہتے ہیں کہ عمر بن ہارون کی حدیث ترک کی گئی ہے.

اور امام یحییٰ رح نے کہا ہے کذاب ہے خبیث ہے اور امام ابو داؤد رح کہتے ہیں ثقہ نہیں اور امام دارقطنی رح

کہتے ہیں بہت ضعیف ہے اور امام ابن المدینی بھی یہی کہتے ہیں امام صالح رح کہتے ہیں. کذاب اور امام

زکریا ساجی کہتے ہیں اس میں ضعف ہے اور امام ابو علی نیشاپوری رح کہتے ہیں متروک ہے اور خلاصہ میں

ہے کہ امام دارقطنی رح نے اسے ضعیف کہا ہے اور فتح الباری میں ایک جماعت نے اس کو بالکل ضعیف

کہا ہے.

زید کی دوسری دلیل

کان ابن عمر اذا حج او اعتمر قبض لحیتہ فما فضل (بخاری)

یعنی ابن عمر رضؓ جب حج یا عمرہ کرتے تو اپنی ڈاڑھی مٹھی سے زائد کٹواتے۔

اس میں قید حج کی ہے جو حج کرے وہ مٹھی سے زائد بال کترا لے تو جائز ہے کیونکہ اصحاب کرام کا فعل ہے افضل یہی ہے کہ نہ کترائے کیونکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کترانا ثابت نہیں۔

قال الکرمانی لَعَلَّ ابنَ عُمَرَ رضؓ اَرَادَ الجَمْعَ بَیْنَ الحَلْقِ وَالتَّقْصِیْرِ فِی النُّسُکِ لَحَلَقَ رَأْسَہٗ کُلَّہٗ وَقَصَّرَ مِنْ لحیتہٖ لیدخل فی عموم قولہ تعالیٰ مُحَلِّقِیْنَ رُؤُسَکُمْ وَمُقَصِّرِیْنَ وَخَصَّ ذالک من عموم قولہ دفروا اللحی فحملہ غیر حال النسک (فتح الباری صـ۴۹۷)

یعنی ابن عمر کا مٹھی سے زائد کٹوانا شاید اس لئے ہو کہ قرآن مجید میں جو حج عمرے میں سر منڈانے کا اور کٹانے کا ذکر ہے ان دونوں پر عمل ہو جائے سر چونکہ منڈانے وہ محل کٹانے کا نہ رہتا، اس لئے ڈاڑھی کٹاتے اور حدیث میں ڈاڑھیوں کے بڑھانے کا حکم ہے اس کو غیر حج عمرے پر حمل کرتے یعنی غیر حج عمرے میں کٹانے کی بالکل اجازت نہیں۔ امام نووی نے بھی خاص حج میں کہا ہے اس بارہ میں آپ اپنی تحقیق تحریر فرمائیں۔ صدر الدین قریشی سکنہ بھگیاڑی ڈاک خانہ منڈی وار برٹن ضلع شیخوپورہ

جواب: اس مسئلہ میں عمرو بن شعیب کی حدیث واقعی ضعیف ہے مگر نہ اس وجہ سے کہ عمرو بن شعیب کے صحیفہ سے نقل کرتے ہیں کیونکہ جمہور محدثین نے اس کو وجہ ضعف نہیں بنایا، ہاں عمر ابن ہارون کی وجہ سے ضعیف ہے۔ رہا عبداللہ بن عمر رضؓ کا فعل سو اس سے مجھے اتنا تردد ہے اگر غیر حج عمرے میں ڈاڑھی کو چھیڑنا ناجائز ہوتا تو ناجائز کام حج عمرے میں کس طرح جائز ہو گیا۔ احرام سے نکلنے کے لئے وہی کام کیا جاتا ہے جو غیر احرام میں جائز ہو خاص کر جب ظاہر الفاظ قرآن میں سر منڈانے کٹانے کا ذکر ہے اور احادیث میں بھی اس کا ذکر ہے تو آیت کو عبداللہ بن عمر رضؓ نے ڈاڑھی کے کٹانے پر کس طرح چسپاں کر لیا اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ غیر حج عمرے میں وہ کٹانے کے قائل تھے اس لئے حج عمرے میں سر کے علاوہ بقیہ حجامت (ناخن وغیرہ) کی طرح مٹھی سے زائد ڈاڑھی بھی کٹا لیتے اور چونکہ عبداللہ بن عمر رضؓ حدیث اعفوا اللحی (ڈاڑھیاں بڑھاؤ) کے راوی ہیں، اس لئے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ صحابی کا خیال ہے حدیث کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ شاید اس کو حدیث نہ پہنچی ہو کیونکہ حدیث تو وہ خود روایت کر رہے ہیں۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذرا سی بات میں خلاف برداشت نہیں

نہیں کرتے تھے۔ یہاں تک کہ عادت کے طور پر آپ سے کوئی فعل صادر ہوتا تو اس میں بھی موافقت کی کوشش کرتے بخاری میں لمبی حدیث ہے اس میں حج عمرہ کو جاتے ہوئے ان کا ان جگہوں میں نماز پڑھنا مذکور ہے جہاں جہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اتفاقیہ اترے اور نماز پڑھی، اس کی بہت کوشش کرتے اس طرح دیگر باتوں کا ان کا حال تھا۔ اس لئے صحابہ رضؓ میں اتباع نبوی میں خصوصیت کے ساتھ مشہور ہیں ان کے اس فعل سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے ضرور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سند لی ہے ورنہ ڈاڑھیاں بڑھانے کی حدیث کے راوی ہو کر ایک ناجائز کام کا ارتکاب نہ کرتے اس لئے اگر کوئی شخص مٹھی سے زائد ڈاڑھی کٹا لے۔ تو اس پر اعتراض نہ کرنا چاہیئے، ہاں افضل یہی ہے کہ مٹھی سے زائد نہ کٹائی جائے کیونکہ ڈاڑھی وہ شے ہے جس سے کوئی خالی نہیں مگر کہیں ذکر نہیں کہ کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یا کسی صحابی نے یا خیر القرون میں سے کسی نے ایسا فعل کیا ہو۔ سوا عبد اللہ بن عمر رضؓ کے وہ بھی خاص حج وعمرہ کے موقع پر۔ اس لئے بہتر ڈاڑھی اپنے حال پر چھوڑ دینا ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ کا مطلب

سوال، گذارش ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد من تشبہ بقوم فھو منھم کا صحیح مطلب کیا ہے ؟ آج کل اس پر کافی بحث ہو رہی ہے ۔براہِ مہربانی تفصیلاً تحریر فرمائیں۔ (یکے از خریداران تنظیم اہلحدیث)

جواب، مشکل سے مشکل بات، عمل سے سہل ہو جاتی ہے اور سہل سے سہل بات ترکِ عمل سے مشکل ہو جاتی ہے، شرعی وراثت کے مسائل جب ان پر عمل ہوتا تھا سہل تھے لیکن اب ترکِ عمل کی وجہ سے ان کی آسان صورتیں بھی لوگوں کی سمجھ میں آنی مشکل ہیں اور موجودہ عدالتوں میں آمد ورفت رکھنے والے عوام الناس بعض اوقات مقدمات کی ایسی صورتیں تجویز کرتے ہیں کہ وکیلوں کے دماغ بھی وہاں تک نہیں پہنچتے اسی اصول کے تحت آج امتیازِ اشتراک کا مسئلہ مشکل ہو رہا ہے اور حدیث من تشبہ بقوم فھو منھم معرکۃ الآراء بنی ہوئی ہے کوئی کہتا ہے یہ عام ہے کسی بات میں غیروں سے اشتراک نہ چاہیئے ، کوئی کہتا ہے اس طرح مختلف قسم کی رائے زنی اس کے متعلق ہو رہی ہے

بہتیرے علم وفضل رکھتے ہوئے اس کے صحیح مفہوم سے دور ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ اس حدیث سے لباس کا کوئی تعلق نہیں، انسان جیسا لباس چاہے پہن سکتا ہے انگریزی لباس پہنے یا کسی اور قوم کا لباس اختیار کرے۔ اس میں وسعت ہے یہ بات سن کر تعجب ہوتا ہے کہ کئی بڑی بڑی ہستیاں بھی صحیح مسلک پر نہیں تو کمزور دماغوں کا کیا حال ہوگا۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بقدرِ ضرورت ضرور اس پر روشنی ڈالی جائے۔ وباللہ التوفیق

یہ حقیقت مسلمہ ہے کہ جنس میں یا کسی وصف میں اشتراک اپنے اندر ایک خاص کشش رکھتا ہے جو طبعی طور پر یا عادی طور پر اثر انداز ہوتا ہے بلکہ تسخیر عقول کی خاصیت بھی اپنے اندر رکھتا ہے آپ وسیع طور پر نظر ڈالیں تو آپ کو معلوم ہوگا۔ کہ تمام حیوانات میں جنس کو جنس کے ساتھ الفت ہے۔ چیونٹی یا کیڑے مکوڑے تک اپنی جنس کو چاہتا ہے اور اس کے ساتھ مل کر خوش ہوتا ہے درندے پرندے حشرات الارض سب میں یہ جاذب موجود ہے۔

اسی بنا پر کسی نے کہا ہے ؎

کند ہم جنس با ہم جنس پرواز
کبوتر با کبوتر باز با باز

یہ تو علی العموم حیوانات کی حالت ہے انسان چونکہ عہدۂ عقل پر سرفراز ہے اور اس کی وجہ سے تمام حیوانات سے ممتاز ہے اس لئے اس میں جنسیت کے علاوہ اوصاف میں اشتراک کا بھی بڑا اثر ہے اگرچہ بعض اوقات دیگر حیوانات میں بھی اوصاف کا یہی عمل ہوتا ہے چنانچہ بعض جنسوں میں بچے بچوں کے ساتھ خوش ہوتے ہیں ایک مجمع میں مختلف اوصاف کے لوگ بیٹھے ہوں تو آپ دیکھیں گے کہ ہر ایک اپنی مثل کی طرف مائل ہوگا۔ بچہ بچے کو چاہے گا جوان، جوان پر نظر ڈالے گا۔ اور بوڑھا بوڑھے کی طرف دیکھے گا۔ اگر کوئی انگریزی خواں ہوگا تو انگریزی خواں سے ملنا چاہے گا۔ اگر عالم دین ہوگا۔ تو عالم دین کی طرف توجہ کرے گا نیک کا جوڑ نیک کے ساتھ ہوگا۔ اور بد کا بد کے ساتھ اور اگر مختلف مذاہب کے ہوں تو ہر ایک کو اپنے مذہب کی طرف مقناطیسی کشش ہوگی یہاں تک کہ صرف نام کی شرکت بھی جذبۂ محبت پیدا کرے گی، عیسائی۔ ہندو۔ چوہڑے چمار تک اپنے ہم مذہب کا پاس رکھے گا۔ غرض جب دو شخص ایک وصف میں شریک ہوں گے تو خاص طور پر ان

کے دل پر اس شرکت کا اثر ہوگا جو ایک دوسرے کی جانب توجہ کا باعث ہوگا۔ یہاں تک کہ اگر ایک ملک کے دو غیر شخص، غیر وطن میں ایک دوسرے کو دیکھ لیں تو خواہ مخواہ طبیعت ملنے کو چاہے گی، اس موقعہ پر غیرتِ مذہب بھی درمیان میں حائل نہ ہوگی، یہ باتیں رات دن کی مشاہدہ ہیں اور عقل بھی ان کی صحت پر شہادت دیتی ہے کیونکہ جب ایک شخص میں کوئی وصف پایا جائے گا۔ تو اس کو پسند ہوگا یا غیر پسند۔ اگر پسند ہوگا تو جب دوسرے میں بھی یہی وصف دیکھے گا۔ ضرور اس کی طرف متوجہ ہوگا۔ اگر غیر پسند ہوگا تو دوسرے میں پائے جانے سے اس کی وحشت دور ہوگی اور خیال کرے گا۔ کہ میں اس میں اکیلا نہیں جیسے غیر وطن میں انسان وحشت اور تنہائی کی حالت میں ہوتا ہے جب اپنے ہم وطن سے ملتا ہے تو طبیعت میں ایک خاص انقلاب پیدا ہوتا ہے جو اس کی وحشت اور تنہائی کو دور کر دیتا ہے۔

اسی اصول کے تحت لباس وضع قطع بھی ہے مثلاً گاندھی کی ٹوپی پہننے والوں کو گاندھی سے کتنی الفت ہے یہ گویا ان کی امتیازی شے ہے اگر کوئی بے پرواہی کرے اور کہے کہ گاندھی کی ٹوپی میں کوئی حرج نہیں تو اس کی ڈبل غلطی ہے آج اس کو یہ ٹوپی پسند ہے کل کوئی اور شے پسند آجائے گی۔ بعید نہیں کہ ان کے طور اطوار پسند آتے آتے اسی رنگ میں رنگا جائے کیونکہ یہ اشیاء چیونٹی کی آہٹ کی طرح آہستہ آہستہ اپنا اثر کرتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ حضرت عمرؓ اپنے امراء اور سپہ سالاروں کو ہمیشہ لکھا کرتے تھے،

اِئْتَدُوا واتَّزِرُوا وَزِيُّوا بزی العرب الاوّل

(چادر پہنو۔ تہ بند باندھو اور عربِ اول کی وضع اختیار کرو،)

مطلب آپ کا یہ تھا کہ ایسا نہ ہو کہ آج تھوڑا تھوڑا ان کی طبائع پر اثر ہوا، کل اس سے زیادہ ہو جائے۔ جس کا نتیجہ اسلام سے بُعد اور دوری ہے،

اسی بناء پر ایک قدسی روایت میں یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں خدا تعالیٰ فرماتا ہے،

لا ترکبوا مراکب اعدائی ولا تلبسوا ملابس اعدائی ولا تسکنوا ساکن اعدائی فتکونوا اعدائی کما ھم اعدائی۔

(یعنی دشمنوں کی سی سواریاں نہ کرو، نہ ان جیسے لباس پہنو۔ نہ ان کے سے مکانوں میں رہو۔ ورنہ تم بھی ان کی طرح میرے دشمن ہو جاؤ گے۔

ماں باپ پیار محبت میں اولاد کو پیسے دیتے ہیں جس سے ان کو ایسی چاٹ لگتی ہے کہ آہستہ آہستہ

ان کی عمر برباد ہو جاتی ہے ، تھوڑی چوری سے زیادہ چوری کی عادت پڑ جاتی ہے ذرا سی خیانت کرتا ہے تو حرام کے لئے منہ کھل جاتا ہے اسی طرح ہر شے تھوڑی سے بہت ہو جاتی ہے ۔ جو لوگ انگریزی لباس پسند کرتے ہیں وہ آخر گلے میں صلیب کی شکل بنا لیتے ہیں (یعنی نکٹائی اور بو) کئی آہستہ آہستہ اسلام کو خیر باد کہہ دیتے ہیں یا کم از کم ان کو اسلامی وضع قطع سے نفرت تو ضرور ہو جاتی ہے جو انسان کی ہلاکت کیلئے کافی ہے ۔

بعض اہل علم حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ پتلون در حقیقت انگریزوں کا لباس نہیں ، بلکہ اصل ترکوں کا ہے ۔ تواریخ سے یہی ثابت ہوتا ہے لیکن ان کا یہ فرمانا بھی درحقیقت اسی پہلی غلطی پر مبنی ہے ۔ انہوں نے اصل مقصد پر نظر ہی نہیں کی ہے اثر تو موجودہ منظر کا پڑتا ہے اور جو کچھ انسان دیکھتا ہے ۔ اس سے متاثر ہوتا ہے تواریخ کے اوراق میں کوئی شے دبی پڑی ہو تو موجودہ حالات پر اس کا کیا اثر ۔ ؟ اس وقت جس قوم کا یہ لباس ہے اسی کا حکم اس پر ہوگا ۔

بعض احباب یہ بھی کہا کرتے ہیں کہ اگر آج تمام انگریز مسلمان ہو جائیں تو کیا ان کا حکم ہے کہ وہ اپنا ملکی لباس بدل دیں ؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس اعتراض کی بنا بھی اس غلطی پر ہے کہ شریعت کے حکم اور اسرار پر نظر نہیں جب انگریز مسلمان ہو جائیں تو کفار کا امتیازی لباس ہی نہ رہا ، کیونکہ امتیازی لباس سے ممانعت کی وجہ تو یہی تھی کہ آہستہ آہستہ ان میں جذب نہ ہو جائے جب وہ سب اسلام میں داخل ہو جائیں گے ، تو اب وہ بات ہی نہ رہی ، ہاں ایک وجہ سے ان کو یہ لباس بدلنا پڑے گا ۔ اور وہ یہ کہ پتلون میں پاخانہ پیشاب بیٹھ کر کرنا مشکل ہے ۔ نیز اس میں نماز کی بھی دقت ہے ۔ اسی طرح انگریزی ٹوپ میں سجدہ مشکل ہے ۔

یعنی سب انگریزوں کے مسلمان ہونے کی صورت میں حدیث ،

من تشبہ بقوم فھو منھم

کی وجہ سے یہ لباس منع نہیں ہوگا ۔ بلکہ اس کی ذاتی خرابیوں کی بناء پر اس کا ترک لازم ہوگا ۔ اسی طرح اگر کسی ملک کا لباس دھوتی ہو اور وہ مسلمان ہو جائیں تو اس کی ممانعت بھی اگرچہ اس حدیث کی بنا پر نہیں رہے گی ، لیکن نماز اس میں نہیں پڑھی جا سکتی ۔ کیونکہ ایک تو اس کی صورت لنگوٹ کی ہے جو نماز میں منع ہے ، دوم پیچھے سے گھٹنوں کے اوپر تک ننگا رہتا ہے ۔

بعض احباب ایک حدیث پیش کیا کرتے ہیں، جس میں ذکر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے رومی جبہ تنگ آستینوں والا پہنا ہے، حالانکہ روم اس وقت کفار تھے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث من تشبہ بقوم سے لباس مستثنیٰ ہے۔

مگر ایسے احباب کو واضح رہے کہ یہ استدلال اس وقت صحیح ہو سکتا ہے جب یہ معلوم ہو جائے کہ عرب میں پہلے سے اس جبہ کا رواج عام نہیں تھا۔ اگر عرب میں پہلے سے اس جبہ کا رواج عام ہو تو پھر یہ عرب کے عام ملکی لباس میں شامل ہو گیا، خواہ ابتدا اس کی روم سے ہو جیسے اب عام ململ یا جاپانی کا لٹھا یا گاندھی کا لٹھا وغیرہ ایجاد کے لحاظ سے یا کسی ملک سے ابتدا ہونے کی وجہ سے ان کی طرف نسبت ہوتا ہے، لیکن کسی خاص قوم کا لباس نہیں رہا۔ اس لئے کوئی اس سے منع نہیں کرتا۔ اگر انگریزی لباس بھی کسی ملک میں اس طرح عام ہو جائے، کہ تمام نیک و بد علی العموم پہننے لگیں، یہاں تک کہ کسی کو پورا انگریزی لباس پہنے ہوئے دیکھ کر عیسائی ہونے کا شبہ نہ گزرے تو پھر یہ ایسا ہی ہو گیا جیسے سب انگریز مسلمان ہو جائیں بہر صورت دار و مدار امتیاز پر ہے۔ جیسے دھوتی ہندوؤں کا لباس ہے اسی طرح انگریزی لباس سمجھ لینا چاہیئے۔

خلاصہ یہ کہ حدیث من تشبہ بقوم عام ہے اور ہر شعبہ کو شامل ہے اس سے کسی شے کو استثناء کرنے کے لئے کوئی ایسی ہی زبردست دلیل چاہیئے، جس میں کسی قسم کے احتمال کو گنجائش نہ ہو کیونکہ حدیث من تشبہ بقوم کی حکمت یہی ہے کہ کسی قوم سے تشبہ کرتے کرتے آخر ان میں جذب یا جذب ہونے کے قریب نہ ہو جائے سو یہ حکمت کسی خاص شعبہ سے تعلق نہیں رکھتی بلکہ عام ہے۔ جس میں لباس وضع قطع بھی داخل ہے بلکہ اوّل نمبر پر داخل ہے کیونکہ یہ ہر وقت کی شے ہے اور وہ شے ہے، جس پر دور سے نظر پڑتی ہے، پس اس کو ضرور خدا اور رسول کے دشمنوں کی امتیازی صورت سے الگ کرنا چاہیئے۔

دیکھئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس معاملہ میں کتنی احتیاط فرماتے تھے، یہود جوتوں میں نماز نہیں پڑھتے تھے۔ آپ نے فرمایا۔

خالفوا الیہود فانہم لا یصلون فی نعالھم ولا خفافھم

(یہود کی مخالفت کرو کیونکہ جوتوں اور موزوں میں نماز نہیں پڑھتے تھے)

حالانکہ جوتی پر نظر کم پڑتی ہے اور نماز کے ساتھ جوتی کی مناسبت بھی نہیں کیونکہ نماز میں جتنی صفائی ہو بہتر ہے اور جوتی میں جو کچھ صفائی ہے وہ معلوم ہے اگرچہ آپ نے فرمایا ہے کہ اگر کچھ لگا ہو تو اس کو رگڑ لیں مگر رگڑنے سے کتنی صفائی ہو سکتی؟ لیکن باوجود اس کے صرف مخالفت کی خاطر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

یہود کی مخالفت کرو اور جوتوں میں نماز پڑھو؟

اس سے بڑھ کر اور سنیئے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دس محرم الحرام کو روزہ رکھا کرتے تھے۔ کسی نے کہا، یا رسول اللہ! یہود بھی دسویں کا روزہ رکھتے ہیں۔

آپ نے فرمایا "اگر میں زندہ رہا تو آئندہ سال نویں کا روزہ رکھوں گا"

دیکھئے کس قدر احتیاط ہے مگر جن لوگوں کے دل میں شرعی احکام کا احترام نہیں یا شریعت کے اسرار و حکم سے واقف نہیں وہ سرسری نظر سے کسی بات کو دیکھ کر شریعت سے بہت دور جا گرتے ہیں بلکہ بعض تو یہانتک جرأت کرتے ہوئے کہہ دیتے ہیں اسلام صرف توحید کا نام ہے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

"ایمان کی کچھ اوپر ستر شاخیں ہیں اعلیٰ ان کی کلمۂ شہادت ہے اور ادنیٰ ان کی رستہ سے کسی تکلیف دہ چیز کا ہٹانا ہے (جیسے کانٹا، روڑا وغیرہ) اور حیا بھی ایمان کی ایک شاخ ہے۔

اور وہب بن منبہ سے سوال ہوا کہ لا الہ الا اللہ جنت کی کنجی نہیں؟

فرمایا، بے شک کنجی ہے مگر کنجی دکیل نہیں اس کے دندانے بھی ہوتے ہیں اگر تو دندانوں والی کنجی لے آیا تو جنت کا دروازہ کھل جائے گا ورنہ نہیں۔

مطلب وہب بن منبہ کا یہ تھا کہ صرف کلمہ پر اکتفاء کرنا یہ بڑی غلطی ہے بلکہ ساتھ اور احکام بھی شامل ہیں جن کی پابندی لازمی ہے تو پھر یہ کہنا کس قدر اسلام کے خلاف ہے کہ اسلام ان اشیاء سے بالاتر ہے۔ معاذاللہ۔

اس قسم کی روایات کتب حدیث میں بکثرت موجود ہیں مگر جو لوگ نہ خود ان کتب پر عبور رکھیں، نہ ایسے علماء کی صحبت اٹھائیں وہ زمانہ کی رو کے ساتھ بہ جاتے ہیں جہلاء ان کو علماء خیال کرتے

ہوئے ان کی باتوں پر اعتماد کر لیتے ہیں اور بعض خواہش کے غلام اور عبدالدنیا والدرہم ایسے فتادوں کو غنیمت سمجھ کر لے اڑتے ہیں مگر خدا نیتوں اور ارادوں سے واقف ہے شریعت کی آڑ میں خواہشات کی پرورش کرنے والوں کو بخوبی جانتا ہے۔ مداہنت کرنے والوں کی مداہنت سے بھی خوب واقف ہے۔ اور بے احتیاطی سے فتویٰ دے کر آزادی کا رستہ کھولنے والوں کا حال بھی اس پر روشن ہے پس وہ ہر ایک کے ساتھ اس کے حسب حال سلوک کرے گا۔

خدا تعالیٰ ہمیں برائیوں سے محفوظ رکھے اپنی مرضیات کی توفیق بخشے اور خاتمہ بالخیر کرے۔ آمین

عبداللہ امرتسری روپڑی

تصاویر کا بیان

تصاویر والے گھر

سوال۔ جن گھروں میں تصاویر آویزاں ہوں ان میں داخل ہونے کا کیا حکم ہے حدیث میں وارد ہے کہ جب تصویر والا تکیہ حضرت عائشہ رضؓ نے دیکھا تو آپ گھر میں داخل نہیں ہوئے۔

جواب۔ بے شک حضرت عائشہ رضؓ کی حدیث اس بارہ میں صریح ہے کہ تصاویر والے مکان میں داخل ہونا اچھا نہیں مگر بقول مشہور اَلضَّرُوْرَاتُ تُبِیْحُ الْمَحْظُوْرَاتِ. مجبوری کے وقت درست ہے۔ آٹھویں سال سن ہجری میں مکہ شریف فتح ہوا ہے اس میں تین سو ساٹھ بُت تھے اس سے پہلے ساتویں سال سن ہجری کے رسول اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سمیت عمرہ کیا جس کا ذکر قرآن مجید کی اس آیت میں ہے لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْشَاءَ اللّٰہُ یعنی خدا نے چاہا تو تم ضرور مسجد الحرام میں داخل ہو گے اور اس کے علاوہ موقع بموقع صحابہ رضی اللہ عنہم عمرہ کرتے رہے اس سے معلوم ہوا کہ جہاں مجبوری ہو اور بس کی بات نہ ہو وہاں یہ ممانعت نہیں بلکہ ایسے مکان میں داخل ہونا تو معمولی امر ہے ضرورت کے وقت تصویر کا رکھنا بھی درست ہے چنانچہ روپیہ پیسہ پر تصویریں ہیں جو ہر وقت پاس رہتا ہے غرض مجبوری کی حالت میں خدا کی طرف سے معافی ہے جیسے خنزیر مردار وغیرہ زیادہ بھوک کے وقت حلال ہے تصویریں

والے مکان میں داخل ہونا خنزیر مردار وغیرہ کھانے سے ہلکا ہے سو یہ تھوڑی مجبوری کے وقت بھی درست ہو گا۔ ہاں جتنا پرہیز ہو سکے اچھا ہے جس کی صورت یہ ہے کہ بیع شراء ایسی طرز پر اختیار کرنے کی کوشش جاری رکھے کہ ایسے مکان میں داخل ہونے سے کلی بچاؤ نہ ہو تو کمی ضرور آجائے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

مسئلہ تصاویر

سوال ۔ زید کا ارادہ ہے کہ عموماً مسلمان ارکانِ نماز سے ناواقف ہیں ان کو صحیح طور سے نماز کے ارکان شروع سے اخیر تک قیام، رکوع، سجود، قومہ، جلسہ وغیرہ کا فوٹو لے کر اور ایک رسالہ باتصویر شائع کیا جائے تاکہ ہر شخص ہر ایک رکن کی علیحدہ علیحدہ تصویر دیکھ کر اپنی نماز کے ارکان درست کر سکے اور اپنی نماز کو حضورؐ کے ارشاد کے "صلوا کما رأیتمونی اصلی" کے مطابق کر سکے تو کیا زید ایسے رسالہ نماز باتصویر کو شائع کر کے تبلیغ واشاعت دین کے اجر کا مستحق ہو سکتا ہے۔؟ عبدالوہاب کلکتہ

جواب ۔ تصویر کا بنانا تو کسی صورت درست نہیں اور بنی ہوئی کا استعمال دو شرطوں سے درست ہے ایک یہ کہ مستقل نہ ہو، کپڑے وغیرہ میں نقش ہو دوم نیچے رہے بلند نہ لٹکائی جائے۔

مشکوٰۃ باب التصاویر میں ہے کہ حضرت عائشہ رضؓ نے ایک پردہ خریدا اس میں تصویریں تھیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دیکھا تو دروازے پر کھڑے ہو گئے داخل نہیں ہوئے حضرت عائشہ رضؓ کہتی ہیں کہ میں نے آپ کے چہرے پر کراہت کے آثار دیکھے تو میں نے کہا یا رسول اللہ! میں خدا اور رسول کی طرف توبہ کرتی ہوں مجھ سے کیا قصور ہو گیا؟ فرمایا یہ پردہ کیسا ہے؟ میں نے کہا آپ کے لئے خریدا ہے تاکہ آپ اس پر بیٹھیں اور تکیہ لگائیں فرمایا

اِنَّ اَصْحَابَ هٰذِهِ الصُّوَرِ يُعَذَّبُوْنَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيُقَالُ لَهُمْ اَحْيُوْا مَا خَلَقْتُمْ وَ قَالَ اِنَّ الْبَيْتَ الَّذِيْ فِيْهِ الصُّوَرَةُ لَا تَدْخُلُهُ الْمَلٰئِكَةُ (متفق علیہ)

اصحاب ان صُوَر کے عذاب دیئے جائیں گے اور ان کو کہا جائے گا، جو کچھ تم نے بنایا اس کو زندہ کرو، اور فرمایا جس گھر میں تصویر ہو فرشتے داخل نہیں ہوتے،

مسلم (جلد ۲ باب لا تدخل الملائکۃ بیتا فیہ کلب ولا صورۃ) میں ہے کہ بسر بن سعید

(۲) زید بن خالد سے روایت کرتے ہیں، وہ ابی طلحہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنَّ الْمَلٰئِکَۃَ لَا تَدْخُلُ بَیْتًا فِیْہِ صُوْرَۃٌ جس گھر میں تصویر ہو اس میں فرشتے داخل نہیں ہوتے

بسر کہتے ہیں پھر زید بیمار ہوگئے ہم ان کی بیمار پرسی کو گئے ان کے دروازہ پر ایک پردہ لٹکا ہوا تھا اس میں تصاویر تھیں میں نے عبید اللہ خولانی کو کہا کیا زید نے ہمیں تصویر کی ممانعت میں حدیث نہیں سنائی تھی؟

عبید اللہ سے کہا زید نے اِلَّا رَقْمًا فِیْ ثَوْبٍ (کپڑے میں نقش کا کوئی ڈر نہیں)، بھی تو کہا تھا۔ کیا تو نے اس کو یہ کہتے نہیں سنا؟ کہا نہیں کہا اس نے یہ کہا تھا۔

(۳) عَنْ عَائِشَۃَ اَنَّہَا کَانَتْ قَدِ اتَّخَذَتْ مِنْہُ نُمْرُقَتَیْنِ فَکَانَتَا فِی الْبَیْتِ یَجْلِسُ عَلَیْہِمَا متفق علیہ (مشکوٰۃ باب التصاویر)

حضرت عائشہ رضہ سے روایت ہے کہ انہوں نے چھت پر ایک پردہ لٹکایا اس میں تصاویر تھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پھاڑ دیا پھر حضرت عائشہ رضہ نے اس کے دو تکیے بنا لئے جو گھر میں رہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر بیٹھتے۔

ان تینوں روائتوں سے پہلی میں بنانے والوں کے حق میں سخت وعید فرمایا کہ ان کو کہا جائے گا جو بنایا تھا اس کو زندہ کرو، نہ وہ بنا سکیں گے۔ نہ عذاب سے رہائی پائیں گے حالانکہ یہ کپڑے میں تصویر تھی اس سے معلوم ہوا کہ تصویر کا بنانا تو مطلق منع ہے خواہ مستقل ہو یا کپڑے وغیرہ میں نقش ہو اور استعمال کرنے والے کے حق میں فرمایا کہ جس گھر میں تصویر ہو اس میں فرشتے نہیں آتے۔ مگر دوسری حدیث میں کپڑے میں نقش کی اجازت ہے لیکن تیسری حدیث میں نیچے ہونے کی صورت میں اجازت دی ہے۔ بلند ہونے کی صورت میں نہیں دی۔۔۔۔ زید بن خالد نے دروازہ پر پردہ لٹکایا ہوا تھا۔ تو شاید ان کو اس تیسری حدیث کا علم نہ ہوا ہو۔ اس لئے انہوں نے اونچ نیچ میں فرق نہیں کیا۔

خلاصہ یہ کہ تصاویر کا بنانا تو مطلقاً منع ہے اور نقش وغیرہ کی صورت میں استعمال میں نیچے جائز ہے اوپر جائز نہیں۔

عبد اللہ امرتسری روپڑی

مسجد نبوی اور روضہ کا ماڈل بنانا

سوال: بعض عقیدت مند عید میلاد النبی پر بیت اللہ۔ روضۃ النبی اور مسجد نبوی وغیرہا کے ماڈل بناتے ہیں اور بعض مقامات پر ان میں انسانوں کے بُت بھی قیام۔ رکوع اور سجود کی حالت میں دکھائی دیتے ہیں؟

محمد نذیر عارف وچھووالی لاہور

جواب: صورتِ مسئلہ شرعاً شرک بھی ہے اور بدعت بھی ہے دست بستہ کھڑے ہونا اور اس کے سامنے کھڑے ہو کر دعا کرنا یہ دین میں نئی چیز ہے مشکوٰۃ باب الاعتصام میں حدیث ہے۔ مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَیْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ (متفق علیہ)

جو شخص ہمارے دین میں نئی بات پیدا کرے جو اس سے نہ ہو وہ مردود ہے۔ پھر یہ دعا جو دست بستہ کی گئی ہے اگر اس طرح کی دعا ہے جیسے بیت اللہ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں اور اس نقشہ کو اصل بیت اللہ کے قائم مقام سمجھا جاتا ہے تو یہ بدعت ہے اور اس میں جو تصاویر ہیں اگر ان سے مقصد صرف نمونہ دکھانا ہو کہ یوں مانگی جاتی ہے تو اس کے دو پہلو ہیں۔

۱: ایک حرام ہونے کا کیونکہ تصویر کا بنانا سخت حرام ہے

۲: دوسرے بیت اللہ کی توہین ہے یہ بیت اللہ میں کفار کی طرح بُت رکھنے کے مترادف ہے اور اس قسم کے افعال حب رسول نہیں کہے بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہ صریح عداوت ہے۔

اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ہدایت دے۔ آمین

عبداللہ امرتسری روپڑی

ایک فلسفیانہ سوال اور اس کا جواب

فوٹو اتروانے کی ممانعت اور سور کا گوشت

سوال ۱: اسلام نے فوٹو اتروانے کی اجازت کیوں نہیں دی؟ اگر کمرے میں فوٹو لگے ہوئے ہوں تو نماز کیوں نہیں ہوتی۔

سوال ۲: اسلام نے سور کا گوشت کیوں حرام کیا؟ جس طرح اسلام کے دوسرے ارکان یا احکام کا پس منظر کیا ہے اسی طرح اس کا بھی ہونا چاہیئے۔ میں مانتا ہوں کہ یہ منع ہے

مگر وہ انسان جو اسلام کو اپنانا چاہتا ہو اس کے دماغ میں اگر اس قسم کے سوالات پیدا ہوں تو اس میں کوئی برائی نہیں ہے اگر ہم اس کے سامنے قرآن اور حدیث رکھیں تو اسے ان کتابوں سے اس وقت تک کوئی واسطہ نہیں جب تک وہ مسلمان نہ ہو اس لئے ازراہِ کرم واضح طور پر تحریر فرمائیں کہ آخر اسلام نے کن وجوہ کی بناء پر سور کے گوشت کو حرام کیا ہے اور گائے یا بکری یا دُنبہ وغیرہ کو کیوں حلال کیا ہے

کیا قرآن وحدیث کے علاوہ آپ اس کے متعلق کوئی دلیل دے سکتے ہیں، یا غیر مسلم اصحاب کا یہ کہنا ٹھیک ہے کہ اسلام نے ایک نامناسب بات لوگوں پر ٹھونس دی ہے ؟

سوال ۳ اب ایک ایسا مسئلہ ہے جو میرے دماغ کی الجھن بنا ہوا ہے دنیا میں جتنے مسلمان قرآن وحدیث کو مانتے ہیں ان میں آپس کا اختلاف کیوں ہے، نماز ہی اسلام کا ایک بنیادی مسئلہ لے لیجئے اس میں بہت قسم کے اختلاف ہیں کوئی کہتا ہے کہ رفع یدین اور آمین کرو، کوئی کہتا ہے نہ کرو، کوئی کہتا ہے الحمد شریف پڑھو۔ کوئی کہتا ہے نہ پڑھو، اور سب اس کو قرآن اور حدیث کی روشنی میں واضح کرتے ہیں مجھ ایسے کم علم لوگ اللہ سے کیا کہیں گے کہ ہم کس طریقے پر چلتے رہے ہیں، پہلے اہلِ حدیث تھا، پھر اہلِ سُنت اور آج کل صرف مسلمان ہوں کیونکہ میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ کس کے اصولوں کی پیروی کریں آخر میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں، کہ ان مسائل کو ایک طرف رکھ دیا جائے جن پر دنیائے اسلام کا کوئی متفقہ فیصلہ نہیں ہے مثلاً کوئی کہتا ہے رفع یدین کرو کوئی کہتا ہے نہ کرو، چونکہ مسلمانوں کے دو بڑے گروہ اس بات پر متفق نہیں اس لئے اسے میں نہیں کرتا۔ رہا آمین اور الحمد شریف کا مسئلہ۔ یہ دونوں اس وقت پیدا ہوتے ہیں جب نماز باجماعت پڑھی جائے ——— اس لئے میں نماز باجماعت ہی نہیں پڑھتا۔ گھر میں ہی پڑھ لیتا ہوں اب خدا کے لئے آپ یہ کہیں کیا ایسا کرنے کے بعد میں مسلمان ہوں، اگر ہوں تو مجھے اور کچھ نہیں چاہیئے، اگر نہیں تو خدا کے لئے مجھے ایسا راستہ بتائیں جس میں مسلمان رہ کر اسلام سیکھوں اور جس طرح کہ میں اب دوسرے مذاہب کے دوستوں میں اسلام کی لگن پیدا کر رہا ہوں انہیں اسی سیدھی راہ پر لگاؤں تاکہ میری طرح وہ بھی آئندہ زندگی میں ایسے سوالوں اور مسئلوں کا شکار ہو کر اسلام سے دلچسپی نہ چھوڑ دیں کیونکہ نومسلم کا ایمان اتنا مضبوط نہیں ہوتا۔

(دین محمد نمبر ۹ سیکنڈ ایوے نیو ولھمسٹو لندن ای ۱۷)

جواب۔ مسلمہ اصول جواب سے پہلے آپ ایک اصول سُن لیں جو کہ عقلاً اور نقلاً تسلیم شدہ ہے یہ ہے کہ کسی مذہب کے قبول کرنے کے لئے یہ شرط نہیں کہ اس کی ہر ایک جزئی یا ہر ایک مسئلہ عقل سے جانچا جائے اس لئے کہ عقل کا دائرہ محدود ہے۔ وہ ہر ایک مسئلہ کی تہ کو نہیں پہنچ سکتی اگر عقل ہر مسئلہ کی حقیقت اور کنہ کو پا سکتی تو پھر نبوت کی ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ نبوت کا اجراء ہدایت کے لئے ہے جب انسان کی عقل مستقل ہادی ہے تو پھر نبوت کا کوئی فائدہ نہیں۔

عقل عقل کا کام تو صرف بنیادی باتوں کو سمجھنا ہے جب بنیادی باتیں سمجھ میں آ جائیں تو اس کے بعد ہر چیز کی تہ تک پہنچنا اس کے لئے ضروری نہیں مثلاً توحید ایک بنیادی چیز ہے جس کو سمجھانے کے لئے دو طرح کے دلائل دیئے گئے ہیں۔

ایک دلیل یہ ہے کہ وہ تمہارا مربی ہے ضروریاتِ زندگی تمہارے لئے مہیا کرتا ہے اور تمہاری ایسی کوئی ضرورت نہیں جو وہ پوری نہ کر سکتا ہو۔

نتیجہ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمیں اپنی ہر ایک ضرورت میں اسی کی طرف رجوع کرنا چاہیئے جب حاجت روا بھی وہی ہے اور خالق بھی وہی ہے تو اُس کی طرف جھکنا چاہیئے۔ اور اسی کے سامنے تعظیم بجا لانی چاہیئے۔ اسی تعظیم کا نام عبادت ہے اور لا الٰہ الا اللہ کا یہی معنی ہے اور اس معنی کے سمجھنے کے بعد یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے کس طریقہ سے جھکنا چاہیئے۔ اور عبادت کی کیا صورتیں ہیں؟ اس قسم کے احکام کی تفصیل کا شریعت ہے اس سلسلہ میں نماز، روزہ وغیرہ کے مسائل بھی آجاتے ہیں نکاح و طلاق کے مسائل اور حلال و حرام کا امتیاز وغیرہ بھی اس میں آجاتا ہے چنانچہ ہر ایک مذہب میں اپنے طور پر اس کی تفصیل موجود ہے

بعض باتیں اب اس موقعہ پر بعض باتیں ایسی بھی آجاتی ہیں جو ہماری سمجھ سے بالاتر ہیں۔ مثلاً یہ تو ہم جانتے ہیں کہ عدل و انصاف انسان کی بڑی خوبی اور کمال ہے۔ ظلم اور بے انصافی بڑا نقص اور عیب ہے لیکن عدل و انصاف اور ظلم و زیادتی کا مفہوم تب ہی ہماری سمجھ میں آسکے گا، کہ پہلے ہر ایک کا حق معلوم ہو، اس موقعہ پر ایک تو کہتا ہے کہ کوئی جانور بھی ہمارے لئے حلال نہیں جیسے ہماری جان ہے ویسے ہی دوسرے کی جان ہے تو اس صورت میں ہم اپنے تعیش کی خاطر دوسرے کی جان کیوں تلف کریں یہ ظلم ہے دوسرا کہتا ہے کہ انسان کو دوسری چیزوں پر

پر شرف ہے جیسے یہ دوسری چیزوں کو استعمال کرتا ہے ویسے ہی اسے ان کو کھانے کا بھی حق ہے

اس سلسلہ میں

یہ بحث بھی آجاتی ہے کہ اگر جانور حلال ہو تو پھر سب ہی جانور حلال ہونے چاہئیں۔ بعض حلال اور بعض حرام ہونے کا کوئی مطلب نہیں۔ بعض مذاہب ایسے بھی ہیں کہ وہ ہر ایک چیز کو حلال ہی کہتے ہیں جیسے سانپ، کتا، بلا، درند، پرند ان سب کو حلال جانتے ہیں اور کھاتے ہیں مثلاً سانپ سے زہر کا حصہ جدا کر کے باقی کھا لیتے ہیں ان کو طبعاً کوئی نفرت نہیں کیونکہ انسان جب کسی چیز کا عادی ہو جائے تو وہی اس کی طبیعت ہو جاتی ہے۔

خالق ہی علیم ہے

لیکن ہر چیز کی خاصیت اس کا خالق ہی جانتا ہے اور اس کے نفع ونقصان کا علم بھی اسی کو ہے اس بناء پر وہ جس چیز کو حلال قرار دیتا ہے وہ واقعۃً ہمارے لئے مفید ہے اور جس کو وہ حرام کرتا ہے وہ واقعی ہمارے لئے مضر ہے۔

حرام اشیاء

اسی سلسلہ میں خنزیر کی حرمت کا مسئلہ بھی آجاتا ہے اس کے حرام ہونے کی وجہ اللہ تعالیٰ نے صرف یہ بتائی ہے کہ فانّہٗ رجسٌ (پ ۸ رکوع ۵) (یعنی وہ پلید ہے) لیکن اب پلید کی تفصیل کا مسئلہ سامنے آجاتا ہے وہ کون سے اوصاف ہیں جن کی وجہ سے شے پلید ہو جاتی ہے اور کن اوصاف کی بناء پر شے پاک رہتی ہے۔

مثلاً پیشاب پاخانہ پلید ہے اگر ان کے پلید ہونے کی وجہ صرف بدبو ہو تو حلال کھانا بھی بعض دفعہ سڑ جاتا ہے حالانکہ وہ پلید نہیں۔

اسی طرح کتا بھی پلید ہے مگر اس میں بھی وہی اختلاف ہے بعض لوگ اس کے کھانے سے بھی پرہیز نہیں کرتے۔

ایسے ہی گدھے کا مسئلہ ہے حاصل یہ کہ کسی شے کے پاک اور پلید، حلال اور حرام ہونے کا فیصلہ وہی ذات کر سکتی ہے جس نے اسے پیدا کیا ہے چنانچہ مثل مشہور ہے کہ نویسندہ داند کہ در نامہ چیست

ذریعہ

حلال وحرام، پاک وپلید معلوم کرنے کا ذریعہ صرف ایک ہی ہے اور وہ نبوت ہے اس لئے کہ خدا ہر ایک سے مکالمہ نہیں کرتا۔ بلکہ مکالمہ کے لئے اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کا انتخاب کرتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسٰلَتَہٗ (اللہ تعالیٰ بہت بڑا جاننے والا ہے جہاں وہ اپنی نبوت اتارتا ہے۔)

الحاصل حلت وحرمت، پاک وپلید وغیرہ وغیرہ مسائل میں نبوت کی ضرورت ہے۔

نبی کی پہچان

نبی اور غیر نبی کو پہچاننا، یہ بھی ایک بڑا مرحلہ ہے۔ توحید کے بعد یہ سمجھنا بھی ضروری ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں

آپؐ کے زمانے میں آیات ومعجزات آپ کی نبوت کے منوانے کے لئے کافی تھے، لیکن اب وہ معجزات اور آیات موجود نہیں اب ذریعہ صرف آپؐ کی سیرت اور زندگی کا مطالعہ ہے جو شخص وسیع طور پر ابتدا سے انتہا تک آپؐ کی زندگی کے حالات کا مطالعہ کرے گا۔ وہ یقیناً باور کرے گا کہ آپؐ اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں چنانچہ بخاری میں ہے۔

"قیصر روم نے ابوسفیان سے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے متعلق چند ایک باتیں دریافت فرماکر یقین کر لیا کہ آپؐ اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں حالانکہ قیصر روم نے نہ آپؐ کو دیکھا اور نہ آپؐ کے معجزات کو جانچا۔ صرف آپ کی زندگی کے چند ایک حالات معلوم کرنے سے آپؐ کی نبوت کو تسلیم کر لیا"؛

اسی طرح عمرو بن عاص (جو دُہات عرب [دانایان عرب) سے مشہور ہیں) انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت صرف ایک بات سے سمجھ لی وہ یہ کہ جب انہوں نے مسلمان ہونے کا ارادہ کیا تو قریش نے ایک جوان ان کے ساتھ مناظرہ کے لئے انتخاب کیا جب گفتگو شروع ہوئی تو عمرو بن العاص نے اس سے پوچھا۔

"بتاؤ زیادہ ہدایت والے ہم ہیں یا فارس اور روم والے"؟

اس نے کہا، "ہم زیادہ ہدایت والے ہیں"۔

پھر کہا، "وہ زیادہ عیش میں ہیں یا ہم؟"

اس نے کہا۔ "وہ زیادہ عیش میں ہیں"؛

اس پر عمرو بن عاص نے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ فرماتے ہیں وہ سچ ہے کہ ہمارے لئے آخرت ہے اور ان کے لئے دنیا۔ کیونکہ یہ بدیہی چیز ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ ہدایت والا ہوگا وہ، اس کے انعامات کا زیادہ مستحق ہوگا اس سے معلوم ہوا کہ دنیا اصل انعامات کی جگہ نہیں انعامات کیلئے دوسرا گھر ہے۔

پس وہ جوان لاجواب ہوگیا اور عمرو بن العاص مسلمان ہوگئے۔

ڈاکٹر کا واقعہ ایک واقعہ یہ بھی مشہور ہے کہ ایک ڈاکٹر یہ مسئلہ سن کر مسلمان ہو گیا کہ شریعت محمدیہ نے کتے کے جوٹھے برتن کو مٹی کے ساتھ مانجھنے کا حکم دیا ہے اس نے کہا میں نے مٹی کا تجزیہ کیا ہے اس میں ساتواں یا آٹھواں حصہ نوشادر ہے اور نشادر کتے کے زہر کو مارتا ہے نوشادر ہر جگہ میتسر نہیں آتا اس لئے شریعت نے اس کی بجائے مٹی کو استعمال کرنے کا حکم دیا ہے جو ہر جگہ مل سکتی ہے اسی بات پر وہ ڈاکٹر مسلمان ہو گیا۔

تفسیر فتح البیان میں ایک فلسفی کا واقعہ لکھا ہے کہ اس نے سورہ مائدہ کی پہلی آیت سُنی۔

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ۚ اُحِلَّتْ لَکُمْ بَهِیْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا یُتْلٰی عَلَیْکُمْ غَیْرَ مُحِلِّی الصَّیْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ۚ اِنَّ اللّٰهَ یَحْکُمُ مَا یُرِیْدُ۔

یعنی اے ایمان والو! وعدے کو پورا کرو، تمہارے لئے چار پاؤں سے انعام (اونٹ، گائے، دنبہ بکری، حلال کئے گئے ہیں مگر جو تم پر پڑھے جاتے ہیں (مردار، خون، خنزیر، غیر اللہ کی نذر و نیاز وغیرہ) نہ حلال کرنے والے شکار کو احرام کی حالت میں بے شک اللہ تعالیٰ حکم کرتا ہے جو چاہتا ہے۔

اس آیت کو سن کر فلسفی ایمان لے آیا اور کہنے لگا کہ ایسی فصیح، جامع اور مختصر کلام جس کی دو سطروں میں بڑی خوش اسلوبی سے اتنے احکام بیان کر دئے ہیں اللہ کے سوا کسی اور کا کلام نہیں ہو سکتا۔

ضماد نامی شخص ایسے ہی ایک اور ضماد نامی شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ الحمد للہ نحمدہٗ جو اکثر جمعہ کے موقع پر پڑھا جاتا ہے سن کر مسلمان ہو گیا اور کہا کہ یہ کلام (فصاحت و بلاغت میں) سمندر کی گہرائی تک پہنچا ہوا ہے۔

اس کے اس اعتراف کا مقصد یہ تھا کہ ایسا شخص جس نے کسی کی شاگردی نہیں کی اس کی زبان سے ایسا کلام سوا نبوت کے نہیں ہو سکتا۔ (ملاحظہ ہو مشکوٰۃ وغیرہ)

غرض نبوت کی صداقت کے اس قسم کے بہت سے اسباب ہیں جن میں سے اصلی موجودہ زمانہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا مطالعہ ہے لیکن اس میں اخلاص و صفائی نیت کا بہت سا دخل ہے جب محض دیانتداری سے انسان تلاش حق کرتا ہے تو خدا تعالیٰ کی توفیق اس کے شامل حال ہو جاتی ہے اور اس پر بہت جلد حق کا انکشاف ہو جاتا ہے۔ پس جب نبوت کو تسلیم کر لیا، تو اس کے بعد ہر ایک بات تسلیم کرنی آسان ہو جاتی ہے، آپ خیال کریں کہ حکیم یا ڈاکٹر جب ہمیں ایک دوا کی

خاصیت بتلاتا ہے ہم اس کی بات تسلیم کرتے ہیں اور اس کے تجربہ سے فائدہ اٹھاتے ہیں، اسی طرح جب وہ یہ بتلاتا ہے کہ تم کو فلاں مرض ہے خواہ وہ بیماری ہماری سمجھ میں آئے یا نہ آئے ہم اس کی بات مانتے ہیں، صرف یہ سمجھ کر کہ اس کا تجربہ ہم سے زیادہ وسیع ہے جب صورت حال یہ ہے تو کیا نبوت پر اتنا بھی اعتماد نہ ہونا چاہیئے، جتنا اعتماد ایک حکیم یا ڈاکٹر پر ہوتا ہے حالانکہ نبوت کا تعلق براہ راست خدا سے ہے جس پر کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ کیونکہ وہی ہر چیز کا خالق ہے یہ بہت بڑی بے انصافی ہوگی ہم نبوت کی ہر بات پر تنقید کریں، اگر ہمارا علم وہاں تک نہ پہنچے تو انکار کردیں۔

خلاصہ

یہ کہ نبوت کو تسلیم کر لینے کے بعد عقل اپنے ہتھیار ڈال دیتی ہے اور یہی عقل کی عبادت ہے جیسے ہر ایک عضو اپنی اپنی جگہ خدا کی عبادت کرتا ہے سر کی عبادت جھکنا ہے بدن کی عبادت قیام ہے۔ پاؤں کی عبادت نیک کاموں کی طرف چلنا ہے ہاتھ کی عبادت اچھے کام کرنا ہے آنکھوں کی عبادت خدا کی قدرت میں غور کرنا ہے کان کی عبادت نصیحت کو سننا ہے دماغ کی عبادت نارسا جگہوں میں اپنے تصرف کو چھوڑنا ہے اور اللہ کے حکم کو تسلیم کرنا ہے۔

اس کی واضح تر مثال یہ ہے کہ ابلیس نے یہ سمجھ لیا تھا سجدہ کا حکم دینے والا خدا ہے اس کے باوجود اس نے اپنی عقل کو دخل دیا، اس وجہ سے خدا کے دربار سے دور ہوا، اور سو ایسے لوگ کبھی ہدایت نہیں پا سکتے جو ایسے موقع پر عقلی قوتی کو صرف کرتے ہیں۔

فوٹو (تصویر)

فوٹو کا مسئلہ بھی اس سلسلے کے تحت آسکتا ہے لیکن یہ چونکہ توحید کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اس لئے بنیادی چیز کے ساتھ تعلق رکھنے کی وجہ سے عقل کی رسائی اس تک ہونی کوئی مشکل نہیں وہ یہ کہ دنیا میں شرک کس طرح پیدا ہوا، آدم علیہ السلام کے زمانے میں شرک کا نام و نشان نہ تھا، تو پھر شرک کے کیا اسباب پیدا ہوئے، جن کی بناء پر دنیا میں شرک پھیل گیا، اور توحید میں رخنہ پیدا ہوگیا، اس کے اسباب یوں پیدا ہوئے کہ بعض اللہ کے نیک بندوں سے لوگوں کو بہت انس و محبت تھی جب وفات پا گئے شیطان نے بزرگانہ شکل میں آکر لوگوں کو کہا کہ تم ان بزرگوں کے بت بنا کر عبادت خانہ میں رکھ دو، ان

کے دیکھنے سے تمہیں خدا یاد آئے گا۔ اور عبادت آسان ہو جائے گی۔ لوگوں کو شیطان کی یہ رائے پسند آئی انہوں نے ایسا ہی کیا۔ جب یہ زمانہ گزر گیا اور ان کے بعد کی نسلیں آئیں تو شیطان نے انہیں بہکایا تمہیں معلوم ہے تمہارے آباو اجداد ان کو اپنے سامنے کیوں رکھتے تھے ؟ آگے رکھنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ حاجت روا اور مشکل کشا ہیں وہ ان کی عبادت کرتے تھے اور ان سے مرادیں مانگتے تھے۔ جب اس طرح سے دنیا میں شرک پھیل گیا، تو اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو بھیجا جو مشرکوں کی طرف پہلے نبی ہیں اور معلوم ہے کہ ہر ایک چیز کی تکمیل آہستہ آہستہ ہوتی ہے تو حید اسی قسم سے ہے مثلاً علم نجوم پہلے حرام نہیں تھا۔ ابلیس اور اس کا لشکر آسمانوں پر جاتے اور وہاں کی خبریں لاتے ۔ساحروں اور کاہنوں کے کانوں میں ڈال دیتے عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں چوتھے آسمان سے اوپر رکاوٹ ہو گئی اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے کے بعد تمام آسمانوں پر جانے سے رکاوٹ ہو گئی اور علم نجوم کے ذریعے غیب کی خبریں معلوم کرنا اور لوگوں کو ان کی قسمت اور نصیبہ کا اس ذریعہ سے پتہ دینا حرام قرار دے دیا، اسی طرح طلوعِ غروب کے وقت عبادت منع کر دی گئی ،کیونکہ اس وقت سورج کے پجاری سورج کی پوجا کرتے ہیں ان سے مشابہت ہوتی ہے ایسے ہی قبرستان میں نماز منع کر دی تاکہ عباد قبور سے مشابہت نہ ہو۔

تصویر

اسی سلسلہ میں تصویریں ہیں اس لئے ان کا بنانا، ان کا عزت سے رکھنا حرام کر دیا۔ رہی یہ بات کہ حیوانات کی حرام کر دیں اور غیر جاندار کی حرام نہیں کیں اس کی وجہ یہ ہے کہ شرک کی ابتدا انسانی تصویر سے ہوئی ہے اور باقی جاندار انسان سے قریب ہیں، کیونکہ وہ بھی ذی روح ہیں اور عقل و شعور رکھتے ہیں ،اگرچہ انسان سے کم ہی سہی اس لئے سداً للباب جنس حیوان میں سے ہر ایک کے فوٹو کو حرام قرار دے دیا اور جب اللہ تعالیٰ نے اس کو حرام کر دیا تو جو اس کا مرتکب ہو گا۔ وہی مستوجب سزا ہو گا، سو حدیث میں جو کچھ آیا ہے وہ سزا کا طریقہ بتایا گیا ہے وہ یوں کہ مصور کو کہا جائے گا کہ جب تم نے حرام کا ارتکاب کیا اب اُس کو مکمل کر دیا، اس کی سزا بھگتو اگر غیر جاندار کی تصویر حرام ہوتی تو اس کے متعلق بھی یوں پوچھا جاتا کہ جب تم نے یہ درخت بنایا تو اس میں رس بھر دو، لیکن جب وہ حرام نہیں تو اس کے متعلق نہ سوال و جواب ہے نہ سزا ہے ۔ اور نہ حرام ہونے کی وجہ اوپر بتا دی گئی ہے کہ شرک میں وہ بنیادی چیز نہیں۔

توحید کی اہمیت اور اس میں احتیاط

توحید اور شرک کے معاملہ میں شریعت نے بہت احتیاط برتا ہے سن ہجری کے چھٹے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس درخت کے نیچے حدیبیہ کے مقام پر بیعت لی تھی، جس کو بیعت الرضوان کہتے ہیں اور جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے پارہ ۲۶ رکوع ۱۰ میں خصوصیت سے کیا ہے اس درخت کی کچھ لوگ تعظیم کرنے لگے اور اس کی زیارت کے لئے آتے اور متبرک سمجھ کر اس کے نیچے نماز پڑھتے۔ حضرت عمرؓ نے وہ درخت ہی کٹوا دیا تاکہ تعظیم میں ترقی کرتے کرتے شرک تک نوبت نہ پہنچ جائے۔ چنانچہ اب لوگوں کا یہی حال ہے کہ کوئی پتھر کو پوجتا ہے کوئی درخت کو۔ کوئی تعزیے پوجتا ہے کوئی قبریں وغیرہ وغیرہ۔

زندہ انسان

اس کے علاوہ یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیئے۔ کہ زندہ انسان کی عبادت بہت کم ہوتی ہے اس کی وجہ ظاہر ہے کہ اس کی بشری کمزوریاں لوگوں کے سامنے ہوتی ہیں جس سے سمجھ دار اندازہ کر سکتا ہے۔ کہ یہ معبود ہونے کے لائق نہیں اور درختوں وغیرہ کی جو پوجا ہوتی ہے وہ اس بنا پر نہیں ہوتی کہ وہ خود اپنے اندر کمال رکھتے ہیں بلکہ ان کی پوجا کسی بزرگ سے تعلق کی بنا پر ہوتی ہے اور بزرگ جب فوت ہو جاتا ہے اور اس کی کمزوریاں آنکھوں سے غائب ہو جاتی ہیں تو پھر اس کی عبادت کے لئے راستہ کھل جاتا ہے۔ اور آسانی سے کہا جا سکتا ہے۔ کہ ان کو علم غیب ہے وہ حاجت روا اور مشکل کشا ہیں جیسے آج کل دنیا میں عام طور پر ہو رہا ہے تو گویا اصل بنیاد شرک کی انسانی وجود ہے، خاص کر وفات کے بعد سو اس کی شریعت نے اس طرح مٹایا کہ اس کی تصویر حرام کر دی اور اس کی قبر کی شان و شوکت اور اس پر گنبد اور عمارت بنانی بھی حرام کر دی۔ اور باقی حیوانات کی تصویر زیادہ قریب ہونے کی وجہ سے حرام کر دی: جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے باقی چیزوں کی تصویریں حرام نہیں لیکن جہاں شرک کا خطرہ ہو جائے۔ وہاں ان کے مٹانے کا حکم دے دیا ہے۔ جیسا کہ حضرت عمرؓ نے درخت کٹا دیا اور حضرت علیؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا کہ جہاں قبر اونچی دیکھو اس کو برابر کر دو اور تصویر کو مٹا دو۔

خلاصہ

خلاصہ یہ کہ اس کی تفاصیل بہت ہیں کسی کے ذہن میں پوری آتی ہے کسی کے ذہن میں نہیں آتی اس قسم کی باتیں مذہب کے قبول کرنے میں رکاوٹ نہیں ہونی چاہیئے۔ دل میں سچائی ہے توانشاءاللہ جلدی انشراح صدر ہو جائے گا اور صداقت اپنا رنگ لائے گی واللہ الموفق

نوٹ:۔ یہاں یہ سوال بھی ہو سکتا ہے کہ جب توحید کی تکمیل آہستہ آہستہ ہوئی تو اس بناء پر پہلے لوگوں کی توحید ناقص رہی تو وہ نجات کے مستحق کس طرح ہوئے اور اگر بالفرض وہ نجات کے مستحق ہو جائیں تو بڑے بڑے درجات کا استحقاق ان کو کسی صورت نہ ہونا چاہیئے۔

جواب، جواب اس کا یہ ہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی بات کا حکم نہ آئے تو انسان اس کا مکلف نہیں ہوتا جتنے احکام اس وقت موجود ہوتے ہیں اس کا تعلق صرف انہی احکام سے ہوتا ہے اور انہی کی تعمیل میں جو کچھ ملنا ہو۔ اس کو مل جاتا ہے خواہ نفس نجات ہو یا رفع درجات ہو۔ خواہ فی نفسہٖ وہ بات غیر مکمل ہو جیسا کہ مکہ شریف میں صرف، لآ الٰہ الا اللّٰہ محمّد رسُول اللّٰہ مدار نجات اور مدارِ رفع درجات تھا مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ لا الٰہ الا اللّٰہ محمّد رسُول اللّٰہ کی اس وقت تکمیل ہو چکی تھی بلکہ اس کے ساتھ نماز روزہ وغیرہ کی بھی ضرورت تھی۔ لیکن تکمیل چونکہ آہستہ ہوتی ہے اس لئے تیئس سال کے عرصہ میں شریعت مکمل ہوئی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے دسویں سال سن ھجری کے فرمایا۔

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا

(یعنی آج میں نے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اور دین اسلام تمہارے لئے پسند کیا)

آخری مسئلہ کا جواب

اختلاف دو طرح کا ہوتا ہے ایک ضد و تعصب کی بناء پر یا کسی دینوی مفاد کے لئے، ایک محض دیانتداری کے تحت اختلاف رائے کی بناء پر پہلے کی مثال دو وکیلوں کا اختلاف ایک مقدمہ کے متعلق ہے ہر

وکیل اپنے مؤکل کی حمایت کرتا ہے خواہ جانتا ہو کہ میرا مؤکل جھوٹا ہے دوسرے کی مثال دو ججوں کا اختلاف ہے، ایک جج کہتا ہے کہ یہ مقدمہ فلاں دفعہ کے تحت آتا ہے دوسرا کہتا ہے کہ اس پر فلاں دفعہ لگتی ہے۔ ایسے ہی کسی آیت وحدیث کے سمجھنے میں سلف صالحین صحابہ کرام وغیرہ رضوان اللہ علیہم اجمعین) کا اختلاف ہو جاتا ہے مثلاً جنگ احزاب کے موقعہ پر جو ۵ھ میں ہوا ہے یہود کی ایک قوم (بنو قریظہ) جن کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معاہدہ تھا، کفار کے ساتھ مل گئے، جنگِ احزاب سے فارغ ہوئے ہی تھے۔ کہ جبرائیل علیہ السلام آئے اور فرمایا، اے محمد! بنو قریظہ پر چڑھائی کرو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا کہ عصر کی نماز بنو قریظہ کی بستیوں میں پہنچ کر پڑھو۔ ان کی بستیاں مدینہ میں تین چار کوس کے فاصلہ پر تھیں۔ پہاڑی راستہ تھا ظہر، عصر کے درمیان کا وقت تھا۔ حکم سنتے ہی صحابہؓ نے کوشش کی کہ عصر کے وقت وہاں پہنچ جائیں مگر نہ پہنچ سکے۔ عصر کا وقت راستہ میں آگیا۔

بعض صحابہؓ نے کہا کہ آپؐ کے ظاہر فرمان کے مطابق ہم تو عصر کی نماز ان کی بستیوں میں پڑھیں گے خواہ قضا پڑھیں۔

بعض نے کہا۔ آپ کا مطلب یہ نہیں تھا کہ راستہ میں نماز نہ پڑھو بلکہ مطلب یہ تھا کہ ایسے تیز جاؤ کہ نماز کا وقت وہاں آئے۔ کیونکہ قرآن مجید میں ہے۔

ان الصلوٰۃ کانت علی المومنین کتابًا موقوتا۔

(یعنی نماز مومنوں پر فرض کی گئی ہے معین اوقات میں) اور پہلے فریق نے سمجھا نماز اگرچہ معین اوقات میں فرض کی گئی لیکن آپ کے فرمان کی وجہ سے یہ موقع اس آیت سے مستثنیٰ ہے۔ اس اختلاف رائے سے عمل میں بھی اختلاف ہو گیا کسی نے راستہ میں نماز پڑھی، کسی نے وہاں پہنچ کر پڑھی۔

اس قسم کی مثالیں بہت ہیں اور وجوہ اختلاف اس کے علاوہ بھی بہت ہیں جن میں مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں جیسے حجۃ اللہ البالغہ اور انصاف فی سبب الاختلاف شاہ ولی اللہ وغیرہ ایسے موقعہ پر انسان کو چاہیئے کہ اپنی خداداد سمجھ اور فہم سے کام لے اور اختلافی مسائل کی کتابوں کا مطالعہ کرے علماء سے مل کر تقریراً یا تحریراً تبادلہ خیال کرے۔ جیسے آپ نے فوٹو اور خنزیر کی حلت اور حرمت کے متعلق سوالات کئے ہیں ہر ایک کے دلائل معلوم کرنے کے بعد دیانتداری سے سوچے اور غور کرے پھر خدا سے دعا بھی

مانگے کہ وہ اس موقعہ پر اس کی راہبری کرے ۔ اس کے بعد جو جانب وزنی معلوم ہو اس پر عمل کرے انشاءاللہ نجات ہو جائے گی آپ نے جو طریق اختیار کیا ہے وہ بزدلانہ ہے ۔ تحقیق حق کے لئے لوگ بڑی بڑی قربانیاں کرتے ہیں آپ پہلے ہی ہمت ہار بیٹھے ہیں آپ دین کو اتنی اہمیت بھی نہیں دیتے جتنی سیاسیات والے سیاست کو دیتے ہیں حالانکہ دینِ انسانی زندگی کا اصل مقصد ہے پھر آمین رفع یدین میں تو آپ نے کثرت کو معیار ٹھہرایا ، حالانکہ شرعی دلائل کل تین ہیں کتاب و سنت اور اجماع اور بعض کے نزدیک قیاس بھی ہے کثرت کسی کے نزدیک شرعی دلیل نہیں اور ترکِ جماعت میں آپ نے اجماع کے خلاف کیا ہے ایک اختلافی مسئلہ سے بھاگ کر آپ اتفاقی مسئلہ کو چھوڑ بیٹھے ہیں یہ کون سی عقل مندی ہے یہ وہ مثال ہوئی کہ بارش سے بھاگا اور پرنالے کے نیچے جا کھڑا ہوا ۔ فَرَّ مِنَ الْمَطَرِ وَقَامَ تَحْتَ الْمِيزَابِ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔ (عبداللہ امرتسری روپڑی)

معالجہ کا بیان

دو چار قطرے شراب کا استعمال

سوال ، بیماری کی حالت میں دو چار قطرے شراب کے استعمال کر لئے جائیں تو کیا جائز ہے

جواب ، ابوالدرداء رضہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔

اِنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ الدَّاءَ وَالدَّوَاءَ وَجَعَلَ لِكُلِّ دَاءٍ دَوَاءً فَتَدَاوُوا وَلَا تَدَاوُوا بِحَرَامٍ

رواہ ابوداؤد (مشکوٰۃ باب الطِّبِّ وَالرُّقٰی)

بیشک خدا نے بیماری اتاری ہے اور دوا بھی ، ہر بیماری کے لئے دوا کر دی ہے پس علاج کرو اور حرام کے ساتھ علاج نہ کرو ۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شراب کے ساتھ علاج کی اجازت چاہی اور کہا کہ اس میں شفا ہے فرمایا شفاء نہیں بلکہ بیماری ہے پس شراب کے ساتھ علاج نہ کرنا چاہیئے ۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

حرام سے بذریعہ ٹیکہ علاج

سوال :- مجھے ہلکاؤ شدہ گھوڑی نے ہاتھ پہ کاٹ کھایا ہے۔ آج کل ڈاکٹری علاج جو بذریعہ ٹیکہ کیا جاتا ہے نہایت مجرب اور کامیاب ثابت ہوا ہے لیکن میں آج کل یونانی علاج کے درپے ہوں۔ ڈاکٹری علاج سے اس لئے پرہیز کر رہا ہوں۔ کہ یہ تداوی بالحرام ہے کیونکہ ٹیکہ کے متعلق یہ تحقیق شدہ بات ہے کہ ہلکاؤ شدہ کتے کا زہر لے کر بذریعہ پچکاری خرگوش کے دماغ میں داخل کیا جاتا ہے خرگوش گیارہ دن کے بعد اس مرض سے ہلاک ہو جاتا ہے یا بعض روایات کے مطابق ۹ دن کے بعد اسے خود ہلاک کیا جاتا ہے تو اس کے دماغ کا شیرہ تیار کر کے ٹیکہ تیار کیا جاتا ہے اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ مذکورہ بالا حالت میں علاج بالحرام درست ہے یا نہیں جواب لکھتے وقت اس بیماری کا مہلک ہونا اور موجودہ ڈاکٹری کا نہایت مجرب اور کامیاب ہونا۔ اس کو بھی مدنظر رکھیں کیونکہ فمن اضطر والی آیت میں یہی دو علتیں نظر آ رہی ہیں کہ بھوک پیاس وغیرہ کی ہلاکت کا یقین اور کھانے پینے کے ساتھ موت سے بچنا۔ دوسری بات یہ ہے کہ حضور نے ان لوگوں کو اونٹنی کا پیشاب اور دودھ ملا کر پینے کا حکم دیا تھا۔ جن کے پیٹ بڑھ گئے تھے اور سورۃ فاتحہ پڑھ کر پانی میں دم کرنے کی بھی اجازت ملتی ہے۔

جواب :- اضطراری حالت اس وقت ہوتی ہے جب نقصان یقینی ہو اور کسی دوسری شئے سے فائدہ متوقع نہ ہو۔ جیسے آیت کریمہ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ میں ہے اور یہاں دونوں باتیں نہیں پہلی اس لئے نہیں کہ مرض کا دورہ ممکن ہے۔ ہو یا نہ ہو۔ اگرچہ اثر ہو جاتا ہے مگر لبا اوقات نہیں بھی ہوتا۔ اور دوسری اس لئے نہیں کہ ڈاکٹری علاج کے علاوہ یونانی علاج سے بھی فائدہ کی کافی توقع ہے۔ خواہ ڈاکٹری سے کم ہی سہی مگر ہے ضرور۔ اور یہ بھی آپ کا یا آپ جیسے کسی ایک آدھ کا خیال ہے ورنہ یونانی علاج ڈاکٹری علاج سے کم نہیں بلکہ کچھ بہتر ہو گا۔ غرض یہاں اضطراری حالت نہیں۔ آپ کا اس کو اضطراری حالت سمجھنا غلطی ہے اور عُرَینہ والی حدیث بھی دلیل نہیں بن سکتی۔ کیونکہ ماکول اللحم (جس کا گوشت کھایا جاتا ہے) کے پیشاب وغیرہ کے ناپاک ہونے پر کوئی دلیل نہیں بلکہ اہلحدیث کہتے ہیں اگر اونٹوں کا پیشاب وغیرہ ناپاک ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ساتھ علاج کا امر نہ فرماتے

کیونکہ حرام کے ساتھ دوا کرنے سے آپؐ نے منع فرمایا ہے اور بکریوں کے واڑہ میں نماز کی اجازت، یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ ان کا پیشاب میگنیاں وغیرہ پلید نہیں، اور اونٹوں کے واڑہ میں نماز سے منع کرنا یہ اس لئے ہے کہ اونٹ کی جائے رہائش میں شیطانی دخل بہت ہے چنانچہ بعض روائتوں میں آیا ہے۔ کہ اونٹ شیاطین سے ہیں خاص کر جب اونٹ موجود ہوں تو اس وقت یہ کھٹکا رہتا ہے کہ کہیں ٹانگ یا منہ نہ مار دیں، یا کہیں ان کے نیچے نہ آجائے۔ اور بکریوں میں یہ بات نہیں اس کے علاوہ اور کوئی حکمت بھی ہو سکتی ہے بہر صورت اونٹوں کے واڑہ میں نماز کی ممانعت پلیدی کی وجہ سے نہیں ورنہ بکریوں اور اونٹوں میں فرق نہ ہوتا۔

فاتحہ کے ساتھ دم میں کوئی حرج نہیں اگرچہ پینے کے وقت سانس لینا یا پھونک مارنا منع ہے چنانچہ حدیث میں ہے کہ آپؐ نے پانی میں کلی کر کے طلق رضؓ بن علی کو دیا تاکہ گرجے کی جگہ مسجد بنانے سے پہلے چھڑک دے۔

خلاصہ یہ کہ حرام کے ساتھ دوا نہ کرنے کی تین دلیلیں آپ نے ذکر کی ہیں مگر ٹھیک کوئی بھی نہیں، پہلی اس لئے کہ سوال کی صورت اضطراری نہیں دوسری اس لئے کہ ماکول اللحم کے پیشاب وغیرہ کے پلید ہونے پر کوئی دلیل نہیں بلکہ پاک ہونے پر دلیل موجود ہے تیسری اس لئے کہ پینے کے وقت سانس لینے یا پھونک مارنے کی ممانعت ہے، تبرک کے وقت نہیں،

ہاں سوال کی صورت کو علاج بالحرام کی قسم سے بنانا مشتبہ ہے جس کی دو وجہیں ہیں۔ ایک یہ کہ حلال شے کا حکم جاری ہوتا ہے جیسے ترکاری وغیرہ کے کھیتوں میں گندگی پڑتی ہے اور ترکاری وغیرہ کا جزو بن جاتی ہے تو اس سے ترکاری وغیرہ حرام نہیں ہوتی۔ خرگوش کے دماغ میں کتے کا زہر داخل کرنا بھی اسی قسم سے ہے نیز حلال جانور مثلاً بھیڑ وغیرہ اگر حرام شے مثلاً نجاست گندگی کھاتی ہے تو اس پر حرمت کا فتویٰ نہیں دیا جاتا پس خرگوش کے دماغ میں کتے کا زہر داخل کرنا بھی اس قسم سے ہے۔ یہ اس صورت میں ہے کہ خرگوش ذبح کیا گیا۔ خواہ ذبح کرنے والا مسلمان ہو یا اہل کتاب ورنہ پھر مردار کا شبہ ہو گا،

دوسری وجہ یہ کہ جس طریق پر کسی شے کا استعمال حرام ہو اس کے علاوہ کسی اور طریق پر اس کو برت سکتے ہیں چنانچہ مشکوٰۃ باب احکام المیاہ میں حدیث ہے کہ میمونہ رضؓ کی آزاد کردہ لونڈی کی بکری

مرگئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس سے گزرے فرمایا تم نے اس کا چمڑہ کیوں نہ اتار لیا؟ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! یہ مردار ہے فرمایا اِنَّمَا حُرِّمَ اَکْلُھَا یعنی اس کا کھانا حرام ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شے ایک طرح سے حرام ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اب کسی دوسرے طریق پر بھی درست نہ ہو اسی بناء پر صحابہ رضی اللہ عنہ کا فتویٰ ہے کہ تیل وغیرہ میں پلیدی پڑ جائے تو اس کو چراغ وغیرہ میں جلا سکتے ہیں ملاحظہ ہو فتاوی ابن تیمیہ رحمہ اللہ جلد اول صفحہ ۳۵ ۔

پس اس بناء پر ڈاکٹری علاج کا کوئی حرج معلوم نہیں ہوتا۔ کیونکہ ٹیکہ کھانے کی قسم سے نہیں۔ ہاں بعض اشیاء جن کی چاٹ لگی ہوئی چھوٹنی مشکل ہوجاتی ہے ان میں سدالذرائع حکم عام بھی ہو سکتا ہے جیسے شراب مگر کسی دوسرے طریق پر بھی اس کا استعمال ٹھیک نہیں اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہ کو سرکہ بنانے کی اجازت نہیں دی۔ بلکہ بہا دی گئی۔

منتخب کنز العمال جلد ۲ میں ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو کہا گیا کہ عورتیں شراب کے ساتھ سر دھوتی ہیں تو فرمایا خدا تعالیٰ ان کے سروں کو گنجا کر دے۔ اور یہی وجہ ہے کہ تمام نشہ آور اشیاء قلیل کثیر حرام ہیں۔ اگرچہ تھوڑی سی سے نشہ نہیں آتا مگر ان کی چاٹ بُری ہوتی ہے منہ لگی چھوٹنی مشکل ہے اس لئے مطلقاً حرام کر دیں خواہ تھوڑی ہوں یا بہت۔

خلاصہ یہ کہ آپ کے لئے کئی رستے ہیں ڈاکٹری علاج کی بھی گنجائش ہے مگر نہ اس وجہ سے کہ حرام کا علاج جائز ہے بلکہ اس وجہ سے کہ اول تو حرام نہیں دوسرے طریقہ استعمال حرام نہیں اگر زیادہ احتیاط کرنی ہو تو یونانی علاج کافی ہے۔ عبداللہ امرتسری روپڑی

ذبح کا بیان

گھنڈی سے اوپر ذبح کرنا

سوال ۔ ذبیحہ فوق العقدہ (گھنڈی سے اوپر) جائز ہے یا نہ دین محمد

جواب ۔ عَنْ اَبِی الْعَشَرَاءِ عَنْ اَبِیْهِ اَنَّهٗ قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَمَا تَكُوْنُ الذَّكٰوةُ اِلاَّ

فِی الْحَلْقِ وَاللَّبَّۃِ فَقَالَ لَوْطَعَنْتَ فِی فَخِذِھَا لَاَجْزَاَعَنْکَ رواہ الترمذی وابو داؤد والنسائی و ابن ماجۃ والدارمی وقال ابوداؤد ھٰذَا ذَکٰوۃُ الْمُتَرَدِّیْ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ ھٰذَا فِی الضَّرُوْرَۃِ (مشکوۃ کتاب الصید والذبائح)

یعنی ابی العشراء اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ حلق اور لبہ کے علاوہ بھی ذبح ہو سکتا ہے ؟ فرمایا اگر تو ران میں زخم کر دے تو کافی ہو جائے گا۔ اس کو ترمذی، ابوداؤد۔ نسائی، ابن ماجہ اور دارمی نے روایت کیا ہے اور ابوداؤد نے کہا ہے ران میں زخم کرنا اس جانور کے لئے ہے جو کوئیں وغیرہ میں اوندھا گر جائے۔ اور حلق تک رسائی نہ ہو سکے۔ اور ترمذی کہتے ہیں کہ یہ لاچاری کے وقت ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ذبح تین محل میں ہوتا ہے ایک حلق میں۔ ایک لبہ میں ایک ان دونوں کے علاوہ کسی اور جگہ۔ تیسری صورت لاچاری میں ہے اور پہلی دو صورتیں عام ہیں حلق کے معنی گلے کے ہیں لغت والوں نے اس کی تعریف مَجْرَی الطَّعَامِ وَالشَّرَابِ کے ساتھ کی ہے یعنی کھانے پینے کے گزرنے کی جگہ۔ اور لبہ کے معنی گڑھے کے ہیں جو گلے سے نیچے اور ہنسلی کے اوپر ہے لغت والوں نے اس کی تعریف کی ہے مَوْضِعُ الْقِلَادَۃِ مِنَ الصَّدْرِ یعنی چھاتی سے جس جگہ ہار پڑتا ہے وہ لبہ ہے "اونٹ کو لبہ کی جگہ برچھی ماری جاتی ہے اور ذبح کے معنی قَطْعُ الْاَوْدَاجِ کے ہیں جیسے بخاری پارہ ۲۳ باب النحر والذبح میں ہے یعنی ان رگوں کا کاٹنا جن کو وَدَج کہتے ہیں ودج گردن کی دو طرفی دو رگوں کا نام ہے ذبح کی یہ تفسیر عطاء تابعی رح نے کی ہے فتح الباری میں اس پر لکھا ہے امام شافعی رح کہتے ہیں حنجرہ سانس کا راستہ اور مَرِیْ جس سے کھانا گزرتا ہے ان دونوں کا کاٹنا کافی ہے وَدَجَیْن کا کاٹنا ضروری نہیں کیونکہ انسان وغیرہ سے یہ دو رگیں نکال دی جائیں تو کبھی زندہ بھی رہ جاتا ہے تو معلوم ہوا ان پر ذبح کا مدار نہیں اور امام محمدؒ امام ابوحنیفہ رح کے شاگرد کہتے ہیں۔ ان دونوں کے ساتھ اوداج کا اکثر حصہ بھی کاٹنا ضروری ہے۔ اکثر حنفیہ کہتے ہیں ان چار رحنجرہ، مری، ودجین سے تین کا کاٹنا کافی ہے خواہ کوئی سی تین ہوں کیونکہ اکثر کا حکم کل کا ہے اور امام مالک رح اور امام لیث رح کہتے ہیں اوداج اور حنجرہ کا کاٹنا ضروری ہے مری کا کاٹنا ضروری نہیں کیونکہ رافع بن خدیج کی حدیث میں مَا اَنْھَرَ الدَّمَ یعنی خون بہانے کی شرط کی ہے اور مری خون کی رگ نہیں بلکہ کھانے کا راستہ ہے فتح الباری

ہیں ابن المنذر سے ان کے قول کی یہ دلیل نقل کی ہے لیکن اس پر شبہ ہوتا ہے کہ حنجرہ کا کاٹنا بھی ضروری نہ ہونا چاہیئے. کیونکہ وہ سانس کا راستہ ہے ہاں یہ عطاء رح تابعی کے قول کی تائید بن سکتی ہے اور فتح الباری میں امام ثوری کا قول بھی یہی ذکر کیا ہے کہ صرف وَدَجین کا کاٹنا کافی ہے اور آگے جو شریطہ سے نہی کی حدیث آتی ہے اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ گھنڈی سے اوپر ذبح کیا جائے تو حلال ہے کیونکہ مَرِیُ کے سوا حنجرہ۔ ودجین تے گھنڈی کے اوپر بھی جاتے ہیں. پس اوپر ذبح کرنے سے حرام ہونے کی کوئی وجہ نہیں.

تنبیہ

بعض دفعہ چھری تیز ہوتی ہے تو سر جُدا ہو جاتا ہے اس ذبیحہ کا کھانا بعض مکروہ کہتے ہیں. مگر صحیح یہ ہے کہ اس کے کھانے میں کوئی کراہت نہیں کیونکہ ابن عمر رض ابن عباس رض اور انس رض سے روایت ہے کہ اس کا کوئی حرج نہیں ہاں کوشش یہ ہونی چاہیئے کہ سر جدا نہ ہو بلکہ گردن کی ہڈی کے مغز سے اوپر اوپر چھری رہنی چاہیئے. کیونکہ بخاری کے اسی مقام میں ہے کہ ابن عمر رض نے گردن کی ہڈی کے مغز تک چھری پہنچانے سے منع کیا ہے اور بعض لوگ ذبح کر کے اس ہڈی کو توڑ ڈالتے ہیں اس سے بھی عبداللہ بن عمر رض نے منع کیا ہے. بلکہ اسی حال میں چھوڑ دینا چاہیئے. یہاں تک کہ ٹھنڈا ہو جائے اس سے پہلے نہ ہڈی توڑنی چاہیئے نہ کھال اتارے. حدیث میں بھی ہے جان نکلنے سے پہلے جلدی نہ کرنی چاہیئے. (فتح الباری جزء ۲۳) مسلم ابوداؤد. ترمذی. ابن ماجہ میں شداد بن اوس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا نے ہر شے کے ساتھ احسان فرض کیا ہے یہاں تک کہ جب تم قتل کرو، تو اچھی طرح قتل کرو، اپنی چھری تیز کرو اور ذبیحہ کو آرام دو یعنی جان نکلنے سے پہلے کھال اتارنا یا کاٹنا شروع نہ کرو (مشکوٰۃ کتاب الصید)

غرض کسی شے کا شر دور کرنے کے لئے اس کو مارنا ہو جیسے سانپ وغیرہ یا کھانے کے لئے کوئی جانور ذبح کرنا ہو. تو حتی الوسع ایسی صورت اختیار کرے کہ آسانی سے اور جلدی سے جان نکل جائے. بعض لوگ بھڑ، سانپ وغیرہ مارتے ہیں تو اَدھ مویا سا چھوڑ دیتے ہیں ایسا نہ کرنا چاہیئے. حدیث میں ہے کہ جو چھپکلی کو ایک ضرب سے مار دے اس کو سو نیکی ملے گی. (مشکوٰۃ باب ما لا یحل اکلہ) یہ فضیلت اس لئے ہے کہ ایک ضرب سے جلدی مر جاتی ہے اس طرح ذبیحہ میں بھی رگیں اچھی طرح

کاٹ دینی چاہئیں تاکہ جان جلدی نکل جائے مشکوٰۃ کتاب الصید فصل ۲ میں ہے کہ شریطہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے اور وہ ایسا ذبیحہ ہے جس کی اوداج رگیں اچھی طرح نہ کاٹی جائیں۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

بے نماز کا ذبیحہ

سوال ۔ بے نماز کا ذبیحہ مسلمانوں کو کھانا جائز ہے یا نہیں؟

جواب ۔ بے نماز بیشک کافر ہے خواہ ایک نماز کا تارک ہو یا سب نمازوں کا۔ کیونکہ مَنْ تَرَکَ الصَّلٰوۃَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ کَفَرَ عام ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ہر تارک کافر ہے رہا بے نماز کے ذبیحہ کا حکم سو وہ اہل کتاب کے حکم میں ہونے کی وجہ سے درست ہو سکتا ہے خواہ نیک ذبح کرنے والا پاس موجود ہو، یا نہ ہاں نیک ہر طرح سے بہتر ہے اور بے نماز جب کافر ہوا تو اس کا کھانا مثل عیسائی کے کھانے کے سمجھ لینا چاہیئے۔ حتی الوسع اس سے پرہیز رکھے عند الضرورۃ کھالے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی ۲۷ شعبان ۱۳۵۶ھ

مکڑی اور مچھلی

سوال ۔ مکڑی اور مچھلی کے قدرتی ذبح کی کیا وجہ ہے۔

جواب ۔ مکڑی اور مچھلی کے قدرتی ذبح ہونے کی دو وجہیں ہیں۔ ایک یہ کہ ان میں دم سائل (جو خون جوش سے نکلتا ہے) نہیں، دوم حدیث میں ہے اُحِلَّتْ لَنَا مَیْتَتَانِ ہمارے لئے دو مردار حلال ہیں ایک مکڑی دوسرے مچھلی۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

جنبی کا ذبیحہ

سوال ۔ جنبی اہل قرآن کا ذبیحہ جائز ہے؟

جواب ۔ جنبی کا ذبیحہ جائز ہے کیونکہ وہ اللہ کا نام لے سکتا ہے اور ذبح کے لئے اللہ ہی کا نام شرط ہے

عبداللہ امرتسری روپڑی

مومنہ عورت کا ذبیحہ

سوال ، عورت مومنہ کا ذبیحہ جائز ہے یا نہیں ؟

جواب ، عَنْ کَعْبِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّهٗ کَانَ لَهٗ غَنَمٌ تَرْعٰی بِسَلْعٍ فَاَبْصَرَتْ جَارِیَةٌ لَّنَا بِشَاةٍ مِنْ غَنَمِنَا مَوْتًا فَکَسَرَتْ حَجَرًا فَذَبَحَتْهَا بِهٖ فَسَالَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاَمَرَهٗ بِاَکْلِهَا

رواہ البخاری (مشکوٰۃ کتاب الصید)

یعنی کعب بن مالک رض سے روایت ہے کہ ہماری بکریاں تھیں ہماری ایک لونڈی نے ایک بکری مرتی ہوئی دیکھی پتھر توڑ کر اس کی دھار سے بکری ذبح کر دی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا، آپ نے اس کے کھانے کا حکم دیا۔ —— اس حدیث سے دو باتیں ثابت ہوئیں ایک عورت کا ذبح کرنا دوم ہر خون بہانے والی شے سے جواز ذبح خواہ چھری وغیرہ ہو یا پتھر کی پھانگ وغیرہ جس سے خون بہہ جائے۔ عبداللہ امرتسری روپڑی

مصافحہ کا بیان

محرم عورتوں کے ساتھ مردوں کا مصافحہ

سوال ، محرم عورتوں کے ساتھ مردوں کا مصافحہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب ، جب بوسہ جائز ہے تو مصافحہ میں کیا حرج ہے یہ تو معمولی ہے حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملاقات کے وقت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا بوسہ لیتے اور فاطمہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ (مشکوٰۃ باب المصافحہ)

اسی طرح بیمار میں حضرت ابوبکر رض نے حضرت عائشہ رض کا بوسہ لیا (مشکوٰۃ باب المصافحہ)

عورتوں کا عورتوں سے مصافحہ

سوال ۔ عورتوں کو عورتوں کے ساتھ مصافحہ یا معانقہ کرنا جائز ہے یا نہیں۔

جواب ۔ یہ اصولی مسئلہ ہے کہ مردوں کے احکام عورتوں کو شامل ہوتے ہیں جب تک استثناء نہ ہو عورتیں جدا نہیں سمجھی جاتیں جیسے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۔ یہ خطاب اگرچہ مردوں کو ہے مگر عورتیں بھی اس میں داخل ہیں اس طرح مصافحہ معانقہ سمجھ لیں پس مصافحہ معانقہ کا حکم جیسے مردوں مردوں میں تھا ویسے ہی عورتوں میں ہوگا صرف غیر محرم خارج ہوگا۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

مسجد میں اپنی زوجہ کا بوسہ یا معانقہ

سوال ۔ مسجد میں اپنی منکوحہ کا بوسہ معانقہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب ۔ صریح نص اس بارہ میں کوئی نہیں البتہ ادب کے خلاف ہے اور آیت کریمہ وَلَا تُبَاشِرُوْھُنَّ وَاَنْتُمْ عٰکِفُوْنَ فِی الْمَسَاجِدِ۔ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ یہ نہ چاہیئے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

ضبط تولید کا بیان

ضبط تولید

سوال ۔ ضبط تولید جائز ہے یا نہیں؟

جس عورت کو حمل جلد قرار پائے وہ حمل کو بالکل روکنے کے لئے یا وقفہ سے ہونے کے لئے کوئی دوا استعمال کر سکتی ہے یا مرد کوئی ایسی ترکیب کر سکتا ہے جس سے حمل بالکل نہ ہو یا دیر سے ہو؟

حفیظ الرحمٰن ایم اے۔ بی ٹی گورنمنٹ ہائی سکول ملت پور ضلع جھانسی ملت پور

جواب ۔ دوا کھانی تو اچھی نہیں کیونکہ یہ خصی کرنے کے مشابہ ہے جس سے حدیث میں نہی آئی ہے اور کچھ مدت تک حمل نہ ٹھہرنے کی دوا میں بھی خطرہ ہے کہ کہیں زیادہ نقصان نہ پہنچ جائے جو حمل کی

مناسبت مدت سے گزر جائے ہاں عزل کی گنجائش ہو سکتی ہے اگرچہ شریعت نے اس کو کوئی بہتر شے قرار نہیں دیا. مگر اس پر کوئی ایسی سختی بھی نہیں کی. سو جو عزل کرنا چاہے کر سکتا ہے عزل اسے کہتے ہیں کہ انزال کے وقت پانی باہر ڈال دیا جائے اور بہتر ہے کہ عزل بھی نہ ہو کیونکہ حدیث میں ہے جو روح دنیا میں آنی ہے وہ بہر صورت آئے گی ایسے حیلوں سے رک نہیں سکتی امام حسن رضی اللہ عنہ کی ولادت اور امام حسین رضی اللہ عنہ کے حمل قرار پانے میں قریباً پچاس روز کا فاصلہ تھا اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ خدا کے حوالہ کرنا بہتر ہے۔

نوٹ:۔ آج کل برتھ کنٹرول یعنی ضبط تولید کی بہت حمائت کی جا رہی ہے یہ وباء یورپ سے چل کر ہندوستان میں بھی پھوٹ پڑی. تہذیب یورپ کے دلدادہ مرد اور عورتیں اس کا شکار نظر آ رہی ہیں ان کے خیال میں اولاد ایک مصیبت اور جنجال ہے جو میاں بیوی کے تعش اور آزادی کے راستہ میں زبردست رکاوٹ ہے حالانکہ یہ خیال، اخلاقی، اقتصادی، سیاسی نقطہ نظر سے قابلِ نفریں ہیں۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

حقوق العباد کا بیانؒ

امانت ۔ عاریت

سوال۔ میرا بھائی جب فوت ہونے لگا تو اس نے کچھ روپیہ مجھ کو دیا کہ میری طرف سے تم خود حج کرنا وہ روپیہ میں نے اپنے پاس رکھ لیا کہ وقت پر حج کر آؤں گا۔ اسی اثناء میں مجھ سے دو ہزار روپیہ ٹھگ کر لے گیا بھائی کا حج کے لئے دیا ہوا روپیہ بھی اس میں آ گیا اب میرے پاس سوائے سات ایکڑ زمین کے اور کوئی جائیداد نہیں ہے اب عرض یہ ہے کہ اگر کسی حاجی کو کچھ روپے دیدیئے جائیں کہ وہاں جا کر میرے بھائی کا حج کرا دیویں ادا ہو سکتا ہے یا نہیں؟ باقی روپیہ میرے ذمہ سے ساقط ہو جائے گا یا نہیں؟

مولوی عبدالحق چک نمبر ۲۳ بہاولپور

جواب۔ مالی حقوق تین قسم ہیں۔ عَین ۔ دَین ، عَین دَین

عَیْن وہ ہے جو شے کے ساتھ تعلق رکھے جب تک وہ شے موجود ہو اس کا ادا کرنا ضروری ہے جب وہ نہ رہے تو حق ساقط ہو جائے۔

دَیْن وہ ہے جو ذمہ ہو معین شے کے ساتھ اس کا تعلق نہ ہو۔

عَیْن دَیْن۔ جو پہلے معین شے کے ساتھ تعلق رکھے اگر وہ نہ رہے تو ذمے ہو جائے اب ان کے دلائل سُنیئے۔ فتح البیان وغیرہ میں زیر آیت کریمہ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الاَمَانَاتِ اِلٰی اَھْلِھَا (یعنی اللہ تعالیٰ تاکیدی حکم دیتا ہے کہ امانتیں امانتوں والوں کو پہنچا دو۔) لکھا ہے۔

۱۔ ابن عباس رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب فتح مکہ کیا اور عثمان بن طلحہؓ سے کعبہ کی چابی لے لی، تو جبرائیل علیہ السلام چابی کے لوٹانے کا حکم لے کر اترے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن طلحہ کو بلا کر چابی اس کے حوالے کر دی اور یہ آیت پڑھی۔

۲۔ بلوغ المرام میں ہے کہ سمرۃ بن جندب رضؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عَلَی الْیَدِ مَا اَخَذَتْ حَتّٰی تُؤَدِّیَہٗ رواہ احمد والاربعۃ وصححہ الحکم (بلوغ المرام باب العاریۃ) یعنی جو شے ہاتھ نے لی ہے اس پر اس کا ادا کرنا ہے۔

۳۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

اَدِّ الْاَمَانَۃَ اِلٰی مَنِ ائْتَمَنَکَ وَلَا تَخُنْ مَنْ خَانَکَ رواہ ابوداؤد والترمذی وحسنۃ وصححہ الحاکم واستنکرہٗ ابوحاتم الرازی (حوالہ مذکورہ)

یعنی جس نے تجھے امین جان کر کوئی امانت رکھی اس کی امانت ادا کر اور جس نے تیری خیانت کی تو اس کی خیانت مت کر۔

۴۔ نیز بلوغ المرام باب العاریۃ میں ہے۔

عَنْ یَعْلٰی بْنِ اُمَیَّۃَ قَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اَتَتْکَ رُسُلِیْ فَاَعْطِھِمْ ثَلٰثِیْنَ دِرْعًا قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَعَارِیَۃٌ مَضْمُوْنَۃٌ اَوْ عَارِیَۃٌ مُؤَدَّاۃٌ قَالَ بَلْ عَارِیَۃٌ مُؤَدَّاۃٌ رواہ احمد و ابوداؤد والنسائی وصححہ ابن حبان

یعلی بن امیہ رضؓ کہتے ہیں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب میرے قاصد تیرے پاس آئیں تو ان کو تیس زرہیں دیدے میں نے کہا یا رسول اللہ یہ عاریت ذمہ اٹھائی گئی ہے یا ادا کی گئی فرمایا ادا کی گئی۔

۵۔ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ اُمَیَّۃَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اسْتَعَارَ مِنْہُ دُرُوعًا یَوْمَ حُنَیْنٍ فَقَالَ اَغَصْبٌ یَا مُحَمَّدُ قَالَ بَلْ عَارِیَۃٌ مَضْمُونَۃٌ (حوالہ مذکور)

صفوان بن امیہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حُنین کے دن اس سے کچھ زرہیں عاریتاً مانگیں (چونکہ اس وقت کافر تھا) کہا اے محمد! کیا غضب کروگے؟ فرمایا بلکہ عاریت ذمہ اٹھائی گئی۔

سبل السلام میں ہے فی روایۃ ابن عباس فَضَاعَ بَعْضُہَا فَعَرَضَ عَلَیْہِ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنْ یَّضْمِنَہَا لَہٗ فَقَالَ اَنَا الْیَوْمَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَرْغَبُ فِی الْاِسْلَامِ۔

ابن عباس رض کہتے ہیں بعض زرہیں ان سے ضائع ہوگئیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھرنی چاہیں. اس نے کہا یا رسول اللہ! آج میں اسلام میں رغبت رکھنے والا ہوں (سبل السلام ص۳۸ ابوداؤد باب تضمین العاریۃ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صفوان کو کہا اِنَّا قَدْ فَقَدْنَا مِنْ اَدْرَاعِكَ اَدْرَاعًا فَهَلْ نَغْرِمُ لَكَ قَالَ لَا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ لِاَنَّ فِی قَلْبِی الْیَوْمَ مَا لَمْ یَكُنْ یَوْمَئِذٍ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صفوان کو کہا کہ ہم نے تیری زرہوں سے کئی زرہیں گم پائی ہیں کیا تاوان بھریں؟ صفوان نے کہا نہیں. کیونکہ آج میرے دل میں وہ بات ہے جو اس دن نہیں تھی۔ یعنی آج میرے دل میں اسلام ہے۔

۶۔ عَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ اَبِیْهِ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَجَرَ عَلٰی مُعَاذٍ مَالَهٗ وَبَاعَهٗ عَنْ دَیْنٍ كَانَ عَلَیْهِ (بلوغ المرام باب التفلیس)

یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ پر اس کا مال بند کردیا (کہ وہ اس میں تصرف نہ کرے۔) اور اس کا مال اس قرض میں فروخت کردیا جو اس پر تھا۔

اخیر کی حدیث سے معلوم ہوا کہ دَیْن یعنی قرض کسی خاص شے سے تعلق نہیں رکھتا. بلکہ ذمے ہے اس لئے اپنی گھر کی اشیاء فروخت کر کے بھی ادا کرنا پڑے گا۔ بلکہ جاہلیت میں تو مقروض کو بھی فروخت کر دیتے تھے. چنانچہ معاذ کے قرض خواہوں نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہی درخواست کی کہ معاذ (کے مال سے ہمارا قرض پورا نہیں ہوا۔) کو ہمارے قرض میں فروخت کر دو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا. لَیْسَ لَكُمْ اِلَیْهِ سَبِیْلٌ (سبل السلام ص۳۱) یعنی معاذ کی طرف تمہیں کوئی رستہ نہیں

چوتھی اور پانچویں حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شے برتنے کے لئے مانگ کرلے اگر اس کی ذمہ داری لے لے تو جب تک وہ شے موجود ہے اس وقت تک وہ شے ادا کرے اگر تلف ہوجائے تو اس

کی قیمت بھرے اور اگر ویسے ہی مانگ کر کوئی شے لے اور ذمہ داری نہ اٹھائے تو جب تک وہ شے موجود ہے وہ شے ادا کرنی پڑے گی، اگر اتفاقیہ تلف ہو گئی تو معاف ہے۔

اس تفصیل سے تینوں قسمیں معلوم ہو گئیں ایک دَیْن جس کا کسی خاص شے سے کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ ذمہ ہے دوسری عَیْن جس کا تعلق ایک خاص شے سے ہے تیسری عَیْن دَیْن جس کا تعلق شے کے وجود تک اس شے سے ہے تلف ہو جانے کے بعد ذمہ ہو جاتی ہے۔

امانت

عاریت کے مسئلہ سے امانت کا مسئلہ بھی معلوم ہو گیا کیونکہ عاریت انسان مانگ کر لیتا ہے، اور اس سے مقصود اپنا مطلب لینا ہے جب تلف ہونے کی صورت میں اس کا بھرنا ضروری نہیں تو جو شے دوسرا شخص اپنے طور پر اس کے پاس رکھتا ہے اور یہ اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا، نہ کسی جگہ برت سکتا ہے۔ بلکہ ویسے محض احسان کے طور پر اس نے حفاظت کا بوجھ اپنے ذمہ لے لیا ہے۔ تو تلف ہونے کی صورت میں یہ اس کو کس طرح بھرنی پڑے گی، ہاں اگر بغیر اجازت کے برت لے یا حفاظت میں اس کی بے پرواہی ثابت ہو جائے۔ یعنی جس طرح اپنی شے کی حفاظت کی جاتی ہے اس طرح حفاظت نہ کرے۔ تو پھر یہ قصوروار ہے کیونکہ جس شے کا اس نے ذمہ لیا تھا۔ اور جس شرط سے دوسرے نے اس پر اعتماد کر کے شے اس کے حوالہ کی تھی اس نے اس کو پورا نہیں کیا۔ اگر اس حال میں امانت تلف ہو گئی تو بھرنی پڑے گی۔ جیسے عاریت بے احتیاطی برتنے کی صورت میں بھرنی پڑتی ہے غرض قصوروار ہونے کی صورت میں عاریت یا امانت کا حکم غصب کا ہو جاتا ہے

غصب

غصب یہ ہے کہ ویسے ہی کسی سے کوئی شے زور کے ساتھ لے لے یا دبا لے جیسے پانچویں نمبر کی حدیث میں صفوان بن امیہ رضہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا۔ کیا غصب کرو گے؟ غصب کو شریعت نے تیسری قسم میں داخل کیا ہے یعنی عَیْن دَیْن میں داخل کیا ہے جب تک غصب شدہ شے موجود رہے، اس وقت تک اس شے کے ادا کرنے کا حکم دیا ہے اگر تلف ہو جائے یا کھا جائے تو

اس کی قیمت بھرے چنانچہ بلوغ المرام باب الغصب میں حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رض (کی باری میں) کے گھر میں تھے۔ دوسری بیوی نے خادم کے ہاتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھانا بھیجا حضرت عائشہ رض نے غیرت میں آکر پیالہ پھوڑ دیا جس سے کھانا نیچے گر گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا طَعَامٌ بِطَعَامٍ وَإِنَاءٌ بِإِنَاءٍ یعنی کھانے کے بدلے کھانا پیالے کے بدلے پیالہ ـــــــ اس سے معلوم ہوا کہ قصور وار سے شے بھری جاتی ہے خواہ یہ قصور ہو کہ اس نے غصب کر کے لی، یا یہ قصور ہو کہ عاریت کے برتنے میں بے احتیاطی کی یا ویسے ہی کسی کا نقصان کر دیا، ان سب صورتوں میں وہ شے بھرنی پڑے گی۔

سوال کی صورت میں اگر بھائی نے حج کے علاوہ بطور قرض روپیہ برتنے کی اجازت دی تھی۔ تو پھر یہ قرض ہو گیا اور قرض دینا پڑتا ہے خواہ اپنے گھر کی اشیاء فروخت کر کے دے۔ کیونکہ وہ ذمے ہے اگر بھائی کی اجازت کے بغیر برت لیا ہے تو یہ غصب ہے اور غصب کی صورت میں بھی شے دینی پڑتی ہے غرض ٹھگ کے ہاتھ روپیہ تبھی گیا جب برتنے کا قصد ہوا۔ ورنہ ٹھگ کے ہاتھ نہ جاتا۔ پس یہ صرف ہر صورت میں بھرنا پڑے گا۔ کیونکہ یہ ایک قسم کی امانت ہے اور امانت کے ادا کرنے کی تاکید ہے جیسا کہ آیت کریمہ ان اللّٰہ یأمرکم ان تؤدوا الامانات میں تاکید کے ساتھ حکم دیا ہے اور نمبر ا کی حدیث میں اس کے لئے "جبرئیل" کا اترنا مذکور ہے اور نمبر دو کی حدیث میں ہاتھ کو ذمہ دار ٹھہرایا ہے۔ حالانکہ ذمہ دار وہ شخص ہے جس نے شے لی ہے ایسے کلام سے بھی تاکید مقصود ہوتی ہے اور نمبر تین کی حدیث میں تو اس قدر تاکید کی ہے۔ کہ اگر کسی نے خیانت کی ہو اس کی خیانت سے بھی روکا ہے اگرچہ صحیح مذہب کی بناء پر یہ حکم استحبابی ہے لیکن اس سے تو اتنا ضرور ثابت ہوتا ہے کہ امانت کا معاملہ بہت نازک ہے ان کے علاوہ اور بہت سی احادیث میں حقوق العباد کی تاکید آتی ہے۔

غرض اس بوجھ سے حتی الوسع جلد سبکدوش ہونا چاہیئے۔ رہا حج کا مسئلہ سو وہ معلوم ہے جب انسان کے ذمہ حج فرض ہوتا ہے تو اس کو حکم ہے کہ وہ خود کرے اگر خود نہیں کر سکتا تو اس کی طرف سے دوسرا کرے۔ مرنے والے کے بھائی کی وصیت زندہ بھائی نے منظور کی۔ اور روپیہ اپنے پاس لے لیا تو گویا اب زندہ بھائی پر مرنے والے بھائی کی طرف سے حج فرض ہو گیا۔ اگر زندہ بھائی ایسا کمزور ہے کہ اگر اسے اپنا حج کرنا پڑتا تو اس کی بھی طاقت نہ رکھتا تو اس صورت میں کسی دوسرے کو روپیہ دیدے تاکہ وہ حج

کرائے۔ مگر وہ ایسا شخص ہونا چاہیئے۔ جس نے پہلے اپنا حج کیا ہو۔

آج کل تین سو روپے میں تو حج ہو جاتا ہے لیکن ذرا تکلیف ہوتی ہے اگر کوئی نیک اعتبار والا آدمی جو پہلے حج کر چکا ہو۔ تین سو روپے میں حج کو جانا منظور نہ کرے۔ تو پھر یہ روپے جہاد میں دیدینے چاہئیں۔ کیونکہ حج کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد فرمایا ہے۔ اگر جہاد کا بھی موقعہ نہ ہو تو پھر درس میں دے دینے چاہئیں۔ کیونکہ درس وتدریس کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بمنزلہ جہاد فرمایا ہے

عبداللہ امرتسری روپڑی

مسئلہ ظفر اور حدیث لَا تَخُنْ مَنْ خَانَكَ

سوال۔ اگر ایک شخص کا دوسرے کے ذمہ قرض ہے یا کوئی اور شے اس سے لینی ہو اور وہ دیتا نہ ہو۔ اور اس حال میں اس کی کوئی شے اس کے ہاتھ آجائے تو کیا شرعاً یہ اس بات کا مجاز ہے کہ اپنے حق کے اندازے پر اس شے سے اپنا حق وصول کرے اس کا نام مسئلہ ظفر ہے یعنی کامیابی کا مسئلہ سبل السلام میں اس مسئلہ میں چار قول لکھے ہیں۔

پہلا قول

بعض کہتے ہیں کہ حاکم کے پاس لے جائے اگر حاکم دلا دے تو لے لے کیونکہ حدیث میں ہے۔ لَا تَخُنْ مَنْ خَانَكَ جو تیری خیانت کرے تو اس کی خیانت نہ کر۔ نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ یعنی اپنے مال آپس میں باطل کے ساتھ نہ کھاؤ مگر کہ رضامندی کے ساتھ تجارت ہو۔ نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا یعنی اللہ تمہیں امانات کے ادا کرنے کا حکم دیتا ہے۔

دوسرا قول

حنفیہ کہتے ہیں جو شے ہاتھ آئی ہے اگر وہ حق کی جنس سے ہو تو لے لے ورنہ نہ لے مثلاً اگر روپے لینے تھے تو روپے ہاتھ آگئے یا گیہوں لینے تھے تو گیہوں ہاتھ آگئے۔ ایسی صورت میں اس کو اجازت ہے کہ اپنا حق لے کر باقی دیدے، اگر غیر جنس ہو جیسے روپے لینے تھے ہاتھ گیہوں آئے۔ تو ایسی صورت میں اس کو رکھنے کی اجازت نہیں اسی طرح اگر گائے لینی تھی اور اسی قسم کی گائے اس کے ہاتھ آگئی تو

گائے رکھنی جائز ہے، اگرچہ یہ اس گائے سے ملتی جلتی ہو جو لینی تھی کیونکہ حیوان خواہ حیوان سے کتنا ہی ملتا ہو اندرونی اوصاف میں بڑا فرق ہوتا ہے اس لئے یہ غیر جنس میں داخل ہے۔ قرآن مجید میں ہے۔ وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِہٖ (سورہ نحل رکوع اخیر) یعنی اگر بدلہ لو تو اتنا ہی لو جتنی تم تکلیف پہنچائے گئے ہو، نیز قرآن شریف میں ہے وجزاءُ سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا (سورہ شوریٰ رکوع ۴) یعنی برائی کا بدلہ اس کے مثل برائی ہے۔

ان تینوں آیات میں مثل کا لفظ آیا ہے اور اصل مثل وہی ہے جو ہم جنس ہو کیونکہ غیر جنس میں کمی بیشی کی بہت گنجائش ہے نیز جو شے اُس نے اس سے لینی ہے اسی کا حقدار ہے غیر شے میں اس کا کیا حق ہے۔

تیسرا قول

جمہور کہتے ہیں شرعاً اس کو اجازت ہے جس طرح چاہے اپنا حق وصول کرے خواہ حق کی جنس سے کوئی شے ملے یا غیر جنس سے کیونکہ آیتِ کریمہ وان عاقبتم اور آیتِ کریمہ جزاء سیئة سے بدلہ لینا ثابت ہے پس ضروری ہے کہ حدیث لا تخن من خانك استحباب پر محمول ہو اور آیتِ کریمہ ان اللہ یامرکم کا یہ مطلب نہیں کہ اپنا حق نہ لو بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جتنا اس کا بنتا ہے اس کو دیدو۔ سو جو اس کے حق سے زائد ہوگا، وہ بیشک دیدینا چاہیئے، اور آیتِ کریمہ لا تاکلوا اموالکم میں باطل کے ساتھ کھانے میں نہی کی ہے اور اپنا حق وصول کرنا باطل نہیں جیسے تجارت کے ساتھ اور حاکم کے پاس مقدمہ لے جاکر اور ہبہ وغیرہ کی صورت میں باطل نہیں کیونکہ آیتوں اور حدیثوں سے یہ صورتیں ثابت ہیں اور اس طرح اوپر کی دو آیتوں سے بدلہ ثابت ہے اور حنفیہ کا مثل کو ہم جنس میں بند کرنا ٹھیک نہیں۔ کیونکہ احرام کی حالت میں حاجی کسی شکار کو قتل کردے تو اس کی بابت حکم ہے کہ جزاء مثل دے، چنانچہ قرآن مجید میں ہے۔ فجزاءُ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ (پارہ ۷، رکوع ۳) یعنی جو شکار قتل کیا ہے اس کی مثل چار پاؤں سے بدلہ دے مثلاً ہرنی قتل کرے تو بکری دے۔ اگر خرگوش قتل کرے تو بکری کا بچہ دے غرض دو سمجھدار ہوشیار اچھے آدمی جو کچھ فیصلہ کردیں کہ یہ اس کی مثل ہے۔ اس کا دینا حاجی محرم پر لازم ہو جائے گا۔ آگے خواہ اس کو قربانی کی صورت میں مکہ میں بھیج دے یا اسی جگہ اس کی قیمت کا مسکینوں کا کھانا کھلا دے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ مثل عام ہے ہم جنس، غیر ہم جنس سب کو شامل ہے ہاں غیر ہم جنس میں اتنا ضرور کرنا چاہیئے۔ کہ کم سے کم اچھے دو آدمیوں سے قیمت طے کرا لے اس کے بعد جتنا اس کا حق ہے رکھ لے باقی اس شے والے کو واپس کر دے اگر قیمت حق سے زائد نہ ہو تو ساری رکھ لے۔ خلاصہ یہ کہ جمہور کے نزدیک جنس غیر جنس کی کوئی شرط نہیں جس طرح موقعہ لگے اس طرح اپنا حق وصول کرے، امام شافعیؒ کا بھی زیادہ قول مشہور یہی ہے۔

چوتھا قول

ابن حزمؒ کہتے ہیں جب کوئی شے ہاتھ آئے تو اپنا حق وصول کرنا واجب ہے، اگر وصول نہ کرے تو گنہ گار ہو جائے گا۔ ورنہ معاف کر دے ایسا نہ ہونا چاہیئے کہ نہ معاف کرے نہ وصول کرے اگر حق وصول کرنے کی صورت میں صاحب مال نے دعویٰ کر دیا کہ اس نے میری فلاں شے چرا لی یا دبا لی یا جبراً لے لی تو انکار کر دے اگر قسم دی جائے تو قسم کھا لے اور کسی طرح کا فکر نہ کرے کہ میں نے جھوٹ بولا ہے بلکہ اس میں اس کو اجر ہے۔

ابن حزمؒ کہتے ہیں امام شافعیؒ اور ابی سلیمانؒ اور ان دونوں کے شاگردوں کا یہی قول ہے پھر کہا ہے ہمارے نزدیک اگر کوئی دوسرا شخص ظلم کی کوئی شے پا لے، تو اس پر بھی فرض ہے کہ مظلوم تک اس کا حق پہنچانے کی کوشش کرے دلیل اس کی اوپر کی دو آیتیں ہیں جو تیسرے قول کی دلیل ہیں ان کے علاوہ مندرجہ ذیل آیات احادیث بھی دلیل ہیں۔

۱۔ وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ (سورۃ شوریٰ رکوع ۵)

یعنی جو ظلم کے بعد بدلہ لے اس پر مواخذہ کی کوئی سبیل نہیں۔

۲۔ وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ۔

یعنی نیک لوگ وہ ہیں جن پر کوئی سرکشی کرے تو بدلہ لیتے ہیں۔

۳۔ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ (سورۃ بقر رکوع ۲۳)

حرمت والی اشیاء کا بدلہ ہیں۔

۴۔ وَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ

یعنی جو تم پر زیادتی کرے تم بھی اس پر اس کی مثل زیادتی کرو۔

بخاری میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم کسی قوم پر اترو اور وہ تمہیں مہمانی دیں تو لے لو۔ اگر وہ نہ دیں تو تم (بغیر اذن کے) مہمانی کا حق لیلو۔ یہ آئیتیں اور حدیثیں صرف حق کے وصول کرنے کی دلیل ہیں ان سے وجوب ثابت نہیں ہوتا ان سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ خواہ وہ شے حق کی جنس سے ہو یا غیر جنس سے ہو لیلے۔ چنانچہ مہمان کو فرمایا کہ اپنی مہمانی کا حق لیلے۔ کھانا یا نقدی یا جو شے پائے اس سے اپنا حق پورا کر لے۔ اس طرح دوسرے دلائل کو سمجھ لیں، رہی یہ بات کہ اگر نہ لے تو گنہ گار ہو جائے گا۔ سو اس کی ایک دلیل یہ آیت کریمہ ہے، وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (سورۃ مائدہ رکوع اول) یعنی نیکی اور پرہیزگاری پر امداد کرو گناہ اور زیادتی پر امداد نہ کرو۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اپنا حق ضرور وصول کرے۔ یا معاف کر دے اگر دونوں باتوں سے کوئی نہ کرے تو گویا اس نے ظلم پر امداد کی۔ کیونکہ باوجود موقعہ پانے کے اور ظلم سے بچا سکنے کے نہ بچایا۔

دوسری دلیل حدیث من رای منکم منکرا فلیغیرہ الحدیث یعنی جو شخص برا کام دیکھے تو اس کو حسب طاقت بدل دے۔ اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ اپنا حق وصول کرنا ضروری ہے ورنہ گنہ گار ہو جائے گا۔ ابن حزم رحمہ نے حدیث لَا تَخُنْ مَنْ خَانَكَ کے دو جواب دیئے ہیں ایک یہ کہ یہ ضعیف ہے کیونکہ طلق بن غنام، شریک اور قیس بن ربیع سے روایت کرتا ہے اور یہ تینوں ضعیف ہیں دوسرا یہ کہ اپنا حق وصول کرنا خیانت نہیں، ہاں جو شخص اپنے حق سے زیادہ رکھ لے تو یہ خیانت ہے چونکہ لوگ ایسا بہت کرتے ہیں کہ اپنے تھوڑے حق کے مقابلہ میں دوسرے کی جتنی شے ہاتھ لگے دبا لیتے ہیں اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَا تخن من خانک۔ یہ دلائل تو چوتھے قول کے ابن حزم رحمہ نے دیئے ہیں، صاحب سبل السلام کہتے ہیں کہ چوتھے قول کی تائید حدیث اُنْصُرْ اَخَاكَ ظَالِمًا اَوْ مَظْلُومًا سے بھی ہوتی ہے یعنی اپنے بھائی کی امداد کر خواہ ظالم ہو یا مظلوم ظالم کی امداد کی صورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتلائی ہے کہ اس کا ہاتھ پکڑے اور اس کو ظلم سے روکے اور اس کو ظلم سے نکال دے پس حق والے کو چاہیئے کہ اپنا حق وصول کر کے یا معاف کر کے ظالم کو ظلم سے نکال دے ورنہ گناہ گار ہوگا۔ کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ امر وجوب کے لئے ہے خاص کر جب مظلوم کی امداد واجب ہے تو ظالم کی کیوں واجب نہ ہوگی۔ عبداللہ امرتسری روپڑی

حرام کا انتقام حرام طریق سے

سوال :- محمد علی۔ مسماۃ رحیم بی بی زوجہ دین محمد سکنہ باقی پور کو محض اس لئے لے گیا ہے کہ مسمی خیر دین محمد علی کے چچا خوشی محمد کی بیوی اغوا کر کے لے گیا تھا۔ اور دین محمد نے اس کی حمایت کی تھی۔ علاوہ ازیں محمد علی نے دین محمد سے تین صد روپیہ لینا تھا اور وہ دیتا نہیں کیا اس طرح بدلا لینا جائز ہے

جواب :- حقوق تین طرح کے ہیں ایک وہ جو خالص خدا کے لئے ہیں دوم وہ جو خالص بندوں کے لئے ہیں سوم وہ ہیں ــــــــــ جو مرکب ہیں یعنی ان میں خدا کا بھی حق ہے اور بندوں کا بھی ہے پہلے کی مثال توحید، نماز وغیرہ اور دوسرے کی مثال بندے کا قرض وغیرہ تیسرے کی پھر تین قسمیں ہیں، ایک وہ جس میں خدائی حق غالب ہو دوم وہ جس میں بندے کا حق غالب ہو سوم وہ جس میں دونوں برابر ہوں پہلے کی مثال سود وغیرہ، دوسرے کی مثال کسی کا عضو کاٹ دینا اور فقہا حنفیہ نے کسی پر زنا کی تہمت بھی اس میں شمار کی ہے تیسرے کی مثال قتل مومن یہ کل پانچ قسمیں ہوئیں (۱) خالص خدا کا حق (۲) خالص بندے کا حق (۳) مرکب جس میں خدائی حق غالب ہے (۴) مرکب جس میں بندے کا حق غالب ہے (۵) مرکب جس میں دونوں برابر ہیں،

پہلی قسم مشیت الٰہی میں ہے خواہ معاف کرے یا نہ مگر شرک کی بابت اس نے کہہ دیا ہے کہ میں معاف نہیں کروں گا۔ نماز کا ترک بھی چونکہ کفر و شرک ہے اس لئے یہ بھی معاف نہیں کرے گا دوسری قسم بندے کے اختیار میں ہے خواہ چھوڑ دے یا وصول کرے لیکن جیسے خدا اپنے حقوق سے شرک معاف نہیں کرے گا۔ گویا یہ ایسا ہو گیا جیسے شرک کی بابت خدا نے خبر دیدی اس لئے حق العباد کی بابت خبر دیدی صرف فرق اتنا ہے کہ شرک بغیر توبہ دنیا میں بھی معاف نہیں ہوتا۔ حق العباد حق والا چھوڑ دے تو بغیر توبہ یہ بھی معاف ہو جاتا ہے تیسری قسم بھی خدائی مشیت میں ہے خواہ معاف کرے یا نہ چوتھی قسم بندے کے اختیار میں ہے پانچویں قسم دونوں کے اختیار میں ہے جتنے حق بندے کا ہے اتنا حق بندہ معاف کر سکتا ہے جتنا خدا کا ہے خدا معاف کر سکتا ہے مثلاً غلطی سے مومن کو قتل کر دے تو ایک غلام آزاد کرنا پڑتا ہے اگر غلام آزاد کرنے کی توفیق نہ ہو تو پے درپے دو ماہ کے روزے رکھے اور مقتول کے وارثوں کو پوری دیت (سو اونٹ) دینی پڑتی ہے غلام آزاد کرنا یا روزے رکھنا تو خدا کا حصہ ہے اور دیت وارثوں کا حصہ ہے اگر کوئی غلام نہ آزاد کرے نہ روزے رکھے تو یہ خدائی

مشیت میں ہے اور دیت کا معاملہ وارثوں کے سپرد ہے تیسری اور چوتھی قسم میں بعض دفعہ تغیر بھی ہو جاتا ہے مثلاً چوری کا معاملہ حاکم تک نہ پہنچے تو بندے کا حق ہے چاہے معاف کر دے چاہے نہ کرے۔ لیکن حاکم کے پاس پہنچنے کے بعد بندے کو معافی کا حق نہیں ہاں جو مال چرایا ہے اس میں حنفیہ، شافعیہ کا اختلاف ہے اگر وہ شے قائم ہو تو اس صورت میں اختلاف نہیں بلکہ دونوں متفق ہیں کہ وہ شے مالک کو لوٹا دی جائے اگر ہلاک ہو گئی ہو تو حنفیہ کہتے ہیں کہ چور پر اس کی قیمت نہیں پڑتی شافعیہ کہتے ہیں کہ چور پر اس کی قیمت پڑتی ہے اگر چور نے وہ شے کھالی ہو یا اپنے اختیار سے ہلاک کر دی ہو تو اس وقت حنفیہ میں بھی آپس میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ قیمت دینی پڑے گی بعض کہتے ہیں نہیں۔ زنا دوسری قسم سے ہے اس میں بندے کا حق بھی ہے مگر خدائی حق اس میں غالب ہے بندے کا حق اس لئے ہے کہ جس کی بیٹی، بہن، یا بیوی سے زنا ہوتا ہے اس میں اس کی بے عزتی ہے مسند احمد جلد ۵ صفحہ ۲۵۱ میں حدیث ہے۔

ایک جوان نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زنا کی اجازت مانگی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کو ڈانٹا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اپنے نزدیک کر کے فرمایا تو اپنی ماں یا بیٹی یا بہن یا پھوپھی یا خالہ کے لئے پسند کرتا ہے کہا خدا کی قسم نہیں۔ آپ نے فرمایا لوگ بھی پسند نہیں کرتے۔

جس سے آپ کی یہ غرض تھی کہ جس سے تو ایسا فعل کرے گا وہ کسی کی کچھ لگتی ہو گی پس جو بات تو اپنے لئے پسند نہیں کرتا لوگوں کے لئے تو کس طرح پسند کرتا ہے وہ اپنی بات پر نادم ہوا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لئے دعا کی اور فرمایا۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ ذَنْبَہٗ، وَطَهِّرْ قَلْبَہٗ وَ اَحْصِنْ فَرْجَہٗ یعنی اے اللہ! اس کا گناہ معاف کر دے اور اس کا دل بُرے خیالات سے پاک کر دے۔ اور اس کی شرمگاہ کو حرام سے بچا لے۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اس میں بندے کا حق ہے ایک اور حدیث میں ہے جو مشکوٰۃ باب الکبائر میں ہے کہ بہت بڑے کبائر سے یہ ہے کہ تو اپنے ہمسایہ کی بیوی سے زنا کرے۔ اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ اس میں بندے کا حق ہے جس سے اس گناہ میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔ ہمسایہ کا حق چونکہ زیادہ ہے اس لئے عام لوگوں کی بیویوں سے زنا اتنا جرم نہیں جتنا ہمسایہ کی بیوی سے زنا کا ہے اور ظاہر ہے کہ قریبی کا حق ہمسایہ سے زیادہ ہوتا ہے کیونکہ ایک حدیث میں ہے جبرئیل نے مجھے

ہمسایہ کی بابت اتنی وصیت کی کہ میں نے خیال کیا کہ اس کو وارث بنا دے گا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قریبی ہمسایہ سے بڑھ کر ہے کیونکہ قریبی وارث ہوتا ہے۔ ہمسایہ وارث نہیں ہوتا۔ پس قریبی کے ساتھ ایسا فعل ہمسایہ سے بھی زیادہ ہوا مگر باوجود اس کے خدائی حق اس میں غالب ہے اس لئے بندہ اپنی بیوی یا لونڈی سے زنا کی اجازت نہیں دے سکتا۔ اور ایک حدیث میں ہے آپ نے فرمایا میں سعد سے زیادہ غیرت والا ہوں اور خدا مجھ سے زیادہ غیرت والا ہے اور اس لئے اس نے فواحش کو حرام کیا ہے (مشکوٰۃ باب اللعان) ایک حدیث میں ہے کہ خدا کو اس بات کی بڑی غیرت آتی ہے کہ اس کا بندہ یا بندی زنا کی مرتکب ہو۔ (مشکوٰۃ باب صلوٰۃ الخسوف)

پس جب اس میں خدا کا حق غالب ہوا تو خوشی محمد غیر دین سے اس طرح انتقام نہیں لے سکتا کہ اس کی بیوی سے بُرا کرے اور جب خوشی محمد خود نہیں لے سکتا تو اس کا بھتیجا علی محمد کس طرح لے سکتا ہے غرض اپنا حق انسان بے شک وصول کر سکتا ہے مگر جب خدا کی حق تلفی ہو یا کسی دوسرے بھائی کا نقصان غالب ہو۔ تو اس صورت میں اجازت نہیں پس علی محمد نے جو کچھ کیا ہے وہ اگرچہ انتقام کی نیت سے کیا ہے مگر یہ نیت اس کو زنا کی سزا سے رہائی نہیں دے سکتی۔ زنا کی سزا ایک تو رجم ہے وہ تو اس ملک میں مشکل ہے دوسری یہ کہ اس عورت کو اس پر حرام کر دیا جائے اور اس کو اس عورت پر جیسے ایک عورت نے اپنے غلام سے نکاح پڑھ لیا تھا تو حضرت عمرؓ نے اس عورت پر تمام خاوندوں کو حرام کر دیا منتخب کنز العمال جلد ۶ صـ ۴۰۶ اور اختیارات ابن تیمیہؒ صـ ۱۲۷ میں ہے۔ عَنْ عَلِیٍّ اَنَّہٗ فَرَّقَ بَیْنَ رَجُلٍ وَامْرَأَتِہٖ وَقَدْ زَنَا بِھَا قَبْلَ اَنْ یَدْخُلَ بِھَا وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللہِ وَالْحَسَنِ وَالنَّخْعِیِّ اَنَّہٗ یُفَرَّقُ بَیْنَھُمَا۔ انتہیٰ۔ یعنی حضرت علیؓ نے ایک مرد عورت کی (نکاح کے بعد) جدائی کرا دی اور مرد نکاح سے پہلے اس عورت سے بدکاری کر چکا تھا۔ اور جابر بن عبداللہؓ حسن بصریؒ۔ ابراہیم نخعی رحؒ سے بھی مروی ہے کہ دونوں کے درمیان جُدائی کرا دی جائے جب زانی زانیہ کے درمیان نکاح کے بعد بھی جُدائی کا حکم ہے۔ تو پہلے نکاح کی اجازت کس طرح دی جا سکتی ہے ہاں خالص توبہ کے بعد نکاح کی اجازت ہو سکتی ہے مگر رحیم بی بی کا خاوند موجود ہے اس لئے توبہ کے بعد بھی اجازت نہیں۔ پہلے رحیم بی بی اپنے خاوند دین محمد سے فیصلہ کرے پھر نکاح کا نام لے اگر رحیم بی بی خالص توبہ کر کے علی محمد سے بے تعلق ہو چکی ہے تو پھر دین محمد کو رحیم بی بی کے چھوڑنے پر شرح

مجبور نہیں کرتی اگر اس کی نیت آباد کرنے کی ہو تو بے شک آباد کرے اگر آباد کرنے کی نیت نہ ہو تو پھر شرع اس کو چھوڑنے پر مجبور کرتی ہے قرآن مجید میں ہے ولا تمسکوھن ضرارا لتعتدوا۔ یعنی دکھ دینے کے لئے عورتوں کو نہ روک رکھو۔

اگر دین محمد تنگ کرنے سے باز نہ آئے تو بے شک رحیم بی بی کو فسخ کو اختیار ہے جو پنچایت وغیرہ کے ذریعہ سے ہو سکتا ہے۔ اگر رحیم بی بی نے خالص توبہ نہ کی ہو۔ تو اس صورت میں بھی شرع دین محمد کو مجبور کرتی ہے۔ کہ رحیم بی بی کو چھوڑ دے ورنہ دیوث ہوگا۔ جس کی بابت حدیث میں آیا ہے کہ وہ جنت میں نہیں جائے گا، اور قرآن مجید میں ہے وحرم ذالک علی المومنین یعنی مومنوں پر مشرکہ اور زانیہ حرام ہے امام احمدؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔ ہاں اس صورت میں پنچایت کا سارا زور دین محمد پر نہیں بلکہ رحیم بی بی پر ہوگا۔ کیونکہ اصل مجرم وہی ہے اس کو دین محمد سے جدا کر کے توبہ کرانی چاہیئے۔ پھر خالص توبہ کے بعد دین محمد آباد کرے یا چھوڑ دے۔ عبد اللہ امرتسری روپڑی

حقوق والدین کی اہمیت

سوال۔ زید کے دو لڑکے جوان ہیں جن کو زید نے پرورش کرنے کے علاوہ تعلیم سے بھی بہرہ ور کرایا اور بالغ ہونے پر بہت سا روپیہ صرف کر کے ان کی شادیاں کیں، اب دونوں لڑکے زید سے نہایت گستاخی سے پیش آتے ہیں۔ فحش گالیاں دیتے ہیں وہ زید کی جائیداد سے محروم الارث ہونے کے قابل ہیں یا نہیں؟

جواب۔ قرآن مجید میں ہے۔

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا (پارہ ۱۵ رکوع ۳)

خدا نے حکم دیا ہے کہ بجز خدا کسی کی پوجا نہ کرو، اور والدین کے ساتھ احسان کرو، اگر ایک یا دونوں تیرے پاس بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کے سامنے اُف نہ کر اور ان کو اچھی بات کہہ اور شفقت کی وجہ سے ان کے سامنے انکساری کا بازو جھکائے رکھ اور کہہ اے میرے رب ان پر رحم کر جیسے بچپن

میں انہوں نے میری تربیت کی۔

حدیث میں ہے۔

۱۔ اَلْکَبَائِرُ اَلْاِشْرَاکُ بِاللہِ وَ عَقُوْقُ الْوَالِدَیْنِ وَ قَتْلُ النَّفْسِ وَیَمِیْنُ الْغُمُوْسِ رواہ البخاری (مشکوٰۃ باب الکبائر)

کبیرہ گناہ یہ ہیں، خدا کے ساتھ شرک والدین کی نافرمانی کسی کا ناحق خون۔ جھوٹی قسم

۲۔ رغم انفہ رغم انفہ رغم انفہ قِیْلَ مَنْ یَارَسُوْلَ اللہِ! قَالَ مَنْ اَدْرَکَ وَالِدَیْہِ عِنْدَ الْکِبَرِ اَحَدَھُمَا اَوْ کِلَاھُمَا ثُمَّ لَمْ یَدْخُلِ الْجَنَّۃَ (رواہ مسلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ ذلیل ہوگیا۔ ذلیل ہوگیا۔ کہا گیا کون! فرمایا جس کے پاس والدین سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں پھر وہ ان کی خدمت کرکے جنت میں نہیں گیا۔

۳۔ مِنَ الْکَبَائِرِ شَتْمُ الرَّجُلِ وَالِدَیْہِ قَالُوْا یَارَسُوْلَ اللہِ وَھَلْ یَشْتِمُ الرَّجُلُ وَالِدَیْہِ قَالَ نَعَمْ یَسُبُّ اَبَا الرَّجُلِ فَیَسُبُّ اَبَاہُ وَیَسُبُّ اُمَّہٗ متفق علیہ) مشکوٰۃ۔

کبیرہ گناہوں سے ہے کہ انسان اپنے والدین کو گالی دے صحابہؓ نے کہا یارسول اللہ کوئی اپنے والدین کو بھی گالی دیتا ہے فرمایا ہاں جو دوسرے کے باپ کو گالی دیتا ہے وہ اس کے باپ کو گالی دیتا ہے۔ دوسرے کی ماں کو گالی دیتا ہے وہ اس کی ماں کو گالی دیتا ہے تو گویا اس نے خود اپنے والدین کو گالی دی۔

۴۔ ابن ماجہ اور ترمذی میں ہے ایک شخص ابو الدرداءؓ کے پاس آیا اور کہا میری بیوی ہے اور میری ماں کہتی ہے اسے طلاق دیدے ابو درداءؓ نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے فرماتے تھے والدہ جنت کے بہتر دروازوں سے ایک دروازہ ہے مرضی ہو اس دروازہ کی حفاظت کر مرضی ہو ضائع کردے۔

5 ترمذی اور ابوداؤد میں ہے ابن عمرؓ کہتے ہیں میرے نکاح میں عورت تھی میں اس کو دوست رکھتا میرے والد عمرؓ اس کو برا سمجھتے۔ کہا اس کو طلاق دیدے میں نے انکار کیا میرے والد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور اس کا ذکر کیا۔ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو طلاق دیدے۔

۶۔ عَنْ اَبِیْ بَکْرَۃَ قَالَ قَالَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کُلُّ الذُّنُوْبِ یَغْفِرُ اللہُ مِنْھَا مَاشَاءَ اِلَّا عُقُوْقَ الْوَالِدَیْنِ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمام گناہوں سے جو چاہے خدا معاف کر دیتا ہے مگر والدین کی نافرمانی قابلِ معافی نہیں ۔ خدا اس کی سزا دنیا میں ہی مرنے سے پہلے دیتا ہے ۔ اس قسم کی احادیث بہت ہیں جن میں والدین کا حق بڑا بتلایا گیا ہے اور نافرمانی کی صورت میں انسان سخت خطرے میں پڑ جاتا ہے ۔

رہا عاق کرنے کا مسئلہ سو وہ بھی انہی احادیث سے معلوم ہو گیا ۔ کیونکہ جب والدین کا حکم اولاد کے مال اور اہل وعیال پر چل سکتا ہے تو اپنے مال میں والدین کو بطریق اولیٰ ہر طرح کا اختیار ہو گا ۔ مگر اتنی بات ہے کہ زندگی میں صحت کے وقت جس طرح چاہے تصرف کرے خواہ سارا کھالے یا کسی کو دیدے مرض الموت میں تہائی سے زیادہ تصرف کا اختیار نہیں کیونکہ اس وقت مال سے وارثوں کا تعلق ہو جاتا ہے خواہ اولاد ہو یا کوئی اور خواہ نافرمان ہو یا فرمانبردار ہاں وارث کافر ہو تو وہ محروم ہیں ۔ ان کو وراثت نہیں ملتی ۔ عبداللہ امرتسری روپڑی یکم مئی ۱۹۳۹ء ۱۰ ربیع الاول ۱۳۵۸ھ

بیوی اور والدہ

سوال ۔ بیوی کا حق زیادہ ہے یا والدہ کا ؟

جواب ۔ مشکوٰۃ میں ہے ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص آیا اور کہا میری بیوی ہے اور میری ماں مجھے اس کی طلاق کا حکم دیتی ہے ابو الدرداء رضی اللہ عنہ نے اس کو کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ والد جنت کے دروازوں کا بہتر (دروازہ) ہے اب مرضی ہے اس دروازے کی حفاظت کرے یا ضائع کر دے ۔ ترمذی اور ابنِ ماجہ نے روایت کیا ہے ۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ والدین کا حق بیوی سے زیادہ ہے خدا عمل کی توفیق بخشے ۔ آمین

عبداللہ امرتسری روپڑی

والدین اور خدا تعالیٰ کی نافرمانی

سوال ۔ میری والدہ مجھ سے اس لئے ناراض رہتی ہے کہ میں لوگوں کی بُرائیاں بیان نہیں کرتا اور لوگوں کی بلاوجہ باتیں کرنا اور ان کی غیبت کرنا گناہ ہے والدہ صاحبہ کی ناراضگی میں میری نجات

ہو جائے گی۔ محمد اسماعیل بھوانی پور

جواب۔ قرآن مجید میں ہے۔

وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا وَإِن جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ

یعنی ہم نے انسان کو ماں باپ کے ساتھ احسان کی وصیت کی ہے اگر ماں باپ کوشش کریں کہ تو میرے ساتھ کسی شے کو شریک کرے جس پر تیرے پاس کوئی دلیل نہیں تو ان کا کہا نہ مان۔ تمہارا لوٹنا میری طرف ہے پس میں تمہارے اعمال کی خبر دوں گا۔ حدیث میں ہے لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ۔ یعنی خدا کی نافرمانی میں مخلوق کی تابعداری نہیں ہے اس آیت وحدیث سے معلوم ہوا کہ جب ماں باپ گناہ پر آمادہ کریں، تو پھر ان کی کوئی تابعداری نہیں، سعد بن وقاص جب مسلمان ہوئے تو ان کی ماں نے قسم کھائی جب تک سعد اسلام کو نہ چھوڑے نہ میں کچھ کھاؤں پیوں گی نہ سایہ میں بیٹھوں گی یہاں تک کہ اس طرح جان دیدوں گی سعدؓ نے کہا کہ اے ماں! اب تو تیری ایک جان اس طرح نکلے گی اگر سو جانیں ہوں اور ایکی ایکی اس طرح پر نکلے لیکن سعد اسلام سے نہ پھرے گا۔ آخر ماں نے مجبوراً اپنی قسم توڑ دی خدا تعالیٰ نے اس بارہ میں آیت مذکورہ "وصینا الانسان" اتار دی۔

پس آپ بھی خدا کی نافرمانی کی صورت میں ماں کی ناراضگی کی کوئی پرواہ نہ کریں۔ لوگوں کی باتیں چغلی غیبت وغیرہ سب حرام ہیں ماں ناراض ہوتی ہے تو ہونے دو۔ ان باتوں کا پرہیز ضروری ہے نیز ماں کو اتنا دو جتنا اس کے برتنے میں آجائے زیادہ دینے سے وہ گیارہویں وغیرہ میں خرچ کرے گی جو حرام ہے اگر تھوڑا دینے کی صورت میں بھی وہ اپنی ضروریات سے بچا کر گیارہویں وغیرہ میں خرچ کردے تو پھر آپ پر کوئی گناہ نہیں، اس کا گناہ اسی کے ذمہ ہے آپ احسان کا دروازہ بند نہ کریں کیونکہ ماں باپ خواہ مشرک ہوں تو ان کے ساتھ بھی احسان سلوک ضروری ہے۔

عبداللہ امرتسری، روپڑی

امین امانت کو اس کے مالک کے حوالہ کرے یا مظلوم کے

سوال۔ ایک امین کے پاس یکصد روپیہ امانت ہے امین کو معلوم ہے کہ اس نے فلاں آدمی

کا یکصد روپیہ دبایا ہوا ہے امین امانت کا مال مغصوب منہ (جس کا روپیہ دبایا ہوا ہے) کو دے سکتا ہے یا مؤتمن امانت رکھنے والے کو دیوے۔

جواب: حدیث میں ہے۔ عَلَی الْیَدِ مَا اَخَذَتْ حَتّٰی تُؤَدِّیَ۔ رواہ الترمذی وابوداؤد وابن ماجۃ (مشکوٰۃ باب الغصب والعاریۃ) جو کچھ ہاتھ نے لیا ہے وہ اس کے ذمہ ہے یہاں تک کہ ادا کر دے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس راستے کوئی شے آئی ہو اسی راستے ادا ہوتی ہے اس کی بجائے کسی اور کو دے دینا ادائیگی نہیں ہاں ایک صورت ہے وہ یہ کہ جس کا روپیہ اس نے دبایا ہوا ہے وہ پنچایت میں اس پر دعویٰ کرے کہ اتنا روپیہ اس نے میرا دینا ہے اور پنچایت اس کو بلا کر اس سے بیان لے اگر اقرار کر لے تو بہتر ورنہ مدعی اپنی شہادت پیش کرے اگر مدعی شہادت پیش نہ کر سکے تو مدعی علیہ سے قسم لی جائے کہ کیا تو نے اس کا روپیہ نہیں دینا؟ کیا تیرے پاس اس کا کوئی حق نہیں اگر قسم نہ کھائے تو پنچایت اس پر ڈگری کر دے اور اس سے کہے کہ مدعی کا روپیہ ادا کر دے اگر ادا کر دے تو بہتر ورنہ جس سے اس نے لینا ہے اس سے دلوا دے گویا یہ ایسا ہو جائے گا۔ جیسے کسی کی قرقی ہوتی ہے کیونکہ پنچایت کا فیصلہ بحیثیت حاکم ہونے کے ہوگا۔ اور حاکم اس سے جبراً دلوا سکتا ہے خواہ اس کی شے اس کے پاس ہو یا کسی دوسرے کے پاس ہو۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

یتیموں کا بیان

یتیموں سے حق بخشوانا

سوال: زید و بکر حقیقی بھائی ہیں زید فوت ہو گیا۔ اس کی تین لڑکیاں نابالغہ ہیں، برادری نے ان کا ترکہ میں سے حصہ بکر کے پاس بطور امانت رکھا۔ سوال یہ ہے کہ بکر امین لڑکیوں کی امانت سے بلوغت کے بعد بخشوا سکتا ہے یا نہیں؟

جواب: قرآن مجید میں ہے۔ وَابْتَلُوا الْیَتٰمٰی حَتّٰی اِذَا بَلَغُوا النِّکَاحَ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ

رُشْدًا فَادْفَعُوْا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَاْكُلُوْهَا اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا (پارہ ۴، رکوع ۱۲)

یتیموں کی آزمائش کرو، یہاں تک کہ وہ بلوغ کو پہنچ جائیں پس اگر تم ان سے بھلائی معلوم کرو تو ان کے مال ان کے حوالہ کردو، زیادتی سے اور ان کے بڑے ہونے کے خوف سے نہ کھاؤ اور جو غنی ہو وہ بچے جو نقیر ہو وہ عرف کے موافق کھائے پس جب مال ان کے حوالے کردو تو ان پر گواہ کرو، اور کافی ہے اللہ حساب لینے والا،

اس آیت میں کئی ہدائیتیں ہیں۔

۱۔ بلوغ سے پہلے یتیموں کی آزمائش کرتے رہنا چاہیئے۔ تاکہ ان کو نفع و نقصان کا پتہ لگتا رہے اور شے کے رکھنے برتنے کا طریقہ آجائے۔

۲۔ بالغ ہونے کے بعد متصل مال ان کے حوالہ نہ کرو، بلکہ دیکھو جب ان کی حالت تسلّی بخش ہو جائے اور مال کے نفع و نقصان سے پوری طرح واقف ہو جائیں، اور سمجھ لیں کہ یہ مال معاش کا ذریعہ ہیں۔ احتیاط اور حفاظت کی چیز ہیں تو پھر مال ان کے حوالہ کردو،

۳۔ اسراف کرتے ہوئے ان کے بڑے ہونے کے خوف سے پہلے پہلے نہ کھاجاؤ بلکہ غنی بالکل بچے اور فقیر عرف اور دستور کے مطابق کھائے مثلاً قرض لے لے یا کوئی نگرانی یا حفاظت والی شے ہو جیسے باغ، کھیتی مال مویشی تو اپنی محنت مزدوری لیتا رہے غرض ایسی طرز پر کھائے کہ عام دستور اور رواج کے تحت آسکے۔ عام دستور اور رواج کا لحاظ رکھتے ہوئے کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ اس نے یتیم کا مال ظلماً کھالیا ہے۔

۴۔ جب مال ان کے حوالہ کرو تو گواہ کرو تاکہ بعد کو کسی قسم کا جھگڑا پیدا نہ ہو پس اگر بکر نے ان ہدایتوں پر عمل کیا ہے اور اس کے بعد لڑکیوں نے بخش دیا ہے تو کوئی حرج نہیں اور اگر بکر نے ان کی خلاف ورزی کی ہے تو وہ مجرم ہے اس کو چاہیئے۔ کہ اپنے جرم سے توبہ کرے اور جو کچھ نقصان کیا ہے اس کو پورا کرے۔ ورنہ خطرہ ہے کہ اس آیت وعید کے نیچے آجائے جو اس آیت میں ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِىْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا۔ بے شک جو

لوگ یتیموں کے مال ظلم سے کھاتے ہیں سوا اس کے ہنیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ کھاتے ہیں عنقریب وہ جلتی آگ میں داخل ہوں گے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

امارت کا بیان

جاہلیت کی موت

سوال، اگر کوئی فی زمانہ کوئی کسی امام یا امیر سے بغیر بیعت کئے ہوئے مرجائے تو اس کی موت جاہلیت کی ہوگی یا ہنیں؟ اور وہ مسلمان ہے یا ہنیں۔

جواب، اگر امام ہو تو اس کی بیعت ضروری ہے اگر نہ ہو تو دوسری حدیث میں ارشاد ہے۔ فَاعْتَزِلْ تِلْكَ الْفِرَقَ كُلَّهَا وَلَوْ اَنْ تَعَضَّ بِاَصْلِ الشَّجَرَةِ حَتّٰى يُدْرِكَكَ الْمَوْتُ (مشکوٰۃ کتاب الفتن) یعنی ان تمام فرقوں سے الگ ہو جاؤ خواہ تجھے درخت کی جڑ کھانی پڑے یہاں تک کہ تجھے موت آجائے یا لے۔ اس حدیث کا مطلب آج تک بعض یہ سمجھتے ہیں کہ اگر امام نہ ہو تو درخت کی جڑ ضرور کھانی چاہیئے۔ اصل میں یہ لوگ زبان کے محاورہ سے ناواقف ہیں۔ ورنہ ظاہر ہے کہ ایسی کلام سے مبالغہ مقصود ہوتا ہے بلکہ بعض دفعہ ایسے محل پر ناجائز کام کا ذکر بھی ہوتا ہے چنانچہ اس حدیث میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں۔ تَسْمَعُ وَتُطِيْعُ الْاَمِيْرَ وَاِنْ ضُرِبَ ظَهْرُكَ وَاُخِذَ مَالُكَ یعنی امیر کی تابعداری کر خواہ تجھے دُرّے مارے اور تیرا مال چھین لے یعنی امیر خواہ ظلم کرے تیری طرف سے اطاعت ہی ہونی چاہیئے۔ دیکھئے ظلم ناجائز ہے۔ مگر مبالغہ کے لئے اس کا ذکر کر دیا ہے خیر ان بعض حدیثوں کا ذکر تو بطور جملہ معترضہ کے تھا۔ ہمارا مقصد یہ ہے کہ موت جاہلیت کا وعید امام کے موجود ہونے کی صورت میں ہے ورنہ ہنیں۔ اب چونکہ امام ہنیں اس لئے وعید بھی ہنیں۔ اگر کہا جائے کہ سلطان ابن سعود اس وقت امام موجود ہے۔ اس کے ہاتھ پر بیعت ہونی چاہیئے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ بیعت کی ضرورت اس وقت ہے جب امام مطالبہ کرے۔ ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں بھی بہت لوگ ویسے مسلمان ہو جاتے تھے۔ آپ نے ان کو بیعت کے لئے ارشاد ہنیں فرمایا چنانچہ ثمامہ بن اثال کا واقعہ مشکوٰۃ باب حکم الاسراء میں موجود ہے۔ اس نے ویسے ہی کلمہ شہادت پڑھ دیا۔ اس طرح فصل رابع مشکوٰۃ

میں مذکور ہے کہ سہل بن بیضاء کا اسلام آپ نے ویسے ہی قبول فرمالیا۔ اس قسم کے بہتیرے واقعات ہیں، جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہروقت بیعت ضروری نہیں بلکہ مطالبہ کے وقت ہے، ہاں سلطان ابن سعود سے بیعت ہوجاتے تو بہتر ہے تاکہ شک وشبہ سے انسان نکل جائے اگر وہاں پہنچ نہ کرسکے تو شاہ محمد شریف سے کرلے کیونکہ ان کی امارت کو سلطان ابن مسعود نے برقرار رکھا ہے اور ان کے ساتھ بیعت کرنے کو قبول کرلیا ہے جس سے یہ ہندوستان میں نائب کے حکم میں ہوجاتے ہیں مگر اصل بیعت اطاعت ہے اور ہر طرح کی ہمدردی اور معاونت ہے اگر یہ بات نہ ہو تو یہ سلسلہ ہی فضول ہے۔

امام کیلئے شرطِ قرشیت

سوال۔ امام کے لئے شرط قرشیت ضروری ہے یا استحبابی؟ اگر علم وفضل وشجاعت کا ہونا بھی امام کے لئے ضروری امر ہے تو پھر امام پنجاب مولوی محمد شریف صاحب ان اوصاف کے اہل ہیں یا نہیں؟

دین محمد موضع سنانہ ضلع انبالہ

جواب۔ ظاہر حدیث اَلْاَئِمَّۃُ مِنْ قُرَیْشٍ دلالت کرتی ہے کہ شرط قرشیت ہے اور ضروری ہے اور جمہور کا مذہب بھی یہی ہے اور آیت کریمہ ان اللہ اصطفاہ علیکم وزادہ بسطۃ فی العلم والجسم خدا نے طالوت کو تم پر برگزیدہ کیا ہے اور علم وجسم میں اس کو زیادہ کیا ہے، سے معلوم ہوتا ہے کہ تقوی علم فضل اور شجاعت بھی ضروری ہے۔ مگر سوال تو آپ کا خلافت کبریٰ سے متعلق ہے شاہ محمد شریف صاحب کا ذکر بے محل آپ نے کس طرح کردیا؟ شاہ محمد شریف صاحب کی امارت خلافت کبریٰ نہیں۔ بلکہ یہ صغری امارت سے مشابہ ہے کیونکہ یہاں حکومت غیر ہے خلافت کبریٰ یہاں نہیں ہوسکتی۔ امامت دو طرح کی ہے ایک صغریٰ ایک کبریٰ قرشیت جن کے نزدیک شرط ہے، وکبریٰ کے لئے ہے صغریٰ کے لئے کوئی شرط نہیں، کیونکہ حدیثوں میں آیا ہے کہ آپؐ نے غیر قریش کو بھی امیر بنا کر بھیجا چنانچہ ابوموسیٰ اشعری کی حدیث ودیگر احادیث صحاح ستہ وغیرہ میں مشہور ہیں، ہندوستان میں امامت صغریٰ ہے کبریٰ نہیں۔ امامت کبریٰ مستقل حکومت کا نام ہے اس ملک میں مستقل حکومت نہیں ہوسکتی البتہ پنچائتی حکومت ہوسکتی ہے جو ماتحت ہے جو غیر قریشی تجویز کرتے ہیں وہ ماتحت ہونے کی وجہ سے کہتے ہوں گے۔ ہاں غیر قریشی زبردستی مستقل حاکم

بن جائے تو اس کی تابعداری بالاتفاق ضروری ہے کیونکہ حدیث میں ہے اگر ناک، کان کٹا غلام بھی تم پر امیر بنایا جائے تو اس کی تابعداری کرو عبداللہ امرتسری روپڑی

امیر یا مامور کے سوا دوسرے کا وعظ کرنا

سوال ۔ کیا امیر یا مامور کے سوا کسی دوسرے کو وعظ کرنے کی اجازت ہے؟ اس لئے کہ حدیث میں ہے لَا یَقُصُّ اِلَّا اَمِیْرٌ اَوْ مَامُوْرٌ اَوْ مُخْتَالٌ وعظ نہیں کرتا مگر امیر یا مامور یا متکبر صحیح ہے یا نہیں

جواب ۔ اس حدیث کی دو سندیں ہیں، ایک ابوداؤد میں ہے اس میں عبادہ بن عباد ایک راوی ہے اس کی نسبت تقریب میں لکھا ہے صَدُوْقٌ یَہِمُ وافحش ابن حبان فیہ فقال یستحق الترکَ یعنی سچا ہے وہم کرتا ہے اور ابن حبان نے ان پر سخت جرح کی ہے۔ اور کہا ہے کہ یہ ترک کے لائق ہے دوسری سند دارمی میں ہے اس میں عبداللہ بن عامر راوی ہے۔ امام احمد رح۔ ابوزرعہ رح نسائی رح اور بخاری رح وغیرہ سب نے اس کو ضعیف کہا ہے اور ابن حبان کہتے ہیں یُقَلِّبُ الْاَسَانِیْدَ وَالْمُتُوْنَ وَ یَرْفَعُ الْمَرَاسِیْلَ (تہذیب التہذیب جلد ۵) یعنی یہ راوی سندوں اور متون کو الٹ پلٹ کرتا ہے اور مرسل کو مرفوع یعنی مسند کر دیتا ہے گویا یہ عبد بن عباد سے بھی زیادہ ترک کے لائق ہوا پس یہ حدیث صحت کو نہیں پہنچ سکتی۔ ہاں اگر تقریب میں صَدُوْقٌ یَہِمُ کے الفاظ پر نظر کی جائے تو یہ حدیث حسن ہو سکتی ہے مگر ابن حبان رح کی جرح کے ساتھ ملائی جائے تو پھر حسن کے درجے سے بھی گر جاتی ہے بہر صورت یہ حدیث کوئی تسلی بخش چیز نہیں اس کے علاوہ یہ خبر ہے نہی نہیں کیونکہ نہی بنانے کی صورت میں لازم آتا ہے کہ مختال (متکبر) بھی وعظ کے لئے مامور ہو اور جب خبر ہوئی تو حصر حقیقی نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ یہ واقعہ کے خلاف ہے کیونکہ کئی ولعظ نیک نیت وعظ کرتے ہیں نہ وہ امیر ہیں۔ نہ مامور نہ مختال پس یہ حصر اکثری ہوگا۔ یعنی اکثر واعظ اگر امیر یا مور نہ ہوں تو وہ مختال ہوتے ہیں۔ پس اس سے بغیر اذن امیر کے وعظ کی مخالفت نہ نکلی۔ عبداللہ امرتسری روپڑی

یُقَاتَلُ مِنْ وَّرَائِہٖ سے کونسا جہاد مراد ہے۔

سوال ۔ حدیث اَلْاِمَامُ جُنَّۃٌ یُقَاتَلُ مِنْ وَّرَائِہٖ (مشکوٰۃ) امام ڈھال ہے اس کے سہارے

پر جنگ ہوتا ہے اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ کمزور جس کے ہاتھ میں تلوار نہ ہو وہ امام ہونے کے قابل نہیں۔ امامیہ فرقہ اس کا یہ جواب دیتا ہے کہ یہاں قتل حقیقی مراد نہیں بلکہ مجازی مراد ہے جیساکہ حدیث مادبین یدی المصلی میں لفظ فَلْيُقَاتِلْهُ آیا ہے جس سے مراد ہے کیا یہ صحیح ہے؟

جواب۔ اس حدیث میں فَلْيُقَاتِلْهُ کو مدافعت کے معنیٰ میں لینے پر قرینہ موجود ہے چنانچہ اسی حدیث کی بعض روایتوں میں یہ لفظ وارد ہے فَلْيَجْعَلْ يَدَهٗ فِي صَدْرِهٖ وَلْيَدْفَعْهُ (نیل الاوطار جلداول ص۲۵) یعنی گزرنے والی کی چھاتی پر ہاتھ رکھ کر اس کو دھکا دیدے اور حدیث اَلْاِمَامُ جُنَّةٌ میں سیفی جہاد نہ ہونے پر کوئی قرینہ نہیں پس بغیر قرینہ کے حقیقی معنیٰ کس طرح ترک کیا سکتا ہے؟ نیز قتال کے معنیٰ آپسمیں قتل کے ہیں اور دھکا مکی سے بھی کبھی قتل واقعہ ہوجاتا ہے تو یہ قریب قریب حقیقی معنیٰ ہی ہوتے پس جہاد لسان کو اس پر قیاس کرنا درست نہیں۔ عبداللہ امرتسری روپڑی

بیعت اور تقلید

سوال۔ بیعت درحقیقت تقلید کے مترادف ہے چونکہ تقلید بھی ایک شخص کی پیروی اور بیعت بھی ایک شخص کی کی جاتی ہے لہذا یہ ناجائز ہونی چاہیئے۔ دوسرا یہ کہ خلفاء کی بیعت اس لئے تھی کہ وہ حاکم وقت تھے۔ اب کوئی مسلمان حاکم وقت نہیں، لہذا جنگی بیعت جائز نہیں ہے تیسرا ہر جنگ میں بھی بیعت نہ کرتے تھے۔ چونکہ صلح حدیبیہ سے پہلے جتنے مسلمان جنگ میں شریک ہوتے تھے کوئی بیعت نہ تھی۔ اس لئے جنگ کی بیعت بھی ضروری نہ ہوئی۔ شاہ ولی اللہ نے جو اپنی کتاب قول الجمیل میں تحریر فرمایا ہے کہ بعض عورت اور مردوں نے مختلف مقامات پر مختلف مقاصد مندرجہ ذیل پر بیعت کی۔ میدان جنگ میں ثابت قدمی پر، غیر اللہ سے سوال کرنے پر، نوحہ نہ کرنے پر۔ مگر یہ باتیں بہوت سے پہلے بھی حرام تھیں

جواب۔ بیعت کو تقلید کے مترادف کہنا غلطی ہے آپ نے مترادف کہنے کی وجہ یہ بتلائی ہے کہ جیسے تقلید ایک شخص کی پیروی ہے اسی طرح بیعت بھی ایک شخص کی پیروی ہے مگر آپ نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ جب کسی کو امیر بناتے ہیں تو اس وقت بھی ایک ہی شخص (امیر) کی پیروی ہوتی ہے تو کیا امارت کا تسلیم کرنا بھی ناجائز ہے اصل میں تقلید کہتے ہیں کسی کے قول کو بغیر

دلیل کے یا بغیر دلیل کے یا بغیر معرفت دلیل کے حجت شرعی سمجھنا اور بیعت میں یہ بات نہیں کیونکہ بیعت امراء کی ہوتی ہے مگر ان کی اتباع تقلید نہیں. ہاں پیری مریدی کی بیعت مروجہ کو تقلید کہا جائے تو یہ ایک طرح سے صحیح ہے مطلقاً تقلید کہنا غلط ہے. ایک غلطی آپ نے یہ بھی کی ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب کی عبارت میں سوال نہ کرنے پر بیعت کا ذکر ہے اس کے متعلق آپ نے اپنے خیال کا اظہار کیا ہے کہ غیر اللہ سے سوال منع ہے حالانکہ کوڑا گر جائے تو اس کے لئے سوال منع نہیں مگر چونکہ صحابی رضؓ نے مطلقاً سوال نہ کرنے پر بیعت کی تھی اس لئے وہ کوڑے تک کا بھی سوال نہ کرتے بلکہ خود اتر کر پکڑتے ہاں یہ کہنا آپ کا صحیح ہے کہ بیعت ضروری نہیں.
عبداللہ امرتسری روپڑی

ہندوستان سے ہجرت

سوال :- ہندوستان میں انگریزی راج ہے یہاں ہزاروں احکام شرعی بوجہ سرکار متروک ہو رہے ہیں کوئی شخص نہ پابندی کر سکتا ہے نہ کرا سکتا ہے اب جو شخص امام ابن سعود کے حق ہوتے ہوئے اس کی جائز بیعت نہ کرے کیا وہ جاہلیت کی موت نہ مرے گا۔

جواب :- احکام دو طرح کے ہیں ایک حکومت سے تعلق رکھتے ہیں، ایک انفرادی جن کا حکومت سے تعلق نہیں. پہلی قسم کے ہم مکلف نہیں جیسے حدود وغیرہ دوسری قسم کے ہم ہندوستان میں ادا کر سکتے ہیں، جیسے نماز روزہ وغیرہ بلکہ بہت سے جماعتی کام بھی کر سکتے ہیں، جن سے حکومت تعرض نہیں کرتی، اس لئے ہجرت فرض نہیں، جو صحابہ رضؓ حبشہ گئے تھے. وہ سولہ سال حبشہ میں رہے رسول اللہ علیہ وسلم کے ہجرت کرنے کے بعد بھی چھ سات سال وہاں رہے اس طرح ہندوستان کو سمجھ لیں ہاں اگر ابن سعود مطالبہ کرے تو اس صورت میں فرض ہو سکتی ہے، اور بیعت بھی مطالبہ کی صورت میں فرض ہوتی ہے.
عبداللہ امرتسری روپڑی

مسلم فاجر کی امارت

سوال :- کیا مسلم فاجر کی امارت بہتر ہے یا کافر مشرک کی حکومت؟

جواب :- مسلم فاجر کی امارت کافر مشرک کی حکومت سے بہتر ہے کیونکہ وہ دارالاسلام ہے

ہاں دین کا خطرہ ہو تو کفر کے ملک میں جا سکتا ہے جیسے غزنوی خاندان نے غزنی سے ہجرت کی۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

بغیر امارت کے زندگی گزارنا

سوال: کیا اسلام میں انفرادی زندگی بلا سردار و امام کے گزارنا اس کا ثبوت ہے یا نہیں حالانکہ حدیث میں ہے۔ لَا یَحِلُّ لِثَلَاثَۃٍ یَکُوْنُ فِیْ فَلَاۃٍ مِنَ الْاَرْضِ اِلَّا اَمَّرُوْا عَلَیْہِمْ اَحَدَھُمْ رواہ احمد کذا فی المنتقی

جواب: صحاح ستہ میں یہ حدیث موجود ہے کہ اگر مسلمانوں کا امام نہ ہو تو فَاعْتَزِلْ تِلْکَ الْفِرَقَ کُلَّھَا، ہاں جن باتوں میں ہم امیر مقرر کر سکتے ہیں۔ ان میں کسی کو امیر کو مقرر کر کے منتقی والی حدیث پر عمل ہو سکتا ہے پس ایسا کرنا چاہیئے چنانچہ جمعیت تنظیم اہلحدیث نے کہا ہے ان سے مل جانا چاہیئے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

مکہ مکرمہ میں حضور کا امام وقت ہونا

سوال: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ شریف میں تشریف فرما تھے تو آپ امام وقت تھے۔ یا نہیں اگر تھے تو آپ وہاں حکومت سیاسی کرتے تھے یا نہیں؟ اگر دوسری شق تسلیم ہے تو امام وقت کے لئے ابتداء سیاست ضروری ہے یا نہیں؟

ابو محمد عبدالجبار

جواب: امام وقت سے مراد اگر بادشاہ وقت ہے تو آپ بادشاہ وقت نہ تھے۔ کیونکہ وہاں سیاست نہ تھی۔ شاہ ولی اللہ مرحوم نے ازالۃ الخفاء میں لکھا ہے کہ خلیفہ کے لئے سیاست کا ہونا لازمی ہے بے سیاست خلیفہ نتواں شد۔ اگر امام وقت سے مراد نبی اور ہادی ہے تو بے شک آپ مکہ میں ہادی برحق تھے مگر اس سے حکومت لازم نہیں آتی آیۃ کریمہ وَقَالَ لَھُمْ نَبِیُّھُمْ اِنَّ اللّٰہَ قَدْ بَعَثَ لَکُمْ طَالُوْتَ مَلِکًا اس آیت میں نبی الگ ہے اور بادشاہ الگ ہے گویا نبی بادشاہ پہلے بھی تھا اور بعد میں بھی رہا لیکن سیاست کا وہ کام نہیں کرتا تھا۔

عبداللہ امرتسری روپڑی ۲۷ مارچ ۱۹۲۳ء

معاویہ رضؓ کے جسم سے قتل کی بو

سوال:۔ کیا یہ صحیح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تیرے بدن سے مجھے قتل اہلبیت کی بُو آتی ہے؟

جواب:۔ یہ روایت بالکل بے ثبوت ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

معاویہؓ کا علیؓ کو گالی دینا

سوال:۔ مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۷۸ میں مذکور ہے۔ اَمَرَ مُعَاوِیَۃُ سَعْدًا فَقَالَ مَا مَنَعَکَ اَنْ تَسُبَّ اَبَا التُّرَابِ۔ الحدیث۔ اس حدیث کے ظاہری الفاظ سے واضح ہے کہ حضرت معاویہ رضؓ حضرت حیدر رضؓ کو سب وشتم کیا کرتے تھے اور مسلم جلد ۲ ص۳۱۰ صحابہ کی سب وشتم پر تحریم باب باندھ کر اس فعل قبیح کی حرمت واضح کی ہے اور پر حضرت معاویہ رضؓ اس کے مرتکب ہو رہے ہیں تو حضرت معاویہ کے متعلق کیا فتویٰ ہوگا۔

(ب) مذکورہ الصدر حدیث کی شرح میں علامہ نووی رحؒ نے دو قول نقل کئے ہیں۔

اوّل:۔ کہ حضرت معاویہ رضؓ کی نیت سعد کو مخاطب سے گالی نکلوانے کی نہ تھی۔ بلکہ مقصود استفسار امتناع عن السب تھا۔

دوم۔ تسبّ کے معنی گالی گلوچ نہیں بلکہ تقاطع وطعن اور حضرت علی رضؓ کے طریق کار کی مذمت وغیرہ ہیں۔

تاویل اوّل کے متعلق یہ اعتراض واقع ہوتا ہے کہ لفظ امر جو اس لفظ میں مذکور ہے وہ اس امر کا مقتضی ہے کہ اس تخاطب سے مراد حضرت معاویہ رضؓ کی گالی کی ترغیب تھی نہ کہ محض استفسار۔

تاویل دوم کی تغلیط کے لئے ہر دو حضرات معاویہ رضؓ و علی رضؓ کی باہمی مناقشت جو جنگ تک پہنچ چکی تھی۔ کافی معلوم کی جاتی ہے ان شکوک کا ازالہ فرمائیں یا کوئی توجیہ اس حدیث کی تحریر فرمائیں۔

جواب:۔ امام نووی رحؒ کا پہلا جواب بالکل صحیح ہے آپ نے امام نووی رحؒ کے مطلب

پر غور نہیں کیا. بے شک امر کا لفظ ہے مگر جن الفاظ کے ساتھ امر ہے. وہ یہی مَامَنَعَكَ اَنْ لَّاتَسُبَّ اَبَا التُّرَاب" ہیں. ان ہی کو راوی نے امر قرار دیا ہے. چنانچہ فقال کی فا (تفسیریہ) سے ظاہر ہے اور ان الفاظ میں امر کی تصریح نہیں. ہاں ظاہر اس سے مفہوم ہوتا ہے کہ معاویہ رض یہ چاہتے تھے، مگر دوسرے دلائل کی وجہ سے ایسی کلام کی تاویل ہو سکتی ہے. چنانچہ امام نووی رح نے کر دی ہے. رہی یہ بات کہ وہ دلائل کون سے ہیں. سو اول تو وہ صحابی رض ہیں اور اور صحابہ رض پر ہمیں نیک گمان رکھنا چاہیئے. دوم معاویہ رض کے متعلق بعض روایات آئی ہیں جن سے معاویہ رض کی فضیلت نکلتی ہے چنانچہ ایک روایت ترمذی میں ہے جس کو ترمذی نے حسن کہا ہے. اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ هَادِيًا وَّمَهْدِيًّا- اس کے علاوہ اگر امر کو اَمَّرَ میم کی تشدید کے ساتھ سمجھ لیا جائے تو پھر امام نووی کی توجیہ بالکل واضح ہے اس صورت میں حدیث کا یہ مطلب ہو گا. کہ حضرت معاویہ رض نے حضرت سعد کو امیر بنایا پھر اس خیال سے کہ میں نے ان کو یہ منصب دیا ہے حضرت علی رض کی نسبت ان کا خیال معلوم کرنا چاہا. پس الفاظ مذکورہ کے ساتھ سوال کیا یہ مطلب بالکل واضح ہے صرف اتنی بات ہے کہ سعد رض کے حالات میں حافظ ابن حجر رح نے لکھا ہے کہ فتنوں سے علیحدہ رہے ہیں مگر ہو سکتا ہے کہ حضرت علی رض کے وقت علیحدہ رہے ہوں، جب حضرت علی رض فوت ہوئے اور معاویہ رض کی خلافت صحیح ہو گئی تو اس وقت امیر بن گئے ہوں بہر صورت اس توجیہ میں کوئی سقم نہیں. وللہ الحمد.

امام نووی رح کی دوسری توجیہ بھی صحیح ہو سکتی ہے کہ "سبّ" (برا کہنے) سے اجتہادی غلطی کی طرف نسبت کرنا مراد ہو رہی مناقشت جو جنگ تک پہنچ چکی تھی، حالانکہ دونوں قطعاً جنتی ہیں. بلکہ اعلیٰ درجات پر فائز ہیں، ان کی مناقشت کو کسی صورت نفسانیت پر حمل نہیں کیا جا سکتا حضرت عائشہ رض کے ساتھ طلحہ رض اور زبیر رض ایسے بڑے بڑے صحابہ رض تھے جن کے حق میں حضرت علی رض کہا کرتے تھے کہ جنتیوں کے حق میں خود خدا تعالیٰ فرماتا ہے. وَنَزَعْنَا مَافِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ (ہم جنتیوں کے دل سے کینہ نکال دیں گے. مجھے امید ہے کہ میں ہوں گا اور طلحہ رض اور زبیر رض وغیرہ ہوں گے اور حضرت علی رض کے ساتھ عمار بن یاسر رض تھے وہ لوگوں کو کہتے کہ عائشہ رض دنیا میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی ہیں اور آخرت میں بھی. لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعے تمہیں آزمایا کہ تم کس کا ساتھ دیتے ہو عائشہ رض کا یا علی رض کا —— غرض مناقشت جنگ تک پہنچنے سے یہ نہیں نکلتا کہ ضرور نفس پرستی

اور دنیا کی جاہ و جلال کی طلب ہی اس کا باعث ہو بلکہ صحابہ رضؓ کے دوسرے حالات پر بھی غور کرنا پڑتا ہے بلکہ محض صحابی رضؓ ہونا ہی بہت بڑا درجہ ہے صرف اسی پر نظر کی جائے تو ان پر بدظنی مشکل ہوجاتی ہے اور آخر کہنا پڑتا ہے کہ اگر کوئی قصور ہو بھی گیا تو معاف ہے کیونکہ ان کے محاسن ان کے قصوروں پر غالب تھے۔ اور معاویہ رضؓ بالاتفاق صحابہ رضؓ کو گالی نہ دو اس سے عمر بن عبدالعزیز رحؒ تابعی جن کو عدل وانصاف اور تقویٰ و پرہیزگاری میں عمر ثانی کہا جاتا ہے یعنی حضرت عمر رضؓ فاروق سے مشابہت دی جاتی ہے انہوں نے معاویہ رضؓ کے بُرا کہنے والے کو تین کوڑے مارے۔ حالانکہ انہوں نے اپنی خلافت میں کسی کو کوڑے نہیں مارے۔ (استیعاب ابن عبدالبر جلد ۲، صد ۴۰۳) خلاصہ یہ کہ جب خدا تعالیٰ نے ہماری تلواروں کو ان کے خون سے سلامت رکھا تو خواہ مخواہ اپنی زبانوں کو ان کی بُرائی بیان کرنے سے کیوں آلودہ کریں۔ بلکہ ان پر حسن ظن رکھتے ہوئے ہر طرح سے ان کی طرف سے مدافعت کرنی چاہیئے۔ جیسے معانی و بیان کی کتابوں میں لکھا ہے کہ اگر کوئی موحد اَنْبَتَ الرَّبِيعُ الْبَقْلَ موسم بہار نے سبزہ اگایا۔ کہے تو اس کو مشرک دہریہ نہ سمجھنا چاہیئے۔ بلکہ اس کے موحد ہونے کی طرف نظر کرتے ہوئے اس قول کا یہ مطلب بیان کرنا چاہیئے۔ کہ اگانے والا تو در حقیقت خدا ہے۔ صرف ظاہری طور پر چونکہ خدا نے موسم بہار کو سبب بنایا ہے اس لئے مجازاً سبب کی طرف اگانے کی نسبت کردی۔ جیسے کہتے ہیں۔ بادشاہ بادشاہ سے لڑتا ہے حالانکہ لڑنے والی فوج ہوتی ہے مگر چونکہ وہ بادشاہ کے حکم سے لڑتی ہے اس لئے مجازاً بادشاہ کی طرف نسبت کردیتے ہیں) ٹھیک اسی طرح صحابہ رضؓ کے حق میں اس قسم کی عبارت آئے تو ان کی صحابیت اور دیگر فضائل پر نظر کرتے ہوئے اس عبارت کا کوئی مناسب مطلب لے لینا چاہیئے۔ چنانچہ امام نووی رحؒ نے مسلم کی حدیث مذکور میں اسی اصول پر عمل کر کے دو مطلب بیان کئے ہیں۔ جن کی تفصیل اوپر بیان ہوچکی ہے اور ایک تیسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت علی رضؓ کے حق میں معاویہ رضؓ کا پہلے یہی خیال ہو کہ وہ اچھے نہیں۔ مگر جب سعد رضؓ نے حضرت علی رضؓ کے فضائل سُنائے جو اس حدیث سے مسلم میں ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت علی رضؓ خدا اور رسول کے محب ہیں۔ اور بمنزلہ ہارون ؑ کے ہیں مگر نبی نہیں وغیرہ) تو پھر معاویہ رضؓ نے بات کو نہیں دہرایا اور پہلا خیال پلٹ گیا۔ بس اس بنا پر بھی معاویہ رضؓ پر کوئی اعتراض نہیں۔ وللہ الحمد

علیؓ اور معاویہ رضؓ کے مابین نزاع کا باعث

سوال ۔ اس نزاع کا جو جنگ حضرت علی رضؓ و معاویہ رضؓ کا موجب ہوا اصلی باعث کیا حضرت معاویہ رضؓ کی اجتہادی غلطی تھی یا ذاتی عناد اور طلب وجاہت وغیرہ؟

جواب ۔ نزاع کا باعث اجتہادی غلطی ہے معاویہ رضؓ کا خیال تھا کہ حضرت علی رضؓ کو سیاست نہیں آتی۔ چنانچہ استیعاب ابن عبدالبر جلد ۳ صـ ۴۰۳ میں مذکور ہے۔

معاویہ رضؓ کا پسر خود یزید کو خلیفہ بنایا

سوال ۔ حضرت معاویہ رضؓ نے استخلاف (پسر خود یزید) میں کیا انصاف سے کام لیا؟ اور حضرت معاویہ رضؓ جب یزید کو خلیفہ بنایا تھا کیا وہ اس وقت متدین تھا۔ یا بے نماز وغیرہ اور ان پر دو صورتوں میں کیا اہلبیت پر یزید کو ترجیح دینا صحیح تھا؟ عبدالرحیم اشرف ویرووال

جواب ۔ یزید کو خلیفہ بنانا انصاف کے خلاف ہے مگر غالباً اس کی وجہ بھی وہی معلوم ہوتی جو خود کو حضرت علی رضؓ پر ترجیح دینے کی وجہ تھی اور یزید کا بے نماز ہونا پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچا۔ اور معاویہ رضؓ کی حیات میں دوسرے عیبوں میں مبتلا ہونا بھی بعید ہے ہاں پوشیدہ کسی وقت کسی بات کا ارتکاب کیا ہو۔ تو بعید نہیں ورنہ علانیہ حدود شرعی کو نہیں توڑ سکتا تھا کیونکہ معاویہ رضؓ مسور رضؓ کے پاس گناہوں کے مذاکرہ کے ضمن میں خدا کے ہاں مغفرت کی اُمید کا بڑا ذریعہ اقامت حدود وغیرہ ہی پیش کیا ہے جس سے مسور رضؓ صحابی اتنے متاثر ہوئے کہ جب معاویہ رضؓ کا ذکر آتا تو معاویہ رضؓ کے لئے خیر کی دعا کرتے۔ (استیعاب ابن عبدالبر جلد ۳ صـ ۴۰۲)

بھلا جو شخص اقامت حدود وغیرہ کا اتنا اہتمام کرے کہ یہی ذریعہ نجات سمجھے اس کے گھر میں کھلم کھلا ایسے جرائم کا ارتکاب کیونکر تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ جن میں برملا شریعت کی توہین ہو۔ حاشا و کلا۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

خلافت علیؓ اور شیعہ کا استدلال

سوال ر ایک حدیث مسند احمد سے صاحب تذکیر الاخوان نے نقل کی ہے اس سے بعض شیعہ خلافتِ اوّل حق ہونے حضرت علی رضؓ پر استدلال کرتے ہیں۔ اس کے متعلق آپ روایۃً ودرایۃً توضیح فرمایئں۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

عن علی قال قیل یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ نُؤَمِّرُ بَعْدَكَ قَالَ إِنْ تُؤَمِّرُوا اَبَا بَكْرٍ تَجِدُوْهُ قَوِيًّا اَمِيْنًا زَاهِدًا فِي الدُّنْيَا رَاغِبًا فِي الْاٰخِرَةِ وَاِنْ تُؤَمِّرُوا عُمَرَ تَجِدُوْهُ قَوِيًّا اَمِيْنًا لَا يَخَافُ فِي اللّٰهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ وَاِنْ تُؤَمِّرُوا عَلِيًّا وَلَا اَرَاكُمْ فَاعِلِيْنَ تَجِدُوْهُ هَادِيًا مَهْدِيًّا يَأْخُذُ بِكُمُ الطَّرِيْقَ الْمُسْتَقِيْمَ۔ الحدیث

کہا گیا یا رسول اللہ! آپ کے بعد ہم کس کو امیر بنایئں۔ فرمایا اگر ابوبکر رضؓ کو امیر بناؤ تو اس کو امین زاہد دنیا میں اور آخرت میں رغبت کرنے والا پاؤ گے۔ اگر عمر رضؓ کو امیر بناؤ تو اس کو طاقتور امین پاؤ گے جو اللہ کے بارہ میں کسی ملامت سے نہ ڈرتا ہوگا۔ اور اگر علی رضؓ کو امیر بناؤ میں تم کو یہ کرتے نہیں دیکھتا۔ تم اس کو ہدایت دہندہ اور ہدایت یافتہ پاؤ گے وہ تمہیں سیدھے راستے لے چلے گا۔ یہ حدیث صریح بتا رہی ہے کہ حضرت علی رضؓ طریق مستقیم پر تھے۔ اور ایسا ہی شخص خلیفہ ہو سکتا ہے۔ جو لوگوں کو طریق مستقیم پر چلائے۔ کیونکہ خلافت سے مقصود طریق مستقیم پر چلنا اور چلانا ہے۔ یہ وصف شیخین میں آپ نے ذکر نہیں کیا۔ لہٰذا حق اولیٰ خلافت کا حضرت علی رضؓ کا تھا۔

جواب ر حضرت علیؓ خلافت چاہتے تھے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے قریب عباس رضؓ نے حضرت علیؓ کو کہا چلو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فیصلہ کرا لیں کہ آپ کے بعد کون امارت کا مستحق ہے اگر ہم ہوں تو بہتر ورنہ جو ہو ہمارے حق میں اس کو وصیت کر دیں۔ تو حضرت علی رضؓ نے کہا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امارت کسی اور کے حوالے کر دی تو لوگ ہمیں نہیں دیں گے اس سے حضرت علی رضؓ کا مقصود یہ تھا کہ امر مبہم رہے گا، تو کسی وقت کامیابی کی امید ہے اس طرح حضرت عمر رضؓ نے جب وفات کے بعد چھ شخصوں کو اس کام کے لئے منتخب کر دیا تھا، جن میں حضرت علی رضؓ بھی تھے تو حضرت علی رضؓ کو چونکہ خلافت کا کچھ خیال تھا اس لئے انہوں نے حضرت علی رضؓ کو خلیفہ نہیں بنایا اور عموماً جو شخص حکومت چاہتا ہے اس کا مستقیم رہنا مشکل ہے اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ تمہیں مستقیم رستہ پہ چلائے گا تاکہ حضرت علی رضؓ کی خواہش دیکھ

کہ کوئی معاذ اللہ یہ خیال نہ کرے کہ عدالت نہیں کریں گے ہاں یہ بات ضرور ہے کہ جو خواہش کرے اس کو لوگ امیر کم بناتے ہیں چنانچہ آپؐ نے اشارہ کر دیا کیونکہ خواہش نہ کرنے والا اس پر مقدم ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شیخین میں یہ خواہش نہ تھی۔ اور جو کچھ انہوں نے آپؐ کے بعد کوشش کی۔ مقصود اس سے فتنہ کا فرو کرنا تھا۔ اگر شیخین انتظام نہ کرتے تو خدا جانے کتنے امارت کے دعویدار بنتے اور کتنے خون ہوتے۔ چنانچہ انصار کے صلاح مشورے ہو رہے تھے۔ اگر حضرت ابوبکرؓ میں خواہش ہوتی تو اس حدیث میں حضرت ابوبکرؓ نے جب حضرت عمرؓ کے ہاتھ پر بیعت کرنی چاہی تھی۔ تو اس بات کو غنیمت سمجھتے اور چونکہ حضرت علیؓ میں خواہش تھی اس لیئے ان کو اس مشورہ میں شریک نہ کرنے کا رنج گزرا چنانچہ حضرت ابوبکرؓ جب ان کی صلح ہوئی تو انہوں نے اس رنج کا اظہار کیا۔ ملاحظہ ہو تاریخ الخلفاء وغیرہ۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

اَلْاَئِمَّۃُ مِنْ قُرَیْشٍ

سوال: الائمۃ من قریش حدیث کا صحیح مطلب کیا ہے کیا قریشی کے بغیر دوسرا امام نہیں بن سکتا؟

جواب: الائمۃ مِن قُرَیْشٍ یعنی امام قریش سے ہیں یہ جملہ خبریہ ہے اگر اس سے مراد حکم ہو۔ تو پھر قریشی کی شرط ہوگی اور اگر خبر ہو تو اس میں کئی احتمال ہیں۔

۱۔ کمال کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے جیسے بعض روائتوں میں اَلْاَذَانُ فِی الْحَبْشَۃِ وغیرہ آیا ہے۔ لیکن اس صورت میں یہ بعض افراد کے لحاظ سے مقام مدح میں ہوگا۔ کیونکہ اذان حبشہ بلال رضؓ کی تعریف ہے اس طرح ائمہ قریش میں ہونے سے مقصود ابوبکرؓ و عمرؓ ہوں گے۔

۲۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ دوسروں سے وہ امامت کے زیادہ مستحق ہیں۔ ان کو اس میں مقدم رکھنا چاہیئے۔ اور یہ مطلب نہیں کہ اگر کوئی دوسرا امام ہو جائے تو اس کی امامت صحیح نہیں اس کی مثال ایسی ہے جیسے امامت نماز میں ماہر قرآن کو مقدم کرنے کا حکم ہے لیکن اگر اعلم بالسنۃ آگے ہو جائے تو نماز درست ہے۔ ٹھیک اسی طرح امامت کبریٰ امامت مستقل ہے اور حدیث اِنْ اُمِّرَ عَلَیْکُمْ عَبْدٌ مجدع اس کی مؤید ہے۔ ایک حدیث میں ہے قَدِّمُوا قُرَیْشًا وَلَا تُقَدِّمُوْھَا وَتَعَلَّمُوا مِنْهَا وَلَا تُعَالِمُوْهَا او تعلموها۔ یعنی قریش کو آگے کرو۔ اور ان سے آگے نہ ہو اور ان کو معلم

بناؤ اور ان کے معلم نہ بنو اور ایک حدیث میں ہے قریش کو فرمایا۔ اَنْتُمْ اَوْلَى النَّاسِ بِهٰذَا الْاَمْرِ مَا كُنْتُمْ تَبَعُ الحق یعنی تم اور لوگوں سے اس امر (امامتِ کبریٰ) کے زیادہ لائق ہو جب تک حق کے تابع رہو۔ ان دونوں حدیثوں کا مطلب بھی یہی ہو گا کہ وہ زیادہ مستحق ہیں چنانچہ دوسری حدیث میں اولی الناس کے لفظ سے ظاہر ہے

تیسرا احتمال یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود اس حدیث سے اس امر کی خبر دینا ہے کہ کہ قریش میں امامتِ کبریٰ رہے گی یعنی یہ بطور پیشگوئی واقع ہے یہ حدیث مختلف الفاظ سے آئی ہے۔ ایک حدیث میں ہے۔ لَا يَزَالُ هٰذَا الْاَمْرُ فِي قُرَيْشٍ مَا بَقِيَ مِنْهُمُ اثْنَانِ۔ یعنی امامتِ کبریٰ قریش میں رہیگی جب تک ان سے دو میں اور ایک روایت میں ہے مابقی من الناس اثنان اور ایک روایت میں ہے بقی فی الناس اثنان جبتک ان لوگوں میں سے رہیں، یا لوگوں میں سے دو رہیں اور ایک حدیث میں ہے۔ لَا يَزَالُ هٰذَا الدِّيْنُ وَاصِبًا مَا بَقِيَ مِنْ قُرَيْشٍ عِشْرُوْنَ رَجُلًا یعنی ہمیشہ یہ دین قائم رہے گا۔ جب تک قریش میں بیس آدمی رہیں۔ اور ایک حدیث میں ہے ان ھذا الامر فی قریش لا یعادیھم احد الا اکبہ اللہ علیٰ وَجْهِهٖ مَا اَقَامُوا الدِّيْنَ۔ یعنی امامتِ کبریٰ قریش میں ہے کوئی ان سے دشمنی نہیں کرے گا۔ مگر اس کو خدا اوندھا کرے گا، جب تک دین کو قائم رکھیں۔ یہ تمام الفاظ بخاری مع فتح الباری کتاب الاحکام جزء ۲۹ میں موجود ہیں ان سب کا مطلب یہی ہے کہ امامتِ کبریٰ قریش میں رہے گی کوئی ان کا مقابلہ نہیں کر سکے گا۔ بشرطیکہ یہ اقامت دین کریں، لیکن اس پر شبہ ہوتا ہے کہ ان احادیث میں دو کا لفظ بھی آیا ہے کیا قریش میں دو بھی دیندار نہیں کیونکہ اب ان میں امامتِ کبریٰ نظر نہیں آتی اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں اقامت دین کی شرط ہے اور اقامتِ دین سے مراد یہ ہے کہ وہ اس خاطر امامتِ کبریٰ کا بار اٹھائیں۔ اب چونکہ اقامتِ دین کے لئے امامتِ کبری کا بار اٹھانے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ اس لئے ان میں امامتِ کبریٰ نہیں رہی۔ اگر کوئی اب بھی اس جوئے کو اپنے کندھے پر اٹھالے تو خدا اس کی امداد کرے گا۔ اور یہ پیشگوئی اس کے حق میں ضرور پوری ہو گی اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ خلافت علی منہاج النبوت قریش میں رہے گی جب قریش نے خلافت منہاج النبوت کو ترک کر دیا تو ان سے امامت جاتی رہی اور اس کی تائید طبرانی کی ایک مرفوع حدیث سے بھی ہوتی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کان الملکُ قبل قریش فی حِمْيَرَ وَسَيَعُوْدُ اِلَيْهِمْ یعنی قریش سے پہلے حکومت حمیر (یمن میں ایک قبیلہ) میں تھی اور انہی کی طرف لوٹے گی (فتح الباری مناقب قریش جزء ۱۴)

اور بخاری باب تغیر الزمان میں ہے۔ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰی یَخْرُجَ رَجُلٌ مِنْ قَحْطَانَ یَسُوْقُ النَّاسَ بِعَصَاہُ یعنی قیامت نہیں ہوگی یہاں تک کہ ایک شخص قحطان سے نکلے۔ جو لوگوں کو لاٹھی سے ہانکے یعنی بادشاہ بن جائے بعض نے اس شبہ سے بچنے کے لیے اس کو پیش گوئی کی صورت میں نہیں لیا۔ بلکہ وہ اس کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں، کہ قریش بشرط اقامت دین امامت کے مستحق ہیں۔ یعنی اوروں سے زیادہ حق دار ہیں جیسے احتمال نمبر ۲ میں گذر چکا ہے اور اسی وجہ سے بعض نے امام شافعی رح کی امامت کو احق قرار دیا ہے اگرچہ یہ وہ امامت نہیں۔ مگر وہ کہتے ہیں کہ اس سے قریش کا فضل اور تقدم ثابت ہوتا ہے اور ان آئمہ کی امامت بھی ایک قسم تقدم ہے پس قریشی احق ہوگا۔ قاضی عیاض رح اور نووی رح وغیرہ نے اس کا ذکر کیا ہے اور اس کی موید حدیث قدموا قریشاً بھی ہے کیونکہ اس میں ان کو مطلق مقدم کرنے کا ارشاد ہے اور اس میں یہ بھی ارشاد ہے کہ ان کو معلم بناؤ اور متعلم نہ بناؤ۔ فتح الباری میں قاضی عیاض رح وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ امام کا قریشی ہونا شرط ہے۔ صحابہ رض اس پر متفق ہیں پھر کہا ہے کہ قائلین اجماع کو حضرت عمر رض کی روایت کی تاویل کرنی پڑے گی۔ حضرت عمر رض سے بسند جید روایت ہے۔

"اگر میری اجل آ گئی اور ابو عبیدہ زندہ ہوئے تو ان کو خلیفہ بناؤں گا۔ اگر ابو عبیدہ زندہ نہ ہوئے تو معاذ بن جبل رض کو بناؤں گا۔"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ رض کا یہ متفقہ مسئلہ نہیں کیونکہ معاذ بن جبل رض انصاری ہیں نہ کہ قریشی۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ اجماع حضرت عمر رض کے بعد منعقد ہوا ہو۔ یا حضرت عمر رض کا اجتہاد بدل گیا ہو۔ حافظ ابن حجر رح نے یہ دونوں تاویلیں شک کے ساتھ ذکر کی ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ اجتہاد عمر رض کا بدلنا ثابت ہے نہ بعد اجماع ثابت ہے بلکہ اختلاف قدیم سے چلا آیا ہے تابعین رح کا اختلاف تو حافظ ابن حجر رح نے اس جگہ ذکر کیا ہے اور صحابہ رض کا اختلاف اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکر رض کے ہاتھ پر بیعت ہونے کے وقت مہاجرین اور انصار کا آپس میں سخت اختلاف ہوا۔ انصار کہتے تھے۔ کہ ہم سے بھی ایک امیر ہونا چاہیے۔ پھر سعد بن عبادہ انصاری کے سوا باقی حضرت ابو بکر رض کی بیعت پر متفق ہو گئے تو اگر حدیث الائمۃ من قریش کی وجہ سے متفق ہوئے ہیں تو حضرت عمر رض کا اجتہاد خلاف ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ اس حدیث کا یہ معنی نہیں کہ قریش ہونا شرط ہے بلکہ اس کا مطلب

افضلیت وغیرہ ہے. پس اس صورت میں انصار کا حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کرنا صرف رفع نزاع اور افضل پر عمل کرنے کی غرض سے ہوا. اور اگر اس حدیث کی وجہ سے متفق نہیں ہوئے تو پھر حضرت ابوبکرؓ کی جلالت شان اتفاق کا باعث بنی اور اختلاف رائے ان کا بدستور رہا. خلاصہ یہ کہ سعد بن عبادہ نے تو بیعت ہی نہیں کی. اور جنہوں نے بیعت کی ان کی رائے کو بدلنے والی کوئی شے پیدا نہیں ہوئی افضلیت کی بناء پر یا رفع نزاع کی خاطر یا کسی کی جلالت شان کی وجہ سے بیعت کر لینا یہ رائے کے بدلنے کی دلیل نہیں پس یہ کہنا کیونکر درست ہوگا کہ سب صحابہؓ قریشی کی شرط ہونے پر متفق ہو گئے اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ قریشی ہونے کی شرط پر کوئی شخص تسلی بخش دلیل نہیں دے سکتا ہاں احتیاط اسی میں ہے کہ قریشی بنایا جائے تاکہ انسان شک وشبہ سے نکل جائے. رہی امامت مستقلہ کے لئے سیاست کی شرط تو یہ ضروری ہے اصل میں یہاں شرط کا لفظ بولنا ہی صحیح نہیں. (الاّ مجازاً) کیونکہ استقلال کے معنی ہی بااختیار کے ہیں جو حکومت کے زور سے اپنی بات منوا سکے. اپنے اختیارات نافذ کر سکے یہ نہ ہو کہ جس کی مرضی ہو مان لے. جس کی مرضی نہ ہو وہ عاق ہو جائے. جیسے ہندوستان میں اگر کوئی خلاف ہو جائے تو امیر کچھ نہیں کر سکتا. اگر کسی کو دس جوتے مار دے تو دعویٰ کر سکتا ہے بلکہ برادری کے ڈر سے تو شاید کوئی جوتے بھی برداشت کر لے. امیر کا ڈر تو برادری ایسا بھی نہیں اگر اسی کا نام حکومت مستقلہ ہے تو پھر تمام برادریوں میں سرپنچ اس کے زیادہ مستحق ہیں کیا خلفاء کی خلافت ایسی ہی تھی. پھر شیعہ نے کیا قصور کیا ہے وہ بے سیاست اماموں کے قائل ہیں.

اور آپ کا یہ کہنا کہ خلافت نبوت کی فرع ہے یہ صحیح ہے مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ نبوت خلافت کے بغیر نہ پائی جائے. مثلاً چھت دیوار کی فرع ہے تو کیا دیوار چھت کے بغیر نہیں پائی جاتی؟ یا دلالت التزامی اور تضمنی دلالت مطابقی کی فرع ہیں مگر یہ ضروری نہیں کہ دلالت مطابقی ان کے بغیر نہ پائی جائے. ٹھیک اسی طرح ثبوت خلافت کو سمجھ لینا چاہیئے یہی وجہ ہے کہ نبی ایک ایک وقت میں کئی کئی ہو سکتے ہیں. امام مستقل ایک ہی ہونا چاہیئے. قرآن مجید میں قصۂ طالوت بھی اس کا شاہد ہے. نبی کی موجودگی میں طالوت بادشاہ مقرر ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ شریف میں مہاجر مقرر ہونے سے پہلے امام مستقل نہ تھے. پھر ہو گئے اس پر کوئی اعتراض نہیں.

عبداللہ امرتسری روپڑی

سلطان۔ خلیفہ۔ امام۔ امیر

سوال۔ الفاظ سلطان۔ خلیفہ۔ امام۔ امیر مترادف ہیں۔ یا اصطلاح شریعت میں ان میں کچھ فرق ہے؟

جواب۔ سلطان۔ خلیفہ۔ امام جب مطلق استعمال ہوں تو عموماً اس سے امامت مستقلہ مراد ہوتی ہے اور امیر کا استعمال اکثر صغریٰ میں ہوتا ہے اور کبھی ایک دوسرے کے معنی میں بھی آتے ہیں جیسے ایمان، اسلام، کفر وغیرہ کا استعمال شریعت میں اسی طرح ہے امام کا استعمال امام نماز وغیرہ میں آیا ہے اور خلیفہ کا نام مطلق جانشین میں جیسے آیۃ کریمہ ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِى الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ اور سلطان کا لفظ امامت کی حدیث وَلَا يُؤَمَّنَّ الرَّجُلُ الرَّجُلَ فِى سُلْطَانِهٖ میں مطلق تصرف کے معنی میں آیا ہے اور امیر کا لفظ بکثرت امامت صغریٰ میں دیکھنا ہو تو کتب حدیث میں کتاب الامارت کو دیکھیں اور کبھی امامت مستقلہ میں استعمال کی مثال حدیث الامراء من قریش ملاحظہ ہو فتح الباری جزو ۲۹ کتاب الاحکام اور اسی حدیث کی وجہ سے امام بخاری رح نے ہی الامراء من القریش منعقد کیا ہے چونکہ یہ امام بخاری کی شرط پر نہ تھی اس لئے اس کو ترجمہ باب میں رکھ دیا۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

امام کے بغیر زکوٰۃ کی ادائیگی

سوال۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور زمانہ خیر القرون میں سے کوئی ایسی نظیر پیش کریں کہ صدقہ نظر زکوٰۃ بغیر امام یا عامل امام کے خود بخود ادا کیا گیا ہو یا صریح دلیل جو بغیر امر امام کے زکوٰۃ ادا کرنے پر دلالت کرے ورنہ زکوٰۃ کے لئے امام کو ادا کرنا تعامل خیر القرون اور واقعہ ثعلبہ کافی دلیل ہے اور عاملوں کا مقرر ہونا اس کو مقتضی ہے۔ فقط

جواب۔ رسالہ المرشد والامام میں دو نظیریں پیش کی گئی ہیں۔ ایک وفد تجیب کا واقعہ دوم عمران بن حصین کا عمل۔ رہا عاملوں کا بھیجنا تو یہ شرط ہونے کی دلیل نہیں۔ بلکہ بہتر نظام کی صورت ہے اور جو زکوٰۃ نہ دیتا ہو۔ اس ذریعہ سے اس کا بھی پتہ لگتا رہتا ہے۔ اور ثعلبہ زکوٰۃ کا منکر تھا۔ کیونکہ اس نے زکوٰۃ

کو جزیہ کہا اس لئے اس پر سختی ہوئی۔ ہاں اگر امام کہے کہ زکوٰۃ مجھے دو، تاکہ میں تمہارے درمیان ایک نظام کے تحت یا جنگ وغیرہ میں خرچ کروں تو اس صورت میں امام کے سپرد کرنی واجب ہے کیونکہ امام کی اطاعت واجب ہے مگر یہ سارا سلسلہ مستقل امامت کا ہے ہندوستان میں اس کی بحث فضول ہے کیونکہ ہندوستان میں مستقل امام نہیں، یہ بھینس خریدنے سے پہلے چھاچھ کی نزاع ہے۔ خدا فضولیات سے بچائے اور اپنی مرضیات کی توفیق بخشے۔ آمین

عبداللہ امرتسری روپڑی

یَدُ اللہِ عَلَی الْجَمَاعَۃِ

سوال، حدیث یَدُ اللہِ عَلَی الْجَمَاعَۃِ میں لفظ یَدُ اللہِ جو وارد ہوا ہے اس کا کیا معنیٰ ہے؟

جواب، ید اللہ کے معنی اللہ کی رحمت کا ہاتھ ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

جماعت کا اطلاق

سوال، جو لوگ امام والی جماعت میں شامل نہیں ہوتے ان پر لفظ جماعت کا اطلاق صحیح ہو سکتا ہے؟

جواب، جماعت کا لفظ امامت کی طرح کئی معنوں میں مستعمل ہے جیسی امامت ہوگی ویسی جماعت۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

امیر کا تقرر

سوال، مدینہ منورہ سے دور رہنے والے لوگ جو اسلام میں داخل ہوتے تھے ان پر آنحضرت علیہ السلام مقامی امیر مقرر فرماتے تھے یا بغیر سردار کے ان کو انفرادی حالت پر چھوڑ دیتے تھے؟

جواب، حدیث لَا بُدَّ لِلنَّاسِ مِنْ عَرِّیْفٍ سے معلوم ہوتا ہے کہ مقامی امیر ضروری ہے

عبداللہ امرتسری روپڑی

امیر کا مجلس شوریٰ کے سامنے جوابدہ ہونا۔ امیر اور مجلس کی الگ الگ حیثیت

سوال: کیا مسلمانوں کا امیر مجلس شوریٰ کے سامنے جوابدہ ہوتا ہے یا نہیں؟ امیر اور مجلس شوریٰ کی الگ الگ حیثیت و اختیارات بھی بتائیں۔

جواب: اگر بے انصافی کرے تو جوابدہ ہوتا ہے اور مجلس شوریٰ کی حیثیت صرف مشورہ کی ہوتی ہے مختلف آرائیں ہو جائیں تو فیصلہ امیر کرتا ہے خواہ قلت کی طرف کرے، یا کثرت کی طرف اور مجلس شوریٰ کے ممبر اہل حل وعقد ہوتے ہیں جس معاملہ میں مشورہ کرنا ہو اس معاملہ میں جو مہارت رکھتے ہوں ان سے امیر مشورہ لے تعداد کوئی مقرر نہیں چنانچہ حضرت عمرؓ نے ملک شام کو جانے کے موقع پر پہلے مہاجرین سے مشورہ لیا، پھر انصار سے مشورہ کیا، پھر پرانے مہاجرین سے مشورہ لیا معاملہ یہ تھا، کہ راستے میں خبر پہنچی کہ شام میں طاعون ہے اس حالت میں جانا چاہیئے یا واپس ہو جانا چاہیئے حضرت عمرؓ نے اسی پر فیصلہ دیدیا۔ عبداللہ امرتسری روپڑی

انتخاب مسنون کا مسنون طریقہ

سوال: انتخاب امیر کا مسنون طریقہ کیا ہے۔ یعنی امیر کا انتخاب کس طرح ہونا چاہیئے، انتخاب صرف مجلس شوریٰ ہی کر سکتی ہے یا عمومی ووٹنگ اور پبلک کی رائے عامہ سے بھی امیر کا انتخاب ہو سکتا ہے۔

جواب: انتخاب مجلس شوریٰ کے ارکان حل وعقد ہی کرتے ہیں چنانچہ حضرت علیؓ کو جب باغیوں نے امیر بنانا چاہا، تو فرمایا یہ تمہارا کام نہیں۔ بلکہ مہاجرین وانصار کا کام ہے جس کو وہ امیر بنائیں گے وہ امیر ہوگا۔ (تاریخ الخلفاء امام سیوطی) مجموعی ووٹنگ اور پبلک کی رائے عامہ کوئی چیز نہیں۔ موقعہ محل کے لحاظ سے جس طرح انتخاب ہو جائے کر لینا چاہیئے۔ جیسے ابوبکر صدیق کا انتخاب ہوا، اس میں صرف حضرت عمرؓ کی ابتداء کرنے سے سلسلہ بیعت کا شروع ہو گیا۔ اور حضرت عمرؓ کو حضرت ابوبکرؓ صدیق نے امیر بنا دیا اور حضرت عمرؓ کے بعد عبدالرحمٰن بن عوف کے حوالہ کر دیا۔ عبدالرحمٰن بن عوف نے حضرت عثمانؓ کو انتخاب کیا۔ زیادہ تفصیل چاہیئے تو میری کتاب

مرزائیت اور اسلام دیکھیں۔ عبداللہ امرتسری روپڑی

متفرق علمی مسائل

سماع موتی اور مسئلہ وسیلہ

سوال ۔ کیا مُردے سنتے ہیں۔ قبروں پر تلاوت کیا ان کا نامہ اعمال کھلا ہوا ہوتا ہے۔ کیا ان کو ثواب پہنچتا ہے۔ ان سے کہنا یا حضرت میرے لئے دعا کرو۔ کہ خدا میرا کام بنا دے جائز ہے نیز پیر کہتے ہیں وسیلہ ڈھونڈو۔ کیا قرآن اور رسول وسیلہ کے لئے کافی نہیں؟

جواب ۔ مُردے نہیں سُنتے۔ سننے کی بابت کوئی حدیث نہیں آئی خاص خاص موقعہ پر بعض روائیتیں آئی ہیں۔ جیسے جنگِ بدر کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کی لاشیں کوئیں میں ڈال کر ان کو آواز دی۔ حضرت عمر رضہ نے کہا یا رسول اللہ! آپ مردوں کو آواز دیتے ہیں؟ تو فرمایا تم ان سے زیادہ نہیں سُنتے یہ آپ کا معجزہ تھا اسی طرح دفن کے وقت مُردہ میں روح ڈالی جاتی ہے اس وقت سننے کی بھی حدیث آئی ہے عام طور پر سُننے کی کوئی حدیث نہیں چنانچہ ہم نے رسالہ سماع موتی میں اس کی تفصیل کی ہے۔

ہاں صدقہ خیرات اور بعض دیگر اعمال کا ثواب ان کو پہنچتا ہے یہ بہت احادیث سے ثابت ہے اور ان کی قبر پر جا کر ان کی دعا کی درخواست کرنا یہ ثابت نہیں بلکہ اس کے خلاف حدیث میں آیا ہے بخاری وغیرہ میں ہے حضرت عمر رضہ کے زمانہ میں قحط سالی پڑ گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر نہیں گئے بلکہ حضرت عباس رضہ کو دعا کے لئے آگے کیا اور کہا یا اللہ پہلے جب تیرا نبی ہم میں تھا۔ تو تیرے نبی کا وسیلہ پکڑتے تھے اب تیرا نبی نہیں تو تیرے نبی کے چچا کا وسیلہ پکڑتے ہیں اگر قبر پر جانا درست ہوتا یا فوت شدہ کا وسیلہ درست ہوتا تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پاس ہی تھی قبر پر جا کر دعا کی درخواست کرتے۔

قرآن اور رسول خدا تعالیٰ تک پہنچنے کا وسیلہ ہیں۔ دعا براہ راست مانگنی بہتر ہے زندہ بزرگ دنیا میں

ہو تو اس سے دعا کی درخواست کرنی درست ہے جیسے حضرت عمر رضؓ نے حضرت عباس رضؓ کو دعا کے لئے پیش کیا تھا۔ عبداللہ امرتسری روپڑی

گانا بجانا گراموفون وغیرہ

سوال، ایک مولوی صاحب کا بیان ہے کہ دف۔ ڈھولک۔ طبلہ بجانا شرعاً جائز ہے دلیل حسب ذیل ہے،

۱۔ سنن ابی داؤد۔ سنن ترمذی میں ہے کہ ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ میں نے نذر مانی ہوئی ہے کہ اگر خدا آپ کو اس لڑائی میں فتح دے تو میں دف بجا کر گاؤنگی آپ نے فرمایا کہ تو نذر پوری کر۔

(۲) سنن ابن ماجہ میں ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضرت عائشہ رضؓ انصار میں سے ایک لڑکی کا نکاح کیا۔ حضورؐ نے دریافت کیا کہ اس کے ساتھ کسی مغنیہ کو بھیجا ہے اس لئے کہ انصار شعر و اشعار پڑھنے والے کو پسند کرتے ہیں۔

(۳) بخاری میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ حضورؐ میرے پاس آئے اس وقت دو لڑکیاں گا رہی تھیں۔ حضرت ابوبکرؓ آئے تو انہوں نے مجھے ڈانٹا کہ یہ شیطانی مزامیر ہے تو حضورؐ نے فرمایا رہنے دیجئے۔

(۴) خالد بن ذکوانی سے روایت ہے کہ ربیع بنت مسعود بن عفراء نے بیان کیا کہ حضورؐ تشریف لائے اور بیٹھ گئے لڑکیاں دف بجا کر گا رہی تھیں ایک کہنے لگی کہ ہم میں نبی ہے جو کل کی بات کو جانتا ہے فرمایا ایسا کہنا چھوڑ دے جو پہلے کہہ رہی تھی اس کو جاری رکھ۔

گیت کے عدم جواز پر آیت کریمہ اِسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ جب ان پر پیش کی جاتی ہے تو اس کے جواب میں وہ کہتے ہیں کہ صوتِ شیطان سے مراد گیت لینا لغتِ عرب کے خلاف ہے لغوی معنی صوت کے آواز ہے سورۃ لقمان میں ہے وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ یہاں صوت کے معنی گیت کبھی ہو سکتا ہے؟۔ اسی طرح آیت کریمہ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ میں لهو الحديث

کی تفسیر جو ابنِ عباس رضؓ اور ابن مسعود رضؓ سے گیت کے ساتھ مروی ہے سو اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ لھو الحدیث سے مراد گیت نہیں ہے کیونکہ لھو الحدیث کا معنیٰ بیکار باتیں ہیں جن پر دین اور دنیا کا کوئی فائدہ مرتب نہ ہو۔ اگر گیت مراد لیا جائے تو اس آیت سے ہر قسم کے گیت کا ہر حال میں ناجائز ہونا ثابت نہیں ہوتا کیونکہ قولہ تعالیٰ لِیُضِلَّ میں لام تعلیل کا ہے۔

نیز ان کا کہنا ہے کہ گیت کے عدم جواز کے بارہ میں جتنی حدیثیں مروی ہیں سب کی سب ضعیف ہیں گراموفون کے بارہ میں کہتے ہیں کہ جب گیت گانا سننا جائز ہوا تو یہی گیت خصوصاً قرآن شریف کی آیتیں اگر گراموفون کے ذریعہ سنی جائیں تو کیا مضائقہ ہے اس بارہ میں مدلل فتویٰ تحریر فرمائیں۔

سعید یمانی مدرسہ اسلامیہ موضع کلسونہ ڈاکخانہ ماتھرون ضلع بردوان

جواب۔ قرآن مجید میں ہے اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ یعنی نماز قائم کرو۔ اس حکم میں سب آگئے کوئی اس سے مستثنیٰ نہیں۔ مگر جس کو کسی آیت یا حدیث نے مستثنیٰ کیا وہ اس سے مستثنیٰ ہو جائے گا جیسے حیض اور نفاس والی عورت۔ اس طرح ہر عموم واطلاق اپنے عموم واطلاق پر رہتا ہے اس سے وہی فرد مستثنیٰ ہوتا ہے جس کی استثناء کسی آیت وحدیث میں آگئی ہو۔ اس اصول پر مسئلہ مذکورہ فی السوال کا فیصلہ بہ آسانی ہو سکتا ہے تفصیل اس کی یہ ہے کہ بخاری میں حدیث ہے لَیَکُوْنَنَّ مِنْ اُمَّتِیْ اَقْوَامٌ یَسْتَحِلُّوْنَ الْحِرَ وَالْحَرِیْرَ وَالْخَمْرَ وَالْمَعَازِفَ میری امت سے کئی قومیں ایسی ہوں گی۔ جو زنا۔ ریشم شراب گانے اور بجانے کو حلال سمجھیں گی۔

حافظ ابن حجر رحؒ فتح الباری میں اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں۔ وَھِیَ اٰلَاتُ الْمَلَاھِیْ وَنَقَلَ الْقُرْطُبِیُّ عَنِ الْجَوْھَرِیِّ اَلْغِنَا یعنی معارف لھو کے آلات ہیں اور قرطبی رحؒ نے جوہری رحؒ سے نقل کیا ہے کہ گانا مراد ہے اس حدیث سے ہر قسم کے لہو ولعب گانے بجانے کے سامان کی حرمت ثابت ہو گئی اب اس سے جو شئے آیت وحدیث سے مستثنیٰ ہے وہی جائز ہو گی باقی سب حرام ہوں گی۔

مولوی صاحب مذکور نے جتنی روایتیں جواز کی ذکر کی ہیں وہ دف کے متعلق ہیں اور وہ بھی شادی اور عید کے موقعہ پر چھوٹی لڑکیوں کے لئے یا جب اسلامی فتوحات کے موقع پر کوئی نذر مان لے تو وہ نذر پوری کر سکتا ہے۔ مگر جو حدیث ابوداؤد اور ترمذی کے حوالہ سے سوال میں ذکر کی ہے کہ ایک عورت نے نذر مانی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پورا کرنے کی اجازت دیدی یہ حدیث

مشکوٰۃ "کتاب الایمان والنذور" میں موجود ہے اس میں صرف ابوداؤد کا حوالہ دیا ہے ترمذی کا نہیں دیا۔ نیز اس میں صرف دف بجانے کا ذکر ہے۔ ساتھ گانے کا ذکر نہیں، پس یہ مولوی مذکور کی زیادتی ہے اس کے علاوہ چند باتیں مولوی مذکور نے اور غلط کہی ہیں۔

۱۔ صوتِ شیطانی سے گیت مراد لینے کو لغت عرب کے خلاف کہنا غلط ہے کیونکہ گیت بھی تو آواز ہے اور شیطانی اس کو اس لئے کہا ہے کہ وہ معازف کی قسم سے ہے اور اسی بناء پر اس کو مزمارۃ الشیطان کہا ہے چنانچہ بخاری کی حدیث میں ہے جس کو خود مولوی صاحب مذکور نے ذکر کیا ہے۔

۲۔ لھوالحدیث میں گیت کو داخل نہ کرنا یہ بھی غلطی ہے جو شخص سلف رح کی رائے پر اپنی رائے کو ترجیح دے وہ اہلحدیث نہیں کیا عبداللہ بن مسعود رض اور عبداللہ بن عباس رض لغت نہیں جانتے تھے انہوں نے اس کو گیت میں کیوں داخل کر دیا؟

اس کے علاوہ مولوی مذکور نے جو لھوالحدیث کا معنی بیان کیا ہے کہ اس پر دنیا اور دین کا کوئی فائدہ مترتب نہ ہو یہ بھی گیت کو شامل ہے کیونکہ فائدہ مترتب نہ ہونے کا مطلب یہی ہے کہ وہ شرع کے دائرے میں نہ ہو۔ ورنہ تھیٹر، بائیسکوپ وغیرہ تمام تماشجات لھوالحدیث سے خارج ہو جائیں گے کیونکہ ان پر بہت فوائد مترتب ہوتے ہیں خدائی قدرت کا ظہور، عبرت خیز واقعات کا سامنے آنا مکاروں اور فریب بازوں کے حالات پر اطلاع کے علاوہ۔ فرحتِ قلبی دل کا بہلاوہ۔ تفکرات کا ازالہ اس قسم کے بہتیرے فوائد ہیں، اگر کہا جائے۔ کہ یہ فوائد معازف میں داخل ہیں اس لئے حرام ہیں تو پھر گیت بھی معازف میں داخل ہے، چنانچہ اوپر ذکر آچکا ہے۔ بہر صورت گیت حرمت سے باہر نہیں ہو سکتا۔ اور جب حرمت سے باہر نہ ہوا تو "لیضل" میں لام کا تعلیل کے لئے ہونا بھی درست ہو گیا۔

۳۔ گیت کے عدم جواز کی تمام احادیث کو ضعیف کہنا یہ بھی غلط ہے۔ اصولِ حدیث کے موافق مجموعہ مل کر احادیث صحت کو درجہ کو پہنچ جاتی ہیں، خاص کر جب بخاری کی معازف والی حدیث بھی ان کے موافق ہو، اور لھوالحدیث اور واستفزز مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ کی جو تفسیر سلف نے کی ہے، اس کو بھی ساتھ شامل کیا جائے تو یہ کتنی بڑی زبردست دلیل بن جاتی ہے۔

۴۔ اگر بالفرض گیت جائز ہو تو گراموفون پھر بھی جائز نہیں ہو سکتا، کیونکہ گراموفون بمنزلہ قینات (گانے والی لونڈیوں) کے ہے جن کی خرید و فروخت بالاتفاق حرام ہے۔ عبداللہ امرتسری روپڑی

میّت کے قرض کی ادائیگی بذمہ ورثاء

سوال: ادار دین متوفی کے متروکہ میں سے تو بالاتفاق ضروری ہے کیونکہ نص قطعی من بعد وصیة یوصی بھا او دین الایۃ وارد ہے. لیکن اگر میت نے کوئی مال نہ چھوڑا ہو جس سے قرضہ ادا ہو سکے. تو میت کے قرضہ کا ادا کرنا ورثاء کے ذمہ لازم ہے یا نہیں؟

اس کی بابت علماء کی مختلف آراء ہیں بعض تو کہتے ہیں کہ میت کا قرضہ وارثوں کے ذمہ ادا کرنا واجب نہیں ہے وارث استحساناً ادا کر دیں تو اور بات ہے ہاں اگر کوئی وارث کسی کا دین ادا کرنا اپنے ذمہ واجب کرے تو پھر واجب ہو جائے گا۔ ——— مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری اور مولانا ابوالقاسم صاحب بنارسی وغیرہ اسی کے قائل ہیں وہ یہ دلائل بیان کرتے ہیں قرآن میں ہے لا تزر وازرۃ وزر اخری یعنی کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا. اور حدیث میں مَنْ تَرَكَ مَالاً فَلِوَرَثَتِهٖ وَمَنْ تَرَكَ كَلاً فَعَلَيْنَا. جو مال چھوڑ دے. وہ وارثوں کے لئے ہے جو بوجھ یعنی قرض چھوڑ دے. وہ ہمارے ذمہ ہے نیز یہ کہ ورثاء کے ذمہ قرض ادا کرنا ثابت نہیں بعض کہتے ہیں کہ قرض ادا کرنا ورثاء کے ذمہ لازم ہے ترمذی میں حدیث ہے.

جَاءَتْ اِمْرَاَةٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ اِنَّ اُخْتِىْ مَاتَتْ وَعَلَيْهَا صَوْمُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ قَالَ اَرَاَيْتِ لَوْ كَانَ عَلٰى اُخْتِكِ دَيْنٌ اَكُنْتِ تَقْضِيْنَهٗ قَالَتْ نَعَمْ قَالَ فَحَقُّ اللّٰهِ اَحَقُّ.

ایک عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا میری ہمشیرہ فوت ہو گئی ہے اس پر پے در پے دو ماہ کے روزے ہیں آپ نے فرمایا. اگر تیری ہمشیرہ پر قرض ہوتا تو تو ادا کرتی؟ کہا ہاں فرمایا پس اللہ کا حق زیادہ لائق ہے اور دیگر حدیث اَرَاَيْتَ لَوْ كَانَ عَلٰى اَبِيْكَ دَيْنٌ قَضَيْتَهٗ الحدیث اگر تیرے باپ پر قرض ہوتا تو تو ادا کرتا. ان حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ مورث کا قرضہ ادا کرنا وارث پر ضروری ہے. مولانا ابوسعید محمد حسین مرحوم بٹالوی اور مولانا حمید اللہ میرٹھی وغیرہ علماء اس کے قائل ہیں. اس مختلف الآراء پر منصفانہ فیصلہ فرمائیں.

عبدالقادر بامہ بالا ضلع منٹگمری

جواب ۔ حقوق العباد دو طرح کے ہیں، ایک جو قضاء ذمہ ہوتے ہیں، صاحب حق قاضی کے پاس دعویٰ کر کے وصول کر سکتا ہے جیسے کسی کو روپیہ قرض دیا یا کسی پر کوئی شے فروخت کی یا کوئی شے مہر مقرر کر لی یا کسی شے پر صلح کر لی، اس قسم کے حقوق قضاء لازم ہوتے ہیں، صاحب حق ہر طرح سے وصول کر سکتا ہے۔

دوسرے حقوق جو احسان اور مروت کے طور پر ذمہ ہوتے ہیں وہ بھی ادا کرنے ضروری ہیں۔ مگر ان میں یہ صورت نہیں ہوتی کہ جس کے ذمہ ہیں، اگر ادا نہ کرے تو حق دار قاضی کے پاس دعویٰ کر کے وصول کرے مثلاً دروازے پر سائل آجائے تو سائل کے مستحق ہونے کے سائل کو نہ دینا بڑا بھاری گناہ ہے لیکن اگر کوئی شخص نہ دے تو اس کی بابت سائل قاضی کے پاس دعویٰ نہیں کر سکتا۔ اسی طرح شریعت نے ہمسایہ کا حق بڑا رکھا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہمسایہ کے حقوق کی بابت جبرئیل علیہ السلام نے مجھے اتنی وصیت کی کہ میں ڈر گیا کہیں اس کو وارث نہ بنا دیں۔ یہاں تک فرمایا کہ اگر گھر میں گوشت پکاؤ تو پانی زیادہ ڈال لیا کرو تاکہ شوربا زیادہ ہوجائے اور ہمسایہ کو بھی پہنچ جائے۔ اس طرح یتیم بچوں کی اور بیوہ عورتوں کی خبر گیری نہایت ضروری ہے اور صلہ رحمی کی تو اتنی تاکید آئی ہے کہ قاطع رحم پر جنت حرام کر دیا۔ اور اسی بناء پر فرمایا اِنَّ فِی الْمَالِ لَحَقًّا سِوَی الزَّکٰوۃِ یعنی زکوٰۃ ادا کر کے انسان یہ نہ سمجھے کہ میں فارغ ہو گیا بلکہ مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حقوق ہیں۔ اور اس آیت میں بھی اسی طرف اشارہ ہے۔ وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّهٖ ذَوِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ وَالسَّآئِلِیْنَ وَفِی الرِّقَابِ وَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ یعنی باوجود محبت مال کے قرابتیوں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، سائلوں کو مال دیا اور گردنوں کے آزاد کرنے میں خرچ کیا اور نماز قائم کیا اور زکوٰۃ دی۔

اس آیت میں زکوٰۃ کا الگ ذکر ہے قرابتیوں، مسکینوں، یتیموں کے ساتھ سلوک کرنے کا الگ ذکر ہے۔ پس معلوم ہوا کہ مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حقوق ہیں لیکن یہ سب حقوق دیانت اور احسان اور مروت کے طور پر ہیں۔ قضاءً نہیں۔ ہاں بعض دفعہ یہ قضاء کی صورت اختیار کر لیتے ہیں جیسے حدیث میں ہے جب کسی کا کوئی مہمان ہو اور مہمان نے محرومی کی حالت میں صبح کی تو وہ جبراً مہمانی لے سکتا ہے اور ہر مسلمان پر لازم ہے، کہ اس کی امداد کر کے اس کو مہمانی دلائے۔ اس طرح جب

انسان بھوک سے لاچار ہو تو کسی دوست یار یا ہمسایہ کے گھر میں جا سکتا ہے جیسے مشکوٰۃ کے اسی باب میں ہے کہ ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ بھوک سے بے قرار ہو کر ایک انصاری کے پاس اس کے باغ میں گئے وہ بڑی خاطر سے پیش آیا۔ اسی طرح مشکوٰۃ باب الغضب میں ہے کہ کوئی (مسافر جنگل میں) بکریاں وغیرہ پائے اور مالک موجود نہ ہو تو تین آوازیں دے اگر کوئی مل جائے تو اس سے اذن لے لے ورنہ اذن کے بغیر دودھ دھو کر پی لے اور ساتھ نہ اٹھائے اور دوسری حدیث میں فرمایا ہے کوئی کسی کے جانور کا دودھ بغیر اجازت کے نہ دھوئے پہلی حدیث مجبوری پر محمول ہے اور یہ غیر مجبوری پر یعنی جب انسان بھوک سے مجبور ہو اور مالک نہ ملے تو بغیر اجازت کے دھو لے۔ غرض مجبوری کی حالت میں بعض دفعہ یہ عام حقوق قضاء کی صورت اختیار کر لیتے ہیں اگر اجازت مل جائے تو بہتر ورنہ جس طرح ہو انسان لے سکتا ہے کیونکہ انسان نے کسی طرح اپنی جان تو بچانی ہے۔ اگر دوسرا خیال نہ کرے تو بغیر اجازت یا جبراً ہی سہی لیکن ان حقوق میں اور قضاء حقوق میں پھر بھی فرق رہتا ہے وہ یہ کہ مجبوری کا وقت گزر جائے تو پھر ان کا کوئی اثر نہیں۔ مثلاً مہمان بھوکا بغیر مہمانی کے چلا آئے اور وقت گزر جائے تو اب یہ کوئی قرض نہیں کہ اس کو دعویٰ کر کے وصول کر لے کیونکہ ایک وقتی مجبوری کے لئے تھا جب وہ گئی تو اس کی حالت بدل گئی جیسے اضطراری حالت میں مردار جائز ہے لیکن اگر نہ کھائے اور وقت گزر جائے تو اب نہیں کھا سکتا ٹھیک اسی ضرورت کے وقت جبراً مہمانی لے سکتا تھا۔ لیکن جب وہ وقت گزر گیا تو اب جبراً یا بغیر اجازت کے لینے کا حکم بھی جاتا رہا ـــــــ اس تفصیل سے سوال حل ہو گیا اور سوال میں جو دو قسم کی احادیث ذکر کی ہیں۔ ان میں موافقت ہو گئی حدیث مَنْ تَرَكَ مَالًا فَلِوَرَثَتِهٖ اور آیت وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ قضائی حقوق کے لئے ہیں۔ حدیث لو کان علی اختک دین اور حدیث لو کان علی ابیک دین احسانی حقوق کے لئے ہیں میت کی طرف سے وارثوں کا قرضہ ادا کرنا احسانی حقوق کی قسم سے ہے قرض خواہ دعویٰ تو نہیں کر سکتا۔ لیکن وارثوں کو لازم ہے کہ میت کو بوجھ سے ہلکا کریں اور ان احسانی قسم کے حقوق میں اکثر طور پر سوال جائز ہے اور بعض صورتوں میں جن میں ذلت ہے سوال جائز نہیں۔ مثلاً دروازے دروازے پھر کر پھر لقمہ لقمہ مانگنا منع ہے اور ہمسایہ کے گھر سے کسی وقت نمک مرچ یا کسی وقت سالن مانگ لینا یا کسی وقت ایک آدھ روٹی لے لینی اس کا کوئی حرج نہیں آیتِ کریمہ اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ کے شان نزول میں

میں تفسیروں میں قیس بن صرمہ کا واقعہ لکھا ہے کہ اس کی بیوی کھانا لینے کے لئے دوسرے گھر گئی اس قسم کے بہت واقعات ہیں اس طرح اپنے قریبی سے کسی شے کی حاجت ہو تو سوال کرنا تو کجا زور ڈال کر بھی لے سکتا ہے جس کو لحاظ ملاحظہ کہتے ہیں یا گاڑھا تعلق کہتے ہیں۔ اسی بناء پر وفات کے وقت حضرت عمرؓ نے اپنے بیٹے عبداللہ کو کہا دیکھ مجھ پر کتنا قرض ہے حساب کیا تو قریباً چھیاسی ہزار درہم ہوا۔ فرمایا اگر آلِ عمرؓ کا مال کافی ہو تو ادا کر ورنہ بنی عدی بن کعب میں سوال کر اگر ان کے مال بھی کافی نہ ہوں تو قریشیوں میں سوال کر اور قریشیوں کے علاوہ کسی اور سے سوال نہ کر کیونکہ ہمارا اصل زور یہیں تک ہے) بخاری جلد اوّل مناقب عثمان۔ عبداللہ امرتسری روپڑی

غریب کا قرضہ زکوٰۃ میں وضع کرنا

سوال ۔ غریب لوگ قرضہ اٹھا لیتے ہیں مثلاً کسی دکاندار سے سودا سلف لے لیتے ہیں لیکن وہ قرض ادا نہیں کر سکتے۔ آخر قرض خواہ کو کہہ دیتے ہیں کہ تو اپنا روپیہ زکوٰۃ میں وضع کر لے تو کیا وہ زکوٰۃ درست ہو گی۔

جواب ۔ اس میں زکوٰۃ دینے والے کا اپنا مفاد ہے قرضہ وصول نہیں ہوتا۔ اس طریقہ سے وہ اپنا قرضہ وصول کرنا چاہتا ہے۔ ہاں جیسے غریبوں کو زکوٰۃ دی جاتی ہے اس طرح اس کو زکوٰۃ دیدے اور اپنے قرضہ کا ذکر نہ کرے، پھر وہ اپنی مرضی سے اپنا قرض ادا کر دے تو اس میں کوئی حرج معلوم نہیں ہوتا۔ مگر یہ دیکھنا ضروری ہے کہ شرعاً وہ مصرف زکوٰۃ ہے یا نہیں کیونکہ بعض دفعہ قرضہ کی وصولی کی طمع میں ویسے ہی مصرف سمجھ لیا جاتا ہے۔ عبداللہ امرتسری روپڑی

لکھ درود اور گیارہویں کی نذر کا حکم

سوال ۔ بعض لوگ لکھ درود نکالتے ہیں۔ اس کا ثواب ملتا ہے یا نہیں؟ اسی طرح گیارہویں کا دودھ وغیرہ جائز ہے یا نہیں؟ سراج الدین ظفر وزیر آبادی

جواب ۔ لکھ درود کی تعداد قرآن وحدیث سے ثابت نہیں۔ اس پر ثواب نہیں۔ گیارہویں حرام ہے اس لئے جو درود گیارہویں کا ہو گا۔ وہ بھی اسی حکم میں ہے ہاں کوئی شخص گیارہویں کے

لئے دودھ خریدنے کے بعد توبہ کرلے یا گیارہویں کی کھیر پکا کر چڑھانے سے پہلے توبہ کرلے تو اس کا حکم بدل سکتا ہے کیونکہ حرمت نیت سے پیدا ہوتی ہے۔ جب نیت بدل جائے تو حکم بھی بدل جائے گا حدیث میں ہے۔ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ یعنی اعمال نیتوں کے ساتھ ہیں ہاں اگر نیت کے موافق عمل ہوگیا اور چڑھاوا چڑھ گیا۔ تو اب معاملہ بالکل مکمل ہوگیا، اس میں اپنا کوئی دخل نہ رہا۔ اب نیت بدلنے اور توبہ کرنے سے اس چڑھاوے کی حرمت دور نہیں ہوسکتی اس کی مثال ایسے ہے جیسے انسان صدقہ خیرات کی نیت سے کوئی چیز لے کر نکلے اور مسکین کے ہاتھ پر رکھنے سے پہلے اس کی نیت بدل جائے اور گھر رکھ لے۔ تو اس پر یہ حکم نہیں لگ سکتا۔ کہ اس نے اپنا صدقہ کھا لیا۔ ہاں اگر وہ مسکین کے ہاتھ پر رکھ دے تو اب نیت کے موافق عمل ہوگیا۔ اور معاملہ مکمل ہوگیا اس لئے رجوع نہیں کر سکتا۔

لیکن یہ بات یاد رہے کہ نذر کا حکم اس سے علیحدہ ہے اگر کسی شے کی نذر مان لے تو نذر ماننے کے بعد اس کو گھر نہیں رکھ سکتا۔ خواہ ابھی تک قبضہ سے نہ نکالی ہو۔ اور اسی حکم میں قربانی کا جانور ہے جب قربانی کی نیت سے۔ کوئی جانور پرورش کرے گا۔ یا خریدے گا۔ تو اس کو گھر نہیں رکھ سکتا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابیؓ کو ایک دینار دیا۔ تاکہ اس سے قربانی کا جانور خرید لائے اس صحابی رضؓ نے ایک دینار سے دو دنبے خرید لئے ایک دنبہ ایک دینار میں فروخت کر دیا۔ اور ایک دنبہ اور ایک دینار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ہمیشہ کے لئے تجارت میں برکت کی دعا دی۔ اور دنبہ قربانی کے لئے رکھ لیا اور دینار خیرات کر دیا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دینار قربانی کے لئے دیا تھا اس میں نفع کی نیت نہ تھی۔ مگر غیر متوقع طور پر نفع ہوگیا اس لئے نفع گھر رکھنا مناسب نہ سمجھا۔ جب اس قسم کے منافع میں اتنی احتیاط ہے۔ تو اصل قربانی کا جانور کس طرح رکھ سکتا ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ جس شے کی نیت خیرات کی ہوگی اگرچہ وہ اتنے سے خیرات نہیں بنتی۔ مگر اس کا رکھنا خیر و برکت نہیں بلکہ اس کا صدقہ وخیرات کر دینا ہی بہتر ہے۔ کیونکہ نیت نیک اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اس لئے اس کو پورا کرنے کی کوشش کرے۔ برخلاف اس شے کے جو گیارہویں کی نیت سے کی گئی یا جو چڑھاوے کی نیت سے تیار کی گئی ہے اس کا گھر رکھنا ضروری ہے کیونکہ اس میں گناہ کا ترک ہے۔ پس نیت

بدلنے اور توبہ کرنے سے وہ حلال طیب ہوجاتی ہے۔

یہ تو عبادت کا حکم تھا رہی بدنی عبادت جیسے نماز روزہ وغیرہ تو اس کے متعلق حنفیہ کا تو یہ فیصلہ ہے کہ شروع کرنے سے واجب ہوجاتی ہے لیکن اہلحدیث کہتے ہیں کہ نماز شروع کر کے یا روزہ رکھ کر توڑ سکتا ہے کیونکہ حدیث میں ہے۔ اَلْمُتَطَوِّعُ اَمِیْرُ نَفْسِہٖ یعنی نفل والا اپنے نفس کا امیر ہے یعنی خود مختار ہے تفصیل ہماری ؏۱ شرح مشکوٰۃ کتاب الایمان فصل اول زیر حدیث طلحہ بن عبیداللہ ملاحظہ ہو۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

من قال لا الٰہ الا اللہ کا معنی

سوال:۔ ایک شخص ہمیشہ سے تارک نماز، تارک حج تارک زکوٰۃ رہا۔ باوجود سمجھانے کے وہ پابند ارکانِ اسلام نہ ہوا لیکن جب فوت ہونے لگا تو اس کی زبان پر کلمہ لا اِلٰہ الا اللہ جاری تھا اسی طرح بعض قبر پرست مشرک بھی مرتے وقت کلمہ پڑھ لیتے ہیں مرزائی بھی عندالنزع کہہ لیتے ہیں تو کیا حدیث من کان اٰخر کلامہ لا الٰہ الا اللہ دخل الجنۃ کے یہ لوگ مصداق ہو سکتے ہیں؟ اگر ہو سکتے ہیں تو زندگی میں ان کو کافر مشرک کیوں کہا گیا ہے اس کی صحیح تفسیر کیا ہے؟

جواب:۔ حدیث من کان اٰخر کلامہ لا اِلٰہ الا اللہ اپنی جگہ ٹھیک ہے ہم نے آج تک کوئی ایک مرنے والا نہیں دیکھا۔ کہ وہ مشرک وغیرہ ہو اور اس کا آخر کلام کلمہ لا الٰہ الا اللہ ہو۔ یہ اختیاری چیز نہیں بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جاری ہوتا ہے مشرک کا خاتمہ اس کلمہ پر باوجود مشرک ہونے کے نہیں ہو سکتا۔ اور اگر کسی کے مشاہدے میں یہ چیز آئی ہو تو وہ لفظاً کلمہ ہے جس کی شہادت اس کے پہلے حالات ہیں جیسے وہ اپنی صحت تندرستی میں کلمہ کا لفظ پڑھتا تھا۔ اور معنی نہیں سمجھتا تھا ایسے موت کے وقت سمجھنا چاہیئے؟ ہاں جو صحیح معنوں میں توحید پر قائم ہے۔ اس کو مرتے وقت کلمہ نصیب ہو تو اس حدیث کی رو سے اس کے جنتی ہونے کی شہادت ہم دے سکتے ہیں۔ نیز بعض احادیث میں آیا ہے۔ من قال لا الٰہ الا اللہ دخل الجنۃ اور بعض روائتوں میں مستیقنا بھا قلبہ کی شرط

؏۱ مشکوٰۃ کی یہ شرح کتاب الایمان تک لکھی تھی کہ محدث روپڑی مرض الموت میں مبتلا ہوگئے اور وفات پاگئے۔

بھی آئی ہے سو مرتے وقت بھی جو کلمہ زبان پر جاری ہو اس میں بھی یہ شرط ضروری ہے کیونکہ من قال لا الٰہ الا اللہ دخل الجنۃ سے مراد اخیری حالت ہے چنانچہ احادیث میں ہے انما الاعمال بالخواتیم

عبد اللہ امرتسری روپڑی

قرآن مجید لوح محفوظ سے اترا ہے یا خدا کی طرف سے

سوال ۔ حمائل غزنویہ سورہ جاثیہ کی پہلی آیتوں میں حاشیہ پر تحریر فرمایا گیا ہے کہ امام ابن تیمیہ رح نے فرمایا۔ قرآن مجید لوح محفوظ سے نہیں اترا۔ اور نہ پہلے وہاں لکھا ہوا تھا۔ حالانکہ سلف سے بتصریح منقول ہے کہ قرآن مجید پہلے لوح محفوظ میں لکھا ہوا تھا اور پھر وہاں سے نقل ہو کر بتدریج نازل ہوتا رہا۔ جواب باصواب عنائت فرمائیں۔ حافظ محمد شریف

جواب ۔ حاشیہ مذکورہ کی عبارت دیکھی گئی اس میں یہ کہیں نہیں کہ قرآن مجید لوح محفوظ میں لکھا ہوا نہیں تھا۔ ہاں لوح محفوظ سے اترنے کا انکار ہے جس سے مراد ابن تیمیہ رح کی یہ ہے کہ ابتداء اس کی لوح محفوظ سے نہیں بلکہ ذات باری سے ہے چنانچہ بہت جگہ قرآن مجید میں ہے کہ اس کا اترنا خدا کی طرف سے ہے لوح محفوظ سے اس کی ابتدا نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ لوح محفوظ مخلوق ہے اور قرآن خدا کا کلام ہے اور اس کی صفت ہے۔ اسلام میں کئی گمراہ فرقے ایسے گزرے ہیں جو خدا کا اوپر ہونا اور قرآن مجید کا اس سے صادر ہونا تسلیم نہیں کرتے بلکہ ان کا خیال ہے کہ ہوا وغیرہ میں خدا نے یہ پیدا کر دیا۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ اور قرآن کی ان آیتوں کا انکار ہے جن میں خدا کی طرف سے اترنے کا صراحتہ ذکر ہے ایسے ہی لوگوں کی تردید میں ابن تیمیہ رح فرماتے ہیں کہ یہ لوح محفوظ سے نہیں آیا یعنی ان کی ابتداء لوح سے محفوظ نہیں بلکہ خدا سے ہے۔ ہم حاشیہ کی پوری عبارت یہاں نقل کرتے ہیں اس سے آپ کے شبہ کا ازالہ بھی ہو جائے گا۔

عبارت حاشیہ

عہ امام ابن تیمیہ رح نے کہا کہ قرآن شریف میں بہت جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ قرآن اللہ تعالیٰ سے اترا ہے۔ پھر جو کوئی کہے کہ کسی مخلوق سے آیا ہے۔ جیسے لوح محفوظ سے یا ہوا سے سو وہ

جھوٹا ہے اور قرآن کا منکر اور مسلمانوں کے راہ سے الگ۔ جس چیز کا اتارنا اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہے اور جو چیز کسی مخلوق سے اتاری گئی ہے اس میں فرق کر دیا پس مینہ کے بارہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً یعنی آسمان سے پانی اتارا پس مینہ کو آسمان کی طرف نسبت کیا۔ اور قرآن شریف کے حق میں بھی فرمایا۔ کہ اس کا اتارنا ہماری طرف سے ہے۔ سو قرآن کا نازل کرنا اپنی ذات سے نسبت کیا اور کئی جگہ اتارنے کی نسبت کسی کی طرف بیان نہ کی جیسے انزلنا الحدید میں اس لئے کہ لوہا پہاڑوں کی چوٹیوں سے اترتا ہے نہ آسمان سے۔ اسی طرح حیوان کا اتارنا اسی طور پر ہے کہ نہ حیوان مادہ میں پانی ڈالتا ہے سو اس میں بھی من السماء نہ فرمایا۔ اس آیت اور اس مضمون کی تمام آیتوں سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے ساتھ عرش کے اوپر ہے سب مخلوق سے جدا۔

امام ابن قیم رح نے قصیدہ نونیہ میں لکھا ہے کہ ستر بلکہ اس سے زیادہ ایسی آئتیں ہیں جن میں قرآن شریف کا اللہ کی ذات سے صادر ہونا اور اللہ تعالیٰ کا ساری مخلوق سے اوپر ہونا صریح ثابت ہے۔ اور ان آیتوں میں ان معنوں کے سوا اور کسی معنیٰ کا احتمال نہیں۔ سو یہ ایسے دو اصل ہیں کہ ان پر ہی اسلام اور ایمان قائم ہے جیسے بنیاد پر عمارت قائم ہوتی ہے اور شیخ ابن تیمیہ رح نے ذکر کیا ہے کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مخلوق سے اوپر نہیں ان کا ایک امام تھا اس سے کسی نے اللہ عزوجل کا اترنا پوچھا اس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم اترتا ہے پوچھنے والے نے کہا وہ حکم کس کی طرف سے اترتا ہے تیرے نزدیک تو جہان کے اوپر کوئی چیز نہیں پھر کیا صرف نابودگی سے حکم اترتا ہے تب اس کو جواب نہ آیا اور حیران ہو گیا۔ "فوائد سلفیہ"

اس عبارت کا مطلب صاف ہے کہ قرآن میں اور مخلوق میں فرق ہے مخلوق کی ابتداء مخلوق سے ہو سکتی ہے جیسے آسمان وغیرہ اور قرآن چونکہ مخلوق نہیں اس لئے اس کا نزول خدا سے ہے۔ رہا لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہونا اور وہاں سے نقل ہونا تو یہ الگ شے ہے کیونکہ لوح محفوظ میں نقوش و خطوط ہیں نہ الفاظ اور حروف۔ اور نقوش و خطوط کو مجازاً قرآن مجید کہتے ہیں نہ حقیقۃً اور ابن تیمیہ رح کی مراد اس جگہ حقیقۃً قرآن مجید ہے نہ مجازاً اور حقیقۃً قرآن مجید کا نزول بیشک خدا سے ہے اب مطلب بالکل صاف ہو گیا۔ اور کسی طرح کا شک و شبہ نہ رہا۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

مروجہ میلاد

سوال ۔ جو عید میلاد فی زمانہ کرتے ہیں. جائز ہے یا نہیں ؟

جواب ۔ عید میلاد بدعت ہے حدیث میں ہے ، من احدث فی امرنا ھذا مالیس منہ فھو رد ، جو دین میں نیا کام جاری کرے وہ مردود ہے ۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

دعا میں یا جبرئیل وغیرہ کہنا

سوال ۔ دعا میں یا جبرئیل وغیرہ کہنا یا بحق محمد وغیرہ کہہ کر دعا کرنا اس کا کیا حکم ہے ؟

جواب ۔ یہ وظیفہ بالکل جائز نہیں. ایک تو اس میں یا جبرئیل وغیرہ شرک ہے دوم اس میں بحق محمد وغیرہ ہے جو حرام ہے ۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

قرآن مجید اور حدیث کی عربی

سوال ۔ قرآن مجید اور حدیث کی عربی میں کیا فرق ہے ؟

جواب ۔ قرآن مجید اور حدیث وغیرہ کی عربی کی بابت آپ نے سوال کیا ہے کہ کیا یہ ایک جیسی ہیں ؟ اس کا جواب یہ ہے کہ نہیں کیونکہ قرآن مجید فصاحت وبلاغت کے اعلیٰ مراتب پر ہے اور حدیث وغیرہ اس سے نیچے درجے پر ہے مگر اس کا فرق مادری زبان والے یا زبان کے پورے ماہر سمجھتے ہیں. عوام تمیز نہیں کر سکتے. مثلاً آپ پنجابی زبان یا اردو سے واقف ہیں تو پنجابی نظموں میں یا اردو تحریر وتقریر میں فرق کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ فلاں کی نظم فلاں کا مقابلہ نہیں کر سکتی. یا فلاں کی تقریر وتحریر بڑی زبردست ہے اسی طرح عربی زبان کے مذاق الگ الگ ہیں قرآن مجید سب سے اعلیٰ پایہ پر ہے پھر عموماً انسانی فصاحت وبلاغت جامع نہیں ہوتی، فنی ہوتی ہے. مثلاً کوئی پند ونصائح کو اچھے پیرایہ میں ادا کر سکتے ہیں. جیسے شیخ سعدی کوئی جنگی واقعات کا بہترین نقشہ کھینچ سکتا ہے. جیسے نظامی یا فردوسی کوئی اقتصادیات پر اچھا بول سکتا ہے. وکیلوں کو دیکھو کوئی فوجداری میں اچھا ہے کوئی دیوانی میں.

ایک مناظر کا دوسرے مناظر سے بڑا فرق ہوتا ہے۔ مگر قرآن مجید ایسا جامع ہے کہ جس مضمون پر بولتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ اسی کا حصہ ہے اس لئے قرآن مجید کا مقابلہ نہیں ہو سکتا۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

حدِ غنیٰ میں تطبیق

سوال ۔ احادیث حدِ غنیٰ میں کیا تطبیق ہے بعض روایت میں خمسون درہما آیا ہے بعض روایت میں شبع یوم دلیلۃ ویوم

جواب ۔ حدِ غنیٰ کی احادیث میں تطبیق یہ ہے کہ ہر ایک کی حاجت ایک اندازے پر نہیں تو کوئی مجرد ہے تو اس کو شبع یوم ولیلۃ (ایک دن ورات کا سیر ہونا) کافی ہے کوئی زیادہ اہل وعیال والا ہے تو اس کو پچاس درہم بھی بمشکل کفایت کرتے ہیں ہر شخص کو اپنی ضروری خرچ ایک دن رات کے اندازے پر غنی سمجھنا چاہیئے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اندازہ نہیں بتایا۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

احادیث میں موافقت

سوال ۔ حدیث ۔ مَثَلُ اُمَّتِی مَثَلُ الْغَیْثِ لَا یُدْرٰی اٰخِرُہٗ خَیْرٌ اَمْ اَوَّلُہٗ یعنی میری امت کی مثال بارش کی ہے پتہ نہیں اس کا آخر بہتر ہے یا شروع ۔ دوسری حدیث میں ہے خیر القرون قرنی کہ میرا زمانہ بہتر ہے۔ ایک حدیث میں ہے، کہ میرے صحابہ رض کو برا نہ کہو۔

جواب ۔ حدیث مثل امتی امام مہدی اور عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کے لحاظ سے ہے حدیث خیر القرون قرنی امام مہدی عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے زمانوں کے لحاظ سے چنانچہ حدیث خیر القرون میں ثم یفشو الکذب اس کا مؤید ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

مستعیذہ عورت

سوال ۔ پناہ مانگنے والی عورت کی حدیث میں اضطراب معلوم ہوتا ہے کیونکہ کسی روایت میں

آیا ہے جاء لیخطبک اور کسی روایت میں ہے فقال ھبی نفسک۔ نیز اس عورت نے حضور سے استعاذہ کیوں کیا؟ ہیبت نبوی وجہ تھی یا کوئی اور یہ عورت مزوجہ تھی یا بلا تزویج ہی اس کو خدمت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لایا گیا تھا، تاکہ آپ اس سے نکاح کر لیں، امام بخاری رح کی تبویب سے تو معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس سے نکاح ہو گیا تھا۔ مگر لفظ ھبی اور جاء لیخطبک سے شبہ ہوتا ہے کہ وہ غیر مزوجہ تھی نیز اس کے نام میں بہت اضطراب ہے اس کو حل فرمائیں۔

جواب۔ راجح یہی ہے کہ دو واقعہ ہیں ایک الحقی باھلک دوسرا جاء لیخطبک پہلا جونیہ والا ہے جس کا نام امیمۃ بنت النعمان ہے۔ بن شراحیل ہے اور بعض روایتوں میں جد کی طرف نسبت کر کے امیمہ بنت شراحیل بھی کہا گیا ہے اور ایک روایت مغازی ابن اسحق میں بنت کعب بھی ہے تو ممکن ہے اس کے نسب میں اوپر کعب بھی ہو۔

دوسرا واقعہ کلابیہ کا ہے اس کے نام میں اختلاف ہے کوئی عمرہ کہتا ہے کوئی سنا۔ کوئی فاطمہ کوئی اسماء لیکن نام میں اختلاف معمولی بات ہے اس سے صحت واقعہ پر کوئی اعتراض نہیں پڑتا۔ اسی طرح حافظ ابن حجر رح نے جو یہ اعتراض کیا ہے کہ ایک عورت کو دھوکا دینے کے بعد دوسری عورت کو ایسا دھوکا دینا بعید ہے۔ کیونکہ ایسے واقعات عموماً مشہور ہو جاتے ہیں۔ تو پھر دوسری عورت کس طرح دھوکا کھا سکتی تھی۔ یہ اعتراض بھی معمولی ہے۔ کیونکہ دونوں واقعہ اکٹھے ہوئے جونیہ سے نکاح ہوا تھا۔ کلابیہ سے خطبہ کرنا چاہتے تھے۔ دونوں اکٹھی لائی گئیں۔ دونوں کو استعاذہ کا سبق پڑھایا گیا آپ ایک کے پاس گئے۔ اس نے استعاذہ کیا۔ دوسری کے پاس گئے۔ اس نے بھی استفادہ کیا اور دونوں میں معاملہ ابو اسید رض کے سپرد ہونا۔ یہ اس بات کا مؤید ہے کہ واقعہ اکٹھا ہوا ہے۔ اور حافظ ابن حجر رح نے جو لکھا ہے کہ ممکن ہے۔ حضرت عائشہ رض کی حدیث جس میں الحقی باھلک ہے۔ اور سہل بن سعد رض کی حدیث جس میں جاء لیخطبک ہے ایک واقعہ ہو اور ابو اسید رض کی حدیث جس میں ھبی نفسک ہے اس میں چونکہ خوش طبعی کے لئے ھبہ کا ذکر ہے اور ہاتھ رکھنے کا ذکر ہے اور نکاح کا ذکر ہے اس وجہ سے اس کو الگ واقعہ قرار دینا قوی ہے یہ بھی اس بات کا معمہ ہے کہ واقعہ اکٹھا ہوا ہے کیونکہ جب معاملہ بھی ابو اسید رض کے سپرد ہے اور دونوں عورتیں بھی ایک ہی قوم کی ہیں۔ یعنی بنی جون سے ہیں۔ تو پھر واقعہ اکٹھا ہونا اور زیادہ

مناسب ہوگیا۔ اور اس صورت میں جس کے نام میں اختلاف ہے وہ کلابیہ نہیں ہوگی بلکہ وہ بھی جوتیہ ہوگی اور اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ کلابیہ ہونے کی کوئی پختہ روایت نہیں۔ صرف اتنی بات ہے کہ امام بخاری رح کی رائے کا خلاف ہوگا۔ لیکن اس میں بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ الحقی باھلک طلاق میں صریح نہیں لیکن امام بخاری رح کی نظر دقیق ہے حضرت عائشہ رض اور ابو اسید رض کی حدیث کو ایک واقعہ قرار دینا اور سہل بن سعد رض کی حدیث کو دوسرا واقعہ قرار دینا یہ زیادہ مناسب ہے کیونکہ جس روایت میں کلابیہ ہے اگرچہ وہ پختہ نہیں مگر احادیث کو اس طرح ملانا کہ وہ بھی بیچ میں آجائے بہتر ہے بہرحال واقعہ اکٹھا ہونے کی صورت میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا۔ رہا سبب استعاذہ تو وہ اغواء بھی ہو سکتا ہے۔ اور ہیبت بھی ہو سکتی ہے لیکن اول راجح ہے کیونکہ اس بابت کی حدیثیں آئی ہیں اور یہ لِمَ تُحَرِّمُ مَا اَحَلَّ اللّٰہُ لَکَ کے واقعہ سے کوئی بڑا نہیں یہ گھروں کے فتنے ہیں۔ جن کی بابت حدیث میں ہے یُکَفِّرُھَا الصَّلٰوۃُ

عبداللہ امرتسری روپڑی

حضورؐ کے کفن دفن میں شیخین کا موجود ہونا

سوال: کسی روایت سے تحریر فرمائیں کہ بوقتِ کفن دفن آنحضرت صلعم شیخین ابوبکر رض و عمر رض موجود تھے؟

جواب: تاریخ ابن ہشام کے اخیر میں یہ روایت موجود ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن کی بابت اختلاف ہوا کہ کہاں دفن کریں تو حضرت ابوبکر رض نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ نبی جہاں فوت ہوتا ہے وہیں دفن ہوتا ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے حضرت علی رض سے بڑھ کر کام کیا ادھر انقلاب سلطنت کے فتنہ کو فرو کیا دوسری طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن میں بھی حصہ لیا۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ الآیۃ

سوال: وعد اللہ الذین اٰمنوا منکم وعملوا الصلحت لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ الآیۃ۔ اس

آیت کے متعلق یہ دریافت ہے کہ یہ وعدہ صحابہ رضؓ تک ہی تھا۔ یا تا قیام قیامت ہے؟ اگر شق ثانی تسلیم ہے تو خلافتِ عثمانیہ ترک حق ہے اور حق ہونے سے ان کا مذہب حق ہونا مطلوب ہے لہٰذا فرقہ ناجیہ وہی ہے جس کی خلافت زمین میں ہے لہٰذا فرقہ حنفیہ فرقہ ناجیہ ہوا نہ اہلحدیث وغیرہ۔

جواب۔ آیت کریمہ وعد اللہ الذین آمنوا منکم میں جو وعدہ ہے وہ ہے تو قیامت تک مگر چونکہ خلفاء کے ہاتھ پر یہ وعدہ ایک مرتبہ پورا ہو چکا ہے۔ اور وہ اس آیت کا مصداق ہو چکے ہیں اس لئے اب ان کی مخالفت کر کے کوئی اس آیت کا مصداق نہیں بن سکتا۔ اگر ان کی مخالفت کی صورت میں بھی کسی کو اس آیت کا مصداق قرار دیں۔ تو نصاریٰ اول مصداق ہوں گے اور جب اس آیت کا مصداق بننے کے لئے ان کی موافقت ضروری ہوئی تو فرقہ حنفیہ (تقلید شخصی کو شرعی حکم سمجھنے والا) اس آیت کا مصداق نہیں بن سکتا، کیونکہ ان کی روش خلفاء کے زمانہ کے خلاف ہے اور بدعت تقلید میں مبتلا ہیں۔ جس کی نوبت شرک فی الرسالۃ تک پہنچ گئی ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

تاش، گنجفہ، چوسر وغیرہ کھیلنا

سوال۔ تاش گنجفہ چوسر وغیرہ کھیلنے والے اور روزانہ عدالتوں میں پیش ہو کر جھوٹی شہادتیں گذارنے والے پر شریعت کیا جرم عائد کرتی ہے؟

جواب۔ یہ کھیلیں شطرنج وغیرہ حدیث میں منع آئی ہیں (مشکوٰۃ باب التصاویر و باب اعداد الجہاد) جھوٹی شہادت کو قرآن مجید میں شرک کے ساتھ ذکر کیا ہے چنانچہ ارشاد ہے۔ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ایسے لوگوں پر شرعاً تعزیر ہے جو امام مناسب سمجھے تعزیر لگائے اس سے اندازہ کر لینا چاہیئے۔ کہ جھوٹی شہادت کتنا جرم ہے خدا محفوظ رکھے آمین

عبداللہ امرتسری روپڑی

قرآن مجید سے تعویذ لکھنا

سوال۔ کیا قرآن مجید سے آیت لکھ کر تعویذ دینا جائز ہے؟

جواب ۔ قرآن مجید کی آیت کا تعویذ ادب کرنے والے نمازی کو لکھ کر دینے میں کوئی حرج نہیں مڑھالیا جائے تاکہ پردہ میں رہے پیشاب ہمبستری کے وقت اتار لیا جائے ۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

پنچائتی تعزیر

سوال ۔ کیا پنچائتی تعزیر شرعاً ثابت ہے ؟

جواب ۔ جہاں حدود جاری نہ ہوں وہاں پنچائتی تعزیر لگ سکتی ہے مشکوٰۃ باب الامر بالمعروف میں ہے کہ اگر کسی قوم میں کوئی گناہ ہوتا ہو اور وہ قوم ظالم کا ہاتھ پکڑنے پر قادر ہو۔ پھر وہ نہ پکڑے ۔ تو خدا کی طرف سے سب پر عذاب آئے گا ۔ سو پنچائتی تعزیر بھی گویا ظالم کا ہاتھ پکڑنا ہے پس یہ بھی جائز ہو گی ۔ اور تعزیری رقم بھی حلال ہو گی جو مسجد وغیرہ پر بے کھٹکہ لگ سکتی ہے

عبداللہ امرتسری روپڑی ۱۲ ؍ شعبان ۱۳۵۵ھ

چوپایہ سے بدفعلی پر ایک شہادت ہو تو کیا حکم ہے

سوال ۔ ایک شخص نے خلافِ فطرت انسانی بھینس وغیرہ سے بدفعلی کی بعدازاں فاعل اپنے فعل سے منکر ہے اور نیز بجز شاہد واحد کے دیگر کوئی شاہد بھی نہیں ہے اب شاہد وفاعل کے بارہ میں شریعت کیا حکم نافذ کرتی ہے ۔

جواب ۔ سوائے مسئلہ ولادت ۔ رضاعت وغیرہ کے جس کا تعلق عورت سے ہے بالاتفاق نصاب شہادت میں تعدد شرط ہے صورتِ سوال میں تعدد نہیں ۔ اس لئے فاعل پر کوئی حد جاری نہیں ہو سکتی ہاں شاہد کو کچھ تنبیہ ہونی چاہیئے ۔ کیونکہ جس فعل کی یہ شہادت دے رہا ہے وہ زنا کی قسم ہے

زنا میں ایک یا دو یا تین شہادت دیں اور چوتھی شہادت مہیا نہ ہو تو شاہدوں پر اسی اسی درے حد آتی ہے ۔ چنانچہ قرآن مجید میں صراحت آئی ہے ۔ تو اس شاہد پر بھی کچھ تعزیر چاہیئے پورے اسی درے حد اس لئے نہیں کہ یہ زنا غیر جنس سے ہے جو حقیقت میں زنا نہیں ۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

کیا شرابی خدا اور رسول کا دوست ہے؟

سوال: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شرابی لایا گیا۔ اس کو جوتوں کی حد ماری گئی دوبارہ پھر اس کو لایا گیا اس نے پھر شراب پی ہوئی تھی پھر حد مارنے لگے تو بعض نے کہا بُرا شخص ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بُرا نہ کہو کیونکہ اس کے دل میں رب اور رسول کی محبت ہے کیا یہ واقعہ اس طرح صحیح ہے؟

جواب: ایک شخص جس کا نام عبداللہ اور لقب حمار ہے۔ شراب پینے پر اس کو ایک دفعہ حد ماری گئی اس نے پھر کسی دن شراب پی لی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا۔ دوبارہ اس کو حد ماری گئی ایک شخص نے کہا اللّٰھُمَّ العنہ مااکثر مایوتی بہ اے اللہ! اس کو لعنت کر کس قدر بہت لایا جاتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لا تلعنوہ فواللہ ماعلمت یحب اللہ ورسولہ اس کو لعنت نہ کرو، میرے علم میں یہ خدا اور رسول کو دوست رکھتا ہے۔

یہ حدیث "باب مالا یدعی علی المحدود" میں ہے۔ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص کو حد لگائی جائے اس کا گناہ معاف ہو جاتا ہے ایسے شخص پر بدعا کرنا جائز نہیں۔ چنانچہ صاحب مشکوٰۃ نے باب ہی یہ باندھا ہے اسی طرح ایک زانیہ عورت کو سنگسار کرتے وقت خالد بن ولید رضؓ نے لعنت کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا۔ اور فرمایا خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر چنگی والا بھی کرے تو بخشا جائے۔ (مشکوٰۃ باب الحدود)

جب زانی پاک ہو جاتا ہے تو شرابی پاک ہو جائے اور خدا اور رسول کو دوست رکھے تو کیا بڑی بات ہے۔ جو شخص ہمیشہ شراب پیتا ہو اس کی بابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اس پر جنت حرام ہے چنانچہ مشکوٰۃ کے اسی باب میں ہے۔ اور جو کوئی اتفاقیہ پی لے پھر اس پر حد بھی جلدی ہو جائے تو وہ پاک ہو گیا۔ اس کو بُرا کہنا ٹھیک نہیں۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

عرش کو کتنے فرشتوں نے اٹھایا ہوا ہے۔

سوال: سورہ حاقہ میں ہے کہ عرش کو فرشتوں نے اٹھایا ہوا ہے مستدرک حاکم میں صحیح سند

سے آیا ہے کہ اب اللہ تعالیٰ کا عرش چار فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں
اور قیامت کے دن چار بڑھا کر آٹھ فرشتے اٹھائیں گے۔ اور ابن جریر میں ابو زید سے
مرفوعاً روایت ہے۔ یحملہ الیوم اربعۃ ویوم القیمۃ ثمانیۃ اور ابوداؤد مع عون المعبود
صہ ۳۶۹ میں ہے ثم فوق ذالک ثمانیۃ اوعال بین اظلافھم ورکبھم مثل ما بین سماء
الی سماء ثم علی ظھورھم العرش۔
اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عرش اب آٹھ فرشتوں کی پشت پر ہے اور پہلی دو
روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اب چار فرشتوں نے اٹھایا ہوا ہے دونوں کی وجہ تطبیق کیا ہے؟

جواب۔ ابوداؤد کی حدیث میں یہ تصریح نہیں کہ آٹھ فرشتوں کی پیٹھ پر عرش ہے ہاں
ضمیر لوٹتی ہے جس سے ظاہراً یہی معلوم ہوتا ہے مگر جب دوسری صحیح روائتوں میں چار کی تصریح
ہے تو ضمیر کی مراد بعض ہوں گے۔ پس اب کوئی مخالفت نہیں۔ عبداللہ امرتسری روپڑی

ایصالِ ثواب کے لئے قرائتِ قرآن

سوال۔ موتیٰ کے ایصال ثواب کے لئے قرائتِ قرآن کا جو عام دستور ہے اس کے متعلق
صحیح مسلک کیا ہے؟

جواب۔ قرائت قرآن کا ثواب میت کو پہنچتا ہے یا نہیں؟ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ قبروں
پر مجاور بن کر قرآن مجید پڑھنا بالکل ثابت نہیں۔ ہاں دفن کے وقت سر کی طرف شروع آیات سورۃ
بقر کی اور پاؤں کی طرف اخیر آیات بقر کی پڑھنے کا ذکر آیا ہے اس طرح کی بعض روایتیں دیگر سورتوں
و آیتوں کی بابت بھی وارد ہوئی ہیں، جو زیادہ تر ضعیف ہیں خیر ان پر کوئی عمل کرے تو منع نہیں مگر
ایصالِ ثواب کا مروجہ طریق جو قبروں پر مجاور بن کر یا گھروں میں یا مسجدوں میں حلقے باندھ کر پیسوں
پر یا بغیر پیسوں کے پڑھا جاتا ہے اس کا ثبوت نہیں، خاص کر پیسے لیکر ختم کرنا اور اس کا ثواب
پہنچانا یہ کسی کا مذہب نہیں بلکہ پیٹ کے بندوں کی اختراع ہے۔ ایصالِ ثواب کی اگر کوئی صورت
ہو سکتی ہے تو صرف وہی ہو سکتی ہے جس کا ذکر بعض روایات میں آیا ہے تفصیل کے لئے مولوی عبدالرحمٰن
مبارکپوری مرحوم کا رسالہ کتاب الجنائز ملاحظہ ہو۔ عبداللہ امرتسری روپڑی

حد اور گناہ

سوال، حد لگنے کے بغیر گناہ معاف ہوسکتا ہے اور حد سے کیا مقصود ہے۔

جواب، مشکوٰۃ باب قطع السرقۃ میں ہے کہ صفوان بن امیہ رضؓ مدینہ میں آئے مسجد میں سو گئے اور اپنی چادر سر کے نیچے رکھ لی۔ ایک چور آیا اس نے چادر سر کا لی۔ صفوان نے اس کو پکڑ لیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے۔ آپ نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیدیا۔ صفوان نے کہا یا رسول اللہ ! آپ کے پاس لانے سے میرا یہ مطلب نہ تھا کہ آپؐ ہاتھ کاٹنے کا حکم فرمائیں یہ چادر اس پر صدقہ ہے فرمایا میرے پاس لانے سے پہلے کیوں معافی نہ دی؟ فصل رابع مشکوٰۃ میں حضرت عائشہ رضؓ کی افک کی حدیث میں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عائشہ رضؓ! مجھے تیرے متعلق اس طرح اس طرح خبر پہنچی ہے اگر تو اس سے بری ہے تو خدا تجھے بری کر دے گا۔ اور اگر تو گناہ کے ساتھ آلودہ ہو گئی تو خدا سے بخشش مانگ اور اس کی طرف توبہ کر۔ کیونکہ بندہ جب خدا کے پاس گناہ کا اقرار کرتا ہے پھر توبہ کرتا ہے تو خدا اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے۔

ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہو گیا۔ کہ بغیر حد لگنے کے بھی چوری۔ زنا وغیرہ کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور مشہور حدیث جس میں ایک شخص کے سو خون کرنے کا ذکر ہے۔ پھر اس نے نیک بستی کی طرف ہجرت کی۔ اور راستہ میں مر گیا اور بخش دیا گیا۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حد لگنی ضروری نہیں۔ ہاں امام کے پاس معاملہ پہنچ جائے تو پھر امام پر یہ ضروری ہے کہ حد لگائے جیسا کہ صفوان کی حدیث سے معلوم ہو چکا ہے اور قرآن مجید میں بھی اس کی تصدیق موجود ہے چنانچہ ارشاد ہے۔ اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَیْهِمْ فَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ یعنی وہ لوگ حد سے مستثنیٰ ہیں، جو تمہارے قابو پانے سے پہلے تائب ہو جائیں۔ پس جان لو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

خلاصہ یہ کہ جو خود بخود حاکم کے پاس پہنچنے سے پہلے تائب ہو جائے اس کا گناہ ویسے ہی معاف ہو جاتا ہے خواہ حکومت اسلامی ہو یا غیر بلکہ اگر حاکم کے پاس پہنچنے کے بعد بھی بھاگ کر دوسری حکومت میں چلا جائے۔ اور دل سے تائب ہو جائے تو اُمید ہے خدا معاف کر دے گا۔ کیونکہ حدود کا اصل مقصد تنبیہ ہے

تاکہ آئندہ کوئی گناہ کی جرأت نہ کرے اور گناہ کا سدباب ہو جائے اگر گناہ کے ساتھ حد لازم ہوتی تو حاکم کے پاس خود بخود اس کا حاضر ہونا ضروری ہوتا۔ مگر جب یہ بات نہیں۔ تو پھر خدا کے نزدیک توبہ کافی ہے ہاں اتنا ضروری ہے کہ جہاں وہ بھاگ کر جائے وہاں شرعاً رہنے کی اس کو اجازت ہونی ضروری ہے۔ جیسے عرب سے ہندوستان میں آجائے اگر ایسی جگہ میں جائے جہاں سے ہجرت فرض ہے تو پھر شاید ہی قصور معاف ہو، آگے خدا کے سپرد۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

ترمذی اور مقدمہ مسلم کے ایک مقام کا حل

سوال ۔ امام ترمذی باب "فی الاستنجاء بالحجرین" میں ایک اضطراب سند کرتے ہیں اور حدیث بخاری کو مرجوح قرار دیتے ہیں وہ حدیث زہیر عن ابی اسحٰق عن عبدالرحمٰن بن الاسود عن ابیہ کی سند سے بخاری میں مروی ہے اور یہ حدیث معضل مرفوع ہے پھر آپ یعنی ترمذی حدیث اسرائیل کو راجح بتلاتے ہیں اور یہ حدیث بقول امام ترمذی منقطع ہے۔ کیونکہ ابو عبیدہ بن عبداللہ کو اپنے باپ سے سماع نہیں۔ پس اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ حدیث بخاری جو اصح الکتب ہے، وہ کیسے مرجوح ہو سکتی ہے۔ اور حدیث اسرائیل جو سنن کی ہے اور منقطع ہے وہ کیسے راجح ہو سکتی ہے؟ دوسرے ابو عبیدہ بن عبداللہ کو سماع اپنے باپ سے ہے یا نہیں اور بوقت وفات عبداللہ بن مسعودؓ اور ابو عبیدہ کی کیا عمر تھی؟

۲۔ مقدمہ مسلم شریف میں ایک عبارت ہے جس کی ترکیب کماحقہ سمجھ میں نہیں آتی اس کی ترکیب اور مطلب واضح بیان فرمائیں۔

لم یکن فی نقلہ الخبر عمن روی عنہ ذالک والامر کما وصفنا حجۃ دریافت طلب امر یہ ہے کہ لم یکن کا اسم و خبر کیا ہے؟ اور لفظ روی کا فاعل کون ہے؟ اور روی معروف ہے یا مجہول فاعل کون ہے؟ اور حجت ترکیب میں کیا واقعہ ہے اور والامر کما وصفنا سے کیا مراد ہے۔

ابو محمد عبدالجبار مدرس مدرسہ دار الہدیٰ کشن گنج دہلی

جواب ۔ جب کسی حدیث میں اضطراب ہو تو ترجیح باعتبار رواۃ کے ہوتی ہے اگر منقطع کے راوی زیادہ ہیں یا اوثق ہیں تو منقطع راجح ہو گی، ورنہ موصول۔ اگر کسی جانب کو ترجیح نہ ہو تو وہ بدستور مضطرب رہے گی۔ ترمذی نے اسی بناء پر اسرائیل کی روایت کو ترجیح دی ہے مگر ترمذی کا اس کو مضطرب

سمجھنا غلط ہے کیونکہ اضطراب تب ہوتا جب معلوم نہ ہوتا کہ حدیث میں ابواسحٰق کا استاد کون ہے
اور ابواسحق کے شاگرد استاد کی تعیین میں مختلف ہوتے مگر یہاں یہ صورت نہیں کیونکہ بخاری کی حدیث میں
ہے۔ قال (ای ابو اسحق) لیس ابو عبیدۃ ذکرہ ولکن عبد الرحمٰن ابن الاسود عن ابیہ
الخ۔ اور فتح الباری میں اس عبارت کی یوں تشریح کی ہے۔ ای لست اردیہ الآن عن ابی عبیدۃ
انما اردیہ عن عبد الرحمٰن۔ یہ عبارت صاف بتلا رہی ہے کہ ابواسحٰق کا خود اقرار ہے کہ اس حدیث
میں میرے کئی استاد ہیں۔ ابوعبیدہ بھی ہے عبدالرحمٰن بھی ہے لیکن اس وقت میں عبدالرحمٰن سے روایت
کرتا ہوں پس اب کوئی اضطراب نہ رہا ترمذی کے مضطرب سمجھنے کی وجہ یہ ہے کہ عبداللہ بن عبدالرحمٰن
نے دارمی سے روایت کیا ہے انہوں نے کچھ فیصلہ نہیں کیا اور بخاری سے پوچھا انہوں نے بھی کچھ فیصلہ نہیں
کیا۔ مگر یہ ایک معمولی بات ہے کہ ایک وقت انسان کو ایک بات کی تسلی نہیں ہوتی دوسرے وقت ہو
جاتی ہے تو ہو سکتا ہے کہ جب ترمذی نے بخاری سے پوچھا اس وقت بخاری کو تسلی نہ ہو پھر تسلی ہوگئی
ہو اس بنا پر اس کو کتاب میں درج کر دیا۔ اور ترمذی کا اس عبارت کے اصل مطلب کی طرف خیال
نہیں گیا پس حدیث بخاری اصح الکتب بعد کتاب اللہ پر کوئی اعتراض نہیں۔

۲۔ صحیح قول یہی ہے کہ ابوعبیدہ کا سماع اپنے باپ سے نہیں۔ چنانچہ تہذیب اور فتح الباری میں
اوپر کی عبارت سے پہلے اس کی تصریح کی ہے رہی یہ بات کہ عمر کیا تھی؟ تو اس کی بابت تہذیب التہذیب
میں ایک ضعیف روایت نقل کی ہے کہ ابوعبیدہ کہتے ہیں۔ میں اپنی صبح کی نماز کے لئے نکلا اس سے معلوم
ہوا کہ اس وقت اس کو ہوش تھی۔ اور شعبہ سے ذکر کیا ہے۔ کہ ابوعبیدہ باپ کی حیات میں سات سال
کا تھا۔ اس عمر میں سماع تو ممکن ہے لیکن ہو سکتا ہے کہ بچپن کی وجہ سے کھیل کود میں رہا ہو۔

۴ ——————— اس عبارت کی ترکیب یوں کیا کرتے ہیں لم یکن فعل
ناقص ہے۔ حجۃ ذوالحال موخر اور والامر کما وصفنا جملہ حال مقدم ذوالحال حال سے ملکر اسم
فعل ناقص اور فی نقلہ میں ضمیر راجع ہے۔ ھذا الراوی کی طرف اور عنہ کی صاحب کی طرف ہے۔
اور ذالک کا اشارہ خبر کی طرف ہے اور علم ذالک روی کا مفعول ہے اور مراد اس سے نفس خبر ہے۔
اس صورت میں اس عبارت کا معنی یوں ہوگا۔ کہ اس راوی کا اس صاحب سے نقل کرنا جس سے اس
راوی نے اس خبر کا علم روایت کیا ہے اس میں کوئی حجت نہیں اس حال میں کہ معاملہ اس طرح ہو جس طرح

ہم نے اوپر بیان کیا. کہ سماع کا علم نہیں. لیکن میرے خیال میں بہتر ترکیب یہ ہے کہ والامر مبتداء ہے کماوصفنا خبر ہے اور مراد اس سے رِنیما بَعْدُ ہے آی والامر کما وصفنا فیما بعد اور حجۃ خبر بعد خبر ہے اور یہ مبتدا، خبر جملہ معترضہ ہے اور لم یکن فی نقلہ؛ الخبر عمن روی عنہ کی ترکیب بدستور ہے، اور علم ذالک لم یکن کا اسم ہے. اس صورت میں اس عبارت کا معنیٰ یوں ہوگا. کہ جب سماع معلوم نہ ہو تو اس راوی کے نقل کرنے میں جس سے اس نے روایت کی ہے اس خبر کا کوئی علم نہیں یعنی ایسی نقل سے اس خبر کا علم نہیں ہو سکتا. بلکہ یہ خبر موقوف رہے گی. کیونکہ جب اس خبر کا علم نہ ہو تو محتمل رہی. شاید ہو یا نہ یعنی سرے سے اس کے وجود ہی میں شُبہ ہے چہ جائیکہ حجت ہو.

نوٹ - اس عبارت میں بعض اور احتمالات کی بھی گنجائش ہے جن کو کسی اور فرصت پر چھوڑتے ہیں. کوئی موقعہ ملا تو تفصیل ہو جائے گی. انشاء اللہ۔ عبداللہ امرتسری روپڑی

قیاس

سوال ۔ قیاس کیا ہے اور اس کی شرائط کیا ہیں؟

جواب ۔ قیاس کہتے ہیں. ایک حکم کو جو منصوص ہو اس کی علت کے ذریعے دوسری جگہ ثابت کرنا مثلاً شراب کی حرمت کی علت نشہ ہے اور یہ علت بھنگ میں بھی موجود ہے تو بھنگ بھی حرام ہوئی. قیاس کی حجیت میں اختلاف ہے مگر جب علت واضح ہو جو ایک طرف سے دلالۃ النص ہو تو اس کی حجیت میں شبہ نہیں قیاس کی شروط میں اختلاف ہے کتب حنفیہ میں چار مشہور ہیں.

۱. وہ حکم کسی نص سے اپنے محل پر بند نہ ہو جسے خاصہ کہتے ہیں۔

۲. وہ حکم قیاس کے خلاف نہ ہو جیسے بھول کر کھانے سے روزہ کا ٹوٹنا۔

۳. وہ حکم بعینہٖ بغیر تغیر کے دوسری جگہ ثابت کیا جائے۔

۴. وہ علت ایسی نہ نکالی جائے جس سے نص کا حکم بدل جائے۔

بعض کتب حنفیہ وغیرہ میں اس سے زیادہ شرائط بھی لکھی ہیں اور امام شوکانی رح نے ارشاد الفحول میں اور نواب صدیق حسن صاحب نے حصول المامول میں بارہ لکھی ہیں اور ان میں اختلاف بھی بنایا ہے. یہ ایک علمی بحث ہے جس کی تفصیل کا یہاں محل نہیں. اس لئے میں نے مختصر اشارہ کر دیا

ہے آپ صرف دو شرطیں یاد رکھیں ۔
۱۔ قیاس کسی آیت و حدیث کے خلاف نہ ہو ۔ ۲۔ اس کی علت بہت واضح ہو جیسے حدیث میں کھڑے پانی سے پیشاب سے نہی آئی ہے اور علت اس کی نجاست ہے تو اس علت کی وجہ سے پاخانہ بطریق اولیٰ منع ہوا پس جب یہ دو باتیں ہوں وہاں بے کھٹکہ قیاس صحیح ہے کسی اور جگہ ہو یا نہ ہو ۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

ایک سورۃ کو دوسری سورۃ پر فضیلت

سوال ۔ کیا یوں کہہ سکتے ہیں کہ فلاں سورۃ کو دیگر سورتوں پر یا فلاں آیت کو دیگر آیتوں پر فضیلت ہے ؟

جواب ۔ مشکوٰۃ باب فضائل القرآن فصل اول میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسعید بن معلی کو فرمایا ۔ اَلَا اُعَلِّمُكَ اَعْظَمَ سُوْرَةٍ فِی الْقُرْآنِ کیا میں قرآن میں بڑی سورۃ نہ سکھاؤں پھر اس کو فاتحہ سکھائی ۔ اور مشکوٰۃ کے اسی باب اسی فصل میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابی بن کعب کو فرمایا ۔ اَتَدْرِیْ اَیُّ اٰیَةٍ مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ تَعَالٰی مَعَكَ اَعْظَمُ ۔ کیا تو جانتا ہے کہ قرآن مجید میں بڑی سورۃ تیرے ساتھ کون سی ہے ؟ پہلے تو ابی بن کعب رضؓ نے کہا اللہ اور رسول زیادہ جانتے ہیں مگر آپ کے دوبارہ سوال کرنے پر کہا کہ آیت الکرسی ہے تو پھر آپ نے فرمایا کہ یہ علم تجھے مبارک ہو ۔ اس سے معلوم ہوا کہ سورتیں اور آئتیں آپس میں فضیلت کے لحاظ سے کم و بیش ہوتی ہیں ۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

ابوجاد حروف کی اصلیت

سوال ۔ الدین الخالص جلد اول ص۳۹۷ پر ہے قال ابن عباس فی قوم یکتبون ابا جاد و ینظرون فی النجوم ما اری من فعل ذالك له عند الله من خلاق رواه الطبرانی مرفوعا و اسناده ضعیف و لفظه رب معلم حروف جاد دارس فی النجوم لیس له عند الله خلاق یوم القیمة الخ

ابنِ عباس رضؓ نے ایک قوم کے بارے میں جو ابو جاد لکھتے ہیں اور ستاروں میں نظر کرتے ہیں. فرمایا کہ میں دیکھتا ہوں کہ اس کام کے کرنے والے کا خدا کے پاس کوئی حصہ نہیں طبرانی نے اسنادِ ضعیف کے ساتھ اس کو روایت کیا ہے۔ اور اس کے الفاظ یہ ہیں کہ بہت سے لوگ حروف ابی جاد کی تعلیم دینے والے علم نجوم پڑھنے والے قیامت کے دن خدا کے پاس ان کا کوئی حصہ نہیں۔ ابو جاد ابجد کی تو جمع نہیں پھر یہ ابو جاد کیا ہے؟

منتہی الادب میں علم ابجد کی بابت بیان کیا ہے کہ وہ حضرت شعیبؑ کے زمانہ سے شروع ہوا ہے کیا یہ صحیح ہے؟

جواب :۔ قاموس اور اس کی شرح تاج العروس میں ہے

اوقعوا فی ابی جاد ای باطل عن ابی زید و ھو کنیتہ من ملوک حمیر جلد۲ ص۳۲۹ ابو جاد میں واقع ہو گئے یعنی باطل میں اصل میں ابو جاد شاہان حمیر سے ایک کی کنیت ہے تاج العروس کی اسی جلد میں بجد کے مادہ میں ابجد کے متعلق لکھا ہے۔

قال قطرب ھو ابو جاد و انما حذفت واوہ والفہ لانہ وضع لہ لانہ التعلم فکرہ التطویل والتکرر و اعادۃ المثل مرتین فکتبوا بغیر واو ولا الف لان الالف فی ابجد والواؤ فی ھوز (جلد۲، ص۲۹۲) قطرب کہتے ہیں ابجد اصل میں ابو جاد ہے واؤ اور الف کو حذف کر کے انہوں نے ابجد لکھا کیونکہ مقصد ان کلمات سے حروف کی تعلیم ہے الف ابجد میں آگیا اور واؤ ہوز میں آگئی پس اب کے بعد واؤ کی اور ج کے بعد الف کی ضرورت نہ رہی۔ اس کے اوپر اسی صفحہ پر قاموس مع تاج العروس میں لکھا ہے کہ ابجد سے قرشت تک مدین بادشاہوں کے نام ہیں ان بادشاہوں نے عربی کتابت اپنے ناموں کے حرفوں کی گنتی پر شروع کی وہ اس کے اول واضع ہیں پھر ان کے بعد لوگوں نے اور حروف پائے۔ جو ان کے ناموں میں نہ تھے ان کا نام روادف رکھا۔ اور وہ ثخذ ضظغ ہیں زمخشری کہتے ہیں۔ ابو جاد مکہ کا بادشاہ ہوا ہے۔ اور ہوز حطی دو شخص مقام حرج میں ہوئے ہیں۔ جو طائف سے ہے باقی مدین میں ہوئے ہیں اور کہا گیا ہے کہ یہ شیاطین کے نام ہیں۔ سخنون نے حفص بن غیاث سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ یہ اولاد صابور کے نام ہیں۔ ان کے علاوہ اور اقوال بھی ہیں۔

ابن عباس رضؓ کے اثر میں ابی جاد سے علم الحرف والاسماء مراد ہے جس میں مفرد اور مرکب

حروف کے خواص سے بحث ہوتی ہے اس علم والوں کا خیال ہے کہ ہر ایک حرف میں ایک سر ہے جو عالم اکوان میں جاری وساری ہے اس کی وجہ سے نفوس ربانیہ موجودات طبعیہ میں تصرف کرتے ہیں اور اس کی مناسبت سے امور غیبیہ پر مطلع ہوتے ہیں جیسے علم جفر وغیرہ ہے پھر کوئی کہتا ہے کہ سر نفس حروف میں ہے کوئی کہتا ہے ان اعداد میں ہے جن پر ابجد کے حروف دلالت کرتے ہیں اور یہ علم صحابہ رضؓ کے بعد پیدا ہوا ہے جب تصوف میں غالی فرقہ پیدا ہو گیا۔ اگر زیادہ تفصیل مطلوب ہو تو ابجد العلوم ص۴۲۹ ملاحظہ ہو۔

مسلم میں حدیث ہے کہ ایک نبی خط کھینچتا تھا، جس کا خط اس کے خط کے موافق ہو جائے وہ ٹھیک ہے شاید یہ نبی شیث علیہ السلام ہوں اس صورت میں صحابہ رضؓ کے بعد پیدا ہونے سے یہ مراد ہو گی کہ اسلام میں صحابہ رضؓ کے بعد آیا ہے اور چونکہ اس نبی کے خط کا کسی کو علم نہیں اس لئے اب یہ منع ہے اور تفسیر ابن کثیر اور فتح البیان وغیرہ میں سورہ بقر کے شروع میں ابن عباس رضؓ سے ایک ضعیف روایت نقل کی ہے۔ کہ حُیَیّ بن اخطب یہودی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا کہ کیا الم آپ کے پاس جبرئیل لیکر آیا ہے فرمایا ہاں کہا پہلے انبیاء نے تو اپنی حکومت اور اپنی امت کی مدت نہیں بتلائی صرف آپ نے بتلائی ہے پھر اپنے ساتھیوں کو کہنے لگا۔ کہ کیا تم ایسے دین میں داخل ہو سکتے ہو جس کی مدت ۷۱ سال ہو؟ پھر رسول اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا کہ کیا اس کے ساتھ اور بھی ہے فرمایا ہاں ہاں المص کہا یہ ۱۶۰ ہوئے کہا اور بھی ہے فرمایا ہاں الر کہا یہ ۲۳۱ ہوئے کہا اور بھی ہے فرمایا ہاں المر کہا یہ ۲۷۱ ہوئے پھر کہا اے محمدؐ تو نے معاملہ ہم پر خلط ملط کر دیا ہے ہمیں معلوم نہیں ہوتا کہ تو تھوڑا دیا گیا ہے یا بہت پھر ساتھیوں سمیت کھڑا ہو گیا۔ اس کے ساتھ ابو یاسر اس کا بھائی بھی تھا اس نے کہا شاید محمد کے لئے یہ سب جمع کر دیئے گئے ہوں ان کا مجموعہ ۷۳۴ ہے پھر آپس میں کہنے لگے ہمیں اس کا کچھ پتہ نہیں لگتا۔

مفسرین کہتے ہیں۔ آیۃ کریمہ ھوالذی انزل علیك الكتاب منه ايات محكمات هن ام الكتاب واخر متشابهات انہی یہود کے حق میں اتری ہے یعنی خدا نے تجھ پر قرآن مجید اتارا اس سے آیات محکمات جو قرآن مجید کا اصل ہیں اور دوسری متشابہ ہیں۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ابجد کی گنتی کا حساب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے تھا بہر صورت اس کا کچھ

اصل معلوم ہوتا ہے لیکن مسلم کی حدیث جو اوپر ذکر ہو چکی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اب اس علم کا پتہ لگانا مشکل ہے کیونکہ اس کا پتہ آپ ہی کے ذریعہ لگ سکتا تھا مگر آپؐ نے کچھ نہیں بتلایا صرف اتنا بتلایا کہ ایک نبی خط کھینچتا تھا۔ جس کا خط اس کے موافق ہو جائے وہ ٹھیک ہے اب کیا معلوم کہ وہ خط کون سا تھا بلکہ یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ ابجد کا حساب تھا یا کچھ اور واللہ اعلم۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

مسلم شریف کی ایک اسناد کا حل

سوال: مسلم شریف جلد ثانی کے صـ ۲۷۹ میں ایک سند اس طرح ہے۔

حدثنا قتیبۃ بن سعید ثنا عبدالعزیز یعنی ابن ابی حاتم عن ابی حازم عن سہل بن سعدح وحدثنا قتیبۃ واللفظ ھذا حدثنا یعقوب یعنی ابن عبدالرحمٰن عن ابی حازم الخ (مسلم جلد ۲ صـ ۲۷۹ سطر ۶ مطبوعہ انصاری دہلی)

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ واللفظ ھذا درمیان سند کے واقع ہے یہ کس طرف اشارہ ہے، اولاً تو عبارت اس طرح ہوتی واللفظ لھذا دوسرے دونوں جگہ سند میں قتیبہ ہے۔ اختلاف رواۃ نہیں پھر یہ کہنا واللفظ ھذا کس طرح درست ہے؟

جواب: واللفظ لھذا کہنا صحیح تب ہوتا جب دوسرا راوی ہوتا اور دونوں کی عبارت میں فرق ہوتا اور یہاں راوی وہی ہے صرف اس کا استاد بدلا ہے اور اسناد کے بعد صیغ ادا میں فرق پڑا ہے۔ اس لئے یہاں واللفظ لھذا کہنا ٹھیک نہیں ہاں واللفظ ھذا ٹھیک ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ لفظ یہ ہیں، جو آگے آتے ہیں یعنی قتیبۃ نے جو دوسرے استاد سے روایت سُنائی ہے اس روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

دو حدیثوں میں تطبیق

سوال: ایک حدیث فضائل ابوذر رضؓ صحابی میں مسلم شریف میں آئی ہے اس میں تعارض نظر آتا ہے ایک روایت میں تو یہ الفاظ ہیں،

فقال انیس ان لی حاجۃ بمکۃ فانطلق انیس حتی اتی مکۃ فراث علی ثم جاء فقلت ما صنعت قال لقیت رجلا بمکۃ علی دینک یزعم ان اللہ ارسلہ قلت فما یقول الناس قال یقولون شاعر کاھن۔ الحدیث (مسلم شریف جلد ثانی ص ۲۹۶)

ایک اور روایت ابن عباس رضؓ میں اس طرح آیا ہے۔

لما بلغ ابا ذر مبعث النبی صلی اللہ علیہ وسلم بمکۃ قال لاخیہ ارکب الی ھذا الوادی فاعلم لی علم ھذا الرجل الذی یزعم انہ یاتیہ الخبر من السماء فاسمع من قولہ ثم ائتنی فانطلق الاخر حتی قدم مکۃ وسمع من قولہ ثم رجع الی ابی ذر۔ الحدیث (مسلم شریف جلد ثانی ص ۲۹۷)

ان ہر دو روایات میں ظاہرا تفاوت ہے پہلی روایت سے تو معلوم ہوتا ہے کہ جب مکہ گیا تو خود بخود اپنی ضرورت کے لئے گیا تھا۔ ابوذر رضؓ کو کوئی علم آپ کے مبعوث ہونے کا نہ تھا۔ پھر جب انیس آئے تو ان کو معلوم ہوا کہ تیرے خیال کا ایک آدمی مکہ میں ہے اور اس نے دعویٰ نبوت کیا ہے اور دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوذر صحابی رضؓ کو آپ کے مبعوث ہونے کا علم ہو چکا تھا۔ خود ابوذر، صحابی رضؓ نے انیس کو کہ کر صرف تحقیق کے لئے بھیجا۔ پھر آپ خود تشریف لے گئے گو اس حدیث میں اور بھی کئی باتیں ہیں مگر اور باتوں کی تسلی تو علامہ سندی رحؒ نے کر دی ہے لیکن اس کے متعلق کچھ نہیں لکھا۔ اس لئے آپ مناسب توجیہ بیان فرمائیں اور غور فرما کر توجیہ مُوجّہ بیان فرمایا کریں۔

جواب (۲) ان دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں، جب انیس رضؓ نے کہا مجھے مکہ میں کچھ کام ہے، اس وقت ابوذر رضؓ نے بھی کہا کہ میرا کام بھی ہے ضرور جا۔ کیونکہ حضرت انیس رضؓ دونوں کاموں کے لئے گئے تھے۔ اس لئے کسی راوی نے ایک ذکر کر دیا۔ کسی نے دوسرا۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

عورت کی شہادت پر رجم کا حکم

سوال امام ترمذی رحؒ "باب ماجاء فی المرأۃ اذا استکرھت علی الزنا" میں ایک حدیث نقل فرماتے ہیں جس کے الفاظ یہ ہیں۔ ان امرأۃ خرجت علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ترید الصلوٰۃ فتلقاھا رجل فتجللھا فقضی حاجتہ منھا فصاحت فانطلق ومر بھا رجل فقالت ان

ذالك الرجل فعل بي كذا وكذا ومرت لعصابة من المهاجرات فقالت ان ذالك الرجل فعل بي كذا وكذا ومرت لعصابة من المهاجرات فقالت ان ذالك الرجل فعل بي كذا وكذا فاتوا به رسول الله صلى الله عليه وسلم فلما امر به ليرجم قام صاحبها الذى وقع عليها فقال يا رسول الله انا صاحبها. الحديث

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف عورت کے کہنے سے اس مرد کو رجم کا حکم کیسے فرمایا۔ اور بالفرض جماعت مہاجرین نے گواہی دی تھی، کہ یہ مرد زانی ہے اس لئے آپ نے ان کی شہادت پر رجم کا حکم دیا، اوّل تو حدیث میں اس کا ذکر نہیں دوسرے اس معاملہ میں عینی شہادت ہونی چاہیئے۔ اور یہاں عینی شہادت نہیں صرف عورت کا کہنا ہے اور نہ اس شخص کا اقرار ہے حکم رجم بلا شاہدین عینی آپ نے کیسے فرمایا۔

جواب ۔ ترمذی کی اس حدیث کا آخری ٹکڑہ آپ کے سوال کا جواب ہے وہ ٹکڑا یہ ہے لقد تاب لو تاب اهل المدينة لقبل منهم یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کی بابت فرمایا۔ جس نے اس عورت سے زنا کیا تھا کہ اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر یہ توبہ اہل مدینہ کرتے تو ان سے ضرور قبول کی جاتی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو وحی ہو گئی تھی، کہ یہ شخص اپنی جگہ دوسرے شخص کا سنگسار ہونا کبھی برداشت نہیں کرے گا۔ اس بات کے اظہار کے لئے آپ نے اس شخص کی بابت جو صرف عورت کے کہنے پر پکڑا گیا تھا۔ سنگسار کا حکم دیدیا تھا، تاکہ اس حکم کا سن کر اصلی زانی اپنے آپ کو پیش کردے، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

فَإِنَّكَ أَنْتَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ اور فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ

سوال ۔ سورۃ مائدہ میں حضرت عیسیٰ کی دعا نقل فرمائی ہے جو آپ نے بطور شفاعت کے اپنی امت کے لئے فرمائی اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ اس دعائیہ آیت میں العزیز الحکیم کے الغفور الرحیم چاہیئے تھا کیونکہ مقام شفاعت ہے یہاں انت العزیز الحکیم آپ نے کیوں فرمایا دوسرے آپ کو علم ہو گیا تھا کہ میری امت نے مجھ کو اور میری ماں کو معبود ابن اللہ قرار دیا ہے پھر ان مشرکین کے لئے آپ نے دعاء مغفرت کیوں چاہی

جواب ۔ فانك انت العزیز الحکیم ہ کی وجہ بعض تفسیروں میں یہ لکھتے ہیں کہ شرک چونکہ

انتہائی درجہ کا بڑا گناہ ہے اس لئے انت العزیز الحکیم استعمال کیا تاکہ اس طرف اشارہ ہو جائے
کہ اگرچہ یہ بخشش کے لائق نہیں لیکن تو بخش دے تو تجھے کوئی روکنے والا نہیں کیونکہ تو اپنے ارادوں کے
جاری کرنے پر غالب ہے۔ لیکن اندھا دھند جاری نہیں کرتا بلکہ حکمت سے کام کرتا ہے رہا یہ اعتراض کہ
اس سے مشرکوں کے لئے بخشش چاہیئے کا ثبوت ملتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ بخشش صراحتاً منع ہے
اشارۃً منع نہیں نیز حرف ان میں تعلیق ہے جس میں وقوع ضروری نہیں یعنی یوں کہا ہے کہ اگر تو بخشدے
اور یہ نہیں کہا کہ تو ان کو بخش دے، اور بخشش کا چاہنا تب ہوتا جب کہ اگر کا لفظ ساتھ نہ ہوتا۔ میرے خیال
میں فانك انت العزیز الحکیم کی ایک وجہ اور آئی ہے جو پہلی سے بھی عمدہ ہے وہ یہ کہ یہاں صرف اس
بات کا اظہار مقصود ہے، کہ خدا اگرچہ شرک معاف نہیں کرتا لیکن معاف نہ کرنے کی یہ وجہ نہیں کہ معافی
اس کی قدرت اور مشیئت کے تحت نہیں بلکہ وہ معاف کرنے پر قادر اور غالب ہے مگر چونکہ اُس کی قدرت
اور اس کا غلبہ حکمت کے ساتھ جاری ہے اور شرک کے متعلق حکمت کا مقتضیٰ یہی ہے کہ معاف نہ ہو
اس لئے معاف نہیں کرتا۔ اس توجیہ میں نہ ہر بخشش کا سوال ہے نہ یہ شبہ ہو سکتا ہے
کہ بخشش کے سوال کے ساتھ انت الغفور الحکیم مناسب تھا۔ عبداللہ امرتسری روپڑی

یاجوج ماجوج کو سزا کیوں؟

سوال، یاجوج ماجوج اگر بنی آدم ہیں اور ان کے لئے عذاب ہے تو کوئی پیغمبر ان کی طرف
آیا ہے یا نہیں؟ اگر ان میں کوئی نبی رسول نہیں آیا۔ تو پھر ان کو عذاب کیوں ہوگا۔؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے
فرمایا ہے وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا ۝ یعنی ہم کسی قوم کو عذاب نہیں کرتے جب تک
ان کی طرف کوئی رسول نہ بھیجیں۔

جواب۔ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ یاجوج ماجوج جس دن سدِ سکندری توڑیں گے اُس
دن کی رات کو کام بند کرنے کے وقت کہیں گے کہ انشاء اللہ صبح اس کو توڑ دیں گے۔ یا بسم اللہ پڑھ کر
شروع کریں گے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ تبلیغ سے خالی نہیں، خواہ اس وقت کی لاگ چلی آتی ہو،
جب کہ سدِ سکندری نہیں بنی تھی یا جنوں کی معرفت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ان کو پہنچ چکی
ہو کیونکہ سدِ سکندری جنوں کی آمد و رفت کو نہیں روکتی، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جب سدِ سکندری توڑیں گے

تواس وقت ان کو تبلیغ ہو جائے گی۔ اور جو پہلے بغیر تبلیغ کے گزر چکے ان کا مواخذہ نہیں ہوگا۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

اُمت اجابت، یا اُمتِ دعوت

سوال ۔ تہتر فرقوں کی حدیث میں امتِ اجابت کے تہتر فرقے مُراد ہیں یا اُمتِ دعوت کے؟ کیا مذاہبِ اربعہ اس میں داخل ہیں یا نہیں؟ اور اس میں غیر ناجی کے دخول فی النار سے خلود فی النار مُراد ہے یا مجرد دخول؟

جواب ۔ تہتر فرقے امتِ اجابت کے مراد ہیں۔ اور مذاہب اربعہ رح میں جو تقلید شخصی میں سخت ہیں۔ اور اس کو حکم شرعی سمجھتے ہیں وہ اس میں داخل ہیں اور اختلاف سے مراد اختلاف عقائد ہے۔ خواہ وہ عقیدہ حد شرک کو پہنچے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب اور حاضر و ناظر جاننا اور خواہ حد شرک کو نہ پہنچے جیسے روٹی پر ختم دینا وغیرہ اور دخول فی النار سے عام مراد ہے خواہ خلود ہو یا نہ اگر عقیدہ بدعیہ حد شرک کو پہنچ گیا، تو خلود فی النار ہوگا۔ ورنہ نہیں اور معصیت کی وجہ سے دخول النار بیشک ہوگا۔ لیکن وہ انفرادی ہے، وہ فرقہ بندی اور مذاہب کی صورت نہیں، اس حدیث میں اس افتراق کا بیان ہے جو مذاہب کی صورت اختیار کرتا ہے نیز جو شخص معصیت کرتا ہے وہ معصیت کو سمجھ کر کرتا ہے تو اس کو افتراق نہ کہنا چاہیئے۔ کیونکہ یہ اپنے عقیدہ کے لحاظ سے متفق ہے صرف غلبۂ شہوت سے معصیت کے مرتکب ہوا ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

ریڈیو۔ اور لاؤڈ سپیکر کی شرعی حیثیت

سوال ۔ ریڈیو جو ایک مشین ہوتی ہے جس کے ذریعہ خبریں، تقریریں، گانا، بجانا وغیرہ نشر ہوتا ہے اگر کوئی شخص اس وقت جبکہ تقریروں اور خبروں کا یا بازار کے بھاؤ کا وقت ہو اور گانے اور بجانے کا وقت نہ ہو ریڈیو سننا چاہے تو سن سکتا ہے یا نہیں؟ عبداللہ ۔ حسن دین ۔ میاں عبدالعزیز

کمیر پور تحصیل اجنالہ ضلع امرتسر

جواب ، جوئے اور شراب کے ذکر میں خدا تعالیٰ نے ایک اصول بتایا ہے جس کی طرف

اس آیت میں اشارہ ہے۔ یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ قُلْ فِیْهِمَا اِثْمٌ کَبِیْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَ اِثْمُهُمَا اَکْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا (پ ۲ ع ۱۱) اے نبیؐ! آپ سے شراب اور جوئے کے متعلق سوال کرتے ہیں فرما دیجئے اس میں گناہ بڑا ہے اور لوگوں کے لئے فوائد بھی ہیں لیکن نفع سے گناہ بڑا ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جب کسی شے کا نقصان زیادہ ہو اور فائدہ کم تو اس کی حرمت کی جانب راجح ہوتی ہے ریڈیو بالکل اس کی مثال ہے اس لئے کہ عام طبائع کے لحاظ سے جو شے ریڈیو سے زیادہ متعلق ہے وہ گانا بجانا ہے کیونکہ عیاشی کا آج کل دور دورہ ہے خاص کر دیہاتی لوگوں کو خبروں اور نرخوں وغیرہ کا چنداں فائدہ نہیں ہاں گانا بجانا اہم شے ہے جو طبائع کو مرغوب ہے اور اس میں ابتلاء کا سخت خطرہ ہے ایسے موقع پر شرعی اصول کے تحت اس کے عدم جواز اور حرمت کی جانب کو ترجیح ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک نوجوان نے روزہ کی حالت میں بیوی کے بوسہ کا سوال کیا تو آپ نے منع فرما دیا ایک بوڑھے نے سوال کیا تو اجازت دیدی روزہ ایک عارضی شے ہے جو تھوڑی دیر کے لئے ہے مگر طبیعت پر نظر رکھتے ہوئے ممانعت کر دی کیونکہ جوان کو پرہیز مشکل ہے

اسی اصول پر غیر محرم کے ساتھ عورت کی تنہائی اور بغیر محرم کے عورت کا سفر کرنا منع کر دیا۔ نیز فرمایا کہ حرام بیّن ہے اور ان کے درمیان مشتبہات ہیں ان میں واقع ہونے والی کی مثال اس طرح ہے جیسے چرواہا چراگاہ کے ارد گرد مویشی چرائے۔ خطرہ ہے کہ چراگاہ میں واقع ہو جائے جو مشتبہات سے بچا اس نے اپنا دین اپنی عزت بچالی، غرض شریعت کے اس قسم کے اصول اس کی حرمت کی جانب کو ترجیح دے رہے ہیں۔

لاؤڈ سپیکر

بعض لوگ لاؤڈ سپیکر (آلہ جہیر الصوت) اور ریڈیو کو ایک ہی درجہ دیتے ہیں، میرے خیال میں ان دونوں میں بڑا فرق ہے وہ یہ کہ ریڈیو زیادہ تر دماغی عیاشی کا مرکز اور گانے بجانے کا مصرف اور خطرات کا پیش خیمہ ہے اور لاؤڈ سپیکر میں یہ باتیں نہیں کیونکہ لاؤڈ سپیکر اشد ضرورت کے وقت نصب کیا جاتا ہے اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے گھڑی کی گھنٹی الارم اور گاڑی کا وسل اس کی سیٹی وغیرہ اس قسم کی آوازیں سب جائز ہیں اور گھنگھرو، ٹلی وغیرہ اس قسم کی آوازیں ناجائز ہیں حالانکہ بعض دفعہ ان سے

بھی فائدہ ہوتا ہے۔ مثلاً اونٹ، بیل، گھوڑا وغیرہ جب جوتتے ہیں تو آواز سے ان کے چلنے ٹھہرنے کا پتہ لگتا ہے دور سے قافلوں کی آمدورفت وغیرہ معلوم ہو جاتی ہے گم شدہ کی تلاش آسان ہو جاتی ہے چرواہے کو سہولت ملتی ہے مگر باوجود اس کے احادیث میں ان کی سخت ممانعت آئی ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ زیادہ مقصد ان سے خوش آوازی اور حظ نفسانی ہے جیسے گانے بجانے بنسری وغیرہ کی آواز میں ہے ٹھیک اسی طرح ریڈیو اور لاؤڈ سپیکر کو سمجھ لینا چاہیئے۔ پس ان دونوں کا حکم ایک نہیں۔

واٰخر دعوینا الحمدللہ رب العلمین۔ عبداللہ امرتسری روپڑی

انصاری نام کی وجہ تسمیہ

سوال۔ اہلِ مدینہ کو انصار کیوں کہا گیا؟ دورِ حاضرہ میں کوئی مسلمان انصاری ہو سکتا ہے یا نہیں؟

جواب۔ ابو ایوب انصاری زیندارہ کرتے تھے۔ جیسا کہ ابوداؤد کی اس حدیث سے ظاہر ہے جو اسلم بن عمران سے مروی ہے اور ابن کثیر نے اس کو زیرِ آیت وَلَا تُلْقُوا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّهْلُکَةِ بیان کیا ہے اہلِ مدینہ کو دین کی نصرت اور امداد کی وجہ سے انصار کہا گیا ہے اس کے علاوہ قرآن مجید میں ہے اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ۔ یعنی جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنی جانوں اور مالوں کے ساتھ راہِ الٰہی میں جنگ کیا اور جنہوں نے جنگ کیا۔ اور جنہوں نے جگہ دی اور مدد کی یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں، اس آیت میں مہاجرین کو ہجرت اور انصار کو نصرت کے لفظ سے ذکر کیا ہے اس سے بھی معلوم ہوا کہ اہلِ مدینہ کو انصار نصرت دین کی وجہ سے کہا گیا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ مہاجرین اور انصار مقابلہ ذکر ہوتے ہیں۔ چنانچہ دوسری آیت میں ہے۔ السابقون الاولون من المهاجرین والانصار الآیة (پارہ ۱۱ رکوع ۲) یعنی مہاجرین اور انصار جو سبقت لے جانے والے ہیں۔ مشکوٰۃ باب جامع المناقب میں حدیث ہے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لولا الهجرة لكنت امرأ من الانصار یعنی اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں انصار سے ایک شخص ہو جاتا۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ انصاری نام مہاجر کے مقابلہ میں رکھا گیا ہے نیز رحمۃ المهداۃ فصل رابع مشکوٰۃ کے اسی باب میں ہے، عَنْ غَیْلَانَ قَالَ قُلْتُ لِاَنَسٍ اَرَأَیْتُمْ اِسْمَ الْاَنْصَارِ اَنْتُمْ تُسَمَّوْنَ بِهٖ اَمْ سَمَّاکُمُ اللّٰهُ تَبَارَكَ

و تعالی قال بل سمانا اللہ۔ الحدیث (رواہ البخاری)

غیلان کہتے ہیں میں نے انس رض سے انصار کے نام کی بابت دریافت کیا کہ یہ نام تم نے خود رکھا ہے یا اللہ تعالیٰ نے؟ فرمایا ہمارا یہ نام خدا تعالیٰ نے رکھا ہے۔

اس روایت نے فیصلہ کر دیا کہ انصار نام کسی پیشہ کی وجہ سے یا قومیت کی بنار پر نہیں رکھا گیا۔ بلکہ دین کی حمائت اور نصرت کی وجہ سے رکھا ہوا ہے جن کا نام خدا نے انصاری رکھا ہے ان میں شامل نہیں ہو سکتا۔

عبداللہ امرتسری از روپڑ ۱۱ شعبان ۱۳۵۸ھ

اختلاف کی بناء پر شاگرد کو عاق کہا جا سکتا ہے

سوال ۔ شاگرد اگر اپنے استاذ سے کسی مسئلہ میں اختلاف کرے تو کیا اس اختلاف کی وجہ سے شاگرد کو عاق کہا جا سکتا ہے یا نہیں؟

جواب ۔ مسائل کے اختلاف سے شاگرد عاق نہیں۔ بنتا بلکہ یہ ایک لازمی شے ہے اس لئے ہمیشہ شاگرد اپنے اساتذہ کی مخالفت کرتے رہے۔ امام شافعی رح امام مالک رح کے شاگرد ہیں۔ مگر بہت سے مسائل میں ان کے خلاف ہیں اس لئے یہ دو مذہب الگ الگ قرار پائے۔ اس طرح امام احمد، امام شافعی رح کے شاگرد ہیں۔ مگر مذہب ان کا بھی الگ ہے، امام ابو حنیفہ رح کے دونوں بڑے شاگرد امام ابو یوسف رح اور امام محمد رح اپنے استاد سے قریباً دو تہائی مذہب میں خلاف ہیں، امام مسلم رح امام بخاری رح کے شاگرد ہیں۔ مگر بعض مسائل میں ایسے خلاف ہیں کہ اُستاد کے حق میں سختی پر اُتر آئے ہیں مقدمہ مسلم پڑھ کر دیکھئے اسی طرح امام بخاری رح بواسطہ امام حمیدی رح امام شافعی رح کے شاگرد ہیں لیکن مسائل میں امام شافعی رح کی ذرا پرواہ نہیں کرتے، جو کچھ اپنی تحقیق ہے اس کے پابند ہیں جو قرون میں اس قسم کے اختلافات بہت ہیں مگر کسی اُستاد نے شاگرد کو اس بناء پر عاق نہیں کیا، جس شخص نے مسئلہ کے اختلاف کی وجہ سے اپنے شاگرد کو عاق کیا ہے، وہ خود شریعت کا عاق ہے، کیونکہ شریعت اندھی تقلید کی اجازت نہیں دیتی۔ اس قسم کی تقلید شریعت میں ایک امر محدث ہے جو ایسی تقلید کرانا چاہتا ہے۔ وہ ایک امر محدث کا مرتکب ہوا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں و شر الامور محدثاتہا۔ پس اس شخص کو لازم ہے کہ اس بات سے توبہ کرے۔ اور آئندہ اس قسم کے مسائل میں اختلاف کی وجہ سے اپنے کسی شاگرد کو عاق

نہ کہے ورنہ خود شریعت سے عاق سمجھا جائے گا۔ عبداللہ امرتسری مدیر تنظیم روپڑ ضلع انبالہ

۱۲ رمضان المبارک ۱۳۵۸ھ

کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کو دیکھا ہے؟

سوال : حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا فتویٰ ہے کہ جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کو دیکھا ہے وہ جھوٹا ہے اور دلیل آیت لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ کہ اس کو آنکھیں نہیں پاتیں وہ آنکھوں کو پاتا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کا مسلک یہ ہے رَأَى مُحَمَّدٌ رَبَّهُ محمد نے اپنے رب کو دیکھا ہے۔ اور دلیل اس کی آیت "فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ" دو کمان قدر بلکہ اس کے نزدیک تر ہوگیا، پیش کی ہے۔ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس آیت سے مراد حضرت جبرئیل علیہ السلام لیتے ہیں اور حدیث ابی ہریرہ جو کہ مرفوع ہے اس میں یہ لفظ فیقال لہ ھل رأیت اللہ فیقول ما ینبغی لاحد ان یرا اللہ (مشکوٰۃ) اس کو کہا جائے گا کیا تو نے خدا کو دیکھا ہے پس کہے گا۔ کسی کو لائق نہیں کہ خدا کو دیکھے۔ یہ بھی قول عائشہ رضی اللہ عنہا کی تائید کرتی ہے۔ ان تمام ادلہ پر غور فرما کر اصل حقیقت سے آگاہ فرمائیں۔

عبداللہ لائل پوری

جواب : اس مسئلہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کا اختلاف مشہور ہے ایک طرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ وغیرہ ہیں، دوسری طرف عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ ہیں۔ لیکن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ راٰہ بفوادہ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کو دل سے دیکھا ہے دل سے دیکھنے سے بظاہر کشف کی حالت مُراد ہے اس صورت میں صحابہ رضی اللہ عنہم میں اختلاف نہیں رہتا کیونکہ جو انکار کرتے ہیں وہ رویت بصری سے انکار کرتے ہیں اگر بالفرض اختلاف تسلیم کر لیا جائے۔ تو اس کا فیصلہ مرفوع حدیث سے ہونا چاہیئے۔ فَلَمَّا اختلف الصحابۃ وجب الرجوع الی المرفوع (فتح الباری جلد ۴ ص ۴۸۶) یعنی جب صحابہ رضی اللہ عنہم کا اختلاف ہوگیا تو مرفوع کی طرف رجوع واجب ہوگیا اور مرفوع حدیث سے عدم رؤیت ہی ثابت ہوتی ہے ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا آپ نے اپنے رب کو دیکھا؟ فرمایا نُورٌ اَنّٰی اَرَاہُ (مشکوٰۃ باب رویۃ اللہ تعالیٰ) نور ہے میں کس طرح دیکھ سکتا ہوں اور جو حدیث آپ نے ذکر کی ہے وہ بھی اس کی مؤید ہے پس ترجیح اسی کو ہے کہ دنیا میں

خدا کو کوئی نہیں دیکھ سکتا، عبداللہ امرتسری روپڑی ۸ ،صفر المظفر ۱۳۵۹ھ

آثار انبیاء وغیرہ سے تبرک حاصل کرنا

سوال:- زید کہتا ہے کہ آثار مبارک کی زیارت اور عزت کرنا نہ صرف جائز بلکہ موجب ثواب عظیم ہے جس کے دلائل یہ ہیں۔

دلیل اوّل :- یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار ہیں جن کی نسبت حدیث شریف میں ہے جس کا خلاصہ یہ ہے جس نے میری یا میری قبر کی زیارت کی توجھ پر اس کی شفاعت واجب ہوگئی

دلیل دوم :- تاریخ اور سیر سے پتہ چلتا ہے کہ بعض صحابہ رضؓ کے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ناخن وغیرہ ہوتے تھے جن کو وہ بصد احترام اپنے پاس رکھتے تھے۔

دلیل سوم :- قرآن شریف اور تفاسیر میں ہے کہ بنی اسرائیل کے پاس ایک تابوت ہوتا تھا جس میں انبیاء سابقین ؑ کے آثار ہوتے تھے۔ اس تابوت سے بنی اسرائیل کی تسکین اور تسلی ہوتی تھی اور اس کو جنگوں میں ساتھ رکھتے تھے اور اس کی برکت سے کامیاب ہوتے تھے۔ ہم بھی نبی اقدس ؐ کے آثار مقدسہ اپنے پاس رکھتے ہیں، شرعاً اس کی کوئی ممانعت نہیں،

عمرو کہتا ہے کہ ان آثار کی زیارت کرنا اور عزت وتکریم کرنا شرعاً ناجائز ہے اور بدعت ہے کیونکہ باقاعدہ ثبوت ہی نہیں کہ یہ آثار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں۔ اور جب باقاعدہ ثبوت نہیں تو ایسے آثار کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنا گناہ عظیم ہے۔ جیساکہ صحیح احادیث میں ہے۔ مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ یعنی جس نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ بولا پس اس نے اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالیا۔ حضور علیہ السلام کی ذات پر اس سے بڑھ کر اور کیا بہتان عظیم ہوگا، خدا معلوم کس کے بال ہیں جنکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے ان کی عزت وتکریم کی جاتی ہے اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک صحابہ کرام بطور آثار رکھتے تو آج وہ موئے مبارک مکہ اور مدینہ میں موجود ہوتے حالانکہ وہاں ان موئے مبارک کا نام ونشان تک نہیں اور نہ ممالک اسلامیہ میں یہ آثار اس کثرت سے ہیں، جیساکہ بنگلور میں ہیں، پنجاب وسندھ کے پورے دو صوبوں میں صرف روڑی سندھ میں ایک موئے مبارک بتایا جاتا ہے۔ اور یوپی، سی، پی دہلی

وغیرہ میں صرف ایک مقام یعنی دہلی کی جامع مسجد کچھ آثار موجود ہیں اور کہا جاتا ہے کہ شاہانِ اسلام نے بصرفِ زرِ کثیر اور بے انتہا کوشش سے ان کو حاصل کیا تھا، پھر بھی محققین علماء اہل سنت والجماعت کو شبہ ہے کہ آیا واقعی وہ آثار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں یا نہیں۔ بنگلور میں ان باتوں کی بہتات اور کثرت ہی صاف شہادت دے رہی ہے کہ یہ بال جھوٹے اور جعلی ہیں۔

زید کے دلائل کی تردید

زید نے جو حدیث پیش کی ہے کہ جس نے میری یا میری قبر کی زیارت کی تو اس کی شفاعت مجھ پر واجب ہوگئی اس مضمون کی تمام احادیث ضعیف بلکہ من گھڑت ہیں صحیح احادیث میں اس کا کوئی ثبوت نہیں۔

دوسری جو دلیل ہے وہ بھی درست نہیں بے شک بعض روایات اور تواریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ بعض صحابہ رضؓ کے پاس آنحضرت صلعم کے ناخن اور موئے مبارک وغیرہ ہوتے۔ مگر انہی روایات میں یہ بھی ہے کہ ان آثار کو اپنی صحابہ رضؓ کی وصیت کے مطابق ان کے کفنوں سے باندھ کر ان کے ساتھ دفن کر دیا جاتا تھا۔ اس بات کا قطعاً ثبوت نہیں ملتا کہ صحابہ رضؓ ان کی نمائش کیا کرتے یا ان آثار کی زیارت کے لئے ان کا اجتماع ہوتا تھا، پس جس طریقہ کو صحابہ رضؓ نے نہ کیا ہو اس کو کرنا بدعت اور گمراہی نہیں تو اور کیا ہے۔

دلیل سوم کی تردید:۔ قرآن مجید اور تفاسیر میں بے شک ایک تابوت کا ذکر آیا ہے جو بنی اسرائیل کے پاس تھا۔ اور وراثۃً انبیاء بنی اسرائیل اور سرداران بنی اسرائیل کو دیا جاتا تھا۔ بے شک بنی اسرائیل میں آثار پرستی تھی اور اس آثار پرستی کا نتیجہ ہے کہ بنی اسرائیل نے انبیاء اور اپنے سرداروں کی تصویریں اور بت تک بنوا دیئے تھے۔ اس لئے ان پر خدا کی لعنت اور غضب بھی ہے مگر آنحضرت کو نہ تو اس قسم کا انبیاء سابقین سے کوئی تابوت دیا گیا اور نہ ہی آپ ؐ نے اپنے آثار کا کوئی تابوت اپنے مقدس جانشینوں یعنی صحابہ رضؓ کرام کے حوالہ کیا ہے البتہ بوقتِ وصال قرآن مجید ہی کو مضبوط پکڑنے کی وصیت فرمائی ہے۔ براہِ نوازش تحریر فرمائیں کہ ان آثار کی اصلیت اور واقعیت کی تحقیق اس زمانہ میں کس طرح کی جاسکے۔ غلام دستگیر سیکرٹری اہل سنت والجماعت جنوبی ہند صدر مقام ۷۷ آرسٹنگ روڈ معسکر بنگلور

جواب:۔ عمرو نے جو کچھ جواب دیا ہے بالکل درست ہے اکثر آثار جو آج کل لوگوں میں مروج ہیں۔

وہ من گھڑت اور من مانی کارروائیاں ہیں۔ دلیل اول میں جو زید کی طرف سے حدیث پیش کی گئی ہے، وہ ثابت نہیں، چنانچہ رسالہ زیارت قبر نبوی میں ہم نے اس روایت پر اور اس قسم کی دیگر روایات پر مفصل روشنی ڈالی ہے۔

۲۔ دلیل دوم جس میں ناخنوں کا ذکر ہے وہ زید کے دعویٰ کی دلیل نہیں بلکہ اس کی تردید ہے کیونکہ صحابی رضؓ نے ان ناخنوں کے دفن کی وصیت کی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایسی چیز کو پشت در پشت رکھنا اور چاندی کی ٹکیوں میں ڈال کر ان پر غلاف پر غلاف چڑھانا اور خاص ایام کا تعین کر کے مردوں عورتوں کی زیارت گاہ بنانا درست نہیں اگر شرعاً یہ چیز مستحسن ہوتی۔ تو صحابی موصوف ضرور اس پر عمل کرتے اور عمل کرنے کی ترغیب دیتے۔ صحابی کا ان کو دفن کرنے کی وصیت کرنا اس بات کی بین دلیل ہے کہ آثار صالحین کو اس قدر اہمیت دینا شرعاً مردود ہے پس ان آثار سے جو پایۂ ثبوت کو پہنچ جائیں۔ وہی برتاؤ ہونا چاہیئے۔ جو سلف صالحین نے کیا ہے اگر کسی شے سے تبرک حاصل کرنا ہو تو اس کے لئے اوّل نمبر صحابہ رضؓ کی روش دیکھنی چاہیئے۔ کیونکہ جو محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ رضؓ کو تھی وہ کسی اور کو نہیں ہو سکتی اس لئے اس لئے خدا نے ان کو اپنے نبی کی صحبت کے لئے پسند کیا اور ہمیں ان کی اتباع کا حکم دیا۔

شاہ ولی اللہ صاحب بلاغ المبین کے صہ۱۷ میں حجر اسود اور مقام ابراہیم کی فضیلت بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔ ان سے وہی برتاؤ کرنا چاہیئے۔ جو سلف سے مروی ہے۔ مثلاً حجر اسود کو مسح کرنا اور بوسہ دینا مروی ہے اب کوئی حجر اسود والا کام مقام ابراہیم پر کرے یعنی اس کو بوسہ دے یا مسح کرے تو یہ ٹھیک نہیں۔ کیونکہ نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے نہ صحابہ رضؓ کرام سے بلکہ صحابہ رضؓ سے انکار مروی ہے ابن ابی شیبہ نے اپنی تصنیف میں عبداللہ بن زبیر سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے ایک جماعت کو مقام ابراہیم کا مسح کرتے دیکھ کر فرمایا کہ خدا نے تمہیں پتھر کے مسح کا ارشاد نہیں فرمایا بلکہ اس کے نماز پڑھنے کا ارشاد فرمایا ہے اور امام محمد برکوی رحمہ رسالہ زیارۃ القبور ملحقہ رد الوافر صفحہ ۵۴ میں محل اجابت سمجھ کر قبروں کی زیارت کرنا ذکر کر کے لکھتے ہیں۔ اس کا ترجمہ یہ ہے۔

صحابہ رضؓ نے اس سے بہت چھوٹی باتوں پر بھی انکار کیا ہے چنانچہ معرور بن سوید سے بہت نے روایت

کیا ہے کہ راستہ مکہ میں میں نے حضرت عمر بن خطاب کے ساتھ فجر کی نماز پڑھی اس میں سورہ الم تر اور سورۃ لایلف پڑھی پھر لوگوں کو دیکھا کہ اِدھر اُدھر جا رہے ہیں پوچھا یہ کہاں جاتے ہیں؟ کہا گیا اے امیر المومنینؓ ایک مسجد ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تھی یہ اسی میں نماز پڑھتے ہیں، فرمایا پہلی امتیں اسی وجہ سے ہلاک ہوگئیں کہ انہوں نے انبیاء کے آثار کے پیچھے لگ کر ان جگہوں میں عبادت خانے اور گرجے بنا لئے جس شخص کو ان مسجدوں میں نماز کا وقت آجائے۔ نماز پڑھے۔ ورنہ گزر جائے اس طرح جب حضرت عمرؓ کو خبر پہنچی کہ لوگ اس درخت کے پاس یکے بعد دیگرے آتے ہیں جس کے نیچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے بیعت الرضوان لی تھی۔ تو اس درخت کو کٹوا دیا۔ چنانچہ ابن وضاح نے اپنی کتاب میں اس کو روایت کیا ہے کہ میں نے عیسیٰ بن یونس سے سنا وہ فرماتے تھے۔ کہ حضرت عمرؓ نے اس درخت کے کاٹنے کا حکم دیا۔ جس کے نیچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت الرضوان ہوئی کیوں کہ اس کے نیچے لوگ نماز پڑھنے کے لئے جاتے تھے۔ تو حضرت عمرؓ کو لوگوں پر شرک کا خوف ہو گیا۔ ابوبکر خلال رحؒ نے اپنی اسناد کے ساتھ حذیفہؓ بن یمان صحابی سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے ایک شخص کے بازو میں تاگا گابندھا ہوا دیکھا جو اس نے بخار کے لئے کسی سے کروایا تھا۔ تو فرمایا اگر تو مرجاتا اور یہ تاگا تجھ پر ہوتا تو میں تیری نماز جنازہ نہ پڑھتا۔

شاہ ولی اللہ رحؒ نے بھی بلاغ المبین کے ص۱۰ میں مکہ مدینہ کے درمیان مسجد اور درخت کے متعلق حضرت عمرؓ کی یہ دونوں روائتیں ذکر کی ہیں۔ یعنی مکہ مدینہ کے درمیان مسجد میں نماز کا قصد کرنے کو منع کرنا اور اس درخت کے متعلق حضرت عمرؓ کی یہ دونوں روائتیں ذکر کی ہیں یعنی مکہ مدینہ کے درمیان مسجد میں نماز کا قصد قسم کے آثار کو اور بزرگوں کے عصار اور تسبیح وغیرہ کو کہیں نصب کر کے زیارت گاہ مقرر کر دیتے ہیں اور ان کا قصد کر کے زیارت کو آتے ہیں۔

تیسری دلیل زید نے تابوت کا واقعہ ذکر کیا ہے۔ جو قرآن شریف میں پارہ ۲ کے اخیر میں مذکور ہے اس کے متعلق قرآن مجید سے جو کچھ ثابت ہے وہ صرف یہ ہے کہ تابوت کا آنا طالوت کی بادشاہت کی نشانی تھی کہ وہ خدا کی طرف سے بادشاہ مقرر ہوئے ہیں یا اس بات کی نشانی تھی کہ جب تابوت آئے اس وقت سے بادشاہ سمجھے جائیں۔

رہا زید کا یہ کہنا کہ بنی اسرائیل اس تابوت کو جنگوں میں ساتھ رکھتے تھے اور اسی کی برکت سے کامیاب

ہوتے تھے سو اس کا جواب یہ ہے کہ ایسی کوئی روائت ثابت نہیں ہوئی جس میں یہ ذکر ہو کہ انبیاء علیہم السلام کے آثار سے کامیاب ہوتے تھے۔ تفسیر فتح البیان میں ہے کہ اس تابوت میں سکینہ سے مُراد یا تو رحمت اور اطمینان ہے یا چار پایہ ہے جو بلی کے انداز پر تھا۔ اس کی شعاع دار آنکھیں تھیں اور جب دو لشکر ملتے تو وہ دابہ دونوں ہاتھ نکال کر دشمن کی فوج کو جھانکتا۔ وہ اس کے رعب سے شکست کھا جاتے اور حضرت علی رضؓ فرماتے ہیں سخت اور تیز ہوا تھی مجاہد رحؒ کہتے ہیں ایک شے بلی کے مشابہ تھی۔ جس کا سر بلی کا تھا۔ اور چہرہ بھی بلی کا تھا۔ اور دو بازو (پر) تھے اور دم تھی اور ابن عباس رضؓ سے روایت ہے کہ وہ سونے کا تھال تھا۔ جو جنت سے آیا تھا۔ اس میں انبیاء علیہم السلام کے دلوں کو غسل دیا جاتا تھا۔ خدا نے موسیٰ علیہ السلام کو دیا اس میں تورات کی تختیاں تھیں، اور وہب رحؒ بن منبہ کہتے ہیں وہ خدا کی طرف سے روح تھا۔ جو کلام کرتا تھا جب بنی اسرائیل کا آپسیں اختلاف ہوتا تو وہ ان کو ہر قسم کے خبر کی بیان دیتا۔ جو وہ چاہتے اور حسن بصری رحؒ سے روایت ہے کہ وہ ایک شے تھی جس سے دل مطمئن ہوتے۔ اور عطا بن رباح سے روایت ہے کہ وہ ان کے ہاں معروف نشانیاں تھیں جن سے ان کو اطمینان ہوتا۔ اور تفسیر کبیر میں امام رازی نے ابن عباس رضؓ سے نقل کیا ہے کہ وہ ایک زبرجد یا یاقوت کی شکل تھی۔ جس کے لئے بلی کی طرح سر اور دم تھی جب بلی کی طرح چیختی تو تابوت دشمن کی طرف جاتا۔ اور بنی اسرائیل اس کے ساتھ چلتے۔ جب ٹھہر جاتا ٹھہر جاتے۔ اور خدا کی طرف سے مدد اترتی۔ اور حضرت علی رضؓ سے نقل کیا ہے کہ سکینہ کا چہرہ انسان کا تھا۔ اور اس کے لئے تیز ہوا تھی۔ جو اس سے نکلتی تھی۔ اور تفسیر ابن کثیر میں حضرت علی رضؓ سے نقل کیا ہے کہ اس کا چہرہ انسان کا تھا پھر وہ تیز روح تھی اور وہب بن منبہ سے نقل کیا ہے کہ وہ مردہ بلی کا سر تھا جب تابوت میں بلی کی طرح چیختا تو بنی اسرائیل کو نصرت کا یقین ہو جاتا اور فتح ہو جاتی اور تفسیر فتح البیان میں ہے کہ حدیث میں بادل کو بھی سکینہ کہا جاتا ہے۔ جو بعض صحابہ رضؓ پر سورۃ کہف پڑھنے کے وقت اترا۔ جس کا ذکر حدیث میں ہے۔

ان روایتوں سے جن میں دشمن پر فتح پانے کا ذکر ہے ان میں فتح کا ذریعہ حیوان ہے یا اس کا سر ہے۔ وہ آواز کرتا یا جھانکتا اور ہاتھ پھیلاتا۔ اس سے دشمن رعب میں آکر شکست کھا جاتا۔ آثار انبیاء سے شکست کا کوئی ذکر نہیں۔ پھر فتح البیان وغیرہ میں ان روایتوں (حیوان اور غیر حیوان والیوں) پر اسرائیلیات ہونے کا شبہ کیا ہے۔ جس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ یہ اقوال سماعی ہیں یعنی اجتہاد و استنباط اور قواعد عربیہ کو

ان میں کوئی دخل نہیں۔ بلکہ بطور نقل کے ان علماء کو پہنچے ہیں۔ اب نقل ان کی یا تو رسول اللہ علیہ وسلم سے
سے ہوگی یا اہل کتاب سے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف تو ان کی نسبت ٹھیک نہیں کیونکہ یہ اقوال
ایک دوسرے کے خلاف ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اہل کتاب سے لیئے گئے ہیں جن کو اسرائیلیات
کی بابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے لَا تُصَدِّقُوا اَهْلَ الْكِتَابِ وَلَا تُكَذِّبُوْهُمْ (مشکوٰۃ
باب الاعتصام) یعنی اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو، اور نہ تکذیب۔ پس اس صورت میں زید کی دلیل سرے سے
ساقط ہوگئی۔ اس کے علاوہ اگر فرض کر لیا جائے کہ بنی اسرائیل کو جنگوں میں آثار کی برکت سے کامیابی ہوتی
تھی۔ تو صحابہ رض کے پاس جو رسول اللہ علیہ وسلم کے آثار تھے۔ مثلاً آپ کے برتن کپڑے وغیرہ انہوں نے
ان سے یہ کام کیوں نہ لیئے یا ان کے بعد خیر قرون میں ان باتوں پر کیوں نہ عمل ہوا کیا ہمارے نبی صلی اللہ
علیہ وسلم دوسرے انبیاء علیہم السلام سے معاذاللہ کم درجہ رکھتے تھے۔ بلکہ سید الاولین والآخرین تھے۔
اس سے صاف معلوم ہوا کہ ہمارے دین میں یہ آثار پرستی نہیں اگر ہوتی تو اول نمبر وہ اس پر عمل کرتے
صحابہ رض کو آپ کا اتنا ادب و احترام تھا، کہ وہ آپ کو سجدہ کرنے کے لئے تیار تھے۔ مگر آپ نے فرمادیا
کہ اگر میں غیر کسے لئے سجدہ کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ خاوند کو سجدہ کرے۔ مگر سجدہ غیر کو جائز نہیں
بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام تعظیمی کی بھی اجازت نہیں دی صحابہ رض کہتے ہیں، ہم آپ کے لئے
قیام کرنا چاہتے تھے۔ (مشکوٰۃ باب القیام)

پس جب آپ کی ذات وبابرکات کیلئے قیام ٹھیک نہیں، تو آثار کے لئے قیام کس طرح درست
ہوگا۔ حالانکہ آثار پرست دست بستہ آثار کی تعظیم کے لئے کھڑے ہوجاتے ہیں بلکہ دعائیں بھی کرتے ہیں
جیسے سوال میں مذکور ہے پھر یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ بزرگوں سے اصل محبت یہی ہے بلکہ اصل
محبت ان کی اتباع ہے، مشکوٰۃ باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق میں عبدالرحمٰن بن ابی قراد رض سے روایت
ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن وضو کیا۔ صحابہ رض نے آپ کے وضو کا پانی اپنے اوپر
ملنا شروع کیا۔ آپ نے فرمایا یہ تم کیوں کرتے ہو؟ کہنے لگے اللہ اور اس کے رسول کی محبت کی وجہ سے
کرتے ہیں۔ فرمایا جس کو خوش لگے۔ کہ خدا اور اس کا رسول اس سے محبت کریں۔ تو اس کو چاہیئے۔ کہ بات
کرنے کے وقت سچ بولے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے۔ تو اس میں خیانت نہ کرے اور
جو اس کا ہمسایہ بنے اس سے احسان کرے۔ اس حدیث نے فیصلہ کر دیا۔ کہ اصل محبت آپ کی اتباع ہے

اور آثار سے اگر تبرک حاصل کرنا چاہے۔ تو اس میں بھی اتباع کے دائرہ سے باہر نہ نکلے جس کی اصل صورت یہ ہے کہ اول نمبر صحابہ رضہ کو پھر بقیہ خیر قرون کو دیکھے کہ انہوں نے کیا صورت اختیار کی تھی۔ یہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہے اور اسی میں نجات ہے سے

خلاف پیمبر کسے راہ گزید　　　که هرگز بمنزل نه خواهد رسید

عبداللہ امرتسری روپڑی

مسئلہ کاٹ

سوال ، مسئلہ کاٹ یعنی جو لوگ مسلمان دنیا میں عیش و آرام　　کرتے ہیں۔ اور وہ اللہ کی حلال کردہ نعمتیں کھاتے ہیں ، کیا آخرت میں ان کا ثواب بوجہ دنیا کی لذتیں اور نعمتیں کھانے کے کاٹا جائے گا یا نہیں ؟ بعض لوگ مسئلہ کاٹ کا احادیث ذیل سے استدلال کرتے ہیں۔

۱ ، مَامِنْ غَازِيَةٍ اَوْسَرِيَّةٍ تَغْزُوفَتَغْنَمُ وَتَسْلَمُ اِلَّا كَانُوْا قَدْ تَعَجَّلُوْا ثُلُثَيْ اُجُوْرِهِمْ وَمَامِنْ غَازِيَةٍ اَوْسَرِيَّةٍ تُخْفِقُ وَتُصَابُ اِلَّا تَمَّ اُجُوْرُهُمْ ۔ الحدیث (رواہ مسلم جلد ۲ صنا۱۴) کوئی فوج نہیں ، جو جنگ کرے ۔ پس غنیمت لوٹے اور سلامت رہے ۔ مگر دو تہائی اجر ان کو مل گیا اور کوئی فوج نہیں جو جنگ کرے اور ناکام رہے ۔ اور مصیبت پہنچائی جائے مگر ان کا اجر پورا ہو گیا۔

۲ ، اِنَّ فُقَرَاءَ الْمُهَاجِرِيْنَ يَسْبِقُوْنَ الْاَغْنِيَاءَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِلَى الْجَنَّةِ بِاَرْبَعِيْنَ خَرِيْفًا ۔ رواہ مسلم ، (کتاب الرقاق فی فضل الفقراء و مشکوٰۃ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فقراء مہاجرین قیامت کے دن چالیس سال غنیوں سے پہلے جنت میں جائیں گے ۔

۳ ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمُعَاذٍ لما بعث به الى اليمن قال اياك وَالتَّنَعُّمَ فَاِنَّ عِبَادَ اللّٰهِ لَيْسُوْا بِالْمُتَنَعِّمِيْنَ رواہ احمد (مشکوٰۃ کتاب الرقاق)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب معاذ رضہ کو یمن کی طرف بھیجا ۔ تو یہ وصیت کی کہ آرام طلبی اور آسودہ حال رہنے سے خود کو بچا ۔ کیونکہ خدا کے بندے آرام طلب اور آسودہ حال نہیں ہوتے ۔

۴ ، عَنْ زَيْدِ بْنِ اَسْلَمَ قَالَ اسْتَسْقٰى يَوْمًا عُمَرُ رضہ فَجِيْئَ بِمَاءٍ قَدْ شِيْبَ بِعَسَلٍ فَقَالَ اِنَّهُ لَطَيِّبٌ

لٰكِنِّي اَسْمَعُ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ نَعٰى عَلٰى قَوْمٍ شَهْوَاتِهِمْ فَقَالَ اَذْهَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ فِي حَيٰوتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا فَاَخَافُ اَنْ تَكُوْنَ حَسَنَاتُنَا عُجِّلَتْ لَنَا فَلَمْ يَشْرَبْهُ (رواہ رزین کتاب الرقاق فی الامل والحرص)

زید بن اسلم کہتے ہیں حضرت عمرؓ نے ایک روز پانی مانگا، شہد کا شربت حاضر خدمت ہوگیا۔ فرمایا یہ عمدہ ہے لیکن میں خدا سے سنتا ہوں۔ کہ اس نے کفار پر خواہشات کے پورا کرنے کا طعن کیا۔ چنانچہ فرمایا۔ تم اپنی لذت کی اشتہار دنیا میں لے گئے اور ان سے ان دلائل کو وہ لوگ مسئلہ کاٹ پر پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ آنجناب کو معلوم ہوگا کہ صوفی ولی محمد فتوحی والے اس مسئلہ کاٹ کے قائل تھے اور انہوں نے ایک کتاب مسمی بہ زاہد الانسان طبع کرائی لیکن میری نظر سے وہ کتاب نہیں گزری۔ بہرحال مذکورہ دلائل کو سامنے رکھتے ہوئے جواب دیں۔

جواب آہ صوفی ولی محمد مرحوم کے ذکر سے آپ نے موت کا نقشہ سامنے کر دیا دوستوں کی جدائی موت کی آمد کا درس عبرت ہے مرحوم ہمارے پہلے سفر حج ۱۳۵۴ ہجری میں بمعہ اہل وعیال ہمارے ساتھ تھے، یہاں سے ہجرت کر گئے۔ ۱۰ محرم ۱۳۵۵ ہجری کو لعارضہ دست مکہ مکرمہ میں زیارت مدینہ منورہ سے پہلے ان کا انتقال ہوگیا انا للہ وانا الیہ راجعون ہم ان کے کفن دفن میں شریک نہ ہوسکے۔ کیونکہ ہم مدینہ منورہ گئے ہوئے تھے۔ واپسی پر جدہ میں ان کے انتقال کی اطلاع ملی۔ خدا غریق رحمت کرے۔ بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں۔

مرحوم کی کتاب زہد الانسان میں نے دیکھی ہے اس میں اسی قسم کے دلائل ہیں جو آپ نے سوال میں ذکر کئے ہیں مرحوم کو اس مسئلہ میں ڈبل غلطی لگی ہوئی تھی۔ ان کو اتنا علم نہ تھا۔ کہ ہر ایک دلیل کو اپنے محل پر رکھیں ایسے موقعہ پر انسان کو چاہیئے کہ اپنے سے اعلم کی طرف رجوع کرے۔ کیونکہ دلائل بظاہر متعارض ہیں۔ قرآن مجید میں ہے۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ (پ ۸ ع ۱۱)

کہدے کس نے حرام کی ہے زینت اللہ کی جو اس نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کی اور پاکیزہ چیزیں رزق سے؟

مشکوٰۃ میں ہے

(۱) ابوالاحوص رح اپنے والد سے روایت کرتے ہیں ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِذَا اَتَاکَ اللہُ مَالاً فَلْیُرَ اَثَرُ نِعْمَۃِ اللہِ عَلَیْکَ وَکَرَامَتُہٗ (کتاب اللباس فصل ۳)

جب خدا تجھ کو مال دے تو خدا کی نعمت اور کرامت کا تجھ پر اثر ہونا چاہیئے ؛

(۲) عَنْ اَبِی رجاء قَالَ خَرَجَ عَلَیْنَا عِمْرَانُ بْنُ حُصَیْنٍ وَعَلَیْہِ مِطْرَفٌ مِنْ خَزٍّ (قال) اِنَّ رَسُوْلَ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ اَنْعَمَ اللہُ عَلَیْہِ نِعْمَۃً فَاِنَّ اللہَ یُحِبُّ اَنْ یَّرٰی اَثَرَ نِعْمَتِہٖ عَلٰی عَبْدِہٖ (کتاب اللباس فصل ۳)

ابی رجاء کہتے ہیں عمران بن حصین رض باہر نکلے اور ان پر صوف سے مخلوط ریشمی چادر تھی، کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا۔ فرماتے تھے کہ خدا جب بندے پر انعام کرے تو دوست رکھتا ہے کہ اپنی نعمت کا اثر اس پر دیکھے ؛

(۳) آپ سے سوال ہوا کہ انسان دوست رکھتا ہے کہ اس کا کپڑا جوتا اچھا ہو۔ کیا یہ تکبر ہے، فرمایا، ان اللہ جمیل یحب الجمال الکبر بطر الحق وغمط الناس (مشکوٰۃ باب الغضب والکبر فصل اوّل) یعنی خدا خوبصورت ہے خوبصورتی کو پسند کرتا ہے۔ تکبر حق سے ضد اور لوگوں کو حقیر جاننا ہے :

(۴) عَنْ اَبِیْ ھریرۃ رض قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْمُؤْمِنُ الْقَوِیُّ خَیْرٌ وَاَحَبُّ اِلَی اللہِ مِنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِیْفِ الحدیث (مشکوٰۃ باب التوکل والصبر فصل اوّل)

ابوہریرہ رض سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مومن قوی مومن کمزور سے بہتر اور خدا کو زیادہ محبوب ہے ؛ (قوت سے مراد عام ہے خواہ مالی قوت ہو یا بدنی جو عموماً قوی غذا سے حاصل ہوتی ہے)

یہ اور اس قسم کے دیگر دلائل چاہتے ہیں کہ خدا نے نعمتیں بندوں کے لئے پیدا کی ہیں۔ اور جس کو خدا کوئی نعمت دے خدا دوست رکھتا ہے کہ وہ اس کو استعمال کرے اب مقابل دلائل سنیئے۔

آپ نے فقراء مہاجرین والی جو حدیث پیش کی ہے وہ بے محل ہے کیوں کہ خدا کی طرف سے جو انسان پر تنگی آتی ہے اس کا یہاں ذکر نہیں بلکہ ذکر اس شے کا ہے کہ جب انسان کو کوئی نعمت ملتی ہو تو اس حالت میں اس کے لئے بہتر کیا ہوگا۔ نعمت کا استعمال بہتر ہے یا ترک ؟ جیسے حضرت عمر رض نے شہد کا شربت نہیں پیا۔ ہاں غنیوں کے لحاظ سے اس کی مناسبت ہوسکتی ہے کہ ان کا درجہ فقراء

سے اسی لئے کم ہوا۔ کہ انہوں نے دنیا میں آرام طلبی اور آسودگی حاصل کی اسی طرح فوج کشی والی حدیث صرف اس حیثیت سے مناسبت رکھتی ہے کہ جنگ میں غنیمت اور سلامتی کمیٔ اجر کا باعث ہوئی ورنہ شکست کھانے والوں کو جو کچھ تنگی آئی ہے وہ ان کے بس کی شے نہیں۔ ہاں معاذہؓ والی روایت من کل الوجوہ موافق ہے۔

اس کے علاوہ سُنیئے۔

(۱) عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ اِیَاسِ بْنِ ثَعْلَبَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلَا تَسْمَعُوْنَ اَنَّ الْبَذَاذَۃ من الایمان ان البذاذۃ من الایمان (مشکوٰۃ کتاب اللباس فصل ۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم فرماتے ہیں کیا تم سُنتے نہیں؟ بیشک سادگی ایمان سے ہے۔ بیشک سادگی ایمان سے ہے۔

(۲) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللہ علیہ وسلم من ترکُ لبْسَ ثَوبِ جَمَالٍ وَھُوَ یَقْدِرُ عَلَیْہِ وَفِی رِوَایَۃٍ تَوَاضُعًا کَسَاہُ اللّٰہُ حلۃ الکرامۃ وَمن تَزَوَّجَ لِلّٰہِ تَوَّجَہُ اللّٰہُ تَاجَ الْمُلْكِ (حوالہ مذکور)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم فرماتے ہیں۔ جو خوبصورتی کا کپڑا چھوڑ دے حالانکہ وہ اس کے پہننے پر قادر ہے اور ایک روایت میں ہے تواضع کے طور پر چھوڑ دے تو خدا اس کو عزت کا جوڑا پہنائے گا۔ اور جو خدا کے لئے (اپنی سے نیچی عورت سے) نکاح کرے اللہ اسکو شاہی تاج پہنائے گا۔

اس قسم کی روائیتیں بہت ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ سادگی اور ترک زینت اور اس سے پرہیز یہ خدا کو زیادہ محبوب ہے اور زیادہ باعث اجر ہے۔

ان میں موافقت یوں ہے کہ دنیا کی نعمتوں کی دو حیثیتیں ہیں ایک فی نفسہٖ ایک زادِ راہ آخرت ہونا پہلی حیثیت سے استعمال کرنا درجہ کو کم کر دیتا ہے اور دوسری حیثیت سے استعمال کرنا درجہ کو بڑھا دیتا ہے جس کے لئے بہتر نمونہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی حیاتِ طیبہ اور آپؐ کے ارشاداتِ مبارکہ ہیں تفصیل اس کی یہ ہے کہ انسان طبعًا نعمت کی طرف مائل، آرام طلب اور آسودگی پسند ہے اگر نعمت کو اسی حیثیت سے استعمال کرے تو یہ صورت نقصان دِہ ہے اور اس سے درجہ کم ہو جاتا ہے اور اگر یہ راحت و آرام ضمنًا ہو اور اصل مقصد دوسری شئے ہو جو محض دین ہو تو پھر یہ نعمت بھی محض دین ہو جاتی ہے۔ مثلاً سوتا اس نیت سے ہے کہ اس آرام سے بدن عبادت پر یا دوسری خدمات پر قوی

ہو جائے تو یہ سونا درحقیقت سونا نہیں بلکہ عین عبادت ہے اسی طرح نکاح، بیوی سے میل ملاپ بڑا آرام ہے بلکہ دنیا کی نعمتوں سے بہت بڑی نعمت ہے مگر جب مقصد اس سے یہ ہو کہ نظر نیچی رہے۔ حرام سے بچاؤ کا ذریعہ ہو۔ خدا اولاد نیک دے جو اس کی یادگار ہو وغیرہ۔ وغیرہ۔ تو پھر یہ دنیا کی نعمت نہیں رہتی۔ بلکہ بہت بڑی عبادت بن جاتی ہے۔

مشکوٰۃ میں ہے۔

عَنْ عَائِشَۃَ رضؓ قَالَتْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ یُعْجِبُہٗ مِنَ الدُّنْیَا ثَلٰثَۃٌ اَلطَّعَامُ وَالنِّسَآءُ وَالطِّیْبُ فَاَصَابَ اثْنَیْنِ وَلَمْ یُصِبْ وَاحِدًا اَصَابَ النِّسَآءَ وَالطِّیْبَ وَلَمْ یُصِبِ الطَّعَامَ (مشکوٰۃ باب فضل الفقراء فصل ۳)

حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا سے تین چیزیں محبوب تھیں۔ کھانا۔ عورتیں اور خوشبو دو کو پہنچے ایک کو نہیں پہنچے عورتیں اور خوشبو مل گئی، کھانا نہیں ملا۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ پہننے اور حکومت وغیرہ سے آپ کو ان سے محبت نہ ہو اگرچہ یہ مرحلہ ہماری طبائع کے لحاظ سے مشکل ہے مگر کوشش جاری رہنی چاہیئے

کیونکہ کوشش کرنے والا ناکام رہے تو بھی خدا کے نزدیک منزل مقصود کو پہنچنے والوں میں شمار ہو گا۔ کوشش کی صورت یہ ہے کہ شریعت میں لباس کے مواقع دیکھے جہاں زینت کا حکم ہے وہاں زینت کرے جہاں سادگی کا حکم ہے وہاں سادگی برتے مثلاً عورت کو حکم ہے کہ خاوند کے لئے زینت کرے اگر خاوند نہ ہو یا گھر پر نہ ہو تو پھر اس کو سادہ رہنا چاہیئے۔ مرد کو حکم ہے کہ جمعہ کے دن زینت کرے یا اس نیت سے اچھا کپڑا پہنے کہ دنیا دار حقیر نہ سمجھیں جیسے سفیان ثوری رحؒ کے حالات میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ عمدہ قمیص زیب تن کی۔ شاگرد نے وجہ پوچھی تو اس کا ہاتھ پکڑ کر قمیص کے اندر کر دیا اس نے دیکھا کہ نیچے ٹاٹ ہے حیران ہوا کہ یہ کیا؟ فرمایا، یہ ٹاٹ خدا کے لئے ہے اور یہ قمیص دنیا داروں کے لئے ہے، اسی لئے فرمایا کرتے تھے۔

کَانَ الْمَالُ فِیْمَا مَضٰی یُکْرَہُ فَاَمَّا الْیَوْمَ فَھُوَ تُرْسُ الْمُؤْمِنِ وَقَالَ لَوْلَا ھٰذِہِ الدَّنَانِیْرُ لَتَمَنْدَلَ بِنَا ھٰؤُلَاءِ الْمُلُوْکُ وَقَالَ مَنْ کَانَ فِیْ یَدِہٖ مِنْ ھٰذِہٖ شَیْءٌ فَلْیُصْلِحْہُ فَاِنَّہٗ زَمَانٌ اِنِ احْتَاجَ کَانَ اَوَّلُ مَنْ یَبْذُلُ دِیْنَہٗ وَقَالَ الْحَلَالُ لَا یَحْتَمِلُ السَّرَفَ (مشکوٰۃ باب استحباب المال والعمر

للطاعة فصل ۳)

یعنی مال گذشتہ زمانہ میں مکروہ سے تھی لیکن آج وہ مومن کی ڈھال ہے اگر یہ اشرفیاں نہ ہوتیں تو ہمیں یہ بادشاہ رومال بنا لیتے۔ جس کے پاس مال سے کچھ ہو اس کی حفاظت کرے کیوں کہ یہ ایسا نازک زمانہ ہے کہ اگر انسان محتاج ہو جائے تو پہلے شے جو اس کے ہاتھ سے جائے گی دین ہے اور حلال مال اسراف کو برداشت نہیں کرتا۔"

اور امام مالکؒ حدیث کے احترام کے لئے فاخرہ لباس پہن کر خوشبو لگا کر اور نیچے قالین بچھا کر درس دیا کرتے تھے جن سے مقصود ان کا دنیا داروں پر رعب تھا کیونکہ سفیان ثوریؒ اور امام مالکؒ کا زمانہ قریباً ایک ہی ہے ربانی علماء کی اس وقت چنداں قدر و منزلت نہ تھی۔ درس میں ہر قسم کے آدمی شامل ہوتے اور آتے جاتے اس لئے امام مالکؒ نے ان کی نظر میں بارعب رہنا پسند کیا تاکہ کوئی دنیادار بہ نظر حقارت نہ دیکھے۔ اسی طرح ایلچیوں اور قاصدوں کے لئے اچھا لباس احادیث میں آیا ہے غرض لباس کو حظِ نفسانی سمجھ کر نہ پہنے بلکہ دینی غرض سے پہنے تو یہ نیکی میں داخل ہے۔

یہ تو لباس کا فیصلہ ہوا۔ اب حکومت کو لیجئے۔

حکومت کا معاملہ چونکہ لباس سے بہت نازک ہے اور حظِ نفسانی کی طرف زیادہ جاذب ہے اس لئے اس میں زیادہ محتاط رہنے کا حکم ہے اوّل تو اس سے بھاگے اور کوشش کرے۔ کہ یہ جوا اس کے کندھے پر نہ رکھا جائے اگر قوم نے اس کو مجبور کر کے اس کے ساتھ زیر بار کر دیا تو پھر عدل اور انصاف کی کوشش کرے جس سے قوموں کا عروج اور انحطاط وابستہ ہے عادل بادشاہ کا بڑا درجہ ہے۔ حدیث میں ہے مستجاب الدعوۃ ہے اس کی دعاء رد نہیں ہوتی۔ ملاحظہ ہو مشکوٰۃ کتاب الدعوات فصل: ۳

نیز حدیث میں ہے۔

اِنَّ اَفْضَلَ عِبَادِ اللّٰہِ عِنْدَ اللّٰہِ مَنْزِلَۃً یَوْمَ الْقِیَامَۃِ اِمَامٌ عَادِلٌ رَفِیْقٌ الحدیث (مشکوٰۃ کتاب الامارۃ فصل ۳)

یعنی قیامت کے دن سب سے افضل خدا کے نزدیک مرتبہ میں بادشاہ عادل نرم دل ہے۔"

دوسری حدیث میں ہے۔

اِنَّ الْمُقْسِطِيْنَ عِنْدَ اللّٰہِ عَلٰی مَنَابِرَ مِنْ نُّوْرٍ عَنْ یَّمِیْنِ الرَّحْمٰنِ الحدیث (مشکوٰۃ کتاب الامارہ فصل اوّل)

یعنی انصاف کرنے والے خدا کے نزدیک نور کے منبروں پر خدا کی دائیں جانب ہوں گے"

غرض حکومت جیسی خطرناک ہے عدل و انصاف کی صورت میں باعثِ رفع درجات بھی ہے اب رہا طعام تو یہ شے ہے کہ انسان اس کا سب سے زیادہ محتاج ہے اور اشیاء کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ اور چونکہ یہ جزو بدن بنتا ہے اس لئے اس کا روحانیت پر خاص اثر پڑتا ہے پس اس میں خصوصیت سے محتاط رہنا چاہیئے۔ مگر محتاط رہنے کا یہ معنی نہیں کہ انسان کبھی دودھ نہ پیئے کبھی گوشت نہ کھائے وغیرہ وغیرہ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ارشادات سے سبق لے چنانچہ آپؐ نے موقعہ بموقعہ یہ سب اشیاء استعمال کی ہیں۔ اگر حضرت عمرؓ نے ایک وقت شہد کا شربت نہیں پیا تو یہ صرف لوگوں کو سبق دینے کے لئے تھا کہ زیادہ لذتوں میں نہ پڑیں ورنہ وہ ان اشیاء کے تارک نہ تھے دیکھیئے! دوسرے وقت انہوں نے دودھ پیا ہے ملاحظہ ہو مشکوٰۃ باب من لا تحل لہ الصدقۃ فصل ۳۔ حالانکہ دودھ وہ نعمت ہے جس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب انسان کوئی شے کھائے تو کہے اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لَنَا فِیْہِ وَاَطْعِمْنَا خَیْرًا مِّنْہُ۔ یعنی اے اللہ! ہمارے لئے اس میں برکت کر اور اس سے بہتر کھلا اور جب دودھ پلایا جائے تو کہے اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لَنَا فِیْہِ وَزِدْنَا مِنْہُ۔ یعنی اے اللہ ہمارے لئے اس میں برکت کر اور یہی زیادہ دے" (ملاحظہ ہو مشکوٰۃ باب الاشربۃ فصل ۲)

اور مشکوٰۃ کے اسی باب میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ وغیرہ کا دودھ، شہد اور دیگر اشیاء کا موقع بہ موقع استعمال کرنا مذکور ہے اگر مطلقاً ترک میں خیر ہوتی تو وہ اس کے زیادہ اہل تھے۔ اصل بات یہ ہے کہ ان اشیاء کو محض بطور تنعّم اور تلذّذ کے استعمال کرنا نقصان دہ ہے چنانچہ عام طور پر دنیا کی حالت ہے ورنہ اگر یہ نیت کرے کہ ان سے وجود میں جو طاقت پیدا ہو گی اس کو عبادتِ الٰہی۔ خدمتِ دین۔ خدمتِ مخلوق خدا کا ذریعہ بناؤں گا۔ اور جب یہ اشیاء نہ ملیں تو ان کی حرص طمع نہ کرے۔ اور بے پرواہ ہو کر رہے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خاص صحابہؓ کی عام حالت تھی۔ تو اس حالت میں ان اشیاء کا استعمال ترک سے بہتر ہے اور باعثِ رفع درجات ہے کیونکہ

اس وقت جو قوت پیدا ہوگی جیسے اس نیت سے سونا کہ بیداری میں نیکی پر قوت حاصل ہو، یہ نیکی میں داخل ہے ٹھیک اسی طرح ان اشیاء کا استعمال ہے مگر جیسے زیادہ نیند اور آرام طلبی اچھی نہیں اسی طرح ان اشیاء کی کثرت مضر ہے بلکہ درمیانی حالت رکھے نہ بالکل تارک نہ بالکل مُتنعّم اور کبھی کبھی ایثار و قربانی کا ثبوت دے۔ یعنی دوسرا بھوکا ہو تو اس کو دیدے تاکہ نفس ہر طرح سے غلام بنا رہے اور جس طرف اس کو لگانا چاہے آسانی سے لگا سکے۔ اور اگر ایسا ہو سکے کہ کھانے کے وقت کسی غریب کو تلاش کرے، اپنے ساتھ بٹھلائے تو یہ بہت بڑا عمل ہے عبداللہ بن عمرؓ اکثر ایسا ہی کیا کرتے۔

غرض دنیا کی نعمت کو بحیثیت نعمت استعمال کرے تو یہ اچھا نہیں اور اگر بہ نیتِ عبادت استعمال کرے تو پھر یہ عبادت ہے۔ دیکھئے، جنگ بدر میں فتح ہوئی اور جنگِ احد میں شکست ہوئی اب سوال والی حدیث کے مطابق اُحد میں شکست ہوئی۔ اب سوال والی حدیث کے مطابق شریک ہونے والوں کا اجر بدریوں سے دوگنا ہونا چاہیئے۔ حالانکہ بدریوں کا اجر زیادہ ہے۔ اس کی کیا وجہ؟ یہی کہ بدریوں کی نیت احد والوں پر فوقیت رکھتی تھی۔ جو کچھ مالِ غنیمت بدریوں کو ملا وہ ان کے لئے مالِ غنیمت نہیں تھا۔ اعلاء کلمۃ اللہ کا سرمایہ تھا۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ جو قوت حظِ نفسانی کے طور پر پیدا نہ کی جائے۔ بلکہ محض دینی فائدہ مدّنظر ہو وہ تنعُّم کی قسم سے نہیں اور جب لوگ مطلقاً اچھی شئے استعمال نہ کرنے کو عبادت سمجھے ہوئے ہیں اور ہمیشہ کے تارک ہیں وہ سخت غلطی میں ہیں ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ اور خاص صحابہؓ کے حالات سے سبق لینا چاہیئے آئی ہوئی نعمت کو دھکیلنا اور خوامخواہ کمزوری اختیار کرنا یہ مومن کے لئے کمال نہیں مومن قوی مومن کمزور سے بہتر ہے کیونکہ جو کام قوی کر سکتا ہے کمزور نہیں کر سکتا۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اغنیاء کو فقراء مہاجرین پر درجہ میں ترجیح دیتے ہوئے فرمایا۔

ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔ "یہ خدا کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے" ملاحظہ ہو مشکوٰۃ باب الذکر بعد الصلوٰۃ فصل اوّل۔

خلاصہ یہ کہ جتنے قوائی خدا تعالیٰ نے انسان کو بخشے ہیں سو جتنے قویٰ اس کے زیادہ ہوں گے اور ان سب سے وہ یہی خدمت لے گا، تو وہ درجہ میں بڑھ جائے گا اور جو کسی قوت کو عیاشی میں ضائع کر دے گا، وہ اس کے لئے وبال ہوگی۔ اور قیامت کے دن اس سے سوال ہوگا۔ خواہ بدنی قوت ہو یا

مالی کیونکہ فی نفسہ دنیا خدا کو پسند نہیں بلکہ بحیثیت مَزْرَعَةُ الْاٰخِرَةِ (آخرت کی کھیتی) ہونے کے پسند ہے اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

اَلَا اِنَّ الدُّنْيَا مَلْعُوْنَةٌ وَّ مَلْعُوْنٌ مَا فِيْهَا اِلَّا ذِكْرَ اللّٰهِ وَمَا وَالَاهُ وَعَالِمٌ اَوْ مُتَعَلِّمٌ

مشکوٰۃ کتاب الرقاق فصل ۲)

یعنی خبردار! دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے لعنتی ہے مگر خدا کا ذکر اور جو اس کے قریب ہے اور عالم یا طالب علم"

اس حدیث میں دنیا اور مافیہا کو لعنتی کہہ کر صرف چار کی استثناء کی ہے اللہ کا ذکر تو ظاہر ہے چونکہ علم اور طالب علم دونوں وصف آپس میں متقابل ہیں اس لئے عالم اور متعلم کو کلمہ اَوْ کے ساتھ ذکر کیا ورنہ یہ مطلب نہیں کہ صرف ایک ہی مراد ہے بلکہ دونوں مراد ہیں اسی لئے بعض نے لکھا ہے کہ اَوْ واؤ کے معنی میں ہے رہی چوتھی شے جو ذکر اللہ کے قریب ہے سو وہ وہی ہے جو اوپر ذکر ہو چکی ہے۔ یعنی جس میں نیک نیت کا دخل ہو۔ اور اس سے دینی خدمت مقصود ہو۔ پس یہ چار چیزیں لعنت سے بچی ہیں اس کے علاوہ سب وبالِ جان ہیں۔ خدا تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ایسی حالت سے محفوظ رکھے جس کا انجام بخیر نہ ہو آمین۔

ترجیح صحاح ستہ

سوال صحت وضعف حدیث میں جب محدثین کا اختلاف ہو تو ترجیح اصحاب صحاح ستہ محدثین کے قول کو دینا باصول محدثین متاخرین کے قول پر صحیح ہے یا نہیں؟ اور اس پر محدثین کا کلیہ قاعدہ کیا ہے کیوں کہ ہر ایک مذہب والا اپنی مستدل روایت کو صحیح ثابت کرنے کے لئے کسی نہ کسی محدث کی تصحیح وتوثیق کو ذکر کرتا ہے جس سے طبیعت میں الجھن پیدا ہوتی ہے۔

جواب شرح نخبہ میں ہے۔

اَلْجَرْحُ مُقَدَّمٌ عَلَى التَّعْدِيْلِ اِنْ صَدَرَ مُبَيَّنًا مِنْ عَارِفٍ بِاَسْبَابِهٖ فَاِنْ خَلَا الْمَجْرُوْحُ قُبِلَ الْجَرْحُ مُجْمَلًا عَلَى الْمُخْتَارِ (شرح نخبہ بحث جرح تعدیل)

یعنی جرح تعدیل پر مقدم ہے بشرطیکہ اس کی وجہ بیان کی جائے اور جرح کرنے والا اس فن میں پورا

ماہر ہو۔ اگر راوی مجروح کی کسی نے تعدیل نہ کی ہو تو پھر مختار مذہب یہ ہے کہ جرح مبہم بھی قبول کی جائیگی۔

اس عبارت میں آپ کے سوال کا جواب ہے کہ اختلاف کے موقع پر ہر ماہر فن کا قول اس بارہ معتبر ہے مگر مبہم نہیں بلکہ اس کے ساتھ ضعف کی وجہ بھی بیان کرے۔ ہاں اگر اختلاف نہ ہو تو پھر وجہ بیان کرے۔ ہاں اگر اختلاف نہ ہو تو پھر وجہ بیان کرے یا نہ کرے۔ دونوں صورتوں میں ماہر فن کا قول معتبر ہوگا۔ گویا اختلاف نہ ہونے کے وقت صرف ایک شرط ہے کہ اس فن میں پوری مہارت رکھتا ہو۔ اور اختلاف کے وقت دو شرطیں ہیں۔ پوری مہارت اور وجہ ضعف کا بیان۔ جب پوری شرط ہوئی تو تو جتنا کوئی زیادہ ماہر ہوگا۔ اتنا ہی اس کا قول زیادہ قابلِ قبول ہوگا، خواہ وہ اصحاب صحاح ستہ سے ہو یا غیر ہو جیسے امام احمدؒ علی بن مدینیؒ یحییٰ بن سعید قطان اور ان کے مثل یہ اصحاب ستہ نہیں مگر اصحاب ستہ خود ان کے قول پر اعتماد رکھتے ہیں۔ جو لوگ اصحاب ستہ کو ان بزرگوں پر ترجیح دیتے ہیں۔ وہ جادہ مستقیم پر نہیں۔ یہ وہ ہستیاں ہیں کہ اصحاب ستہ ان کے خوشہ چین ہیں۔ ایک امام بخاریؒ ان کی صف میں کھڑے ہو سکتے ہیں۔ باقی سب ان سے نیچے ہیں۔

ایک بات یہاں یہ بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ فن حدیث کی بناء پر چونکہ رائے قیاس پر نہیں بلکہ واقعات پر ہے اس لئے اس فن کے ماہروں میں کوئی زیادہ اختلاف پیدا نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ امام ذہبیؒ کہتے ہیں۔

لَمْ يَجْتَمِعَ اثْنَانِ مِنْ عُلَمَاءِ هٰذَا الشَّانِ عَلٰى تَوْثِيْقِ ضَعِيْفٍ وَلَا عَلٰى تَضْعِيْفِ ثِقَةٍ

یعنی دو محدث بھی کسی ضعیف راوی کی توثیق پر اور ثقہ راوی کی تضعیف پر جمع نہیں ہوئے۔

(شرح نخبہ بحث جرح تعدیل)

جب دو محدث بھی ضعیف کے ثقہ اور ثقہ کے ضعیف کہنے پر متفق نہیں ہوئے۔ تو اختلاف کا دائرہ بہت محدود ہو گیا۔ ایسی حالت میں جس کو خدا نے تھوڑی بہت علمی قابلیت عنائت کی ہو۔ اور اس کی میں اخلاص اور طبیعت میں انصاف ہو تو اس کے لئے یہ معمولی اختلاف کوئی رکاوٹ پیدا نہیں کر سکتا۔ اول تو وہ خود ہی فریقین کے کلام سے راجح مرجوح معلوم کرے گا۔ ورنہ اپنے سے اعلم کی طرف رجوع کرے گا۔ اصحاب ستہ کو اس بارہ میں معیار مقرر کرنا اور ہر اختلاف کے موقعہ پر انہی کے قول کو ترجیح دینا یہ اسی تقلیدی جمود سے مشابہت ہے جو مقلدین آئمہ میں پایا جاتا ہے مثلاً حنفیہ نے اپنے مذہب کی بناء زیادہ تر تین اصحاب (امام ابوحنیفہ اور صاحبینؒ) پر رکھی ہے اب جو صرف چھ کو

ماننے اوران کے برابر یا ان سے بڑوں کی پرواہ نہ کرے وہ اہنی سے مشابہت کنندہ ہوا یا نہ؟ یہی وجہ ہے کہ اصولِ حدیث میں اصحاب ستہ کو دیگر امامان حدیث پر کوئی ترجیح ہنیں دی بلکہ اصولِ حدیث میں اس کے خلاف موجود ہے۔ دیکھئے اصحاب ستہ میں امام بخاری رح سب سے اول نمبر ہیں ان کا دوسرے اماموں کے ساتھ اصح الاسانید میں اختلاف ہے یعنی اس بارے میں اختلاف ہے کہ سب سے زیادہ صحیح اسناد کونسی ہے امام اسحاق بن راھویہ رح کہتے ہیں سب سے زیادہ صحیح زُهْرِی عَنْ سَالِمٍ عَنْ اَبِیْهِ ہے اور امام احمد بن حنبل رح بھی اسی طرح کہتے ہیں اور امام عمرو بن علی فلاس رح کہتے ہیں مُحَمَّدُ بْنِ سِیْرِیْنَ عَنْ عَبِیْدَۃَ عَنْ عَلِی رض ہے اور امام بخاری رح کے استاذ امام علی بن مدینی رح بھی اسی طرح کہتے ہیں۔ اور بعض دیگر محدثین بھی یہی کہتے ہیں۔ پھر بعض نے کہاہے کہ یہ اصح الاسانید اس وقت بنے گی جبکہ محمد بن سیرین رح سے ایوب سختیانی رح روایت کریں اور بعض نے کہا ہے ابن عون رح روایت کریں اور امام یحیٰی بن معین رح کہتے ہیں کہ اصح الاسانید اَعْمَشْ عَنْ اِبْرَاهِیْمَ عَنْ عَلْقَمَۃَ عَنْ عَبْدِ اللہ ہے اور امام ابوبکر رح بن ابی شیبہ رح کہتے ہیں کہ اصح الاسانید زُهْرِی عَنْ عَلِیِّ بْنِ الْحُسَیْنِ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ عَلِی رض ہے اور امام بخاری رح کہتے ہیں اصح الاسانید مالک عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رض ہے اور امام ابومنصور عبدالقادر بن طاہر تیمیمی اسی پر بنا رکھتے ہوئے کہتے ہیں، سب سے بڑھ کر اسناد شَافِعِی عَنْ مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رض ہے مقدمہ ابن الصلاح کے صک میں اس اختلاف کو اضطراب کہا ہے۔ اور اضطراب وہ اختلاف ہے جس میں کسی جانب کو ترجیح ہنیں ہوتی۔ اور حافظ ابن حجر رح شرح نخبہ میں اسکی تصریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

وَالْمُعْتَمَدُ عَدَمُ الْاِطْلَاقِ لِتَرْجَمَۃٍ مُعَیَّنَۃٍ مِنْهَا۔ (شرح نخبہ بحث خبر صحیح)

یعنی قابلِ اعتماد بات یہ ہے کہ (بوجہ اختلاف ائمہ حدیث) ان اسانید سے کسی کو معین کرکے اصح الاسانید ہنیں کہہ سکتے۔

خیال فرمائیں کہ امام بخاری رح کا اس بارے میں کوئی خاص لحاظ ہنیں کیا گیا اگر اصحاب الستہ کے قول کو ترجیح ہوتی تو اول نمبر اس میں امام بخاری رح تھے جب ان کے قول کو ترجیح نہ ہوئی تو باقی کو بطریق اولیٰ نہ ہوئی۔ پس اصحاب ستہ کو اس بارے میں کوئی خصوصیت ہنیں بلکہ جتنا کوئی اس فن میں زیادہ ماہر ہو گا۔ اتنا ہی اس کا قول زیادہ قابلِ اعتماد ہوگا۔ ہاں اصحاب ستہ کو ایک اور وجہ سے ترجیح ہو سکتی ہے وہ یہ کہ ان کی چھ کتابیں دوسری کتب پر ترجیح رکھتی ہیں یعنی ان چھ کتب کی احادیث بلحاظ صحت دیگر کتب پر

مقدم ہیں۔ مثلاً جیسے بخاری کی احادیث مسلم کی احادیث پر اور مسلم کی ترمذی وغیرہ پر مقدم ہیں اسی طرح ترمذی وغیرہ کی صحیح احادیث دیگر کتب پر مقدم ہیں۔ اگر تعارض کے وقت موافقت نہ ہوسکے۔ تو ان کے مقابلہ میں دیگر کتب کی احادیث متروک العمل ہوں گی۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ یہ کتب کثرتِ تداول اور علماء امت میں عام قبولیت کی وجہ سے غلطی سے مامون و مصئون ہیں۔ نہ کسی کو ان میں دست اندازی کی گنجائش ہے۔ قریب قریب ایسی ہیں جیسے قرآن مجید حدِ تواتر کو پہنچ گیا ہے گویا ان احادیث کی محدثین کے ہاں خوب چھان بین ہو چکی ہے اس لئے ان کی صحیح احادیث دوسری کتب کی صحیح احادیث پر مقدم ہوں گی۔ ہاں بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ دوسری کتب کی کوئی حدیث دیگر قرائن کی وجہ سے صحت میں بڑھ جاتی ہے مثلاً کئی صحیح سندوں سے مروی ہو یا ایسی اسناد سے مروی ہو جس کو کسی بڑے محدث نے اصح الاسانید کہا ہے اور ان چھ کتابوں کی حدیث میں یہ بات نہ ہو۔ یا کسی اور وجہ سے ترجیح ہو تو ایسی حالت میں دوسری کتب کی حدیث مقدم ہوگی۔ چنانچہ حافظ ابن حجرؒ نے شرح نخبہ میں صحیح حدیث کے درجات بیان کرتے ہوئے تصریح کی ہے کہ ایسے موقعہ پر مسلم کی احادیث بخاری کی احادیث پر اور بخاری مسلم کی احادیث پر دیگر کتب کی احادیث مقدم ہوں گی ٹھیک اسی طرح ترمذی ابوداؤد وغیرہ کو سمجھ لینا چاہیئے۔ غرض دیگر وجوہ سے ترجیح ہو جائے۔ تو دوسری کتب کی احادیث مقدم ہوسکتی ہیں ورنہ اصل یہی ہے کہ ان چھ کتب کی صحیح احادیث کو ترجیح ہو لیکن ان چھ کتب کی صحیح احادیث کو ترجیح ہونے سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ اب ان اصحاب ستہ کی دوسری کتب کو یا ان کی ہر ایک بات کو ترجیح ہو۔ کیونکہ چھ کتب کی ترجیح کی وجہ کثرت تداول اور علماء امت میں عام قبولیت اور غلطی سے مامون و مصئون ہونا ہے جو ان کی دوسری کتب میں یہ بات نہیں۔ نہ ان کی ذات کو بلحاظ تبحر علمی کے دوسرے تمام آئمۂ حدیث پر ترجیح ہے بلکہ کئی اور ان سے بڑھ کر ہیں یا ان کے برابر ہیں چنانچہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔

ایک بات یہاں پر یہ بھی یاد رکھنی چاہیئے۔ کہ فنِ حدیث چونکہ واقعات پر مبنی ہے اور محض نقل کی قسم سے ہے اس لئے زیادہ ماہر اس میں وہی ہوسکتا ہے جو قرب کے زمانہ میں ہو اور رائے قیاس کو اس میں دخل نہ دے اگر ان دونوں شرطوں سے کوئی فوت ہو جائے یا ان میں کمی واقع ہو جائے تو اس کی مہارت بھی کالعدم ہوگی یا کم ہوگی۔ مثلاً ایک راوی کے حالات جیسے اس کے ہمعصر علماء کو یا

اس کے قرب والوں کو معلوم ہو سکتے ہیں ہمیں معلوم نہیں ہو سکتے اس لئے ان کے مقابلہ میں ہماری مہارت کا کچھ اعتبار نہیں ہوگا۔ اسی طرح ایک شخص واقعات اور حالات فراہم کرنے کے لئے اپنی زندگی کچھ یا ساری وقف کر دیتا ہے۔ اور ایک شخص گھر بیٹھا ایک واقعہ کو دوسرے واقعہ پر اور ایک حالت کو دوسری حالت پر قیاس کر کے نتائج اخذ کرتا ہے یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے پہلے کے مقابلے مقابلہ میں دوسرے کی بات کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔ مثلاً محدثین کا اصول ہے کہ مرسل حدیث حجت نہیں خاص کر متصل کے مقابلہ میں۔ کیوں کہ مرسل حدیث وہ ہے کہ تابعی کہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا اور درمیان صحابی کا نام نہ لے۔ اور واقعات سے ثابت ہو چکا ہے کہ بہت دفعہ تابعی صحابی سے روایت نہیں کرتا بلکہ دوسرے تابعی سے کرتا ہے اور حافظ ابن حجرؒ نے شرح نخبہ میں مرسل کی بحث میں لکھا ہے کہ تفتیش حالات سے معلوم ہوا ہے کہ ایک تابعی دوسرے وہ تیسرے سے وہ چوتھے سے اس طرح سات تک روایت پائی گئی ہے اور تابعی سارے کے سارے ثقہ نہیں بلکہ ان میں بہت ضعیف بھی ہیں اس لئے مرسل حجت نہیں ہاں اگر تابعی کے حالات سے معلوم ہو جائے کہ وہ ثقہ ہی سے روایت کرتا ہے جیسے سعید بن مسیبؒ تو ایسے تابعی کی روایت کو امام شافعیؒ وغیرہ معتبر کہتے ہیں اگر ایسا نہ ہو تو معتبر نہیں جیسے زہریؒ وغیرہ کی روایت۔ غرض یہ اصول تو جیسا کچھ ہے واقعات اور حالات پر مبنی ہیں اس کے مقابلہ میں حنفیہ کا اصول ہے کہ تابعی تو کجا تبع تابعی اگر قال رسول اللہ وغیرہ کہہ دے (جسکو محدثین کی اصطلاح میں مقطوع کہتے ہیں) تو وہ بھی حجت ہے حجت ہی نہیں بلکہ متصل (جس میں تابعی صحابی سے روایت کرے۔ اور صحابی قال رسول اللہ وغیرہ کہے) پر بھی مقدم ہے دلیل اس کی یہ ہے کہ اگر تابعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لے گا تو ساری ذمہ داری تابعی پر عائد ہو گی۔ اس لئے جب تک اس کو پوری طرح تسلی نہیں ہوگی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نہیں لے سکتا ورنہ خطرہ ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مفتری ٹھیرے۔ برعکس اس کے جب صحابی کا نام لے گا۔ کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح روایت کیا ہے تو اس صورت میں تابعی نے صحابی پر ساری ذمہ داری ڈال دی۔ اور ذمہ داری دوسرے پر ہوتی ہے تو انسان کو اتنا فکر نہیں ہوتا۔ بلکہ بے پروائی سے نقل کر دیتا ہے اس لئے مرسل تو کجا مقطوع بھی صرف حجت ہی نہیں بلکہ متصل پر مقدم ہے۔ (ملاحظہ ہو نور الانوار بیان اقسام السنہ ص۱۸۵)

حنفیہ نے جو کچھ دلیل دی ہے بظاہر تو بڑی آراستہ و پیراستہ ہے مگر جب واقعات اس کے خلاف پائے گئے۔ اور بہت تابعین کو دیکھا گیا۔ کہ وہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کرتے ہیں اور درمیان واسطے کمزور ہوتے ہیں۔ جیسے زہری تابعی رح وغیرہ کے حالات سے معلوم ہوا تو پھر حنفیہ کی یہ قیاسی دلیل یہاں کیا کر سکتی ہے اور حنفیہ کا یہ ایک اصول نہیں بلکہ اکثر اسی طرح رائے قیاس کے تابع ہوتے ہیں جیسے یہ اصول کو غیر فقیہ صحابی (مثلاً ان کے نزدیک ابو ہریرہ رض اور انس رض کی حدیث اگر قیاس کے خلاف ہو تو قیاس کو ترجیح ہوگی اور ایک حدیث کو دوسری حدیث پر کثرت راویوں سے ترجیح نہیں ہوگی اسی طرح کتاب اللہ کے عام حکم کی یا حدیث مشہور کی تخصیص خبر واحد سے نہیں ہو سکتی۔ خواہ بخاری مسلم کی ہو وغیرہ وغیرہ۔ غرض اس طرح رائے قیاس سے اصول وضع کر کے احادیث کو رد کرتے ہیں اور امام کے مذہب کی پاسداری کرتے ہیں۔ اور ان کا نام اصول اجتہاد رکھتے ہیں ایسے اصولوں کو مہارتِ حدیث سے کوئی تعلق نہیں بلکہ یہ فنِ حدیث سے کمزوری کی علامت ہے خاص کر جبکہ ایسے اصول وضع کرنے والوں کا زمانہ بھی سلف سے بہت دور[1] ہو۔ تو ایسی حالت میں ان کے اصولوں سے حدیث کی جان پہچان کس طرح ہو سکتی ہے۔ بلکہ صحت وضعف، حجیت، عدم حجیت کا معیار محدثین کے اصول ہیں، جو واقعات پر مبنی ہیں، خاص کر وہ محدثین جن کا زمانہ قریب کا ہے جیسے اصحاب ستہ اور امام احمد رح، امام مالک رح، امام شافعی رح، امام اسحاق بن راہویہ رح، امام علی بن مدینی رح، امام یحییٰ بن سعید رح وغیرہ۔ ان کے اصول اصل اصول ہیں اور انہی کے اصولوں سے احادیث کے صحت وضعف حجیت عدم حجیت کی پڑتال ہوگی اور ان کا احادیث کے صحت وضعف پر لگانا صحت وضعف کا حکم انہی ائمہ حدیث کا معتبر ہے اس وقت کا اعتبار نہیں، مقدمہ ابن الصلاح کی اصل عبارت یہ ہے۔

إِذَا وَجَدْنَا فِيمَا نَرْوِي مِنْ اَجْزَاءِ الْحَدِيْثِ وَغَيْرِهَا حَدِيْثًا صَحِيحَ الْإِسْنَادِ وَلَمْ نَجِدْهُ فِي أَحَدِ الصَّحِيحَيْنِ وَلَا مَنْصُوصًا عَلَى صِحَّتِهِ فِي شَيْءٍ مِنْ مُصَنَّفَاتِ أَئِمَّةِ الْحَدِيْثِ الْمُعْتَمَدَةِ الْمَشْهُوْرَةِ

---

[1] شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی رح ایسے اصولوں کے متعلق لکھتے ہیں کہ یہ متاخرین کے وضع کئے ہوئے ہیں امام ابو حنیفہ رح اور ان کے شاگردوں سے ان کے متعلق کوئی روایت نہیں ملاحظہ ہو۔ انصاف صد ۱۹۲۔ اگر تفصیل درکار ہو تو ہماری کتاب تعریف اہلحدیث حصہ دوم کا صد ۱۲۷ ملاحظہ ہو۔

فَاِنَّا لَا نَتَجَاسَرُ عَلٰی جَزْمِ الْحُکْمِ بِصِحَّتِہٖ فَقَدْ تَعَذَّرَ فِیْ ھٰذِہِ الْاَعْصَارِ الْاِسْتِقْلَالُ بِاِدْرَاکِ الصَّحِیْحِ بمجرد اعتبار الاسانید الانہ ما من اسناد من ذٰلک الا ونجد فی رجالہ من اعتمد فی روایتہ علی ما فی کتابہ عریا عما یشترط فی الصحیح من الحفظ والضبط والاتقان قال الامر اذاً فی معرفۃ الصحیح والحسن الی الاعتماد علی ما نص علیہ ائمۃ الحدیث فی تصانیفھم المعتمدۃ المشھورۃ التی یومن فیھا لشھرتھا من التغییر والتحریف دھا معظم المقصود بما یتداول من الاسانید خارجاً عن ذٰلک الھم سلسلۃ الاسناد التی خصت بھا ھذہ الامۃ زادھا اللہ شرفاً امین (مقدمۃ ابن الصلاح ص۷)

یعنی جن کتب حدیث کے اجزاء کی ہم روایت کرتے ہیں ان میں اگر کسی حدیث کی اسناد ہم صحیح پائیں اور صحیحین سے کسی میں وہ حدیث نہ ہو اور نہ کتب متداولہ معتبر و مشہورہ میں اس کی صحت کی تصریح ہو تو ہم صرف اسناد صحیح پاکر حدیث کی صحت کا حکم لگانے پر دلیری نہیں کر سکتے کیونکہ ان اسانید سے ہر ایک اسناد میں ایسے راوی ہیں جن کی روایت پر اس کتاب کے موافق اعتماد کر لیا گیا ہے جو شرائط صحت حفظ ضبط، اتقان سے خالی ہے پس اب دار و مدار صحت اور حسن کا ائمہ حدیث کی تصریحات پر ہوا جو ان کی تصانیف معتبرہ مشہورہ میں پائی جاتی ہیں جو بوجہ شہرت تغیر اور تحریف سے محفوظ ہیں اور اسانید متداولہ کا مقصد صحت وضعف سے بے تعلق ہو کر صرف یہ ٹھیرا کہ سلسلہ اسناد جس کے ساتھ اس امت کو خاص کیا گیا ہے قائم رکھا جائے۔ خدا تعالیٰ اس امت کو شرف میں اور زیادہ کرے آمین؟

ابن الصلاح ۶۴۳ھ میں فوت ہوئے ہیں جب اُس وقت یہ حالت تھی تو اب اس سے بھی معاملہ نازک ہے پس ائمہ حدیث مشہودین کی طرف ہمیں زیادہ احتیاج ہوئی۔

خلاصہ یہ کہ جتنا قرب کا زمانہ ہوگا اور جتنا کوئی فن حدیث میں پیش پیش ہوگا اتنا ہی صحت، ضعف اور جرح، تعدیل کے متعلق اس کا قول اول نمبر ہوگا۔ نہ رائے قیاس والوں کا اس میں دخل ہے نہ اصحاب ستہ کی اس میں تخصیص ہے۔ رائے قیاس والوں کو داخل کرنا افراط ہے اور اصحاب ستہ کی تخصیص تفریط ہے افراط تفریط سے بچنا چاہیئے۔ اور متوسط راستہ اختیار کرنا چاہیئے۔ اگر اصحاب ستہ کا کسی حدیث کے صحت وضعف میں اختلاف ہو جائے۔ تو وہاں فیصلہ کی یہی صورت ہے کہ جرح تعدیل پر مقدم کے اصول پر عمل ہوگا یا زیادہ ماہر کے قول کو دیکھا جائے گا۔ تو پھر اصحاب ستہ کی تخصیص کی کیا ضرورت ؟

سب جگہ اسی اصول پر فیصلہ ہونا یہی متوسط راستہ ہے جو افراط و تفریط سے خالی ہے پس اسی کی پابندی چاہیئے۔ واللہ الموفق

امام عراقی رح کہتے ہیں الفاظ جرح کے پانچ درجے ہیں پہلا درجہ یہ ہے کہ مطعون کے حق میں کہا کَذَّابٌ یہ راوی بہت جھوٹا ہے یا اس طرح کہا جائے۔ وَضَّاعٌ یعنی اپنی طرف سے حدیثیں بنا کر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دیتا ہے۔

درجہ دوم یہ ہے کہ راوی کو کہا جاوے۔ مُتَّھَمٌ بِالْکِذْبِ اس راوی کو کذب کی تہمت لگی ہے یا یوں کہیں کہ مُتَّھَمٌ بِالْوَضْعِ اس راوی کو حدیثیں وضع کرنے کی تہمت لگی ہے یا یوں کہیں ھَالِكٌ یا یوں کہیں مَتْرُوْكٌ یا یوں کہیں سَاقِطٌ

تیسرا درجہ یہ ہے کہ راوی کو کہیں "مردود الحدیث" یا یہ کہیں ضَعِیْفٌ جدًا یا یہ کہیں وَاہٍ ان قسموں سے نہ تو احتجاج کیا جاتا ہے اور نہ ہی استشہاد و اعتبار (تایید) میں ان کی حدیث لی جاتی ہے۔

چوتھا درجہ یہ ہے کہ راوی کو کہا جائے۔ وَفِیْہِ ضُعْفٌ یا اس طرح کہا جائے۔ مُنْکَرُ الْحَدِیْثِ یا اس طرح کہا جائے۔ مُضْطَرِبُ الْحَدِیْثِ۔

پانچواں درجہ یہ ہے کہ راوی کو کہا جائے وَفِیْہِ ضُعْفٌ یا اس طرح کہا جائے۔ وَھُوَ سَیِّئُ الْحِفْظِ یا یوں کہا جائے۔ لَیْسَ بِالْقَوِیِّ یا یوں کہا جاوے ھُوَ لَیِّنٌ یا اس کو ایسا کہیں فِیْہِ اَدْنیٰ مَقَالٍ ان پچھلے دو درجوں کی حدیث اخذ بھی کی جاتی ہے اور اعتبار و استشہاد کے واسطے اس میں نظر بھی کی جاتی ہے" انتہیٰ۔

شیخ ابن الہمام رح تحریر فرماتے ہیں جو حدیث راوی کے فسق کے سبب ضعیف ہو وہ متعدد سندوں سے قابل احتجاج نہیں ہو سکتی (حاشیہ شرح نخبہ اردو ص ۱۴۷)

حدیث تلقین چونکہ اخیر کے درجوں سے نہیں اس لئے اس پر عمل بدعت ہے اگر یہ کچھ قابل عمل ہوتی، تو خیر قرون میں اس پر کیوں عمل نہیں ہوا کیا اس وقت حاجت نہ تھی۔ یا کوئی مردہ دفن نہ ہوتا تھا۔ یا ان کو اس پر عمل کا شوق نہ تھا جب یہ سب باتیں مفقود ہیں تو اس حدیث کی حقیقت واضح ہے کہ یہ بالکل ساقط ہے قابل عمل نہیں۔

یہ جو کچھ بیان ہوا ہے بہت مختصر ہے اور وہ بھی اصولاً اگر اختلاف طبائع کا لحاظ کیا جائے تو اس میں بہت تفصیل ہے۔ جس کی یہاں گنجائش نہیں، اس کی مثال بالکل طبیب اور مریض کی ہے مرض کی جب تک تشخیص نہ ہو دوا بجائے فائدہ کے نقصان دیتی ہے۔ اصل تو یہ ہے کہ کسی کامل کی صحبت اٹھائے۔ اس کا وعظ کلام سنتا رہے اگر یہ نہیں تو ایسی تصانیف زیر مطالعہ رکھے جن میں روحانی امراض اوران کے معالجات کی تفصیل ہو۔ امام غزالی رح کی کتابوں احیاء العلوم اور منہاج العابدین وغیرہ میں کسی قدر تفصیل ہے اور بعض دیگر بزرگوں نے بھی بہت کچھ لکھا ہے مگر یہ دریا ناپیدا کنار ہے اس میں جتنی تفصیل ہو تھوڑی ہے اور اصل صورت یہ ہے کہ جو کچھ بیان ہو قرآن وحدیث کی روشنی میں ہو اور عمل سلف کی تصویر ہو ورنہ خطرہ سے خالی نہیں اگر توفیق الٰہی نے مساعدت کی تو میرا ارادہ اس بارہ میں ایک مستقل تصنیف کا ہے۔ جو بالکل سُنت کے مطابق ہو۔ دعا کریں کہ خدا مجھ سے یہ خدمت لے اور اس سے پہلے کہ لوگ اس سے فائدہ اٹھائیں میں خود فائدہ اٹھاؤں۔ وھو ولی التوفیق ونعم المعین ونعم الرفیق

عبداللہ امرتسری روپڑی

مشتبہ دم جھاڑا

سوال ۔ مشتبہ دم جھاڑا کا کیا حکم ہے بعض لوگ ایک مٹی کی ہنڈیا میں پاؤ بھر گڑ، آدھ سیر پانی اور ایک روٹی ڈال کر منہ بند کرکے مسجد میں خود جاکر اس سے تھوڑا سا پانی پئے۔ روٹی سڑتی رہے پانی پینے کے بعد ایک اور روٹی اس میں رکھے اسی طرح تین جمعہ تک کرے پھر ہانڈی کو نہر یا دریا میں بہا دے اور ہانڈی پر لکھ دے کہ اس میں سے جو پانی پئے گا وہ شفا پائے گا۔ کیا ایسا کرنا جائز ہے۔

جواب ۔ ہنڈیا میں اس طرح گڑ اور پانی ڈال چھوڑنا اس سے نشہ پیدا ہو جاتا ہے اس لئے اس کا استعمال ٹھیک نہیں اور دریا میں ہنڈیا کا بہانہ یہ بھی دل میں کھٹکتا ہے کیونکہ اس کی صورت ہندوؤں کے ٹونے کی سی ہے اس لئے اس سے احتراز چاہیئے۔ یہاں پنجاب میں بھی یہ وباء پھیلی ہوئی ہے امرتسر میں ایک شخص اس طرح علاج کرتا ہے، ہنڈیا میں گڑ اور پانی ڈال کر ہنڈیا کو ایک دو ہفتہ تک درخت سے لٹکایا جاتا ہے پھر وہ پانی مریضوں کو دیا جاتا ہے مگر اس میں نشہ پیدا ہو جاتا ہے اور نشہ حرام ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام اشیاء مثلاً شراب، افیون، بھنگ وغیرہ سے

علاج کرنے کی ممانعت فرمائی ہے چنانچہ حدیث میں ہے لَا تَدَاوُوا بِالْحَرَامِ یعنی حرام کے ساتھ علاج مت کرو۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

مرثیہ خوانی اور نوحہ

سوال: (۱) عن ابن مسعود ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باکیا من بکائه علی حمزة وضعه فی قبلة ثم وقف علی جنازته ...... یقول یاعم رسول اللہ واسد رسوله یاحمزة یا فاعل الخیرات یا کاشف الکربات یاحمزة الحدیث

(۲) عن سعید بن مسیب لما توفی ابو بکر اقامت عائشة النوح (جامع کبیر از امام سیوطی)

(۳) اشعار منقول از حضرت فاطمہ رضؓ ۔

صُبَّتْ عَلَیَّ مَصَائِبٌ لَوْ اَنَّهَا

صُبَّتْ عَلَی الْاَیَّامِ صِرْنَ لَیَالِیَا

ماذا علی من شم تربة احمد

ان لا یشم مدی الزمان غوالیا

نمبر ۴ ۔ ۵ ۔ ۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ رضؓ پر اور حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ نے حضرت ابوبکر رضؓ اور حضرت فاطمہ رضؓ نے حضرت کی وفات پر حسرت و آیات پر آہ و بکا مرثیہ و نوحہ وغیرہ کہا ہے ۔اس سے مرثیہ خوانی اور نوحہ کی جواز کی صورت نکلتی ہے کیا یہ صحیح ہے؟

جواب: حدیث نمبر۲ جو سعید بن مسیب ؒ سے مروی ہے منقطع ہے جو ضعیف کی قسم ہے کیونکہ سعید بن مسیب رحؒ حضرت ابوبکر رضؓ کی وفات کے وقت پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ ۹۰ھ کے بعد سعید بن مسیب کی وفات ہوئی ہے اور عمر ان کی قریباً اسی سال ہے نمبر۳ میں جو اشعار ہیں ان سے نوحہ ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ نوحہ کی ایک خاص صورت اور خاص لہجہ ہوتا ہے جو کسی پر مخفی نہیں ۔ ورنہ مطلق بولنے کو تو منع نہیں کرتا مثلاً اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۔ پڑھا جاتا ہے اور دیگر دعائیں میں بھی وقتاً فوقتاً پڑھی جاتی ہیں اور کسی وقت ویسے ہی مصیبت کا اظہار ہوتا ہے خواہ دوسرے کو سمجھانا مقصود ہو جیسے حضرت عائشہ رضؓ نے اپنے بھائی کی قبر پر دو شعر پڑھے تھے جس سے مقصود دنیا کی بے وفائی

کا اظہار تھا تاکہ سننے والے جرأت پکڑیں چنانچہ یہ قصہ مشکوٰۃ میں ہے خواہ دوسرے سے کوئی امداد مطلوب ہو تاکہ مصیبت میں بگڑے ہوئے کاموں میں ہاتھ بٹائے غرض مطلق بات چیت کو کوئی نوحہ نہیں کہتا

عبداللہ امرتسری روپڑی

لَا هِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ

سوال ، کیا فتح مکہ کے بعد بھی ہجرت کا حکم باقی ہے؟

محی الدین لکھنوی

جواب ، ایک حدیث میں ہے لَا هِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ یعنی فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں دوسری حدیث میں ہے . لَا تَنْقَطِعُ الْهِجْرَةُ یعنی ہجرت کا سلسلہ ہمیشہ جاری ہے ان ہر دو احادیث میں موافقت کس طرح سے ہے.

(الف) دارالحرب سے دارالاسلام کی طرف ہجرت باقی ہے.

(ب) فرضیت ہجرت فتح مکہ کے بعد منسوخ ہے استحباب باقی ہے.

(ج) مکہ سے مدینہ کی طرف منسوخ ہے دارالکفر سے دارالاسلام کی طرف باقی ہے.

(د) فتح مکہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی طرف ہجرت جس میں اپنے وطن کی طرف بغیر اذن کے رجوع کی نیت نہ ہو ایسی ہجرت منسوخ ہے اور جو اس طرح نہ ہو وہ باقی ہے اور عبداللہ بن عمر رضی کی روایت میں جو اسماعیل نے روایت کی ہے یہ لفظ ہیں کہ فتح مکہ کے بعد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی طرف ہجرت نہیں اور ویسے ہجرت باقی ہے جب تک جہاد ہوتا رہے یعنی جب تک دنیا میں دارالکفر ہے اور انسان کو اس میں رہنے سے اپنے دین کا خطرہ ہے تو اس جگہ سے ہجرت ضروری ہے اگر دارالکفر نہ رہے جیسے امام مہدی رح کے وقت ہوگا۔ تو پھر ہجرت نہیں، اور ابن تین رح کہتے ہیں کہ ہجرت مکہ سے مدینہ کی طرف واجب تھی۔ اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کے بعد مکہ میں بغیر عذر کے اقامت کرے وہ کافر ہوگیا، حافظ ابن حجر رح کہتے ہیں ابن تین رح کا یہ مطلق کہنا ٹھیک نہیں بلکہ فتح مکہ تک مقید کرنا چاہیئے۔ کیونکہ فتح مکہ کے بعد مکہ میں اقامت کی اجازت تھی ابن عربی کہتے ہیں ہجرت دارالحرب سے دارالاسلام کی طرف

نکلنے کا نام ہے اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں فرض تھی اور اب بھی جس شخص کو اپنی جان کے خطرہ میں پڑنے کا اندیشہ ہو اس پر ہجرت فرض ہے اور جو ہجرت منسوخ ہو گئی وہ مطلق کسی جگہ کی طرف ہجرت ہے صاحب بحیر کہتے ہیں. دار الکفر جہاں کسی قسم کے گناہ فعل یا ترک میں پھنسنے کا خطرہ ہو اس سے ہجرت کرنا اجماعاً واجب ہے اگر امام ہجرت کا مطالبہ کرے. تو بھی اجماعاً واجب ہے اور جعفر بن مبشر اور بعض ہادویہ دار الکفر پر قیاس کرتے ہوئے دار الفسق سے بھی وجوب ہجرت کے قائل ہیں مگر یہ قیاس مع الفارق ہے جو جائز نہیں کیونکہ دار الفسق دار الاسلام ہے پس اس کو دار الکفر پر قیاس کرنا نقلاً عقلاً کسی طرح صحیح نہیں۔ عبداللہ امرتسری روپڑی

ہندوستان میں اقامت

سوال ۔ کیا ہندوستان میں رہنا جائز ہے؟

جواب ۔ ہندوستان میں اقامت جائز ہے چنانچہ حبشہ کی طرف ہجرت کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی تھی جو عیسائی حکومت تھی. عبداللہ امرتسری روپڑی

مجرموں سے جنگ

سوال ۔ کیا مجرموں سے جنگ جائز ہے؟ محی الدین لکھنوی

جواب ۔ حسب طاقت برائی کی روک تھام ضروری ہے چنانچہ حدیث من رای منکم منکرا سے واضح ہوتا ہے ہاں جس قوم سے معاہدہ یا مصالحت ہو ان کے ساتھ حسب شرائط برتاؤ ہو گا. اور شرائط کے خلاف سختی جائز نہیں ہو گی. عبداللہ امرتسری روپڑی

تبلیغ کی حد

سوال ۔ تبلیغ کس حد تک ہونی چاہیئے۔ محی الدین لکھنوی

جواب ۔ تبلیغ کی حد استطاعت ہے جتنی طاقت ہو کرے. جن قوموں کو دعوت پہنچ چکی ہے ان کو تبلیغ ضروری نہیں. کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کئی قوموں پر شبخونی کرتے اور اس وقت

تبلیغ نہ کرتے۔ عبداللہ امرتسری

جہاد یا اطاعت والدین

سوال۔ جہاد مقدم ہے یا اطاعت والدین؟

جواب۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے قُلْ اِنْ کَانَ اٰبَآؤُکُمْ وَاَبْنَآؤُکُمْ وَاِخْوَانُکُمْ وَاَزْوَاجُکُمْ وَعَشِیْرَتُکُمْ وَاَمْوَالُ ۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ کَسَادَهَا وَمَسٰکِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَیْکُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِیْ سَبِیْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ. یعنی تمہارے باپ۔ بیٹے۔ بھائی۔ بیویاں، رشتہ دار مال کماتے ہوئے تجارت جس کے نقصان کا تمہیں اندیشہ رہتا ہے۔ اور مکانات جن کو تم پسند کرتے ہو اگر یہ اشیاء خدا اور رسول اور خدا کی راہ میں جہاد سے تمہیں زیادہ پیاری ہیں، تو پھر عذاب کے منتظر رہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ جہاد اطاعت والدین سے مقدم ہے مگر یہ عندالضرورت اور امام کے مطالبہ کے وقت ہو ورنہ خدمتِ والدین افضل ہے چنانچہ حدیث میں ہے ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جہاد کے لئے اذن مانگا۔ تو فرمایا تیرے والدین حیات ہیں؟ کہا ہاں فرمایا انہی میں جہاد کر اور ایک روایت میں ہے ان کی طرف لوٹ جا۔ اور ان کے ساتھ اچھا رہ۔ عبداللہ امرتسری روپڑی

قوی دشمن کے ساتھ جنگ

سوال۔ کیا مسلم کو اپنے سے قوی کے ساتھ جنگ جائز ہے۔

جواب۔ دشمن سے لڑائی کے لئے یہ شرط نہیں کہ مسلمانوں کو فتح کا یقین ہو بلکہ امید ہی کافی ہے اس لئے ابوسفیان نے احد کے دن کہا کہ بدر کا بدلہ اتر گیا۔ اَلْحَرْبُ سِجَالٌ اور لڑائی ڈول ہے کبھی کسی کے ہاتھ میں کبھی کسی کے ہاتھ میں جب لڑائی ڈول کی مثال ہوئی تو فتح کا یقین کس طرح ہو سکتا ہے اور اسی بناء پر قرآن مجید میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَتِلْکَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُهَا بَیْنَ النَّاسِ یہ دن ہم لوگوں کے درمیان پھراتے ہیں یعنی کبھی کسی کی فتح کبھی کسی کی اور غزوہ موتہ میں مسلمان تین ہزار تھے اور دشمن کی فوج لاکھ سے زائد تھی اور قرآن مجید میں ہے۔ بہت دفعہ قلیل جماعت کثیر جماعت پر باذن

خدا غالب آجاتی ہے اور بہت دفعہ غالب آجانے سے، فتح کی اُمید دلاتی ہے پس معلوم ہوا کہ دشمن سے لڑائی کے لئے فتح کا یقین شرط نہیں۔ عبداللہ امرتسری روپڑی

اسلامی جنگ مدافعانہ ہے یا جارحانہ

سوال ۔ کیا اسلامی جنگ مدافعانہ ہے یا جارحانہ؟ محی الدین لکھنوی

جواب ۔ اسلامی جہاد دفاع کے لئے ہے نہ کہ جارحانہ۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے جب مسلمانوں کو لڑائی کا حکم دیا۔ تو ان الفاظ سے دیا۔ اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا۔ یعنی جن لوگوں سے لڑائی کی جاتی ہے ان کو لڑائی کا اذن دیا جاتا ہے اس لئے کہ ان پر ظلم کیا گیا۔

اس آیتِ کریمہ میں مسلمانوں کو لڑائی کا اذن دینے کی دو وجہیں بتائی ہیں ایک یہ کہ وہ لڑائی کئے جاتے ہیں یعنی کافروں کی طرف سے لڑائی کی ابتداء ہوتی ہے دوم یہ کہ وہ مظلوم ہیں۔ یعنی کافر ناحق ان کو ستاتے ہیں اس سے صاف معلوم ہوا کہ اسلامی جنگ کی اصل غرض مدافعت ہے نہ کہ اور۔ اور دوسری آیت میں ہے کہ اگر تو کسی قوم کی عہد شکنی سے ڈرے تو ان کی طرف برابری کے ساتھ ڈال دے یعنی اطلاع دیدے کہ ہمارا تم سے کوئی عہد نہیں تاکہ دونوں شریک یکساں مطلع ہو جائیں

اس آیتِ کریمہ سے بھی معلوم ہوا۔ کہ اسلامی جنگ، جارحانہ نہیں، بلکہ جب کسی قوم کی طرف سے خطرہ ہوتا ہے تو مسلمان بھی جنگ کے لئے تیار ہو جاتا ہے اس طرح ایک اور آیت میں ہے۔ وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَھَا وَتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ کہ اگر دشمن صلح کے لئے جھکے تو تو بھی جُھک جا۔ اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ اسلام صلح پسند مذہب ہے خواہ مخواہ جنگ چھیڑنا اس کی شان نہیں اگر جارحانہ طریق اختیار کرتا تو یہ ہدایتیں اس میں نہ ہوتیں۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

زانی زانیہ بندر کا سنگسار

سوال ۔ جس حدیث میں بندروں کا ایک زانی زانیہ بندر بندریہ کو سنگسار کرنے کا ذکر ہے وہ حدیث کیسی ہے؟ ایک مولوی صاحب کہتے ہیں کہ جھوٹی حدیث ہے۔

جواب - یہ شخص ناواقف ہے اس کو علم نہیں، حدیث موضوع (جھوٹی) وہ ہوتی ہے جس کے راوی جھوٹے ہوں کتب اصول حدیث ملاحظہ ہوں۔ اس حدیث کے سب راوی ثقہ ہیں پھر موضوع جھوٹی کس طرح ہوئی۔ ہاں اگر یہ خیال ہو کہ یہ واقعہ عجیب ہے ایسا ہو نہیں سکتا۔ تو یہ بھی اس کی ناواقفی کی دلیل ہے کیونکہ دنیا میں عجیب سے عجیب واقعات نمودار ہوتے رہتے ہیں اور اخبارات میں ان کا ذکر آتا رہتا ہے۔ ابھی دہلی کا واقعہ ہے کہ چھ سالہ لڑکی کو بچہ پیدا ہو گیا یہ عجیب ہے یا بندر دن کا سنگسار کرنا اس قسم کے چند عجیب واقعات کی فہرست دیکھنی ہو تو رسالہ "معراج" ملاحظہ کریں۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

آدم علیہ السلام کا داؤد علیہ السلام کو اپنی زندگی کا کچھ حصہ دیکر انکار کرنا

سوال - حدیث ابوہریرہ رضہ میں آیا ہے کہ عالم ازل میں جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا۔ تو اس کی اولاد بھی اس سے پیدا کی اور ان کو نور دیا گیا۔ داؤد علیہ السلام کو آدم علیہ السلام نے اپنی ہزار برس عمر سے چالیس برس ان کو دیدیئے مگر بعد میں آدم نے عمر دینے سے انکار کر دیا۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ آدم علیہ السلام نے باوجود نبی ہو کر دیدہ دانستہ کیسے انکار کر دیا حالانکہ فرشتہ نے یاد بھی دلایا انبیاء تو کذب بیانی سے منزہ اور معصوم عن الخطا ہوتے ہیں اور اس حدیث میں تو آدم علیہ السلام کی کذب بیانی صریح ظاہر ہے اس کا معقول جواب دیں۔

جواب - دینے سے انکار جھوٹ نہیں ہاں اگر یوں کہتے کہ میں نے دینے کو کہا ہی نہیں تب جھوٹ ہوتا۔ جحد سے مراد یہاں دینے سے انکار ہے کہ میں نہیں دیتا۔ اس سے یہ مسئلہ نکلا کہ اولاد کو کوئی شے دے کر واپس لے سکتا ہے اگر جحد سے مراد یہ ہو کہ میں نے دینے کو کہا ہی نہیں تو اس کا مطلب یہ ہو گا۔ کہ "میری یادداشت میں" اور یہ کوئی ضروری نہیں کہ دوسرے کے یاد آنے سے بات یاد آجائے۔ رہی یہ بات کہ پھر عملدر آمد کیا ہوا۔ تو اس صورت میں اس کا حدیث مذکور میں کوئی ذکر نہیں ہو گا۔ ممکن ہے کہ فرشتہ کے یاد دلانے سے منظور کر لیا ہو اور ممکن ہے نہ کیا ہو۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

عاشورے کے دن اہل و عیال پر فراخی کرنے کی حدیث

سوال :- ایک حدیث مشکوٰۃ میں بروایت ابن مسعودؓ کتاب الزکوٰۃ باب فی افضل الصدقۃ میں آئی ہے جو شخص کشادگی کرے۔ اپنے کنبے پر خرچ کرنے میں عاشورہ کے دن کشادگی کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اس پر باقی سال .... کیا عاشورہ کے دن حلوئی مانڈہ پکانا درست ہے یا نہیں ؟ اور یہ حدیث قابل احتجاج ہے یا نہیں ؟

جواب :- یہ حدیث ابوہریرہ رضؓ سے بھی مروی ہے اس کے کئی طریق ہیں بعض علماء نے بعض طرق کو صحیح کہا ہے۔ ——— امام شوکانی رح نے الفوائد المجموعہ فی بیان الاحادیث الموضوعہ کے ص۳۴۲ میں امالی امام عراقی کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ ابن جوزی رح اور ابن تیمیہ رح نے اس طریق سے اس حدیث کو موضوع کہا ہے۔ اور امام سیوطی رح نے اللالی میں اس کے کئی طرق ذکر کئے ہیں جو بعض بعض کو تقویت دیتے ہیں اور امام بیہقی رح سے بھی یہ نقل کیا ہے۔ کہ اس کے کئی طرق ہیں جب بعض بعض سے ملائے جائیں۔ تو کچھ تقویت ہو جاتی ہے اور اس کی ایک سند کو شرط مسلم پر کہا گیا ہے اس بناء پر اگر کوئی اس پر عمل کرے تو رکاوٹ نہ چاہیئے۔ ہاں اس کو بڑی اہمیت بھی نہ دینی چاہیئے۔ کیونکہ اس کی صحت کی بابت تسلی نہیں اگرچہ اس کی ایک سند کو شرط مسلم پر کہا گیا ہے مگر اس میں ابوالزبیر راوی عن کے ساتھ روایت کرتا ہے اور وہ مدلس ہے اور مدلس جب عن کے ساتھ روایت کرے۔ تو وہ روایت ضعیف ہوتی ہے علاوہ ازیں حافظ ابن حجر رح لسان المیزان میں اسی سند کی بابت جس کو شرط مسلم پر کہا گیا ہے لکھتے ہیں کہ یہ حدیث نہایت منکر ہے معلوم نہیں کہ کون راوی اس کا منکر ہوا ہے پھر کہا ہے اس میں ایک راوی ابوخلیفہ فضل بن حباب ہے اس کی کتابیں جل گئی تھیں اس کے شاگرد محمد بن معاف ہو ابن الاحمر نے اس سے کتب جلنے کے بعد سنا ہو پس بغیر کتاب حدیث سنانے سے حدیث غلط ہو گئی ہے) ملاحظہ الاٰلی جب صحت حدیث کا یہ حال ہے تو اول تو اس پر عمل ہی نہ چاہیئے۔ اور اگر کوئی کثرت طرق سے کچھ تقویت پہنچنے کی بناء پر عمل کرنا چاہیئے۔ تو اس کو بہت محتاط رہنا چاہیئے۔ کیونکہ اصلیت تو اس دن کی صرف اتنی تھی۔ کہ اس دن کا روزہ رکھا جائے جس کی فضیلت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک سال کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں، اور عموماً روزہ کی افطاری کے وقت اچھے کھانے کا خیال ہوتا ہے۔ شاید اس بناء پر رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل وعیال پر فراخی کا ارشاد فرمایا ہو۔ مگر اب اتفاقیہ اس دن "عاشورہ" میں حسین رضؓ
کی شہادت ہونے سے شیعہ وغیرہ بہت سی خرافات اور بدعات کا ارتکاب کرتے ہیں تعزیہ نکالنا
اور رونا پیٹنا وغیرہ تو در کنار اصلیت ہی بدل ڈالی ہے روزہ کی بجائے شربت کی سبیلیں جاری کی جاتی
ہیں لوگ خوب شربت پیتے اور پلاتے ہیں صدقہ خیرات تو اس دن خصوصیت سے کرتے ہیں۔ حالانکہ
اپنی طرف سے کسی دن کو کسی عمل کے ساتھ خاص کرنا بدعت ہے۔ جس پر بجائے ثواب کے عذاب
ہوتا ہے۔ مثلاً عاشورہ کے دن اور عرفہ کے دن اسی طرح بعض اور دنوں کو روزہ کے لئے خاص کیا ہے
ان میں روزہ رکھنا بڑا ثواب ہے۔ اب اگر کوئی جمعہ کے دن کو روزہ کے لئے خاص کرے۔ کہ یہ دن
زیادہ فضیلت والا ہے۔ تو اس کو بجائے ثواب کے گناہ ہوگا۔ کیونکہ اس کی فضیلت نمازِ جمعہ کی
خاطر ہے نہ کہ روزہ کی خاطر اسی لئے حدیث میں ہے یعنی جمعہ کی رات کو راتوں کے درمیان سے قیام
کے ساتھ خاص نہ کرو۔ اور جمعہ کے دن کو دنوں کے درمیان سے روزے کے ساتھ خاص نہ کرو۔ اور
یہ کہ درمیان آجائے۔

ٹھیک اسی طرح عاشورہ کے دن کوئی شے اپنی طرف سے خاص نہ کرنی چاہیئے۔ بلکہ اصل سے اس
دن میں صرف روزہ ہے یا زیادہ سے مذکورہ حدیث کی بناء پر رات کو گھر میں کوئی اچھی شے پکالے جیسے عام
طور پر افطاری کے لئے ہوتا ہے۔ کیونکہ پہلے یہ حدیث کوئی تسلی بخش نہیں، پھر اس پر حاشیہ آرائی کرنا خود
کو زیادہ خطرے میں ڈالنا ہے بلکہ بہتر تو یہ ہے کہ سرے سے اچھا کھانا ہی نہ پکائے۔ دیکھئے غیر نبی
پر درود پڑھنا ثابت ہے مگر علماء نے لکھا ہے کہ چونکہ اب درود انبیاء کا شعار ہو گیا ہے اس لئے
غیر نبی پر مستقل طور پر درود نہ پڑھنا چاہیئے۔ اگر پڑھنا ہو تو بالتبع پڑھ لیا جائے۔ جیسے صلی اللہ
علی النبی و آلہ اور یوں نہ پڑھے۔ صلی اللہ علیٰ آلہ یا علی اصحابہ یا علی زید وغیرہ ملاحظہ ہو۔
تفسیر ابن کثیر وغیرہ زیر آیت ان اللہ و ملائکتہ یصلون علی النبی نیز حدیث میں ہے۔ اَوْتِرُوْا
یَا اَھْلَ الْقُرْآن (مشکوٰۃ باب الوتر) یعنی اے اہل قرآن وتر پڑھو۔ اہل قرآن سے مراد اہلِ
اسلام ہیں یا خاص حافظ ہیں اور خاص حافظ مراد ہونے کی صورت میں وتر سے مراد تہجد ہوگی اور
حافظوں کو خاص اس لئے کیا، کہ ان کو اس کا زیادہ خیال چاہیئے۔ کیونکہ سینہ میں قرآن ہے اب باوجود
اس حدیث میں اہلِ قرآن آنے کے کوئی "اہل قرآن" نام رکھ لے تو یہ اچھا نہیں۔ تاکہ منکر قرآن ہونے

کا کوئی شبہ نہ پڑے کیونکہ یہ منکرین حدیث کا لقب ہو چکا ہے۔ اور کسی پر مستقل طور سے درود پڑھنا بھی اچھا نہیں تاکہ مرزائیوں وغیرہ سے تشبہ نہ ہو کیونکہ جب یہ انبیاء کا شعار ہو تو خواہ مخواہ شبہ ہو گا کہ شاید یہ بھی نئی نبوت کا قائل ہے ٹھیک اسی طرح اہل بدعت نے چونکہ عاشورہ کے دن کو بہت سی خرافات اور بدعات کے ساتھ حد سے بڑھا دیا ہے جن سے سبیلیں جاری کرنا اور اچھے اچھے کھانے پکانے اور کھانے کھلانے کا سلسلہ بھی ہے اس لئے مناسب ہے کہ اس دن سوا روزے کے کچھ نہ کیا جائے۔ تاکہ اہل بدعت سے کسی قسم کا شبہ نہ ہو اگر حدیث پوری طرح تسلی بخش ہوتی تو بھی ثبوت کی طرف سے اطمینان ہوتا اب ثبوت کے لحاظ سے بھی کھٹکا ہے اور شبہ کا بھی خطرہ ہے اور اگر باوجود ان خطرات کے اس پر عمل کرنا چاہیئے۔ تو کم از کم اتنا تو ضرور کرے۔ کہ اس دن میں صدقہ وخیرات کا خاص اہتمام نہ کرے۔ نہ ہی ہمیشہ کے لئے ایک کھانے کی مثلاً حلوے مانڈے کی تعیین کرے۔ بلکہ صرف حدیث کے الفاظ پر نظر کرتے ہوئے اپنے اہل کے لئے کوئی اچھی شے پکالے اس سے آگے بڑھ کر زیادہ خطرات کا موجب نہ بنے۔ واللہ الموفق عبداللہ امرتسری روپڑی۔

نابالغہ لڑکیوں کی مخلوط تعلیم کا مسئلہ

سوال، نابالغ لڑکیوں کو اسکولوں یا مسجدوں میں پڑھانا کیسا ہے؟ لڑکیوں کو مرد سے پڑھانا بہتر ہے یا عورت سے۔

جواب، عورتوں کی تعلیم میں اگرچہ کچھ اختلاف ہے بعض منع کہتے ہیں بعض جائز۔ مگر صحیح یہی ہے کہ جائز ہے چنانچہ ابو داؤد وغیرہ میں جواز کی حدیث موجود ہے۔ عورت پڑھانے والی ہو تو بہتر ہے فتنہ نہ ہونے کی صورت میں مرد کا پڑھانا بھی کوئی حرج نہیں اسکولوں میں آج کل خطرات بہت ہیں کوئی امن والی صورت اختیار کرنی چاہیئے۔ اگر کوئی صورت ایسی میسر نہ ہو تو بہت چھوٹی عمر میں لڑکی کو جبکہ چنداں خطرہ نہ ہو تعلیم دلوائے قریب البلوغ ہو تو بند کردے، غرض تعلیم کا ایسا طریق اختیار کرے جس میں کوئی فتنہ والی صورت پیدا نہ ہو اور صحبت اچھی ہو ورنہ ایسی تعلیم سے تعلیم نہ دینا بہتر ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

حضرت یوسف کی شادی زلیخا سے

سوال ۔ حضرت یوسف علیہ السلام سے زلیخا کی شادی ہوئی تھی۔یا نہیں؟ اگر ہوئی تھی تو نکاح کس نے پڑھایا تھا۔

جواب ۔ قرآن وحدیث میں اس کا کوئی ذکر نہیں آیا ہے۔یہ اسرائیلیات کی قسم سے ہے جن کے متعلق حدیث میں آیا ہے کہ وَلَا تُصَدِّقُوْهُمْ وَلَا تُكَذِّبُوْهُمْ (مشکوٰۃ) (ان کو نہ سچا کہو نہ جھوٹا کہو) دوسری حدیث میں آیا ہے ۔ حدثوا عن بنی اسرائیل ولا حرج بنی اسرائیل سے بات بیان کرو۔ اس میں کوئی حرج نہیں۔

اس بنائر پر تفسیروں میں اس کا ذکر کیا گیا ہے کہ نکاح ہوا اور جوانی پر بھی آگئی وغیرہ وغیرہ ملاحظہ تفسیر معالم التنزیل جس کے مصنف صاحب مصابیح ہیں جو مشکوٰۃ شریف کا اصل ہے اس کے علاوہ اور تفسیروں میں بھی اس کا ذکر ہے جیسے خازن وغیرہ پس اس مسئلہ میں زیادہ کرید کی ضرورت نہیں کوئی بیان کرے ۔تو اس کو برا نہیں سمجھنا چاہیئے ۔ اور جو بیان نہ کرے ۔اس کو مجبور نہ کرنا چاہیئے ۔آج کل لوگ معمولی مسائل میں وقت ضائع کرتے ہیں اور اہم مسائل سے غافل ہیں خدا سمجھ دے ۔ آمین

عبداللہ امرتسری روپڑی

قربانی کے چند اہم مسائل

سوال ۔ اگر ایک غریب آدمی جس پر قربانی واجب نہیں ہے وہ جانور خرید لے لیکن وہ جانور قربانی سے پہلے مر جائے یا چوری ہو جائے تو اس کے لئے قربانی کا کیا حکم ہے؟

جواب ۔ جن کے نزدیک قربانی واجب ہے وہ کہتے ہیں کہ جب غریب آدمی قربانی کا جانور خرید لے گا۔ تو وہ جانور قربانی کے لئے واجب ہو جائے گا۔کیونکہ اس کو دوسرے جانور خریدنے کی طاقت نہیں تو گویا یہ ایسا ہو گیا۔ جیسے نذر مان لی ۔اور نذر پوری کرنی ضروری ہے اگر مر جائے تو اور دے خواہ ایک دے یا دو ایک تو ضروری ہے جو مرنے والے کا بدل ہے اور دوسری بہتر ہے جو اصل قربانی ہے۔

؎ اور اگر امیر قربانی خریدے تو وہ جانور معین نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس کو اور جانور خریدنے کی بھی طاقت ہے جب معین نہ ہوا تو نذر کی شکل نہ ہوئی پس اس کے لئے ضروری نہیں کہ قربانی کرے ہاں کر دے تو بہتر ہے۔ لیکن یہ محض قیاس ہے امیر نے جب ایک جانور کی نیت کر لی۔ تو وہ نیت کرنے سے معین ہو گیا۔ حدیث میں ہے اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ نیز اس سے لازم آتا ہے۔ کہ وہ قربانی کے وقت تک زندہ رہے تو اس صورت میں ہی امیر پر اس کی قربانی کرنی لازم نہ ہو۔ چاہے تو کرے ورنہ فروخت کر کے فائدہ اٹھالے۔ حالانکہ یہ بہت مذموم چیز ہے کہ اللہ کا نام کر کے پھر اللہ کے نام نہ دے خیر یہ تو ان لوگوں کا خیال ہے۔ جو قربانی کو واجب نہیں کہتے ہمارے نزدیک تو قربانی واجب ہے خواہ امیر ہو یا غریب اس لئے ہر صورت میں قربانی کرنی پڑے گی۔ خواہ قرض لے کر جس کو وہ بعد میں اتار سکتا ہے ہاں اگر اتنا تنگدست ہو کہ باوجود کوشش کے قربانی نہیں کر سکتا۔ تو اس کو بحکم لَا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا معافی ہو سکتی ہے۔

سوال ؛ اگر سات آدمی ایک گائے خریدیں۔ ان میں کچھ آدمی غریب حالت کے ہوں جن پر قربانی واجب نہ ہو اور کچھ آدمی امیر ہوں جن پر قربانی فرض ہو لیکن قربانی کا جانور ضائع ہو جائے تو اس کے متعلق کیا حکم ہے؟

جواب ؛ اس کا جواب پہلے سوال میں آگیا کیونکہ سات حصوں میں سے ایک حصہ قائم مقام ایک جانور کے ہے۔ پس جن کے نزدیک قربانی ضروری نہیں۔ وہ یہی کہیں گے۔ کہ غریب لوٹائے نہ امیر اور ہمارے نزدیک ہر ایک لوٹائے گا۔

تنبیہ

یہ بات یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ ہر ایک حصہ حقیقتاً جانور نہیں بلکہ شرع نے آسانی کے لئے ایسا کر دیا ہے۔ حقیقت میں وہ ایک ہی جان ہے اس لئے جس کو قربانی میں شبہ ہے۔ اس کو شامل نہ کرنا چاہیئے۔ جیسے بے نماز وغیرہ کیونکہ بہت سے علماء بے نماز کو کافر کہتے ہیں اور کافر کی قربانی نہیں اس طرح بریلوی مشرک وغیرہ یہ لوگ آپس میں مل کر قربانی کر لیں۔

سوال ؛ اگر کوئی شخص اپنے والدین یا کسی عزیز کی طرف سے قربانی دے۔ تو بعض کہتے ہیں اس قربانی کے جانور کا گوشت تمام تقسیم کر دیا جائے بعض کہتے ہیں کہ خود کھا لیا جائے تو کوئی ہرج نہیں۔

بعض حضرات کا خیال ہے کہ اگر کوئی آدمی جس کے والدین وفات پا چکے ہوں اور وہ آدمی ان کی طرف سے قربانی دے تو اس کے ساتھ اپنی قربانی بھی دینی چاہیئے۔ دین محمد ونوٹیاں والی چک نمبر ۳۹ ضلع شیخوپورہ

جواب۔ قربانی کے گوشت میں یہ تقسیم نہیں آئی کہ دوسرے کی طرف سے قربانی کرے تو خود نہ کھائے ہاں جو قربانیاں مکہ شریف بھیجی جاتی ہیں ان میں سے کوئی راستہ میں رہ جائے تو اس کے متعلق آیا ہے کہ تو اور تیرے ساتھیوں میں سے کوئی نہ کھائے کیونکہ اس میں خطرہ ہے کہ لوگ تھوڑا سا بہانہ بنا کر راستہ ہی میں کھانا شروع کر دیں اور اس پر اس جانور کو قیاس کر لیں جو یہاں قربانی کے لئے رکھا جاتا ہے اور قربانی کے وقت سے پہلے کسی حادثہ کی وجہ سے اس کو ذبح کر دیا جاتا ہے۔

حج بدل میں یہ شرط آئی ہے پہلے اپنا حج کرے پھر دوسرے کا کرے اس پر قربانی کو قیاس کر لیں ہاں اتنا فرق ہے کہ ایک حج ایک سال میں ایک ہی ہو سکتا ہے اور قربانیاں ایک سال میں متعدد ہو سکتی ہیں اس لئے اپنی طرف سے بھی کر دے۔ اور دوسروں کی طرف بھی کر دے۔

عبد اللہ امرتسری روپڑی

خط وکتابت میں بسم اللہ وغیرہ کا لکھنا

سوال۔ خط وکتابت میں درود شریف بمعہ بسم اللہ شریف لکھنا جائز ہے یا نہ؟

جواب۔ خط وکتابت میں بسم اللہ وغیرہ کا لکھنا اس کا کوئی حرج نہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بادشاہِ روم کو خط لکھا اس میں بسم اللہ بھی تھی اور آیت کریمہ یاا ھل الکتاب تعالوا لکھی (مشکوٰۃ باب الکتاب الی الکفار)

طاعون وہیضہ میں دو رکعت نفل پڑھ کر دعا کرنا

سوال۔ مرض طاعون یا ہیضہ کے ارتفاع سے جنگل میں جا کر دو رکعت نفل ادا کر کے بعدہ دعا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب۔ قوم یونس کے واقعہ سے نماز پڑھنا ثابت نہیں ہوتا ہاں باہر نکلنا ثابت ہوتا ہے

قوم یونس تو اس طرح نکلی تھی کہ ایک جی گھر میں نہ رہا۔ یہاں تک کہ حیوانات کو بھی باہر لے گئے پھر انسانوں کے بچے ان کی ماؤں سے اور حیوانوں کے بچے ان کی ماؤں سے الگ کر دیئے جن کے رونے اور چلانے سے دھرتی کانپ اٹھی۔ طاعون وغیرہ کے لئے اگر ایسا نکلنا مسنون ہوتا تو خیر قرون میں اس پر عملدرآمد ہوتا۔ صحابہ رضؓ کے زمانہ میں بڑے زور کی طاعون پڑی ہے جیسے طاعون عمواس میں وغیرہ (تاریخ ابن جریر) لیکن کہیں دعا کے لئے یا نماز کے لئے باہر نکلنا ثابت نہیں۔ چہ جائیکہ قوم یونس کی طرح نکلے ہوں۔ اصل بات یہ ہے کہ عام طور پر عذاب دو طرح کا ہوتا ہے ایک حقیقۃً عذاب ایک تنبیہ اور تادیب کے لئے قوم یونس کا عذاب حقیقۃً عذاب تھا۔ جو ان کی ہلاکت کے لئے آیا تھا جیسے اور قوموں پر آیا جن کا ذکر قرآن مجید میں جا بجا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے عذاب سے امتِ محمدیہ کو پناہ دی ہے۔ اس لئے قومِ یونسؑ والی صورت یہاں پیدا نہیں ہوتی۔ ہاں دوسری قسم کا عذاب بطور تنبیہ کے اس امت پر آتا ہے۔ جو مسلمان کے لئے رحمت اور کفارہ گناہ ہو جاتا ہے اس کی مدافعت کے لئے ہمیں وہی طریق اختیار کرنا چاہیئے۔ جو شریعت میں ثابت ہو قحط نالی کے لئے باہر نکل کر نماز و دعا کا حکم ہے اس میں چادر بھی الٹائی جاتی ہے دعا بھی الٹے ہاتھ کر کے مانگی جاتی ہے کسوف و خسوف کے لئے بھی نماز و روزہ دعا ذکرِ الٰہی ہے لیکن اس نماز کی ایک ایک رکعت میں کئی کئی رکوع کئے جاتے ہیں عام حوادث کے لئے پانچ وقتی نماز میں خصوصاً فجر میں دعا قنوت ہے جس میں طاعون حیضہ دشمن کی ایذار وغیرہ بھی شامل ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی عادت تھی۔ کہ جب کوئی کام آپکو غم میں ڈالتا تو نماز میں کھڑے ہو جاتے اور ابو ہریرہؓ کے پیٹ میں ایک مرتبہ درد ہوا تو آپؐ نے نماز کا ارشاد فرمایا اور ابن عباس رضؓ کو سفر میں اپنے بھائی کی وفات کی خبر پہنچی تو انا للہ پڑھا پھر رستہ سے ایک طرف ہو کر اونٹ بٹھایا اور دو رکعت نماز پڑھی جس میں قعدہ (التحیات) بہت لمبا کیا، پھر فارغ ہو کر چلے۔ اور یہ آیت پڑھی۔ وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ یعنی صبر اور نماز کے ساتھ مدد چاہو۔ اس طرح کہیں جا رہے تھے۔ کہ بیٹے کی وفات کی خبر پہنچی تو دو رکعت پڑھ کر فرمایا ہم نے خدائی ارشاد وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ کی تعمیل کی و دیگر صحابہ رضؓ و تابعین رحؒ سے بھی اس قسم کی روائتیں آئی ہیں اور حذیفہ رضؓ کہتے ہیں جنگ خندق کی رات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹا۔ آپ ایک لوئی (کمبل) اوڑھے ہوئے

نماز پڑھ رہے تھے۔ اور جب کوئی کام آپؐ کو غم میں ڈالتا تو نماز پڑھتے اور حضرت علیؓ فرماتے ہیں۔ کہ جنگ بدر کی رات ہم سب سوئے ہوئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ساری رات صبح تک نماز اور دعائیں مشغول رہے۔ چنانچہ تفسیر ابن کثیر اور فتح البیان وغیرہ میں آیت کریمہ واستعینوا بالصبر والصلوٰۃ کے نیچے ابو داؤد، مسند احمد وغیرہ کے حوالہ سے اس قسم کی کئی روائتیں ذکر کی ہیں لیکن جماعت کا اہتمام یا جنگل میں نکلنا اس کے لئے ثابت نہیں، ہاں فرض نماز کے ضمن میں اتنا حدیث میں آیا ہے کہ اَرِحْنَا یا بلالُ بالصَّلوٰۃِ یعنی اے بلال ہمیں نماز کے ساتھ راحت دے یعنی اذان دے تاکہ نماز میں مشغول ہونے سے ہمیں راحت حاصل ہو۔ غرض ہر موقعہ کے لئے جو جو طریق بتایا گیا ہے۔ اس طریق پر چلنا چاہیئے۔ بہتر نمونہ ہمارے لئے خیر قرون ہیں جن کی اتباع کے ہم مامور ہیں ان کی روش کو دیکھنا چاہیئے اگر خیر قرون میں اس قسم کے امراض کے لئے وہ جنگل میں نکلے ہوں اور نماز پڑھی ہو تو پھر نکلنے میں کوئی حرج نہیں، ورنہ بچنا چاہیئے۔ رہا تعویذات کا سلسلہ تو اس کے لئے بھی خیر قرون کی روش کا دیکھنا ضروری ہے۔ جس قسم کا تعویذ ثابت ہے، پس نیک کلام کے علاوہ شرکیات یا مشتبات تعویذ درست نہیں، حافظ محمد صاحبؒ کے تعویذات سے بعض شبہ والے ہیں جیسے اصحاب کہف کے ناموں کا تعویذ اور بحق مریم وعیسیٰ ابنا صالحا طویل العمر بحق محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

طریق استخارہ اور اس کا محل

سوال ۔ طریق استخارہ کیا ہے؟

جواب ۔ استخارہ کا جو طریق حدیث میں آیا ہے وہ یہ ہے کہ انسان کسی کام کا قصد کرنے سے پہلے دو نفل پڑھے خواہ رات میں یا دن میں پھر دعاء استخارہ پڑھے، مگر اس دعا میں الامر کی جگہ اپنی ضرورت کا نام لے۔ ھذہ النکاح یا ھذہ التجارۃ اس کے بعد جس کام کا قصد کیا ہے، اس کی طرف متوجہ ہو اور خدا پر بھروسہ کر کے اس کو شروع کر دے اس میں خیر و شر کا پتہ لگنا شرط نہیں بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس کے بعد سو جائے تاکہ نیند میں اس کام کے خیر و شر ہونے کا پتہ لگ جائے۔ مگر حدیث میں اس کا کوئی ذکر نہیں نیز خدا جیسے نیند میں دکھا سکتا ہے بیداری میں بھی دل میں ڈال سکتا ہے ہاں استخارہ کے بعد اپنے دل کی کیفیت دیکھنی ضروری ہے مگر طبیعت ذرا مطمئن ہو،

اوراس فعل کے کرنے کی طرف راغب ہو تو کرے ورنہ ترک کر دے کیونکہ استخارہ کی دعا میں یہ الفاظ ہیں کہ اے اللہ! اگر یہ کام تیرے علم میں خیر ہے تو میرے نصیب کر اور آسان کر پھر اس میں برکت ڈال اگر شر ہے تو مجھے اس سے پھیر دے اور خیر میرے نصیب کر خواہ کہیں ہو پھر میرا دل اس خیر کے ساتھ خوش کر. یہ الفاظ چاہتے ہیں کہ استخارہ کے بعد اگر دل اس طرف راغب نہ ہو. تو نہ کرنا چاہیئے اگر راغب ہو تو خدا پر بھروسہ کر کے بے کھٹکہ کرے. خواب وغیرہ کے انتظار کرنے کی ضرورت نہیں ہاں اگر کوئی بڑا اہم کام ہو. تو اس کے لئے زیادہ استخارہ کرے چنانچہ مسلم باب نقض الکعبۃ وبناءھا جلد اوّل میں حدیث ہے عبداللہ بن زبیرؓ نے فرمایا کہ میں کعبہ کو گرا کر نئے سرے سے بنانے کی بابت تین روز استخارہ کروں گا. پھر تین روز کے بعد اس کام کو شروع کیا.

بعض لوگ دوسرے سے استخارہ کراتے ہیں اور کہتے ہیں کہ استخارہ کر کے ہمیں پتہ دو کہ یہ کام خیر ہے یا شر. حالانکہ حدیث میں دوسرے سے استخارہ کرانا نہیں آیا بلکہ خود کرنے کا ذکر ہے. نیز استخارہ کا اصل مقصد کمزوری کا اظہار ہے خدا ہر وقت بندے سے عاجزی وانکساری پسند کرتا ہے. کہ بندہ خود اس کی طرف متوجہ ہوتا ہو. کام کو ہاتھ ڈالے پس دوسروں سے استخارہ کرانے کے کچھ معنی نہیں.

محل استخارہ

یہ تو استخارہ کے طریق کا بیان تھا. اب اس کا محل سنئے جو کام محض خیر ہو جیسے نماز روزہ. خیرات وغیرہ وہ محل استخارہ نہیں کیونکہ استخارہ کی دعا میں ہے کہ اے اللہ! اگر یہ کام خیر ہے تو میرے نصیب کر اگر شر ہے تو مجھے اس سے پھیر دے. یہ الفاظ چاہتے ہیں کہ جو کام محض خیر ہے اس کی بابت استخارہ نہیں بلکہ استخارہ ان امور کی بابت ہے جن کا خیر شر ہونا معلوم نہ ہو. درکار خیر حاجت استخارہ نیست رہا مذہب تو اس میں کسی وقت استخارہ نہیں. کیونکہ دعاء استخارہ میں یہ الفاظ ہیں کہ اے اللہ اگر میرے دین میں یہ کام بہتر ہے تو میرے نصیب کر. یہ الفاظ چاہتے ہیں کہ استخارہ دین (مذہب) میں نہیں بلکہ دین کے سوا دوسرے کاموں میں ہے علاوہ مذہب کی دو حالتیں ہیں اگر پوری تحقیق کے بعد مذہب واضح ہو جائے جس میں کسی قسم کے تردد، شبہ وہم کا دخل نہ رہے تو اس وقت استخارہ نہ ہونا ظاہر ہے کیونکہ جب اس کا حق اور خیر ہونا معلوم ہو چکا ہے اور اس کا خلاف شر ہے. تو پھر استخارہ کے کیا

معنی اور اگر تحقیق کے بعد اطمینان قلبی نہ ہو تو اس وقت یہ دعا ہونی چاہیئے کہ اے اللہ مجھ پر حق واضح کر دے ۔ اور استخارہ میں اس طرح دعا نہیں ہوتی پس مذہب کے لئے کسی حالت میں بھی استخارہ مناسب نہیں ۔
عبداللہ امرتسری روپڑی

بَابُ مَالِ الْمَمْلُوْكِ إِذَا أُعْتِقَ

غلام آزاد کیا جائے تو مال کس کا ہے ؟

سوال ۔ مالك ابن شهاب انه سمعه يقول مضت السنة ان العبد اذا اعتق تبعه مال قال مالك ومما يبين ذالك ان العبد اذا اعتق تبعه ماله ان المكاتب اذا كوتب تبعه ماله وان لم يشترط وذالك ان عقد الكتابة هو الولاء بعينه اذا تم ذالك اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ مضت السنۃ سے اگر مراد وہ حدیث ہے جس کو محشی نے بروایت احمد روایت کیا ہے ۔ جس کے الفاظ یہ ہیں ۔ من اعتق عبدا وله مال فمال العبد له الا ان يشترط السيد ہے تو پھر اس کی دوسری روایت معارض ہے ايما رجل اعتق عبده فلم يخبره بماله فهو لسيده رواه الاثرم وايضا قال البغوى فى شرح حديث من باع عبدا وله مال فماله للباع وذهب الاكثرون الى ان المال للمولىٰ كما فى البيع لا يتبعه المال وحملوا الحديث فى العتق على الندب والاستحباب (كذا فى المسوى مصرى ص[۳۲۱])
اس کے نزدیک مال عبد مال سید ہے جیسا کہ روایت اثرم و حدیث بیع عبد سے ثابت ہے امام مالک رح و ابن شہاب رح کا فتویٰ غلط ہے آپ اپنی تحقیق سے مطلع فرمائیں ۔ دوسرے امام مالک رح نے ان عقد الکتابۃ ھو عقد الولاء بعینہ سے کس طرح استدلال فرمایا ہے وجہ استدلال بیان فرمائیں ؟ اور سطور خط کشیدہ امام مالک کا معنی و مطلب واضح الفاظ میں فرمائیں ۔ ابو محمد عبدالجبار کھنڈیلہ

جواب ۔ دوسری حدیث پہلی کے معارض نہیں کیونکہ اس میں فَلَمْ يُخْبِرْهُ کا لفظ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر آقا کو پتہ ہو کہ میرے غلام کے پاس مال ہے پھر اس نے آزاد کر دیا اور مال کی شرط نہیں کی تو مال غلام کا ہے اور اگر آقا مال سے بے خبر ہے اور غلام نے اس کو

نہیں بتایا گویا ایک طرح سے مال کو چھپا رکھا ہے تو اس صورت میں مال کا حق دار غلام نہیں. بلکہ وہ آقا کی چیز ہے اور بغوی کی تاویل کہ ندب اور استحباب مراد ہے صحیح نہیں کیونکہ الا ان یشترط السیّد کی استثناء اس کی تردید کر رہی ہے۔ اگر ندب استحباب مراد ہو۔ تو سید کے شرط کرنے کا کچھ مطلب نہیں بنتا. نیز اگر بیع میں مال آقا کا ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ عتق کا بھی یہی حکم ہو. کیونکہ عتق فیاضی کا موقعہ ہے جس میں انسان کا دل کشادہ ہوتا ہے۔ اور بیع تنگی کا موقعہ ہے جس میں انسان ذرا ذرا کا حساب کرتا ہے۔ نیز بیع میں غلام دوسرے کی ملک میں جاتا ہے اس کو اپنے حوائج وضروریات کا کوئی فکر نہیں برخلاف عتق کے اس میں اپنے سر پر ہوتا ہے اس لئے مناسب ہے کہ تھوڑا بہت مال اس کے پاس ہوتا کہ اپنا کوئی کاروبار کرنے تک اس کو کوئی تکلیف نہ ہو. پس عتق کو بیع پر قیاس کرنا ٹھیک نہیں.

عبداللہ امرتسری روپڑی

مرض الموت میں مکاتب کو آزاد کرنا

سوال ر امام مالک رح "باب الوصیة فی المکاتب" موطا میں فرماتے ہیں۔

مالك ان احسن ما سمعت فی المکاتب یعتقه سیده عند الموت ان المکاتب یقام علی هیئة التی لو بیع کان ذلك الثمن الذی یبلغ فان کانت القیمة اقل مما بقی علیه من الکتابة وضع ذالك فی ثلث المیت ولم ینظر الی عدد الدراهم التی بقیت علیه وذالك انه لو قتل لم یغرم قاتله الا قیمته یوم قتله ولو جرح ولم یغرم جارحه الا دیة جرحه یوم جرحه ولا ینظر فی شئ من ذالك الی ما کوتب علیه من الدنانیر والدراهم لانه عبد ما بقی علیه من کتابته الخ

اس عبارت کی تشریح واضح الفاظ میں فرمائیں اور قاتل کی غرامت اور جارح کی جراحت کو اس میں کیا دخل ہے اور اس کی کتابت کے دراہم بقیہ کا کیوں حساب نہ ہوگا۔ اگر کتابت کا حساب نہ ہوگا تو ورثہ کو نقصان ہوگا۔ میت ثلث ہی وصیت کا مالک تھا۔ اور بعد وفات مولیٰ مکاتب غلام کی کیوں قیمت کی جاتی ہے۔ جبکہ اس نے مولیٰ سے کتابت کر لی تھی. اس کتابت بقیہ کا لحاظ رکھتے ہوئے ثلث مال سے اگر وہ آزاد ہو جاتا تو ہو جاتا۔ ورنہ پھر وہ وارثین کا غلام ہے لحدیث المکاتب

عبد ما بقی علیہ درھم نیز مکاتب نصف آزاد اور نصف غلام کی تنصیف دیت پر جو حدیث دلالت کرتی ہے وہ اس کے معارض ہے (ابو محمد عبد الجبار کھنڈیلہ)

جواب۔ جب انسان مرض موت سے بیمار ہو جاتا ہے تو اس کے مال سے اس کے ورثاء کا تعلق ہو جاتا ہے اگرچہ تہائی تک خدا نے اپنے فضل سے اس کو تصرف کی اجازت دی ہے مگر اس کو کچھ اچھا نہیں سمجھا گیا کیونکہ عمل کا اصل موقعہ صحت و تندرستی ہے دنیا سے مایوسی کے موقعہ پر عمل انسان کے لئے کچھ کمال نہیں اس لئے حدیث میں ہے کہ قریب المرگ ہو کر انسان کہتا ہے " فلاں کو اتنا دو اور فلاں کو اتنا دو۔ وَقَدْ کَانَ لِفُلَانٍ۔ یعنی یہ کہنا فضول ہے کہ فلاں کو اتنا دو اور فلاں کو اتنا کیونکہ وہ خود بخود ہی فلاں کا ہو گیا۔ اور اسی بناء پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ثلث کی اجازت دی تو ساتھ ہی فرمایا والثلث کثیر یعنی ثلث بہت ہے نیز فرمایا کہ اگر تو ورثاء کو غنی چھوڑ جائے۔ یہ اس سے بہتر ہے کہ تو مال اِدھر اُدھر دے اور بیچارے بھیک مانگتے پھریں پس جب اصل یہی ہے کہ ورثاء کا تعلق مال سے کامل ہے تو مرنے والے کا تصرف اس میں قریباً قریباً ایسا ہی ہے جیسے کوئی مکاتب کو قتل کر دے یا زخمی کر دے۔ یعنی غیر کی شے میں دست اندازی کرے پس جب قیمت کتابت سے کم ہوگی تو اس قیمت کا لحاظ ہوگا۔ اگر میت کے ثلث مال سے پوری ہو گئی تو بہتر ورنہ بقیہ غلام ادا کرے گا۔ اس تفصیل سے آپ کو قتل اور جراحت کے درمیان لانے کی وجہ معلوم ہو گئی رہی یہ بات قتل اور جراحت میں قیمت کا لحاظ کیوں رکھا جاتا ہے۔ کتابت کا کیوں نہیں ہوتا۔ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ کتابت آقا اور غلام کے درمیان ایک عقد ہے اور قتل اور جراحت غلام کی ذات پر واقع ہوئے ہیں اور غلام کی ذات وہی قیمت ہے اس لئے قاتل اور جارح اسی کے ذمہ دار ہو سکتے ہیں نہ کتابت کے یہ امام مالکؒ وغیرہ کا مذہب ہے۔ لیکن حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ غلام کی ذات محض قیمت نہیں بلکہ جتنی کتابت ادا کر چکا ہے اتنی دیت حر ہے اور باقی قیمت ہے اور دیت حر کا یہ مطلب نہیں کہ اتنا وہ حقیقتاً آزاد ہے۔ بلکہ اس سے مطلب صرف غلام کی محنت کی رعایت کرتے ہوئے اس کی شرافت کا اظہار ہے ورنہ حقیقتاً وہ غلام ہے چنانچہ دوسری حدیث میں ہے اَلْمُکَاتَبُ عَبْدٌ مَا بَقِیَ عَلَیْهِ دِرْهَمٌ یعنی مکاتب غلام ہے جب تک اس پر ایک درہم باقی ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ غلام کو ایک نسبت لوگوں کی طرف ہے

اور ایک نسبت آقا کی طرف ہے ابن شہاب نے پہلی نسبت میں غلام کا لحاظ کیا ہے اور دوسری
نسبت میں آقا کا لحاظ کیا ہے آقا کے ساتھ چونکہ غلام کی شرط ہوتی ہے۔ کہ قسطوار اتنی رقم ادا کر کے
آزاد ہو جاؤں گا۔ اس لئے جب تک اپنی شرط کے مطابق پوری رقم ادا نہ کرے۔ وہ آزاد نہیں ہو سکتا۔
ورنہ اس میں آقا کی حق تلفی ہوگی۔ اور غلام چونکہ محنت سے قسطوار رقم ادا کر رہا ہے اور آئندہ بھی اس
کا یہی مقصد ہے کہ ادا کرتا ہے اس لئے اس کی محنت کی رعائت کرتے ہوئے شرع نے اس
کو یہ شرف بخشا ہے کہ اس کی دیت حر کی کر دی ہے اور پردہ کے مسئلہ کی بنا چونکہ زیادہ احتیاط پر ہے
اس لئے اس میں صرف پوری رقم کا تیار ہونا ہی ادائیگی کے قائم مقام سمجھ لیا گیا ہے چنانچہ حدیث
میں ہے کہ جب ایک تمہاری کے مکاتب کے پاس اتنی رقم ہو کر وہ ساری کتابت کے لئے کافی ہو
تو تم اس سے پردہ کرو جیسے اس مسئلہ میں پردہ کے حکم دینے سے حقیقۃً آزاد ہونا مراد نہیں اسی
طرح دیت حر کا مسئلہ ہے اس میں بھی حقیقۃً آزاد ہونا مراد نہیں پس اب سب احادیث میں موافقت
ہو گئی اور کسی طرح کا کوئی اعتراض نہیں رہا ہاں امام مالکؒ وغیرہ کے مذہب پر اعتراض پڑتا ہے کہ
دیت حر والی حدیث کی رعایت نہیں کی۔ شاید ان کو پہنچی نہ ہو یا ان کو صحت میں تردد ہو اس قسم
کی کوئی اور وجہ ہو ورنہ حاش دیدہ دانستہ مخالفت کا شبہ ان پر نہیں ہو سکتا ان کی شان اس سے بالاتر
تھی

عبداللہ امرتسری روپڑ ضلع انبالہ

اَلْوَصِيَّةُ فِى الْمُكَاتَبِ

سوال: امام مالکؒ باب الوصیۃ فی المکاتب ص۲۷۳ میں لکھتے ہیں۔

فان کان السید قد اوصی لقوم بوصایا ولیس فی الثلث فضل عن قیمة المکاتب
بدا بالمکاتب لان الکتابة عتاقة والعتاقة تبدأ علی الوصایا ثم تجعل تلك الوصایا
فی کتابة المکاتب یتبعونه بها وتخیر ورثة الموصی فان احبوا ان یعطوا اهل
الوصایا هم کاملة وتکون کتابة المکاتب لهم فذالك لهم فان ابوا واسلموا المکاتب
وما علیه الی اهل الوصایا فذالك لهم لان الثلث صار فی المکاتب ولان کل وصیة
اوصی به احد فقال الورثة الذی اوصی به صاحبنا اکثر من ثلثه وقد اخذ ما لیس له

فان ورثته یخیرون الخ

اس عبارت کا خلاصہ مطلب سے تشریح بیان فرمائیں اور لفظ لان الثلث صار فی المکاتب
، ولان کل وصیۃ اوصی بہ احد کس کی علت ہے اور ماقبل سے اس کو کیا تعلق ہے اور ترکیب نحوی
اس کی کیا ہے جب ثلث مال میت سے مکاتب آزاد ہوگیا تو پھر اور وصایا مکاتب پر کیوں ڈالی
جاتی ہیں۔ اور جب مقدم آزاد گی مکاتب ہے۔ تو پھر ورثار کو کیوں اختیار دیا جاتا ہے اور مکاتب ان کو
کیوں سپرد کیا جاتا ہے

ابو محمد عبد الجبار کھنڈیلہ

جواب :۔ اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ جب آقا نے مرض الموت میں غلام سے مکاتبت
کی اور غلام کی قیمت ایک ہزار ہے اور تہائی مال بھی ہزار ہے تو یہ مکاتبت جائز ہوگی اگر اس کے ساتھ
وصایا بھی ہوں تو مکاتبت سب پر مقدم ہوگی۔ کیونکہ یہ عتاقت ہے اور عتاقت سب پر مقدم ہے۔
ہاں اور وصایا مکاتبت کی رقم سے پوری ہوں گی اب ورثار کو اختیار ہے خواہ اہلِ وصایا کی وصایا اپنے
پاس سے پوری کر دیں، اور مکاتبت ان کے لئے ہو جائے۔ اور خواہ مکاتبت اہلِ وصایا کے حوالے
کر دیں اور خود مکاتبت سے بے تعلق ہو جائیں۔ کیونکہ ثلث مکاتبت میں آگیا ہے (اس لئے دیگر
وصایا کا تعلق اسی ـــــ مکاتبت سے ہوگا) اور ورثار کو اختیار اس لئے دیا جاتا ہے۔ کہ جو
اس قسم کی وصیت ہو جس میں ورثا شبہ کر سکیں کہ یہ تہائی سے زیادہ ہے تو اس میں ان کو اختیار دیا
جاتا ہے، کہ خواہ ثلث مال اہل وصایا کے حوالے کر دیں اصل بات یہ ہے کہ غلام اور اس کی کمائی
سب آقا کے لئے ہے غلام سے کچھ لے کر اس کو آزاد کرنا یہ مکاتبت کی صورت ہے۔ یہ بیع وشرا
نہیں، کیونکہ بیع وشرا تب ہو جب مال حقیقتاً غلام کا ہو پس مکاتبت درحقیقت عتاقت (آزاد
کرنا) ہے اور انسان کا اصل چونکہ آزادی ہے اس لئے اس کو سب وصایا سے اہمیت دیتے
ہوئے مقدم کیا گیا اور صورت مفروضہ میں غلام کل مال کی تہائی ہے اور مرنے والے کو تہائی تک
ہی تصرف کی اجازت ہے پس مرنے والے نے غلام کے ساتھ مکاتبت کر کے گویا اپنا سارا حق لے لیا۔
اب دیگر وصایا کے لئے بجز مکاتبت کی رقم کے اور کوئی جگہ نہیں اس لئے لامحالہ اسی رقم سے
پوری کی جائیں گی۔ لیکن ورثاء اگر شبہ کریں کہ یہ غلام تہائی سے زیادہ ہے۔ تو وہ اس کی مکاتبت
پر قبضہ کر لیں اور اہلِ وصایا اپنے پاس سے پوری کر دیں۔

نوٹ

اس تفصیل سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ لان الثلث صار فی المکاتب اہل وصایا کے حوالہ کرنے کی علت ہے اور ولان کل وصیۃ الخ یہ اس کو حوالہ کرنے نہ کرنے میں ورثاء کو اختیار دیئے جانے کی علت ہے چونکہ یہ دونوں باتیں (مکاتبت اہل وصایا کے حوالہ کرنا اور حوالہ کرنے نہ کرنے میں ورثاء کو اختیار دیئے جانا) پہلے اکٹھی ذکر ہیں اس لئے ان دونوں کی علتیں عطف معطوف کے ساتھ اکٹھی ذکر کر دیں۔

عبداللہ امرتسری روپڑ ضلع انبالہ

سوال : امام مالکؒ باب الوصیۃ فی المکاتب ص۲۲۴ میں لکھتے ہیں۔

وقال مالك اذا وضع الرجل عن مكاتبه عند موته الف درهم من اول كتابته او من آخرها وكان اصل الكتابة ثلثة آلاف درهم قوم المكاتب قيمة النقد ثم قسمت تلك القيمة فجعل لتلك الالف التي من اول الكتابة حصتها من تلك القيمة بقدر قربها من الاجل وفضلها ثم الالف التي تلي الالف الاولى بقدر فضلها ايضا ثم الالف تليها بقدر فضلها ايضا ثم الالف التي تليها بقدر فضلها ايضا يوتى على آخرها تفضل كل الف بقدر موضعها في تعجيل الاجل وتاخيره لان ما استاخر من ذالك كان اقل في القيمة ثم يوضع في ثلث الميت قدر ما اصاب تلك الالف من القيمة على تفاضل ذالك ان قل او كثر فهو على هذا الحساب اس عبارت کا معنی مطلب واضح الفاظ میں فرمائیں۔ اور قرب لعد تعجیل تاخیر کی جو شقیات امام صاحب نے بیان فرمائی ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب : یہ بات ظاہر ہے کہ نقد ادھار میں اور ادھار ادھار میں بڑا فرق ہوتا ہے ایک شے ادھار دس روپے کو ملتی ہے تو نقد پانچ روپے یا کچھ کم وبیش کو بھی مل سکتی ہے اور اگر سال کے ادھار میں ایک شے کی قیمت بیس روپے ہے تو چھ ماہ کے ادھار میں پندرہ روپے ہوگی۔ مکاتب چونکہ قسط وار رقم ادا کرتا ہے اور عموماً سال سال کی قسط ہوتی ہے اس لئے جو قسط نزدیک ہوگی اس کی قدر وقیمت زیادہ ہوگی اور دور والی کی کم اور یہ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ مکاتبت عتاقت ہے اور عتاقت کا تعلق غلام کی ذات سے ہے تو گویا مکاتبت سے کچھ معاف کرنا درحقیقت غلام کی قیمت سے معافی ہے سو غلام کی قیمت۔ لگا کر ان قسطوں پر تقسیم کی جائے گی اول قسط کا حصہ

نقد، ادھار یا ادھار ادھار کا فرق کا لحاظ کرتے ہوئے زیادہ ہوگا. دوسری قسط کا اس سے کم تیسری قسط کا اس سے کم اب جونسی قسط آنا نے معاف کی ہے اس کے حصے میں جو کچھ آئے گا اتنا ثلث مال سے معاف کر دیا جائے گا.

عبداللہ امرتسری روپڑی

تفسیر جلالین کی بعض عبارت کا حل

سوال : آیت وصیت درحالت سفر ایک مشہور آیت جس کی ترکیب نحوی وتفسیر اشکل الآیات سے شمار کی گئی ہے.

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَیْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِیْنَ الْوَصِیَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَیْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِیْبَةُ الْمَوْتِ تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْۢ بَعْدِ الصَّلٰوةِ فَیُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ الآیة

اس آیت کی تفسیر میں علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے لکھا ہے، "وَالْحُكْمُ ثَابِتٌ فِی الْوَصِیَّیْنِ مَنْسُوْخٌ فِی الشَّاهِدَیْنِ وَكَذَا شَهَادَةُ غَیْرِ اَهْلِ الْمِلَّةِ مَنْسُوْخَةٌ"

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیت کریمہ میں شہادۃ سے مراد اشہاد فی الوصیۃ ہے یا شہادۃ معروفہ ؟ دوسرے حکم ثابت سے کیا مراد ہے ؟ آیا صرف اشہاد وقت وصیت مختصر یا تحلیف وصیین ، تفسیر جمل میں حکم سے تحلیف لیا ہے لیکن سباق آیت سے اشہاد وقت وصیت معلوم ہوتا ہے تیسرے تحلیف کی منسوخیت فی الشاہدین پر کون سی آیت دلیل ہے بلکہ اس آیت میں شہادت سے مراد ہی وصیت ہے. کما لا یخفی -لہذا آپ اپنی تحقیق اور معلومات سے مطلع فرمائیں.

چوتھے اس آیت کے شان نزول میں روایات مختلفہ آئی ہیں جو آپس میں متعارض ہیں. امام ترمذی رحؒ نے جو طویل روایت اس آیت کی تفسیر میں ذکر کی ہیں وہ بخاری کی روایت کے صریح مخالف ہے کیونکہ بخاری کی روایت سے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ جام منقش جس پر نزاع تھی وہ مکہ میں مل گیا اور وارثین بذیل متوفی نے قسم کھا کر اس کو حاصل کر لیا. مگر حدیث ترمذی رح سے معلوم ہوتا ہے کہ تمیم داری رضؓ نے بعد اسلام تاثم کی بناء پر وارثین کو پانچ سو درہم اپنے حصہ کے اس کی قیمت ادا کر دی. پھر اولیاء میت نے اس قصہ سے آگاہ ہو کر اور قسم کھا کر علی بن بداء سے بھی پانچسو درہم وصول کر لئے اور وہ جام بعینہ ان کو نہیں ملا. حالانکہ بخاری کی روایت میں بعینہ جام کا مکہ میں پایا جانا ظاہر ہے گویہ روایت غریب

اور ضعیف ہے اگر ان دونوں (روایت بخاری اور ترمذی) میں صورت تطبیق ہو تو بیان فرمائیں کیونکہ بخاری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جام جس کو تمیم داری رضؓ اور عدی بن بداءنے فروخت کیا تھا اس سے لے لیا گیا جب جام لے لیا گیا، پھر قیمت کا وصول کرنا کیا معنیٰ اهل هذا الا تعارض بَیِّنٌ بَیْنَ الروایات۔ محمد عبد الجبار سلفی مدرس مدرسہ مصباح العلوم کھنڈیلہ جے پور۔

جواب۔ یہاں پر تین صورتیں ہیں۔

ا۔ مرنے والا ایک شخص کو جو حاضر ہے وصیت کرے اور دو گواہ کرے۔

ب۔ مرنے والا جس کو وصیت کرنا چاہتا ہے وہ حاضر نہیں۔ دو شخصوں کو حاضر کر کے ان کے سامنے وصیت کرتا ہے۔ تاکہ غیر حاضر وصی کے متعلق مرنے والے نے جو کچھ وصیت کی ہے۔ اس پر ان کی گواہی ہو۔

ج۔ مرنے والا دو شخصوں کو حاضر کر کے وصیت کرے کہ میرے مرنے کے بعد تم ایسا کرو۔ تیسری صورت میں یہ دونوں وصی ہوں گے۔ دوسری صورت میں وصی نہیں ہوں گے۔ بلکہ حاضر عند الوصیت ہوں گے۔ پہلی صورت شہادت معروفہ کی صورت ہے یعنی کسی کے ذمہ کسی کے حق کی خبر دینا دوسری صورت بھی اسی کے قریب قریب ہے یہاں پر الفاظ آیت تینوں صورتوں کے محتمل ہیں۔ مگر شانِ نزول کی طرف نظر کرتے ہوئے پہلی دو مراد ہو سکتی ہیں۔ اور حکم آیت میں دو ہیں ایک اشہاد وقت وصیت جس کی تین صورتیں اوپر بتائی ہیں دوسرے ادائیگی شہادت کے وقت تحلیف شاہدین جلالین کی عبارت میں دوسرا حکم مراد ہے۔

منسوخیت کی دلیلیں کئی ہیں ایک اجماع ہے دوم حدیث مشہور البینة علی المدعی والیمین علی من انکر یعنی شہادت مدعی پر ہے اور قسم منکر پر ہے اس حدیث میں شہادت کو قسم کا مقابل بنایا ہے اگر شہادت کے ساتھ قسم بھی ہو تو پھر مقابلہ ٹھیک نہیں رہتا۔ سوم:۔ اگر مدعی کے پاس ایک گواہ ہو تو دوسرے گواہ کے قائم مقام اس کی قسم ہے۔ چنانچہ ابن عباس رضؓ سے روایت ہے۔ ان رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم قضیٰ بیمین وشاھد رواہ احمد ومسلم وابوداؤد وابن ماجۃ، (منتقیٰ باب الحکم بالشاہد والیمین) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گواہ اور مدعی کی قسم کے ساتھ فیصلہ کیا ——— اس سے صاف معلوم ہوا۔ کہ قسم ایک گواہ کے قائم مقام

ہے غرض اس قسم کی کئی دلیلیں ہیں جو منسوخیت پر دلالت کرتی ہیں جن کی وجہ سے اجماع ہو گیا
رہی موافقت کہ اس کی صورت یہ ہے۔ پانچ پانچ سو درہم وصول کرنے کے بعد ورثاء نے سنار
سے جام واپس لے لیا۔ اور اس کی رقم واپس کر دی۔ اس لئے کسی نے صرف جام کا ذکر کر دیا۔ اور رقم کا ذکر
چھوڑ دیا۔ اور کسی نے رقم ذکر کر دی۔ عبداللہ امرتسری روپڑی

القسامۃ

سوال ۔ امام بخاری رح نے باب القسامہ میں ایک حدیث طویل ذکر کی ہے جس میں ایک واقعہ
قاتل و مقتول کا بیان کیا ہے۔ کہ ایک یمانی شخص نے ایک شخص سارق کو قتل کر دیا۔ پھر ہذیل قبیلہ
نے حضرت عمر رض کی خدمت میں یہ دعویٰ دائر کر دیا۔ کہ یہ شخص مقتول ہمارا حلیف تھا لیکن قاتل اور
ان کے وارثین نے کہا کہ یہ ان کا حلیف نہیں ہے بلکہ وہ اس کو خلیع کر چکے ہیں یعنی اپنا حلیف ہونا
اس سے علیحدہ کر چکے ہیں۔ اس پر حضرت عمر رض نے فرمایا۔ یقسم خمسون من هذیل ما خلعوه قال فاقسم
منهم تسعة واربعون رجلا فقدم رجل منهم ای من هذیل من الشام فسألوه ان یقسم فافتدى
یمینه منهم بالف درهم فادخلوا مکانه آخر فدفعه الی اخی المقتول فقرنت یده بیده قال
فانطلقنا والخمسون الذین اقسموا حتی اذا کانوا بنخلة اخذتهم السماء فدخلوا فی غار فی الجبل
فانهجم الغار علی الخمسین الذین اقسموا فماتوا جمیعا وافلت القرینان فاتبعهما حجر فکسر
رجل اخی المقتول فعاش حولا ثم مات (بخاری باب القسامة)
اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ جو بین السطور بخاری میں مرجع فدفعہ کا رجل آخر کو قرار دیا
گیا ہے وہ میرے نزدیک غلط ہے کیونکہ جس رجل آخر کو پچاس عدد کی تکمیل کے لئے بھرتی کیا گیا تھا۔
وہ اخی المقتول کو کیوں دیا گیا۔ اور اس کے ساتھ کیوں باندھا گیا۔ اس کو تو صرف تکمیل پچاس کے لئے
بھرتی کیا گیا تھا۔ اس کو اخی المقتول کے سپرد کرنے کی کوئی وجہ وجیہہ نہیں معلوم ہوتی پس میرے
خیال میں دفعہ کی ضمیر رجل یمانی قاتل کی طرف لوٹتی ہے محشی نے جو سمجھا ہے وہ محل غور ہے
ورنہ ان کا قسم کھانا بے معنیٰ ہوتا ہے جب کہ ان کے سپرد قاتل مقتول کو باوجود قسم کھانے کے
بھی نہیں کیا گیا ہے۔ ——— رہا یہ امر کہ وہ شخص جو اخی المقتول کو دیا گیا تھا۔ وہ کیسے سلامت رہا۔

سو اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ اپنے قول خلیع میں سچا تھا۔ دوسرے جو شخص اس کے ہاتھ سے
مارا گیا۔ وہ عمداً نہیں مارا گیا بلکہ خطأً مارا گیا تھا۔ اس لئے وہ عذاب الٰہی سے بچ گیا والعلم عند اللہ۔
اور رہے وہ شاہدین کاذبین جو بوجہ اپنی کذب بیانی کے عذاب الٰہی میں مبتلا کئے گئے لہٰذا آپ
غور فرما کر اس مقام کو حل فرمائیں حافظ ابن حجر رح نے اس پر کچھ نہیں لکھا ہے اور محشی نے جو کچھ لکھا
ہے وہ میرے نزدیک محل غور ہے تیسرے امام بخاری رح نے اس قصہ کو کیوں باب القسامہ میں بیان
کیا ہے۔ قسامت سے اس کو کوئی تعلق نہیں ہے ہاں بقول محشی یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری رح
کی اس سے غرض مدعا علیہ کو قسم دینا ہے نہ کہ مدعی کو جیسا کہ شوافع اور محدثین کہتے ہیں کہ مسئلہ قسامت
میں پہلے مدعی پر قسم ہے پھر مدعا علیہ پر شاید امام بخاری رح کا رجحان احناف کی طرف مائل ہو ولا اعتراض
علیہ لانہ مجتہد مطلق

ابو محمد عبد الجبار کھنڈیلہ جے پور

جواب ۔ محشی بین السطور کی غلطی سے قریب ہونے کی وجہ سے محشی کا خیال اس طرف
چلا گیا ہے کہ یہی مرجع ہے ورنہ مرجع درحقیقت رجل یمانی ہے۔ اور اس واقعہ کی مناسبت دو
طرح سے ہے ایک یہی جو محشی نے بیان کی ہے دوم یہ کہ قسامت سے قود ثابت نہیں ہوتا کیونکہ قسامت
کی بناء محض ظن پر ہے ظن پر قسم کھانے والوں کا جو انجام ہوا وہ اس قصہ سے ظاہر ہے۔ گویا امام بخاری رح
کا مذہب حنفیہ شافعیہ کے بین بین ہے حنفیہ قسامت کے ساتھ قود کے قائل ہیں امام بخاری رح اس
میں ان کے مخالف ہیں اور شافعیہ کہتے ہیں، حلف کی ابتداء مدعی سے ہوگی اگر وہ انکار کرے تو پھر
مدعا علیہ قسم کھائے۔ امام بخاری رح اس میں حنفیہ کے موافق ہیں کہ ابتداء مدعا علیہ سے ہونی چاہیئے چنانچہ
فتح الباری کی عبارت سے ظاہر ہے۔

الشہادۃ علی الخط المختوم

سوال ۔ امام بخاری رح نے باب "الشہادۃ علی الخط المختوم وما یجوز من ذالک وما یضیق
علیہ" منعقد کرتے ہیں دریافت طلب امر یہ ہے کہ شہادت علی الخط سے مراد اشہاد علی الخط ہے یا
صرف شہادت من الخط المختوم ہے امام بخاری رح کی غرض خط مختوم سے ثبوت شہادت من الخط
ہے احناف اس کے قائل نہیں لیکن بعض اوقات جبکہ خطوط میں توافق وتشابہ ہو تو پھر اسکے لئے فیصلہ کی کیا صورت

ہے اور یہ شہادت علی الخط المختوم عام امور میں ہے یا خاص امر میں اسکی تشریح فرمائیں اور امام بخاری رح اسی باب میں لکھتے ہیں وقد کتب عمرؓ الی عامله فی الجارود اس کا تفصیلی واقعہ کیا ہے؟ حضرت عمرؓ کا عامل کی طرف لکھنا شرح حال کیلئے تھا یا اقامت حد کے لئے۔

ابو محمد عبد الجبار کنڈیلہ جے پور

جواب :۔ اس باب میں امام بخاری رح نے تین حکم بیان کئے ہیں۔ ا۔ شہادت علی الخط ب کتاب القاضی الی القاضی ج شہادت علی الاقرار بما فی الکتاب۔ جو دوسرے لفظوں میں اشہاد علی الخط ہے۔ امام بخاری رح نے جو باب شہادت علی الخط المختوم باندھا ہے۔ اس سے ایک تو یہی اشہاد علی الخط مراد ہے دوم اس سے یہ مراد ہے کہ ایک شخص نے ایک واقعہ لکھا ہوا پایا اور پہچان لیا۔ کہ میرا خط ہے۔ مگر واقعہ یاد نہیں آتا تو کیا صرف خط پہچان کر اس واقعہ کے متعلق حاکم کے سامنے شہادت دے سکتا ہے؟ امام بخاری رح کا خیال معلوم ہوتا ہے کہ دے سکتا ہے جمہور اس کے قائل نہیں۔ حضرت عمرؓ کا جارود کے ورقہ میں لکھنا شرح حال کے لئے تھا۔ اور یہ واقعہ بقدر ضرورت فتح الباری میں اسی مقام پر ہے۔ اگر پورا مطلب ہو تو الاستیعاب اور اصابہ فی تمیز الصحابہ میں ملاحظہ کریں اور اسی کی مناسبت کتاب الحاکم الی عامله و کتاب القاضی الی القاضی سے ہے اور جمہور کتاب القاضی الی القاضی کو بغیر گواہوں کے معتبر نہیں سمجھتے۔ اس کی تردید میں امام بخاری رح نے یہ واقعہ ذکر کیا ہے۔ کیونکہ حضرت عمرؓ اور ان کے عامل کے درمیان جو خط و کتابت ہوتی۔ اس کو فریقین عمرؓ اور ان کے عامل بغیر گواہوں کے قبول کرتے رہے اس طرح عمر بن عبدالعزیز رح نے اپنے عامل کو لکھا ان کے علاوہ جواز کے متعلق اور علماء کے حوالے بھی امام بخاری رح نے ذکر کئے ہیں اور حنفیہ کتاب القاضی الی القاضی کو حدود میں گواہوں کے ساتھ بھی جائز نہیں کہتے اس کی تردید میں بخاریؒ نے انہی کا قول پیش کیا ہے۔ نہ وہ قتل خطاء میں قائل ہیں اور اسی سے شہادت علی الخط المختوم بالمعنی الثانی کا جواز بھی معلوم ہو گیا۔ کیونکہ اس میں شبہ یہی ہے کہ خط خط کے مشابہ ہو جاتا ہے اور کتاب القاضی الی القاضی میں بھی یہی شبہ ہے۔ مگر باوجود اس کے یہ جائز ہے پس شہادت علی الخط بھی جائز ہو گی۔ رہا شہادت علی الخط بالمعنی الاول یعنی اشہاد علی الخط کا جواز تو اس کی صورت یہ ہے کہ قاضی ایک خط لکھتا ہے اس پر وہ گواہ کرتا ہے لیکن جو کچھ لکھتا ہے اس کا پتہ ان گواہوں کو نہیں دیتا۔ کیا صرف اتنے پر وہ شہادت دے سکتے ہیں کہ اس خط میں جو کچھ ہے۔ اس کے ساتھ قاضی کا اقرار ہے خواہ یہ خط دوسرے قاضی کو لکھے یا اپنے فیصلہ کی یادداشت اپنے دفتر میں رکھے جب ضرورت پڑے اس وقت یہ شہادت دیں۔ امام ابو حنیفہ رح اور امام شافعی رح

اس کو جائز نہیں کہتے ۔ اور امام مالک رح جائز کہتے ہیں ۔ اسی طرح کسی نے وصیت لکھی اور اس پر گواہ کئے مگر ان کو پڑھ کر نہیں سنائی اس حالت میں اس کو بند کر کے مہر لگا دی یا دستخط کر دیئے ۔ تو کیا صرف اتنے پر وہ حاکم کے سامنے یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس میں جو کچھ ہے اس کا موصی کو اقرار ہے ۔ امام مالک رح کے نزدیک یہ بھی جائز ہے اور امام بخاری رح کا رجحان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے جس کی دلیل میں یہ روائتیں ذکر کی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمال وغیرہ کو خطوط لکھتے اور پہنچانے والوں کو خبر نہ دیتے ۔

نوٹ

خط خط کے مشابہ ہونا شاذ و نادر ہے اس لئے اس پر کلیۃ حکم کی بناء نہیں رکھی جا سکتی ہاں جہاں اشتباہ ہو وہاں عمل نہ کیا جائے مگر اس میں حدود و غیر حدود کا فرق نہیں کیونکہ شہادت میں اشتباہ ہونے کی صورت میں حدود و غیر حدود یکساں ہیں حنفیہ کا مذہب عجیب ہے کہ حدود کے معاملہ میں خط کا خط کے مشابہ ہونا ایک عام اصول بنا کر حدود کو ٹال دیا ہے ۔ اور قسامت میں جہاں بغیر مشاہدہ کے قسمیں کھائی جاتی ہیں وہاں قصاص ثابت کرتے ہیں ۔ ھل ھذا الا تھافت ۔

عبداللہ امرتسری روپڑی ضلع انبالہ ۲۲ رشعبان ۱۳۵۹ھ

ابو داؤد میں بعض ابواب اور احادیث میں موافقت

سوال ۱۵ امام ابو داؤد باب من لم یر الجھر ببسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں حدیث انس بن مالک رض لائے ہیں ۔ جس کے الفاظ یہ ہیں ۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُنْزِلَتْ عَلَیَّ اٰنِفًا سُوْرَةٌ فَقَرَأَ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ حَتّٰی خَتَمَھَا ۔ الحدیث

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ پر ایک سورۃ اتاری گئی ہے پھر بسم اللہ پڑھ کر سورۃ انا اعطیناک اخیر تک پڑھی ۔ (ابو داؤد جلد ۱ صہ ۱۰۱)

اس حدیث کو باب سے کیا مطابقت ہے عدم جہر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا ثبوت کیسے ہو سکتا ہے بلکہ اس حدیث سے تو ثبوت جہر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہے دوسرے امام ابو داؤد رح باب ما جاء من

جہر بہا میں حدیث عثمان بن عفان آئے ہیں اس سے بسم اللہ کا جہر ثابت نہیں ہوتا اگر بالفرض جہر کتابت بسم اللہ سے ثابت بھی ہو تو بالسر پر بھی اس سے استدلال ہو سکتا ہے یعنی بسم اللہ کے لکھنے سے بسم اللہ کا جہر پڑھنا لازم نہیں آتا، کیونکہ لکھنا بطور تبرک تھا نہ کہ بطور جزئیت اگر جزء ہوتی تو اس کو جہراً پڑھتے۔ جیسے باقی اجزاء پڑھے۔

ابو محمد عبد الجبار کھنڈیلہ جے پور

سوال :- امام ابو داؤد باب جاء من جھر بھا میں لکھتے ہیں۔

قال ابو داؤد وقال الشعبی والو مالك وقتادة وثابت بن عمارة ان النبی صلی اللہ علیہ وسلّم لم یکتب بسم اللہ الرحمٰن الرحیم حتی نزلت سورة النمل ھذا معناہ۔

ابو داؤد نے کہا کہ شعبی رح، ابو مالک رح قتادہ رح اور ثابت بن عمارة نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے بسم اللہ نہیں لکھی یہاں تک کہ سورۃ نمل اتری۔

ان روایات مرسلہ سے جہر بسم اللہ فی الصلوٰۃ پر کیسے استدلال ہو سکتا ہے کما قلت فیما تقدم اور ھذا معناہ کس طرف اشارہ ہے ——— دوسرے اس سے کتابت بسم اللہ فی المکتوبات والرسائل کا ثبوت۔ ہے نہ کہ مکتوب ہونا بسم اللہ کا فی اول السور کیونکہ الفصال سور کا آپ کو معلوم ہی نہیں ہوتا تھا۔ جب تک بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہ اترتی تھی ——— تیسرے یہ روایات مرسلہ بھی ہیں اس روایت کے جس میں آتا ہے کہ آپ صلعم کو فصل سورۃ از سورۃ قرآن معلوم ہی نہیں ہوتا تھا جب تک نزول بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہ ہوتا۔ فافہم تدبر۔ ابو محمد عبد الجبار کھنڈیلہ جے پور

جواب :- ابو داؤد یہ حدیث اس سے پہلی حدیثوں کا مطلب بتلانے کے لئے لائے ہیں پہلے دو حدیثیں ہیں ایک الفاظ یہ ہیں ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم وابا بکر وعمر وعثمان کانوا یفتتحون القرأۃ بالحمد للہ رب العٰلمین یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکر رض، عمر رض اور عثمان رض الحمد للہ رب العٰلمین سے قرأت شروع کرتے تھے۔

دوسری حدیث کے الفاظ یہ ہیں، کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم یفتتح الصلوٰۃ بالتکبیر والقرأۃ بالحمد للہ رب العٰلمین یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم تکبیر اور قرأت الحمد للہ رب العٰلمین سے نماز شروع کرتے تھے یہ دونوں حدیثیں بظاہر ان لوگوں کی دلیل ہیں جو بسم اللہ جہر نہیں پڑھتے۔ ابو داؤد نے باب تو انہی کے مطابق باندھا ہے مگر ضمناً اصل مطلب کی طرف بھی

اشارہ کر دیا۔ وہ یوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرما کر کہ مجھ پر ایک سورۃ اتاری گئی۔ سورۃ انا اعطینا بسم اللہ سے شروع کی جس سے معلوم ہوا کہ بسم اللہ بھی اس میں داخل ہے اس بنا پر ہر سورۃ کے شروع کی بسم اللہ اس سورۃ میں داخل ہوگئی جس میں فاتحہ بھی آجاتی ہے۔ پس الحمد للہ رب العلمین سے قرأت شروع کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ سورۃ الحمد للہ رب العلمین سے قرأت شروع کی اور سورۃ الحمد للہ رب العلمین میں بسم اللہ بھی داخل ہے پس اس کا پڑھنا بھی ثابت ہوگیا۔ چونکہ یہاں شبہ ہوتا ہے کہ انا اعطینا کے شروع میں بسم اللہ پڑھنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ بسم اللہ اس میں داخل ہو ممکن ہے بطور تبرک پڑھی ہو۔ اس کا جواب اگرچہ یہ دیا جا سکتا ہے کہ یہ ظاہر کے خلاف ہے کیونکہ بطور تبرک پڑھنے کا کوئی قرینہ نہیں پھر سورۃ فاتحہ کے شروع میں بھی بسم اللہ بطور تبرک ضرور پڑھی ہوگی اور الحمد للہ رب العلمین سے قرأۃ شروع کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ بسم اللہ کے بعد کوئی اور سورۃ نہیں پڑھی بلکہ سورۃ الحمد للہ رب العلمین پڑھ ———

لیکن ابو داؤد حدیث کی کتاب ہے اس میں فقہی طرز پر حدیث کا بیان کرنا مقصود نہیں۔ بلکہ مسائل کے متعلق روایات کا ذخیرہ کرنا مقصود ہے اس لئے ابو داؤد نے اس کے بعد ایک روایت ذکر کی، جس میں ذکر ہے کہ حضرت عائشہؓ کی جب برأت اُتری تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعوذ پڑھ کر آیت اِنَّ الَّذِینَ جَاۗءُوا بِالْاِفْكِ پڑھی۔ اگر انا اعطینا کے شروع میں بسم اللہ بطور تبرک پڑھی ہوتی تو یہاں بھی پڑھتے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شروع سورۃ میں بطور تبرک نہیں پڑھی۔ بلکہ اس لئے پڑھی کہ شروع سورۃ میں بسم اللہ ہے پس اس میں فاتحہ بھی آگئی۔

حدیث عثمان سے جہر اس طرح ثابت ہوئی ہے کہ ظاہر یہی ہے کہ مابین الدفتین قرآن مجید ہے اور بطور تبرک کہنا خلاف ظاہر ہے جو بغیر دلیل مسموع نہیں۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ نمل کے اُترنے تک بسم اللہ نہیں لکھی۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ بعد میں لکھی ہے اگر بطور تبرک لکھتے تو پہلے بھی لکھتے پس جیسے نمل کی لکھی گئی اسی طرح شروع سورتوں کی لکھی گئی اور نمل کی تو بطور جزئیت کے ہے۔ پس شروع سورتوں کی بھی بطور جزئیت کے ہوگی۔ اور اس کے بعد ابو داؤدؒ نے ایک اور حدیث ذکر کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سورت کی دوسری

سورت سے جدائی نہیں پہچانتے تھے۔ یہاں تک کہ بسم اللہ اتاری گئی اس سے بھی تائید ہوتی ہے کہ کتابت بطور تبرک کے نہیں کیونکہ دوسری سورت شروع ہونے کے وقت اس کا باقاعدہ نزول ہوتا۔ جیسے قرآن مجید اترتا۔ پس قرآن مجید میں ہر سورت کے شروع میں اس کا لکھنا بطور جزئیت ہوا۔ اور جب لکھنا بطور جزئیت ہوا تو اس سے جہراً پڑھنا بھی ثابت ہوگیا۔ کیونکہ اصل یہی ہے۔ کہ جیسے باقی اجزاء جہراً پڑھے جاتے ہیں۔ ایسے ہی بسم اللہ پڑھی جانی چاہئے۔ ہاں جہراً پڑھنا ضروری نہیں کیونکہ آہستہ پڑھنا بھی ثابت ہے مگر اس سے عدم جزئیت لازم نہیں آتی، دیکھئے ظہر عصر میں قرأت آہستہ ہوتی ہے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کوئی آیت جہراً پڑھ دیتے۔ چنانچہ مشکوٰۃ باب قرأۃ الصلوٰۃ میں ہے پس جیسے کسی آیت کے جہراً پڑھنے سے عدم جزئیت لازم نہیں آتی اسی طرح آہستہ کو خیال کر لینا چاہیئے۔ اور آہستہ پڑھنے کی وجہ نیل الاوطار جلد ۲ صفحہ ۹۷ و ۹۸ میں بحوالہ فتح الباری وغیرہ یہ ذکر کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں جب بسم اللہ پڑھتے تو کفار ابطور استہزاء بولتے کہ یہ رحمان یمامہ کا ذکر کرتا ہے یعنی مسیلمہ کذاب کا کیونکہ اس نے اپنا نام رحمان رکھا ہوا تھا پس اس وقت سے بسم اللہ آہستہ پڑھنے کا ارشاد ہوگیا پھر اگرچہ آہستہ پڑھنے کی علت باقی نہ رہی مگر عملدرآمد اس پر باقی رہا۔ جیسے طواف بیت اللہ میں رمل باقی رہا یہ روایت طبری وغیرہ میں ہے اور مجمع الزوائد میں کہا ہے کہ اس کے راوی ثقہ ہیں یہ نیل الاوطار کی عبارت کا خلاصہ ہے اس میں یہ جو کہا ہے کہ اس پر عملدرآمد باقی رہا۔ اس سے مراد اگر اکثر ہو یعنی اکثر ایسا ہوتا رہا۔ تو یہ تو صحیح ہو سکتا ہے اور اگر یہ مراد ہو کہ اس کے بعد جہر پر عمل بالکل نہیں ہوا تو یہ محل نظر ہے کیونکہ احادیث سے اس کے بعد بھی جہر کا ثبوت ملتا ہے تفصیل کے لئے نیل الاوطار جلد ۲ صفحہ ۹۰ لغایت ۹۶ ملاحظہ ہو۔

ترتیب سُوَر توقیفی ہے یا غیر توقیفی

سوال، امام ابوداؤد روایت طویل عثمان میں نقل کرتے ہیں۔

وكانت الانفال من اول ما نزل عليه بالمدينة وكانت براة من آخر ما نزل من القرآن وكانت قصتها شبيهة بقصتها وظننت انها منها فمن ذالك وضعتها في

السبع الطوال ولم اکتب بینہما سطر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (ابوداؤد جلد ا باب ماجاء من جہر بہا) سورۃ انفال اس حصے میں سے تھی۔ جو حضور پر مدینہ میں پہلے نازل ہوا اور سورۃ براۃ (توبہ) قرآن مجید کے اس حصہ میں تھی۔ جو آخر میں نازل ہوا چونکہ ان دونوں سورتوں کا مضمون آپس میں ملتا تھا۔ لہٰذا میں نے ان دونوں کو ایک سمجھ کر سورۃ انفال کو سبع طوال میں رکھا اور ان دونوں سورتوں کا مضمون آپس میں ملتا تھا۔ لہٰذا میں نے ان دونوں کو ایک سمجھ کر سورۃ انفال کو سبع طوال میں رکھا اور ان دونوں کے درمیان بسم اللہ بھی نہیں لکھی۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ روایت سنداً قابل حجت ہے یا نہیں؟ اس روایت میں ترتیب سور کا غیر توقیفی ہونا ثابت ہوتا ہے حالانکہ ترتیب آیات وسور توقیفی ہیں اور قرآن مجید بہیئت کذائی ما فی الدفتین زمانہ نبوی میں مرتب ہو چکا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ سالانہ بہمراہ جبرئیل دور فرمایا کرتے تھے اور بہت سے صحابہ رضی اس کے حافظ تھے۔ اور وہ اسی موجود ترتیب سُوَر کے حافظ تھے۔ دوسرے یہ حدیث معارض بھی ہے اس حدیث کے جس کے الفاظ یہ ہیں قال اوس سالت اصحابہ کیف تحزبون القرآن قالو ثلاث وخمس وسبع وتسع واحدی عشرۃ وثلث عشرۃ وحزب المفصل وحدہ (ابوداؤد باب تحزیب القرآن) تین سورتیں فاتحہ سے مائدہ تک، گویہ چار سورتیں ہوتی ہیں اس میں سورۃ فاتحہ کا ذکر استغناءً نہیں کیا اس لئے کہ وہ ام القرآن ومستقل قرآن ہے اور مشہور ہے۔ پانچ سورتیں مائدہ سے یونس تک سات سورتیں یونس سے بنی اسرائیل تک نو سورتیں بنی اسرائیل سے شعراء تک گیارہ سورتیں شعراء سے والصافات تک تیرہ سورتیں والصافات سے سورۃ قاف تک اور مفصل سورتیں سورۃ ق سے آخر قرآن تک اس روایت سے قرآن پاک کی آٹھ منزلیں ثابت ہو گئیں، یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ سورتوں کی ترتیب جیسے اب ہے۔ اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھی اور حضرت عثمان والی حدیث دلالت کرتی ہے کہ بعض سورتوں کی ترتیب اجتہاد سے ہے اس کی وضاحت فرمائیے۔

جواب: عون المعبود میں ہے،

یعنی منذری کہتے ہیں کہ اس حدیث کو ترمذی رحمہ نے بھی روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے ہم نہیں جانتے کہ عوف کے سوا یزید فارسی سے جو ابن عباس رضی سے روایت کرتا ہے کسی نے

اس کو روایت کیا ہو اور یزید فارسی نے ابنِ عباس رضہ سے کئی احادیث روایت کی ہیں اور کہا جاتا ہے کہ وہ یزید بن ہرمز ہے اور یہ بات جو ترمذی نے ذکر کی ہیں یہی امام عبدالرحمٰن بن مہدی رح اور امام احمد بن حنبل رح نے کہی ہے اور ان دونوں کے غیر نے کہا ہے کہ یہ دو ہیں اور فارسی ابن ہرمز کا غیر ہے اور ابنِ ہرمز ثقہ ہے اور فارسی کے ساتھ بھی کوئی ڈر نہیں۔ تقریب التہذیب میں ہے، یزید بن هرمز المدنی مولی بنی لیث وهو غیر یزید الفارسی علی الصحیح وهو والد عبدالله ثقة مات علی رأس المائة۔ یزید بن ہرمز مدنی مولی بنی لیث اور صحیح یہ ہے کہ وہ یزید فارسی کا غیر ہے۔ اور وہ عبداللہ کا والد ہے ثقہ ہے پہلی صدی کے اخیر فوت ہوا۔ تقریب التہذیب کے اسی صفحہ پر آگے جاکر لکھا ہے، یزید الفارسی البصری مقبول من الرابعة یزید فارسی بصری مقبول ہے چوتھے طبقہ سے ہے۔ یزید بن ہرمز کی روایت پر مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور نسائی کا نشان ہے اور یزید فارسی پر ابوداؤد۔ ترمذی۔ نسائی کا نشان ہے۔

اس تفصیل سے یزید فارسی کی حقیقت واضح ہوگئی اور معلوم ہوگیا کہ وہ مجہول نہیں اور اس کی حدیث حسن ہے اور تلخیص ذہبی میں اس کو مسلم کی طرف نسبت کرنا بالکلیہ غلط نہیں بلکہ یہ امام عبدالرحمٰن بن مہدی اور احمد بن حنبل رح کے قول کی بناء پر ہے ہاں بخاری کی طرف نسبت بیشک غلط ہے پس جب اس کی حدیث حسن ہوئی تو اب اس کو رد کرنا ٹھیک نہیں اور آپ نے باب تحزیب القرآن کے حوالہ سے جو حدیث ذکر کی ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں بلکہ صحابہ رضہ سے ہے اور صحابہ رضہ کے زمانہ میں ترتیب سُوَر ہوگئی تھی۔ مگر ایک نہ تھی۔ حضرت عثمان کی الگ تھی۔ عبداللہ بن مسعود رضہ وغیرہ کی الگ، آپ کی پیش کردہ حدیث میں ترتیب عثمانی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جیسے نماز میں مقدم و مؤخر پڑھنا ثابت ہے اسی طرح جبرئیل علیہ السلام سے دور کے وقت ہوتا ہوگا۔ اور جو لکھا ہوا تھا، وہ کتابی صورت میں نہیں تھا۔ بلکہ چمڑوں تختیوں، شانوں کی ہڈیوں وغیرہ پر تھا، جو محفوظ تو رہ سکتا ہے لیکن ترتیب اس کی کچھ نہیں رہ سکتی یہی وجہ ہے کہ حضرت عثمان کو دقت پیش آئی ورنہ معاملہ سہل تھا۔ ترمذی کے ایک مقام کا حل ہے

سہو کے وقت نماز میں کلام کا کیا حکم ہے

سوال ، امام ترمذی رح باب ما جاء فی الرجل یسلم فی الرکعتین من الظہر والعصر میں لکھتے ہیں ۔ کہ امام احمد رح نے ابو ہریرہ رض کی حدیث میں کہا ہے کہ امام نماز میں کلام کرے اور اس کا خیال ہے کہ نماز اس نے پوری کرلی ہے یا پھر معلوم ہوا کہ پوری نہیں کی تو وہ امام بقیہ نماز پوری کرے اور جو مقتدی کلام کرے اور وہ جانتا ہو کہ کچھ نماز باقی ہے تو وہ نئے سرے سے نماز پڑھے اور دلیل یہ دی ہے ۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں فرائض میں کمی بیشی ہوتی رہتی تھی اس وجہ سے ذوالیدین نے جب کلام کی تو اس کو یقین تھا ۔ کہ نماز پوری ہو چکی اب اس طرح سے کوئی کلام نہیں کرسکتا ۔ جیسے ذوالیدین نے کی ہے کیونکہ اب فرائض میں کمی بیشی نہیں ہوگی ۔

میں کہتا ہوں کہ امام احمد رح کا یہ قول صحیح ہے یا نہیں ؟ میرے خیال میں یہ قول کمزور ہے اور اس پر احادیث صحیحہ سے کوئی دلیل نہیں اور اس میں کئی طرح سے کلام ہے اوّل یہ کہ مقتدی کے فرق پر کوئی دلیل نہیں ، یہ امام احمد رح کا محض اجتہاد ہے کیونکہ ذوالیدین کو نماز کی کمی بیشی میں تردد تھا ۔ اس لئے اس نے کہا ، یا رسول اللہ ! کیا نماز کم ہوگئی یا آپ بھول گئے پس اس کو نماز کے پورا ہونے کا یقین نہ ہوا ۔ اگر پورا ہونے کا یقین ہوتا تو یہ سوال نہ کرتا ۔ کہ نماز کم ہوگئی یا آپ بھول گئے ۔

دوم مقتدی امام کے تابع ہوتا ہے اور اپنی نماز میں مستقل نہیں پس جب امام بھول جاتے اور اس پر سہو ہو تو مقتدی پر بھی سہو ہوگا ۔ خواہ مقتدی کو علم ہو کہ نماز پوری نہیں ہوئی ۔ اور یہی وجہ ہے کہ صحابہ رض نے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے تھے ۔ نئے سرے سے نماز نہیں پڑھی بلکہ اپنے امام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع رہے اگر بعض کو یقین تھا ۔ کہ نماز پوری نہیں ہوئی سوم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل امت کے لئے شریعت زمانہ نبوت کے ساتھ اس کی خصوصیت ہوتی ، تو ہمارے لئے بیان کر دیتے اور جب بیان نہیں کیا تو خصوصیت نہ رہی ۔ ترمذی میں یہ مقام قابل حل تھا میں نے کسی شرح میں اس کا حل نہیں دیکھا ، آپ اس کو با دلیل حل کریں ۔

ابو محمد عبدالجبار مدرس مدرسہ مصباح العلوم کھنڈیلہ جے پور

جواب ، آپ نے امام احمد رح کے قول پر تین اعتراض کئے ہیں وہ تینوں کمزور ہیں ۔

اول ۔ اس لئے کہ امام احمد رح کی مراد یقین سے یہ نہیں کہ خلاف کا کمزور سا وہم بھی نہ رہے بلکہ عام مراد ہے جو قوی ظن کو بھی شامل ہے ۔ جیسے عام محاورہ میں کہتے ہیں کہ مجھے اس بات کا یقین ہے شک

ہنیں گویا یقین کو شک کے مقابلہ میں استعمال کرتے ہیں اور ایسا یقین سوال سے مانع ہنیں کیونکہ سوال کمزور ہے وہم کی بنا پر بھی ہو سکتا ہے۔

دوسرا اعتراض اس لئے کمزور ہے کہ مقتدی امام کے سہو میں امام کے تابع ہے جو الگ غلطی کرے جس سے نماز فسخ ہوتی ہے اس میں امام کے تابع ہونے کے کیا معنیٰ؟ مثلاً کسی کے سلام کا جواب دیدے یا کسی آنے والے کو بتا دے کہ اتنی رکعتیں ہو چکی ہیں تو مقتدی کی نماز فسخ ہو جائے گی۔ امام پر اس کا کوئی اثر نہیں ٹھیک اسی طرح امام کے سہو کے وقت مقتدی کا کلام کرنا ہے۔ تیسرا اعتراض اس لئے کمزور ہے کہ حکم علت کے تابع رہتا ہے۔ اصل یہ ہے کہ کلام نماز کے منافی ہے جس صورت میں اس کا جواز ثابت ہوا اس سے تجاوز جائز نہیں۔ امام احمد رح کے نزدیک ذوالیدین رض کی حدیث سے صرف اسی صورت سے کلام ثابت ہوتی ہے کہ مقتدی کو یقین ہو کہ نماز پوری ہو چکی یہ صورت مقتدی کے حق میں زمانہ نبوت کے لعبد پیدا نہیں ہوئی۔ اس لئے مقتدی کے حق میں یہ حکم زمانہ نبوت تک محدود اور امام کے حق میں یہ صورت لبعد بھی پیدا ہو جاتی ہے اس لئے اس کے حق میں یہ حکم اب بھی باقی ہے بہر صورت حکم علت کے تابع ہوتا ہے ——— جس کے حق میں زمانہ نبوت تک محدود رہی اس کے حق میں حکم بھی زمانہ نبوت تک محدود رہا۔ اور جس کے حق میں علت لبعد بھی رہی۔ اس کے حق میں حکم بھی لبعد رہا۔ یہ تو ہوئی آپ کے اعتراضات کی حقیقت رہا نفس مسئلہ سو آپ کا صحیح ہے امام احمد بن حنبل رح کا قول ٹھیک ہنیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب فرمایا لَمْ اَنْسَ وَلَمْ تُقْصَرْ نہ میں بھولا ہوں اور نہ نماز کم ہوئی ہے تو اس وقت ذوالیدین نے کہا بَلٰی قَدْ نَسِیْتَ کیوں نہیں بے شک آپ بھول گئے ہیں۔ حالانکہ ذوالیدین کو اس وقت قطعاً یقین ہو گیا تھا۔ کہ نماز پوری ہنیں ہوئی مگر باوجود اس کے ذوالیدین نے کلام کی، اس سے ثابت ہوا کہ امام مقتدی میں امام احمد رح نے جو تفرلق کی ہے صحیح ہنیں، بلکہ نماز پوری ہونے کا یقین تو کجا کمی کا یقین ہو تو بھی کلام ہو سکتی ہے معلوم ہوتا ہے کہ امام احمد رح کو یہ روایت بَلٰی قد نَسِیْتَ ہنیں پہنچی یا یہ قول پہلے کا ہوگا۔ واللہ اعلم۔

عبداللہ امرتسری روپڑ انبالہ

مورخہ ۱۸ ذی الحجہ ۱۳۵۹ ھ

امام بخاری رح، امام مسلم رح وغیرہم کی تحقیق کو ائمہ اربعہ کے اجتہاد پر ترجیح کی وجہ

سوال ، اہل حدیث باوجود کسی کی تقلید نہ کرنے کے محدثین امام بخاری رح امام مسلم رح وغیرہم کی تحقیقات کو اجتہاد ائمہ اربعہ رح کے اجتہاد پر کیوں ترجیح دیتے ہیں ؟ کیا یہ تقلید نہیں ؟

جواب ، اہل حدیث بخاری ومسلم کے اجتہاد کو آئمہ اربعہ کے اجتہاد پر ترجیح نہیں دیتے بلکہ دلیل کے تابع ہیں مثلاً ایک مجلس کی تین طلاق میں بہت سے اہلحدیث بخاری وغیرہ کے خلاف ہیں اس لئے ہم نے تعریف اہل سنت کے ص۸۷ کے حاشیہ میں اس مسئلہ کو صاف کر دیا ہے ۔ کہ محدثین صحاح ستہ کے اجتہاد کو ائمہ کے اجتہاد پر ترجیح نہیں ۔ عبداللہ امرتسری روپڑی

سوال ، احناف کے فقہاء ومحدثین مثل عینی وطحاوی وابن الہام کی تحقیقات حدیثیہ کو اہل حدیث کیوں تسلیم نہیں کرتے ، حالانکہ یہ فقہاء بھی حدیث کی تصحیح وتصنیف بطریق محدثین کرتے ہیں ؟ ۔

جواب ، عینی تو کچھ متعصب ہیں چنانچہ مولوی عبدالحیُ صاحب لکھنوی رح نے فوائد البہیہ میں لکھا ہے ۔ طحاوی رح اور ابن ہمام رح بھی مذہب کی خاطر تاویلات کر جاتے ہیں صحت میں قواعد محدثین سے نکل جاتے ہیں ۔ چنانچہ ابن الہمام بخاری ومسلم کی احادیث کو باقی کتب کی احادیث صحاح پر ترجیح نہیں دیتے اس لئے محدثین کرام کے مقابلہ میں ان کی تحقیق معتبر نہیں ہاں تائیداً کام دے سکتی ہے ۔ عبداللہ امرتسری روپڑی

وَعَلَيْهِ عَمَلُ اَهْلِ الْعِلْمِ

سوال ، امام ترمذی اپنی جامع میں فرماتے ہیں ۔

وَعَلَيْهِ عَمَلُ اَهْلِ الْعِلْمِ اس سے کون اہل علم مراد ہیں سلف امت یا تابعین رح اور مقصود اس سے امام ترمذی رح کا اس قول سے کیا ہے جلال الدین تعقبات علی الموضوعات میں لکھتے ہیں قلت الحدیث اخرجہ الترمذی وقال حسین ضعفہ احمد وغیرہ والعمل علی ھذا الحدیث عند اہل العلم فاشار بذالک الی ان الحدیث اعتضد لقول اہل العلم وقد صرح غیر

فاحد بان من دلیل صحۃ الحدیث قول اھل العلم بہ وان لم یکن لہ اسناد یعتمد علیہ
اس قول سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ جو حدیث ضعیف الاسناد ہو وہ معمول بہ ہونے کی وجہ سے صحیح
اور قابل عمل ہے لیکن اہل حدیث مطلق ضعیف کو قابل عمل نہیں ٹھہراتے گو اس پر اہل علم کا عمل ہو

جواب ۔ اہل علم سے صحابہ رض وتابعین وغیرہ مراد ہیں چنانچہ امام ترمذی کئی جگہ تصریح کر دیتے ہیں ۔ امام ترمذی والعمل علی ھذا عند اھل العلم کہتے ہیں اگر اس مسئلہ میں اختلاف نہ ہو تو پھر حدیث کی صحت میں کوئی شبہ نہیں، اگر اختلاف ہو تو کچھ تقویت پہنچ جاتی ہے۔ بشرطیکہ اس حدیث کے مقابل کوئی حدیث نہ ہو۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

بخاری میں باب کی سُرخی

سوال ۔ کتب حدیث میں امام بخاری وغیرہ ترجمۃ الباب کے تحت صرف لفظ باب لکھ دیتے ہیں، تو اس سے ان کا کیا مقصد ہوتا ہے ۔ آیا یہ کہ مفصل ہوتا ہے یا اس میں کسی مقدر کلام کی ضرورت ہے مولوی محمود الحسن دیوبندی مرحوم نے قدرے کلام اس پر کیا ہے ۔ آپ اپنی تحقیق انیق سے مطلع فرمائیں۔

جواب ۔ صرف باب میں اس کی دو وجہیں ہیں ایک یہ کہ یہ باب پہلے باب سے بمنزلہ فصل کے ہوتا ہے کسی خاص بات پر تنبیہ کرنی مقصود ہوتی ہے پہلے باب کا مسئلہ ثابت کرنا مقصود نہیں ہوتا ۔ چنانچہ اکثر حالت یہی ہے دوسری وجہ یہ کہ اس باب کی احادیث سے بھی پہلے باب کا مسئلہ ثابت ہوتا ہے ۔ مگر کسی خاص بات کی طرف بھی اشارہ ہوتا ہے جیسے بابُ عَلَامَةِ الْاِیْمَانِ حُبُّ الْاَنْصَارِ میں باب کا عنوان اس طرح کا ہے اس میں لیلۃ العقبہ کی بیعت کا ذکر ہے اس سے اس طرف اشارہ ہے کہ انصار کا نام اس وقت سے انصار ہوا یہ وہ خاص بات ہے جس کے لئے الگ عنوان قائم کیا ہے اور جب یہ ان کا نام ہو گیا یہاں تک قرآن میں بھی اسی نام سے موسوم ہوئے تو لامحالہ انصار کی محبت علامت ایمان ہو گئی اس سے اصل باب کا مسئلہ بھی ثابت ہو گیا۔ اور ان بات پر بیعت جن عورتوں سے لی ہے اس کا ذکر بھی اس باب میں ہے اور یہ حدیبیہ کے بعد ہوئی ہے ۔ یہ ان کے انصار ہونے کی تائید ہے ۔

کیونکہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جیسا موقع ہوتا ویسی بیعت کے لئے تیار رہتے یا جس قسم کی بیعت کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حکم دیتے حاضر ہو جاتے گویا لیلۃ العقبہ کی بیعت کا پورا ایفاء ہے اس کے علاوہ اصل مسئلہ یہاں ایمان کا ہے۔ اس کے مباحث سے اس کو دو طرح سے تعلق ہے ایک یہ کہ اجتناب مناہی ایمان سے ہیں۔

دوم۔ اس شخص پر رد ہے جو کہتا ہے۔ کہ مرتکب کبیرہ مخلد فی النار ہے۔ بخاری رح کی نظر نہایت باریک ہے ہر ایک اس کو نہیں پہنچتا۔ اس کا ذکر میں نے کچھ جواب الفصل الخطاب کے صفحہ ۹۹ میں بھی کیا ہے۔ اس لئے مشہور ہے فقہ البخاری۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

وسیلہ

سوال إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ عِبَادٌ أَمْثَالُكُمْ فَادْعُوهُمْ سے مراد بت ہیں جیسا کہ تفسیر موضح القرآن میں لفظ تدعون یا یعبدون سے مراد بت لیا گیا ہے اس لئے بتوں اور جنوں کو پکارنا منع ہے بندوں کو پکارنا منع نہیں۔

دوسرا یہ کہ من دون اللہ کے معنی اللہ کے مقابل ہے۔ خدا سمجھ کر پکارنا منع ہے ویسے پکارنا منع نہیں اگر انسان کو پکارنا منع ہوتا تو جب انسان دوسرے کو آواز دیتے اور پکارتے ہیں تو وہ بھی منع ہوتا۔ ایسا کہنے والے حق پر ہیں یا نہیں اس کی وضاحت فرمائیں۔

عبدالرحمٰن قندر کوٹ

جواب ۔ پندرہ پارہ سورۃ بنی اسرائیل میں ہے۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ یعنی یہ لوگ جن کو یہ کفار لوگ پکارتے ہیں خدا کی طرف قرب کے متلاشی ہیں۔ اس آیت میں بندوں کو پکارنے کا ذکر ہے جس سے خدا نے منع فرمایا ہے۔ اور من دون اللہ کے معنی مقابلہ کے نہیں بلکہ سوا کے ہیں پس اللہ کے سوا بندوں کو پکارنا منع ہوا باقی خدا سمجھ کر تو وہ مشرکین مکہ بھی نہیں پکارتے تھے بلکہ سفارشی سمجھ کر پکارتے تھے، چنانچہ قرآن مجید میں ہے۔ ویقولون ھٰؤلاء شفعاؤنا عنداللہ یہ اللہ کے پاس ہمارے لئے سفارشی ہیں۔ اور حدیث میں ہے کہ حج کے موقعہ پر وہ کہتے لبیک

لبیک لا شریک لک لبیک الا شریکا تملکہ و ما ملک

یعنی اے اللہ! ہم تیری خدمت میں حاضر ہیں تیرا کوئی شریک نہیں مگر ایسا شریک کہ تو اس کا مالک ہے وہ کسی چیز کا مالک نہیں، رہا ہمارا آپس میں پکارنا ایسا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنی حیاتی میں اپنے خادموں کو پکارتے تھے وفات کے بعد نہیں پکارتے تھے سو ایسا ہی ہمیں کرنا چاہیئے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

صفات الٰہی کا مسئلہ

سوال۔ "اِنَّ اللہ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ" اس حدیث کا مطلب کیا ہے؟

جواب۔ جب انسان کسی شے کو دور سے دیکھتا ہے تو اس کے متعلق اس کی ایک رائے قائم نہیں ہوتی کبھی اس کو بکری خیال کرتا ہے کبھی اونٹ، کبھی درخت وغیرہ بھلا جو شے بالکلیہ غائب اور آنکھوں سے محجوب ہو اس کے متعلق انسان ایک رائے کس طرح قائم کر سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ ذات وصفات الٰہی کے سلسلہ میں لوگ حیران وسرگردان رہتے ہیں کیونکہ ذاتِ الٰہی سامنے ہے نہ صفات اسی قسم سے حدیث مذکورہ بالا ہے اس میں آدم کی پیدائش خدا کی صورت پر بتلائی ہے حالانکہ قرآن مجید میں ہے۔

لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ وَّھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْر۔

یعنی خدا کی مثل کوئی شے نہیں، اگر حدیث میں کچھ کلام ہوتی تو وہ رد کی جاتی۔ مگر حدیث اعلیٰ درجہ کی صحیح اور متفق علیہ ہے۔ بخاری ومسلم دونوں نے روایت کیا ہے گمراہ فرقوں کا اصول تو ایسے موقعوں پر یہ ہے کہ جو حدیث قرآن مجید کے خلاف ہو وہ مردود ہے مگر ہمارا اصول یہ ہے کہ صحیح حدیث قرآن مجید کے خلاف نہیں ہو سکتی ہاں اپنے فہم سے کوئی قرآن مجید کے خلاف بنا لے تو اس کی مرضی۔ اسی وجہ سے وہ گمراہ کہلائے کہ اس اصول کی آڑ میں اپنے فہم سے انہوں نے صحیح احادیث کو رد کرنا شروع کر دیا۔ حالانکہ اگر بظاہر مخالفت دیکھ کر صحیح احادیث کو رد کرنا شروع کر دیں تو کبھی بظاہر قرآن مجید کی آیات بھی مخالفت ہوتی ہیں تو اِذَا تَعَارَضَا تَسَاقَطَا کے اصول کے تحت معاذ اللہ آیات بھی رد ہو جائیں گی پس یہ اصول بالکل غلط ہے کہ آیات کے مابین یا آیات

یا صحیح احادیث کے مابین تعارض ہو ہاں بے سمجھی سے تعارض معلوم ہو تو کسی عالم کے حوالے کر دے چنانچہ حدیث مذکور میں علماء نے توجیہات کی ہیں مگر ان کے بیان سے پہلے حدیث کے پورے الفاظ بیان کئے دیتے ہیں۔

یہ حدیث 'مشکوٰۃ باب مالا یضمن من الجنایات' کی فصل اوّل میں ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔

عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَاتَلَ اَحَدُکُمْ اَخَاهُ فَلْیَجْتَنِبِ الْوَجْهَ فَاِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِهٖ۔

یعنی جب تم سے کوئی لڑ پڑے تو منہ پر مارنے سے بچے کیونکہ خدا نے آدم کو اپنی صورت پر یا آدم کی صورت پر پیدا کیا۔

توجیہات

۱۔ خدا نے آدم کو آدم کی صورت پر پیدا کیا۔ یعنی آدم کی صورت جو ابتدا آفرینش میں تھی وہی مرتے دم تک رہی اس میں تغیر نہیں ہوا پس انسان کو اس صورت کی حفاظت کرنی چاہیئے ایسا نہ ہو کہ منہ پر مارنے سے بگڑ جائے۔

۲۔ صورت سے مراد شکل نہیں بلکہ حالت ہے اور مطلب یہ ہے کہ خدا نے آدم کو ایسے حال پر پیدا کیا ہے۔ کہ وہ آدم ہی کے ساتھ مختص ہے جو کسی اور نوع میں نہیں پایا جاتا مثلاً انسان کئی حالتیں بدلتا ہے اور کئی پلٹے کھاتا ہے کبھی کمال پاتا ہے کبھی نقصان، کبھی ترقی کی راہ اختیار کرتا ہے کبھی تنزل کی طرف جاتا ہے اپنے اختیاری غیر اختیاری افعال و اعمال کی بناء پر مختلف رنگ بدلتا ہوا آخر جنت و دوزخ کی صورت میں رحمت الٰہی و غضب الٰہی کا مورد ہو جاتا ہے ؏

نگاہ او بہ تماشا ایں کف خاک است

پس صفات الٰہی کے مظہر اتم ہونے کی وجہ سے اس کی قدر کرتے ہوئے اس کے منہ پر نہ مارنا چاہیئے۔

۳۔ آدم کو خدا نے اپنی ایک نرالی صورت پر پیدا کیا ہے جس کی مثال نہ پہلے ہوئی ہے نہ بعد

باقی مخلوقات سے ہر ایک کی مثال اور شبہ ہے آدم کی مثال اور شبہ نہیں جب خدا نے ایسی خاص صورت اس کو بخشی ہے تو اس کے منہ پر نہ مارنا چاہیئے۔ تاکہ اس کی خصوصیت قائم رہے۔

۴۔ بعض روائتوں میں ہے کہ ایک شخص اپنے بھائی کے منہ پر مار رہا تھا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منہ پر مارنے سے اس کو منع کیا۔ اور اس کی وجہ یہ بیان کی۔ کہ آدم کو خدا نے اس کی صورت پر پیدا کیا ہے جس کو تو مار رہا ہے۔ یعنی جب آدم کی یہی صورت ہے تو اس کی توہین نہ چاہیئے۔ اگرچہ باقی اعضاء بھی آدم کی طرح ہیں مگر منہ خوبیوں کا جامعہ ہے اس لئے اس کی خاص قدر کرنی چاہیئے۔

۵۔ خدا نے آدم کی صورت کو اپنی صورت اس لئے کہا ہے کہ یہ صورت خدا کے نزدیک بڑا شرف رکھتی ہے اور خدا کے نزدیک اس کی بڑی قدر اور عزت ہے۔ جیسے عیسٰی علیہ السلام کو روح اللہ کہتے ہیں یعنی ان میں وہ روح ڈالی گئی ہے جس کی خدا کے نزدیک بڑی قدر و منزلت تھی۔ اسی طرح بیت اللہ، اللہ کا گھر کہتے کا یہ مطلب نہیں کہ معاذ اللہ خدا اس کے اندر آباد ہے بلکہ محض بزرگی ظاہر کرنے کے لئے یہ نسبت کی گئی ہے۔ اس طرح ناقۃ اللہ کے یہ معنی نہیں کہ معاذ اللہ خدا اس پر سوار ہوتا ہے بلکہ یہ نسبت بھی محض شرافت و بزرگی کے لئے ہے اس طرح اہلِ اللہ (اللہ والے) اس قسم کی نسبتیں بہت آتی ہیں۔ پس اس طرح آدم کی صورت کو شرافت کے طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کی طرف نسبت کیا جب اس کی شرافت اللہ کے نزدیک اتنی بڑی ہے۔ کہ یہ خدا کی طرف نسبت کے لائق ہے تو پھر اس جگہ مارنا ٹھیک نہیں۔

۶۔ خدا کی صورت پر ہونا ایک تو اس طرح سے ہے کہ حقیقۃً آدم کی صورت خدا کی ہو یہ تو محال ہے دوم یہ کہ الفاظ ہی بولے جائیں اور مراد خدا کے سپرد کر دی جائے۔ کہ بندہ کے لئے بھی چہرہ ہے اور خدا کے لئے بھی چہرہ ہے بندہ کی بھی آنکھیں ہیں خدا کی بھی آنکھیں ہیں۔ علی ہذا القیاس

بس اس سے زیادہ اور کچھ نہ کہا جائے اس سے بھی آدم کی صورت کی شرافت سمجھی جاتی ہے کیونکہ جب الفاظ وہی بولتے ہوئے اس کو خدا کی طرف نسبت کیا تو معلوم ہوا کہ اس کو کسی خاص قسم کی شرافت حاصل ہے اس کو مار سے بچانا چاہیئے ؎

عارف اس صورت کدہ میں ہیں ہزاروں صورتیں　　صورتِ انسان جیسی ایک بھی صورت نہیں

تنبیہ

بعض روایتوں میں صورۃ الرحمٰن آیا ہے یعنی آدم کو رحمٰن کی صورت پر پیدا کیا گیا ہے اس کے متعلق علماء کے دو قول ہیں ایک یہ کہ حدیث کا اصل لفظ صورۃ ہے مگر راوی نے یہ سمجھا کہ ضمیر خدا کی طرف لوٹتی ہے۔ اس بناء پر اس نے کبھی صورۃ کی جگہ صورۃ الرحمٰن کہہ دیا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ صورۃ رحمٰن بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی زبان سے نکلا ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو ایک ایک مسئلہ کو کئی کئی دفعہ بیان کرنے کا اتفاق پڑتا۔ اس لئے کبھی کسی لفظ سے بیان کر دیا۔ کبھی کسی لفظ سے۔

اگر پہلا قول لیا جائے تو چھ صورتیں بن سکتی ہیں کیونکہ جب حدیث کے اصل لفظ صورۃ ہیں تو ہو سکتا ہے ضمیر خدا کی طرف پھرے جیسے راوی نے سمجھا ہے اور ہو سکتا ہے کہ آدم کی طرف پھرے یا مضروب (جس کو مارا گیا) کی طرف پھرے، اگر دوسرا قول لیا جائے تو پھر پہلی، دوسری، چوتھی توجیہ نہیں بن سکتی۔ کیونکہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے صورۃ الرحمٰن فرمایا ہے تو پھر صورتہ میں ضمیر کا مرجع صراحۃً معلوم ہو گیا۔ پس اب اس ضمیر کو آدم کی طرف یا مضروب کی طرف لوٹانا ٹھیک نہیں، میرے خیال میں دوسرا قول راجح ہے کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ راوی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ نقل کئے ہیں۔ بلا وجہ ہم یہ نہیں کہہ سکتے۔ کہ راوی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ اپنی سمجھ کے مطابق بنا لئے، اس پر کیا دلیل ہے۔ کہ اس حدیث میں راوی نے اپنے فہم کو دخل دیکر الفاظ کو بدل دیا ہے۔ بلا دلیل راوی پر الزام ٹھیک نہیں۔

میرے خیال میں سب توجیہات سے اخیر کی توجیح راجح ہے کیونکہ اس میں مراد خدا کے سپرد کر دی گئی ہے۔ جس میں امن اور سلامتی ہے صفات کے معاملہ میں اسی میں احتیاط ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

تمّت بالخیر

بار: دوم
ربیع الاوّل: ۱۴۰۴ھ دسمبر ۱۹۸۳ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مرتب فتاویٰ اہلحدیث

کی

زندگی کے مختصر حالات

استاذِ مکرم مولانا ابو السلام محمد صدیق بن عبد العزیز مدظلہ العالی مشرقی پنجاب کے ضلع فیروزپور میں ایک گاؤں فیروز وال کے ایک دینی گھرانے کے چشم وچراغ ہیں ۱۹۱۴ء یا ۱۹۱۶ء میں پیدا ہوئے اپنے گاؤں کے امام صاحب سے ناظرہ قرآن مجید پڑھا۔ علاقہ کے مشہور ڈی بی سکول میں مڈل تک تعلیم حاصل کی۔ پھر دینی علوم کے لیے جیّد علماء کی طرف رجوع کیا چنانچہ مولانا صدر الدین غالبوی بحر العلوم حافظ عبد اللہ محدّث روپڑی۔ شیخ الحدیث۔ مولانا محمد اسماعیل سلفیؒ۔ شیخ الحدیث مولانا سید مولا بخش کوموی رح اور حضرت العلام حافظ محمد گوندلوی۔ مولانا حافظ محمد حسین ایسے علماء فحول سے اکتساب علم کیا: فکری اعتبار سے سب سے زیادہ محدّث روپڑیؒ سے متاثر ہوئے۔ قیامِ پاکستان سے قبل لدھیانہ میں مقیم ہو گئے تھے ۱۹۴۲ء سے لے کر تقسیمِ ہند تک دار الحدیث لدھیانہ میں تدریس حدیث اور جامع اہلحدیث میں خطابت کے فرائض سر انجام دیتے رہے۔ قیامِ پاکستان کے بعد اپنے اہل وعیال۔ والدین اور دیگر اعزہ واقرباء کے ساتھ سرگودھا چلے آئے اور مستقل طور پر یہیں مقیم ہو کر علم کی خدمت میں مصروف ہو گئے۔ آجکل "جامعہ علمیّہ" سرگودھا کے رئیس الجامعہ ہیں۔ تدریسِ حدیث کے علاوہ تصنیف وتالیف میں مشغول ہیں۔ ایک دینی ادارے "احیاء السنۃ النبویہ" کا انتظام بھی انہی کے سپرد ہے۔ اس ادارہ نے بہت سی کتابوں کی اشاعت کا اہتمام کیا ہے جن میں مفتاح الحاجہ شرح سنن ابنِ ماجہ۔ بلوغ المرام مع حاشیہ سید احمد حسنؒ اور فتاویٰ اہلحدیث محدّث روپڑی وغیرہ بہت مشہور ہیں۔ صدر ضیاء الحق کی حکومت کے تحت دینی مدارس کی تنظیم نو کے سلسلہ میں قومی کمیٹی برائے دینی مدارس میں اہلحدیث مسلک کی نمائندگی کے لئے رکن نامزد ہوئے اور نہایت زوردار طریقہ سے اپنا مؤقف پیش کیا۔

مسلک اور علمی مرتبہ آپ خالص سلفی مسلک کے حامل ہیں اور عمر بھر سے اسی مسلک کی اشاعت کے لئے کوشاں ہیں۔ ان کی تگ و دَو کا نقطۂ ارتکاز مسلک اہلحدیث ہے

ہم نے سابقہ سطور میں عرض کیا ہے کہ آپ منہاجِ فکر میں حضرت حافظ عبداللہ روپڑی رح سے بے حد متاثر ہیں۔ ان کے رشحاتِ فکر، فقہی استنباط پر بحر العلوم حافظ عبداللہ محدث روپڑی رح کی چھاپ ہے استاذِ محترم موار یث میں یدِ طولےٰ رکھتے ہیں، وراثت کے مشکل سے مشکل مسئلہ کو آسانی سے حل کر دیتے ہیں، وراثت کے مسائل میں ان کو نہ صرف اہلحدیث حضرات میں سند تسلیم کیا جاتا ہے بلکہ بسا اوقات حنفی حضرات یا عدالتوں کی طرف سے بھی استفتاء آجاتا ہے۔ ان کے طرزِ استدلال میں قوت جو کہ مسلک اہلحدیث کا خاصہ ہے اور استنباط میں گہرائی پائی جاتی ہے قلم میں زورِ بیان اور اعتدال ہے اور تحریر تیزی اور شدت سے پاک ہے۔

تصنیفات یوں تو آپ نے اب تک چھوٹی بڑی بہت سی کتابیں لکھی ہیں جو عقائد حدیث اور فقہ پر مشتمل ہیں۔ لیکن ہماری نظر میں ان کا سب سے بڑا کارنامہ بحر العلوم حافظ عبداللہ محدث روپڑی رح کے فتاویٰ کی تدوین ہے اور ان فتاویٰ کو مدون کر کے مسلک سلفی کی ایک بڑی خدمت سرانجام دی ہے۔ ان فتاویٰ کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ حضرت محدث روپڑی رح کی فکری منہاج۔ طرزِ استدلال اور اسلوب واضح طور پر علماء کے سامنے آگئے۔ ان فتاویٰ کی صورت میں محدث روپڑی کا نام قیامت تک کے لئے زندہ رہے گا۔ اس کے علاوہ آپ کی تصانیف میں اوصاف سلمان۔ راہِ سنت۔ وراثتِ اسلامیہ۔ اسوۂ سید الکونین اردو ترجمہ جزء رفع الیدین، امام بخاری رح۔ المعراج۔ جمع بین الصلاتین۔ دائمی اوقات خیر الکلام حج و عمرہ عشر وزکوٰۃ تعلیم الاحکام ترجمہ و شرح بلوغ المرام مشہور ہیں۔

طیّب شاہین لودھی عفی عنہ
لیکچرار ادبیاتِ عربی
گورنمنٹ کالج شاہ پور صدر